العطايا النبویة فی الفتاوی الرضویة
فتاویٰ رضویہ
١٠
امام اہلسنّت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت
امام احمد رضا خان قادری
رضی اللہ تعالیٰ عنہ
رضا فاؤنڈیشن
لاہور، پاکستان

Waris e Uloom e Alahazrat, Nabirah e Hujjat ul Islam, Janasheen e Mufti e Azam Hind, Jigar Gosha e Mufassir e Azam Hind, Shaikh ul Islam Wal Muslimeen, Qazi ul Quzzat, Taj ush Shariah Mufti

Muhammad Akhtar Raza Khan

Qadiri Azhari Rahmatullahi Alihi

Or Khaanwada e Alahazrat k Deegar Ulama e Kiram Ki Tasneefat Or Hayaat o Khidmaat k Mutaluah k Liyae Visit Karen.

To discover about writings, services and relical life of the sacred heir of Imam Ahmed Raza, the grandson of Hujut-ul-Islam, the successor of Grand Mufti of India, his Holiness, Tajush-Shariah, Mufti

Muhammd Akhter Raza Khan

Qadri Azhari Rahmatullahi Alihi

the Chief Islamic Justice of India, and other Scholars and Imams of golden Razavi ancestry, visit

www.muftiakhtarrazakhan.com

Contents

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عرَبی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ یُّرِدِ اللہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد دہم

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان

فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ـــــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ـــــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاہور (۸)، پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون: ۶۷۷۵۲

کتاب__________فتاوی رضویہ جلد دہم

تصنیف__________شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات__________حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری، لاہور

پیش لفظ__________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست__________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح__________مولانا نذیر احمد سعیدی

باہتمام و سرپرستی__________مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت__________محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ__________مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات__________۸۳۲

اشاعت__________ربیع الاول ۱۴۱۷ھ/اگست ۱۹۹۶ء

مطبع__________

ناشر__________رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت__________روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی

ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ اعلٰحضرت امام المسلمین مولٰنا الشاہ احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائنِ علمیہ و ذخائرِ فقہیہ کو جدید انداز میں عصرحاضر کے تقاضوں کے مطابق منظرِعام پرلانے کے لیے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں ''رضافاؤنڈیشن'' کے نام سے جوادارہ چندسال قبل قائم ہواتھاوہ انتہائی برق رفتاری کے ساتھ مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہاہے۔ کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الجنائز پر مشتمل نوخوبصورت جلدیں آپ تک پہنچ چکی ہیں۔ اب بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایۃ رسولہ الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دسویں جلد پیش کی جارہی ہے۔

جلد دہم

یہ جلد فتاوی رضویہ قدیم جلد چہارم میں سے کتاب الزکوۃ سے آخر تک ۳۱۶ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے، اس طرح قدیم چار[۴] جلدیں دس[۱۰] جدید جلدوں کی صورت میں مکمل ہوچکی ہیں، اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کاترجمہ فاضل شہیر مترجم کتب کثیرہ حضرت علامہ مفتی محمدخاں قادری نے فرمایاہے جبکہ جلد ششم، ہفتم اور ہشتم کاترجمہ بھی انہی کی رشحات قلم کاثمر ہے۔

پیش نظر جلد میں شامل رسالہ البدور الاجلۃ فی امور الاھلۃ، اس کی شرح نور الادلۃ للبدور الاجلۃ اور اس کے حاشیہ رفع العلۃ من نور الادلۃ میں تقدم وتاخر اور عدم ترتیب کی وجہ سے خاصا اُلجھاؤ تھا جس کی بناء پر اس سے استفادہ بہت دشوار تھا، موجودہ ایڈیشن میں متن، شرح اور متعلقہ حاشیہ کو انتہائی حسن ترتیب کے ساتھ باہم مربوط کردیا گیا چنانچہ اب اس سے بآسانی استفادہ کیا جاسکتا ہے، نیز رسالہ النیرۃ الوضیۃ شرح الجوھرۃ المضیۃ مع حاشیۃ الطرۃ الرضیۃ جو کہ پہلے فتاوی رضویہ میں شامل نہ تھا، موضوع کی مناسبت سے شامل اشاعت کردیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس جلد میں شامل رسائل کے مندرجات کی مفصل فہرست راقم نے افادہ قارئین کے لیے تیار کردی ہے متعدد ضمنی مسائل وفوائد کے علاوہ اس جلد میں مندرجہ ذیل سات عنوانات زیر بحث لائے ہیں:

(۱) کتاب الزکوٰۃ

(۲) کتاب الصوم

(۳) باب فی رؤیۃ الھلال

(۴) باب القضاء والکفارۃ

(۵) باب الفدیہ

(۶) کتاب الحج

(۷) باب الجنایات فی الحج

مندرجہ بالا عنوانات کے علاوہ انتہائی دقیق اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل سولہ رسائل بھی اس جلد میں شامل ہیں:

(۱) تجلی المشکوٰۃ لانارۃ اسئلۃ الزکوٰۃ (۱۳۰۷ھ)

ہر قسم کے مال کی زکوٰۃ کے حساب لگانے، ادا کرنے کے اوقات اور مصارف کا بیان

(۲) اعز الاکتناہ فی رد صدقۃ مانع الزکوٰۃ (۱۳۰۹ھ)

صاحب نصاب زکوٰۃ ادا نہ کرے اور دیگر صدقات وخیرات کرے یا ذمہ میں فرائض ہوں اور نوافل ادا کرے تو یہ مقبول نہیں۔

(۳) رادع التعسف عن الامام ابی یوسف (۱۳۱۸ھ)

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی جانب ایک مسئلہ کو غلط منسوب کردیا گیا اس رسالہ میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔

(۴) افصح البیان فی حکم مزارع ھندوستان (۱۳۱۸ھ)

ہندوستان کی زمینوں کے تفصیلی احکام

(۵) الزھر الباسم فی حرمۃ الزکوٰۃ علی بنی ھاشم (۱۳۰۷ھ)

بنی ہاشم پر زکوٰۃ اور صدقات واجبہ حرام ہیں اور ان کو دئے ادانہ ہوگی۔

(۶) ازکی الاھلال بابطال مااحدث الناس فی امر الھلال (۱۳۰۵ھ)

رؤیت ہلال میں تار کی خبر معتبر نہیں۔

(۷) طرق اثبات ھلال (۱۳۲۰ھ)

اثبات ہلال کے صحیح اور غلط طریقے

(۸) البدور الاجلۃ فی امور الاھلۃ مع شرح نور الادلۃ للبدور الاجلۃ مع حاشیۃ رفع العلۃ عن نور الادلۃ (۱۳۰۴ھ)

رؤیت ہلال کے تفصیلی احکام

(۹) الاعلام بحال البخور فی الصیام (۱۳۱۵ھ)

اگر بتی لوبان وغیرہ کا دھواں منہ یا ناک میں کس طرح جانے سے روزہ ٹوٹتا ہے۔

(۱۰) تفاسیر الاحکام لفدیۃ الصلوٰۃ والصیام (۱۳۱۶ھ)

بعد از موت نماز روزہ کے فدیہ کے مفصل مسائل

(۱۱) ھدایۃ الجنان باحکام رمضان (۱۳۲۳ھ)

صبح صادق اور کاذب کی معرفت کرائی گئی ہے اور نقشوں سے صبح صادق سمجھایا گیا ہے نیز افطار وسحر کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

(۱۲) درء القبح عن درک وقت الصبح (۱۳۲۶ھ)

صبح صادق معلوم کرنے کا قاعدہ بیان کیا گیا ہے (سحری کے وقت کی تحقیق جلیل)

(۱۳) العروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار (۱۳۱۲ھ)

دعائے افطار بعد افطار پڑھنا

(۱۴) صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین (۱۳۰۵ھ)

حرمین طیبین میں سکونت کرنے کا بیان

(۱۵) انوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ (۱۳۲۹ھ)

آداب سفر، مقدمات حج، احکام حج، احرام، طواف اور طریقہ حج وغیرہ کا بیان ۔

(۱۶) النیرۃ الوضیۃ شرح الجوھرۃ ف المضیۃ مع حاشیۃ الطرۃ الرضیۃ (۱۲۹۵ھ)

مسائل حج وزیارت کا بیان

ربیع الاول ۱۴۱۷ھ اگست ۱۹۹۶ حافظ عبدالستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ف: ماتن کا نام سید حسین بن صالح جمل اللیل فاطمی حسینی امام وخطیب شافعیہ بمکۃ المکرمہ متوفی ۱۳۰۱ھ

شرح وحاشیہ از اعلحضرت مولانا احمد رضاخاں قادری بریلوی قدس سرہ،

اعلیحضرت نے یہ رسالہ باراول کے حج میں مکہ معظمہ میں ایک دن میں تالیف کیا۔

فہرست مضامین

فہرست ضمنی مسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الزکوۃ

مسئلہ ۱: از بکاجبی والاعلاقہ علاقہ جاگل ہری پور ڈاک خانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد خاں ۷ ربیع الاوّل شریف ۱۳۱۲ھ
جناب عالی فیض بخش فیض رساہ امید گاہ جاویداں بندہ سے ایک مولوی امرت سر سے آئے ہیں وہ کسی بات کا جھگڑا کیا تھا تو بندہ نے کہا کہ نماز کا اللہ نے بہت بار قرآن شریف میں ذکر کیا ہے اور زکوۃ کا بھی بہت بار ذکر کیا ہے مگر روزہ کا ایک بار ذکر کیا ہے، جناب عالی یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور عُشر کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے یا نہیں؟

الجواب:

فی الواقع نماز و زکوۃ کی فرضیت و فضیلت و مسائل تینوں قسم کا ذکر قرآن مجید میں بہت جگہ ہے یہاں تک کہ مناقب بزازی و بحر الرائق و نہر الفائق و منح الغفار و فتح المعین وغیرہا میں واقع ہوا کہ علاوہ اُن مواقع کے جن میں نماز و زکوۃ کا ذکر جُدا جُدا ہے دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر قرآنِ عظیم میں بیاسی ۸۲ جگہ آیا ہے، مگر علامہ حلبی و علامہ طحطاوی و علامہ شامی ساداتِ کرام محشیانِ درِ مختار فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ اُن کا ساتھ ساتھ بتیس ۳۲ جگہ فرمایا ہے۔ علامہ حلبی کے استاد نے وُہ سب مواقع گنا دیئے درمختار میں ہے: قرنها بالصلٰوۃ فی اثنین و ثمانین موضعا[1] (بیاسی ۸۲ مقامات پر زکوۃ کو نماز کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ۔ت) شرح مسکین و حاشیہ سید ازھری

---

[1] درمختار کتاب الزکوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹

میں ہے:

قرن الزکوۃ فی ای من القراٰن اثنین و ثمانین موضعا[1]ھ	ملخصا آیات قرآنی میں بیاسی ۸۲ جگہ زکوۃ کو نماز سے متصل بیان کیا گیا ہے اھ تلخیصًا (ت)

طحطاوی ورد المحتار میں ہے:

واللفظ لط قولہ فی اثنین وثمانین موضعا تبع فیہ صاحب النھر والمنح وتبعا صاحب البحر معزیا الی المناقب البزازیۃ وصوابہ اثنین و ثلاثین کما عدھا شیخنا السید اھ حلبی بزیادۃ[2]۔	اس کی عبارت ط ہے کہ ان کا قول بیاسی ۸۲ مقامات پر ایسا ہے، اس میں صاحبِ نہر اور منح نے اتباع کی ہے، اور ان دونوں نے صاحبِ بحر کی اتباع کی ہے، انہوں نے مناقبِ بزازیہ کی طرف نسبت کی ہے، اور درست یہ ہے کہ زکوۃ کو نماز سے متصل جن مقامات پر بیان کیا گیا ان کی تعداد بتیس ۳۲ ہے جیسے کہ اس تعداد کو ہمارے شیخ سید نے شمار کیا اھ حلبی مع اضافہ۔ (ت)

اور فرضیتِ روزہ کا ذکر صرف ایک ہی جگہ ہے، ہاں عبارۃً واشارۃً اس کی فضیلت اور مواقع پر بھی ظاہر فرمائی گئی ہے:

کقولہ تعالٰی فی سورۃ الاحزاب اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ (الٰی قولہ تعالٰی) وَ الصّٰٓىٕمِیْنَ وَ الصّٰٓىٕمٰتِ[3] (الٰی ان قال تعالٰی) o اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۳۵[4] وقولہ تعالٰی فی سورۃ التوبۃ اَلتَّآىٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآىٕحُوْنَ[5] الایۃ وقولہ تعالٰی فی سورۃ	مثلاً سورہ احزاب میں اللہ تعالٰی کا قول ہے: بلا شبہ مسلمان مرد اور مسلمان خواتین (اللہ تعالٰی کے اس فرمان تک) روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی خواتین (یہاں تک کہ فرمایا) اللہ تعالٰی نے ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم تیّار رکھا ہے اور سورہ توبہ میں ارشادِ باری تعالٰی ہے: توبہ کرنے والے

[1] فتح المعین علٰی شرح ملا مسکین کتاب الزکوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۶۹
[2] ردالمحتار کتاب الزکوۃ مصطفی البابی مصر ۲/۲
[3] القرآن ۳۳/۳۵
[4] القرآن ۳۳/۳۵
[5] القرآن ۹/۱۱۲

التحریم "تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ"السائح ھو الصائم [1]۔	عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے الآیۃ

اور سورہ تحریم میں ارشاد باری تعالٰی ہے: توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں۔ السائح کا معنی روزہ رکھنے والا ہے (ت) عشر کا ذکر بھی قرآنِ عظیم میں ہے:

قال تعالٰی فی سورۃ الانعام وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ [2]۔ قالہ ابن عباس و طاؤس والحسن و جابر بن زید و سعید بن المسیّب [3]۔ رضی اللہ تعالٰی عنھم کمافی المعالم وغیرھا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے سورۃ الانعام میں فرمایا: کھیتی کٹنے کی دن اس کا حق ادا کرو۔ (اکثر مفسرین کے نزدیک اس حق سے مراد عشر ہے) (حضرت ابن عباس، طاؤس، حسن، جابر بن زید اور سعید بن المسیّب رضی اللہ تعالٰی عنہم ان تمام حضرات نے اس سے عشر مراد لیا ہے جیسا کہ معالم التنزیل وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲: مرزا باقی بیگ صاحب رامپوری ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند مسلمانوں نے ایک صاحب کا کچھ ماہوار نقد بطور چندہ مد زکوۃ میں سے اور طعام شبانہ روز مقرر کردیا اور کوئی کام خدمت یا بدل وغیرہ ان کے ذمہ نہیں کیا، غرض ان لوگوں کی ایک مسلمان بزرگ و مسکین کے ساتھ سلوک کرنا تھا اور ایسے شخص کا اپنے محلّہ و مسجد میں رہنا موجبِ خیر و برکت سمجھا، اسی طور پر عرصہ قریب چار سال کی گزرا کہ یہ لوگ موافق اپنے وعدے اور نیّت کے خواہ وہ بزرگ اپنے وطن کو گئے یا یہاں رہے، دیتے اور ادا کرتے رہے، مگر بعض نے ان میں عذر کیا اور کہا ہم ایامِ غیر حاضری کا نہ دیں گے، تو اس صورت میں زکوۃ ان لوگوں کی ادا ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب: اصل یہ ہے کہ زکوۃ میں نیّت شرط ہے بے اس کے ادا نہیں ہوتی، فی الاشباہ ماالزکوٰۃ فلایصح ادا ھا الّا بالنیۃ [4] (اشباہ میں ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی نیت کی بغیر درست نہیں۔ ت) اور نیّت میں اخلاص

[1] القرآن ۶۶/۵

[2] القراٰن ۶/۱۴۲

[3] معالم التنزیل علٰی ھامش الخازن تحت آیہ مذکورہ مصطفی البابی مصر ۲/۱۹۱

[4] الاشباہ والنظائر القاعدۃ الاولٰی من الفن الاول ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۰

شرط ہے بغیر اس کے نیّت مہمل، فی مجمع الانہر الزکوٰۃ عبادۃ فلابدّ فیہا من الاخلاص [1] (مجمع الانہر میں ہے زکوٰۃ عبادت ہے لہٰذا اس میں اخلاص شرط ہے۔ت) و راخلاص کے یہ معنٰی کہ زکوٰۃ صرف بہ نیّتِ زکوٰۃ و ادائے فرض و بجاآوری حکم الٰہی دی جائے، اس کی ساتھ اور کوئی امر منافیِ زکوٰۃ مقصود نہ ہو۔ تنویر الابصار میں ہے:

الزکوٰۃ تملیك جزء مال عینہ الشارع من مسلم فقیر غیر ھاشمی ولامولاہ مع قطع المنفعۃ عن المملك من کل وجہ ﷲ تعالٰی۔ [2]	زکوٰۃ شارع کی مقرر کردہ حصہ کا فقط رضائے الٰہی کے لئے کسی مسلمان فقیر کو اس طرح مالک بنانا کہ ہر طرح سے مالک نے اس شے سے نفع حاصل نہ کرنا ہو بشرطیکہ وُہ مسلمان ہاشمی نہ ہو اور نہ ہی اس کا مولٰی ہو۔ (ت)

در مختار میں ہے:

ﷲ تعالٰی بیان لا شتراط النیّۃ۔ [3]	"اللہ کے لئے ہو" کے الفاظ نیت ہی کو شرط قرار دینے کیلئے ہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

متعلق بتملیك ای لاجل امتثال امرہ تعالٰی۔ [4]	ان کلمات (للہ تعالٰی) کا تعلق لفظ تملیک سے ہے یعنی یہ عمل فقط اپنے رب کریم کے حکم کی بجاآوری کے طور پر ہو۔ (ت)

پھر اس میں اعتبار صرف نیّت کا ہے اگرچہ زبان سے کچھ اور اظہار کرے، مثلاً دل میں زکوٰۃ کا ارادہ کیا اور زبان سے ہبہ یا قرض کہہ کر دیا صحیح مذہب پر زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ شامی میں ہے:

لااعتبار للتسمیۃ فلوسماھا ھبۃ اوقرضا تجزیہ فی الاصح۔ [5]	نام لینے کا اعتبار نہیں، اگر کسی نے اس مال کو ہبہ یا قرض کہہ دیا تب بھی اصح قول کے مطابق زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (ت)

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الزکوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۹۲

[2] در مختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹

[3] در مختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹

[4] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/۴

[5] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/۴

پھر نیت بھی صرف دینے والے کی ہے لینے والا کچھ سمجھ کرلے اس کا علم اصلاً معتبر نہیں،

فی غمزالعیون العبرۃلنیۃ الدافع لاالعلم المدفوع۔[1]	غمزالعیون میں ہے کہ اعتبار دینے والے کی نیّت کا ہے نہ کہ اس کے علم کا جسے زکوۃ دی جارہی ہے (ت)

وللہذا اگر عید کے دن اپنے رشتہ داروں کو جنھیں زکوۃ دی جاسکتی ہے کچھ روپیہ عیدی کا نام کرکے دیا اور انہوں نے عیدی ہی سمجھ کرلیا اور اس کے دل میں یہ نیّت تھی میں زکوۃ دیتا ہوں بلاشبہ ادا ہوجائیگی۔ اسی طرح اگر کوئی ڈالی لایا رمضان مبارک میں سحری کو جگانے والا عید کا انعام لینے آیا یا کسی شخص نے دوست کے آنے یا اور کسی خوشی کا مژدہ سنایا اس نے دل میں زکوۃ کا قصد کرکے ان لوگوں کو کچھ دیا، یہ دینا بھی زکوۃ ہی ٹھہرے گا، اگرچہ ان کے ظاہر میں ڈالی لانے یا سحری کو جگانے یا خوشخبری کو سنانے کا انعام تھا، اور انہوں نے اپنی دانست میں یہی جان کرلیا، خلاصۃالفتاوی وخزانۃالمفتین وغیرہما معتبرات میں ہے:

لودفع علٰی صبیان اقاربہ دراھم فی ایام العید یعنی عیدی بنیّۃالزکوٰۃ اودفع الٰی من یبشرہ بقدوم صدیق او یخبرہ بخبر او یھدی الیہ الباکورۃ او الی الطبال یعنی سحر خوان او الی المعلم بنیّۃ الزکوٰۃ جائز۔[2]	اگر کسی نے ایامِ عید میں اپنے رشتہ داروں کے بچوں کو نیّت زکوۃ سے عیدی دیدی یا اس شخص کو جس نے اس کے دوست کی آمد کی اطلاع دی یا کوئی خوشی والی خبر دی یا کسی کو عید مبارک پر دی یا سحری کے وقت بیدار کرنے والوں یا استاد کو دی تو زکوۃ ادا ہوجائیگی (ت)

پھر زکوۃ صدقہ ہے اور صدقہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی فاسد ہوجاتی ہے، مثلاً زکوۃ دی اور یہ شرط کرلی کہ یہاں رہے گا تو دُوں گا ورنہ نہ دونگا اس شرط پر دیتا ہوں کہ تو یہ روپیہ فلاں کام میں صرف کرے اس کی مسجد بنادے یا کفنِ اموات میں اٹھادے تو قطعاً زکوۃ ادا ہوجائیگی اور یہ شرطیں سب باطل و مہمل ٹھہریں گی،

فی مصارف الزکوٰۃ من الدارالمختارلا الی بناء مسجد او کفنِ میّت و الحیلۃان یتصدق علی الفقیر ثم یا مرہ بفعل ھذہ الاشاء وھل لہ ان یخالف امرہ ولم ارہ والظاھر	درمختار کے مصارف زکوۃ میں ہے کہ مسجد کی تعمیر یا کفنِ میّت پر زکوۃ نہیں لگتی اور حیلہ یہ ہے کہ فقیر کو زکوۃ دی جائے، پھر اسے ان کاموں میں خرچ کرنے کا کہا جائے، کیا اس فقیر کے لئے اس دینے والے کے حکم کی خلاف ورزی جائز ہے، میری نظر سے نہیں گزرا۔ ہاں ظاہر یہی ہے کہ

---

[1] غمزعیون البصائر کتاب الزکوۃ، فن ثانی مصطفی البابی مصر ۲۲۱/۱

[2] خلاصۃالفتاوی کتاب الزکوۃالفصل الثامن فی اداء الزکوۃمکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲۴۳/۱

نعم [1] ھ ملخصًا قولہ(والظاھر نعم) البحث لصاحب النھر وقال لانہ مقتضی صحۃ التملیك قال الرحمتی والظاھر انہ لا شبھۃ فیہ لا نہ ملکہ ایاہ عن زکوٰۃ مالہ و شرط علیہ شرطاً فاسدا او الھبۃ و الصدقۃ لا تفسدان بالشرط الفاسد [2] اھ ردالمحتار۔	فقیر اس کے خلاف کر سکتا ہے اھ ملخصًا۔ قولہ والظاہر نعم، صاحب نہر نے اس پر بحث کرتے ہُوئے فرمایا کہ حُرمت تملیک کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ خلاف ورزی کر سکتا ہے۔ رحمتی نے فرمایا: ظاہر یہی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں اس لیے کہ اس نے فقیر کو اپنے مال کی زکوٰۃ دے کر اسے مالک بنادیا اور ساتھ شرط فاسد کا اضافہ کر دیا حالانکہ ہبہ اور صدقہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے اھ ردالمحتار (ت)

پھر جب صریح شرط باوجود خلوصِ نیّت اداءِ زکوٰۃ میں خلل انداز نہیں تو ایسا برتاؤ جو بظاہر معنیِ شرط پر دلالت کرے مثلاً جب یہاں رہے تو دے اور نہ رہے تو نہ دے، بدرجہ اولی باعث خلل نہ ہوگا۔

اقول: وقد ظھر ھذا من مسائل البشیر والطبال ومھدی البالکورۃ فانہ انما یحمل الناس علی الدفع الیھم افعالھم ھذہ ولو لم یفعلو افلر بمالم یدفع الیھم شیئ ومن ذلك مسئلۃ دفع العیدی بنیۃ الزکوٰۃ الی خدامہ من الرجال و النساء حیث یقع عن الزکوٰۃ کما فی المعراج وغیرہ مع العلم بانہ لو لم یخدموہ لما اعطاھم و بالجملۃ فھذہ العلائق تکون بواعث للناس علٰی تخصیصھم بصرف الزکوٰۃ فدوران العطاء معھا وجودا وعدما لا یعین معنی التعویض وانما المراجع النیۃ فاذا خلصت اجزت۔	اقول: بشارت دینے والے، سحر خواں (سحری کے وقت بیدار کرنے والا) اور نئے پھلوں کا ہدیہ دنے والے کے مسائل سے بھی یہ بات واضح ہو گئی ہے کیونکہ لوگ ان کو ان کے عمل کی وجہ سے دیتے ہیں، اگر وُہ یہ کام نہ کریں تو اکثر اوقات ان بیچاروں کو کچھ بھی نہیں دیا جاتا، اسی طرح یہ مسئلہ کہ خدام (خواہ مرد ہوں یا خواتین) کو نیت زکوٰۃ سے عیدی دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، جیسا کہ معراج وغیرہ میں ہے، حالانکہ یہ بات مسلّمہ ہے کہ اگر وُہ خدمت نہ کرتے تو انھیں یہ رقم نہ ملتی، الغرض یہ وہ تعلقات ہیں جن وجہ سے لوگ ان مخصوص لوگوں کو زکوٰۃ دیتے ہیں تو اب عطا کا تعلقات کے ساتھ دوران وجودًا وعدمًا عوض بنانے کے معنٰی کو معیّن نہیں کرتا، نیّت پر مدار ہوگا جب نیّت خالص ہو گی تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ (ت)

---
[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۱

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف مصطفٰی البابی مصر ۲/۶۹

جب یہ امور ذہن نشین ہو لیے تو جوابِ مسئلہ بحمدہٖ تعالٰی واضح ہوگیا، اگر وُہ اگر دینے والے بقصدِ معاوضہ و بطورِ اُجرت دیتے یانیتِ زکوٰۃ کے ساتھ یہ نیت بھی ملالیتے تو بیشک زکوٰۃ ادانہ ہوتی۔

امّا علی الاوّل فلعدم النیة واما علی الثانی فلعدم الاخلاص ولایکون کنیة الحمیة مع نیة الصوم حیث تجزی لانها نیة لازم لا نیة مناف کما افادہ المولی المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر ولاکذلك ماھنا فان التعویض یبائن التصدق۔	پہلی صورت (بقصدِ معاوضہ و اجرت) میں نیتِ زکوٰۃ ہی نہیں اور دوسری صورت یعنی (زکوٰۃ کے ساتھ معاوضہ کی نیت بھی ہو) تو اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اس طرح نہیں جیسے بخار کی بناء پر رخصت کی نیت روزہ کی نیت کے ساتھ کہ یہ جائز ہے کیونکہ نیت اس صورت میں لازم کی نیّت ہے منافی کی نہیں، جیساکہ مولی محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں افادہ فرمایا ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ معاوضہ میں دینا صدقہ کہ منافی ہے۔ (ت)

جبکہ تقریر سوال سے ظاہر کہ انہوں نے محض بنیت زکٰوۃ دیا اور اسے زکوٰۃ ہی خیال کیا، معاوضہ و اُجرت کا اصلاً لحاظ نہ تھا تو بے شک زکوٰۃ ادا ہو گئی اگرچہ وہ شخص جسے زکوٰۃ دی گئی اپنے علم میں کچھ جانتا ہو، اگرچہ انہوں نے اس سے صاف کہہ بھی دیا کہ یہاں رہوگے تو دیں گے ورنہ نہ دیں گے، اگرچہ وُہ عمل بھی اس کے مطابق کریں یعنی ایامِ حاضری میں دیں غیر حاضری میں نہ دیں کہ جب نیت میں صرف زکوٰۃ کا خاص قصد ہے تو اُن میں کوئی امر اُس کا نافی و منافی نہیں۔

کما حققنا فلا فتاء ھھنا بعدم الاجزاء بناء علٰی مخالفة علم المدفوع الیه کماوقع عن بعض المدعین علوا الکعب فی العلم الدینیة ناش عن قلة التدبیر او سوء الفھم واللہ المستعان وعلٰی ازالة الوھم والحمدللہ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	جیساکہ ہم نے تحقیق کی ہے، پس اب اس پر فتوٰی دینا کہ یہاں زکوٰۃ دینا اسلئے جائز نہیں کہ جس کو دی جارہی ہے اس کے علم میں یہ نہیں ہے، جیساکہ علمِ دین میں اپنے فوقیت کا اعلان کرنے والے بعض حضرات نے کیا، یہ قلّت تدبر یا سوءِ فہم کی وجہ سے ہُوا۔ اللہ تعالٰی ہی ازالہ وہم پر مددگار ہے والحمد اللہ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳ : مسئولہ مولوی علی احمد صاحب مصنّف تہذیب الصبیان ۱۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ان دنوں قحط میں بعض آدمی مد زکوٰۃ میں بھوکوں کو غلّہ مکّا وغیرہ تقسیم کرتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

زکوٰۃ میں روپے وغیرہ کہ عوض بازار کے بھاؤ سے اس قیمت کا غلّہ مکّا وغیرہ محتاج کو دے کر بہ نیت زکوٰۃ مالک

کر دینا جائز وکافی ہے، زکوۃ ادا ہو جائیگی، جس قدر چیز محتاج کی مِلک میں گئی بازار کے بھاؤ سے جو قیمت اس کی ہے وہی مجرا ہو گی بالائی خرچ محسوب نہ ہوں گے، مثلاً آج کل مکّا کا نرخ نَو سیر ہے نَو من مکّا مول لے کر محتاجوں کو بانٹی تو صرف چالیس روپیہ زکوۃ میں ہوں گے، اُس پر جو پلّہ داری یا باربرداری دی ہے حساب میں نہ لگائی جائے گی، یا گاؤں سے منگا کر تقسیم کی تو کرایہ گھاٹ چونگی وضع نہ کریں گے، یا غلّہ پکا کر دیا تو پکوائی کی اُجرت، لکڑیوں کی قیمت مجرا نہ دینگے، اس کی پکی ہوئی چیز کو جو قیمت بازار میں وہی محسوب ہو گی،

لان رکنھا التملیك من فقیر مسلم لو جه الله تعالٰی من دون عوض۔	کیونکہ اس کا رکن یہ ہے کہ کسی فقیر کو اللہ کی رضا کی خاطر اس کا مالک بنایا اور بطور معاوضہ نہ ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لو اطعم یتیما ناویا الزکوٰۃ لا یجزیه الا اذا دفع الیه المطعوم کمالو کساہ۔[1]	جب کسی نے یتیم کو نیتِ زکوۃ سے کھانا کھلایا زکوۃ ادا نہ ہو گی جب تک کھانا اس کے حوالے نہ کردے، ایسے ہی لباس کا معاملہ ہے (ت)

عالمگیری میں ہے:

ماسواہ من الحبوب لا یجوز الا بالقیمة۔[2]	یہ دانوں کے علاوہ میں ہے کیونکہ وہاں قیمت ہی ضروری ہے (ت)

اسی میں ہے: الخبز لا یجوز الا باعتبار القیمة[3] (روٹی کا اعتبار قیمت کے بغیر جائز نہیں۔ ت) واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم و علمه جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۴: کیا فرماتے علمائے دین اس صورت میں کہ اگر کسی شخص نے عوض اس زرِ زکوۃ کہ جو اس کہ ذمّہ واجب ہے محتاجوں کو کھانا کھلادیا یا کپڑے بنادئے تو زکوۃ ادا ہو جائیگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

عوض زرِ زکوۃ کے محتاجوں کو کپڑے بنادینا، انھیں کھانا دے دینا جائز ہے اور اس سے زکوۃ ادا ہو جائیگی خاص روپیہ ہی دینا واجب نہیں مگر ادائے زکوۃ کے معنٰی یہ ہیں کہ اس قدر مال کا محتاجوں کو مالک کر دیا جائے

---

[1] درمختار کتاب الزکوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹
[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثامن فی صدقۃ الفطر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۹۲
[3] فتاوٰی ہندیہ الباب الثامن فی صدقۃ الفطر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۹۲

اسی واسطے اگر فقراء و مساکین کو مثلًا اپنے گھر بلا کر کھانا پکا کر بطریقِ دعوت کھلادیا تو ہر گز زکوۃ ادا نہ ہوگی کہ یہ صورت اباحت ہے نہ کہ تملیک، یعنی مدعو اس طعام کو ملک داعی پر کھاتا ہے اور اس کا مالک نہیں ہو جاتا اسی واسطے مہمانوں کو روا نہیں کہ طعامِ دعوت سے بے اذنِ دعوت میزبان گداؤں یا جانوروں کو دے دیں، یا ایک خوان والے دوسرے خوان والے کو اپنے پاس کچھ اٹھادیں یا بعد فراغ جو باقی بچے اپنے گھر لے جائیں۔

فی الدرالمختار لو اطعم یتیما ناویا الزکوٰۃ لا یجزیہ الااذادفع الیہ المطعوم کما لو کساہ [1] انتھی قولہ کما لو کساہ ای کما یجزیہ [2] ھ طحطاوی عن الحلبی وفی الحاشیۃ الطحطاویۃ ایضا فی باب المصرف لا یکفی فیھا الاطعام الا بطریق التملیک ولواطعمہ عندہ ناویا الزکوٰۃ لا یکفی [3] انتھی۔	درمختار میں ہے کہ کسی نے یتیم کو بنیتِ زکوۃ کھانا کھلایا تو زکوۃ ادا نہ ہوگی مگر اس صورت میں جب کھانا اس کے سپرد کر دیا گیا ہو، جیسا کہ اگر اسے لباس پہنادیا گیا ہو انتہی قولہ "کمالوکساہ" یعنی اس صورت میں بھی زکوۃ ادا ہوجائیگی اھ طحطاوی عن الحلبی اور حاشیہ طحطاویہ کے باب المصرف میں یہ بھی ہے کھانا کھلادینا کافی نہیں البتہ اگر مالک کردے تو پھر کافی ہے، اور اگر کسی نے نیتِ زکوۃ سے کھانا کھلایا تو کافی نہ ہوگا انتہی (ت)

ہاں اگر صاحبِ زکوۃ نے کھانا خام خواہ پختہ مستحقین کے گھر بھجوادیا یا اپنے ہی گھر کھلایا مگر بتصریح پہلے مالک کردیا تو زکوۃ ادا ہوجائیگی،

فان العبرۃ للتملیک ولا مدخل فیہ لا کلہ فی بیت المزکی اوارسالہ الی بیوت المستحقین وما ذکرہ الطحطاوی محمول علی الدعوۃ المعروفۃ فانھا المتبادرۃ منہ وانھا لا تکون الا علی سبیل الاباحۃ، واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ اعتبار تملیک کا ہے اس میں اس کا کوئی دخل نہیں کہ زکوۃ دینے والے کی گھر کھانا کھایا یا مستحق لوگوں کے گھر بھیج دیا ہو۔ اور جو طحطاوی نے ذکر کیا وہ دعوتِ معروفہ پر محمول ہے کیونکہ اس سے متبادر ہے کہ یہ دعوت بطورِ تملیک نہیں ہوتی بلکہ بطورِ اباحت ہوتی ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار کتاب الزکوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الزکوۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۳۸۸

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب المصرف دارالمعرفۃ بیروت ۱/۴۲۵

مسئلہ ۵: مرسلہ مولوی عبدالواحد صاحب متعلّم مدرسہ اہلسنت وجماعت بریلی ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے زکوۃ کا روپیہ نکالا اور اس روپیہ سے غلّہ خریدا اور تمام محتاجوں کو جمع کرکے اور کھانا پکوا کر کھلوایا تو آیا زکوۃ ادا ہوجائیگی کہ نہیں، کیا ضروری ہے کہ جو روپیہ نکالا وہی بعینہٖ دے؟

الجواب:

کھانا جمع کرکے کھلادینے سے زکوۃ ادا نہ ہُوئی **لانہ اباحۃ ورکنھا التملیك** (کیونکہ یہ اباحت ہے حالانکہ زکوۃ کا رکن مالک بنانا ہے۔ت) نہ بعینہٖ روپیہ دینا ضرور، بلکہ اگر اس کا اناج یا کپڑا خرید کر محتاجوں کو دے دیتا یا کھانا پکا کر اُن کے گھر بھیج دیتا یا حصّے انھیں تقسیم کردیتا تو بازار کے بھاؤ سے جو اُس کی قیمت ہوتی اس قدر زکوۃ ادا ہوجاتی پکوائی وغیرہ اجرت میں جو صرف ہُوا وہ محسوب نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶: از دھوراجی ملک کاٹھیاواڑ مسئولہ حاجی عیسٰی خاں محمد صاحب ۲۱ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قحط سالی میں مسلمان لوگ چندہ کرکے روپیہ جمع کرکے گندم چھ روپیہ کے بھاؤ سے ایک من خرید کرکے چار روپیہ کے بھاؤ سے مسلمان غریب لوگوں کو دینا اور جو دو روپیہ کا نقصان ہوتا ہے وہ مالِ زکوۃ سے ادا ہوجائے گا یا نہیں؟ اگر نہ ہوتا ہو تو کس صورت سے ادا ہو؟ مہربانی فرماکر جلدی عنایت فرمائیں، بہت ضروری ہے، یہاں پر بالکل بارش نہیں ہُوئی ہے، اور غریب مسلمان لوگوں کو بہت ضرورت ہے، اس مسئلہ کو سوال بناکر جواب لکھ کر روانہ کردینا۔

الجواب:

زکوۃ اس طرح ادا نہیں ہوسکتی،

فان البیع یبائن الصدقۃ والمحاباۃ لیست فی القدر الزائد المتروك من التملیك فی شیئ فانك لم تملکہ حتی تملکہ۔	کیونکہ بیع، صدقہ کے مبائن چیز ہے، خریداری میں رعایت سودے سے کسی زائد چیز کی تملیک نہیں ہے کیونکہ رعایت تیری ملکیت نہیں، تاکہ تو کسی کو مالک بنائے۔(ت)

بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ چھ۶ ہی روپے من اُن کے ہاتھ بیچیں اور فی من دو۲ روپے اُن کو زکوۃ میں اپنے پاس سے دیں اور قیمت میں چھ۶ روپے اُن سے وصول کریں، اُن کے دو روپے زکوۃ میں محسوب ہوں گے اور اُن کو من بھر گیہوں پر چار۴ ہی روپے اپنے پاس سے دینے پڑے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷: ۱۲رجب ۱۳۳۱ھ

چار پانچ آدمی بزاز کے یہاں کپڑا خریدنے گئے اُن میں سے ایک نے کوئی کپڑا چُرالیا، بعد معلوم ہونے کے دُکاندار نے اس کو معاف کر دیا اور نیّت صدقہ یا زکوۃ کی کی، تو یہ نیت اس کی صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور یہ کپڑا صدقہ یا زکوۃ میں محسوب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

اگر وُہ کپڑا ہنوز موجود ہے تو نہ وُہ صدقہ میں محسوب ہوگا، نہ زکوۃ میں، نہ اس کی معافی ہوگی **فان الابراء عن الاعیان باطل** (کیونکہ اعیان سے بری کرنا باطل ہے۔ت) ہاں اگر اسے ہبہ کر دیا تو ہبہ ہو جائیگا، اور اگر ہبہ کرنے سے زکوۃ یا صدقہ کی نیّت کی اور وُہ شخص اس کا مصرف ہو تو زکوۃ و صدقہ ادا ہو جائیں گے، اور اگر وُہ کپڑا اُس نے تلف کر دیا یہاں تک کہ اُس کا اُس پر تاوان لازم آیا اور اُس نے وہ تاوان معاف کر دیا تو معافی صحیح ہے اور نیت محمود ہو تو اجر پائے گا اور یہ خود ایک صدقہ نفل ہے مگر اس میں زکوۃ کی نیت صحیح نہیں، ہاں اس سے اتنے کی زکوۃ ادا ہو جائے گی جتنا تاوان اس پر واجب تھا مگر یہ اُس کے دیگر اموال کی زکوۃ ہوسکے یہ نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸ تا ۱۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

(۱) زید نے اپنے برادرِ حقیقی یا بہنوئی یا بہن یا کسی دوست کو اپنی ضمانت سے مبلغ پچاس ۵۰ روپیہ سُودی قرض دلادئے، اب وُہ روپیہ اصل وسُود مل کر سو روپیہ ہوگئے، زید نے وُہ روپے اپنی زکوۃ کے روپے سے ادا کر دئے مگر شخص مذکور سے یہ نہیں کہا کہ روپیہ زکوۃ کا ہم نے تمھارے قرضہ میں دیا کیونکہ اگر اُس سے کہا جائیگا تو وُہ شخص بوجہ برادری کے زکوۃ لینا پسند نہیں کرتا اس صورت میں زید سے زکوۃ ادا ہوگیا یا نہیں؟

(۲) زید نے مبلغ ہزار روپیہ کا رس خریدا اور روپیہ بموجب رواج کھنڈسالیوں کے بالیوں کو دے دیا، وقتِ وصول رس کے، پانچ سو روپیہ کا رس وصول ہُوا، اور باقی روپیہ کے سال آئندہ پر وصول ہونے کی امید رہی، اب زید پر زکوۃ پانچ سو روپیہ کی چاہئے یا ہزار کی؟ اور اس بقیہ روپے کا یہ انتظام کیا کہ کچھ روپیہ اور دے کر دستاویز تحریر کرالی اس دستاویز کا روپیہ بشرطِ پیداوار اس تحریر دستاویز سے دس ماہ بعد وصول ہوگا ورنہ سال آئندہ پر کیا قرضہ دستاویز پر زکوۃ چاہئے یا نہیں؟

(۳) کچھ قرضہ زید کا اس طور ہے کہ زید نے دستاویز تحریر کراکے روپیہ قرض کر دیا، منجملہ اس کے کچھ روپیہ وصول ہوا اور کچھ باقی رہا، اس بقیہ کی نہ دستاویز ہے اور نہ کوئی شئی ایسی اس شخص کے پاس ہے کہ جس سے وُہ قرضہ اپنا ادا کرے، اور اگر ہے تو بغرض بدنیتی اُس شئی کو دوسرے کے نام کر دیا، اب زید کو صرف اُمید ہی امید

وصول کی ہے لہٰذا اس روپے پر زکوٰۃ دی جائے یا نہیں؟

(۴) زید نے پانچ سو روپیہ اپنے اور ہزار قرض لے کر دکان کے منجملہ پندرہ سو روپیہ کے ہزار روپیہ کا مال دُکان میں ہے اور پانچ سو روپیہ قرضہ میں ہیں، اس صورت میں زکوٰۃ دی جائے یا نہیں اور دی جائے تو کس قدر کی؟

الجواب:

(۱) اگر زید نے وُہ روپیہ اپنے اس عزیز کو دل مین نیّتِ زکوٰۃ کرکے دیا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی خواہ کسی خرچ میں صرف کرے، اور اگر بطور خود بلااجازت اس کے قرضہ میں دیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) زکوٰۃ کُل روپیہ کی واجب ہوگی مگر مقدارِ قرضہ کے ابھی ادا کرنا لازم نہیں، بعد وصول ادا کرسکتا ہے۔

(۳) جبکہ اس کے پاس ثبوت نہیں اور نہ وُہ ادا پر آمادہ اور نہ اس کے پاس جائداد، تو اُس قرضہ کی زکوٰۃ لازم نہیں۔

(۴) منجملہ پندرہ سو کے کسی قدر زکوٰۃ فی الحال واجب الادا نہیں جبکہ وُہ وہی مال رکھتا ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

تجلّی المشکوٰۃ لانارۃ اسئلۃ الزّکوٰۃ [۱۳۰۷ھ]

(زکوٰۃ کے مسائل کو واضح کرنے کے لئے چراغ کی چمک)

مسئلہ ۱۲تا۱۸: از گونڈہ بہرائچ، محلّہ چھاؤنی، مکان مولوی اشرف علی صاحب مرسلہ حضرت سیّد حسین حیدر میاں صاحب دامت برکاتہم ۱۳جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین لُطف اللہ بہم اجمعین، ان مسائل میں:

مسئلہ اولٰی: زکوٰۃ بتدریج دی جائے یا یکمشت دینے میں کیا نقصان ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر زکوٰۃ پیشگی ادا کرتا ہے یعنی ہنوز حولانِ حول نہ ہُوا کہ وجوب ادا ہو جاتا، خواہ یُوں کہ ابھی نصاب نامی فارغ عن الحوائج کامالک ہُوئے سال تمام نہ ہُوا، یا یُوں کہ سالِ گزشتہ کی دے چکا ہے اور سالِ رواں ہنوز ختم پر نہ آیا تو جب تک انتہائے سال نہ ہو بلاشبہ تفریق وتدریج کا اختیارِ کامل رکھتا ہے جس میں اصلاً کوئی نقصان نہیں کہ حولانِ حول سے پہلے زکوٰۃ واجب الادا نہیں ہوتی۔

درمختار میں ہے:

شرط افتراض ادائھا حولان الحول	ادائیگیِ زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ مال

وھو فی ملکہ۔[1]	کی ملکیت پر سال گزرے۔(ت)

تو ابھی شرع اس سے تقاضا ہی نہیں فرماتی، یکمشت دینے کا مطالبہ کہاں سے ہوگا، یہ پیشگی دینا تبرع ہے ولا جبر علی المتبرع وھذا ظاھر جدّا (نفلًا دینے پر جبر نہیں اور یہ نہایت ہی واضح ہی۔ت) اور اگر سال گزر گیا اور زکوۃ واجب الادا ہو چکی تو اب تفریق وتدریج ممنوع ہوگی بلکہ فورًا تمام و کمال زر واجب الادا ادا کرے کہ مذہبِ صحیح و معتمد و مفتی پر ادائے زکوۃ کا وجوب فوری ہے جس میں تاخیر باعثِ گناہ۔ ہمارے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کی تصریح ثابت۔

رواہ الفقیہ ابو جعفر عن الامام الاعظم و ذکرہ ابو یوسف فی الامالی کما فی الخلاصۃ وفی منتقی الامام ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم الشھید رحمہ اللہ تعالٰی علی ما نقل القھستانی عن المحیط انہ علی الفور عندھما وعن محمد لا تقبل شھادۃ من اخّر۔[2] فھذا ظاھر فی انہ ھو المذھب المروی عن الشیخین فی ظاھر الروایۃ۔	یہی فقیہ ابو جعفر نے امامِ اعظم سے روایت کیا، امام ابویوسف نے اسے امالی میں ذکر کیا جیسا کہ خلاصہ میں ہے اور امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم الشہید رحمہ اللہ تعالٰی کی منتقی میں ہے جیسا کہ قہستانی نے محیط سے نقل کیا ہے وُہ یہ ہے کہ شیخین کے نزدیک ادائیگی زکوۃ علی الفور لازم ہو جاتی ہے، اور امام محمد سے ہے کہ جس نے ادائیگی میں تاخیر کی اس کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ یہ بات اس بارے میں واضح ہے کہ شیخین سے یہی مذہب ظاہر الروایۃ میں مروی ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

یلزم بتاخیرہ من غیر ضرورۃ الاثم کما صرح بہ الکرخی والحاکم الشھید فی المنتقی، وھو عین ما ذکرہ الفقیۃ ابو جعفر عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ یکرہ ان یؤخرھا من غیر عذر فان کراھۃ التحریم ھی المحمل عند اطلاق اسمھا عنھم	بغیر مجبوری کے تاخیر سے گناہ لازم آتا ہے جیسا کہ امام کرخی اور حاکم شہید نے المنتقی میں تصریح کی ہے۔ یہ بعینہٖ وہی بات ہے جس کا تذکرہ فقیہ ابو جعفر نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے کیا ہے کہ بغیر عذر ادائیگی کو مؤخر کرنا مکروہ تحریمہ ہے کیونکہ جب کراہت کا ذکر مطلقًا ہو تو اس وقت وہ مکروہِ تحریمی پر محمول ہوتی ہے،

[1] در مختار کتاب الزکوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

[2] جامع الرموز کتاب الزکٰوۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/۳۰۱

وکذاعن ابی یوسف وعن محمد ترد شھادته بتاخیر الزکوٰۃ حق الفقراء فقد ثبت عن الثلثه وجوب فوریۃالزکوٰۃ[1] اھ مخلصاً۔	امام ابویوسف سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ تاخیرِ زکوٰۃ کی وجہ سے گواہی مردود ہوجائیگی کیونکہ زکوٰۃ فقراء کا حق ہے، تو تینوں بزرگوں سے یہ ثابت ہُوا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی فی الفور لازم ہوتی ہے اھ مخلصًا (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

ھل یأثم بتأخیر الزکوٰۃ بعدالتمکن ذکر الکرخی انه یأثم وھکذا ذکر الحاکم الشھید فی المنتقی وعن محمد ان من اخر الزکوٰۃ من غیر عذرلا تقبل شھادته وروی ھشام عن ابی یوسف لایأثم [2] اھ ملخصاً۔ **قلت:** فقد قدم التاثیم و ما یقدمه فھوالراجح الاظھر الاشھر عندہ کما نص علیه بنفسه ویکون ھو المعتمد کما صرح به الطحطاوی و الشامی وغیرہماوکذاقدمه فی الھدایۃوالکافی۔	آدمی قدرت کے بعد تاخیر زکوٰۃ کی وجہ سے گنہگار ہوگا یا نہیں؟ امام کرخی نے فرمایا: گنہ گار ہوگا۔ اسی طرح حاکم شہید نے منتقی میں ذکر کیا ہے۔ امام محمد سے مروی ہے کہ جس شخص نے بغیر عذر زکوٰۃ کو مؤخر کیا اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ ہشام نے امام ابُویُوسف سے نقل کیا کہ وُہ گنہگار نہ ہوگا اھ ملخصًا۔ **قلت:** (میں کہتا ہوں کہ) گنہگار ہونا (امام ابویوسف کے حوالے سے) پہلے ذکر کیا ہے اور وہی قاضی خاں کے ہاں راجح، اظہر اور اشہر ہے، جیسا کہ اس پر خود انہوں نے تصریح کی ہے، اور یہی معتمد ہے، جیسا کہ اس پر طحطاوی، شامی اور دیگر لوگوں نے تصریح کی ہے، اسی طرح ہدایہ اور کافی میں اسی کو مقدم رکھا ہے (ت)

فتاوی عالمگیریہ میں ہے:

تجب علی الفور عند تمام الحول حتی یأثم بتاخیرہ من غیر عذر وفی روایۃ الرازی علی التراخی حتی یأثم عند الموت والاول اصح	سال پورا ہونے پر زکوٰۃ فی الفورم لازم ہوجاتی ہے حتّٰی کہ بغیر عذر تاخیر سے گناہ ہوگا، رازی کی روایت کے مطابق فی الفور لازم نہیں (حتّٰی کہ مؤخر کرنے سے گناہ نہ ہوگا) البتّہ اسی حالت میں موت آگئی تو

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکّھر ۲/ ۱۱۴
[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الزکوٰۃ فصل فی مال التجارۃ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۱۹

کذا فی التھذیب۔[1]	قریب موت گنہگار ہوگا، لیکن پہلا قول اصح ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے۔(ت)

جواہر اخلاطی میں ہے:

یجب الزکوٰۃ علی الفور حتّی یأثم بتاخیرہ بلا عذر وقیل علی التراخی والاول اصح[2] اھ ملخصاً۔	زکوٰۃ علی الفور واجب ہوجاتی ہے حتی کہ بغیر عذر مؤخر کرنے سے گناہ گار ہوتا ہے بعض کے نزدیک فی الفور نہیں ہوتی لیکن پہلا قول اصح ہے اھ ملخصًا(ت)

مجمع الانہر میں ہے:

قال محمد لاتقبل شھادۃ من لم یؤد زکوٰتہ وھذا یدل علی الفور کما قال الکرخی و علیہ الفتوی۔[3]	امام محمد نے فرمایا: جو شخص زکوٰۃ ادانہ کرے اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی، یہ بات دلالت کرتی ہے کہ زکوٰۃ فی الفور لازم ہوجاتی ہے۔ امام کرخی نے بھی یہی فرمایا ہے، اور اسی پر فتوی ہے(ت)

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

(وقیل فوری) ای واجب علی الفور (وعلیہ الفتوی) کما فی شرح الوھبانیۃ (فیأثم بتاخیرہا) بلا عذر (وترد شھادتہ) لان الامر بالصرف الی الفقیر معہ قرینۃ الفور وھی انہ لدفع حاجتہ وھی معجلۃ فمتی لم تجب علی الفور لم یحصل المقصود من الایجاب علی وجہ التمام وتمامہ	(بعض نے کہا کہ زکوٰۃ فوری ہے) یعنی زکوٰۃ فی الفور لازم ہوجاتی ہے (اور اسی پر فتوی ہے) جیسا کہ شرح وہبانیہ میں ہے (تو تاخیر ادائیگی سے گناہ لازم لائے گا) جب تاخیر بغیر عذر ہو (اور ایسے شخص کی شہادت مردود ہے) کیونکہ حکم زکوٰۃ کے ساتھ مصرفِ زکوٰۃ فقراء کا ذکر کرنا اس پر قرینہ ہے کہ فی الفور ادائیگی ہو کیونکہ زکوٰۃ دینا ضروریاتِ فقیر کو پورا کرنے کیلئے ہوتا ہے اور اس میں تعجیل مقصود ہے اور اگر یہ فی الفور لازم ہی نہ ہو تو کامل طور پر ایجاب زکوٰۃ کا مقصد حاصل نہ ہوگا۔ تفصیل اس کی

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الزکوٰۃ فصل فی مال التجارۃ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۱۹

[2] جواہر الاخلاطی کتاب الزکوٰۃ غیر مطبوعہ قلمی نسخہ ص ۴۳

[3] مجمع الانہر ملتقی الابحر کتاب الزکوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۹۲

فی الفتح [1] اھ۔**اقول:**فاذا کان ھذا ھواقضیۃ الدلیل والا لصق بمقصد الشرع الجلیل وھو الا حوط فی الدین والا دفع لکید الشیاطین والا نفع لفقراء المسلمین و قد جزم بہ المولٰی فقیہ النفس قاضی الامّۃ وصححہ کمامر ویاتی من کبار الائمۃ و قد ثبت عن سا داتنا الثلثۃ مالکی الازمۃ وقد نص کثیرون ان علیہ الفتوی ومعلوم ان ھذا اللفظ اکد و اقوی فعلیہ فلیکن التعویل وا لاعتماد وان حکی التراخی ایضاعن الثلثۃالامجادوصححہ الباقانی والتاتارخانی بل قال المولی المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر ما ذکر ابن شجاع عن اصحابناان الزکوٰۃعلی التراخی یجب حملہ علی ان المراد بالنظر الی دلیل الافتراض ای دلیل الا فتراض لا یو جبھا وھولا ینفی وجوددلیل الایجاب [2] اھ قال العلّامۃ السید احمد المصری فی حاشیۃ الدرالمختار واختار الکمال ان الزکوٰۃ فرضیۃ وفوریتھاواجبۃ ویصلح ھذا توفیقا بین القولین [3] اھ **قلت:** وکان ظھر لی التوفیق بان من قال بالتراخی

فتح میں ہےاھ **اقول:** جب دلیل کا معاملہ یہ ہے تو یہ مقصد شرع جلیل سے متصل اور قریب ہےاور یہی دین میں احوط اور شیاطین کے مکر کو دفع کرنے والااور فقراء مسلمین کے لئے زیادہ نافع ہے، اسی پر ہمارے سربراہ فقیہ النفس قاضی الامّت نے جزم فرمایا اور اسکو صحیح قرار دیا جس کا ذکر گزرااور کبارائمہ سے اس کی تصحیح آرہی ہے ، اور ہمارے تینوں ائمہ جو مسلک کے سر تاج ہیں سے یہی ثابت ہے،اور کثیر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ فتوی اسی پر ہے،اور یہ بات مسلّمہ ہے کہ یہ الفاظ مؤکد اور قوی ہیں ، لہذااسی پر اعتماد ہونا چاہیے اگرچہ ان تینوں بزرگوں سے تراخی بھی منقول ہے اور اسے باقانی اور تاتارخانی نے صحیح کہا ہے بلکہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا: ہمارے احناف میں سے ابن شجاع نے جو یہ کہا کہ زکوٰۃ فی الفورم لازم نہیں اسے زکوٰۃ کی فرضیت کی دلیل سے مسلک کرنا ضروری ہے یعنی فرضیت کی دلیل فی الفورادائیگی کو واجب نہیں کرتی جبکہ اس سے فوری ادائیگی کی علیٰحدہ دلیل کی نفی نہیں ہوتی۔علّامہ سیّداحمد مصری نے حاشیہ درمختار میں کہا کہ کمال کا مختار یہ ہے کہ زکوٰۃ فرض ہےاور فی الفور ادا کرنا واجب ہے، اس سے دونوں اقوال کے درمیان موافقت ممکن ہے اھ
قلت (میں کہتا ہوں): میرے نزدیک تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ جس نے تراخی کی

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰
[2] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۱۴
[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الزکوٰۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۳۹۶

فمراده ان وقته العمر فتكون اداء متى ادى وان اثم بالتاخير ومن قال بالفور اراد انه ياثم بالتاخير وان لم يصر به قضاء ولا بدع فى ذلك فان الحج فورى على الراجح مع الاجماع على انه لوتراخى كان اداء ونظيره سجدة التلاوة وجوبها فورى عندابى يوسف ومتراخ عند محمد و هو المختار كما فى النهر والامداد والدرالمختار واذا اداها بعد مدة كان مؤديا اتفاقًا لاقاضيا كما فى النهر الفائق وغيره۔	بات کی ہے اس کی مراد یہ ہے کہ وقتِ ادا تمام عمر ہے، تو جس وقت بھی ادائیگی کریگا زکوۃ ادا ہی ہوگی اگرچہ تاخیر سے گنہگار ہوگا، اور جس نے کہا "فی الفور واجب ہے" اس کی مراد یہ ہے کہ تاخیر سے انسان گنہگار ہوجاتا ہے اگرچہ تاخیر سے قضا نہیں ہوگی، اور یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ حج راجح قول کے مطابق فی الفور لازم ہے، حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ اگر کسی نے دیر کے بعد حج کیا تو ادا ہی ہوگا، اس کی نظیر سجدہ تلاوت ہے جو امام ابو یوسف کے نزدیک فی الفور اور امام محمد کے نزدیک علی التراخی واجب ہے اور یہی مختار ہے جیسا کہ نہر، امداد اور در مختار میں ہے اگر کسی نے مدت کے بعد سجدہ کیا تو بالاتفاق ادا ہی ہوگا، اسے قضا کرنے والا نہ کہا جائیگا، جیسا کہ النہر الفائق وغیرہ میں ہے۔
اقول: لكن يخدش التوفيقين ما قد منا عن الخانية حيث فرض المسئلة فى التأثيم ونص رواية هشام عن ابى يوسف لا يأثم فلابدمن ابقاء الخلاف وترجيح الراجح اويقال ان هشامًا انما سمع التراخى فنقل هو او من روى عنه بالمعنى على ما فهم ولعل فيه بُعدًا يعرف وينكر فليتدبر . والله تعالٰى اعلم۔	**اقول:** ان دونوں تطبیقات کو خانیہ کی سابقہ عبارت مخدوش کر دیتی ہے کہ وہاں عنوانِ مسئلہ ہی گنہگار ہونے کے بارے میں ہے، اور امام ابو یوسف سے روایتِ ہشام میں گنہگار نہ ہونے کی تصریح ہے لہٰذا اثبات اختلاف اور ترجیح راجح ضروری ہے یا یہ کہا جائے کہ ہشام نے تراخی سنا اور اسے نقل کردیا جس نے ان سے روایت بالمعنی کی اس نے اپنی سمجھ کے مطابق نقل کردیا، شاید اس میں بعد معلوم ہو اور اجنبی سمجھا جائے، تو غور کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

بلکہ ہمارے بہت ائمہ نے تصریح فرمائی کہ اس (زکوۃ) کی ادائیگی میں دیر کرنے والا مردود الشہادۃ ہے، یہی منقول ہے محرر مذہب سیّدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰے سے،

كمامر عن الفتح والخانية ومجمع النهر ومثله فى خزانة المفتين وفى شرح النقاية عن المحيط وفى جواهر الاخلاطى وبه جزم فى	جیسا کہ فتح، خانیہ اور مجمع الانہر میں ہے۔ اسی طرح خزانۃ المفتین اور شرح نقایہ میں محیط سے اور جواہر الاخلاطی میں ہے، اور اسی پر تنویر اور در میں جزم

التنویر والدر کما سمعت ونقل الامام الخاصی وصاحب المضمرات شرح القدوری و الطحطاوی والشامی وغیرھم عن الامام قاضی خان ان علیہ الفتوی وبہ اخذالفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالٰی ـ**اقول**: وقول من قال تردشھدتہ یؤید کا لا یخفی ومن قال لافقولہ لا یخالفنااذلیس کل ما یترجح فیہ الاثم وان صغیرۃ مما یرد بہ الشھادۃ کمالیس بخاف علی من طالع کتاب الشھادۃ۔	کیا ہے جیسا کہ آپ سُن چکے۔ امام خاصی، صاحب المضمرات شرح قدوری، طحطاوی اور شامی وغیرہ نے امام قاضی خاں سے نقل کیا کہ اسی پر فتوٰی ہے، اور فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالٰی نے اسے ہی لیا ہے۔ **اقول**: جس نے یہ کہا کہ "اس کی شہادت مردود ہے" اس نے ہماری تائید کی جیسا کہ مخفی نہیں، جس نے کہا "مردود نہیں" وُہ ہمارے مخالف نہیں کیونکہ ہر وُہ شی جس میں گنہگار ہونا راجح ہو اگرچہ گناہ صغیرہ ہی ہو ایسی نہیں جس سے شہادت رد ہوجائے جیسا کہ یہ اس پر واضح ہے (مخفی نہیں) جس نے کتاب الشھادۃ کا معالعہ کیا ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ تدریج میں اگر کُل کی تاخیر نہ ہوئی تو بعض کی ضرور ہوگی حالانکہ اس پر واجب تھا کہ کل مطالبہ فی الفور ادا کرے،

لان الا یجاب الفوری انما ھو للکل لا للبعض و ھذا ظاھر جدّا ثمّ فی معنی الفور ھھنا بحث للعلامۃ الشامی قدس سرّہ السامی حیث قال قولہ فیأثم بتاخیر ھا الخ ظاھرہ الاثم بالتاخیر ولوقلّ کیوم او یو مین لانھم فسروا الفور باول اوقات الامکان وقد یقال المرادان لا یؤخر الی العام المقابل لما فی البدائع عن المنتقی با لنون اذا لم یودحتی مضی حولان فقد اساء و أثم اھ فتأمل اھ[1] **اقول**: لایخفی ان ھذا القول المعتمد منقول فی عامۃ الکتب بلفظ الفور	کیونکہ فوری واجب کرنا کُل کے لئے ہے نہ کہ بعض کے لئے، اور یہ نہایت ہی واضح ہے، پھر یہاں علّامہ شامی قدّس سرّہ السّامی کو معنی فور میں کلام ہے وُہ کہتے ہیں مصنّف کے قول "تاخیر زکوۃ سے گنہگار ہوگا" الخ اس سے ظاہر یہی ہے کہ تاخیر اگرچہ تھوڑی ہو مثلاً ایک یا دو ۲ دن، اس سے گنہگار ہوگا کیونکہ فقہاء نے فور کی تفسیر اوّل اوقاتِ امکان سے کی ہے، اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ آئندہ سال تک تاخیر نہ ہو کیونکہ بدائع میں منتقی سے ہے کہ جب کئی سال گزر جائیں اور (زکوۃ کی) ادائیگی نہ کی ہو تو یہ بُرا اور گناہ ہے اھ فتأمل۔ **اقول**: واضح رہے کہ یہ قول معتمد عام کتب میں لفظِ فور اور عدمِ تاخیر سے منقول ہے اور

[1] ردالمحتار کتاب الزکوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۳

وعدم التاخیر انما معناہ کما نصواعلیہ وافدتم انتم ھو الا تیان فی اول اوقات الامکان فالتقیید بعدم التاخیر عاما تغییر لا تفسیر و یظھر لی ان قضیۃ الدلیل ایضا تخالفہ فان العلماء کا لاما م فقیہ النفس والامام المحقق علی الاطلاق والامام حسین بن محمد السمعانی صاحب خزانۃ المفتین والعلامۃ برھان الدین ابی بکربن ابراھیم الحسینی صاحب جواھر الا خلاطی وغیرھم رحمھم اللہتعالٰے ذکر وا تعلیل تفرقۃ محمد با یجاب الزکوٰۃعلی الفور و الحج متراخیابان الزکوٰۃ حق الفقراء فیأثم بتاخیر حقھم [1] بخلاف الحج فانہ خالص حق المولیٰ سبحانہ وتعالٰی وانت تعلم ان حق العبد بعد وجوب الداء والتمکن منہ لا یتا خر اصلا الا تری ان الاجل اذاحل فمطل الغنی ظلم وان قل، وکذا ماحقق المولی المحقق حیث اطلق من ان مع النص قرینۃ الفوروھو الشرع لدفع حاجۃ الفقراء وھی معجلۃ یدل علی الفور الحقیقی ولایتفاوت التسویف بعام و اعوام فی عدم حصول المقصود علی وجہ التمام لا جرم ان قال فی مجمع الانھر بعد ذکرہ الفتوی علی فوریۃ الزکوٰۃ

اس کا معنٰی جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی اور آپ خود افادہ کر چکے ہو کہ اوّل اوقاتِ امکان میں بجالانا ہے لہٰذا عدمِ تاخیر کو سال کے ساتھ مقید کرنا تغییر (بدل دینا) ہے تفسیر نہیں، اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ معاملہ دلیل بھی اس کی مخالفت کر رہا ہے کیونکہ علماء مثلاًامام فقیہ النفس، امام محقق علی الاطلاق، امام حسین بن محمد سمعانی صاحبِ خزانۃ مفتین اور علّامہ برہان الدین ابو بکر بن ابراھیم الحسینی صاحب جواھر الاخلاطی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰے نے امام محمد کے زکوٰۃ کو فی الفور اور حج کو علی التراخی لازم قرار دینے کی علّتوں میں فرق کرتے ہوئے کہاکہ زکوٰۃ فقراء کا حق ہے تو ان کے حق میں تاخیر کی وجہ سے وُہ شخص گنہگار ہوگا، بخلاف حج کے کہ وہ خالصۃً اللہ سبحانہ وتعالٰی کا حق ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ حق عبد وجودِ قدرت اور وجوبِ ادا کے بعد بالکل متأخر نہیں ہوتا، کیا آپ نے نہیں دیکھا جب قرض کی ادائیگی کا وقتِ مقررہ آجائے تو غنی کا ڈھیل و تاخیر کرنا ظلم ہوتا ہے اگر چہ وُہ تاخیر تھوڑی ہی کیوں نہ ہو، اور اسی طرح مولی محقق نے تحقیق کرتے ہوئے کہا کہ نص میں قرینہ فور ہے کہ زکوٰۃ حاجتِ فقراء کو دور کرنے کے لئے ہے اور اس میں تعجیل ہے جو فورِ حقیقی پر دال ہے، اب کامل طور پر مقصد کے عدم حصول میں سال یا متعدد سالوں کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں ہوگا خصوصًا جبکہ مجمع الانہر میں فوریتِ زکوٰۃ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا فتوی فورِ زکوٰۃ

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/ ۱۳

معنی یجب علی الفور انه یجب تعجیل الفعل فی اوّل اوقات الامکان اھ [1]۔قد سمعت نص الخانیة اذقال هل یأثم بتاخیرالزکوٰة بعدالتمکن اھ [2] وقال فی خزانةالمفتین یأثم بتاخیرالزکوٰة بعد التمکن ومن اخرمن غیر عذر لاتقبل شهاته لان الزکوٰةحق الفقراء فیأثم بتأخیر حقهم اھ [3]ملخصًا فهذه نصوص صرائح ومافی المنتقی مفهوم مع انه هوالذی یقضی به الدلیل فحق ان یکون علیه التعویل نعم لاغرو فی تقیید رد الشهادة بمرورة المدةفان دلیل الفورظنی و الثابت به الوجوب فترکه صغیرة لا ترد به الشهادة الا بعد الاصرار ولا بد لذلك من مرور مدةکما افاد البحرفی مسئلة تاخیر الحج، و اللهتعالٰی اعلم۔	پر ہے "یجب علی الفور" کا معنی یہ بیان کیا کہ اوّل اوقاتِ امکان میں فعل کو بجالانا واجب ہے اھ۔اور آپ خانیہ کی اس تصریح پر بھی آگاہ ہیں کہ کیا تمکّن کے بعد تاخیر زکوٰۃ سے انسان گنہگار ہوتا ہے یا نہیں اھ۔اور خزانۃ المفتین میں فرمایا: تمکّن کے بعد تاخیر زکوٰۃ سے گنہگار ہوتا ہے، اور جس نے بغیر عذر ادائیگی مؤخر کی اس کی شہادت مقبول نہیں کیونکہ فقراء کا حق ہے، توان کے حق میں تاخیر کرنا گناہ ہوگا اھ ملخصًا، پس یہ صریح نصوص ہیں۔اور جو کچھ المنتقیٰ میں ہے وہ مفہوم ہے باوجودیکہ دلیل کا تقاضا بھی یہی ہے، لہٰذا اسی پر اعتماد کرنا حق ہے، ہاں رَدِّ شہادت کو مدّت کے گزرنے کے ساتھ مقیّد کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ دلیلِ فور ظنّی ہے جس سے وجوب ثابت ہوگا، لہٰذا اس کا ترک صغیرہ گناہ ہے، اس سے شہادت مردود نہیں ہوگی، ہاں مگر اس صورت میں جب ترک پر اصرار ہو، لہٰذا اس کے لئے مدّت کا گزرنا ضروری ہے جیسا کہ بحر میں مسئلہ تاخیرِ حج میں تفصیل مذکور ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

پھر بعد وجوبِ ادا تدریج کی مضرت اظہر من الشّمس کہ مذہبِ صحیح پر ترک فور کرتے ہی گنہگار ہوگا اور مذہب تراخی پر بھی تدریج نامناسب کہ تاخیر میں آفات ہیں۔

وقال تعالٰی "سَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ" [4] وقال تعالٰی "فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ" ۔[5]	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اپنے رب سے بخشش مانگنے میں جلدی کرو۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: نیکیوں میں آگے بڑھو۔(ت)

[1] مجمع الانہر کتاب الزکوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۹۲
[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الزکوٰۃ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۱۹
[3] خزانۃ المفتین فصل فی مال التجارۃ قلمی نسخہ ۱/۵۳
[4] القرآن ۳/۱۳۳
[5] القرآن ۲/۱۴۸

ظاہر ہے کہ وقتِ موت معلوم نہیں، ممکن ہے کہ پیش از ادا آجائے تو بالاجماع گنہگار ہوگا۔

فان کل موسع یتضیق عند الموت کما نصوا علیه ولذا صرح القائلون بتراخی الوجوب انه یأثم عند الموت کما قدمنا۔	کیونکہ واجب موسع، موت کے قریب مضیق ہوجاتا ہے جیسا کہ اس پر فقہاء نے تصریح کی ہے، اور اسی وجہ سے علی التراخی وجوب کے قائلین موت کے قریب تارک کو گنہگار کہتے ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کردیا ہے (ت)

اسی طرح تدریج میں اور دقتیں بھی محتمل، کما لا یخفیٰ علیٰ خادم الفقة (جیسا کہ کسی بھی خادمِ فقہ پر مخفی نہیں۔ت) اور مالی و جانی حوادث سے محفوظ بھی رہا تو نفس پر اعتماد کسے ہے فان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم [1] (شیطان، اسی انسان میں خُون کی طرح گردش کرتا ہے۔ت) ممکن کہ بہکادے اور آج جو قصدِ ادا ہے کل یہ بھی نہ رہے۔ سیّدنا امام ابن الامام کریم ابن الکرام حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالٰی نے ایک قبائے نفیس بنوائی، طہارت خانے میں تشریف لے گئے، وہاں خیال آیا کہ اسے راہِ خدا میں دیجئے فوراً خادم کو آواز دی، قریب دیوار حاضر ہُوا، حضور نے قبائے معلّٰی اتار کردی کہ فلاں محتاج کو دے آ۔ جب باہر رونق افروز ہُوئے خادم نے عرض کی: اس درجہ تعجیل کی وجہ کیا تھی؟ فرمایا: کیا معلوم تھا باہر آتے آتے نیت میں فرق آجاتا۔ سبحان اللہ! یہ اُن کی احتیاط ہے جو اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ [2] (بلاشبہ میرے بندوں پر تیری حکومت نہیں چلے گی۔ت) کی آغوش میں پلے اور اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَهِّرَکُمۡ تَطۡهِیۡرًا ﴿۳۳﴾ [3] (اللہ تعالٰی چاہتا ہے کہ اے اہلبیتِ نبوی! تم سے پلیدی کو دُور کرے اور تمھیں خُوب پاک فرمادے۔ت) کے دریا میں نہائے دُھلے صلی اللہ تعالٰی علیٰ ابیهم الکریم الاکرام و علیهم اجمعین و بارك وسلّم (ان کے والد گرامی پر اللہ تعالٰی کی رحمتیں ہوں اور ان تمام پر بھی اور برکات وسلام۔ت) پھر ہم کہ سخرہ دست شیطان ہیں، کس امید پر بے خوف و مطلق العنان ہیں و حسبنا اللہ و نعم الوکیل ولا حول ولاقوّۃ الّا باللہ العلی العظیم۔ میرے نزدیک چند باتیں لوگوں کو تدریج پر حامل ہوتی ہیں، کبھی یہ خیال کہ اہم فالاہم میں صرف کریں یعنی جس وقت جس حاجتمند کو دینا زیادہ مناسب سمجھیں اُسے دیں۔ کبھی یہ کہ سائل بکثرت آتے ہیں یہ چاہتا ہے مالِ زکوٰۃ اُن کے لئے رکھ چھوڑے کہ وقتاً فوقتاً دیا کرے کبھی یکمشت دینا ذرا نفس پر بار ہے اور تھوڑا تھوڑا نکلتا جائے گا تو معلوم نہ ہوگا۔ جنھیں یہ خیال ہوں اُن کے لئے راہ یہی ہے کہ زکوٰۃ پیشگی دیا کریں مثلاً ماہِ مبارک رمضان میں اُن

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب فی الوسوسۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸

[2] القرآن ۱۵/ ۴۲

[3] القرآن ۳۳/ ۳۳

پر حولان حول ہوتا ہے تو رمضان ۸ ھ کے لئے شوال ۷ ھ سے دینا شروع کریں اور ختم سال تک بتدریج حسب رائے و مصلحت دیتے رہیں کہ اس میں ان کے مقاصد بھی حاصل ہوں گے اور تدریج مذموم و ممنوع سے بھی بچیں گے **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ثانیہ: زید کے پاس زیور ہے وہ اُس کی زکوٰۃ دیتا ہے آئندہ کو زیور زیادہ ہو تو کس حساب سے زرِ زکوٰۃ زیادہ کیا جائے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شریعتِ مطہرہ نے سونے کی نصاب پر کہ حوائجِ اصلیہ سے فارغ ہو خواہ وُہ روپیہ اشرفی ہو، گہنا یا برتن یا ورق یا کوئی شَے، حولان حول قمری کے بعد چالیسواں حصّہ زکوٰۃ مقرر فرمایا ہے، سونے کی نصاب ساڑھے سات تولے ہے اور چاندی کی ساڑھے باون تولے، پھر نصاب کے بعد جو کچھ نصابِ مذکور کے پانچویں حصہ تک نہ پہنچے معاف ہے اُس پر کچھ واجب نہیں **ھذا ھو مذھب صاحب المذھب رضی اللہ تعالٰی عنہ وھو الصحیح کما فی التحفۃ ثم مجمع الانھر** (یہی صاحبِ مذہب (امام اعظم) رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ تحفہ میں پھر مجمع الانہر میں ہے۔ت) جب خمس کامل ہو جائے اس پر پھر اس خمس کا چالیسواں حصہ فرض ہوگا یونہی ایک خمس سے دوسرے تک عفو اور ہر خمسِ کامل پر اس کا ربع عشر، مثلاً ایک شخص کے پاس ۷ تولے سونا اس پر ۲ ماشے سونا زکوٰۃ دیتا ہے اور اگر ایک تولہ سے کم اس پر زائد ہے مثلاً ایک رتی کم ۹ تولہ ہے جب بھی وہی ۲ ماشے ۲ سُرخ واجب ہے یہ رتی کم ایک تولہ معاف ہے، ہاں اگر پورا چھ ۶ ماشے ایک تولہ ہے کہ خمس نصاب ہے اور ہو تو اس کا بھی ربع عشر (۵/۳ء۳) سُرخ، اور واجب ہوگا کل ۹ تولے پر ۶ ماشے، (۵/۳ ء۵) سُرخ ہے، پھر ایک تولہ پورا ہونے تک کچھ نہ بڑھے گا، جب ۱۰ تولے ۶ ماشے کامل ہو وہی (۵/۳ ء۵) سُرخ اور بڑھ کر ۳ ماشہ (۵/۱ء۳) سُرخ واجب الادا ہوگا، وعلٰی ہذا القیاس۔ اسی طرح جس کے پاس (۵۳) تولہ ۶ ماشہ چاندی ہے اس پر ا تولہ ۳ ماشہ چاندی واجب ہے اور جب تک ۱۰ تولے چاندی کہ خمس نصاب ہے نہ بڑھے، یہی واجب رہے گا۔ جب (۶۳) تولے کامل ہو جائے تو اس ۱۰ تولے کا (۴۰/۱) یعنی ۳ ماشہ ۱ (۵/۱) سُرخ، اور زائد ہو کر ایک تولہ ۱۰ ماشہ (۵/۲) سُرخ کا وجوب ہوگا وعلیہ قس۔ درمختار میں ہے:

نصاب الذھب عشرون مثقالا والفضۃ مائتا درھم کل عشرۃ درھم وزن سبعۃ مثاقیل والمعتبر وزنھما اداءً ووجوبًا لا قیمتھما واللازم فی مضروب کل منھما	سونے کا نصاب بیس ۲۰ مثقال اور چاندی کا دوسو ۲۰۰ ایسے درھم ہے کہ ان میں سے دس ۱۰ درہم سات ۷ مثقال کا وزن رکھتے ہوں، ان کا وزن ادائیگی اور وجوب میں معتبر ہے، ان دونوں کی قیمت کا اعتبار نہیں، پھر ان

ومعموله ولو تبرًا وحليًا مطلقًا مباح الاستعمال اولا ربع عشر، وفی کل خمس بضم الخاء بحسابه ففی کل اربعین درهمادرهم وفی کل اربعة مثاقیل قیراطان وما بین الخمس الی الخمس عفو وقالا مازادبحسابه وهی مسئلة الکسور اھ[1] ملخصًا۔	دونوں سے بنی ہُوئی اشیامیں چالیسواں حصہ زکوٰۃ لازم ہے اگرچہ یہ ڈلی کی صورت میں یا زیورات کی صورت میں ہوں، خواہ ان کا استعمال مباح ہو یا ممنوع ہو (یعنی مردوں کیلئے) ہر خمس میں اس کے حساب سے زکوٰۃ ہوگی، پس ہر چالیس دراہم میں ایک درہم اور ہر چار مثقال میں دو قیراط زکوٰۃ ہوگی جو خمس سے دوسرے خمس تک ہے، اس میں زکوٰۃ نہیں، صاحبین کے نزدیک جتنا اضافہ ہو اس میں اسی کے حساب سے زکوٰۃ ہوگی، یہی مسئلہ کسور کہلاتا ہے اھ ملخصًا (ت)

پھر جو شخص مالک نصاب ہے اور ہنوز حولان حول نہ ہوا کہ سال کے اندر ہی کچھ اور مال اسی نصاب کی جنس سے خواہ بذریعہ ہبہ یا میراث یا شرایا وصیّت یا کسی طرح اس کی ملک میں آیا تو وُہ مال بھی اصل نصاب میں شامل کرکے اصل پر سال گزرنا اُس سب پر حولان حول قرار پائے گا اور یہاں سونا چاندی تو مطلقًا ایک ہی جنس ہیں خواہ ان کی کوئی چیز ہو اور مال تجارت بھی انہی کی جنس سے گِنا جائیگا اگرچہ کسی قسم کا ہو کہ آخر اس پر زکوٰۃ یوں ہی آتی ہے کہ اس کی قیمت سونے یا چاندی سے لگا کر انھیں کی نصاب دیکھی جاتی ہے تو یہ سب مال زر و سیم ہی کی جنس سے ہیں اور وسط سال میں حاصل ہوئے تو ذہب وفضہ کے ساتھ شامل کردئے جائیں گے بشرطیکہ اس ملانے سے کسی مال پر سال میں دوبار زکوٰۃ لازم نہ آئے پھر ملانے کے بعد عفو وایجاب کے وہی احکام ہیں جو اوپر گزرے، مثلًا ایک شخص یکم محرم ۱۳۱۷ھ کو تیس ۳۰ تولے سونے کا مالک ہوا اور اس کے سوا جنسِ زر و سیم سے اور کوئی چیز اس کی مِلک نہیں تو اس پر ۹ ماشے سونا زکوٰۃ میں فرض ہے کہ سلخ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ کو واجب الادا ہوگا، ہنوز سال تمام نہ ہوا کہ مثلًا یکم رجب کو ایک تولہ اور یکم ذی الحجہ کو دو ۲ تولے سونا اسے اور ملا کہ اب کل ۳۳ تولے ہوگیا تو سلخ ذی الحجہ کو اس مجموع کی زکوٰۃ ۹ ماشہ (۱/۵، ۷) سُرخ سونا واجب الادا ہوگا، گویا اس سب پر سال گزرگیا اگرچہ واقع میں اس ایک تولے کو ہنوز چھ ۶ مہینے اور اس دو ۲ تو کو ایک ہی مہینہ گزرا ہے اور اس تولہ بھر کے بعد اور نہ ملا کہ سال تمام پر صرف ۳۱ تولے تھا تو وہی ۹ ماشہ واجب رہیں گے کہ نصاب کے بعد خمس پورا ہونے تک زیادت معاف ہے، اسی طرح اگر تین ۳ تولے سونا تو نہ ملا مگر مثلًا ۲۰ ذی الحجہ کو اس نے اپنی زمین یا غلّے یا اثاث البیت کے عوض اس قدر مالِ تجارت خریدا جس کی قیمت ۳ تولے سونے تک پہنچی تو اگرچہ اسے مِلک میں آئے ابھی دس ۱۰ ہی دن گزرے مگر مجموع

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵-۱۳۴

۳۳ تولے کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ہاں اگراس کے پاس مثلاً ایک نصاب بکریوں اور ایک دراہم کی تھی اس نے دراہم کی زکوٰۃ ادا کردی اور اُن کے عوض اور بکریاں لیں، ان نئی بکریوں کے لئے آج سے سال شمار کیا جائے گا اگلی بکریوں میں ضم نہ کریں گے کہ آخر یہ اُسی روپے کے بدل میں جس کی زکوٰۃ اس سال کی بابت ادا ہوچکی اب اگر انھیں نصابِ شاۃ میں ملاتے ہیں تو ایک مال پر ایک سال میں دو[۲] بار زکوٰۃ لازم آئی جاتی ہے اور یہ جائز نہیں۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

المستفاد ولو بهبة [1] (اوشراء ميراث او وصيّة اھ ش[2]) وسط الحول يضم الى نصاب من جنسه [3] (مالم يمنع منه مانع هو الثنى المنفى بقوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم ولا ثنى فى الصدقة اھ ش[4]) فيزكيه بحول الاصل ولوادى زكوٰة نقده ثم اشترى به سائمه لاتضم [5] (الى سائمة عنده من جنس السائمة التى اشتراها بذٰلك النقد المزكى اى لا يزكيها عند تمام حول السائمة الاصلية عند الامام للمانع المذكور اھ ش [6]) اھ بالتلخيص وفى ش ايضا احد النقدين يضم الى الاٰخرو عروض التجارة الى النقدين للجنسية باعتبار	سال کے وسط میں جو بھی حاصل شدہ ہو خواہ بصورت ہبہ ہو (یا شراء یا میراث یا وصیّت کی صورت میں ہو اھ ش) اسے ہم جنس نصاب میں شامل کیا جائیگا بشرطیکہ اس میں کوئی مانع نہ ہو اور وہ تکرارِ زکوٰۃ ہے جس کی نفی سرورِعالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی کہ صدقہ میں تکرار نہیں اھ ش) تو حول اصل کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی، اگر کسی نے نقدی کی زکوٰۃ ادا کی پھر اس نے سائمہ جانور خریدا تو وُہ اسے نہ ملائے (اصلی سائمہ کے ساتھ) جن کو اس نے اس نقدی سے خریدا تھا جس کی زکوٰۃ ادا کردی گئی یعنی امام کے نزدیک مانع مذکور کی وجہ سے حول سائمہ اصلیہ کے اختتام پر مذکورہ سائمہ پر زکوٰۃ نہیں ہوگی اھ ش) اھ با لتلخیص، ش میں یہ بھی ہے کہ دونوں نقدیں (سونے اور چاندی)

[1] در مختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۳
[2] ردالمحتار باب زکوٰۃ الغنم مصطفی البابی مصر ۲/۲۵
[3] در مختار باب زکوٰۃ الغنم مجتبائی دہلی ۱/۱۳۳
[4] ردالمحتار باب زکوٰۃ الغنم مصطفی البابی مصر ۲/۲۶
[5] در مختار باب زکوٰۃ الغنم مجتبائی دہلی ۱/۱۳۳
[6] ردالمحتار باب زکوٰۃ الغنم مصطفی البابی مصر ۲/۲۶

قیمتهما بحر اھ[1] ملخصًا واللّٰه تعالٰی اعلم۔	کو ایک دوسری جنسیت کے اعتبار سے ملایا جائے، سامانِ تجارت کو قیمت کے اعتبار سے نقدین کے ساتھ ملایا جائے، بحر اھ ملخصًا واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ثالثہ: اگر آئندہ زیور کم ہو جائے تو کس حساب سے کمی کی جائے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زکوٰۃ صرف نصاب میں واجب ہوتی ہے، نہ عفو میں، مثلاً ایک شخص آٹھ تولے سونے کا مالک ہے تو دو ماشہ سونا کہ اس پر واجب ہوا، وُہ صرف ۷ تولے کے مقابل ہے نہ کہ پورے آٹھ تولے کے، کہ یہ چھ ماشے جو نصاب سے زائد ہے عفو ہے۔ یُوں ہی اگر ۱۰ تولے کا مالک ہو تو زکوٰۃ صرف ۹ تولہ یعنی ایک نصاب کامل اور ایک نصاب خمس کے مقابل ہے، دسواں تولہ معاف۔ ملتقی الابحر میں ہے:

الزکٰوۃ تتعلق بالنصاب دون العفو فلو ھلك بعد الحول اربعون من ثمانین شاۃ تجب شاۃ کاملۃ اھ[2] ملخصًا۔	زکوٰۃ کا تعلق نصاب سے ہوتا ہے عفو سے نہیں، اب اگر سال کے بعد اس کی بکریوں میں سے چالیس ۸۰ ہلاک ہو گئیں تو اب بھی ایک کامل بکری زکوٰۃ لازم ہوگی اھ ملخصًا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لافی عفو وھو ما بین النصب فی کل الاموال۔[3]	عفو میں زکوٰۃ نہیں اور یہ ہر حال میں وہ مقدار و حصّہ ہے جو نصابوں کے درمیان ہوتا ہے (ت)

پس اگر نقصان مقدارِ عفو سے تجاوز نہ کرے یعنی اُسی قدر مال کم ہو جائے جتنا عفو تھا، مثلاً مثال اوّل میں ۶ ماشہ اور دوم میں ایک تولہ، جب تو اصلاً قابل لحاظ نہیں کہ اس قدر پر تو پہلے بھی زکوٰۃ نہ تھی کل واجب بمقابلہ مال باقی تھا وُہ اب بھی باقی ہے تو زکوٰۃ اسی قدر واجب ہے اور کمی نظر سے ساقط کما مثّل لہ فی الملتقی (جیسا کہ ملتقی میں اس کی مثال دی گئی۔ت) اور اگر مقدار عفو سے متجاوز ہو یعنی اُس کے باعث کسی نصاب میں نقصان آئے خواہ یُوں کہ مال میں جس قدر عفو تھا نقصان اس سے زائد کا ہوا۔ جیسے امثلہ مذکورہ میں دو ۲ تولے یا یُوں کہ ابتداءً

---

[1] ردالمحتار باب زکوٰۃ الغنم مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۶
[2] ملتقی الابحر فصل فی زکوٰۃ الخیل موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۷۷
[3] درمختار باب زکوٰۃ الغنم مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۳

مال صرف مقادیر نصاب پر تھا عفو سرے سے تھا ہی نہیں جیسے ۱۵ یا ۳۰ یا ۵۰ تولے سونا کہ اس میں رتی چاول جو کچھ گھٹے گا کسی نہ کسی نصاب میں کمی کرے گا۔ ایسا نقصان دو۲ حال سے خالی نہیں یا حولان حول سے پہلے ہے یا بعد، بر تقدیرِ اوّل دو ۲ حال سے خالی نہیں، یا سال تمام پر رقم نصاب ہائے پیشیں پھر پُوری ہو گئی یا نہیں، اگر پُوری ہو گئی تو یہ نقصان بھی اصلًا نہ ٹھہرے گا اور اس مجموع رقم پر حولان حول سمجھا جائے گا، مثلاً ایک شخص یکم محرم ۱۳۲۰ھ کو ۱۵ تولے سونا کا مالک تھا بعدہ اس میں سے کسی قدر قلیل خواہ کثیر ضائع ہو گیا یا صَرف کر دیا یا کسی کو دے ڈالا اور تھوڑا سا اگرچہ بہت خفیف باقی رہا، پھر جس قدر کم ہو گیا تھا سلخ ذی الحجہ سے پیشتر اگرچہ ایک ہی دن پہلے پھر آگیا تو پورے ۱۵ ۱۵ تولہ دو نصاب کامل کی زکوٰۃ دینی ہو گی کہ ایک مثقال سونا ہے یونہی اگر مثلاً آٹھ تولے سونے کا مالک ہے اور وسط میں تولہ پھر گھٹ گیا کہ نصاب بھی پوری نہ رہی، ختم سال سے پہلے چھ سات ماشے مل گیا تو وہی زکوٰۃ تمام و کمال لازم آئے گی کہ چھ ماشہ جو عفو تھا جس طرح اس کے ہلاک کا اعتبار نہیں یونہی بعد ہلاک اس کا عود درکار نہیں صرف اس قدر چاہیے کہ شروع سال میں ایک یا زائد جتنی نصابوں کا مالک ہوا تھا، ختم سال پر وُہ نصابیں پُوری ہوں تو جس قدر زکوٰۃ کا وجوب بحالتِ استمرار ہوتا اُسی قدر پُوری واجب ہو گی اور نقصان درمیانی پر نظر نہ کی جائے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ اصل مال سے کوئی پارہ محفوظ رہے سب بالکل فنا نہ ہو جائے ورنہ مِلک اوّل سے شمار سال جاتا رہے گا اور جس دن مِلک جدید ہو گی اُس دن سے حساب کیا جائے گا، مثلاً یکم محرم کو مالک نصاب ہُوا صفر میں سب مال سفر کر گیا، ربیع الاوّل میں پھر بہار آئی تو اسی مہینہ سے حول گنیں گے حسابِ محرم جاتا رہا۔ درمختار میں ہے:

شرط کمال النصاب فی طرفی الحول فی الابتداء للانعقاد وفی الانتہاء للوجوب فلا یضر نقصانہ بینھما فلو ھلك کلہ بطل الحول۔[1]	سال کے دونوں اطراف میں کمالِ نصاب کی شرط ہے ابتداء میں انعقاد اور انتہاء میں وجوب کے لئے، درمیانی مدّت میں کمی نقصان دہ نہیں۔ ہاں اگر سارا مال ہلاک ہو گیا تو سال باطل ہو جائے گا۔

ردالمحتار میں ہے:

فان وجد منہ شیأ قبل الحول ولو بیوم ضمہ وزکی الکل۔[2]	اگر کوئی شیئ سال کے اختتام سے حاصل ہوئی خواہ ایک ہی دن پہلے ہوا سے ملایا جائے گا اور تمام کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الزکوٰۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۵

[2] ردالمحتار باب زکوٰۃ الغنم ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/ ۲۳

اُسی میں ہے:

قولہ ھلك کلہ ای فی اثناء الحول حتی لو استفاد فیہ غیرہ استأنف لہ حولا جدیدا۔[1]	قولہ اگر سارا سال مال ہلاک ہوگیا، یعنی سال کے وسط میں، حتی کہ اگر اس مال کے علاوہ حاصل ہوتا ہے تو اس کے لئے نیا سال ہوگا۔ (ت)

اور اگر یہ نقصان مستمر رہا یعنی ختمِ سال پر وُہ نصابیں پُوری نہ ہوئیں تو اس وقت جس قدر موجود ہے اتنے کی زکوۃ واجب ہوگی اور وہی احکام حسابِ نصاب ولحاظ عفو کے اس قدر موجود پر جاری ہوں گے، جو جاتا رہا گویا تھا ہی نہیں کہ حولانِ حول اسی مقدار پر ہُوا حتی کہ اگر یہ مقدار نصاب سے بھی کم ہے تو زکوۃ راسًا ساقط۔

وذالك لان الحولان شرط الوجوب فاذا نقص عن النصاب لم یجب شیئ والا وجب فیما حال علیہ الحول۔	کیونکہ سال کا گزرنا شرط وجوب ہے، جب نصاب سے کم ہے تو کوئی شیئ لازم نہ ہوگی اور اگر نصاب ہے تو جس پر سال گزرا ہے اس پر زکٰوۃ ہوگی۔ (ت)

حدیث میں ہے حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لازکوٰۃ فی مال حتی یحول علیہ الحول[2] اخرجہ ابن ماجۃ عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	مال پر زکوۃ سال گزرنے سے پہلے لازم نہیں ہوتی، اسے ابن ماجہ نے ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ (ت)

حاشیہ شامی میں ہے:

لواستھلکہ قبل تمام الحول فلا زکوٰۃ علیہ لعدم الشرط۔[3]	اگر اس نے مال سال گزرنے سے پہلے ہلاک کر دیا تو عدمِ شرط کی وجہ سے زکوۃ لازم نہ ہوگی۔ (ت)

بر تقدیر ثانی یعنی جبکہ مال پر سال گزر گیا اور زکوۃ واجب الاداء ہوچکی، اور ہنوز نہ دی تھی کہ مال کم ہوگیا، یہ تین حال سے خالی نہیں کہ سبب کمی استہلاک ہوگا یا تصدّق یا ہلاک۔ استہلاک کے یہ معنی کہ اس نے اپنے فعل سے اُس رقم سے کُچھ اتلاف، صرف کر ڈالا، پھینک دیا، کسی غنی کو ہبہ کر دیا۔ اور یہاں تصدّق سے یہ مراد کہ بلانیتِ زکوۃ کسی فقیر محتاج کو دی دیا۔ اور ہلاک کے یہ معنی کہ بغیر اس کے فعل کے ضائع و تلف ہوگیا، مثلاً

[1] ردالمحتار باب زکوۃ المال ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/ ۳۳
[2] سُنن ابن ماجہ ابواب الزکوۃ باب استفاد مالا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۹
[3] درالمحتار باب زکوۃ الغنم ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/ ۱۲

چوری ہو گئی یا زر وزیور کسی کو قرض ورعایت دے دیا وُہ مکر گیا اور گواہ نہیں یا مر گیا اور ترکہ نہیں یا مال کسی فقیر پر دین تھا مدیون محتاج کو ابرا کر دیا کہ یہ بھی حکم ہلاک میں ہے۔

اب **صورتِ اُولٰی** یعنی استہلاک میں جس قدر زکوۃ سال تمام پر واجب ہولی تھی اُس میں سے ایک حبّہ نہ گھٹے گا یہاں تک کہ اگر سارا مال صرف کر دے اور بالکل نادار محض ہو جائے تاہم قرضِ زکوۃ بدستور ہے، سراجیہ ونہایہ وغیرہما میں ہے:

لو استهلك النصاب لا يسقط۔ [1]	اگر نصاب کو کسی نے ہلاک کر دیا تو زکوۃ ساقط نہ ہو گی (ت)

نہر الفائق وحاشیہ طحطاوی میں ہے:

لو وهب النصاب لغنی بعد الوجوب ضمن الواجب وهو اصح الروايتين۔ [2]	اگر کسی نے نصاب کسی غنی کو وجوب کے بعد ہبہ کر دیا تو وُہ واجب (مقدار) کا ضامن ہوگا اور یہی دونوں روایات میں اصح ہے۔ (ت)

محیط سرخسی وعالمگیریہ میں ہے:

فی رواية الجامع يضمن قدر الزكٰوة وهو الاصح۔ [3]	روایۃ الجامع میں ہے کہ مقدار زکوۃ کا ضامن ہوگا اور یہی اصح (ت)

اور صورتِ ثانیہ یعنی تصدّق میں اگر نذر یا کفارے یا کسی اور صدقہ واجبہ کی نیت کی تو بالاتفاق اس کا حکم بھی مثلِ استہلاک ہے یعنی زکوۃ سے کچھ ساقط نہ ہوگا جو دیا اور باقی رہا سب کی زکوۃ لازم آئیگی۔ درمختار میں ہے:

اذا نوی نذرًا او واجبًا آخر يصح ويضمن الزكٰوة۔ [4]	جب کسی نے نذر کی نیّت کر لی یا کسی اور واجب کی تو صحیح ہے مگر زکوۃ کی ضمانت دینا ہو گی۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی سراجیہ کتاب الزکوۃ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۵

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الزکوۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/۳۹۵

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الزکوۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷۱

[4] درمختار کتاب الزکٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۰۰

اور اگر تطوّع یا مطلق تصدق کی نیّت تھی اور سب تصدق کردے تو بالاتفاق زکوٰۃ ساقط ہوگئی۔ ہندیہ میں ہے:

من تصدّق بجمیع نصابه ولا ینوی الزکوٰۃ سقط فرضها عنه وهذا استحسان کذا فی الزاهدی ولافرق بین ان ینوی النفل او لم تحضره النیة۔[1]	جس نے تمام مال صدقہ کردیا اور زکوٰۃ کی نیت نہ کی تو اس سے فرض ساقط ہوجائے گا اور یہ استحسان ہے جیسا کہ زاہدی میں ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ اس نے صدقہ نفلی کی نیّت کی یا ذہن نیت سے خالی تھا۔ (ت)

اور اگر بعض تصدّق کیے تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک جس قدر صدقہ کیا اُس کی زکٰوۃ ساقط اور باقی کی لازم، مثلاً دوسو ۲۰۰ درہم پر حولانِ حول ہوگیا اور زکوٰۃ کے پانچ درہم واجب ہولئے، اب اس نے سو درہم للہ دے دئے تو ان سَو کی زکوٰۃ یعنی ڈھائی درہم ساقط ہوگئی دین رہے،

وهو روایة عن صاحب المذهب رضی الله تعالٰی عنه کما فی الزاهدی والعنایة وغیرهما وعن الامام ابی یوسف ایضا کما فی القهستانی عن الخزانة ۔**قلت** وبه جزم القدوری فی مختصره والسمعانی فی خزانة المفتین عن شرح الطحطاوی ولما قال الاکمل روی ان الامام مع محمد فی هذه المسئلة[2] قال الطحطاوی عن ابی السعود عن شیخه وهذا کالتصریح با رجحیته[3] اھ وقد نص فی القهستانی والهندیة اثرین عن الزاهدی انه الاشبه.[4]	اور یہی صاحبِ مذہب (امام اعظم) رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے جیسا کہ زاہدی اور عنایہ وغیرہ میں ہے اور امام ابویوسف سے بھی یہی مروی ہے، جیسا کہ قہستانی نے خزانہ سے نقل کیا ہے۔**قلت** (میں کہتا ہُوں) اسی پر قدوری نے مختصر میں، سمعانی نے خزانۃ المفتین میں شرح طحطاوی سے جزم کیا ہے، اکمل نے کہا کہ امام صاحب اس مسئلہ میں امام محمد کے ساتھ ہیں، طحطاوی نے ابوالسعود سے انہوں نے اپنے شیخ سے نقل کیا کہ یہ راجح ہونے پر تصریح کی طرح ہے اھ قہستانی اور ہندیہ میں زاہدی سے یُوں نقل کیا کہ یہی اشبہ ہے (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الزکوٰۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷۱

[2] العنایۃ علی ھامش فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکّھر ۲/۱۲۶

[3] حاشیہ طحطاوی علی درالمختار کتاب الزکوٰۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۳۹۵

[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الزکوٰۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷۱

مگر امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بعض کا تصدق مطلقًا مثل استہلاک ہے کہ کسی نیت سے ہو اصلًا زکوٰۃ سے کچھ نہ گھٹے گا، تو صورتِ مذکورہ میں اگرچہ سو روپیہ خیرات کردے زکوٰۃ کے پانچ درہم بدستور واجب رہے، یہ مذہب زیادہ قوی و مقبول وشایانِ قبول ہے۔

اقول: فقد اعتمد عامۃ المتون کالوقایۃ[1] و[2]النقایۃ و[3]الکنز و[4]الصلاح، و[5]المنتقی و[6]التنویر وغیرھا حتی لم یتعرض کثیر منھم لخلافہ اصلا و اقرتھم علیہ الشروح[7]کذخیرۃ العقبیٰ و[8]البرجندی و[9]تبیین الحقائق و[10]الایضاح و[11]مجمع الانھر، و[12]الدر المختار و غیرھا وقدمہ[13]قاضی خان وابراھیم الحلبی فی متنہ وھما لایقدمان الا الاظھر الاشھر الارجح کما نصا علیہ فی خطب الکتابین وکذا قدمہ فی[14]الخلاصۃ ومعلوم ان التقدیم یشعر بالاختیار کما فی کتاب الشرکۃ من العنایۃ والنھر والدر المختار واخر دلیلہ فی[15]الھدایہ وھو لایؤخر الادلیل ما ھو المختار عندہ لیکون جوابًا من دلیل ما تقدم واقرہ علی ھذا اشارۃ[16]المحقق فی الفتح وکذا ذکر[17]الزیلعی فی التبیین دلیل القولین وشید دلیل ابی یوسف واجاب عن دلیل محمد ونسب فی الایضاح والملتقی والدر المختار الخلاف لمحمد وھو تضعیف لہ کما عرف من محاوراتھم واقر الدر علی ذٰلک[18]الشامی وقواہ ببعض ماذکرنا ھنا وھو صنیع الملتقی و	**اقول:** اکثر متون نے اسی پر اعتماد کیا ہے مثلًا [1]وقایہ، [2]نقایہ، [3]کنز، [4]اصلاح، [5]منتقی، [6]تنویر وغیرہ، حتّٰی کہ اکثریت نے اس میں کسی قسم کے اختلاف کا تذکرہ تک نہیں کیا اور شروحات نے بھی انھیں کے قول کو ثابت رکھا ہے مثلًا [7]ذخیرۃ العقبی، [8]برجندی، [9]تبیین الحقائق، [10]ایضاح، [11]مجمع الانہر اور [12]درمختار وغیرہ۔ [13]قاضی خان اور ابراھیم حلبی نے اپنے متن میں اسے مقدم رکھا ہے اور وُہ دونوں حضرات اظہر، اشہر اور ارجح قول کو ہی مقدم ذکر کرتے ہیں جیسا کہ اُنھوں نے اپنی کتب کے خطبہ میں اس پر تصریح کی ہے، اور [14]خلاصہ میں بھی اسے مقدم رکھا اور یہ مسلّمہ ہے کہ تقدیم مختار ہونے پر دال ہے جیسا کہ عنایہ، نہر اور درمختار کی کتاب الشرکت میں ہے، اور [15]ہدایہ میں اس قول کی دلیل کو مؤخر بیان کیا ہے اور وہ مختار قول کی دلیل ہی کو موخر ذکر کرتے ہیں تاکہ ما قبل دلیل کا جواب بن سکے۔ [16]محقق علی الاطلاق نے بھی فتح القدیر میں اسی کو اشارۃً ثابت رکھا ہے، اسی طرح [17]زیلعی نے تبیین میں دونوں اقوال کی دلیل بیان کی اور امام ابو یوسف کی دلیل کو مضبوط کرتے ہُوئے امام محمد کی دلیل کارَد کیا، ایضاح، ملتقی اور درمختار میں کہا کہ اس میں امام محمد کو اختلاف ہے اور وہ اس قول کے ضعیف ہونے پر دال ہے جیسا کہ محاوراتِ فقہاء سے واضح ہے، امام شامی نے در کے قول کو اسی طرح ثابت رکھا اور بعض

تقديم قاضی خان وتاخير الهداية فقد ترجح هذا -اوّلًا بتظافر عامة المتون عليه -و ثانيًا: بجلالة شان من اعتمده و اقروه كالامام فقيه النفس الذی قالو افيه انه لا يعدل عن تصحيحه و[2]الامام المحقق صاحب الهداية و عصريهما [3]الامام صاحب الخلاصة و [4]الامام النسفی صاحب الكنز فالامام [5]برهان الدين محمود وحفيده الامام [6]صدر الشريعة و[7]الامام المحقق حيث اطلق و[8]الامام الفخر الزيلعی و[9]العلامة الامام ابن كمال الوزير وهم جميعًا من ائمة الاجتهاد بوجه اقرلهم بذلك علماء معتمدون ولا كذلك من عددنا فی القول الاول الا القدوری وشارح الطحاوی اما السمعانی فلم ارمن اعترف له بذلك وابوا لسعود هذا ليس هو الامام المحقق علامة الوجود خاتمة المجتهدين محمد افندی مفتی الديار الرومية فانه متقدم علی صاحب البحر المقدم علی الشرنبلالی السابق علی السيّد ابی السعود هذا المتكلم علی كتب الشرنبلالی تحشيا و تعليقا فتصحيح هٰؤلاء الجلة ولو التزامًا لا يقاومه قول المجروح المطروح ان غيره اشبه ثم ما فيهم وفی من تبعهم من اعاظم المتاخرين من الكثرة كما علمت يقضی بترجيحه فانما العمل

ہمارے مذکورہ دلائل سے اس کو تقویت دی اور وُہ ملتقی کا طریقہ ہے، تقدیم قاضی خان اور تاخیر طریقہ ہدایہ ہے، لہٰذا یہ قول ترجیح پائے گا۔ **اوّلا:** تو اس لئے کہ اس پر اکثر متون ہیں۔ **ثانیًا:** اس پر بزرگ ترین شخصیات نے اس کی تصریح کی اور اسے ثابت رکھا ہے، مثلًا امام [1]فقیہ النفس جن کے بارے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ان کی تصحیح سے عدول نہیں کیا جاسکتا [2]امام محقق صاحبِ ہدایہ اور اُن کے معاصرین امام [3]صاحب الخلاصہ اور [4]امام نسفی صاحب الکنز پھر [5]امام برھان الدین محمود اور ان کے پوتے [6]امام صدر الشریعۃ، [7]امام محقق علی الاطلاق، [8]امام فخر زیلعی اور [9]علامہ ابن کمال الوزیر اور یہ تمام بالوجہ ائمہ اجتہاد ہیں، جس کا اقرار کرنے والے علمائے معتمدین ہیں، اور قولِ اوّل میں ہمارے شمار کا معاملہ اس طرح نہیں ماسوائے قدوری اور شارح الطحاوی کے۔ رہا معاملہ سمعانی کا، تو میں ان کیلئے اجتہاد کا اعتراف کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا اور ابو سعود سے امام محقق علامۃ الوجود خاتمۃ المجتہدین محمد آفندی مفتی دیارِ روم مراد نہیں کیونکہ وہ صاحب بحر سے پہلے گزرے ہیں اور صاحبِ بحر شرنبلالی سے مقدم اور شرنبلالی سیّد ابوالسعود سے مقدم ہیں جنھوں نے کتبِ شرنبلالی پر حواشی و تعلیقات تحریر کی ہیں، پس ان عظیم علماء کی تصحیح اگرچہ التزامًا ہو کا مقابلالہ کوئی مجروح ومطروح قول نہیں کرسکتا اس بات میں کہ اس کا غیر مختار ہے، پھر ان علماء اور ان کے متبعین علماءِ متاخرین کی کثرت جیساکہ معلوم ہوچکا ہے بھی ترجیح کا تقاضا کرتی، کیونکہ عمل اس پر

بماعلیه الاکثر کما فی العقود الدریة وغیرہا، **وثالثًا**: بقوۃ دلیله کما یظهر بمراجعة التبیین وغیرہ۔ **ورابعًا**: ان فرض تساوی القولین من جهة الترجیح فیترجح هذا بانه قول ابی یوسف کما عرف ذٰلك فی رسم المفتی۔ **وخامسًا**: بانه الاحوط فان فیه الخروج عن العهدۃ بیقین، **وسادسًا**: بانه الانفع للفقراء وقد علم ان للعلماء بذٰلك اعتناءً عظیمًا فی الزکٰوۃ والاوقاف هذا ماظهر لی فانظر ماذا ترٰی، واللّٰه تعالٰی اعلم۔	ہوتا ہے جس پر اکثریت ہو جیسا کہ عقود الدریہ وغیرہ میں ہے۔ **ثالثًا**: اس کی دلیل قوی ہونے کی وجہ سے جیسا کہ تبیین وغیرہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ **رابعًا**: اگر جہت ترجیح کی وجہ سے دونوں اقوال میں مساوات فرض کرلیں تب بھی یہی قول ترجیح پاجائے گا کیونکہ یہ امام ابویوسف کا قول ہے جیسا کہ رسم المفتی میں معلوم ہوچکا۔ **خامسًا**: احوط یہی ہے کیونکہ اس صورت میں ذمہ داری سے بالیقین نکلا جاسکتا ہے، **سادسًا**: یہ فقراء کیلئے زیادہ سُود مند ہے اور یہ معلوم ہے کہ علماءِ زکوۃ واوقاف میں اس کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں مجھ پر تو یہی واضح ہوا، آپ کی کیا رائے ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

رہی **صورتِ ثالثہ** یعنی ہلاک، اس میں بالاتفاق کم یا بہت جس قدر تلف ہو بحساب اربعہ متناسبہ اُتنے کی زکوۃ ساقط ہوگی اور جتنا باقی رہے اگرچہ نصاب سے بھی کم، اُتنے کی زکوۃ باقی، مثلًا دوسوبیس ۲۲۰ درہم شرعی کا مالک تھا حولان حول کے بعد ۵ درہم واجب الادا ہُوئے، ابھی نہ دئے تھے کہ ۴۰ درہم ہلاک ہوگئے تواب نیم درہم ساقط اور ۴ واجب کہ ۲۰ تو عفو تھے جن کے مقابل زکوۃ سے کُچھ نہ تھا وُہ تو بیکار گئے، نصاب میں سے صرف بیس ۲۰ گھٹے، وہ نصاب کی عشر ہیں تو زکوۃ کا بھی دسواں حصّہ یعنی آدھا درہم ساقط ہوگا باقی باقی، یایُوں دیکھ لیا کہ نصاب سے ۲۰ ہلاک ہوئے ہیں ان کا (۱/۴۰) نیم درہم ہے اُسی قدر ساقط ہوگیا، یایُوں خیال کرلیا کہ ایک سواسّی ۱۸۰ باقی ہیں ان کا (۱/۴۰) ساڑھے چار ہیں اسی قدر واجب رہا، تینوں کا حاصل ایک ہے، اور اگر صورت مذکورہ میں ۲۱ درہم ضائع ہوئے ہیں تو زکوۃ سے درہم کا صرف بیسواں حصہ کہ کل واجب کا نصفِ عشر عشر یعنی (۱/ ۲۰۰) ہے ساقط ہوگا باقی (۱۹/۲۱) واجب کہ نصاب سے فقط ایک درہم ہلاک ہوا ہے یہ نصاب کا (۱/۲۰۰) تھا، اور اگر (۲۱۹) تلف ہُوئے تو درہم کا فقط (۱/۲۰) • دینا آئے گا باقی ساقط کہ اسی حساب سے حصّہ نصاب باقی ہے وعلٰی ھذا القیاس۔ درمختار میں ہے:

لا شیئ فی عفو ولا فی ہالك بعد وجوبها تعلقها بالعین لا بالذمة وان ہلك بعضه سقط حظه ویصرف	عفو میں کوئی شَے لازم نہیں، وجوبِ زکوۃ کے بعد ہلاک ہوجانے والے مال پر زکوۃ نہیں کیونکہ زکوۃ کا تعلق اس مال سے تھا نہ کہ ذمہ کے ساتھ، اور اگر تھوڑا ہلاک

الھالك الی العفو او لًا ثم الی نصاب یلیه ثم و ثم بخلاف المستھلك لوجودالتعدی والتوی بعد القرض والاعادة ھلاك اھ[1]ملتقا۔	ہوا تو اس کے مطابق زکوٰۃ ساقط ہوگی اور ہلاک ہونے والے کو پہلے عفو کی طرف پھر اس سے متصل نصاب کی طرف پھیرا جائے گا۔ اسی طرح آگے سلسلہ ہوگا بخلاف ہلاک کیے جانے والے کے، کیونکہ یہاں زیادتی ہے، قرض لینے والے کے انکار، اور دوبارہ ادا کرنے کا نقصان ہلاک کہلائے گا اھ ملتقطا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

والتو ی ھنا ان یجحد ولا بینه علیه او یموت المستقرض لا عن ترکة۔[2]	"توٰی" سے یہاں مراد یہ ہے کہ مقروض، گواہ نہ ہونے پر قرض سے انکار کردے یا مقروض قرضہ کی ادائیگی کے لیے ترکہ چھوڑے بغیر فوت ہوجائے (ت)

اُسی میں ہے:

من الاستھلاك ما لوأبرأمدیونه الموسر بخلاف المعسر اھ[3] **اقول**:وما اشار الیه فی الدر من الترتیب فی الصرف الی النصب فھو مذھب سیّدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنه خلافا للامام ابی یوسف رحمه اللہ تعالٰی فانه یصرف الھالك بعدالعفو الی جمیع النصب شائعا ولکنی لم الم بذکرہ ھٰھنا لان الکلام فی الذھب والفضة وفیھما لاثمرة لھذا العدم تفاوت نصبھا فی الواجب اصلافا نه ربع العشر علی الاطلاق وانما تظھر فی السوائم	ہلاک کیے جانے والے مال کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے امیر مقروض کو معاف کردے بخلاف تنگدست کو معاف کردینے کے۔ **اقول**: در میں نصاب کے مصارف کی جس ترتیب کی طرف اشارہ ہے وُہ سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے۔ اس میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا اختلاف ہے کیونکہ وہ عفو کے بعد ہلاک ہونے والے حصّہ کو مشترکہ طور پر تمام نصابوں کی طرف لوٹاتے ہیں لیکن میں نے یہاں اسے ذکر نہیں کیا کیونکہ کلام سونے اور چاندی میں ہے اور ان دونوں میں اس کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ ان کے وجوبِ نصاب میں اصلاً تفاوت نہیں، وہ تو مطلقًا چالیسواں

[1] ردمختار باب زکوٰۃ الغنم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۳
[2] ردالمحتار باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۱
[3] ردالمحتار باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۱

اما لاختلاف الواجب فیھا باختلاف النصب فقد یکون شاۃ و تارۃ بنت مخاض واخری بنت لبون وھکذا فمن ملك ستۃ وثلثین من الابل فھلك احدی عشرۃ فالواجب عند الامام بنت مخاض وعند الثانی (۲۵/۳۶) بنت لبون ای خمسۃ و عشرون جزء من ستۃ و ثلثین جزء من اجزاء بنت لبون واما لانعدام المثلیۃ فیتصور تفاوت الحسابین کمن ملك مائتی شاۃٍ و شاۃً فالواجب ثلث شیاہ ھلکت منھا ثمانون فالواجب عندالامام شاتان صرفا للھلاك الی اقرب النصب وعند ابی یوسف (۱۲۱/۲۰۱) ثلث شیاہ ای مائۃ واحد و عشرون جزء من مائتی اجزاء وجزء من ثلث شیاہ ولا یجب ان یکون ھذا کمثل شاتین ویظھر ذلك عند التقویم فان دفع القیمۃ جائز فی الزکوٰۃ قطعًا فلنفرض ان شاۃ بسبعۃ وستین قرشا فقیمۃ الواجب عند الامام ۱۳۴ قرشا و عندابی یوسف ۱۲۱ وھکذا اماھھنا فالتعیین والشیوع سواء بلا تفاوت اصلافان من ملك مثلا ۴۴ مثقالامن ذھب فالواجب مثقال وقیراطان لان کل مثقال عشرون قیراطا فاذا

حصہ ہے، ہاں چارپایوں میں ثمرہ (اختلاف) ظاہر ہوگا، یا تو اس میں اختلافِ نصاب اختلافِ واجب کی وجہ سے ہوگا، مثلاً کبھی بکریاں ہوں گی کبھی بنت مخاض اور کبھی بنت لبون، پس جو شخص چھتیس اونٹوں کا مالک بنا، ان میں سے گیارہ ہلاک ہوگئے، امام کے نزدیک یہاں بنت مخاض لازم ہے اور دوسرے کے نزدیک بنت لبون کا ۲۵/۳۶ یعنی بنت لبون کے چھتیس اجزاء میں سے پچیس اجزاء لازم ہوں گے، یا وہاں مثلیت معدوم ہونے کی وجہ سے دونوں حسابوں میں تفاوت متصوّر ہوگا، مثلاً ایک شخص دوسوایک [۲۰۱] بکری کا مالک ہے اب تین بکریاں لازم ہوگئیں مگران میں سے اسّی ہلاک ہوگئیں توامام کے نزدیک اقرب نصاب کی طرف لوٹنے کی وجہ سے یہاں دو ۲ بکریاں لازم ہوں گی اور امام ابویوسف کے نزدیک تین بکریوں کا ۱۲۱/۲۰۱ یعنی تین بکریوں کے دوسوایک [۲۰۱] اجزاء میں سے ایک سو اکیس [۱۲۱] لازم ہوں گے اور اس کا دو [۲] بکریوں کی مانند ہونا لازم نہیں اوراس چیز کا اظہار قیمت لگانے کے وقت ہی ہوگا کیونکہ قیمت دینے سے زکوٰۃ بالیقین ادا ہوجاتی ہے، مثلاً ہم فرض کرتے ہیں کہ بکری کی قیمت سڑسٹھ [۶۷] قرش ہے توامام کے نزدیک ایک سوچونتیس [۱۳۴] قرش اور امام ابویوسف کے نزدیک ایک سو اکیس [۱۲۱] قرش زکوٰۃ لازم ہوگی، اسی طرح باقی قیاس کرلیں، لیکن زیر نظر مسئلہ میں تعیین اور اشتراک برابر ہیں ان میں کوئی تفاوت ہی نہیں، جو شخص مثلاً چوالیس [۴۴] مثقال سونے کا مالک بنا تو اس پر ایک مثقال اور دو قراط زکوٰۃ لازم ہے کیونکہ ہر مثقال بیس [۲۰] قیراط ہوتا ہے، مثلاً

هلك ۲۴ مثقالاًمثلاًوبقی۲۰ فالواجب علی طریقة الامام نصف مثقال وعلیٰ طریقة ابی یوسف (۵/۱۱)ای خمسة اجزاء من احد عشر جزء من اجزاء مثقال و قیراطین فاذا جنسنا حصل۲۲ قیراطاً فحصتها المذکورة عشرة قراریط و ذلك نصف مثقال وکذا اذا ملك ۱۸ تولجة من ذهب وهو نصابان وخمسان فالواجب ۵ ماشه (۱/۵۳) سرخ فاذاهلك ۳ تولجات مثلا بقی نصابان فالواجب علی طریقة الامام ۴ ماشه۴ سرخ وعلی طریقة ابی یوسف۶ /۵ من الواجب الاول فاذا جعلنا الکل اخماس حبة کانت ۲۱۶ خمساناً خذ منها ۵/۶یحصل ۱۸۰ خمسا وهو ۴ ماشه ۴ سرخ سواءً بسواء وان شککت فانظر الی هذاالعمل:

۳۶(۲۱۶ (۶

۵

۳۶(۱۸۰ (۵

۸)۳۶ (ماشه ۴

ثم اعلم ان ابراء المدیون الغنی ایضاقد یکون هلاکاً وذلك اذا کان الدین ضعیفاً وهو الذی لیس فی مقابلة ۴ سرخ مال کالمهر والدیة و بدل الخلع و تمام الکلام علیه فی ردالمحتار والله سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

چوبیس ۲۴ مثقال ہلاک ہوگیا اور باقی بیس ۲۰ رہ گیا توامام کے طریق پر نصف مثقال اور امام ابو یوسف کے مطابق ۵/۱۱ یعنی گیارہ ۱۱ مثقال اور دو ۲ قیراط کے اجزاء میں پانچ اجزاء لازم ہوں گے، جب ہم انھیں ہم جنس قراردیں تو یہ بائیس ۲۲ قیراط بن جائیں گے، اب ان میں حصّہ مذکورہ دس ۱۰ قیراط ہوگا اور یہ نصف مثقال ہے۔اسی طرح مثلاً کوئی شخص اٹھارہ تولے سونے کامالک بناتو یہ دو ۲ نصاب اور دو ۲ خمس ہیں تواب پانچ ماشے (۳- ۱/۵) رتی بنے گا تو اب اگر تین ۳ تولے مثلاًہلاک ہوگیا تو دو۲نصاب باقی رہ گئے۔ اب امام کے طریق کے مطابق چار ۴ ماشے اور چار رتی، اور امام ابویوسف کے طریقہ پر ۵/۶ واجبِ اول کا ہوگا، تو اگر ہم سب کو حبہ کے خمس بنائیں تو کل ۲۱۶ خمس ہوئے ان میں سے ۵/۶ لے لیں تو۱۸۰ خمس حاصل ہوئے اور ۴ ماشے ۴ رتی ہُوئے جو برابر برابر ہیں، اگر تمھیں شک ہو تو اس عمل کو دیکھو:

۳۶(۲۱۶ (۶

۵

۳۶(۱۸۰ (۵

۸)۳۶ (ماشہ ۴

پھر معلوم ہونا چاہئے کہ کسی غنی مقروض کو بری کرنا بھی کبھی ہلاک قرار پاتا ہےاور یہ جب ہوگا کہ قرض یا دین بہت کم ہو اور وہ یہ ۴ رتی سے کم ہو تو مال نہ قرار پائیگا جیسا کہ مہر، دیت، خلع کے بدل میں اس مقدار کو مال نہیں دیا جاتا، اس کی مکمل بحث ردالمحتار میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ رابعہ: سادات محتاجین کو زرِ زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں، بہت سادات محتاج ایسے ملتے ہیں کہ خود مانگتے ہیں اور میں نے سُنا ہے کہ علمائے رام پور نے جواز کا فتوٰی دیا ہے مگر میں نے اب تک یہ جرأت نہ کی۔ اس بارہ میں آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب، زکوٰۃ ساداتِ کرام وسائرِ بنی ہاشم پر حرامِ قطعی ہے جس کی حرمت پر ہمارے ائمہ ثلٰثہ بلکہ ائمہ مذاہبِ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کا اجماع قائم۔ امام شعرانی رحمہ اللہ تعالٰی میزان میں فرماتے ہیں:

اتفق الائمۃ الاربعۃ علی تحریم الصدقۃ المفروضۃ علی بنی ھاشم و بنی عبد المطلب وھم خمس بطون اٰل علی واٰل العباس و اٰل جعفر واٰل عقیل واٰل الحارث بن عبد المطلب ھذا من مسائل الاجماع و الاتفاق اھ[1] ملخصًا۔	باتفاقِ ائمہ اربعہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب پر صدقہ فرضیہ حرام ہے، اور وُہ پانچ خاندان ہیں: آلِ علی، آلِ عباس، آلِ جعفر، آلِ عقیل، آلِ حارث بن عبدالمطلب۔ یہ اجماعی اور اتفاقی مسائل میں سے ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

اول تاآخر تمام متون مذہب قاطبۃً بے شذوذ شاذ و عامہ شروح معتمدہ و فتاوائے مستندہ اس حکم پر ناطق اور خود حضور پر نور سیّد السادات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں اس باب میں وارد، اس وقت جہاں تک فقیر کی نظر ہے بیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اس مضمون کی حدیثیں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیں:

حضرت سیّدنا [1] امام حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ احمد والبخاری ومسلم (ان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے امام احمد، بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت سیّدنا [2] امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ روی احمد وابن حبان برجال ثقات (ان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے احمد اور ابن حبان نے ثقہ رجال کے ساتھ روایت کیا ہے۔ت) حضرت سیّدنا [3] عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما روی الامام الطحاوی والحاکم وابو نعیم وابن سعد فی الطبقات وابو عبید القاسم بن سلام فی کتاب الاموال و [4] روی عنہ الطحاوی [5] حدیثًا اٰخرو الطبرانی حدیثًا ثالثًا (امام طحاوی، حاکم، ابو نعیم، ابن سعد نے طبقات اور

---
[1] المیزان الکبرٰی باب قسم الصدقات مصطفی البابی مصر ۱۳/۲

ابو عبید قاسم بن سلام نے کتاب الاموال میں روایت کیا ہے اور طحاوی نے ان سے دوسری حدیث اور طبرانی نے تیسری حدیث روایت کی ہے۔ت) حضرت [6] عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ احمد و مسلم والنسائی (ان سے احمد، مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت [7] سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ ابن حبان والطحاوی والحاکم وابو نعیم (ان سے ابن حبان، طحاوی، حاکم اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت [8] ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ الشیخان ولہ عند [9] الطحاوی حدیثان [10] اخران (ان سے بخاری و مسلم نے روایت کیا اور انہی سے امام طحاوی نے دو [2] اور احادیث نقل کی ہیں۔ت) حضرت [11] انس بن مالک رضی اللہ عنہ روی عنہ البخاری ومسلم ولہ عند [12] الطحاوی حدیث اُخر (ان سے بخاری اور مسلم نے روایت کیا اور انہی سے طحاوی نے ایک اور حدیث روایت کی ہے۔ت) حضرت [13] معاویہ بن حیدہ قشیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ الترمذی والنسائی ولہ عند [14] الطحاوی حدیث اُخر (ان سے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا اور انہی سے طحاوی نے ایک اور حدیث بیان کی ہے۔ت) حضرت [15] ابو رافع مولٰی رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم روی عنہ احمد وداؤد والترمذی والنسائی والطحاوی و ابن حبان وابن خزیمۃ والحاکم (ان سے امام احمد، داؤد، ترمذی، نسائی، طحاوی، ابن حبان، ابن خزیمہ اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت [16] ہرمز یا کیسان مولٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روی عنہ احمد والطحاوی (ان سے احمد اور طحاوی نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت [17] بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ اسحاق بن راھویۃ و [18] ابو یعلی الموصلی والطحاوی والبزاز ولطبرانی والحاکم (ان سے اسحاق بن راہویہ، ابویعلی الموصلی، طحاوی، بزاز، طبرانی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت ابو یعلی رضی اللہ تعالٰی عنہ، حضرت [19] ابو عمیرہ رشید بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہما الطحاوی (ان دونوں سے طحاوی نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت [20] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت [21] عبدالرحمٰن بن علقمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ یقال صحابی (ان کو صحابی کہا گیا ہے۔ت) حضرت [22] عبدالرحمٰن بن ابی عقیل رضی اللہ تعالٰی عنہ علق عن الثلٰثۃ الترمذی (امام ترمذی نے ان تینوں سے تعلیقاً حدیث بیان کی ہے۔ت) حضرت [23] ام المومنین صدیقہ بنت الصدّیق رضی اللہ تعالٰی عنہما روی عنہا الستّۃ (ان سے اصحابِ ستّہ نے بیان کیا۔ت) حضرت ام المومنین [24] ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا روی عنہ احمد و مسلم (ان سے امام احمد اور مسلم نے روایت کیا۔ت) حضرت [25] ام عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہا احمد و البخاری و مسلم (ان سے امام احمد، بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ت) اور بیشک اس تحریم کی علت اُن حضرات عالیہ کی عزّت و کرامت و نظامت و طہارت کہ زکوٰۃ مال کا مَیل ہے اور گناہوں کا دھوون، اس ستھری نسل والوں کے مقابل نہیں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالے

علیہ وسلم نے اس تعلیل کی تصریح فرمائی،

کما فی حدیث المطلب عند مسلم و ابن عباس عند الطبرانی وعلی المرتضٰی عند الطحاوی رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔	جیسا کہ مسلم کے ہاں حدیثِ مُطّلب، طبرانی کے ہاں حدیث ابن عباس اور طحاوی کے ہاں حدیثِ علی المرتضٰے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین میں ہے۔(ت)

اسی طرح عامہ علماء مثل امام [1] ابو جعفر طحاوی شرح معانی الآثار اور امام [2] شمس الائمہ سرخسی محیط اور امام [3] صدر شہید شرح جامع صغیر اور امام [4] برہان الدین فرغانی ہدایہ اور امام [5] حافظ الدین نسفی کافی اور امام [6] فخر الدین زیلعی تبیین اور امام [7] سمعانی خزانۃ المفتین اور [8] علامہ یوسف چلپی ذخیرۃ العقبٰی اور [9] محقق غزی منح الغفار اور مدقق [10] علائی در مختار اور [11] فاضل رومی مجمع الانہر اور [12] سیّد حموی غمز العیون اور ان کے غیر میں اس حکم کی یہی علّت بیان فرماتے ہیں اور شک نہیں کہ یہ علّت تغیّر زمانہ سے متغیر نہیں ہو سکتی تو دائماً ابداً بقائے حکم میں کوئی شُبہ نہیں، یہاں تک کہ جمہور علمائے کرام مثل امام [1] ابوالحسن کرخی وامام [2] ابوبکر جصاص و امام [3] حسام الدین عمر صدر شہید وامام [4] علی بن ابی بکر مرغینانی صاحبِ ہدایہ وامام [5] طاہر بخاری صاحبِ خلاصہ وامام [6] سغناقی صاحبِ نہایہ وامام [7] نسفی صاحبِ کافی وامام [8] زیلعی شارح کنز وامام [9] حسین بن محمد صاحبِ خزانہ وامام [10] ہمام محمد بن الہمام صاحبِ فتح [11] علامہ اتقانی صاحبِ غایۃ البیان وعلامہ [12] برجندی شارح نقایہ و [13] علامہ زین بن نجیم صاحبِ اشباہ و بحر و [14] علامہ عمر بن نجیم صاحبِ نہر و [15] علامہ ابراہیم حلبی صاحبِ ملتقی و [16] علامہ محمد حصکفی صاحب در مختار و مصنفانِ اختیار شرح مختار و فتاوٰی ہندیہ وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم بنی ہاشم کو مالِ زکوٰۃ سے عمل صدقات کی اجرت لینا ناجائز ٹھہراتے ہیں حالانکہ یہ اغنیاء کے لیے بھی روا کہ من کل الوجوہ زکوٰۃ نہیں مگر آخر شبہ زکوٰۃ ہے اور بنی ہاشم کی جلالتِ شان شبہ لوث سے بھی برائت کی شایاں۔ تبیین الحقائق میں ہے

یستحقہ عمالۃ الاان فیہ شبھۃ الصدقۃ بدلیل سقوط الزکوٰۃ عن ارباب الاموال فلا یحل للعامل الھاشمی تنزیھا لقرابۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن شبھۃ الوسخ و تحل للغنی لا نہ لا یوازی الھاشمی فی استحقاق الکرامۃ فلا تعتبر الشبھۃ فی حقہ اھ [1] ملخصًا۔	عاملین زکوٰۃ کے حقدار ہیں مگر چونکہ اس میں شبہ زکوٰۃ ہے کیونکہ اس سے صاحبِ اموال کی زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے لہذا ہاشمی عامل کے لئے حلال نہیں تاکہ قرابتِ نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مَیل کے شبہ سے بھی محفوظ رکھا جاسکے البتہ غنی عامل کے لیے جائز ہے کیونکہ وُہ مرتبہ کرامت میں ہاشمی کے برابر نہیں، لہٰذا ان کے حق میں اس شبہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اھ ملخصًا(ت)

[1] تبیین الحقائق باب المصرف مطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۱/ ۲۹۷

محیط و بحر و درر وغیرہا میں ہے: زکوۃ ہاشمی کے غلام مکاتب کو بھی جائز نہیں حالانکہ مکاتبِ اغنیاء کیلئے حلال، اور وجہ وہی کہ ملک مکاتب من وجہ ملک مولٰی ہے اور یہاں شبہہ مثلِ حقیقت۔ ردالمحتار میں ہے:

فی البحر عن المحیط وقد قالو اانه لا یجوز لمکاتب ھاشمی لان الملك یقع للمولی من وجه و الشبهة ملحقة بالحقیقة فی حقهم اھ ای ان المکاتب وان صار حرایدا حتی یملك مایدفع الیه لکنه مملوك رقبة ففیه شبهة وقوع الملك لمولا ہ الھاشمی والشبهة معتبرة فی حقه لکرامة بخلاف الغنی کما مر فی العمل فلذا قید بقوله فی حق بنی ھاشم اھ۔[1]	بحر میں محیط سے ہے کہ علماء نے فرمایا ہے کہ ہاشمی کے مکاتب کے لیے زکوۃ جائز نہیں کیونکہ یہاں ایک لحاظ سے مولٰی کی ملکیت باقی ہوتی ہے اور یہاں شبہ ہاشمیوں کے حق میں حقیقی طور پر برقرار ہوتا ہے اھ یعنی مکاتب اگرچہ آزاد متصوّر ہوتا ہے حتی کہ جو کچھ اسے دیا جائے وُہ اس کا مالک بن جاتا ہے لیکن گردن کے اعتبار سے مملوک ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں اس کے ہاشمی مولٰی کی ملکیت کا شبہ ہے اور یہاں ہاشمی کی شرافت کی وجہ سے شبہ کا اعتبار ہوتا ہے بخلاف غنی کے، جیسا عامل میں گزرا ہے، اسی لیے مصنّف نے حقِ بنی ہاشم کی قید لگائی ہے اھ (ت)

بالجملہ جب حدیث وُہ اور فقہ یہ، پھر خلاف کی طرف راہ کہاں، اب جو صاحب جواز پر فتوٰی دیں ان کا منشاء غلط ایک مقدوح و مرجوح و مجروح روایت ہے جو ابوعصمہ نوح بن ابی مریم جامع نے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حکایت کی کہ ہمارے زمانے میں بنی ہاشم کو زکوۃ روا ہے کہ سببِ حُرمت مالِ غنیمت سے خمسِ خمس ملنا تھا اب کہ وُہ نہیں ملتا زکوۃ نے عود کیا۔

اقول: یہ حکایت نہ روایۃً رجیح نہ درایۃً نجیح، ہم ابھی بیان کر آئے کہ علّتِ حرمت بنصِ صریح صاحب شرع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و تصریحاتِ متظافرہ حاملانِ شرع رحمۃ اللہ علیہم کثافتِ صدقات و نظامتِ سادات یعنی بنی ہاشم ہے، اور تبدلِ زمانہ سے متبدل نہیں ہو سکتی، اور جو دلیل اس ضعیف قیل پر بیان میں آئی، فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اس کی کامل ناتمامی اپنے فتاوٰی یکم جمادی الاولٰی ۱۳۰۶ ہجریہ مندرجہ مجموعہ العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة میں بحمد اللہ تعالٰی روشن بیانوں سے واضح کردی اسی میں اٹھارہ[۱۸] دلائل ساطعہ قائم کیے کہ امام اجل ابو جعفر طحاوی قدس سرہ کی طرف اس روایت مرجوحہ کے اخذ و اختیار کی نسبت میں بڑا دھوکا واقع ہوا

[1] درالمختار باب المصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰

جن میں سترہ ۱۷ خود کلام امام ممدوح کی شہادات سے ہیں بلکہ وُہ بلاشُبہ اسی مذہب حق وظاہر الروایۃ کو بھذا ناخذ (ہم اسی کو لیتے ہیں۔ت) فرماتے اور معتمد و مفتی بہ ٹھہراتے ہیں، ایک سہل سی عام فہم بات یہ ہے کہ وہی امام ممدوح اپنی اسی کتاب شرح معانی الآثار کی اُسی کتاب، اُسی باب، اسی بحث میں جہاں ان سے اس ترجیح معکوس کا وقوع بتایا جاتا ہے خاص اسی بھذا ناخذ سے صاف صریح تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بنی ہاشم کے غلام تو غلام، موالی پر بھی زکوۃ حرام فرماتے ہیں۔ ہمارے ائمہ سے اس کا خلاف معلوم نہیں۔ سبحان اللہ جب ان کے نزدیک خود بنی ہاشم کے لیے زکوۃ حلال تھی تو ان کے غلاموں پر حرام ماننا کیونکر معقول تھا، طرفہ یہ کہ یہیں امام طحاوی نے اس مذہب کو اختیار فرمایا ہے کہ بنی ہاشم پر نہ صرف زکوۃ صدقات واجبہ بلکہ صدقہ نافلہ بھی حرام ہے۔ اور فرماتے ہیں ہمارے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا یہی قول ہے، پھر انھیں قائل جواز ماننا کیسا سخت قول بالمحال ہے جسے اس مطلبِ جلیل کی تنقیحِ جمیل پر اطلاع منظور ہو فتاوٰی فقیر کی طرف رجوع کرے، اور جب یقیناً معلوم کہ وُہ روایت شاذہ مذہب اجماعی ائمہ ثلٰثہ کے خلاف واقعہ اور تمام متون کا اس کے خلاف پر اجماع قاطع' اور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی احادیثِ متواترہ اس کی دافع، اور دلیل و درایت میں بھی اُس کا حصّہ محض ذاہب و ضائع، اور فتوٰی امام طحاوی یقیناً جانب ظاہر الروایۃ راجع، تو اس پر فتوٰی دینا قطعاً مردود، جس سے شرع مطہر جزماً مانع، کون نہیں جانتا کہ اطباقِ متون کی کیسی شان جلیل ہے جس کے سبب بارہا محققین نے جانبِ خلاف کی تصحیحوں کو قبول نہ کیا نہ اس طرف تصحیح و ترجیح کا نام بھی نہ ہونہ کہ صراحۃً امام مجتھد نے اسی جانب پر فتوٰی دیا ہو بااینہمہ اسے چھوڑ کر اُدھر جانا کس قدر موجب عجب شدید ہے، درمختار میں ہے:

قال فی الخانیۃ وعلیہ الفتوی لکن المتون علی الاول فعلیھا المعول[1]	خانیہ میں ہے کہ فتوی اسی پر ہے لیکن متون میں پہلا قول ہے لہٰذا اسی پر اعتماد ہوگا۔ (ت)

کون نہیں جانتا کہ ہنگامِ اختلاف ظاہر الروایۃ ہی مرجح ہے اگرچہ دونوں مذیل بفتوی ہوں۔ بحر الرائق میں ہے:

اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاہر الروایۃ والرجوع الیھا۔[2]	جب تصحیح اقوال میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایۃ کی تلاش اور اس کی طرف ہی رجوع کرنا چاہئے (ت)

علماء فرماتے جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں۔ در المختار کی کتاب

---

[1] درمختار کتاب القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۹

[2] بحر الرائق باب المصرف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۵۰

احیاء الموات میں ہے:

ما خالف ظاہر الروایۃ لیس مذھبًا لاصحابنا۔[1]	جو ظاہر روایت کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں ہوتا۔ (ت)

پھر جبکہ خاص اسی طرف فتوٰی ہُوا اور اُس جانب کچھ نہیں تو اُدھر چلنا روشِ فقہی سے کتنا بعید ہے، کون نہیں جانتا کہ قوتِ دلیل کس قدر موجبِ تعویل، یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں:

لایعدل من درایۃ ما وافقھا روایۃ[2] کما فی الغنیۃ شرح المنیۃ ورد المحتار وغیرھما۔	اس عقلی دلیل سے اعراض نہیں کیا جائے گا جو نقلی دلیل کے مطابق ہو جیسا کہ منیہ شرح غنیہ اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اس تنکیر روایۃ پر نظر کیجئے اور ما نحن فیہ کی حالت دیکھئے، جب روایت کی موافق مانع عدول تو ماھی الروایۃ کا خلاف کیونکر مقبول، پھر اس طرف احادیث متواترہ، ان سب کے جن کے صحت پر ایسا یقین کہ گویا بگوش خویش کلام اقدس حضور پُر نور صلوٰۃ اللہ تعالٰے وسلامہ علیہ سُن رہے ہیں، میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کے وجوہ کے بعد بھی وُہ روایت قبول تو قبول، التفات کے قابل ٹھہرے۔ لاجرم ملاحظہ کیجئے کہ بکثرتِ علماءِ اصحاب متون و شروح وفتاوی اپنی تصانیف عظیمہ جلیلہ معتمدہ مثل قدوری وبدایہ ووافی وکنز ووقایہ ونقایہ واصلاح وملتقی وہدایہ وتنویر وکافی وشرح وقایہ وایضاح واشباہ ودرمختار وطریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ وخانیہ وخلاصہ وخزانۃ المفتین وجواہر اخلاطی وعلمگیری وغیرہا میں اُس روایت کا نام تک زبان پر نہ لائے اور طبقۃً فطبقۃً منع وتحریم روشن تصریحیں کرتے آئے، کیا وہ اس روایت شاذہ سے آگاہ نہ تھے، یقینا تھے، مگر اسے قابلِ التفات نہ سمجھے، اور بے شک وُہ اسی قابل تھی۔ یہ باون عبارتیں اور ستائیس ۲۷ حدیثیں جن کی طرف فقیر نے اس تحریر میں اشارہ کیا، بحمد اللہ اس وقت فقیر کے پیشِ نظر ہیں، سب کی نقل سے بخوفِ تطویل دست کشی کی۔ بالجملہ اصلاً محلِ شک وارتیاب نہیں کہ سادات کرام وبنی ہاشم پر زکوٰۃ یقینًا حرام، نہ انھیں لینا جائز نہ دینا جائز، نہ ان کے دئے زکوٰۃ ادا ہو تو اس میں گناہ کے سوا کچھ حاصل نہیں، اور اس کے جواز پر فتوٰی دینا محض غلط باطل، اور حیلہ صحت بلکہ قابلیتِ اغماض سے عاری وعاطل، کیا معلوم نہیں کہ علمائے کرام نے ایسے فتوٰی کی نسبت کیسے سخت الفاظ ارشاد کیے ہیں۔ درمختار میں ہے:

الحکم و الفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع اھ[3] ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔	قول مرجوح پر فیصلہ و فتوٰی جہالت اور اجماع کو توڑنا ہے اھ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب احیاء الموات دار احیاء التراث العربی ۵/۲۷۸

[2] ردالمحتار دار احیاء التراث بیروت ۱/۳۱۲ وغنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۹۵

[3] درمختار خطبۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

رہا یہ کہ پھر اس زمانہ پُر آشوب میں حضرات سادات کرام کی مواسات کیونکر ہو، **اقول**: بڑے مال والے اگر اپنے خالص مالوں سے بطور ہدیہ ان حضراتِ عُلیہ کی خدمت نہ کریں تو ان کی بے سعادتی ہے، وُہ وقت یاد جب ان حضرات کے جدِّاکرم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سوا ظاہری آنکھوں کو بھی کوئی ملجاو ماوی نہ ملے گا، کیا پسند نہیں آتا کہ وُہ مال جو اُنھیں کے صدقے میں انھیں کی سرکار سے عطا ہُوا، جسے عنقریب چھوڑ کر پھر ویسے ہی خالی ہاتھ زیر زمین جانے والے ہیں، اُن کی خوشنودی کے لیے ان کے پاک مبارک بیٹوں پر اُس کا ایک حصّہ صرف کیا کریں کہ اُس سخت حاجت کے دن اُس جواد کریم رؤف ورحیم علیہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم کے بھاری انعاموں، عظیم اکراموں سے مشرف ہوں۔ ابنِ عساکر امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ' سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صنع الٰی اھل بیتی یدًا کافأتہ علیھا یوم القیٰمۃ۔[1]	جو میرے اہلِ بیت میں سے کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا مَیں روزِ قیامت اس کا صلہ اسے عطا فرماؤں گا۔

خطیب بغدادی امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صنع صنیعۃ الی احد من خلف عبد المطلب فی الدّنیا فعلی مکافاتہ اذا لقینی۔[2]	جو شخص اولادِ عبدالمطلب میں کسی کے ساتھ دنیا میں نیکی کرے اس کا صلہ دینا مجھ پر لازم ہے جب وُہ روزِ قیامت مجھ سے ملے گا۔

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر! قیامت کا دن، وُہ قیامت کا دن، وہ سخت ضرورت سخت حاجت کا دن، اور ہم جیسے محتاج، اور صلہ عطا فرمانے کو محمد صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سا صاحب التاج، خدا جانے کیا کچھ دیں اور کیسا کُچھ نہال فرمادیں، ایک نگاہِ لُطف اُن کی جملہ مہمات دو جہاں کو بس ہے، بلکہ خود یہی صلہ کروڑوں صلے سے اعلٰی وانفس ہے، جس کی طرف کلمہ کریمہ **اذا لقینی** (جب روز قیامت مجھ سے ملے گا۔ت) اشارہ فرماتا ہے، بلفظِ اذا تعبیر فرمانا بحمد اللہ بروزِ قیامت وعدہ وصال و دیدارِ محبوبِ ذی الجلال کا مژدہ سُناتا ہے۔ مسلمانو! اور کیا درکار ہے دوڑو اور اس دولت وسعادت کو لو **وباللہ التوفیق** اور متوسط حال والے اگر مصارف

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابنِ عساکر حدیث ۳۴۱۵۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۹۵

[2] تاریخ بغداد ترجمہ ۵۲۲۱ ۵ عبداللہ بن محمد الفزاری دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۱۰۳

مستحبہ کی وسعت نہیں دیکھتے تو بحمداللہ وُہ تدبیر ممکن ہے کہ زکوۃ کی زکوۃ ادا ہو اور خدمتِ سادات بھی بجا ہو یعنی کسی مسلمان مصرفِ زکوۃ معتمد علیہ کو کہ اس کی بات سے نہ پھرے، مالِ زکوۃ سے کچھ روپے بہ نیتِ زکوۃ دے کر مالک کردے، پھر اس سے کہے تم اپنے طرف سے فلاں سیّد کی نذر کردو اس میں دونوں مقصود حاصل ہو جائیں گے کہ زکوۃ تو اس فقیر کو گئی اور یہ جو سیّد نے پایا نذرانہ تھا، اس کا فرض ادا ہو گیا اور خدمتِ سیّد کا کامل ثواب اسے اور فقیر دونوں کو ملا، ذخیرہ وہندیہ میں ہے:

ذا اراد ان یکفن میتاعن زکوٰۃ مالہ لا یجوز والحیلۃ ان یتصدق بھا علی فقیر من اھل المیّت ثمّ ھو یکفن بہ فیکون لہ ثواب الصدقۃ ولاھل المیت ثواب التکفین وکذلك فی جمیع ابواب البر کعمارۃ المساجد و بناء القناطیر والحیلۃ ان یتصدق بمقدار زکوٰتہ علیٰ فقیر ثمّ یا مرہ بالصرف الیٰ ھذہ الوجوہ فیکون للتصدق ثواب الصدقۃ والفقیر ثواب بناء المسجد والقنطرۃ اھ ملخصًا[1]۔ **اقول**: و یظھر لی ان ثواب تلك القرب لھما جمیعًا لان من دل علی خیر کان کفاعلہ وقد تو ا تر عن البنی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی نظائرہ تکامل الثواب لکل شریك فی الخیر لا تنقص الشرکۃ من اجورھم شیئًا فھذا الذی حدانی علی الجزم بما سمعت ثم رأیت فی الدر المختار	اگر کوئی شخص زکوۃ سے میّت کا کفن تیار کرنا چاہے تو جائز نہیں، ہاں یہ حیلہ کر سکتا ہے کہ خاندان میّت کے کسی فقیر پر صدقہ کردے اور وُہ میّت کا کفن تیار کردے، تواب مالک کے لیے صدقے کا اور اہلِ میّت کے لیے تکفین کا ثواب ہوگا، اسی طرح کا حیلہ تمام امورِ خیر مثلاً تعمیر مساجد اور پلوں کے بنانے میں جائز ہے کہ مالک مقدارِ زکوۃ کے برابر کسی فقیر کو دے دے اور اسے کہے کہ تُو ان امور پر خرچ کردے تواب صدقہ کرنے والے کے لیے صدقہ کا اور بناءِ مسجد وپُل کا ثواب فقیر کو ہوگا اھ ملخصًا (ت) **اقول**: پھر یہ بات واضح ہُوئی ہے کہ ان امورِ خیر کا ثواب دونوں کے لیے ہے کیونکہ جو کسی نیکی پر رہنمائی کرتا اسے بھی عمل کرنے والے کی طرح ثواب ملتا ہے، حضور علیہ السّلام سے ایسے معاملات میں تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ کارِ خیر میں ہر شریک کو کامل ثواب ملتا ہے شرکت سے اجر شرکاء میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، مجھے اس پر مذکورہ دلائل کی وجہ سے جزم تھا جسے تُو سُن چکا، پھر میں نے در مختار

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الحیل الفصل الثالث فی مسائل الزکوۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۹۲

حیلۃ التکفین بھا التصدق علی الفقیرثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما اھ[1] قال الشامی ای ثواب الزکوٰۃ للمزکی و ثواب التکفین للفقیر وقد یقال ان ثواب التکفین یثبت للمزکی ایضا لان الدال علی الخیر کفاعلہ وان اختلف الثواب کما و کیفما ط قلت و اخرج السیوطی فی الجامع الصغیر لو مرّت الصدقۃ علی یدی مائۃ لکان لھم من الاجر مثل اجرالمبتدئ من غیر ان ینقص من اجرہ شیئ اھ[2] فھذا عین ما بحث وللہ الحمد۔	میں دیکھا کہ کفن کا حیلہ یہ ہے کہ پہلے مال فقیر پر صدقہ کیا جائے پھر فقیر اس سے کفن بنائے تو ثواب دونوں کے لیے ہوگا اھ۔امام شامی نے کہا کہ زکوٰۃ کا ثواب مزکی کے لیے اور تکفین کا ثواب فقیر کے لیے ہوگا،اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تکفین کا ثواب مزکی کے لیے بھی ہے کیونکہ خیر پر رہنمائی کرنے والا فاعلِ خیر کی طرح ہی ہوتا ہے اگرچہ کمیت و کیفیت کے اعتبار سے ثواب مختلف ہوگا،ط۔ قلت امام سیوطی نے جامع صغیر میں نقل کیا کہ اگر صدقہ سَو ہاتھ بھی گزرے تو اجر میں بغیر کسی کمی کے ہر ایک کو اتنا ہی اجر حاصل ہوگا جتنا پہلے کو ہے، یہ بعینہٖ وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا، وللہ الحمد(ت)

مگر اس میں دقّت اتنی ہے اگر اس نے نہ مانا تو اسے کوئی راہ جبر کی نہیں کہ آخر وُہ مالک مستقل ہو چکا اسے اختیار ہے چاہے دے یا نہ دے۔ درمختار میں ہے:

لحیلۃ ان یتصدق علی الفقیر ثم یامرہ بفعل ھذہ الاشیاء وھل لہ ان یخالف امرہ لم ارہ والظاہر نعم۔[3]	حیلہ یہ ہے کہ فقیر پر صدقہ کیا جائے پھر اسے ان امور کو بجالانے کا کہا جائے، کیا وُہ فقیر اس کی مخالفت کر سکتا ہے یا نہیں؟ یہ میری نظر سے نہیں گزرا، ظاہر یہی ہے کہ مخالفت کر سکتا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

البحث لصاحب النھروقال لانہ مقتضی صحۃ التملیک، قال الرحمتی والظاہر انہ لا شبھۃ فیہ لانہ ملکہ ایاہ عن زکوٰۃ مالہ وشرط	صاحبِ نہر نے بحث کی ہے، اور کہا یہ مخالفت کر سکنا صحتِ تملیک کا تقاضا کرتا ہے۔ شیخ رحمتی نے فرمایا یہی ظاہر ہے اس میں کوئی شبہہ نہیں کیونکہ اپنی زکوٰۃ کا

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰
[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/۱۳
[3] درمختار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۱

علیه شرطاً فاسداو الهبة والصدقة لاتفسدان بالشرط الفاسد۔[1]	مالک بنایا گیا ہے اور اس پر ایک فاسد شرط لگائی گئی ہے اور ہبہ اور صدقہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔(ت)

لہٰذا فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کے نزدیک اس کا بے خلش طریقہ یہ ہے کہ مثلاً مالِ زکوۃ سے بیس ۲۰ روپے سیّد کی نذر یا مسجد میں صرف کیا چاہتا ہے کسی فقیر عاقل بالغ مصرفِ زکوۃ کو کوئی کپڑا مثلاً ٹوپی یا سیر سوا سیر غلّہ دکھائے کہ یہ ہم تمھیں دیتے ہیں مگر مفت نہ دیں گے بیس روپے کو بیچیں گے، یہ روپے تمھیں ہم اپنے پاس سے دیں گے کہ ہمارے مطالبہ میں واپس کردو وہ خواہ مخواہ راضی ہوجائے گا، جانے گا کہ مجھے تو یہ چیز یعنی کپڑا یا غلّہ مفت ہی ہاتھ آئے گا، اب بیع شرعی کرکے بیس ۲۰ روپے بنیّتِ زکوۃ اسے دے، جب وہ قابض ہوجائے اپنے مطالبہ ثمن میں لے لے۔ اول تو وہ خود ہی دے دے گا کہ سرے سے اسے ان روپوں کے اپنے پاس رہنے کی اُمید ہی نہ تھی کہ وُہ گرہ سے جاتا سمجھے اسے تو صرف اس کپڑے یا غلّہ کی امید تھی وُہ حاصل ہے تو انکار نہ کرے گا اور کرے بھی تو یہ جبراً چھین لے کہ وہ اس قدر میں اس کا مدیون ہے اور دائن جب اپنے دین کی جنس سے مال مدیون پائے تو بالاتفاق بے اس کی رضامندی کے لے سکتا ہے، اب یہ روپے لے کر بطورِ خود نذرِ سیّد یا بناءِ مسجد میں صرف کردے کہ دونوں مرادیں حاصل ہیں۔ درمختار میں ہے:

یعطی مدیونه الفقیر زکوٰته ثم یاخذها من دینه ولوامتنع المدیون مدیده واخذها لکونه ظفر بجنس حقه اھ[2]	اپنے مدیون فقیر کو زکوۃ دی پھر اس سے دین وصول کرے، اگر مدیون نہ دے تو اس سے چھین لے کیونکہ یہ اپنے حق کی جنس کو پاتا ہے اھ(ت)

اور فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے اُس مصرف زکوۃ کے عاقل بالغ ہونے کی شرط اس لیے لگائی کہ اس کے ساتھ یہ غبن فاحش کی مبایعت بلا تکلّف روا ہو اور کپڑے غلّے کی تخصیص اس لیے کی کہ اگر کچھ پیسے بعوض روپوں کے بیچنا چاہے گا تو ظاہر مفاد جامع صغیر پر تقابض البدلین شرط ہوگا وُہ یہاں حاصل نہیں اگرچہ روایت اصل پر ایک ہی جانب کا قبضہ کافی اور اکثر علماء اسی طرف ہیں اور یہی قول منقح،

کما بیناه فی البیوع من فتاوٰنا بل حققنا فیها ان لا دلالة لکلام الجامع الصغیر ایضا علی اشتراط التقابض وان ظن	جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کی بیوع میں بیان بلکہ اس کی تحقیق کی ہے کہ جامع صغیر عبارت میں بھی تقابض کے شرط ہونے پر کوئی دلالت نہیں

---

[1] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۹

[2] درمختار کتاب الزکوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

العلامۃ الشامی ماظن۔	اگرچہ علّامہ شامی کا گمان کچھ ہو۔ (ت)

بہر حال اس حتی الوسع محلِ خلاف سے بچنا احسن اور زرِ زکوٰۃ پر اُس کا قبضہ کرا کر اپنے مطالبے میں لینے کی قید اسلیے کہ کوئی صدقہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا کما نص علیہ العلماء (جیسا کہ علماء نے اس پر نص فرمائی ہے۔ ت) اور یہ تو پہلے بیان میں آچکا کہ اغنیاء کثیر المال شکر نعمت بجالائیں۔ ہزاروں روپے فضول خواہش یا دنیوی آسائش یا ظاہر آرائش میں اُٹھانے والے مصارف خیر میں ان حیلوں کی آڑ نہ لیں۔ متوسط الحال بھی ایسی ہی ضرورتوں کی غرض سے خالص خدا ہی کے کام صرف کرنے کے لیے ان طریقوں پر اقدام کریں نہ یہ کہ معاذاللہ اُن کے ذریعہ سے ادائے زکوٰۃ کا نام کرکے روپیہ اپنے خُرد بُرد میں لائیں کہ یہ امر مقاصد شرع کے بالکل خلاف اور اس میں ایجاب زکوٰۃ کی حکمتوں کا یکسر ابطال ہے تو گویا اس کا برتنا اپنے رب عزوجل کو فریب دینا ہے۔

والعیاذ باللہ رب العالمین واللہ یعلم المفسد من المصلح، نسئلہ تعالٰی ان یصلح اعمالنا ویحصل اٰمالنا والحمد للہ ربّ العالمین واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	رب العالمین سے پناہ چاہتا ہوں، اور اللہ تعالٰی جانتا ہے مفسد کو مصلح سے، اللہ تعالٰی سے دعا ہے کہ ہمارے اعمال کی اصلاح فرمائے اور ہماری امیدیں بَرلائے، والحمدللہ رب العالمین واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ خامسہ: زکوٰۃ کن مصارف میں دینا جائز ہے بینوا توجروا۔

الجواب:

مصرفِ زکوٰۃ ہر مسلمان حاجتمند ہے جسے اپنے مال مملوک سے مقدار نصاب فارغ عن الحوائج الاصلیہ پر دسترس نہیں بشرطیکہ نہ ہاشمی ہو نہ اپنا شوہر نہ اپنی عورت اگرچہ طلاق مغلظہ دے دی ہو، جب تک عدّت سے باہر نہ آئے نہ وُہ اپنی اولاد میں ہے جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، نہ وُہ جن کی اولاد میں یہ ہے جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، اگرچہ یہ اصلی وفرعی رشتے عیاذًا باللہ بذریعہ زنا ہوں، نہ اپنا یا ان پانچوں قسم میں کسی کا مملوک اگرچہ مکاتب ہو، نہ کسی غنی کا غلام غیر مکاتب، نہ مرد غنی کا نابالغ بچہ، نہ ہاشمی کا آزاد بندہ، اور مسلمان حاجتمند کہنے سے کافر و غنی پہلے ہی خارج ہوچکے۔ یہ سولہ شخص ہیں جنھیں زکوٰۃ دینی جائز نہیں، ان کے سوا سب کو روا، مثلاً ہاشمیہ بلکہ فاطمیہ عورت کا بیٹا جبکہ باپ ہاشمی نہ ہو کہ شرع میں نسب باپ سے ہے۔ بعض مشہورین کہ ماں کے سیدانی ہونے سے سیّد بن بیٹھے ہیں اور وہ باوجود تفہیم اس پر اصرار کرتے ہیں بحکمِ حدیثِ صحیح مستحق لعنتِ الٰہی

ہوتے ہیں والعیاذباللہ وقد اوضحناذلك فی فتاونٰا (اللہ تعالٰی بچائے، ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی وضاحت کردی ہے۔ت) اسی طرح غیر ہاشمی کا آزاد شدہ بندہ اگرچہ خود اپنا ہی ہو یا اپنے اور اپنے اصول وفروع وزوج وزوجہ وہاشمی کے علاوہ کسی غنی کا مکاتب یازن غنیہ کا نابالغ بچہ اگرچہ یتیم ہو یا اپنے بہن، بھائی، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں، بلکہ انھیں دینے میں دُونا ثواب ہے زکوۃ وصلہ رحم یا اپنی بہو یا داماد یاماں کا شوہر یا باپ کی عورت یا اپنے زوج یازوجہ کی اولاد ان سولہ ۱۶ کو بھی دینا روا جبکہ یہ سولہ اُن سولہ سے نہ ہوں از انجاکہ اُنھیں اُن سے مناسبت ہے جس کے باعث ممکن تھا کہ ان میں بھی عدمِ جواز کا وہم جاتا، لہٰذا فقیر نے انہیں بالتخصیص شمار کردیا، اور نصاب مذکورہ پر دسترس نہ ہونا چند صورت کو شامل: ایک یہ کہ سرے سے مال ہی نہ رکھتا ہو اسے مسکین کہتے ہیں۔ دوم مال ہو مگر نصاب سے کم، یہ فقیر ہے۔ سوم نصاب بھی ہو مگر حوائجِ اصلیہ میں مستغرق، جیسے مدیون۔ چہارم حوائج سے بھی فارغ ہو مگر اسے دسترس نہیں، جیسے ابن السبیل یعنی مسافر جس کے پاس خرچ نہ رہا، تو بقدرِ ضرورت زکوۃ لے سکتا ہے، اس سے زیادہ اُسے لینا روا نہیں، یا وُہ شخص جس کا مال دوسرے پر دین موَجل ہے ہنوز میعاد نہ آئی اب اُسے کھانے پہننے کی تکلیف ہے تو میعاد آنے تک بقدرِ حاجت لے سکتا ہے یا وُہ جس کا مدیون غائب ہے یا لے کر مُکر گیا اگرچہ یہ ثبوت رکھتا ہو، کہ ان سب صورتوں میں دسترس نہیں۔ بالجملہ عہ مدار کار حاجتمند بمعنی مذکور پر ہے، تو جو نصاب مزبور پر دسترس رکھتا ہے ہرگز زکوۃ نہیں پاسکتا اگرچہ غازی ہو یا حاجی یا طالب علم یا مفتی مگر عامل زکوۃ جسے حاکمِ اسلام نے اربابِ اموال سے تحصیلِ زکٰوۃ پر مقرر کیا وہ جب تحصیل کرے تو بحالتِ غنا بھی بقدر اپنے عمل کے لے سکتا ہے اگر ہاشمی نہ ہو۔ پھر دینے میں تملیک شرط ہے، جہاں یہ نہیں جیسے محتاجوں کو بطور اباحت اپنے دستر خوان پر بٹھا کر کھلا دینا یا میّت کے کفن دفن میں لگانا یا مسجد، کنواں، خانقاہ، مدرسہ، پُل، سرائے وغیرہ بنوانا ان سے زکوۃ ادا نہ ہوگی، اگر ان میں صرف کیا چاہے تو اس کے وہی حیلے ہیں جو مسئلہ رابعہ میں گزرے۔

هذا كله ملخص ما استقرا عليه الا مر فی تنویر الابصار والدرالمختار وردالمحتاروغیرها من معتبرات الاسفاروقد لخصناه بتوفیق الله احسن تلخیص لعله لا یو جد من غیرنا ولله الحمد فمن شك فی شیئ من هذا فلیرا جع الاصو	تمام گفتگو خلاصہ ہے اس چیز کا، جس پر تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار جیسی معتبر کتب میں استقرار ہے اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہم نے خوب تلخیص کردی ہے شاید ہمارے علاوہ کہیں اور اس کا وجود نہ ہو وللہ الحمد اور جس کو اس بارے میں شک ہو وہ کتبِ اصول

عـــہ: اگر دین معجّل ہے خواہ ابتداءً یُوں کہ جو اجل مقرر ہوئی تھی گزر چکی اور مدیون غنی حاضر ہے تو یہ صورت دسترس کی ہے ۱۲منہ (م)

التی سمینا او لم یسم نعم لا بأس ان نورد نصوص بعض مایکاد یخفی او یستغرب۔

ففی رد المحتار شمل الولاد بالنکاح والسفاح فلا یدفع الی ولدہ من الزنا الخ وفیہ تحت قولہ او بینھما زوجیۃ ولو مباینۃ ای فی العدّۃ ولو بثلاث نھر عن معراج الدرایۃ اھ[1] وفیہ تحت قولہ ولا الی مملوك المزکی ولو مکاتبًا وکذا مملوك من بینہ وبینہ قرابۃ ولاد او زوجیۃ لما قال فی البحر والفتح اھ[2] وفیہ تحت قولہ بخلاف طفل الغنیۃ فیجوز ای ولو لم یکن لہ اب بحر عن القنیۃ اھ[3] وفیہ وقید بالولاد لجوازہ لبقیۃ الاقارب کالاخوۃ والاعمام والاخوال الفقراء بل ھم اولی لانہ صلۃ وصدقۃ و یجوز دفعھا لزوجۃ ابیہ وابنہ وزوج ابنتہ تاتر خانیۃ اھ ملخصًا[4] وفیہ من کتاب الوصایا تحت قولہ الشرف من الام فقط غیر معتبر، یؤیدہ قولہ قول الھندیۃ عن البدائع فثبت ان الحسب والنسب یختص بالاب دون الام اھ فلاتحرم علیہ الزکوٰۃ ولا یکون کفوا للھاشمیۃ ولایدخل فی الوقف علی الاشراف ط اھ[5] وفیہ قال

کی طرف رجوع کرکے دیکھ لے خواہ ہم نے ان کا نام لیا ہو یا نہ۔ ہاں اس میں کوئی حرج نہیں کہ اگر بعض ایسی تصریحات کا ذکر کریں جو مخفی ہیں یا غریب۔ ردالمحتار میں ہے: یہ نکاح اور زنا دونوں کی اولاد کو شامل ہے۔ پس اس کے ولدِ زنا کو نہیں دیا جائے گا الخ اور اسی میں "او بینھما زوجیۃ" کے تحت ہے اگرچہ وہ تین طلاقوں کی عدت بسر کررہی ہو۔ نہر میں معراج الدرایہ سے ہے اھ اور اسی میں ماتن کے قول "ولا الی مملوک المزکی" کے تحت ہے اگرچہ مکاتب ہو اور اسی طرح وہ مملوک کہ مالک اور اس کے درمیان اولاد یا زوجیت والا رشتہ ہو، جیسا کہ بحر اور فتح میں ہے۔ اور اسی میں ماتن کے قول "بخلاف طفل الغنیۃ فیجوز" کے تحت ہے تو جائز ہے یعنی اگر اس کا والد نہ ہو۔ بحر میں قنیہ سے ہے اھ۔ اور اسی میں ہے کہ اولاد کے ساتھ مقید اس لیے کیا ہے کہ بقیہ اقارب کے لیے جائز ہے مثلاً فقراء بھائی، چچے اور خالو بلکہ اولٰی ہیں کیونکہ یہاں صلہ اور صدقہ دونوں ہیں زکوٰۃ سوتیلی والدہ، سوتیلے بھائی اور اپنے داماد کو دی جاسکتی ہے تاتار خانیہ اھ ملخصًا اور اسی کے کتاب الوصایا میں ماتن کے قول "الشرف من الام فقط غیر معتبر" کے تحت ہے کہ اس کی تائید ہندیہ میں بدائع کے حوالے سے یہ قول کرتا ہے کہ یہ بات ثابت ہے کہ حسب و نسب والد کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ ماں کے ساتھ اھ اور اس پر زکوٰۃ حرام نہ ہوگی اور نہ وہ ہاشمی کے لیے کفوء ہوگا اور وہ وقف علی الاشراف میں داخل نہ ہوگا ط اھ۔ اور اسی میں ہے

---

[1] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۹

[2] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۹

[3] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/ ۷۲

[4] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۹

[5] ردالمحتار باب الوصیۃ للاقارب وغیرہم مصطفی البابی مصر ۵/ ۴۷۴

فی الفتح ایضا ولا یحل له ای لا بن السبیل ان یا خذ اکثر من حاجته قلت وھذا بخلاف الفقیر فانه یحل له ان یاخذ اکثرمن حاجته و بھذا فارق ابن السبیل کما افادہ فی الذخیرۃ اھ[1] وفیه تحت قوله ومنه ما لو کان ماله مؤجلا ای اذا احتاج الی النفقة یجوزله اخذالزکوٰۃ قدر کفایته الی حلول الاجل نھر عن الخانیة اھ[2] فیه تحت قوله او علیٰ غائب ای ولو کان حالا لعدم تمکنه من اخذہ[3] ط اھ وفیه تحت قوله او معسر او جاحد ولو بینة فی الاصح فیجوز له الاخذ فی اصح الاقاویل لانه بمنزلة ابن السبیل ولو موسرا معترفًا لا یجوز کما فی الخانیة[4] اھ وفیه تحت قوله وفی سبیل اللّٰه وھو منقطع الغزاۃ وقیل الحاج وقیل طلبة العلم و فسرہ فی البدائع بجمیع القرب قال فی النھر والخلاف لفظی للاتفاق علی ان الاصناف کلھم سوی العامل یعطون بشرط الفقر[5] الخ وفیه تحت قوله و بھذا التعلیل یقوی ما نسب للواقعات من ان طالب العلم یجوز له اخذ الزکوٰۃ، ولو غنیا اذا فرغ نفسه	کہ فتح میں بھی کہا اور مسافر کے لیے جائز نہیں کہ وہ حاجت سے زائد لے قلت اور یہ بخلاف فقیر ہے کہ اس کے لیے حاجت سے زائد لینا حلال ہے اور اسی سے فقیر اور مسافر میں فرق ہوگیا جیسا کہ ذخیرہ میں ہے اھ اور اس میں ماتن کے قول "منه ما لو کان ماله مؤجلا" (اس کا مال مؤخر ہوجائے) کے تحت ہے یعنی جب نفقہ کا محتاج ہو تو آنے کی مدّت تک بقدر کفایت زکوٰۃ کا حصول جائز ہے، یہ نہر میں خانیہ سے ہے اھ اور اسی میں ماتن کے قول "او علیٰ غائب" (یا غائب پر) کے تحت ہے یعنی اگرچہ یہ اس حال پر ہو کہ جس سے لینے پر قدرت نہ رکھتا ہو، ط اھ۔ اور اسی میں ماتن کے قول "او معسر او جاحد الخ" یا تنگدست یا منکر ہو، اگرچہ اصح قول کے مطابق اس کے لیے گواہ ہوں تو اس کے لیے اصح قول کے مطابق زکوٰۃ لینا درست ہے کیونکہ یہ مسافر کی مانند ہے اور اگر امیر و معترف ہے تو اب جائز نہیں کما فی الخانیہ اھ اور اسی میں ماتن کے قول "فی سبیل اللّٰہ" کے تحت ہے یعنی وہ غازی جس کا خرچہ و اسلحہ ختم ہوگیا ہے بعض کے نزدیک اس سے حاجی اور بعض کے نزدیک طالبعلم مراد ہے، اور بدائع میں اس سے تمام امورِ خیر کے مصارف بیان کئے ہیں۔ نہر میں ہے کہ یہ اختلاف لفظی ہے کیونکہ اس پر اتفاق ہے عامل کے سوا تمام اصناف کو بشرط فقر زکوٰۃ دی جاسکتی ہے الخ اور اسی میں ماتن کے قول "وبھذا التعلیل یقوی الخ" اس تعلیل کے ساتھ وہ قوی ہوگیا جو واقعات کی طرف منسوب ہے کہ طالب علم کے زکوٰۃ کا لینا جائز ہے

[1] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/۶۷
[2] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/۶۷
[3] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/۶۷
[4] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/۶۷
[5] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/۶۷

لا فادۃ العلم واستفادتہ، ھذاالفرع مخالف لا طلاقھم الحرمۃ فی الغنی ولم یعتمدہ احد ط قلت وھو کذلک والاوجہ تقییدہ بالفقیر [1] الٰی اٰخر ماافادہ علیہ رحمۃ الجواد واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔	اگر چہ وُہ غنی ہو بشرطیکہ اس نے افادہ واستفادہ علم کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیا ہو، یہ جزئیہ فقہاء کے اس اطلاق کے خلاف ہے جو انہوں نے کہا کہ اگر غنی ہے تو زکوٰۃ لینا حرام ہے اور اس پر کسی نے اعتماد نہیں کیا،ط۔ **قلت** وہ اسی طرح ہے، اور اوجہ یہ ہے کہ اسے بھی فقر کے ساتھ مقید کردیا جائے جیسا کہ انہوں نے افادہ کیاان پر رحمتِ جواد ہو۔ واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ سادسہ: میرے کل زیور طلائی سادے اور جڑاؤ میں سونے کا وزن، موتی اور نگینے اور لاکھ وغیرہا منہا کرکے اڑسٹھ ۶۸ تولے ہے ااور زیور نقرئی تین سواکتالیس تولے،اس صورت میں جو سالانہ زکوٰۃ ہو اس سے مشرح مطلع کیا جاؤں، اور ایک دستور العمل ایسا ہو کہ آئندہ جس قدر اور بنے اس پر زکوٰۃ بڑھالی جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

سونے چاندی کا نصاب اور ان پر واجب وعفو کا حساب مسئلہ ثانیہ میں مشرحًا گزرااور زیادت ونقصان کے تمام احکام بتفصیل تمام مسئلہ ثانیہ وثالثہ میں مبین ہُوئے۔ وہ دونوں مسئلے بجائے خود دستور العمل تھے مگر اختلاط زر وسیم یعنی دونوں مال کا مالک ہونا البتہ بعض نئے احکام کا موجب ہوتا ہے جن کا بیان اوپر نہ گزرا لہٰذا فقیر غفراللہ تعالٰی لہ بعض ضوابطِ ضروریہ اور ذکر کرکے دستور العمل کی تکمیل کرتااور حضرت مستفتی دامت برکاتہ، ودیگر ناظرین منتفعین سے اس کے صلے میں دعائے عفوعافیتِ دارین کی تمنّا رکھتا ہے۔ **فاقول: وباللہ التوفیق** مال جب بشرائط معلومہ نصاب کو پہنچے تو بنفسہٖ وجوبِ زکوٰۃ کا سبب اور ایراثِ حکم میں مستقل ہے جسے اپنے حکم میں دوسری شئی کی حاجت نہیں اور نصاب کے بعد جو خمس نصاب ہو وُہ بھی نصاب وسبب ایجاب ہے، ہاں جو خمس سے کم ہے وُہ اپنے نوع میں مثلاً چاندی یا سونا، سونے میں موجبِ زکوٰۃ نہیں ہوسکتا کہ شرع مطہر نے اسے عفو رکھا ہے **کما قد منا فی المسئلۃ الثانیۃ** (جیساکہ ہم مسئلہ ثانیہ میں پیچھے بیان کرآئے۔ت) اسی طرح جو راسًا نصاب کو نہیں پہنچا بنفسہٖ سببیتِ وجوب کی صلاحیت نہیں رکھتا مگر جب اس نوع کے ساتھ دوسری نوع بھی ہو یعنی زر وسیم مخلط ہوں تو ازانجا کہ وجہ سببیت ثمنیت تھی اور وُہ دونوں میں یکساں، تو اس حیثیت سے

---

[1] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/۶۵

ذھب وفضّہ جنسِ واحد لہٰذا ہمارے نزدیک جو ایک نوع میں موجب زکوٰۃ نہ ہو سکتا تھا خواہ اس لیے کہ نصاب ہی نہ تھا یا اس لیے کہ نصاب کے بعد عفو تھا اس مقدار کو دوسری نوع سے تقویم کرکے ملادیں گے کہ شاید اب اس کا موجب زکوٰۃ ہونا ظاہر ہو پس اگر اس ضم سے کچھ مقدار زکوٰۃ بڑھے گی (بایں معنی کہ نوع ثانی قبل ضم نصاب نہ تھی اسکے ملنے سے نصاب ہو گئی یا اگلی نصاب خمس کی تکمیل ہو گئی) تو اسی قدر زکوٰۃ بڑھادیں گے اور اب اگر کچھ عفو بچا تو وہ حقیقۃً عفو ہوگا ورنہ کچھ نہیں اور اگر ضم کے بعد بھی کوئی مقدار زکوٰۃ زائد نہ ہو تو ظاہر ہو جائے گا کہ یہ اصلاً موجبِ زکوٰۃ نہ تھا۔ ہدایہ میں ہے:

تضم قیمۃ العروض الی الذھب و الفضۃ حتی یتم النصاب و یضم الذھب الی الفضۃ للمجانسۃ من حیث الثمیۃ ومن ھذا الوجہ صار سببًا ثم یضم بالقیمۃ عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[1]	سامان کی قیمت کو سونے اور چاندی کی قیمت کے ساتھ ملایا جائے گا تاکہ نصاب مکمل ہو جائے اور ثمن کی بنا پر ہم جنس ہونے کی وجہ سے سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا اور اسی وجہ سے یہ سببِ وجوب ہوگا پھر امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک قیمت کے لحاظ سے ملایا جائے گا۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

النقدان یضم احدھما الی الاٰخر فی تکمیل النصاب عندنا۔[2]	ہمارے نزدیک تکمیل نصاب کے لیے دونوں نقود (سونے و چاندی) کو ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے گا۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

یضم الذھب الی الفضۃ بالقیمۃ فیکمل بہ النصاب لان الکل جنس واحد۔[3]	سونے کو چاندی کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے ملایا جائیگا تاکہ نصاب مکمل ہو جائے کیونکہ یہ آپس میں ہم جنس ہیں (ت)

خلاصہ میں ہے:

اصل ھذا ان الذھب یضم الی فضۃ	ہمارے نزدیک تکمیل نصاب کی خاطر سونے کو چاندی

[1] الہدایہ کتاب الزکوٰۃ فصل فی العروض مکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۱۷۶
[2] فتح القدیر فصل فی العروض مکتبہ نوریہ رضویہ سکّھر ۲/۱۶۹
[3] تبیین الحقائق باب زکوٰۃ المال مطبعۃ کبرٰی امیریۃ بولاق مصر ۱/۲۸۱

فی تکمیل النصاب عندنا و ھذا استحسان۔ [1]	کے ساتھ ملانا یہ اصل ہے اور یہ بطورِ استحسان ہے۔(ت)

نقایہ میں ہے:

یضم الذھب الی الفضۃ بالقیمۃ لاتمام النصاب۔ [2]	اتمامِ نصاب کے لیے سونے کو قیمت کے اعتبار سے چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا۔(ت)

ان عباراتِ ائمہ و تقریر فقیر سے واضح ہُوا کہ یہ ملانا صرف بغرضِ تکمیل نصاب ہوتا ہے، نصاب کہ بنفسہٖ کامل ہے محتاج ضم نہیں کہ خود سبب مستقل ہے تو شرح مطہر اُس کے سبب ایک مقدار واجب فرماچکی اب نصاب کو دوسری چیز سے ضم کرنے کا ایجاب تکمیل نصاب نہیں تعطیل نصاب ہے، یایُوں کہئے کہ اس ضم سے مقصود تحصیل واجب ہے نہ تبدیل واجب۔ ولہٰذا ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ذہب و فضہ کا کامل نصابوں میں حکمِ ضم نہیں بلکہ نصابِ ذہب پر جُدا زکوٰۃ واجب ہوگی اور نصابِ فضّہ پر جُدا۔ ہاں اگر کوئی یہ چاہے کہ میں ایک ہی نوع زکوٰۃ میں دوں اور وہ قیمت لگا کر ضم کرلے تو ہمارے نزدیک کوئی مضائقہ بھی نہیں، مگر اس وقت واجب ہوگا کہ تقویم ایسی کرے جس میں فقراء کا نفع زائد ہو مثلاً ایک نقد زیادہ رائج ہے دوسرا کم، توجو رائج تر ہے اُس سے تقویم کرے۔ امام ملک العلاء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرّہ الربانی بدائع میں فرماتے ہیں:

اذا کان کل واحد منھما نصابًا تامًا ولم یکن زائدًا علیہ لا یجب الضم بل ینبغی ان یؤدی من کل واحد منھما زکوٰتہ ولو ضم احدھما الی الاٰخر حتی یؤدی کلہ من الفضۃ اومن الذھب فلا باس بہ عند نا ولکن یجب ان یکون التقویم بما ھو انفع للفقراء رواجا والا فیؤدی من کل واحد منھما ربع عشرۃ۔ [3]	اگر دونوں (سونا و چاندی) کا نصاب بلا اضافہ کیے کامل ہے تو اب ایک دوسرے کے ساتھ ملانا واجب نہیں بلکہ ہر ایک کی زکوٰۃ ادا کی جائے اور اگر کسی نے ملا کر سونے چاندی میں سے ہر ایک کی زکوٰۃ ادا کردی تو بھی ہمارے ہاں کوئی حرج نہیں لیکن یہ لازم ہے کہ قیمت اس کے ساتھ لگائی جائے جو رواجًا فقراء کے لیے زیادہ نافع ہو، ورنہ ہر ایک میں سے چالیسواں حصہ ادا کردیا جائے۔(ت)

اس نفیس تقریر سے یہ **فائدے** حاصل ہُوئے کہ اگر ایک جانب نصابِ تام بلا عفو ہے اور دوسری

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس فی زکوٰۃ المال مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۳۷
[2] النقایہ کتاب الزکوٰۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴
[3] بدائع الصنائع فصل واما مقدار الواجب فیہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۰

طرف نصاب سے کم، تو یہاں یہی طریقہ ضم متعین ہوگا کہ اس غیر نصاب کو اُس نصاب سے تقویم کرکے ملا دیں، یہ نہ ہوگا کہ نصاب کو تقویم کرکے غیر نصاب سے ملائیں۔ مثلاً چاندی نصاب ہے اور سونا غیر نصاب، تو اس سونے کو چاندی کریں گے چاندی کو سونا نہ کریں گے، اور عکس ہے تو عکس۔ اسی طرح اگر ایک طرف نصابِ تام بلا عفو ہے اور دوسری جانب نصاب مع عفو، تو صرف اس عفو کو اس نصاب سے ملائیں گے نصاب مع العفو مجموع کو ضم نہ کریں گے کہ محتاج تکمیل صرف وہی عفو ہے نہ کہ نصاب، مثلاً ۷ یا ۹ یا ۱۲ تولے سونا اور ۶۰ تولے چاندی ہے جس میں ۷ تولے چاندی عفو ہے تو صرف اس ۷ تولے چاندی کو سونا کریں گے نہ کہ مجموع ۶۰ تولے کو۔ یونہی اگر دونوں جانب عفو ہے تو صرف ان عفووں کو باہم ملائیں گے، دونوں طرف کے نصاب الگ نکال لیں گے۔ ہندیہ میں ہے:

لوفضل من النصابین اقل من اربعة مثاقیل واقل من اربعین درھما فانه تضم احدی الزیادتین الی الاخری حتی یتم اربعین درھما او اربعة مثاقیل ذھب کذافی المضمرات۔[1]	اگر دونوں نصابوں پر چار مثقال سے کم اور چالیس ۴۰ دراہم سے کم اضافی ہُو تو ایک اضافہ کو دوسرے کے ساتھ ملایا جائے حتی کہ چالیس درہم کامل ہوجائیں یا چار مثقال سونا مکمل ہوجائے، جیسا کہ مضمرات میں ہے۔ (ت)

پس ثابت ہُوا کہ قابلِ ضم وہی ہے جو خود نصاب نہیں، پھر اگر یہ قابلیت ایک ہی طرف ہے جب تو طریقہ ضم آپ ہی متعین ہوگا کما سبق (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ ت) اور دونوں جانب ہے تو البتّہ یہ امر غور طلب ہوگا کہ اب ان میں کس کو کس سے تقویم کریں کہ دونوں صلاحیتِ ضم رکھتے ہیں، اس میں کثرت وقلّت کی وجہ سے ترجیح نہ ہوگی کہ خواہی نخواہی قلیل ہی کو کثیر سے ضم کریں کثیر کو نہ کریں کہ جب نصابیت نہیں تو قلیل و کثیر دونوں احتیاج تکمیل میں یکساں۔ ردالمحتار میں ہے:

لا فرق بین ضم الاقل الی الاکثر وعکسه۔[2]	اقل کو اکثر ساتھ ملانا یا اس کے برعکس کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ (ت)

بلکہ حکم یہ ہوگا جو تقویم فقیروں کے لیے انفع ہو اسے اختیار کریں، اگر سونے کو چاندی کرنے میں فقراء کا نفع زیادہ ہے تو وہی طریقہ برتیں، اور چاندی کو سونا ٹھہراتے ہیں تو یہی ٹھہرائیں، اور دونوں صورتیں نفع میں یکساں تو مزکی کو اختیار۔ درمختار میں ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی زکوٰۃ الذھب والفضّۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۷۹

[2] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۵

لو بلغ باحدھما نصابًا دون الاخر تعین مایبلغ بہ ولو بلغ باحدھما نصابًا و خمسًا وبا لاخر اقل قومہ باالا نفع للفقیر سراج اھ[1] وفی ردالمحتار عن النھر عن الفتح یتعین ما یبلغ نصابًا دون مالا یبلغ فان بلغ بکل منھما واحد ھما اروج تعین التقویم باالا روج اھ[2] وفی شرح النقایہ للقھستانی وان تسایا فالمالك مخیر۔[3]

اگر ایک کو ضم کرنے نصاب بنتا ہے دوسری سے نہیں، تو جس سے بنتا ہو وہ ضم کے لیے متعین ہوگا، اور اگر ایک کو ضم کرنے سے نصاب اور خمس بنتا ہے اور دوسرے سے کم بنتا ہے تو فقیر کے لیے زیادہ فائدہ مند ہو اس سے قیمت بنائے، سراج اھ۔ اور ردالمحتار میں بحوالہ نہر، فتح سے منقول ہے کہ نصاب کو پہنچانے والے کی قیمت ضم کے لیے متعین ہوگی دوسرے کی نہیں، اگر دونوں سے نصاب پورا ہو جبکہ ایک رواج سے زائد ہے تو جو زیادہ رائج ہو اس کے ساتھ قیمت لگانا متعین ہوگا اھ اور شرح نقایہ للقہستانی میں ہے: اگر دونوں برابر ہوں تو مالک کو اختیار ہے۔ (ت)

جب یہ امور ممہد ہو لیے تمام صورتوں کے احکام معلوم ہوگئے کہ اختلاطِ زر و سیم انہی تین ۳ حال میں منحصر:

(۱) یا کسی کی طرف کوئی مقدار قابلِ ضم نہ ہوگی اور یہ جب ہی ہوگا کہ دونوں نصاب ہوں اور دونوں بے عفو، اس کا حکم، اول ہی گزرا کہ ہر ایک کی زکوۃ جدا واجب ہوگی اور ایک ہی نوع سے دینا چاہیے تو نفع فقراء کا لحاظ واجب۔

(۲) یا صرف ایک طرف مقدار قابلِ ضم ہوگی یہ یونہی ہوگا کہ ایک نصاب بلا عفو ہو اور دوسرا اسًا غیر نصاب یا نصاب مع العفو، تو اس کی دو ۲ صورتیں نکلیں، ان کا ضابطہ ۱ بھی معلوم ہو چکا کہ خاص اسی قابل ضم کو دوسرے کے ساتھ تقویم کریں گے۔

(۳) یا دونوں طرف مقدار قابل ضم ہو یہ اس طرح ہوگا کہ دونوں نصاب سے کم یا ایک کم اور ایک میں عفو یا دونوں میں عفو، اس کی تین ۳ صورتیں ہوئیں، ضابطہ ۲ بھی مذکور ہُوا کہ جو مقداریں دونوں طرف قابلِ ضم ہیں انہی کو آپس میں ملائیں گے اور نفعِ فقراء کا لحاظ رکھیں گے یعنی جس تقویم میں زیادہ مالیت واجب الادا ہو وہی اختیار کرینگے اور مالیت برابر ہو تو جس کا رواج زیادہ ہے اسے لیں گے اور قدر رواج سب یکساں ہوں تو اختیار دیں گے۔

---

[1] درمختار باب زکوۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۵

[2] ردالمحتار باب زکوۃ المال مصطفی البابی مصر ۲/۳۴

[3] جامع الرموز کتاب الزکوۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/۳۱۳

جدول اختلاطات زر وسیم مع اشارۂ احکام

ذہب ← / فضہ ↓	نصاب سے کم	نصاب بے عفو عہ	نصاب با عفو
نصاب سے کم	دونوں کا کل بہ لحاظ انفع ملائیں	چاندی کو سونا کریں	سونے کا عفو اور چاندی کا کل بلحاظ انفع ملائیں
نصاب بے عفو	سونے کو چاندی کریں	ہر ایک کی جُدا زکوٰۃ اور ملانا ہی ہو تو لحاظ انفع	سونے کے عفو کو چاندی کریں
نصاب با عفو	چاندی کا عفو اور سونے کا کل بہ لحاظ انفع ملائیں	چاندی کے عفو کو سونا کریں	دونوں عفوؤں کو بلحاظ انفع ملائیں

ہر چند اس بیان وجدول نے مسئلہ واضح کردیا، مگر بوجہ پیچیدگی عام مسلمان کے لیے ان دونوں ضابطوں میں ایضاح امثلہ کی بیشک ضرورت۔ لہٰذا فقیر غفرلہ المولی القدیر پھر جانبِ تفصیل عنان گردانی کرتا ہے، **وباللہ التوفیق**

شرح ضابطہ اُولٰی: چاندی سونے میں جب ایک نصابِ تام بلا عفو ہو اور دُوسرا نصاب نہ ہو خواہ کُلًّا یعنی سرے سے نصاب تک پہنچا ہی نہ ہو یا بعضًا، یعنی نصاب کے بعد جو عفو بچا ہو، اس غیر نصاب کل یا بعض کو اس دوسرے کے ساتھ ضم کریں گے، مثلًا چاندی کل بعض غیر نصاب ہے تو اُسے بلحاظ قیمت سونا قرار دے کر سونے کے نصاب سے ملائیں گے اور سونا کل یا بعض غیر نصاب ہو تو اسے چاندی سے تو ضابطہ اولٰی کی دو ۲ صورتیں بعد بسط چار ۴ ہوگئیں جیسا کہ مطالعہ جدول سے واضح ہوا ہوگا۔ اب ہم بعد ضم دیکھیں گے کچھ زکوٰۃ بڑھی یا نہیں، اگر اب بھی نہ بڑھی تو وُہ غیر نصاب عفو مطلق تھا کہ کسی طرح موجبِ زکوٰۃ نہ ہوا اور بڑھی تو یا کچھ عفو نہ بچے گا اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ غیر نصاب اپنی نوع میں نہ موجب زکوٰۃ نظر آتا تھا حقیقۃً بالکل موجب تھا یا قدرے بچے گا تو ثابت ہوگا کہ واقع میں اسی قدر عفو ہے باقی پر زکوٰۃ، تو یہ تین ۳ حالتیں ہوئیں جنھیں ان چار میں ضرب دیے سے بارہ ۱۲ صُورتیں نکلیں، اب ہر ایک کی مثال لیجئے اور حساب کے لیے فرض کیجئے کہ تولہ بھر سونے کی قیمت چوبیس ۲۴ تولے چاندی ہے

عـــہ: اس مثلثانہ خانہ احکام کا خانہ قطب وُہ صورت ہے جس میں اصلًا حکم ضم نہیں اور اس کے چاروں خانہ آتشی بادی آبی خاکی متعلق ضابطہ اولٰی اور باقی چاروں خانے کہ چاروں گوشوں پر ہیں متعلق ضابطہ ثانیہ ۱۲ منہ (م)

اور تولہ بھر چاندی کا چار ۴ رتی سونا۔

مثال ۱: ایک شخص کے پاس ۵۲ -۱/۲ تولے چاندی اور سوا پانچ ماشے سونا ہے تو چاندی نصاب تام بلا عفو ہے اور سونا کُلًّا غیر نصاب۔ لہٰذا سونے کو چاندی کرکے چاندی سے ملایا یعنی بلحاظِ قیمت دیکھا کہ اس قدر سونے کی کتنی چاندی ہُوئی، نرخ مذکور پر یہ سونا دس ۱۰ تولے چاندی کا ہُوا تو گویا وُہ ۵۲-۱/۲ تولے چاندی ۵ ماشے سونے کا مالک نہیں بلکہ ۶۳ تولے چاندی کا مالک ہے، یہ چاندی ایک نصابِ کامل اور ایک نصابِ خمس پُورا ہُوا جس پر عفو کچھ نہ بچا۔

مثال ۲: اسی صُورت میں ۱۰ ماشے سونا فرض کیجئے جس کے ۲۰ تولے چاندی، تو گویا ۷۲- ۱/۲ تولے چاندی کا مالک ہے جس میں وہی نصاب کامل و نصابِ خمس نکل کر ۹ تولے چاندی عفو بچی کہ خمس نصاب سے کم ہے یہ عفو حقیقی ہُوا یعنی سونے کو چاندی سے ضم نہ کرتے تو بوجہ عدمِ نصاب بالکل عفو نظر آتا تھا ضم کرنے سے کھل گیا کہ اس میں صرف ۴-۱/۲ ماشے جس کی ۹ تولے چاندی ہُوئی عفو پر زکوٰۃ واجب۔

مثال ۳: صُورتِ مسطورہ میں صرف ۵ ماشے سونا مانیے تو کُل عفو رہے گا کہ اس کی دس ۱۰ ہی تولے چاندی ہُوئی اور مال جب تک نصاب کے بعد خمس نصاب تک نہ پہنچے عفو اور چاندی میں خمس ۱۰ -۱/۲ تولے ہے۔

مثال ۴: اسی صورت میں ۷ تولے ۱۱ ماشے سونا لیجئے تو ۷-۱/۲ تولے سونا تو نصابِ کامل ہے اُس کے بعد ۵ ماشے عفو نظر آتا ہے، بس اسی قدر کو چاندی سے ضم کرینگے، اور ایک نصابِ زر اور ایک نصاب و خمس نصاب سیم کی زکوٰۃ واجب مانیں گے جس میں عفو کچھ نہ رہا۔

مثال ۵: اسی صورت میں ۸ تولے ۴ ماشے سونا ہے تو بدلیل مثال دوم وہی ۴-۱/۲ ماشے سونا عفو رہے گا۔

مثال ۶: ۷ تولے ۱۱ ماشے سونا ہے تو نصابِ زر سے جتنا یعنی ۵ ماشے، سب عفو مطلق ہے کہ بعد ضم بھی زکوٰۃ نہیں بڑھاتا۔

ان چھ ۶ مثالوں میں چاندی نصاب تام بلا عفو تھی اور سونا قابلِ ضم، پہلی تین میں راسًا نصاب سے کم اور پچھلی تین میں عفو۔ اب وُہ مثال لیجئے کہ سونا تام بلا عفو اور چاندی انہی دو ۲ وجہوں پر قابلِ ضم۔

مثال ۷: ایک شخص ۷- ۱/۲ تولے سونا ۳۶ تولے چاندی کا مالک ہے کُلًّا غیر نصاب ہے۔ اسے بحساب قیمتِ سونا کیا تو ۱-۱/۲ تولے ہوا، یہ پُورا نصاب خمس ہے تو سونے کا ایک نصاب کامل اور ایک نصاب خمس ہوا اور عفو اصلًا نہ بچا۔

مثال ۸: اسی صورت میں چاندی ۵۰ تولے رکھئے تو ۱۴ تولے عفو رہے گی کہ ۳۶ تولے کا نصاب خمس ہو گیا ۱۴ تولے کا ۷ ماشے سونا ہُوا کہ خمس سے کم ہے وُہ عفو رہا۔

مثال ۹: اسی صورت میں چاندی ۳۰ تولے فرض کیجئے تو کل عفو ہے کہ اس کا سوا ہی تولے سونا ہُوا بعد

ضم بھی کچھ نہ بڑھا۔

مثال ۱۰و۱۱و۱۲: اب ہمیں وُہ تین صورتیں بیان کرنا ہیں جن میں سونا نصاب بے عفو ہو اور چاندی نصاب با عفو، جس کے عفو کو سونے سے ملائیں تو جب بھی عفو رہے یا کچھ زکوۃ واجب کرے، کچھ عفو بچے یا بالکل زکوۃ واجب کرے۔ یہ پچھلی دو۲ صورتیں بظاہر محال عادی نظر آتی ہیں کہ نصاب میں عفو وہی ہوتا ہے جس خمس سے کم ہو اور نصاب کے بعد زکوۃ واجب کرتا ہے جو خمس تک پہنچے، تو ان صورتوں کا وقوع جب ہی ہوگا کہ ۱۰ تولے کم چاندی ۱-۱/۲ تولے سونے کے برابر یا اس سے بھی زائد ہو مگر یہ عادۃً ہو نہیں سکتا بلکہ ۱۰ تولے یا اس سے کچھ زیادہ چاندی تولہ بھر سونے کی قیمت کو بھی نہیں پہنچی، تو بادی النظر میں یہاں صرف صورتِ اولٰی ہی قابلِ وقوع ہے یعنی عفو سیم کو نصاب ذہب سے جب ملایئے عفو ہی رہے' مگر ایک نفیس و شریف و جلیل و لطیف قاعدہ معلوم کرنے سے کھل جائیگا کہ دو۲ صو تین بھی قابلِ وقوع ہیں، اُس با عظمت قاعدے کا جاننا نہ صرف انہی صورتوں کے لیے ضرور ہے بلکہ جو اہل زکوۃ زر و سیم دونوں قسم کے مالک ہوں اور عموماً ایسے ہی ہوتے ہیں اُن سب پر اُس کا علم فرض عین ہے کہ اس کے نہ جاننے میں بہت غلطیاں اور خرابی وزیاں واقع ہوتے ہیں لوگ اکثر سمجھ لیتے ہیں ہم زکوۃ ادا کر چکے اور واقع میں مطالبہ باقی ہوتا ہے، وہ ضروری قاعدہ عظیم الفائدہ واجب الحفظ یہ ہے کہ اگرچہ زر و سیم کی قیمت و وزن باہم اکثر مختلف ہوتے ہیں خصوصاً جبکہ صنعت کا قدم درمیان ہو، مثلاً ممکن کہ تولہ بھر سونے کا کوئی گہنا صناعی کے سبب پچاس ۵۰ روپے کی قیمت کا ہو اگرچہ ایک تولہ سونے کی قیمت پچیس ۲۵ ہی روپیہ ہو یا تولہ بھر چاندی کی چیز چار روپے کو بکے اگرچہ چاندی ایک ہی روپیہ تولہ ہو، دہلی کی سوداکاریوں میں یہ بات خوب واضح ہے یونہی جب مال ہارتا ہو تو قیمتِ وزن گھٹ جاتی ہے **کما لایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔) مگر شرع مطہر نے سونے چاندی میں وجوباً و اداءً ہر طرح وزن ہی کا اعتبار فرمایا ہے نہ کہ قیمت کا، مثلاً کسی کے پاس صرف ۷ تولے سونے کا گہنا ہے کہ قیمت میں ۷-۱/۲ تولے سونے تک پہنچا ہے یا اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے اس پر زکوۃ واجب نہیں کہ وزن ۷-۱/۲ تولے کامل نہ ہوا یا ۷-۱/۲ تولے ہارتے سونے کا مال ہے کہ قیمت ۷ تولے سے بھی کم ہے اس پر زکوۃ واجب، کہ وزنِ نصاب پورا ہے' یا ایک شخص کے پاس ۷-۱/۲ تولے سونے کا زیور ہے جو بوجہ صنعت ۱۵ تولے سونے کی قیمت ہے اس پر صرف ۲ ماشے سونا واجب ہوگا کہ وزن کا چالیسواں حصّہ ہے نہ چار ماشہ کی قیمت کا ۱/۴۰ ہے، ۱۵ تولے وزن کی چیز قیمت میں ۷-۱/۲ تولے کے برابر ہے، تو باعتبارِ وزن ہوا اور ادا کی یہ صُورت کہ مثلاً اس پر ۶ ماشے سونا واجب الادا تھا اس نے اُس کے بدلے ۲ ماشے نفیس کُندن کہ قیمت میں ۶ ماشے سونے کے برابر بلکہ زائد تھا ادا کیا تو عہدہ برآنہ ہُوا کہ واجب کا وزن پُورا نہ ہُوا اور ہارتا سونا ۲ ماشے دے دیا جو قیمت میں دو۲ ہی ماشے کے برابر تھا تو ادا ہوگیا اگرچہ اس میں کراہت ہے **لقولہ عزوجل:**

لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ؕ۔[1]	تمھیں ملے تو نہ لوگے جب تک اس میں چشم پوشی نہ کرو۔(ت)

درمختار میں ہے:

المعتبر وزنهما اداءً ووجوبًا لا قیمتهما۔[2]	اداء و وجوب میں ان دونوں کے وزن کا اعتبار ہے نہ کہ قیمت کا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

یعنی یعتبر فی الوجوب ان یبلغ وزنهما نصابا، نهر، حتی لو کان له ابریق ذهب او فضة وزنه عشرة مثاقیل اومائةدرهم وقیمته لصیاغته عشرون او مائتان لم یجب فیه شیئ اجماعًا قهستانی۔[3]	وجوب کے لیے یہ معتبر ہے کہ وُہ وزن کے اعتبار سے نصاب کو پہنچیں، نہر۔اگر کسی کے پاس سونے یا چاندی کا کُوزہ تھا جس کا وزن دس مثقال یا سَو درہم کے برابر تھا اور زیور کی صورت میں اس کی قیمت بیس ۲۰ یا دوسو ۲۰۰ ہے تو اب اس میں بالاجماع کوئی شئ لازم نہیں، قہستانی۔(ت)

اسی میں ہے:

لوله ابریق فضّة وزنه مائة وقیمته بصیاغته مائتان لا تجب الزکوٰة باعتبار القیمة لان الجودة و الصنعة فی اموال الربا لا قیمة لها عند افرادها ولا عند المقابلة بجنسها۔[4]	اگر کسی پاس چاندی کا ایسا کُوزہ تھا جس کا وزن سو درہم ہو اور اس کی زیور کی صورت میں قیمت دو سو درہم ہے تو اب قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، کیونکہ اموالِ ربا میں جو جودت اور صنعت ہوتی ہے اس کی انفرادی صُورت میں کوئی قیمت نہیں ہوتی نہ ہی اس وقت کوئی قیمت ہے جب کسی، ہمجنس کے مقابل ہو۔(ت)

اُسی میں ہے:

یعتبر یکون المؤدی قدر الواجب وزناً	جس کی زکوٰۃ ادا کی جائے اس کا وزن کے اعتبار سے

---

[1] القرآن ۲/۲٦۷
[2] درمختار باب زکوٰۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۴
[3] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۳
[4] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۷

فلوادی عن خمسة جیّدة خمسة زیوفاقیمتھا اربعة جیدة جاز وکرہ ولواربعة قیمتھا خمسة ردیئۃلم یجزاھ[1] ملخصًا۔	نصاب ہونا ضروری ہے، اگر کسی نے پانچ جید دراہم کی جگہ پانچ زیوف سے ادا کی جن کی قیمت چار جید دراہم تھی تو جائز مگر مکروہ ہے، اور ان چار کی قیمت پانچ ردی درہم تھے تو جائز ہی نہیں اھ ملخصا (ت)

مگر جب ان میں ایک کو دوسرے سے تقویم کریں مثلاً چاندی کو سونے یا سونے کو چاندی سے جیسا کہ ضم کی صُورتوں مین دیکھتے آتے تو بالاجماع قیمت کا اعتبار ہے کہ جودت وصنعت خلاف جنس کے مقابلہ میں بالاجماع قیمت پاتا ہے، مثلاً بارہ ۱۲ تولے چاندی کا وزنی گہنا اور قیمت میں ۲۴ تولے چاندی کے برابر، اب اس کی قیمت سونے سے لگائے گا تو بہ لحاظ قیمت پُورا تولہ بھر سونا ہوگا، نہ بلحاظ وزن چھ ماشہ ولہٰذا جس کہ پاس ۲۰۰ تولے چاندی کا زیور چار سوروپے کا قیمتی ہو جس ۵ تولے چاندی واجب، وہ اگر ۵ تولے چاندی دے دے گا ادا ہو جائے گا اور ۵ تولے چاندی کی قیمت کا سونا دے گا ہر گز ادا نہ ہوگا بلکہ ۱۰ تولے چاندی کا قیمتی سونا دینا آئے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

عدم اعتبار الجودۃ انما ھو عند المقابلۃ بالجنس اما عند المقابلۃ بخلافہ فتعتبر اتفاقا۔ [2]	جیّد ہونے کا اعتبار، جنس کے ساتھ مقابلہ وقت نہیں کیا جاسکتا اور اگر غیر جنس سے مقابلہ ہو تو بالاتفاق معتبر ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

لو کان لہ ابریق فضۃ وزنہ مائتان وقیمتہ ثلث مائۃ ان أدی خمسۃ من عینہ اومن غیرہ جاز واجمعواانہ لوأدی من خلاف جنسہ اعتبرت القیمۃ حتی لوأدی من الذھب ما تبلغ قیمتہ خمسۃ دراہم من غیر الاناء لم یجز فی قولھم لتقوم الجودۃعندالمقابلۃ	اگر کسی کے پاس چاندی کا کوزہ ہے دوصد درہم وزنی اور قیمت تن سو درہم ہے تو اب وہ اس میں سے یا اس کے غیر سے پانچ درہم ادا کرتا ہے تو جائز ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ اگر اس کی مخالف جنس سے ادا کرے تو قیمت کا اعتبار ہوگا حتی کہ اگر اتنا سونا جسکی قیمت پانچ درہم ہو غیر مصنوعہ سے ادا کیا تو ان کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ مقابلہ کے وقت جودت

[1] ردالمحتار باب زکوۃ المال مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۳

[2] ردالمحتار باب زکوۃ المال مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۷

بخلاف الجنس کذا فی لامعراج نہر اھ ملخصًا۔[1]	کی قیمت اعتبار ہوتا ہے بخلاف جنس کے، معراج میں اسی طرح ہے، نہر اھ ملخصًا (ت)

جب یہ قاعدہ معلوم ہولیا تو اب ان دو صورتوں کی مثالیں بھی واضح ہوگئیں مثلاً ایک شخص کے پاس ۷-۱/۲ تولے سونا اور ۶۱-۱/۲ تولے چاندی کا گہنا ہے جو بوجہ صناعی چوگنی قیمت کا ہے اس میں ۵۲-۱/۲ تولے چاندی تو نصاب کامل ہوگئیں ۹ تولے بچی وہ عفو نظر آتی ہے، اسے بلحاظِ قیمت سونے سے ملایا تو یہ ۹ تولے بہ سبب صنعت ۳۶ تولے کی قیمت میں ہے جس کا ۱-۱/۲ تولے سونا ہُوا کہ خمس نصاب زر ہے تو ایک نصاب سیم اور ایک نصاب و خمس نصابِ زر کی زکوٰۃ واجب ہُوئی اور عفو کچھ نہ بچا، اور اسی صورت میں ۶۲ تولے چاندی ہے تو ماشہ بھر سونا کہ اس ۶ ماشے چاندی کی قیمت ہُوا اور عفو رہے گا کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

شرح ضابطہ ثانیہ: ملاحظہ جدول سے یہ بھی کھلا ہوگا کہ دونوں جانب مقدار قابلِ ضم ہونے کی تین صورتیں بھی عندالبسط چار ہوگئیں یعنی چاندی سونا دونوں غیر نصاب یا دونوں نصاب مع العفو یا چاندی غیر نصاب اور سونے میں عفو یا سونا غیر نصاب اور چاندی میں عفو۔ پھر ہر صورت چھ ۶ حال سے خالی نہیں:

(۱) یہ کہ بعد ضم بھی اصلاً زکوٰۃ نہ بڑھے یعنی خواہ قابلِ ضم چاندی کو سونا کیجئے یا قابلِ ضم سونے کو چاندی، کسی طرح یہ مقدار موجبِ زکوٰۃ نہ ہو، اس صورت میں وہ عفو حقیقی رہے گا، مثلاً ایک شخص ۲۰ تولے چاندی اور ایک تولے سونے کا مالک ہے، چاندی کو سونا کیجئے تو کُل سونا ایک تولہ ۱۰ ماشے ہو، اور سونے کو چاندی تو کُل چاندی ۴۴ تولے، نہ اتنا سونا موجبِ زکوٰۃ نہ اتنی چاندی۔

(۲) سونے کو چاندی کیجئے تو نصاب بنے اور چنادی کو سونا کیجئے تو نہ بنے، مثلاً ۱۰ تولے چاندی ۵ تولے سونا ہے، سونے کو چاندی کیا تو کُل چاندی ۱۳۰ تولے ہوئی کہ دو ۲ نصاب کامل اور دو ۲ نصاب خمس، اور ۴ تولے عفو ہے، اور چاندی کو سونا کیا تو کل ۵ تولے ۵ ماشے سونا ہُوا کہ نصاب تک بھی نہ پہنچا، لہٰذا سب کو چاندی ہی ٹھہرائیں گی۔

(۳) اس کا عکس کہ چاندی کو سونا کرنے سے نصاب بنے اور سونے کو چاندی کرنے سے نہ بنے، مثلاً ۷ تولے ۷ ماشے سونا اور ۵۰ تولے چاندی ہے ۷-۱/۲ تولے سونا تو نصابِ کامل ہو کر الگ ہوگیا، بچا ا ماشہ سونا، اُدھر وہ عفو ہے اور اِدھر ۵۰ تولے چاندی یہ بے نصاب ہے، انھیں دونوں کا باہم میل ہونا ہے، اب اگر ماشہ بھر سونے کو چاندی کرتے ہیں تو کل چاندی ۵۲ تولے آتی ہے، یہ نصاب بھی نہ ہُوئی اور چاندی

---

[1] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۳

سونا کرتے ہیں تو یہ کُل سونا ۲ تولے ۲ ماشے ہوتا ہے کہ ۱-۱/۲ تولہ نصاب خمس ہو کر موجبِ زکوٰۃ ہوگا اور باقی ۸ ماشے عفو رہے گا۔

(۴) دونوں سے نصاب بنے مگر چاندی فقراء کے لیے انفع ہو، مثلاً ۷ تولے سونا ۴۲ تولے چاندی کہ سونا کیجئے تو ۸ تولے ۹ ماشے ہوا، ۷-۱/۲ تولے پر زکوٰۃ اور ۱ تولہ عفو، تو صرف ۲ ماشے سونا دینا ہوگا جس کی قیمت ۴-۱/۲ تولے چاندی، اور چاندی کیجئے تو دو سو دس ۲۱۰ تولے ہُوئی کہ پُورے چار نصاب بلاعفو ہے جس پر ۵ تولے چاندی واجب، تو چاندی کرنے میں فقراء کو ۹ ماشے چاندی زیادہ ملے گی۔

(۵) سونا انفع ہو، جیسے ۷ تولے سونا ۴۸ تولے چاندی کہ چاندی کیجئے تو چار نصاب کامل کے بعد ۶ تولے عفو رہے گی اور صرف ۵ تولے چاندی دینا ہوگی جس کی قیمت ۲ ماشے ۵ سُرخ سونا، اور سونا کیجئے تو پُورا ۱۵ تولے ہوا، ایک نصاب کامل اور ایک نصاب خمس بلاعفو ہے جس پر ۲ ماشے ۵-۳/۵ سُرخ واجب، تو سونا کرنے میں فقراء کو ۳/۵ سُرخ زیادہ جائے گا۔

(۶) دونوں یکساں ہوں، مثلاً فرض کیجئے تولہ بھر سونے کی قیمت ۲۱ تولے چاندی ہے اور یہ ۴۲ تولے چاندی ۵۰ تولے سونے کا مالک ہے اگر چاندی کو سونا کرتے ہیں تو ۷-۱/۲ تولے یعنی ایک نصاب کامل ہوا جس پر ۳-۱/۲ ماشے سونا قیمتی ۳ تولے ۱۱ ماشے ۲ سرخ چاندی کا واجب ہوا، اور سونے کو چاندی کیجئے تو ۱۵۷ تولے ۶ ماشے چاندی یعنی تین نصاب کامل ہُوئی جس پر ۳ تولے ۱۱ ماشے ۲ سُرخ چاندی قیمتی ۲ ماشہ سونے کی واجب ہُوئی، ہر طرح حاصل ایک ہی رہتا ہے، اس صورت میں مزکی کو اختیار ہوگا کہ دونوں میں جس سے چاہے تقویم کرے بشرطیکہ دونوں رواج میں یکساں ہوں ورنہ رائج تر متعین ہوگا۔

اس ضابطہ کی چار ۴ صورتوں میں ان چھ حالتوں کو ضرب دیجئے تو چوبیس ۲۴ ہوتی ہیں جس کے امثلہ کی پُوری تفصیل موجبِ تطویل، اور جبکہ ہم ہر صورت کی ایک مثال لکھ چکے، وضوح مسئلہ بحمداللہ اپنے منتہی کو پہنچا جس کے بعد زیادہ اطالت کی حاجت نہیں، اب بحمداللہ یہ دستورالعمل کامل و مکمل ہوگیا کہ عالم میں کوئی اختلاطِ زر و سیم ان ۳۷ صورتوں سے خارج نہیں ہوسکتا۔ ایک صورت دونوں جانب کمال نصاب بلاعفو کی اور ۱۲ صورتیں ضابطہ اولٰی، اور ۲۴ ضابطہ ثانیہ کی، اور دو ۲ صورتیں کہ صرف چاندی کا مالک ہو یا صرف سونے کا، ان کے احکام مسئلہ ثانیہ میں واضح ہوچکے، انتالیس ۳۹ ہوئیں۔ چالیسویں صورت کہ سونا چاندی کچھ نہ رکھتا ہو اس کا حکم خود واضح۔ اب یہ مسائل بحمداللہ تعالٰی تمام صور کے بیان احکام کو کافی و وافی ہوگئے انھیں سے آئندہ کی زیادت و نقصان کے احکام نکل آئیں گے کہ آخر بڑھ کر انھیں سینتیس ۳۷ صورتوں میں سے ایک میں رہے گا، غایت یہ کہ تبدیل صورت ہوجائے، مثلاً پہلے جو مال تھا ضابطہ اولٰی کی صورت یکم پر تھا، اب بڑھ کر ضابطہ ثانیہ یا اولٰی کی دوم یا اول الصور پر ہوگیا،

وعلٰی ھذاالقیاس، یُوں ہی گھٹ کر ۴۰ صورتوں سے باہر نہ جائے گا تو کوئی حکم ایسا نہیں جسے یہ مسائل نہ بتائیں، زیادت و نقصان میں کہاں زکوٰۃ گھٹے بڑھے گی کہاں نہیں، یہ مسئلہ ثانیہ وثالثہ سے دیکھ لیجئے، امید کرتا ہوں یہ شرح وایضاح بحول الفتاح اسی تحریر فقیر کاحصّہ خاصہ ہو، **والحمدُﷲ ربّ العالمین۔**

اب صُورتِ جزئیہ مسؤل عنہاکاحکم: نکالنا کتنی بات ہے، ۶۸ تولے ۲ ماشے سونا اور ۳۴۱ تولے چاندی، اوّل ہر ایک نصاب الگ نکال لیجئے، ۶۸ تولے ۲ ماشے میں سونے ۹ نصاب کامل ہوئے جن پر ایک تولہ ۸ ماشے ۲ سُرخ سونا واجب ہُوا اور ۸ ماشے فاضل بچا کہ اپنے نصاب میں عفو ہے، ۳۴۱ تولے میں ۳۱۵ تولے کے چھ ۶ نصاب کامل جن پر ۷ تولے ۱۰ ماشے ۴ سُرخ چاندی واجب، اور ۲۱ تولے کے ۲ نصاب خمس ہُوئے جن پر ۶ ماشے ۲ -۵/۲ سُرخ واجب، ان کا مجموعہ ۸ تولے ۴ ماشے ۶-۵/۲ سرخ ہوا اور مال میں پانچ تولے چاندی فاضل رہی کہ اپنی نوع میں عفو ہے، اب یہ صورت ضابطہ ثانیہ کی ہُوئی کہ دونوں جانب ایک رقم عفو قابلِ ضم موجود ہے، اس میں اُن چھ ۶ حالتوں کی جانچ باقی رہی، چاندی کو سونا کیجئے تو ۵ تولے چاندی عام نرخ سے اس قابل نہیں کہ ۱۰ ماشے سونے کی قیمت پہنچے جو اس ۸ ماشہ سے مل کر خمس نصاب ذھب یعنی ۱ -۲/۱ تولے سونا بنائے اور زکوٰۃ واجب کرے۔ اب سونے کو چاندی کیجئے تو آج کل کے بھاؤ[عہ] سے ۸ ماشے سونا بیشک ۱۶ تولے چاندی سے کچھ زیادہ ہی کا ہے تو وہ اس پانچ تولے چاندی سے مل کر ۲۱ تولے چاندی مع شے زائد ہوگا یہ دو نصاب خمس اور حاصل ہُوئے جب پر ۶ ماشے ۲-۵/۲ سُرخ چاندی، اور بڑھی تو یونہی کریں گے اور ۶۸ تولے سونے ۳۴۱ تولے چاندی پر ایک تولہ ۸ ماشے دو سُرخ سونا، اور ۸ تولے ۱۱ ماشے ۵/۴ سرخ چاندی واجب مانیں گے ۵/۴ سُرخ کے معنی رتی کے چار خمس، جسے تقریبًا ایک رتی چاندی کہیے، یہ عام بھاؤ کے اعتبار سے ہے، اور اگر بوجہ صنعت نفس مال کے کوئی قیمت بڑھ گئی ہو تو اس کاحساب مالک کو معلوم ہوگا اُس کے لیے وُہ قاعدہ ضرور یہ واجب الحفظ ہم اوپر لکھ ہی چکے، غرض ﷲ الحمد والمنّۃ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے بتوفیق المولٰی سبحانہ وتعالٰی ان مسائل کو ایسی شرح و تکمیل وبسط جلیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ شاید اُن کی نظیر کتب میں نہ ملے امید کرتا ہُوں جو شخص ان سب کو بغور کامل خوب سمجھ لے وہ ہزار ہا مسائلِ زکوٰۃ کاحکم ایسا بیان کرگا جیسے کوئی عالم محقق بیان کرے، جن مسائل میں فقیر نے آج کل کے بعض مدعیان فقاہت و تحدیث بلکہ امامتِ فنون فقہ وحدیث کو فاحش غلطیاں کرتے دیکھا، کم علم آدمی جو ان تحریراتِ فقیر کو بنہج احسن سمجھ لے گا اِن شاء اللہ تعالٰی بے تکلّف صحیح وصاف ادا کرے گا، مگر

عـــہ: نرخ باختلافِ امصار بھی مختلف ہوتا ہے، اگر وہاں ۸ ماشے سونا ۱۶ تولے چاندی سے کم کا ہو تو نصب فضّہ میں ایک خمس کم ہو جائیگا جس کے سبب مقدار واجب سے ۳ ماشے ۱-۵/۱ سرخ چاندی گھٹادیں گے ۱۲ منہ (م)

حاشا ہر گزار دو عبارت جان کر اپنی فہم پر قناعت نہ کرے کہ نازک یا غور طلب بات جو آدمی کی اپنی استعداد سے ورا ہو کسی زبان میں کیسی ہی واضح ادا کی جائے پھر نازک ہے بلکہ واجب کہ کسی عالم کامل سے ان مسائل کو پڑھ لے تاکہ بحول اللہ تعالٰی اس باب میں خود عالم کامل ہو جائے۔

واستغفر اللہ العظیم الاعظم مما جری علی لسان القلم وصلی اللہ تعالٰی علیہ سیّدنا و مولانا محمد ن النبی الاکرم و صحبہ وبارك وسلم واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	قلم سے جو لکھا گیا اس پر عظیم و اعظم اللہ تعالٰی سے معافی طلب کرتاہُوں۔ اللہ تعالٰی کی رحمتیں نازل ہوں ہمارے آقا و مولٰی حضرت محمد نبی اکرم پر اور آپ آل و اصحاب پر' برکتیں اور سلام بھی۔ اللہ سبحانہٗ وتعالٰی خوب جانتا ہے، اور اسی کا علم کامل اتم اور مستحکم ہے۔ (ت)

مسئلہ سابعہ: صحیح تعدادِ زکوٰۃ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے جو ہر سال مقدار واجب سے کم زکوٰۃ میں دیا گیا ہے وہ محسوب زکوٰۃ ہُوا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

بیشک محسوب ہُوا کہ ادائے زکوٰۃ کی نیت ضرور ہے مقدار واجب کا صحیح معلوم ہونا شرائطِ صحت سے نہیں، غایت یہ کہ ایک جزءِ واجب کے ادا میں تاخیر ہوئی اس سے مذہبِ راجح پر گناہ سہی زکوٰۃ مؤدّٰی کی نفی صحت تو نہیں والامر بین غنی عن التبیین (معاملہ واضح ہے مزید وضاحت کا محتاج نہیں۔ت) پس ہر سال جتنا زکوٰۃ میں دیا وہ قطعًا ادا ہُوا اور جو باقی رہتا گیا وہ اس پر دین ہوا حتی کہ اگر کسی نصاب سے معارض ہو جائے گا تو اُسی قدر مقدار واجب گھٹ جائے گی۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ دین عبد (یعنی بندوں میں جس کا کوئی مطالبہ کرنے والا ہو اگرچہ دین حقیقۃً اللہ عزوجل کا ہو جیسے دین زکوٰۃ جس کا مطالبہ بادشاہ اسلام اعزاللہ نصرہ کو ہے) انسان کے حوائج اصلیہ سے ہے ایسا دین جس قدر ہو گا اتنا مال مشغول بحالتِ اصلیہ قرار دے کر کالعدم ٹھہرے گا اور باقی پر زکوٰۃ واجب ہو گی اگر بقدر نصاب ہو، مثلاً ہزار روپے پر حولانِ حول ہوا اور اس پر پانسو قرض ہیں تو پانسو پر زکوٰۃ آئے گی اور ساڑھے نوسو دین ہے تو اصلاً نہیں کہ باقی قدر نصاب سے کم ہے۔ درمختار میں ہے:

لازکوٰۃ علی مدیون للعبد بقدر دینہ فیزکی الزائد ان بلغ نصابا۔[1]	بندہ کے قرضدار پر قرض کی مقدار پر زکوٰۃ نہیں، ہاں اگر قرض سے زائد نصاب کو پہنچ جائے تو پھر اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹

اُسی میں ہے:

فارغ عن دین لہ مطالب من جھۃ العباد سواء کان للہ تعالٰی کزکوٰۃ وخراج او للعبد[1] الخ۔	اس دین سے فارغ ہو جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہے خواہ وُہ اللہ کے لیے ہو مثلاً زکوٰۃ و خراج یا بندے کے لیے الخ (ت)

درالمحتار میں ہے:

المطالب ھنا السلطان تقدیر ا لان الطلب لہ فی زکوٰۃ السوائم وکذا فی غیر ھالم یبطل حقہ عن الاخذ[2] اھ ملخصًا وایضاحہ فیہ۔	یہاں مطالبہ کرنے والا سلطان کو تسلیم کیا جائیگا کیونکہ چار پایوں کی زکوٰۃ وہی طلب کرسکتا ہے اور اس طرح ان کے علاوہ میں اس کے لیے اخذ زکوٰۃ کا حق باطل نہیں ہوگا اھ ملخصًا اور اس کی وضاحت اس میں ہے (ت)

یونہی دو سو چالیس ۲۴۰ درہم شرعی کہ ایک نصاب کامل وایک خُمس ہے (دو سو درم کی ۵۲-۱/۲ تولے چاندی ہوئی اور چالیس کی ۱۰-۱/۲ تولے) ان پر چھ ۶ درم شرعی زکوٰۃ کے واجب، اگر مالک جہلًا یا سہوًا یا عمدًا ہر سال پانچ درہم دیتا گیا عہ تو سال اوّل ایک درم زکوٰۃ کا اس پر دین رہا، دوسرے سال وُہ گویا دو سوانتالیس ۲۳۹ ہی درہم کی جمع رکھتا ہے کہ ایک درہم مشغول بہ دین ہے تو نصاب خمس کہ دو سو کے بعد چالیس کامل تھا جاتا رہا اور اس سال تمام صرف دو سو ۲۰۰ درہم کی زکوٰۃ یعنی پانچ ہی واجب ہُوئے،

پس وُہ جب تک ایک درہم مذکور ادا نہ کرے یا سال تمام پر اُس کی حاجت سے فارغ ایک درہم اور جمع نہ ہو جائے جب تک ایک درہم مذکور ادا نہ کرے یا سال تمام پر اُس کی زکوٰۃ کی تاخیر سے گنہگار ہوگا اور یہ گناہ اصرار کے بعد کبیرہ ہو جائے گا والعیاذ باللہ تعالٰی، اور اگر صورتِ مذکورہ میں فرض کیجئے کہ وُہ ہر سال ایک ہی درم دیتا رہا تو سالِ اوّل اس پر پانچ درم زکوٰۃ کے دین رہے، سالِ دوم میں گویا صرف دو سو پینتیس ۲۳۵ جمع ہیں اس سال وہی پانچ ہُوئے اور دیا ایک ہی، تو اب چار اور قرض ہو کر نو درم دین ہوگئے تیسرے سال تیرہ ۱۳، چوتھے سال ۱۷، یونہی ہر سال دینِ زکوٰۃ میں چار چار بڑھتے جائیں گے اور واجب وہی پانچ پانچ

عہ: یعنی اپنی آمدنی سے دیتا رہا اور جمع اُسی قدر قائم رہی نہ کم ہُوئی نہ زائد ۱۲ منہ (م)

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹
[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/۵

ہوتے رہیں گے دو سو ۲۰۰ دوسوانتالیس ۲۳۹ تک پانچ ہی درم ہیں، جب سالِ دہم میں اکتالیس ۴۱ درہم دین ہوجائیں گے تو گیارھویں سال اس پر زکوٰۃ ہی نہ ہوگی کہ جمع صرف ایک سو ننانوے ۱۹۹ ٹھہریں گے کہ نصاب سے کم میں سالِ یازدہم بھی اگر اس نے ایک درہم حسبِ دستور دے دیا تو پھر پانچ درہم واجب ہوجائیں گے کہ اب دین میں صرف چالیس درہم رہے اور دوسوپورے جمع قرار پائے وعلی ہذاالقیاس۔ غرض سنین ماضیہ میں کم دینے والااس نفیس حساب کو خوب سمجھ کر جتنا دین اس کے ذمّے نکلے فی الفور ادا کرے۔ ردالمحتار میں ہے:

لو کان له نصاب حال علیه حولان ولم یزکیه فیهما لا زکٰوة علیه فی الحول الثانی ۔ اھ [1] واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی کے پاس ایک ہی نصاب ہے جس پر ۲ سال گزرے حالانکہ اس نے ان میں زکوٰۃ نہیں دی تو اب دوسرے سال اس پر زکوٰۃ نہیں۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸: از شہر بریلی محلّہ ملوکپور مولوی شفاعت اللہ صاحب طالب علم مدرسہ اہلسنت وجماعت بریلی ۳ ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّاۃ ہندہ عرصہ تین سال سے زیور طلائی و نقرئی کی حسبِ تفصیل ذیل اور نقد روپے کی عرصہ تین سال سے مالک ہے، اس کے علاوہ اثاث البیت ضروری خرچ کا بھی رکھتی ہےاور روپیہ مذکور میں سے چار روپے ماہوار عرصہ تین سال سے متواتر خرچ ہوتا رہا ہے اب مسماۃ مذکورہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتی ہے کس طرح سے ادا کرے، بیان فرمائے، زیور طلائی ۴ تولے ۱۰ ماشے ۳ سُرخ، زیور نقرئی (معہ) نقد روپیہ (صمامہ)۔

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ زیور ہر سال اتنا ہی رہا کم وبیش نہ ہُوا تو ہر سال جو سونے کا نرخ تھا اُس سے ۴ تولے ۶ ماشے ۳ سرخ کی قیمت لگا کر زیور نقرہ کے وزن میں شامل کی جائے گی اور ہر ساڑھے باون تولے چاندی پر اس کا چالیسواں حصّہ، پھر ہر ساڑھے دس تولے چاندی پر اس کا چالیسواں حصہ واجب آئے گا، اخیر میں جو ساڑھے دس تولے چاندی سے کم بچے معاف رہے گی، ہر دوسرے سال اگلے برسوں کی جتنی زکوٰۃ واجب ہوتی آئی مال موجود میں سے اتنا کم ہو کر باقی پر زکوٰۃ آئے گی، تین سال سے یہ نقد روپیہ بھی بدستور حساب میں شامل کیا جائیگا اور ہر دوسرے سال جتنے روپے خرچ ہوگئے کم کرلئے جائیں گے، یُوں تین سال کا مجموعی حساب کرکے جس قدر زکوٰۃ

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۵

فرض نکلی سب فوراً فوراً ادا کردینی ہوگی اور اب تک جو ادا میں تاخیر کی بہت زاری کے ساتھ اُس سے توبہ فرض ہے اور آئندہ ہر سال تمام پر فوراً ادا کی جائے۔ یہ اگلے تین برسوں میں اس کے سال تمام ہونے کے دن سونے کا بھاؤ دریافت کرنے میں وقت ہو تو احتیاطاً زیادہ سے زیادہ نرخ لگالے کہ زکوٰۃ کچھ رہ نہ جائے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹: از درؤ ضلع نینی تال مرسلہ عبداللہ صاحب دکاندار ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ پُورا نصاب کتنا ہوتا ہے جیساکہ علمی خطبہ کے اندر تحریر کرچکے ہیں وُہ ٹھیک ہے اُن کا قول یہ ہے کہ ساڑھے سات تولے سونا ہو یا ساڑھے باون تولے چاندی ہو، دونوں میں سے ایک چیز ہو وُہ اہلِ زکوٰۃ اہلِ نصاب ہوگیا علمائے دین کو غور کرنا چاہئے کہ ساڑھے باون تولے چاندی ہے اور گھر میں چار چھ آدمی کھانے والے اور خرچ کرنے والے ہیں تو وُہ شخص اہلِ نصاب اہلِ زکوٰۃ ہوگیا، دوسری گزارش یہ ہے کہ مالابد منہ میں لکھا ہوا ہے کہ کارروائی سے زیادہ ہو سال بھر اُس پر گزر جائے، یعنی حاجت سے زائد ہو تو جس قدر ایک شخص کے پاس پچاس روپے کا کپڑا تجارت کا ہے اور اس سے اس کی اوقات بسری ہوتی ہے ساٹھ روپیہ کا زیور ہر وقت کے پہننے کا ہے اور اسّی روپے اس کے پاس نقد ہیں اور گھر میں کھانے کو کل ایک مہینے کا ہے اور پچانوے روپے مہر عورت کا ہے یعنی قرضدار ہے وہ مال نصاب کا ہوگیا یا نہیں، حضور! ہم لوگوں کا آپ پر یقین کامل ہے جب تک کوئی حکم حضور کے یہاں سے نہ ملے گا ہم کچھ نہیں کرسکتے اور ایک تحریر پیشتر حضور کی خدمت میں روانہ کرچکا ہوں اس کا کوئی جواب نہیں ملا، حضور کو غور کرنا چاہئے، یہاں پر حضور مولوی کبھی کچھ فرماتے ہیں کبھی کچھ۔ شرع کے اندر رخنہ بازی ہے ہم لوگوں کا یقین آپ پر ہے آپ جیسا لکھیں گے ویسا ہم مانیں گے آپ کے خلاف نہیں کرسکتے، ایک مسئلہ کو چار جگہ دریافت کرو علیحدہ علیحدہ راہ ہوگی اس کی کیا وجہ ہے، رائے کا اتفاق کیوں نہیں ہے ہم لوگوں کو بہت پریشانی ہوتی ہے کوئی مطلب ٹھیک نہیں ہم لوگوں پر عنایت فرمائیے اور دلی مراد پوری کیجئے۔

الجواب:

فی الواقع سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے اور چاندی کا ساڑھے باون تولے ہے ان میں سے جو اُس کے پاس ہو اور سال پُورا اس پر گزر جائے اور کھانے پہننے مکان وغیرہ ضروریات سے بچے اور قرض اسے نصاب سے کم نہ کردے تو اُس پر زکوٰۃ فرض ہے اگرچہ پہننے کا زیور ہو زیور پہننا کوئی حاجت اصلیہ نہیں، گھر میں جو آدمی کھانے والے ہوں اس کا لحاظ شریعت مطہرہ نے پہلے ہی فرمالیا، سال بھر کے کھانے پینے پہننے تمام مصارف سے جو بچا اور سال بھر رہا اُسی کا تو چالیسواں حصّہ فرض ہوا ہے اور وہ بھی اس لیے کہ تمھیں آخرت میں بھی عذاب سے نجات ملے جس سے آدمی تمام جہان دے کر چھوٹنے کو غنیمت سمجھے اور دُنیا میں تمھارے مال میں ترقی ہو برکت ہو یہ خیال کرنا کہ زکوٰۃ سے مال گھٹے گا نِرا ضعفِ ایمان ہے۔ مولٰی تعالٰی قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے کہ وُہ زکوٰۃ کو ترقی و افزونی دیتا رہے جسے وہ بڑھائے وہ کیونکر گھٹ سکتا ہے، یہ

خیال کہ اس وقت سو روپیہ سے ڈھائی روپے حکم ماننے میں اُٹھادیں گے تو آئندہ بال بچّے کیا کھائیں گے، محض شیطانی وسوسہ ہے۔ زکوۃ سے اگر برکت بھی ملتی تو ڈھائی روپیہ سَو میں سے کم ہو جاتا رزق نہ چھینتا، آئندہ سال اگر مال بڑھ گیا کہ سال بھر کا بال بچّوں سب کا خرچ ہُوا وُہ روپیہ بدستور رکھے رہے جب تو اس وسوسہ کا جھوٹ ہونا علانیہ ظاہر ہو جائے گا اور اگر اُن میں سے کھانے پینے کی حاجت پڑی یہاں تک کہ نصاب سے کم رہ گیا تو اب آپ سے کوئی زکوۃ نہ مانگے گا مگر بال بچّوں کی فکر اگلے سال کے لیے کیا ہوگی، وُہ جو جمع تھے کھانے پینے میں اٹھ گئے اور اب زکوۃ بھی نہیں جس کے سر الزام دھرو، آگے کیونکر جیوگے، ایسی کمزوریاں شیطان سکھاتا ہے، عورت کا مہر جس کا مطالبہ بعد موت یا طلاق ہوتا ہے اور عمر بھر ادا کا خیال تک نہیں آتا اُسے زکوۃ نہ دینے کا حیلہ نہ بنانا چاہئے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۴۴ برس ہوئے جو میں ۱۳ تولے ۶ ماشے سونے اور ۱۰ بھر چاندی کی مالک ہُوئی، چاندی نو دس برس تک بدستور رہی، گیارھویں سال خرچ ہو گئی، اور سونا دو ۲ برس تک اُسی قدر رہ کر تیسرے سال پانچ تولہ خرچ ہو گیا کہ سال تمام میں صرف ۸ تولے ۶ ماشے تھا پانچویں سال ڈھائی تولہ اور خرچ ہوا کہ سال تمام میں صرف ۶ تولہ تھا اور وہی بیالیس برس تک رہا، پھر وُہ بھی اپنے دختر کو ہبہ کر دیا، جن برسوں تک وُہ چاندی میرے پاس تھی بلکہ اُس کے بعد بھی سونے کا بھاؤ (۱۶) تولہ رہا اور چاندی روپیہ کی روپیہ بھر، اس صورت میں مجھ پر زکوۃ کس قدر واجب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ظاہر ہے کہ:

سالِ اوّل میں سونا بقدرِ نصاب بلکہ زائد ہُوا اور چاندی نصاب تک بھی نہ پہنچی تو اُسی کے سونے سے قیمتاً ضم کریں گے اُس وقت کے نرخ سے ۲ ۱/ ۲ ماشہ ۴ سرخ سونا ہُوا تو گویا اُس سال ۱۶ تولے، ۷ ماشہ ۴ سرخ سونا تھا جس میں ۱۵ تولے دو نصاب کامل ہیں اُن پر واجب ۴ ماشہ ۴ سرخ سونا اور ڈیڑھ تولہ نصاب خمس ہے جس پر واجب ۳-۳/۵ سرخ، کل واجب ۴ ماشے ۷-۳/۵ سرخ، باقی ایک ماشہ ۴ سرخ عفو رہا۔

سالِ دوم بعد اخراج دین زکوۃ گویا ۱۶ تولے ۲ ماشہ ۷-۲/۵ سرخ سونا تھا جس میں دو ۲ نصاب کامل کا واجب ۴ ماشہ ۴ سُرخ، باقی ایک تولہ ۲ ماشہ ۴-۱/۵ سُرخ عفو، مجموع واجبین ۹ ماشہ ۳-۳/۵ سرخ۔

سالِ سوم صرف ۸ تولے ۶ ماشے سونا تھا بعد ضم فضّہ ۱۱ تولے ۷ ماشے ۴ سرخ ہوا اس سے مجموع واجبین منہا کیا تو ۱۰ تولے ۱۰ ماشے ۲/۵ سرخ سونا بچا کہ ایک نصاب کامل ہے واجب ۲ ماشہ ۲ سرخ، اور دو نصاب خمس واجب ۷-۱/۵ سرخ، کل واجب ۳ ماشہ ۱-۱/۵ سرخ، باقی ۱۰ تولے سے جو زائد تھا عفو ہوا۔ کل واجبات ایک تولہ ۴-۴/۵ سرخ۔

سال چہارم بھی اُتنا ہی سونا یعنی ۱۱ تولے ۷ ماشے ۴ سرخ تھا بعد اخراج واجبات ۱۰ تولے ۶ ماشہ ۵/۱ سرخ بچا کہ اس پر بھی وہی نصاب کامل و دو ۲ نصاب خمس کا ۳ ماشہ ۱-۵/۱ سرخ واجب ہوا، زیادہ کی رتیاں عفو ہیں، کل واجبات ایک تولہ ۳ ماشہ ۶ سرخ۔

سال پنجم صرف ۶ تولے سونا تھا کہ بعد اخراج واجبات ۴ تولہ ۸ ماشہ ۲ سرخ رہا، یہ بھی نصاب نہیں اور اُدھر چاندی بھی نصاب نہیں، اب اگر سونے کو چاندی کرتے ہیں تو اس کی قیمت ہو کر مال کی چاندی ٹھہرتی ہے جس میں دو ۲ نصاب کامل مال، ایک نصابِ خمس لہ/ ۳/ ۲-۲/۵ پائی، کل مال/ ۲ -۲/۵ پائی، باقی ۱۲ عہ /۹- ۵/۳ عفو، اور اگر چاندی کو سونا کرتے تو کا ۳ تولے ۱ ماشہ ۴ سرخ سونا مل کر کل سونا ۷ تولہ ۹ ماشہ ۶ سرخ قرار پاتا ہے جس میں صرف ایک نصاب کامل، باقی ۳ ماشے ۶ سرخ سونا معاف رہے گا۔ ظاہر ہے کہ عصہ اُس عفو سے کہیں زیادہ ہے تو اس صورت میں نفعِ فقراء چاندی ہی کرنے میں ہے لہذا وہی کریں گے اور ۲ تولہ ۱۰ ماشہ ۵-۵/۱ سرخ چاندی واجب مانیں گے۔

سالِ ششم سونا وہی ۴ تولہ ۸ ماشہ ۲ سرخ ہے مگر چاندی بوجہ دین سال پنجم گھٹ گئی کہ چاندی کا وزن ۴۶ تولے ۱۰ ماشے ۴ سرخ ہے جس سے واجب سالِ پنجم گھٹا کر ۴۳ تولے ۱۱ ماشے ۶- ۵/۴ سرخ چاندی بچی۔ کُل کو چاندی کرتے ہیں تو سونے کے روپیہ کے ۷۰ تولے ۳ ماشے ۶ سرخ چاندی مل کر کُل چاندی ۱۱۴ تولے ۳ ماشے ۴- ۵/۴ سرخ ہوتی ہے جس میں ۱۰۵ تولے کے صرف دو ۲ نصاب کامل، باقی ۹ تولے ۳ ماشے ۴- ۵/۴ سرخ عفو رہے گی، اور کل کو سونا کرتے ہیں تو ۴۳ تولے ۱۱ ماشے ۶- ۵/۴ سرخ چاندی کا سونا ۲ تولے ۱۱ ماشے ۱- ۲۵/۱۳ سرخ ملا کر کل سونا ۷ تولے ۷ ماشے ۳- ۲۵/۱۳ سرخ ہوا جس میں ۷-۱/۲ تولے نصاب کامل اور صرف ایک ماشہ ۳- ۲۵/۱۳ سرخ عفو بچا، پُر ظاہر ہے کہ یہ عفو عفوِ سیم سے بہت کم ہے لہذا اس سال سونا ہی کریں گے اور ۲ ماشہ ۲ سرخ طلا واجب مانیں گے، کل واجباتِ ذہب ایک تولہ ۶ ماشہ، فضّہ ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵-۵/۱ سرخ۔

سال ہفتم چاندی تو وہی ۴۳ تولے ۱۱ ماشے ۶- ۵/۴ سرخ رہی مگر سونا صرف ۴ تولے ۶ ماشے رہا کہ واجب سال ششم نکل گیا جس کا ۶۷ تولے ۶ ماشے چاندی کرنے میں کل فضّہ ۱۱۱ تولے ۵ ماشے ۶- ۵/۴ سرخ جس میں وہی دو ۲ نصاب کامل نکل کر ۶ تولے ۵ ماشے ۶- ۵/۴ سرخ عفو ہو گی، اور سونا کرنے میں کل ذہب ۷ تولے ۵ ماشے ۱- ۲۵/۱۳ سرخ ہوتا ہے کہ نصاب سے بھی گھٹ کر سب عفو ہوا جاتا ہے، لہذا اس سال سب چاندی ہی کریں گے اور وہی ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵-۵/۱ سرخ سیم واجب مانیں گے، اب کل واجباتِ ذہب وہی ایک تولہ ۶ ماشہ، اور فضّہ ۵ تولے ۹ ماشے ۲- ۵/۲ سرخ۔

سال ہشتم سونا وہی ۴ تولے ۶ ماشے، اور چاندی ۴۱ تولے ایک ماشہ ۱- ۵/۳ سرخ رہی کہ واجب سال ہفتم

خارج ہو گیا، ظاہر ہے کہ اب کبھی سونا نہیں کر سکتے کہ جب سال ہفتم چاندی ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵-۱/۵ سرخ اس سے زائد تھی وہ اس سونے میں مل کر تو نصاب ذہب نہ بناتی تھی اب اتنی گھٹ کر کس طرح نصاب بنا سکے گی، لہٰذا اس سونے کے وہی ۷ ۶ تولے ۶ ماشے چاندی ملا کر کل چاندی ۱۰۸ تولے ۷ ماشے ۱-۵/۳ سرخ مانی، اس میں بھی ۱۰۵ تولے پر وہی ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵-۱/۵ سرخ سیم واجب ہوئی، باقی معاف، وہی کل واجباتِ ذہب ایک تولہ ۶ ماشے، فضہ ۸ تولے ۷ ماشے ۷-۵/۳ سرخ۔

سال نہم واجب سالِ ہشتم گھٹ کر مع سیم ذہب کُل چاندی ۱۰۵ تولے ۸ ماشے ۴-۵/۲ سرخ بچی جس پر تولوں کے ۷ تولے کی کسریں عفو ہو کر واجب مذکور لازم آیا، کل واجباتِ ذہب بدستور فضہ ۱۱ تولے ۶ ماشے ۴-۵/۴ سرخ۔

سال دہم واجب سالِ نہم گھٹ کر کل چاندی ۱۰۲ تولے ۹ ماشے ۷-۱/۵ سرخ بچی، اب دوسرا نصاب کامل نہ رہا بلکہ صرف ایک نصاب کامل اور چار نصاب خمس ہیں جب پر واجب ۲ تولے ۷ ماشے ۴ سرخ، کل واجباتِ ذہب بدستور۔ فضہ ۱۴ تولے ۲ ماشے ۵/۴ سرخ۔

سال یازدہم میں چاندی نہ رہی اور سونا کہ باقی رہا قابلِ نصاب نہیں لہٰذا دس سال کے بعد آج تک کچھ واجب نہ ہُوا اور کل مطالبہ سونا ڈیڑھ تولہ، چاندی ۱۴ تولے ۲ ماشے ۵/۴ سرخ لازم آیا۔ **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱: از مفتی گنج ضلع پٹنہ ڈاک خانہ ایکنگر سرائے مرسلہ محمد نواب صاحب قادری و دیگر سکانِ مفتی گنج ۷ ۲ رمضان شریف ۱۳۱۸ھ

زید کی بیوی ہندہ صاحبِ نصاب ہے اور مال از قسم زیورات ہے جو خاص ہندہ کی ملکیت ہے یعنی وُہ اپنے میکے سے لائی ہے زید اس کو ہدایت ادائے زکوٰۃ کی کرتا ہے مگر اس کی سمع قبول میں نہیں آتی ہے تو یہ فرمائیے کہ شوہر سے اُس کے عصیاں پر مواخذہ ہے یا نہیں اور اس کی طرف سے درانحالیکہ اس کی آمدنی وجہ کفاف سے بیش نہیں، ادائے زکوٰۃ کا مکلّف شرعًا ہو سکتا ہے یا نہیں اور اُس عورت پر زجر اور فہمائش کی ضرورت ہو تو کس حد تک، اور اگر زید نے اپنے روپیہ سے کچھ زیور بنوا کر ہندہ کو دیا ہو تو اس زیور پر کیا حکم ہے؟

الجواب:

زیور کہ ملک زن ہے اس کی زکوٰۃ ذمہ شوہر ہر گز نہیں اگر چہ اموالِ کثیرہ رکھتا ہو، نہ اس کے دینے کا اس پر کچھ وبال لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی[1] (کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائیگی۔ت)

[1] القرآن ۶/۱۶۴

اس پر تفہیم و ہدایت اور بقدر مناسب تنبیہ و تاکید (جس کی حالت اختلاف حالات مرد وزن سے مختلف ہوتی ہے) لازم ہے قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا[1] (اپنے آپ اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ۔ ت) اور وُہ زیور کہ عورت کو دیا اور اس کی ملک کر دیا اُس پر بھی یہی حکم ہے، اور اگر مِلک نہ کیا بلکہ اپنی ہی مِلک میں رکھا اور عورت کو صرف پہننے کو دیا تو بیشک اس کی زکوٰۃ مرد کے ذمّہ ہے جبکہ خود دیا یا دوسرے مال سے مل کر قدر نصاب فاضل عن الحاجۃ الاصلیہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲: مرسلہ عبدالصبور صاحب سوداگر ۶ ذی الحجۃ ۱۳۲۱ھ

ایک شخص نے ایک ہزار روپے کسی روزکار میں لگائے، بعد سال ختم ہونے کے اُس کے پاس مال دوسو ۲۰۰ روپیہ کا رہا اور قرض میں پانچ سو روپیہ رہا اور نقد چار سو روپیہ مع منافع ایک سو رہا، آیا کُل گیارہ سو روپیہ کی زکوٰۃ نکالی جائے یا کس قدر کی؟

الجواب سالِ تمام پر کُل گیارہ سو کی زکوٰۃ واجب ہے مگر چار سو نقد اور دوسو کا مال، ان کی زکوٰۃ فی الحال واجب الادا ہے اور پانچسو کہ قرض میں پھیلا ہُوا ہے جب اس میں سے بقدر گیارہ روپے تین آنے ۲۔ ۵/۲ پائی کے وصول ہوتا جائے اُس کا چالیسواں حصّہ ادا کرتا ہے اور اگر فی الحال سب کی زکوٰۃ دے دے تو آئندہ کے بار بار محاسبہ سے نجات ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳: از شہر مسؤلہ منشی شوکت علی صاحب محرر چونگی ۱۸ ذی الحجۃ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ حساب قیمت کا جس وقت زیور بنوایا تھا وہ رہے گا یا نرخ بازار جو بروقت دینے زکوٰۃ کے ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سونے کے عوض سونا، چاندی کے عوض چاندی زکوٰۃ میں دی جائے جب تو نرخ کی کوئی حاجت ہی نہیں، وزن کا چالیسواں حصہ دیا جائے گا، ہاں اگر سونے کے بدلے چاندی یا چاندی کے بدلے سونا دینا چاہیں تو نرخ کی ضرورت ہوگی، نرخ نہ بنوانے کے وقت کا معتبر ہو نہ وقت ادا کا، اگر ادا سال تمام کے پہلے یا بعد ہو جس وقت یہ مالک نصاب ہُوا تھا وہ ماہ عربی و تاریخ وقت جب عود کریں گے اس پر زکوٰۃ کا سال تمام ہوگا اس وقت نرخ لیا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن ۶۶/۶

مسئلہ ۲۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید کے پاس تخمینًا ۵۲ تولے حبہ ماشہ زیور طلائی موجود ہے اور علاوہ اس کے تخمینًا ۱۵ تولے زیور نقرئی و ۲ تولے زیور طلائی بالعوض مبلغ روپیہ کی رہن ہے اور روپے نقد بھی موجود ہیں اور مالِ تجارت میں کہ جو فروخت سے باقی رہ گیا ہے وہ تخمینًا ما ۱۴۶ اے ۱۲ اکا ہے تو اس میں زکوۃ کس طور سے ادا کی جائے گی۔

الجواب:

اتنا زیور رہن ہے، اس کے دو۲ معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ اتنا زیور دوسرے شخص کا اس کے پاس رہن ہے، دوسرے یہ کہ اتنا اس کو دوسرے کے پاس رہن ہے، پہلی صورت میں وُہ زیور اس کا نہیں اس کی زکوۃ اس پر نہیں ہو سکتی، بلکہ اُس چھپن ۵۶ پر زکوۃ ہو گی جو اس نے اس راہن کو قرض دئے ہیں اور اس تقدیر پر اس کے پاس مال زکوۃ یہ ہوا دو ماشے سونا ۵۲ چاندی اور روپیہ اور مہ ۱۲ اکا مالِ تجارت ۲ ماشے سونا ہونے کا نصاب نہیں اسے بھی چاندی میں شامل کیا جائے گا، اگر للعہ تولے کا ہے تو چار روپے اس کے پڑیں گے اور ۵۲ تولے ٦ ماشے وزن کے ہوئے تو کل مال ۲۷۲ ۱۲ بھر چاندی ہوا، جس میں چار نصاب کامل ماللعہ ہیں اور چار خمس نصاب للعہ للعہ ۱۲ ۹ - ۵/۳ پائی اُس پر واجب ٦ تولے ۳ ماشے ۴-۵/۴ رتی چاندی ہوئی باقی عفو ہے، دوسری صورت میں وُہ زیور اُسی کا ہے مگر اس کی زکوۃ اس پر واجب نہیں جب تک وُہ قبضہ مرتہن میں رہے، اس تقدیر پر فی الحال اس کے پاس مال زکوۃ یہ ہوا دو ۲ ماشے سونا ۵۲ تولے اور چھ ٦ ماشہ چاندی اور ماے ۱۲ نقد و مال تجارت جس میں سے دین کے نکل کر ایک سو روپیہ بارہ ۱۲ آنے رہے، سونا چار روپے کا ہو تو کُل ماے ۱۲ ہوئے جس میں دو۲ نصاب کامل ما ہیں اور چار خمس نصاب للعہ للعہ ۵/۳ پائی، اُس پر واجب ۳ تولے ۸ ماشے ۵/۴ رتی چاندی ہُوئی باقی عفو ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ادائے زکوۃ کے واسطے چاندی کا نصاب کس قدر روپیہ یا کس قدر وزن ہے اور ایسے ہی سونے کا کس قدر ہے؟ رانی کھیت میں چند دنوں سے ایک عالم واعظ وارد ہیں، انہوں نے وعظ میں فرمایا کہ پانچ کم دو سو پر زکوۃ فرض نہیں، جس وقت دو سو روپے ہو جائیں اور ایک سال اُن پر گزر جائے اس وقت زکوۃ دینا فرض ہو گی اور روپیہ رائج الوقت گورنمٹ انگلشیہ کا، جس کا وزن سوا گیارہ ماشے ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ حق اور صواب کی ہدایت عطا فرما۔ ت) چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے ہے جس کے سکّہ رائجہ سے چھپن ۵۶ روپے ہوئے، اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے۔

در مختار میں ہے:

نصاب الذہب عشرون مثقال والفضۃ مائتا درھم کل عشرۃ دراھم وزن سبعۃ مثاقیل۔[1]	سونے کا نصاب بیس ۲۰ مثقال اور چاندی کا دو سو درہم جن سے ہر دس ۱۰ درہم کا وزن سات مثقال ہوسکے (ت)

مثقال ساڑھے چار ماشے ہے تو درہم کہ اس کا ۷/۱۰ ہے تین ماشے ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہوا۔ کشف الغطاء میں ہے:

مثقال بیست قیراط وقیراط ایک حبہ و چہار خمس حبہ وحبہ کہ آنرا بفارسی سرخ گویند ہشتم حصّہ ماشہ است پس مثقال چہار و نیم ماشہ باشد۔[2]	مثقال بیس قیراط، اور قیراط ایک رتی اور رتی کے خمس کی چوتھائی ہوتا ہے، رتی جسے فارسی میں سرخ کہا جاتا ہے ماشہ کا آٹھواں حصہ ہوتا ہے، تو ایک مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوگا۔ (ت)

جواہر الاخلاطی میں ہے:

الدرھم الشرعی خمس و عشرون حبۃ و خمس حبّۃ۔[3]	یعنی درہم شرعی پچیس رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہے۔

اب حساب سے واضح ہوسکتا ہے کہ دوسو درم نصاب فضہ کے ۵۲ تولے ۶ ماشے اور بیس مثقال، نصاب ذہب کے ۷ تولے ۶ ماشے ہوئے اور یہاں کا روپیہ کہ ۱۱ ماشہ ہے اس سے ۵۶ روپے دوسو درہم کے برابر ہوئے، یہی وزن معیّن متون مذہب و عامہ شروح و فتاوٰی میں ہے، ردالمحتار میں فرمایا:

علیہ الجم الغفیرو الجمہور الکثیر و اطباق کتب المتقدمین والمتاخرین۔[4]	جم غفیر اور جمہور اسی پر ہیں اور کتب متقدمین و متاخرین کا اسی پر اتفاق ہے۔ (ت)

تو اس کے خلاف پر عمل جائز نہیں، عقود الدریہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے: **العمل بما علیہ الاکثر**[5] (عمل اسی پر ہوگا

---

[1] در مختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۴
[2] کشف الغطاء فصل در احکام دعاء و صدقہ مطبع احمدی دھلی ص/ ۶۸
[3] جواہر الاخلاطی کتاب الزکوٰۃ غیر مطبوعہ قلمی نسخہ ص ۴۴
[4] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۲
[5] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۶۶

جس پر اکثریت ہو۔ت) فقیر نے اپنے تعلیقات حاشیہ شامی میں لکھا:

اقول: ویظھر للعبد الضعیف انہ الا وجہ فان الشرع المطھر انما اعتبر النصاب تحدیدا لغنی یوجب الزکوٰۃ والغنی با لمالیۃ النامیۃ دون العدد فمن ملك مائۃ ساوت مائتی درھم فقد ساوی الغنی الشرعی فی الموجب ارأیت لو تعورف فی بلد درھم یساوی فی الوزن مائتی درھم ولم یوجب علیہ الابعد مایملك مائتین من ھذا کان حاصلہ ان من ملك فی العرب مثلا ھذا القدر من الفضۃ کان غنیاقد انعقد علیہ النصاب ومن ملك فی ذلك البلد قریبا من مائتی امثال تلك الفضۃ یکون فقیرًا لا یخاطب بالزکوٰۃ بل یحل لہ اخذ الزکوٰۃ فیؤل الی ان من ملك قدر ربیۃ یا مرہ الشرع بان یعطی من ربیتہ لمن یملك مائتی ربیۃ الاواحدۃمسدالخلتہ.فانہ لقلۃ مالہ فقیر وھذا غنی .ھذا مما لا یقبلہ العقل فافھم، واللہ تعالٰی اعلم اھ[1] ما کتبتہ۔	**اقول:** اس عبدِ ضعیف پر واضح ہوا ہے کہ یہی مختار ہے کیونکہ شریعتِ مطہرہ نے غنا کی حد بندی کرتے ہوئے ایسے نصاب کا اعتبار کیا ہے جو زکوٰۃ کے وجوب کا سبب ہو اور غنا مالیتِ نامیہ کی وجہ سے ہے نہ کہ تعداد کی وجہ سے، پس جو شخص ایسے سَو کا مالک ہوا جو دوسو درہم کے برابر ہے تو وہ موجب میں غنائے شرعی کے برابر ٹھہرا۔ بتایئے اگر کسی شہر میں ایک ایسا درہم رواج پائے جس کا وزن دوسو درہم کے برابر ہو، تو کیا اس پر زکوٰۃ صرف اس صورت میں واجب ہوگی جب وہ اس درہم جیسے دوسو درہم کا مالک بنے، تو حاصل یہ ہوگا کہ کوئی عرب دوسو درہم کے برابر چاندی کا مالک بن جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے کیونکہ وہ نصاب کا مالک ہو کر غنی ہوگیا، اور جو شخص اس بھاری درہم والے شہر میں اس چاندی کے دوسوگنا کے قریب کا مالک بنے وُہ فقیر رہے اور نصاب کا مالک نہ ہونے پر زکوٰۃ لے سکے، تو گویا عدد کے اعتبار سے بات یُوں ہُوئی کہ جو شخص ایک روپے کی مقدار کا مالک ہوا سے شریعت حکم دے رہی ہے کہ وُہ اپنے ایک روپے سے اس شخص کو زکوٰۃ دے جو ایک کم دوسو روپے کا مالک ہے تاکہ اس کی حاجت پُوری ہوسکے کیونکہ یہ قلّتِ مال کی وجہ سے فقیر ہے اور ایک روپے والا غنی ہے، اور یہ ایسی چیز ہے جسے عقل قبول نہیں کرتی، غور کیجئے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶/۲۷: ازاٹاوہ کچہری کلکٹری مرسلہ مولوی وصی علی صاحب ۴ربیع الاول شریف ۱۳۲۷ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی ھاتین المسألتین (اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے ان دو مسئلوں میں

[1] جد الممتار باب زکوٰۃ المال مطبع مبارکپور (بھارت) ۱۲۸/

آپ کا کیاارشاد ہے۔ت):

(۱) زید اس وقت ۸ تولے ۶ ماشے زیور طلائی اور ۷۹ ماشے زیور نقرئی کا مالک ہے۔

(۲) عمرو سَو تولے چھ ماشے زیور طلائی اور ۲۵۱ تولے ۳ ماشے زیور نقرئی کا مالک ہے، دونوں کو کس قدر زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے۔

المستفتی عبدالودود

بموجب ضوابط مندرجہ تحفہ حنفیہ میں نے اس کو یُوں نکالا ہے: (۱) ۸ تولے ۶ ماشے جس میں سے ۷-۱/۲ تولے نصاب سونے کے بعد خمس ڈیڑھ تولہ تک نہیں پہنچا لہٰذا دو ماشے ۲ رتی واجب الادا زکوٰۃ ہُوئی اور ایک تولہ عفو ہوا، ۷۹ تولے ۶ ماشے میں ایک نصاب چاندی ۵۲ تولے اور ۲ خمس ۲۱ تولے، کل ۷۳ تولے پر ایک تولہ ۱۰ ماشے ۵/۲ رتی واجب الادا اور ۶ تولے چاندی عفو ہوئی۔ اب دونوں عفو بلحاظ انفع للفقراء ایک تولہ سونے کی ۷۳ تولے ۶ ماشے چاندی اس طرح ہُوئی کہ ایک تولہ سونا بحساب نرخ حال برابر ہے روپے کے اور کی چاندی ۰۶-۔۔۔۔ چاندی میں ۶ تولے چاندی جو عفو تھی شامل کی گئی تو ۱۴ تولے ۶ ماشے ہُوئی جس میں ۶ ماشے کم چار خمس ہیں:

(۱) پُورے چار خمس کا ربع عشر ۱۲ ماشے ۴-۵/۴ سُرخ لیے جو ایک تولہ ۱۰ ماشے ۵/۴ واجب پر بڑھائے تو ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵-۱/۵ سرخ واجب الادا ہُوا۔

(ب) اگر تین نصاب خمس ۳۱-۱/۲ تولہ اضافہ کیا جائے تو ۹ ماشے ۳-۳/۵ اضافہ ہوا اور دس ۱۰ تولے پھر فاضل ہوگا اور ۲ تولے ۷ ماشے ۴ رتی واجب ہوگا، اگر یہ حساب صحیح ہے تو کون سا اختیار کیا جائے، الف یا ب؟

(۲) عمرو والے معاملہ اسی طریقہ سے ۱۶-۱/۲ تولہ سونے میں ۲ نصاب ۱۵ تولے اور ایک خمس ۱-۱/۲ تولہ ہے تو دو ۲ نصاب کے ۴ ماشے ۴ سُرخ اور خمس کا ۳-۳/۵، کل ۴ ماشے ۷-۳/۵ سرخ واجب الادا ہوتا ہے اور عفو کچھ نہیں، اور ۲۵۱ تولے ۳ ماشے چاندی میں ۴ نصاب ۲۱۰ تولے اور تین خمس ۳۱-۱/۲ تولے مجرا ہو کر ۹ تولے ۹ ماشے عفو رہتا ہے اور ۴ نصاب کے ۵ تولے ۳ ماشے اور تین خمس کا ربع عشر ۹ ماشے ۳-۳/۵ سرخ ہمگیں ۶ تولے ۳-۳/۵ سرخ واجب الادا ہوتا ہے اب ایک جانب عفو نہیں اور دوسری جانب ہے اس صورت میں ۹ تولے ۹ ماشے عفو کو چھوڑ دیا جائے یا اس کو سونا کیا جائے، اگر سونا کیا جائے تو اس کے خمس کا ربع عشر لے کر ۴ ماشے ۷-۳/۵ سرخ اضافہ کیا جائے یا کیا؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

زکوٰۃ عمرو کا حساب صحیح ہے مگر ۹ تولے ۹ ماشے چاندی جبکہ سونا کرنے سے ۱-۱/۲ تولہ سونے کی قدر نہ ہو تو اُسے

نصاب ذہب میں ملانے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ صورتِ مذکورہ میں وُہ مطلقاً عفور ہے گی، ہاں اگر اپنی صنعت کی وجہ سے اُس مقدار تک پہنچ جائے یا بڑھ جائے تو جتنے خمس نصابِ ذہب اس میں پیدا ہوں گے اُن کا ربع عشر زکوٰۃِ ذہب پر زیادہ کرلیا جائے گا باقی جو خمس کامل سے کم رہا چھوڑا دیا جائے گا، حسابِ زکوٰۃِ زید میں تین سہو واقع ہوئے:

(۱) تولہ بھر سونا کہ اپنی نوع میں عفو تھا جبکہ نرخ حال سے پچیس روپے کا ہے تواُسے پچیس ہی روپیہ بھر چاندی قرار دیں گے جس کی تیئیس ۲۳ تولے پانچ ماشے دو ۲ رتی چاندی ہوئی کہ روپیہ سواگیارہ ماشے کا ہے نہ یہ کہ تولہ بھر سونے کی قیمت روپیہ لے کر پھر ان روپے کی چاندی خریدیں اور ۳۷ تولے چاندی قرار دیں سکّہ ہی سے لگائی جاتی ہے نہ کہ پتّھر یا اینٹ سے۔ فتح القدیر میں ہے:

التقویم فی حق اللّٰہ تعالٰی یعتبر بالتقویم فی حق العباد متی قومنا المغضوب اوالمستھلك نقوم بالنقد الغالب کذا ھذا۔[1]	اللہ تعالٰی کے حق میں قیمت لگانے کا اعتبار اسی طرح ہوگا جو بندوں کے حق میں مفید ہو جب ہم کسی مغضوب یاہلاک شدہ چیز کی قیمت لگائیں گے نقد غالب سے لگائیں گے، اسی طرح یہ ہے۔(ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یقوم بالمضروبۃ کذا فی التبیین۔[2]	مضروبہ سے قیمت لگائی جائے گی، جیسا کہ تبیین میں ہے۔(ت)

پس مقدار مذکور ۶ تولے عفو سیم میں ملانے سے ۲۹ تولے ۵ ماشے ۲ رتی چاندی ہوئی جس میں صرف ۲ خمس ہیں جن پر ۶ ماشے ۲-۵/۲ سرخ اور واجب ہو کر کل واجب ذمہ زید سونا ۲ ماشے ۲ سرخ، چاندی ۲ تولے ۴ ماشے ۲-۵/۴ سرخ۔

(۲) ۲۵ روپوں کے پھر ۳۷ تولے چاندی اگر کی جائے تو ۶ تولے عفو سے مل کر ۴۳ تولے ہوتی نہ کہ ۴۱، یہ لغزش قلم تھی۔

(۳) اگر بالفرض ۳۷ تولے اور ملاتے اور حاصل جمع ۴۱ ہی تولے ہوتا حساب ب متعین تھا الف کی طرف کوئی راہ نہ تھی جو خمس سے چاول بھر بھی کم ہے وہ خمس کامل ہر گز نہ مانا جائے گا، یہ ہمیشہ یاد رکھا جائے اور فائدہ اولٰے خوب سمجھ لیا جائے کہ فقیر کا ضابطہ جو تحفہ حنفیّہ میں چھپا اس میں اس کی صاف تصریح کی گئی تھی اس کا جاننا اس کے

[1] فتح القدیر فصل فی العروض مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱۶۸/۲

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی العروض نورانی کتب خانہ پشاور ۱۷۹/۱

ضوابط کے اجراء پر معین ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱/۲۸ : از شہر ملوک پور مرسلہ جناب سید محمد علی صاحب نائب ناظر فرید پور ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں :

(۱) زکوۃ زیور طلائی و نقرئی پر کس حساب سے دی جائے، آیا قیمتِ خرید پر یا جو قیمت اس کی خرید کرنے سے ملتی ہے؟

(۲) زرِ نقد پر زکوۃ ۸ سیکڑہ ہے یا اس سے کم و بیش؟

(۳) زکوۃ کن کن اشیاء پر واجب ہے؟ (۴) صدقہ فطر و زکوۃ والدین کی جانب سے اولاد اور اولاد کی جانب سے والدین جبکہ خور دونوش یک جا ہو دے سکتے ہیں؟

الجواب :

(۱) سال تمام پر بازار کے بھاؤ سے جو قیمت ہو اس کا لحاظ ہوگا، اگر مختلف جنس سے زکوۃ دینا چاہیں مثلاً سونے کی زکوۃ میں چاندی، ورنہ سونے چاندی کی خود اپنی جنس سے زکوۃ دیں تو وزن کا اعتبار ہے قیمت کا کچھ لحاظ نہیں۔

(۲) صاحبین کا یہی مذہب ہے اور اس میں فقیر کا نفع زیادہ ہے اور دینے والے کو بھی حساب کی آسانی ہے۔

(۳) سونا چاندی اور مالِ تجارت اور چرائی پر چھوٹے ہوئے جانور۔

(۴) خورد و نوش یکجا ہو یا ان میں دوسرے کی طرف سے کوئی فرض وواجب مالی ادا کرنے کے لیے اس کی اجازت کی حاجت ہے، اگر بالغ اولاد کی طرف سے صدقہ فطر یا اس کی زکوۃ ماں باپ نے اپنے مال سے ادا کردی یا ماں باپ کی طرف سے اولاد نے اور اصل جس پر حکم ہے اس کی اجازت نہ ہُوئی تو ادا نہ ہوگی **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۳۲ : ایک شخص کے پاس گیارہ تولے سونا اور دوسیر چاندی ہے تو اس کو کس قدر زکوۃ دینا چاہئے، یعنی ان دونوں کی مقدار تحریر فرمایئے کہ اس قدر سونے کی زکوۃ کے روپے ہوئے اور اس قدر چاندی کی زکوۃ کے۔ **بینوا توجروا**

الجواب :

ایک بات لکھئے، چاندی کا ٹھیک وزن کتنا ہے صاحبین علیہما الرضوان کے مذہب پر تو حساب سب اتنا ہے تین ماشے دو رتی ۳-۱/۵ چاول بھر سونا اور پانچ روپے بھر چاندی دے۔ اگر امام اعظم علیہم الرضوان کے مذہب

پر چاہیں جس دن سال تمام ہوا اُس دن وُہ سونا اور چاندی جو اس کے پاس ہیں بازار کے بھاؤ میں کس نرخ کے تھے اس کے معلوم ہونے پر حساب موقوف ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۳: مسئولہ سید ایّوب علی صاحب ساکن بریلی محلّہ بہاری پور کا سگر

زید بشوقِ زیارت حرمین طیبین کچھ پس انداز کرتا جاتا ہے، اس طرح پر اب وہ صاحب نصاب عرصہ ڈیڑھ سال سے ہو گیا تو اس کو صدقہ فطر و زکوۃ قربانی عید الاضحٰی کرنا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس پر زکوۃ فرض ہے اور صدقہ قربانی واجب۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۴: از خواجہ قطب ۲۷ ذی القعدۃ الحرام ۱۳۲۱ھ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس انیس اشرفیاں جے پوری وزنی ۱۷ تولہ ۵ ماشہ اور چار اشرفیاں انگریزی وزنی ۳ تولہ ۹ ماشہ جملہ ۲۳ اشرفیاں وزنی ۲۱ تولہ ۲ ماشے ہیں اور پچیس سال سے اُس نے زکوۃ نہ دی اور ان کے سوا کوئی مالِ زکوۃ نہ اس کے پاس تھا، نہ ہے، تو اس صورت میں اس پر کس قدر زکوۃ واجب ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

۹ تولے ۷ ماشے ایک رتی چاول سونا اور ایک چاول کے چار خمس ۵/۴، تفصیل یہ ہے کہ نصاب ذہب ۷ تولے ض ۶ ماشے ہے، واجب ۲ ماشے ۲ سرخ، اور خمس نصاب ایک تولہ ۶ ماشے واجب ۳-۵/۳ سرخ خمس نصاب سے زائد بچے معاف ہے، ہر سال گزشتہ کی زکوۃ سال آئندہ دین ہو کر اس قدر مال کم ہوتا جائیگا یہاں تک کہ اگر دیون زکوۃ جمع ہوتے ہوتے باقی مال نصاب سے کم رہ جائے تو اب کچھ تازہ واجب نہ ہوگا واجب مجموع سنین گزشتہ معلوم کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ جو کچھ سال اخیر میں بعد منہائے دیون زکوۃ باقی ہے اسے اصل مال اول سے تفریق کرکے باقی میں اس اخیر کا واجب جوڑ دیں حاصل جمع برسوں کا مجموعہ واجبات ہوگا۔ طریقہ استخراج اس جدول سے واضح ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(جدول اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

سال	باقی تولہ	باقی ماشہ	باقی سرخ	باقی خمس سرخ	[illegible]	واجب ماشہ	واجب سرخ	[illegible]	واجب ماشہ	واجب سرخ	واجب خمس	کل واجب سال ماشہ	کل واجب سال سرخ	کل واجب سال خمس
١	٢١	٢	٠	٠	٢	٤	٤	٤	١	٦	٢	٦	٢	٢
٢	٢٠	٧	٥	٣	″	″	″	٣	١	٢	٤	٥	٦	٤
٣	٢٠	١	٦	٤	″	″	″	″	″	″	″	٥	٦	٤
٤	١٩	٨	٠	٠	″	″	″	″	″	″	″	٥	٦	٤
٥	١٩	٢	١	١	″	″	″	٢	٠	٧	١	٥	٣	١
٦	١٨	٨	٦	٠	″	″	″	″	″	″	″	٥	٣	١
٧	١٨	٣	٢	٤	″	″	″	″	″	″	″	٥	٣	١
٨	١٧	٩	٧	٣	″	″	″	١	″	٣	٢	٤	٧	٣
٩	١٧	٥	[illegible]	٠	″	″	″	″	″	″	″	٤	٧	٣
١٠	١٧	٠	٠	٢	″	″	″	″	″	″	″	٤	٧	٣
١١	١٦	٧	٠	٤	″	″	″	٠	″	٠	٠	٤	٤	٣
١٢	١٦	٢	١	١	″	″	″	٠	″	٠	٠	٤	٤	٠
١٣	١٥	٩	٥	١	″	″	″	″	″	″	″	٤	٤	٠
١٤	١٥	٥	١	١	″	″	″	″	″	″	″	٤	٤	٠
١٥	١٥	٠	٥	١	″	″	″	٤	″	″	″	٤	٤	٠
١٦	١٤	٨	١	١	١	٢	٢	٤	١	٦	٢	٤	٠	٢
١٧	١٤	٤	٠	٤	″	″	″	″	″	″	″	٤	٠	٢
١٨	١٤	٠	٠	٢	″	″	″	″	″	″	″	٤	٠	٢
١٩	١٣	٨	٠	٠	″	″	″	″	″	″	″	٤	٠	٢
٢٠	١٣	٣	٧	٣	″	″	″	٣	″	٢	٤	٣	٤	٤
٢١	١٣	٠	٢	٤	″	″	″	″	″	″	″	٣	٤	٤
٢٢	١٢	٨	٦	٠	″	″	″	″	″	″	″	٣	٤	٤
٢٣	١٢	٥	١	١	″	″	″	″	″	″	″	٣	٤	٤
٢٤	١٢	١	٤	٢	″	″	″	″	″	″	″	٣	٤	٤
٢٥	١١	٩	٧	٣	″	″	″	″	٠	٧	١	٣	١	١٠

مسئلہ ۳۵: ۲۱ربیع الاوّل ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ متین وفضلائے شریعت اس مسئلہ میں کہ بینک یاڈاکخانہ میں جوروپیہ جمع کیاجاتاہے اس کی نسبت زکوٰۃ کاکیاحکم ہے؟

الجواب:

روپیہ کہیں جمع ہوکسی کے پاس امانت ہومطلقًااس پرزکوٰۃ واجب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۶ /۳۷: ۲ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

(۱) میں نے مبلغ سوروپیہ سیونگ بینک میں جمع کررکھاہے وُہ پوراسال بھرمیرے قبضہ میں نہیں رہا، اس پرزکوٰۃ

واجب ہے یا جب دو یا تین سال وغیرہ میں برآمد کرکے قبضہ لیا جائے اس وقت زکوۃ دی جائے اور جب قبضہ میں آئے تو ہر سال کی بابت زکوۃ دی جائے یا صرف اسی سال قبضہ والے کی بابت؟

(۲) میں نے مبلغ دو سو روپے کے پر امیسری نوٹ ڈاک خانے سے خرید کئے اب اگر مجھ کو روپے کی خواہ کسی قدر سخت ضرورت ہو تو فورًا وصول نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ کوئی خریدار غیر ان پر امیسری نوٹ کا پیدا نہ ہو تب تک وہ روپیہ مجھ کو وصول نہیں ہو سکتا خواہ دو روز میں پیدا ہو جائے یا سال بھر میں پیدا ہو تو اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) وہ جب تک بینک میں ہے اپنے قبضے میں سمجھا جائے گا اور ہر سال اُس پر زکوۃ واجب ہوگی خواہ سال بسال ادا کرتا رہے یا جب اس میں سے گیارہ روپے سوا تین آنے کی وصول ہو اُس میں سے چالیسواں حصہ دے اور جتنے برس رہا ہے سب برسوں کی زکوۃ واجب ہوگی، ہاں ہر سال اگلے برسوں کی زکوۃ کی قدر اس پر دین سمجھ کر اتنا زکوۃ سے جُدا رہے گا، مثلًا دو سو روپیہ جمع ہیں تو پہلے سال دو سو پر پانچ روپیہ تقریبًا واجب ہُوئے، دوسرے سال پانچ روپیہ سال گزشتہ کی زکوۃ کے اُس پر واجب ہیں لہٰذا اس سال ایک سو پچانوے پر زکوۃ واجب ہوگی تقریبًا چار روپے چودہ آنے۔ تیسرے سال اُس پر دو سال کی زکوۃ کے نو روپے چودہ آنے قرض ہیں یہ مستثنیٰ ہو کر ایک سو نوّے روپے دو آنے پر زکوۃ واجب ہوگی وعلی ھذاالقیاس، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) پر امیسری نوٹوں کا یہ قاعدہ ہے کہ روپیہ گورنمنٹ کو دے دیا جاتا ہے جس پر وُہ یہ نوٹ دیتی ہے اب یہ روپیہ کبھی واپس نہ ملے گا نہ خود اصل مالک لے سکتا ہے نہ اس کا وارث نہ اس کا کوئی قائم مقام، ہاں گورنمنٹ اس روپے چھ آنے فیصدی ماہوار کے حساب سے ہمشہ سود دے گی تو یہ نوٹ نوٹوں کی طرح خود مال نہیں بلکہ سند قرض ہیں لہٰذا اس پر گورنمنٹ سود دیتی ہے اور عام نوٹ خزانے سے خریدے جائیں تو ایک پیسہ سُود نہ دے گی کہ وہ بیع تھی معاوضہ تمام ہو گیا ہے اور یہاں قرض ہے اور عام نوٹ خزانے سے خریدے جائیں تو ایک پیسہ قرض رہا اور وہ قرض کسی طرح واپس نہیں مل سکتا تو قرض مردہ ہوا اور قرض مُردہ پر زکوۃ نہیں، نہ ان نوٹوں کا بیچنا جائز کہ وہ حقیقۃً غیر مدیون کے ہاتھ دین کی بیع ہے اور وُہ جائز نہیں تو ان کو بیچ کر جو روپیہ لے گا اس کے لیے خبیث ہوگا اور اس پر فرض ہوگا کہ جس سے لیا تھا اسے واپس دے اور اس بیع فاسد کو فسخ کرے تو زکوۃ ان نوٹوں پر ہے کہ یہ مال نہیں، نہ اس روپیہ پر جو انھیں بیچ کر ملے گا یہ تمام وکمال خبیث ہے، نہ اس روپیہ پر جو گورنمنٹ کو قرض دے کر یہ نوٹ لیے تھے کہ وہ قرض مردہ ہے جو کبھی واپس نہ ملے گا۔ درمختار میں ہے:

الاصل فیه حدیث علی، لازکوٰۃ فی مال	اس میں اصل علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ہے

الضمار وھو مالا یمکن الانتفاع بہ مع بقاء الملک۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	کہ مالِ ضمار پر زکوٰۃ نہیں، مالِ ضمار وہ کہ ملکیت ہونے کے باوجود اس سے انتفاع ممکن نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۸: از مقام درو ضلع نینی تال، مسئولہ عبداللہ دکاندار صاحب ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے پاس ساٹھ روپے نقد ہیں اور پچاس روپے کا اس کی عورت پر زیور ہر وقت پہننے کا اور پچاس روپے کی دکانداری کرتا ہے کل یہی اسباب ہے اور اس میں پچانوے روپے مہر عورت کا قرض ہے اور جو دُکان کرتا ہے وہ ایسا سمجھنا چاہئے کہ جیسے کاشتکار کے ہل جوتنے کے بیل اور گھوڑا پچیس ۲۵ روپے کی قیمت کا ہے دکانداری کا سوت لادنے کے واسطے، اس حالت میں اوّل مال پر زکوٰۃ ہونی چاہئے یا نہیں؟ جیسا کہ شرع شریف کا حکم ہو عمل کیا جائے، اور سال بھر کے کھانے کا اناج بھی اس کے گھر میں نہیں ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

آج کل عورتوں کا مہر عام طور پر مہر مؤخّر ہوتا ہے جس کا مطالبہ بعد موت یا طلاق ہوگا مرد کو اپنے تمام مصارف میں کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ مجھ پر یہ دین ہے ایسا مہر مانع وجوبِ زکوٰۃ نہیں ہوتا، سال تمام پر اس کے پاس اگر یہ ساٹھ روپے بچے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، زکوٰۃ کا نصاب ۵۶ روپے (۵۲-۱/۲ تولہ چاندی) ہے، اور وہ زیور اگر شوہر کی ملک ہے تو وہ بھی شامل کیا جائے گا ایک سو دس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر وہ مالِ تجارت بھی بچا تو وُہ بھی شامل ہوگا ایک سو ساٹھ پر ہوگی، غرض ان تینوں مالوں میں سے سال تمام پر اگر ۵۶ روپے کی قدر ہوگا تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں، اور اگر زیور عورت کی ملک ہے تو اس کی زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی جبکہ وُہ خود یا اس کی ملک کا اور سونا چاندی ملا کر ساڑھے باون تولے چاندی ہو ورنہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۹: از نینی تال کاشی پور مسئولہ ڈاکٹر اشتیاق علی، ۱۸ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

متعلق زکوٰۃ پار سال میرے پاس ایک سو پچاس روپے رمضان میں جمع تھے اور زکوٰۃ میں نے ایک سو پچاس روپے پر دی تھی، دو ماہ بعد ۲۰۰ ہوگئے اور ۶ ماہ بعد ۲۵۰ ہوگئے اور اب رمضان میں پورے تین سو ہوگئے، اور میں ہر سال رمضان میں زکوٰۃ نکالا کرتا ہُوں تو اب مجھ کو تین سو روپے پر دینا ہوگی یا صرف ۱۵۰ پر کیونکہ ۱۵۰ کے بعد جو روپے بڑھے ہیں ان کو پُورا ایک سال نہیں گزرا ہے۔

الجواب:

نصاب جبکہ باقی ہو تو سال کے اندر اندر جس قدر مال بڑھے اسی پہلے نصاب کے سال تمام پر اس کُل کی

---

[1] درمختار، کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۲۹

زکوٰۃ فرض ہوگی، مثلاً یکم رمضان کو سال تمام ہوگا اور اس کے پاس صرف سو روپے تھے تیس شعبان کو دس ہزار اور آئے کہ سال تمام سے چند گھنٹے بعد جب یکم رمضان آئے گی اس پورے دس ہزار ایک سو پر زکوٰۃ فرض ہوگی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۰: از شہر بریلی محلّہ جسولی مسئولہ حافظ علی شاہ صاحب ۴ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے تین لڑکیوں کی شادی کے واسطے روپیہ علیحدہ کردیا ہے جس میں سے دو ۲لڑکیاں نابالغ ہیں اور ایک قابل ہے شادی کے، اب اس روپیہ کی زید پر زکوٰۃ دینا واجب ہے یانہیں؟

الجواب:

ضرور واجب ہے مگر اُس حالت میں ہر نابالغہ کا حصّہ جُدا کرکے یہ کہہ دے کہ میں نے اسے اُس کا مالک کیا، اس کی زکوٰۃ ان کے بلوغ تک کسی پر واجب نہ ہوگی، بعد بلوغ اگر شرائطِ زکوٰۃ پائے گئے تو ان لڑکیوں پر واجب ہوگی اور بالغہ کا حصّہ جُدا کرکے اُسے مالک کردے اور اس کے قبضے میں دے دے اگرچہ پھر اس سے لے کر اپنے پاس رکھ لے، اس حصّہ کی زکوٰۃ حسبِ شرائط اُس بالغہ پر ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۱ تا ۴۳: از شہر بریلی مرسلہ شوکت علی فاروقی ۴ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) کیانوٹ اور روپیہ کا ایک ہی حکم ہے، نوٹ تو چاندی سونے سے علیحدہ کاغذ ہے۔

(۲) فی صدی زکوٰۃ کا کیا دینا ہوتا ہے۔

(۳) جس روپیہ سے زکوٰۃ پہلے سال میں دے دی اور باقی روپیہ بدستور دوسرے سال تک رکھا رہا اب دوسرے سال آنے پر کیا پھر اُسی روپیہ میں سے جس میں پہلے سال زکوٰۃ دے چکا ہے زکوٰۃ دینا ہوگی **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) نوٹ اور روپیہ کا حکم ایک نہیں ہوسکتا، روپیہ چاندی ہے کہ پیدائشی ثمن ہے اور نوٹ کاغذ کہ اصطلاحی ثمن ہے تو جب تک چلے اس کا حکم پیسوں کے مثل ہے کہ وُہ بھی اصطلاحی ثمن ہے۔

(۲) زکوٰۃ ہر نصاب وخمس پر چالیسواں حصّہ ہے اور مذہب صاحبین پر نہایت آسان حساب اور فقراء کے لیے نافع ہے کہ فیصدی ڈھائی روپے۔

(۳) دس برس رکھا، ہر سال زکوٰۃ واجب ہوگی جب تک نصاب سے کم نہ رہ جائے، یہ اس لیے کہ جب پہلے سال کی زکوٰۃ نہ دی دوسرے سال اس قدر کا مدیون ہے تو اتنا کم کرکے باقی پر زکوٰۃ ہوگی، تیسرے

سال اگلے دونوں برسوں کی زکوٰۃ اس پر دین ہے تو مجموع کم کرکے باقی پر ہوگی، یُوں اگلے سب برسوں کی زکوٰۃ منہا کرکے جو بچے اگر خود یا اس کے اور مال زکوٰۃ سے مل کر نصاب ہے تو زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۴۴: مسئولہ شمس الدین احمد از فرخ آباد ۱۲ شوال ۱۳۳۴ھ

وُہ زیور جو کسی نے اپنے بچّوں یعنی لڑکیوں کو بنوادیا اور ان کی مِلک میں کردیا اور وُہ بچّے ابھی نابالغ ہیں زکوٰۃ دینے کے لائق ہی نہیں یعنی اپنی بی بی کے زیور اور نقد دیتے وقت بچّوں کا زیور حساب میں شامل کرے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جو زیور بچّوں کو ہبہ کردیا اس کی زکوٰۃ نہ اس پر نہ بچّوں پر، اُس پر اس لیے نہیں کہ یہ ملک نہیں، اُن پر اس لیے نہیں کہ وُہ بالغ نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۴۵ تا ۴۷: ۲۲ شوال ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) جو لڑکیاں نا کتخدا ہیں اور نابالغ، ان کے زیور کی بھی زکوٰۃ ہونے چاہئے یا نہیں؟

(۲) میں نے لڑکی کی شادی کی ضرورت سے اپنا زیور رہن کیا، شوہر اس وقت میں بیکار تھے، باقی زیور جو میرے پاس تھا اس کی زکوٰۃ تو میں ادا کرتی رہی، جو رہن تھا اس کی زکوٰۃ نہ دی، سات آٹھ برس رہن رہا، اب میں نے چھڑایا تو اس سات آٹھ برس کی زکوٰۃ چاہئے یا نہیں؟

(۳) شوہر نے جس وقت قرض لیا تھا تو زیور میرا بطور رہن کے رکھ دیا تھا میری والدہ کے پاس، تو اور تھوڑا زیور جو اُس وقت میں بھی رہن نہ رکھا تھا جب سے اب تک میرے پاس ہے اور زکوٰۃ جب سے نہیں دی گئی قرضے کا خیال کرکے۔

الجواب:

(۱) نابالغ لڑکیوں کا جو زیور بنایا گیا اگر ابھی انھیں مالک نہ کیا گیا بلکہ اپنی ہی مِلک پر رکھا اور ان کے پہننے کے صرف میں آتا ہے اگرچہ نیت یہ ہو کہ بیاہ ہُوئے پر ان کے جہیز میں دے دیں گے، جب تو وُہ زیور ماں باپ جس نے بنایا ہے اُسی کی مِلک ہے، اگر تنہا یا اُس کے اور مال سے مل کر قدرِ نصاب اُسی مالک پر اس کی زکوٰۃ ہے اور اگر نابالغ لڑکیوں کی مِلک کردیا گیا تو اس کی زکوٰۃ کسی پر نہیں، ماں باپ پر تو یُوں نہیں کہ اُن کی مِلک نہیں، اور لڑکیوں پر یُوں نہیں کہ وہ نابالغہ ہیں، جب جوان ہوں گی اُس وقت سے ان پر احکام زکوٰۃ

وغیرہ کے جاری ہوں گے۔

(۲) ان برسوں کی زکوٰۃ واجب نہیں کہ جو مال رہن رکھا ہے اس پر اپنا قبضہ نہیں، نہ اپنے نائب کا قبضہ ہے، بحر الرائق میں ہے:

اطلق الملك فانصرف الى الكامل وھوالمملوك رقبة ویدافلا یجب علی المشتری فیما اشتراہ للتجارۃ قبل القبض کذافی غایۃ البیان ولایلزم علیه ابن السبیل لان ید نائب کیدہ کذافی معراج الدرایة ومن موانع الوجوب الرھن اذا کان فی ید المرتھن لعدم ملك الید بخلاف العشر حیث یجب فیه کذا فی العنایة اھ[1] مختصرًا۔	مِلک کا ذکر مطلق کیا ہے لہٰذا اس سے ملکیتِ کاملہ مراد ہوگی اور وہ رقبۃً اور یدًا دونوں طرح مملوک ہونا ہے لہٰذا مشتری پر قبض سے پہلے اس شئ پر زکوٰۃ نہ ہوگی جو اس نے بطورِ تجارت خریدی، غایۃ البیان میں اسی طرح ہے۔ اس پر مسافر کے ساتھ اعتراض لازم نہیں آتا کیونکہ اس کے نائب کا قبضہ اسکے اپنے قبضے کی طرح ہے، معراج الدرایہ میں ایسے ہی ہے۔ اور موانع وجوب میں رہن بھی ہے جبکہ وہ مرتہن کے قبضہ میں ہو کیونکہ اس صورت میں ملکیت نہیں۔ بخلاف عشر کے، وہاں واجب ہے، العنایہ اھ مختصرًا (ت)

درمختار میں ہے: ولافی مرھون بعد قبضه[2] (قبضہ کے بعد مرہونہ شئ میں زکوٰۃ نہیں۔ ت) طحطاوی میں ہے:

ای علی المرتھن لعدم الملك ولاعلی الراھن لعدم الید واذااستردہ الراھن لایزکی من السنین الماضیة وھو معنی قول الشارح بعد قبضه ویبدل علیه قول البحر ومن موانع الوجوب الرھن اھ حلبی وظاہرہ ولو کان الرھن ازید من الدین اھ[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	یعنی مرتہن پر زکوٰۃ اس لیے نہیں کہ وہاں ملکیت نہیں، نہ ہی راہن پر ہے کیونکہ اس کا قبضہ نہیں جب راہن اس شئ کو واپس لے گا تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں دے گا، شارح کے قول "قبضہ کے بعد" کا یہی معنٰی ہے اور اس پر بحر کی یہ عبارت دال ہے، موانع وجوب میں سے رہن ہے اھ حلبی، اس کا ظاہر بتارہا ہے کہ اگرچہ رہن قرض سے زائد ہو اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

1 بحر الرائق کتاب الزکوٰۃ ایچ ایم سعید کراچی ۲/ ۲۰۳

2 درمختار کتاب الزکوٰۃ، مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹

3 حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الزکوٰۃ دارالمعرفۃ بیروت ۹۲-۳۹۱

(۳) اظہار سائلہ سے واضح ہُوا کہ یہ زیور بغرضِ رہن اس نے خود اپنے شوہر کو دیا اس نے اس کی اجازت سے رہن کیا تھا تو یہ رہن بھی رہن بالحق تھا، تو ظاہر یہاں بھی یہی ہے کہ اُس مدّت کی زکوٰۃ واجب نہ ہو،

لعدم الملك الكامل فانه ليس مملوكا يدا لان قبض الرهن قبض استيفاء، كما في الهداية۔[1]	ملکیت کاملہ نہ ہونے کی بنا پر کیونکہ وہ قبضہ کے لحاظ سے مملوک نہیں ہے کیونکہ رہن کا قبضہ وصولی کا قبضہ ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ (ت)

اور بعد تعلق حق مذکور کے کچھ یہ ضرور نہیں کہ وُہ دین خود اسی پر ہُو لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے اُس کے دَین کی ضمانت کرلے تو بمقدار دَین اس کا مال مشغول سمجھا جائیگا کہ دائن کو حقِ استیفاء اس سے حاصل ہے اگرچہ دَین اصالتًا اس پر نہیں۔ درمختار میں ہے:

فارغ عن دين مطالب من جهة العباد سواء كان لله تعالٰى كزكوٰة وخراج اوللعبد ولو كفالة۔ الخ[2]	ایسے دَین سے فارغ ہو جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو خواہ اللہ تعالٰی کے لیے ہو مثلًا زکوٰۃ، خراج یا بندے کا حق ہو اگرچہ بطور کفالت ہو۔ الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی المحيط لو استقرض الفا فكفل عنه عشرة ولكلٍ الف فی بيته وحال الحول فلا زكوٰة علی واحد منهم لشغله بدين الكفالة لان له ان ياخذ من ايهم شاء بحر الخ۔[3]	محیط میں ہے اگر کسی نے ہزار روپیہ قرض لیا اور اس کی طرف سے دس آدمی کفیل بنے اور ہر ایک کے پاس ایک ایک ہزار روپیہ ہے جس پر سال گزرا تو ان میں سے کسی پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ وہ قرض کفالت میں مشغول ہے کیونکہ قرضخواہ ان میں سے کسی سے بھی قرض لے سکتا ہے، بحر الخ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لو كانت العارية عبدا فاعتقه المعير جاز لقيام ملك الرقبة ثم المرتهن بالخيار ان شاء رجع بالدين	اگر عاریۃً غلام تھا اسے معیر نے آزاد کردیا تو جائز ہے کیونکہ وہ اس کی گردن کا مالک ہے پھر مرتہن کا اختیار ہے اگر وہ چاہے تو راہن سے دین وصول کرے کیونکہ اس نے

---
[1] الہدایہ کتاب الرھن مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۱۷
[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹
[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۶

على الراهن لانه لم يستوفه و ان شاء ضمن المعير قيمته لان الحق قد تعلق برقبته وقد اتلفه بالاعتاق الخ[1]	بدل حاصل نہ کیا اگر وُہ چاہے تو معیر سے اس کی قیمت وصول کرسکتا ہے کیونکہ حق کا تعلق گردن سے اس کی رضامندی سے ہے جو اس نے آزاد کرکے ضائع کیا ہے الخ (ت)

ہاں جو زیور رہن نہ تھا اور جب سے پاس ہے اگر وُہ خود دیا اور مالِ زکوٰۃ سے مل کر نصاب تھا تو جب تک نصاب پُورا رہا اُس مدّت کی زکوٰۃ واجب ہے اور قرضے کا خیال باطل خیال ہے کہ قرض شوہر پر تھا اور زیور عورت کا زکوٰۃ عورت پر ہے نہ کہ شوہر پر، البتّہ یہ زکوٰۃ جو چڑھتی گئی ہر سال اس کا حساب لگانے سے جس سال اُسے مجرا کرکے مال بقدرے نصاب نہ رہے اس سال کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، مثلاً زیور وغیرہ اموال زکوٰۃ ملا کر پہلے سال دو سو دس ۲۱۰ درہم کا ملا تھا اُس سال پانچ درہم زکوٰۃ کے واجب ہوئے، دوسرے سال یہ پانچ درم کا کہ زکوٰۃ کا قرضہ کے مجرا کرکے گویا دو سو ۲۰۰ کا مال تھا اب بھی پانچ واجب ہوئے، چوتھے سال پندرہ مجرا کرکے پانچ کم دو سو کا ملا رہا، یہ نصاب نہیں اب زکوٰۃ نہیں، وہی پندرہ ہی واجب الاداء رہے، مگر یہ کہ ختم سال پر اور کہیں سے پانچ درہم مل گئے ہوں کہ دو سو درہم پُورے ہو کر پھر پانچ درہم لازم آئیں گے اور بیس واجب ہو جائیں گے، یہی حساب ہر سال میں خیال کرلینا لازم ہے، دو سو درہم شریعت میں چھپن روپے کے ہوتے ہیں اور پانچ درہم کا ایک روپیہ سوا چھ آنے ایک دھیلا اور پیسے کا دسواں حصّہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۸: از فرید پور شرقی مرسلہ منشی محمد علی صاحب نائب ناظر تحصیل فرید پور ۵ رجب ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ زید کے پاس چار سو روپیہ علاوہ خرچ روز مرہ کے اس تفصیل سے ہیں کہ دو سو روپیہ بابت خرید مکان مسکونہ کے مالک مکان کو دے چکا ہے اور دو سو روپے نقد رکھے ہیں، اب زید کو زکوٰۃ ادا کرنا چار سو روپے پر چاہیے یا دو سو پر، جو اس کے پاس نقد رکھے ہیں، کب اور کس حساب سے اُس کو ادا کرنا چاہیے، مثلاً اگر اسی مہینہ جمادی الثانی سے اُس کے پاس دو سو روپے نقد جمع ہوگئے، تو اب زید کو کس مہینہ میں اور کس قدر ادا کرنا چاہئے، اور در صورت نہ ادا کرنے کے کیا مواخذہ اس کے ذمّے ہوگا، امید کہ للہ تعالٰی جواب بالتفصیل مرحمت فرمایا جائے تاکہ عام فہم ہو کر سب کو فائدہ دارین عطا فرمائے۔

---

[1] الہدایۃ باب التصرف فی الرہن مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۴۵

الجواب:

بیان سائل سے واضح ہُوا کہ ہنوز اُس مکان کی بیع نہیں ہُوئی، وعدہ خرید وفروخت درمیان آیا ہے، اور اِسی بناء پر زید نے مالک مکان کو دوسو روپے پیشگی دے دئے اور اُسے اجازت دی کہ خرچ کرلے، یہ صورت قرض کی ہُوئی ثمن کہہ نہیں سکتے کہ ابھی بیع ہی نہیں ہوئی امانت نہیں کہہ سکتے کہ خرچ کی اجازت دی لاجرم قرض ہے

فی لسان الحکام والعقود الدریۃ وغیرھما دفع الیہ دراھم فقال لہ انفقھا ففعل فھو قرض کما لوقال اصرفھا الی حوائجک۔[1]	لسان الحکام اور عقود الدریہ وغیرہ میں ہے کہ کسی کو دراہم دیئے گئے اور کہا گیا کہ انھیں خرچ کر، اس نے خرچ کردئے تو یہ قرض ہے جیسا کہ اگر کسی نے یہ کہا ہو کہ انھیں اپنی ضروریات پر خرچ کرلے۔(ت)

تو دوسو کہ اس کے پاس رکھے ہیں اور دوسو جو مالک مکان کو دئے ہیں چاروں سو اسی کی ملک میں اور مالِ زکوٰۃ ہیں، زکوٰۃ کا نصاب ان روپوں سے چھپن روپے ہے، جس تاریخ چھپن ۵۶ روپے یا زائد کا مالک ہُوا اُسی تاریخ سے مالک نصاب سمجھا گیا، جب ہی سے سالِ زکوٰۃ کا حساب ہوگا، سال کے اندر جو مال اور ملتا گیا اُسی کے ساتھ ملتا رہے گا، تمام پر دیکھیں گے سب خرچوں سے بچ کر حوائجِ اصلیہ سے فاضل کتنا روپیہ اس کی مِلک میں ہے خواہ اس کے اپنے پاس رکھا ہو یا کسی کے پاس امانت ہو یا کسی کو قرض دے دیا ہو اُس قدر پر زکوٰۃ واجب آئے گی، اور جو سال تمام ہونے سے پہلے صَرف ہوگیا ہو وُہ حسابِ زکوٰۃ میں محسوب نہ ہوگا مثلاً یکم محرم ۱۵ھ کو چھپن روپے کا مالک ہُوا تھا، ربیع الاوّل میں سَو اور ملے، جمادی الآخر میں دوسو اور ملے، یہ دوسو مالک مکان کو قرض دے دے تو اُس پر اُسی یکم محرم سے سال چل رہا ہے اور ابھی کہ سال تمام نہ ہوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کس قدر پر زکوٰۃ واجب ہوگی اب اگر یکم محرم ۱۶ھ کے آنے سے پہلے مکان کی بیع واقع ہوگئی اور وُہ دوسو کے قرض دئے تھے سال تمام سے پہلے قیمتِ مکان میں محسوب ہوگئے تو یہ دوسو حسابِ زکوٰۃ سے خارج ہوگئے کہ ان پر سال نہ گزرا، اسی طرح اگر بیع نہ ٹھہری اور روپیہ واپس لے لیا اور سال تمام سے پہلے کُل یا بعض خرچ ہوگیا تو اُس سے بھی تعلق نہ رہا تمامی سال پر جو باقی رہے اُسے دیکھیں گے کہ ۵۶ روپیہ زائد ہے تو اُس پر ایک سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر سال تمام پر ۵۶ سے بھی کم رہے تو کچھ نہیں کہ اگرچہ ابتداء میں نصاب بلکہ نصاب سے زائد کا مالک تھا مگر سال نہ گزرنے پایا کہ نصاب سے کم ہوگیا تو وجوبِ زکوٰۃ کا محل نہ رہا اور اگر سال تمام تک یعنی جب سے یہ شخص مالک نصاب ہُوا سال پُورا ہونے تک نہ بیع ٹھہری نہ روپیہ واپس ہُوا

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الھبۃ حاجی عبدالغفار وپسران تاجرانِ کتب ارگ بازار قندھار ۹۱/۲

بلکہ مالک مکان پر قرض ہی رہاتواب اس پر کہ خود نصاب بلکہ چند نصاب ہیں اور اس کے سوااور جو نقد اُس وقت موجود ہو، غرض جس قدر روپیہ سونا یا چاندی حاجاتِ اصلیہ سے فاضل مِلک میں ہے خواہ شروع سال زکوٰۃ سے تھا خواہ بیچ میں ملا اُس سب پر زکوٰۃ واجب ہُوئی، جو نقد ہے اس پر تو واجب کے ساتھ وجوبِ ادا ابھی ہوگا فی الحال دی جائے، اور جو قرض ہے اس پر ہنوز وجوبِ ادا نہیں وصول پانے پر ہوگا خواہ روپیہ ہی وصول ہو، یُوں کہ بیع نہ ٹھہری اور روپیہ واپس ملے خواہ بیع ہو کر قیمت میں مجرا ہو جائے کہ یہ بھی وصول پالینا ہے، پھر ازانجا کہ قرض دین قوی ہے، اور صورتِ مسئولہ میں ابتدائے نصاب مالِ نقد سے ہے کہ اسی پر سالِ زکٰوۃ شروع ہُوا، اس سال تمام پر یا اُس کے بعد جو رقم قرض سے وصول ہوگی اُسے دیکھا جائے گا کہ خُمس نصاب یعنی کے پانچویں حصّے لہ ۳ ۲-۲/۵ پائی سے کم ہے یا نہیں، اگر کم ہے اور کوئی مالِ نقد نہ اس وقت موجود نہ سالِ رواں کے ختم پر آکر ایسا ملا جو اس رقم وصولی سے مل کر خمس نصاب ہو جاتا تو اس کی زکوٰۃ دینی اصلاً واجب نہ ہوگی، نہ سالِ گزشتہ کے لیے، نہ رواں کے لیے، اور اگر ایسا مال نقد پایا جائے تو اسے اُس کے ساتھ ملادیں گے، پھر اگر عین سال تمام کے وقت وصول ہُوا تو خود روزِ وصول، ورنہ سال تمام رواں پر جو باقی ہوگا اس پر یہ حکم لگائیں گے کہ ہر خمس نصاب پر اُس کا چالیسواں حصّہ واجب الادا، اور خمس سے کم پر کچھ نہیں، اور اگر رقم وصول مذکور خمس نصاب سے کم نہیں تو جس قدر برس اس پر، حالت دین میں گزرے ہوں اُن سب کی زکوٰۃ دینا آئے گی جب تک زکوٰۃ نکالتے نکالتے خمس نصاب سے کم نہ رہ جائے۔ پھر بہر حال جس قدر خمس سے کم رہے گا اُس کا وہی حکم ہے اور مال نقد ہو تو اس کے ساتھ ملا کر تمام رواں پر حکم دیکھا جائے گا، ورنہ کچھ نہیں، سب صورتوں کی مثال لیجئے، مثلاً ۲۵ ذی الحجہ ۱۴ھ کو تین سو درہم شرعی کامالک ہوااس وقت سے سالِ زکوٰۃ شروع ہو گیا، یہ سب روپے وسط سال میں کسی کو قرض دے دیئے خاص سال تمام کے دن اُن سے اُنتالیس درہم شرعی وصول ہُوئے اور آج کچھ نقد اس کی ملک نہیں تو ان لعہ درہم پر بھی کچھ دینا نہ آئے گا کہ یہ خمس نصاب یعنی چالیس درہم سے کم ہیں اور اگر سال تمام سے پہلے مثلاً ۲۴ ذی الحجہ ۱۵ھ کو یا شروع سال میں مالکیّت دن کے بارہ ۱۲ بجے ہوئی تھی اب ۲۵ ذی الحجہ ۱۵ھ کو بارہ بجے سے ایک لحظہ پہلے انتالیس لعہ درہم کہیں اور سے مل گئے اور اُسی وقت ایک درہم اس قرض میں سے وصول ہوا تو اسے اُن اُنتالیس لعہ درہم میں ملادیں گے، اب یہ چالیس درہم ہو گئے کہ خمس کامل ہے تو ایک درہم دینا واجب آیا اور اگر اسی صورت میں مثلاً قرض میں سے بھی انتالیس درہم وصول ہوئے کہ نقد موجود سے مل کر اٹھتر عہ درہم ہو گئے تو بھی ایک ہی درہم کہ ایک خمس کامل یعنی چالیس درہم کی زکوٰۃ ہے واجب الادا ہوگا، باقی اڑتیس درہم زائد کہ خمس سے کم ہیں سالِ تمام آئندہ کے انتظار میں رہیں گے، اور اگر سرے سے فرض کیجئے کہ شروع سال زکوٰۃ کو پانچ سال کامل گزر گئے اُس وقت تک کچھ نہ ملا اُس کے بعد چوالیس درہم

قرض سے وصول ہُوئے اور اُن کے سوا اور کچھ نقد نہیں تو اس رقم میں صرف ایک خمس نصاب ہے اُوپر کے چار درہم زیادہ ہیں، یہ خمس پانچ برس تک فرض تھا تو ہر سال کی بابت ایک درہم دینا واجب ہُوا پانچ درہم زکوۃ دے اور اگر اُسی صورت میں تینتالیس درہم وصول ہوئے تو چار درہم زکوۃ دینا واجب ہوگی جب بابت سالِ اول ایک درہم زکوۃ کا ان ۴۳ پر ڈالا تو سالِ دوم کے لیے ۴۲ رہے ان پر ایک درہم اس سال کا ڈالا، سوم کے لیے ۴۱ رہے، چہارم کے لیے ۴۰، تو یہ چار درہم واجب الادا ہوئے، پنجم کے لیے صرف ۳۹ ہی رہ گئے کہ خمس سے کم ہیں ان پر کچھ نہیں، اسی طرح اگر ۴۲ وصول ہوتے تو تین ہی درہم دینے آتے اور ۴۱ تو دو اور ۴۰ تو ایک ہی اور ۴۴ سے زیادہ پانچ ہی دینے ہوں گے جب تک پُورے اسی [۸۰] تک نہ پہنچیں اسی ۸۰ پر چھ [۶] لازم آئیں گے، پہلے سال دو خمس کے دو [۲] درہم، اب سالِ دوم اٹھتر ۷۸ رہ گئے کہ ایک ہی خمس کامل ہے، تو باقی چار سال میں ایک ہی ایک لازم آیا، یُوں ہی بیاسی [۸۲] وصول ہوں تو سات دے گا کہ دو سال تک دو خمس کامل رہے، چوراسی [۸۴] پر آٹھ، چھیاسی [۸۶] پر نو، اٹھاسی [۸۸] سے زیادہ سب پر دس [۱۰]، جب تک ایک سو بیس [۱۲۰] کامل نہ ہوں۔ پھر ایک سو بیس [۱۲۰] پر گیارہ وعلٰی ہذاالقیاس۔ یہ اس صورت میں ہے کہ کچھ نقد نہ ہو، ورنہ اس کے ساتھ ملا کر حساب لگائیں گے، مثلاً تینتالیس [۴۳] وصول ہونے پر چار درہم لازم آتے تھے، اگر نقد ایک درہم بھی موجود ہے تو پُورے پانچ آئیں گے کہ اُس کے ساتھ مل کر چوالیس [۴۴] ہوگئے اور چوالیس پر پانچ لازم تھے وقس علی ھذا۔ پھر بہر صورت جو فاضل بچا وہ سال تمام آئندہ کا انتظار کرے گا، یہ ہے جو کلماتِ علماء سے فہم فقیر میں آیا،

وارجو ان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی واللہ تعالٰی باحکامہ علیم۔	میں امید وار ہوں کہ یہ اِن شاء اللہ تعالٰی صواب ہے اور اللہ تعالٰی اپنے احکام کو خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

تنویر الابصار و در مختار و ردالمحتار میں ہے:

الدیون تجب زکوٰتھا اذا تم نصابا بنفسه اوبما عندہ یتم به النصاب وحال الحول ولو قبل قبضه فی القوی والمتوسط لکن لا فورًا بل عند قبض اربعین درھما من القوی کقرض فکلما قبض اربعین درھمًا یلزمه درھم عند قبض مائتین من متوسط، و	قرضوں پر زکوۃ لازم ہے جب خود نصاب ہوں یا اپنے پاس جو کچھ ہے اس سے مل کر نصاب بن جائیں اور اس پر سال گزر جائے اگرچہ قوی اور متوسط میں قبضہ سے قبل گزرے لیکن فی الفور نہیں بلکہ قوی میں چالیس درہم کے قبضہ پر جیسے قرض قوی ہے پس جب بھی چالیس دراہم پر قبضہ ہوگا ایک درہم لازم ہوگا، اور متوسط میں دوسو درہم کے قبضہ پر۔

فی البدائع قال الکرخی ھذااذا لم یکن لہ مال سوی الدین والا فما قبض منہ فھو بمنزلۃالمستفاد فیضم الی ما عندہ وکذلك فی المحیط اھ[1] ملتقطًا۔	بدائع میں ہے امام کرخی نے فرمایا: یہ تب ہے جب دین کے علاوہ اس کے پاس مال نہ ہو، اور اگر مال ہو تو جتنے حصّے پر قبضہ ہوگا وہ بمنزلہ منافع ہوگا اپنے پاس موجود مال سے اسے ضم کیا جائے گا، اور محیط میں بھی اسی طرح ہے اھ ملتقطًا (ت)

نیز ردالمحتار میں ہے:

ذکر فی المنتقی رجل لہ ثلثمائۃ درھم دین حال علیھا ثلثۃ احول فقبض مائتین فعند ابی حنیفۃ یزکی للسنۃ الاولٰی خمسۃ وللثانیۃ والثالثۃ اربعۃ اربعۃ عن مائۃ وستّین ولا شئی علیہ فی الفضل لانہ دون الاربعین۔[2]	منتقی میں ہے کہ ایک شخص کا تین سودرہم دَین ہے اور اس پر تین سال گزر گئے اُسے دوسودرہم وصول ہوئے تو امام ابو حنیفہ رحمۃاللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک پہلے سال کے پانچ اور دوسرے و تیسرے سال کے چار چار درہم ایک سوساٹھ دراہم پر ہونگے اور چالیس سے کم زائد پر کچھ نہیں۔ (ت)

اسی میں محیط سے ہے:

لو کان لہ الف علی معسر فاشتری منہ بھادینارا ثم وھبہ منہ فعلیہ زکوٰۃ الالف لانہ صارقابضا لھا بالدینار اھ۔[3]	اگر کسی تنگدست پر ہزار درہم قرض ہے تو اس سے ایک دینار خرید کر پھر اسے ہبہ کردیا تو اب زکوۃ ہزار ہی کی ہے کیونکہ وُہ دینار کی وجہ سے ہزار ہی کا قابض متصور ہوگا اھ (ت)

شرح نقایہ قہستانی میں ہے:

یضم الحادث ولوقبیل اٰخر الحول لانہ قبل وقت الوجوب اھ۔[4]	نئے مال کو شامل کیا جائیگا اگرچہ سال کے آخر سے تھوڑا سا پہلے ملا ہو کیونکہ یہ وقتِ وجوب سے پہلے ہے اھ (ت)

---

[1] ردالمحتار مع درمختار شرح تنویرالابصار باب زکوۃ المال مصطفی البابی مصر ۲ /۳۸تا۴۰
[2] ردالمحتار مع درمختار شرح تنویرالابصار باب زکوۃ المال مصطفی البابی مصر ۲ /۳۸
[3] ردالمحتار مع درمختار شرح تنویرالابصار باب زکوۃ المال مصطفی البابی مصر ۲ /۴۰
[4] جامع الرموز کتاب الزکوۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲ /۳۱۶

ادانہ کرنے کی حالت میں جو مواخذہ زکوۃ دینے پر ہے اس کا سزاوار ہوگا معاذاللہ، وہ نہ ہلکا ہے نہ قابلِ برداشت، اس کے بارے کچھ آیات واحادیث فقیر کے رسالہ اعزالاکتناۃ فی ردصدقۃ مانع الزکوٰۃ (۱۳۰۹ھ) میں مذکور ہُوئیں، اُن میں بعض کا خلاصہ یہ کہ جس سونے چاندی کی زکوۃ نہ دی جائے روزِ قیامت جہنّم کی آگ میں تپا کر اُس سے اُن کی پیشانیاں، کروٹیں، پیٹھیں داغی جائیں گی۔ اُن کے سر، پستان پر جہنم کا گرم پتّھر رکھیں گے کہ چھاتی توڑ کر شانے سے نکل جائے گا اور شانے کی ہڈی پر رکھیں گے کہ ہڈیاں توڑتا سینے سے نکل آئے گا پیٹھ توڑ کر کروٹ سے نکلے گا، گُدّی توڑ کر پیشانی سے اُبھرے گا۔ جس مال کی زکوۃ نہ دی جائے گی روزِ قیامت پُرانا خبیث خونخوار اژدہا بن کر اُس کے پیچھے دوڑے گا، یہ ہاتھ سے روکے گا، وہ ہاتھ چبالے گا، پھر گلے میں طوق بن کر پڑے گا، اس کا مُنہ اپنے منہ میں لے کر چبائے گا کہ میں ہُوں تیرا مال، میں ہُوں تیرا خزانہ۔ پھر اس کا سارا بدن چباڈالے گا۔ والعیاذ باللہ رب العالمین، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۹:　　　　۵ جمادی الاُولٰی ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی رخصت جمادی الاولٰی ۱۳۱۵ھ میں ہُوئی اور اُس وقت وُہ جہیز کی مالک ہُوئی، اس سے پہلے مالک نہ تھی، اس وقت اس کی مِلک میں زیور طلائی لہ ۰۹مہ تولے تھا اور زیور نقرئی ماہ روپیہ بھر، اس قدر اخیر عُمر تک اس کے پاس رہا، تین سال دس ماہ تئیس دن کے بعد ربیع الآخر شریف ۱۳۱۹ھ میں ہندہ نے انتقال کیا، اُس وقت اُس کے پاس چار عدد طلائی اور تھے، ایک سات ۷ تولہ گیارہ ۱۱ ماشہ کا جس کی دس ماہ پیش از مرگ مالک ہُوئی، دوسرا دو ۲ تولے کا کہ موت سے ڈیڑھ سال پہلے مِلا تھا، تیسرا چار ۴ تولے کا دو ۲ سال پہلے، چوتھا پانچ تولے کا تین سال پہلے، اس صورت میں ہندہ پر زکوۃ کس قدر ہُوئی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

ہندہ پر تین سال زکوۃ واجب ہُوئی کہ چوتھے سال میں ایک ماہ سات ۷ روز باقی تھے کہ اس نے وفات پائی مال کہ وقتِ رخصت ملا اُس پر تینوں برسوں کی زکوۃ ہے، یُوں ہی چوتھا عدد پانچ تولے کا جب مرگ سے تین سال پہلے مِلا تو رخصت کے ۱۰ ماہ ۲۳ دن بعد، بالجملہ پہلے سالِ تمام سے پہلے پایا تو وُہ بھی مالِ اوّل میں شامل ہُوا اور تینوں سال کی زکوۃ اس پر آئی، اور یہیں سے واضح ہوا کہ تیسرے عدد پر دو ۲ سال اخیر کی زکوۃ ہے اور دوسرے پر ایک ہی برس کی، اور پہلے پر اصلاً نہیں تو سونے میں حاصل ملک ہندہ باعتبار ہر سہ سال یہ ہوا سالِ اوّل (۰۹/ماآ) دوم (۰۹ماآ) سوم للعہ (۰۹ماآ) صورت مسئولہ میں جبکہ ہندہ اسی قدر مال کی مالک تھی اور زکوۃ تینوں سال نہ دی تو ہر پہلی زکوۃ کا دین سال کے مال سے مجرا ہوتا رہا واجب سال اول طلائی ۱۱ ماشہ ۷ سرخ نقرہ تین روپیہ بھر اور

تین ماشے تین سرخ، مال سال دوم سے استثناء کیا تو سال دوم طلا لعہ (۱۰ امہ) ۲ سرخ رہا، واجب ۱۱ ماشہ ۷ سرخ ۵-۵/۱ چاول، اور نقرہ ماعصہ (۷ مہ ۷ سرخ) رہا، واجب تین روپے بھر ۲ مہ ۲ ۲ سرخ ۲ ۴-۵/۳ چاول، سال سوم طلا واجب دو سال ایک تولہ ۱۱ ماشے ۱ سرخ ۵-۵/۱ چاول، نقرہ واجب دو ۲ سال سے روپے بھر ۵ ماشہ ۶ سرخ ۴-۵/۳ چاول منہا کرکے، باقی طلا للعہ (۱۰ امہ) ۲ سرخ ۲-۵/۴ چاول، واجب ایک تولہ دو سرخ ۷ ۱۰۰/۴ چاول نقرہ ماعصہ روپیہ بھر ۵ ماشہ تین سرخ ۳-۵/۲، واجب ۳ روپیہ بھر ایک ماشہ ۴ سرخ ۲-۷ ۲۰۰/۱۳ چاول جمیع واجب سہ سالہ طلا ۲ تولے ۱۱ ماشے ۳ سرخ ۵-۷ ۱۰۰/۴ چاول یعنی دو ۲ تولے ۱۱ ماشے ۳ رتی ۵ چاول کے سَو حصّوں سے سڑسٹھ ۶۷ حصّے، نقرہ لعہ تولہ ۷ ماشہ ۲ سرخ ۷-۷ ۲۰۰/۵ یعنی نَو روپیہ بھر اور ۷ ماشے ۲ رتی ۷ چاول اور چاول کے دو ۲ حصّوں سے ستاون ۵۷ حصّے، یہ سب مذہبِ صاحبین پر ہے اور مذہبِ امام پر کچھ کمی خفیف ہو جائے گی، سائل اس پر راضی نہ ہو اور تخفیف ہی چاہے تو یہ ضرور ہے کہ تینوں برس ہر سال تمام کے صحیح تاریخ پر سونے اور چاندی کا صحیح نرخ بازار دریافت کرکے بتایئے نیز یہ کہ کس کس عدد کے قیمت بوجہ صنعت اپنے وزن سے کس کس قدر زائد ہے بے اس کے حساب ناممکن ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۰: از بنگالہ ضلع سلہٹ پرگنہ بیجواڑہ موضع ناران گولہ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی ایک سو روپے کی زکوٰۃ دے کر مدفون کیا پھر دوسرے سال میں زکوٰۃ دینا ضروری ہے یا نہیں؟ **بینوا بحوالہ کتاب توجروا یوم الحساب**۔ فقط

الجواب:

ہر برس ضرور ہے جب تک کل مالِ زکوۃ جو اُس کی ملک ہے حقیقۃً یا حکماً نصاب یعنی ساڑھے سات تولہ سونے یا ساڑھے باون تولہ چاندی یعنی انگریزی چھپن ۵۶ روپے سے کم نہ ہو جائے، حقیقۃً کم ہو جانا یہ کہ زکوۃ وغیرہ میں صَرف کرتے کرتے خواہ کسی اور طور سے گھٹ جائے اور حکماً یہ کہ ہر برس زکوۃ واجب ہوتی رہی اور ادا نہ کی کہ ہر سال زکوۃ کا دین اس پر چڑھتا رہا یہاں تک کہ مالِ زکوۃ قدر نصاب نہ رہا مثلاً صرف یہی سو روپے، مگر اس کے پاس مالِ زکوۃ تھا اور یہی رہا اور مال زیادہ نہ ہوا تو اب پہلے سال تمام پر بر بنائے مذہب صاحبین ڈھائی روپے واجب ہوئے مگر اس نے ادا نہ کی، دوسرے سال تمام پر زکوۃ صرف ۹۷ روپے ۸ آنے رہی کہ ۲ روپے ۸ آنے دین زکوۃ سال گزشتہ میں مشغول ہیں اس سال ۲ روپے ۷ آنے واجب ہوئے، تیسرے سال تمام پر دو ۲ سال گزشتہ کا دین زکوۃ ۴ روپے ۱۵ آنے مستثنٰی ہو کر فقط پچانوے روپے ایک آنہ پر زکوۃ آئی کہ ۲ روپیہ چھ آنے اور ایک پیسے کی چاندی کا دسواں حصّہ ہُوا، وعلٰی ھذا القیاس جب گھٹتے گھٹتے ۵۶ روپے سے کم رہ جائے تو زکوۃ واجب نہ ہو گی۔

در مختار میں ہے کہ زکوۃ کی فرضیت کا سبب ایسے نصاب کا مالک ہونا ہے جس پر سال گزرا ہو اور وہ ایسے دین سے فارغ ہو جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو مثلاً زکوۃ، خراج وغیرہ اھ تلخیصا۔ ہندیہ میں ہے ایک آدمی کے پاس ہزار دراہم ہیں اس کے علاوہ کوئی مال نہیں، اس نے ان کے عوض دس سال تک گھر کرایہ پر لے لیا کہ ہر سال کے عوض ایک صد درہم ادا کرے گا، اس نے ہزار درہم دے دئے مگر اس گھر میں وہ کسی سال تک رہائش پذیر نہ ہُوا اور گھر آجر کے پاس ہی رہا، تو آجر پہلے سال نَو سو کی، دوسرے سال آٹھ سو کی، مگر گزشتہ سال زکوۃ کی مقدار نکال کر، پھر ہر سال ایک سو اور وُہ جو گزشتہ سالوں کی زکوۃ کی مقدار ہو، سالانہ ساقط ہوتی جائے گی، واللہ تعالٰی اعلم (ت)	فی الدرالمختار سبب افتراضہا ملك نصاب حولی فارغ من دین له مطالب من جهة العباد کزکوٰۃ وخراج اھ[1] ملخصًا وفی الهندیة رجل له الف درهم لامال له غیرها استاجربها دارا عشرسنین لکل سنة مائة فدفع الالف ولم یسکنها حتی مضت السنون والدارفی ید الاٰجریزکی الاٰجر فی السنة الاولیٰ عن تسع مائة وفی الثانیة عن ثمان مائة الا زکوٰۃ السنةالاولیٰ ثم یسقط لکل سنة زکوٰۃ مائة اخرٰی وما وجب علیه با لسنین الماضیة الخ[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۱: ۶ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے جس مالِ تجارت پر ایک مرتبہ زکوۃ ادا کردی پھر دوسرے سال اس پر زکوۃ دینا نہ چاہیے بلکہ اس کے نفع پر زکوۃ دینا چاہئے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

مالِ تجارت جب تک خود یا دوسرے مالِ زکوۃ سے مل کر قدرِ نصاب اور حاجتِ اصلیہ مثل دین، زکوۃ وغیرہ سے فاضل رہے گا ہر سال اس پر زکوۃ واجب ہوگی زید کا بیان محض غلط ہے، **تشهد به الکتب قاطبة۔ واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۲ تا ۵۴: مسئولہ محمد صبور سوداگر میز کرسی بریلی متصل کٹرہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص نے اپنی تجارت کے آغاز کے وقت یہ قرار دیا کہ جو منافع ہوگا اس کا سولھواں حصّہ اللہ تعالٰی نام

---

[1] در مختار کتاب الزکوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی فی الفروض نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۸۲-۱۸۱

صَرف کرنا شروع کیا، وقت کرنے حساب کے، منافع کی تعداد کا سولھواں حصّہ کم نکلا اُس صرف سے جو وُہ کارِ خیر میں صَرف کر چکا، یہ فاضل روپیہ بمدِ زکوۃ داخل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) ایک شخص حق الحنث کے ساتھ ایک تجارت میں شریک ہے، قبل حاصل ہونے منافع کے اس تجارت سے بتدریج اپنے صرف کے واسطے لیتا رہا، وقت معلوم ہونے منافع کے وہ قرضدار تجارت کا تھا، جو منافع اس کے نامزد ہُوا وُہ قرضہ میں داخل کیا، اس حالت میں اس منافع کی زکوۃ اس کے ذمّہ عائد ہے یا نہیں؟

(۳) ایک شخص وقت شروع کرنے تجارت کے دیگر شخص سے جو اُس کی تجارت میں شرکت روپے کے ساتھ دینا چاہتا تھا ظاہر کیا کہ میں وقت چھٹھ کے (معلوم کرنا منافع کا) پہلے زکوۃ نکال دیتاہُوں بعدہ، منافع تقسیم کیا جاتا ہے، اُس دیگر شخص نے اس بات کو پسند کیا اور روپیہ کے ساتھ منافع میں برابر کا شریک ہوا، اس بات کے ظاہر کرنے سے کیا اس کے ذمّہ اس کے روپیہ کی بھی زکوۃ عائد ہوگی یا صرف منافع کی رقم رہی جو طرفین کے حصّہ سے خرچ میں داخل ہوتی ہے۔ بیّنوا توجّروا

الجواب:

(۱) جبکہ بہ نیّت زکوۃ وُہ دینا نہ تھا تو جو زائد دیا گیا زکوۃ میں محسوب نہیں ہو سکتا، ہاں آئندہ سال کے اُس سولھویں حصّہ میں مجرا ہو سکتا ہے جو اس نے اللہ عزّوجل کے لیے دینا ٹھہرا رکھا ہے، مثلاً اس وقت دس روپیہ زیادہ پہنچے اور آئندہ سال منافع کا سولھواں حصّہ سو روپے ہو تو اُسے اختیار ہے کہ یہ دس ۱۰ اس میں محسوب کرکے نوّے روپے دے۔

(۲) نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) دوسرے کی زکوۃ اس کے ذمّہ عائد نہیں ہو سکتی، ایک پر اُس کے حصّہ کی زکوۃ لازم ہے، اور زکوۃ صرف منافع مالِ تجارت پر نہیں ہوتی، جس طرح مکان زمین دکان کے صرف منافع پر ہوتی ہے یہاں ایسا نہیں بلکہ کُل مالِ تجارت پر لازم ہوتی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۵: از محلّہ چاہ بائی مسؤلہ حافظ محمد صادق مختار عام منشی رحیم داد خاں صاحب تحصیلدار ۲۵ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مالک ہے جائداد زمینداری وغیرہ کا اور اس کی آمدنی مختلف اوقات میں وصول ہوتی رہتی ہے اور مالگزاری و نیز دیگر اخراجات میں خرچ ہوتی رہتی ہے اور ایسی صورت میں حساب سالانہ انگریزی ماہِ کتوبر سے شروع ہوتا ہے اور ماہِ ستمبر میں ختم کیا جاتا ہے لہٰذا جو رقم بعد اخراجات کے آخر سال پر باقی رہتی ہے اس پر زکوۃ کب واجب ہوگی؟ کس وقت اس کو ادا کرنا چاہئے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

ستمبر اکتوبر کا اعتبار حرام ہے، نہ اس کے اوقاتِ آمدنی پر لحاظ، بلکہ سب میں پہلی جس عربی مہینے کی جس تاریخ جس گھنٹے منٹ پر وہ ۵۶ روپیہ کا مالک ہُوا اور ختمِ سال تک یعنی وہی عربی مہینہ وہی تاریخ وہی گھنٹہ منٹ دوسرے سال آنے تک اُس کے پاس نصاب باقی رہا وہی مہینہ تاریخ منٹ اس کے لیے زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۶: از شہر بریلی اسٹیشن ریلوے سٹی آر، کے، آر نعمت حسین دراپور ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عرصہ تخمیناً بیس سال سے ریلوے کمپنی کے یہاں ملازم ہے اور ریلوے اپنے قاعدے کے موافق بشمول دیگر ملازمان کے زید کی تنخواہ ماہواری سے ایک آنہ چار ۴ پائی فی روپیہ بطور ضمانت مجرا کرلیتی ہے اور بعد چھ ۶ ماہ کے اُس روپے کو کسی دوسری تجارت وغیرہ میں لگادیتی ہے، درصورت نفع و نقصان کے رسدی کمی بیشی کرکے پھر ششماہی پر رسید دے دیتی ہے، ابتدا میں ایک روپیہ دو ۲ آنہ مجرا ہوتا تھا جُوں جُوں تنخواہ میں ترقی ہوتی گئی اُس میں بھی اضافہ ہوتا گیا، چنانچہ اب مبلغ تین روپے ماہوار مجرا کیا جاتا ہے اور اب اصل تعداد مبلغ پانچسو کی ہوگئی ہے اور کُل تعداد ایک ہزار سے زائد ہوگئی ہے، جس وقت زید ملازمت سے علیحدہ ہوگا اُس وقت اُس کو اور اُس کے ورثا کو وصول ہوگا بشرطیکہ میعاد ملازمت اچھے طریقہ پر ختم ہوجائے اور کوئی قصور وغیرہ واقع نہ ہو، مگر پانچسو روپے جو اصلی ہے اُس میں کسی طرح اندیشہ نہیں ہے سوا اس کے کہ درمیان ملازمت کے روپے کا وصول ہونا ناممکن ہے جب تک ملازمت سے مستعفی نہ ہو، ازرُوئے شریعت اُس روپے پر زکوٰۃ دینا فرض ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس وقت سے دی جائے گی؟ اصلی تعداد پر دی جائے گی یا کُل روپے پر؟ اور نصابِ زکوٰۃ کس قدر اور اس پر مقدارِ زکوٰۃ کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب سے وُہ اصلی روپیہ خود یا مع اور زکوتی مال کے جو زید کے پاس ہے، قدر نصاب یعنی ۵۶ روپے تک پہنچا اور حوائجِ اصلیہ سے بچ کر اُس پر سال گزرا اُس وقت سے اُس پر زکوٰۃ واجب ہوئی اور سال بسال جدید زکوٰۃ واجب ہوتی رہی، ہاں اگلے سال کی جتنی زکوٰۃ واجب ہُوئی ہے اس سال جمع میں سے اُتنا کم کرلیں گے کہ اُتنا اس پر اللہ عزّوجل کا دین ہے باقی مع جدید مقدار سال حال پر زکوٰۃ آئے گی، تیسرے سال کی جمع میں سے دو ۲ برس گزشتہ کی زکوٰۃ واجب شدہ مجرا کریں گے اور سال حال کا اضافہ شامل کریں گے اس قدر پر زکوٰۃ آئے گی چوتھے سال کی جمع میں سے تین سال کی زکوٰۃ مذکور مجرا کریں گے اور سال حال کا اضافہ شامل کریں گے اس قدر زکوٰۃ آئے گی، چوتھے سال کی جمع میں سے تین سال کی زکوٰۃ مذکور مجرا اور امسال کا اضافہ شامل ہوگا، اخیر تک یونہی کرینگے،

تجارت میں وُہ روپیہ اگر اس کی اجازت سے لگایا جاتا ہے تو اس کا منافع شامل ہوگا اس طور پر زکوۃ سال بہ سال واجب ہوا کرے گی، مگر اس روپیہ کی زکوۃ ادا کرنا اس وقت لازم ہوگا جب وُہ وصول ہوگا، اور جو اضافہ کمپنی سُود کے طریقے پر کرتی ہے اُس پر کبھی زکوۃ نہ ہوگی، نہ وہ اس کی مِلک ہے نہ اُسے سُود کی نیت سے کسی طرح جائز ہے، ہاں بعد ختم اگر کمپنی بطور خود اس کو وُہ اضافہ دے اور کمپنی میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو تو یہ اُس اضافہ کو اس نیت سے لے سکتا ہے کہ ایک غیر مسلم جماعت ایک مال بخوشی دیتی ہے، یُوں مال مباح سمجھ کر لے سکتا ہے سُود کی نیت نہ ہو، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۷: از کوسی کلاں ضلع متھرا مرسلہ اللہ مہر ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ اس میں کہ زکوۃ اعلان سے دینا بہتر ہے یا خفیہ طور سے؟ بینوا توجروا

الجواب:

زکوۃ اعلان کے ساتھ دینا بہتر ہے اور خفیہ دینا بھی بے تکلّف روا ہے، اور اگر کوئی صاحبِ عزّت حاجتمند ہو کہ اعلانیہ نہ لے گا یا اس میں سبکی سمجھے گا تو اُسے خُفیہ ہی دینا بہتر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۸: از سیّد پور ڈاک خانہ وزیر گنج ضلع بدایوں مرسلہ آغاز علی خاں ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

تجارت کے سرمایہ اصلی پر یعنی اس کی لاگت پر زکوۃ دینا واجب ہے یا منافع پر؟

الجواب:

تجارت کی نہ لاگت پر زکوۃ ہے نہ صرف منافع پر، بلکہ سال تمام کے وقت جو زر منافع ہے اور باقی مالِ تجارت کی جو قیمت اس وقت بازار کے بھاؤ سے ہے اُس پر زکوۃ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۹: مسئولہ حافظ محمود حسین صاحب ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ

زید نے بکر کو کچھ دیا اور کہا اس کو مساکین کو جہاں مناسب سمجھو دے دیجیو، اگر زید خود اس کا مصرف ہو اپنے اوپر اس کو صرف کرسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جس کے مالک نے اُسے اذنِ مطلق دیا کہ جہاں مناسب سمجھو، دو، تو اسے اپنے نفس پر بھی صرف کرنے کا اختیار حاصل ہے، جبکہ یہ اس کا مصرف ہو۔ ہاں اگر یہ لفظ نہ کہے جاتے اُسے اپنے نفس پر صَرف کرنا جائز نہ ہوتا مگر اپنی یا اولاد کو دے دینا جب بھی جائز ہوتا اگر وُہ مصرف تھے۔ درمختار میں ہے:

للوکیل ان یدفع لولدہ الفقیر وزوجتہ لا لنفسہ الا اذا قال ربھا	وکیل کو جائز ہے کہ اپنے نابالغ فقیر بچّے اور اپنی بیوی مستحق کو زکوۃ دے دے جبکہ خود نہیں لے سکتا،

ضعها حیث شئت۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم۔	ہاں اگر مال والے نے یہ کہا ہو کہ جہاں مناسب سمجھو خرچ کرو، تو اپنے لیے بھی جائز ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۶۰ تا ۶۲: از اندور سیاگنج مرسلہ طاہر محمد عبدالغنی صاحب ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

(۱) اگر چند اشخاص دولتمند کئی ہزار روپے زکوٰۃ کا جمع کرکے چند معتبر لوگوں کے سپرد اس غرض سے کریں کہ وہ روپیہ حقدارانِ زکوٰۃ حسبِ ضرورت ان کے دیا جائے۔

(۲) وُہ لوگ جن کی سپردگی میں مالِ زکوٰۃ دیا گیا ہے وہ اس مال کو بڑھانے کی غرض سے تجارت میں لگا سکتے ہیں یا نہیں، یا کسی تاجر کی شرکت میں شامل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) ایک ایسا شخص کہ جس کے نزدیک اپنا ذاتی مکان ہے اور اس مکان کی سالانہ آمدنی سو روپے تھی مگر بوجہ عیالدار ہونے کے اُس کا خرچ تین سو روپے سالانہ ہے تو ایسے شخص کو زکوٰۃ کے مال سے امداد دینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱و۲) ان لوگوں پر فرض ہے کہ وُہ روپیہ مستحقینِ زکوٰۃ پر تقسیم کردیں اُس سے تجارت کرنا ان کو حرام ہے جب تک اذنِ جملہ مالکان نہ ہو، اور مالکوں کو بھی جائز نہیں کہ اگر اُن پر زکوٰۃ کا پورا سال ہو چکا ہو تو زکوٰۃ روکیں اور تجارت کے منافع حاصل ہونے پر ملتوی کریں۔ سال تمام پر زکوٰۃ فوراً فوراً ادا کرنا واجب ہے، ہاں جس نے پیشگی دیا ہُوا بھی سال تمام اُس پر نہ آیا ہو وہ سال تمام آنے تک ٹھہرے سکتا ہے، پھر اگر یُوں کرے کہ مثلاً ہزار روپے سال آئندہ کی زکوٰۃ کی نیت سے تجارت میں لگادئے کہ ان سے جو نفع ہو وہ بھی مع ان ہزار کے فقراء کو دے گا تو یہ نہایت محبوب عمل ہے،

وفیه حدیث من زرع شعیر اجرۃ الاجیر وحصل منه اموالا فلما جاء الاجیر سلم کلها الیه ففرج اللہ به منه وهم اصحاب الرقیم رضی اللہ تعالیٰ عنهم۔[2]	اس بارے میں وُہ حدیث ہے کہ جس نے مزدور کی اُجرت جَو کو بویا اور اس سے جو اموال حاصل ہوئے جب مزدور آیا تو وُہ تمام اموال اسے دے دئے، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو راستہ دیا جب وہ غار میں پھنس گئے تھے اور وُہ اصحاب کہف ہیں (ت)

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

[2] صحیح مسلم باب قصہ اصحاب الغار الثلٰثۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۵۳

مگر یہ ضرور ہے کہ اگر تجارت میں نقصان ہو تو نقصان فقراء پر نہیں ڈال سکتا، اُن کو سال تمام پر پورے ہزار دینے لازم ہوں گے۔

(۳) ہاں اُسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں اگرچہ اُس کی حاجت سکونت کا مکان ہزار روپے کا ہو یا کرائے پر چلالے کہ مکان سے ہزار روپے سالانہ آتا ہو اور اُس کا ضروری مصارف و نفقہ اہل و عیال سے اتنا نہ بچتا ہو کہ وُہ اپنی حاجت اصلیہ سے فارغ ۵۶ روپے کا مالک ہو۔ عالمگیریہ میں ہے:

لوکان له حوانیت او دارغلة تساوی ثلاثة الاف درهم وغلتها لا تکفی لقوته وقوت عیاله یجوز صرف الزکوٰة الیه فی قول محمد رحمه الله تعالٰی ولو کان له ضیعة تساوی ثلثةالاف ولا تخرج مایکفی له ولعیاله اختلفوا فیه قال محمد بن مقاتل یجوز له اخذالزکوٰة هکذا فی فتاوی قاضیخان۔[1] والله تعالٰی اعلم۔	اگر کسی شخص کی دُکانیں اور کرایہ کی جگہ ہے جو تین ہزار دراہم کے مساوی ہیں لیکن کرایہ اس کے اور اس کے عیال کے لیے کافی نہیں تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اس پر زکوٰۃ خرچ کرنا جائز ہے، اور اگر اس کی زمین ہے جو تین ہزار کے مساوی ہے لیکن اس سے اتنی پیداوار نہیں ہوتی جو اُس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے کافی ہو تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے محمد بن مقاتل کہتے ہیں کہ اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ اسی طرح فتاوٰی قاضی خاں میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۳تا ۶۴: مرسلہ محمد قاسم صاحب از مقام گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ ۴ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے علمائے دین و شرع متین ذیل کے مسئلوں میں:

(۱) ایک شخص نے چالیس یا پچاس ہزار کے مکانات اپنی حاجات سے زیادہ صرف کرایہ وصول کرنے کی غرض سے خرید کیے، آیا اس صُورت میں حاجت سے زیادہ مکانات میں ان کی قیمت کے اوپر زکوٰۃ فرض ہے یا جو کرایہ آتا ہے اس کے اوپر ہے؟

(۲) جو صاحب مکان کی زینت کے لیے تانبے، پیتل، چینی وغیرہ کے برتن خرید کرکے مکان کو سجاتا ہے اور کبھی وہ برتن استعمال میں بھی آتے ہیں اور کبھی نہیں بھی آتے ہیں، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السابع فی المصارف نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۸۹

الجواب:

(۱) مکانات پر زکوٰۃ نہیں اگرچہ پچاس کروڑ کے ہوں کرایہ سے جو سال تمام پر پس انداز ہوگا اس پر زکوٰۃ آئے گی اگر خود یا اور مال سے مل کر قدر نصاب ہو۔

(۲) برتن وغیرہ اسبابِ خانہ داری میں زکوٰۃ نہیں اگرچہ لاکھوں روپے کے ہوں، زکوٰۃ صرف تین ۳ چیزوں پر ہے: سونا، چاندی کیسے ہی ہوں، پہننے کے ہوں یا برتنے کے، سکّہ ہو یا ورق۔ دوسرے چرائی پر چھوٹے جانور۔ تیسرے تجارت کا مال۔ باقی کسی چیز پر نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۵: ازبدایوں خانہ اسسٹنٹ کمشنر ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۰۸ھ

ایک شخص کے پاس مال زکوٰۃ کے قابل ہے، اُس نے سال گزشتہ کے بعد یکمشت روپیہ مسلمان محتاج کو دیا لیکن اس نے زکوٰۃ کی نیت بر وقت دینے کے نہ کی، نہ اس کے دل میں خیال آیا کہ زکوٰۃ ادا کرتا ہوں، بعد کو خیال آیا ہو تو یہ دیا ہوا روپیہ زکوٰۃ میں داخل ہُوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر یہ مال محتاج کو دیا خالص بہ نیتِ زکوٰۃ الگ رکھا تھا یعنی اس نیت سے جُدا کرکے رکھ چھوڑا کہ اسے زکوٰۃ میں دیں گے تو جس وقت اس میں سے محتاج کو دیا گیا زکوٰۃ ادا ہو گئی اگرچہ دیتے وقت زکوٰۃ کا خیال نہ آیا اور ایسا نہ تھا وُہ مال جب تک محتاج کے پاس موجود ہے اب اس میں زکوٰۃ کی نیّت کرلے صحیح ہو جائے گی، اور اگر اس کے پاس نہ رہا تو اب نہیں کر سکتا، یہ مال خیرات نفل میں گیا زکوٰۃ جُدا ادا کرے۔ درمختار میں ہے:

شرط صحة ادائھا نیة مقارنة للاداء ولوکانت المقارنة حکما کما لودفع بلانیة ثم نوی والمال قائم فی یدالفقیر اومقارنة بعزل ما وجب کله او بعضه ولایخرج عن العهدة بالعزل بل بالاداء للفقراء اھ[1] ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔	صحت ادائیگی زکوٰۃ کے لیے ادا کے وقت نیت کا متصل ہونا ضروری ہے خواہ اتصال حکمی ہو، مثلاً کسی نے بلانیت زکوٰۃ ادا کردی اور ابھی مال فقیر کے قبضہ میں ہو تو نیت کرلی یا کل یا بعض مال برائے زکوٰۃ جدا کرتے وقت نیت کرلی جائے، باقی جدا کرنے سے ذمہ داری پُوری نہیں ہوتی بلکہ فقراء تک پہنچانے سے ہوگی اھ تلخیصًا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

مسئلہ ٦٦: از مونگیر محلّہ بٹون بازار مرسلہ شیخ امداد علی صاحب ٢١صفر ١٣١٣ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ قرض و دین میں لوگوں پر پھیلا ہو اور زر وصولی ہو تو اس پر زکوۃ واجب ہو گی یا نہیں؟ اگر واجب ہو گی تو فی الحال یا بعد وصول، اور کتنے وصول پر واجب ہو گی اور اس پر سال تمام کب سے لیا جائے گا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دین تین ٣ قسم ہے:

اول: قوی یعنی قرض، جس عرف میں دست گردان کہتے ہیں اور تجارتی مال کا ثمن یا کرایہ، مثلاً اُس نے بہ نیت تجارت کچھ مال خریدا وہ قرضوں کسی کے ہاتھ بیچا تو یہ دین جو خریدار پر آیا دینِ قوی ہے، یا کوئی مکان یا دکان یا زمین بہ نیتِ تجارت خریدی تھی اب اسے کسی کے ہاتھ سکونت یا نشست یا زراعت کے لیے کرایہ پر دیا، یہ کرایہ اگر اس پر دین ہو گا تو دینِ قوی ہو گا۔

دوم: متوسط کہ کسی مال غیر تجارتی کا بدل ہو، مثلاً گھر غلّہ یا اثاث البیت، یا سواری کا گھوڑا کسی کے ہاتھ بیچا، یونہی اگر کسی پر کوئی دین اپنے مورث کے ترکہ میں ملا تو مذہبِ قوی پر وُہ بھی دین متوسط ہے۔

سوم: ضعیف کہ کسی مال کا بدل نہ ہو، جیسے عورت کا مہر کہ منافع بضع کا عوض ہے، یا وُہ دین جو بذریعہ وصیّت اسے پہنچا یا بسبب خلع عورت پر لازم آیا، یا مکان زمین کہ بہ نیّت تجارت نہ خریدی تھی اُن کا کرایہ چڑھا قسم سوم کے دین پر، جب تک دین رہے اصلاً زکوۃ واجب نہیں ہوتی اگرچہ دس برس گزر جائیں، ہاں جس دن سے اس کے قبضہ میں آئے گا شمارِ زکوۃ میں محسوب ہو گا یعنی اس کے سوا اور کوئی نصاب زکوۃ اسی کی جنس سے اس کے پاس موجود تھا اس پر سال چل رہا تھا تو جو وصول ہُوا اس میں ملا لیا جائے گا اور اسی کے سال تمام پر کل کی زکوۃ لازم ہو گی، اور اگر ایسا نصاب نہ تھا تو جس دن سے وصول ہُوا اگر بقدرِ نصاب ہے اُسی وقت سے سال شروع ہوا اور نہ کچھ نہیں اور دو قسم سابق میں تجارت دین ہی سال بسال زکوۃ واجب ہوتی رہے گی مگر اس ادا کرنا اُسی وقت لازم ہو گا جبکہ اُس کے قبضہ میں دین قوی سے بقدر خمس نصاب یا متوسط سے بقدر کامل نصاب آئیگا یہاں کے روپے میں نصاب کامل ۵۶ روپیہ ہے اور اس کا خمس للعہ ۲۳-۲/۵ پائی، پھر اگر دین کئی سال کے بعد وصول ہو تو ہر سال متقدم کی زکوۃ جو اس کے ذمہ دین ہوتی رہی وُہ پچھلے سال کے حساب میں اسی وصولی رقم پر ڈالی جائے گی، مثلاً عمرو پر زید کے تین سو درہم شرعی دین قوی تھے، پانچ برس بعد چالیس درہم سے کم وصول ہوئے تو کچھ نہیں اور چالیس ہُوئے تو صرف ایک درہم دینا آئے گا اگرچہ پانچ برس کی زکوۃ واجب ہے کہ سال اوّل کی بابت ان چالیس درہم سے ایک درہم دینا آیا یا اب انتالیس رہ گئے کہ خمس نصاب سے کم ہے لہٰذا باقی برسوں کی بابت ابھی

کچھ نہیں، اور اگر تین سو درہم دین متوسط تھے تو جب تک دوسو وصول نہ ہوں کچھ واجب الادا نہیں اور دوسو درہم اگر پانچ برس بعد وصول ہُوئے تو اکیس درہم دینے ہوں گے، سال اول کے پانچ درہم، اب سال دوم میں ما۱۹۵ رہ گئے تو کہ خمس سے کم تھے عفو ہو کر ما۱۹۰ درہم سال سوم میں مالہ۱۹۰ رہے اب بھی چار درہم، چہارم میں مامعہ، پنجم میں مالعہ، ان پر بھی چار چار کل لہ۲۱ درہم واجب الادا ہُوئے، یونہی جب دین قوی سے خمس نصاب اور متوسط سے پُورا نصاب ہوتا جائے گا اسی حساب سے اتنے کی زکوٰۃ سنین گزشتہ کی زکوٰۃ واجب الادا ہوتی جائے گی، اگر کل وصول ہوگا کل کی، پھر دین ہونے کی تاریخ سے سال اول حالت میں مانا جائے گا جبکہ اس سے پہلے اس کی کسی جنس کے نصاب کا سال رواں نہ تھا ورنہ جو دین وسط سال میں اس کا یا فتنی ہُوا وہ اسی مال موجود میں ملا کر اس کے سال سے حساب رہے گا مثلاً یکم محرم کو دوسو درم کا مالک ہوا، یکم رجب کو اس کا کوئی دین قوی یا متوسط کسی پر لازم آیا تو اس دین کا سال بھی یکم محرم سے لیں گے نہ کہ یکم رجب سے، تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

الدیون عند الامام ثلثة قوی، متوسط ضعیف، فتجب زکوٰتھا اذا تم نصابا (بنفسه اوبماعندہ ممایتم به) وحال الحول (ای ولو قبل قبضه فی القوی و المتوسط) لکن لافورًا بل عند قبض اربعین درھما من القوی کقرض وبدل مال تجارت فکلما قبض اربعین درھما یلزمه درھم و عند قبض مائتین من بدل مال لغیرتجارۃ وھو المتوسط کثمن سائمة وعبید خدمة ویعتبر مامضی من الحول قبل القبض فی الاصح ومثله مالو ورث دینا علی رجل وعند قبض مائتین مع حولان الحول بعدہ من ضعیف و	امام صاحب کے نزدیک دیون کی تین اقسام ہیں: قوی، متوسط، ضعیف۔ دیون پر زکوٰۃ ہوتی ہے بشرطیکہ وہ خود یا مالک کے پاس موجودہ مال سے مل کر نصاب کو پہنچیں اور ان پر سال گزرا ہوا اگرچہ قوی اور متوسط قبضہ سے پہلے ہو لیکن فورًا نہیں بلکہ قوی میں چالیس دراہم کے قبضہ پر ایک درہم ہوگا جیسا کہ قرض اور بدلِ مالِ تجارت میں ہوتا ہے تو جب بھی چالیس درہم پر قابض ہوگا ایک درہم لازم ہوگا، غیر تجارت کے بدلے میں جو دین ہوتا ہے اسے متوسط کہا جاتا ہے اس میں سے دوسودراہم کے قبضہ کے بعد زکوٰۃ ہوگی مثلاً سائمہ کے قیمت، خدمت والے غلاموں کے قیمت، اصح قول کے مطابق قبضہ سے قبل گزشتہ سالوں کا بھی اعتبار کیا جائیگا، اسی کی مثل وُہ صورت ہے جب کوئی دین میں کسی کا وارث بنا، اور ضعیف میں دوسو کے

هو بدل غير مال كمهرو بدل خلع الا اذا كان عنده مايضم الى الدين الضعيف (الاولى ان يقول ما يضم الدين الضعيف اليه و الحاصل انه اذا قبض منه شيأ وعنده نصاب يضم المقبوض الى النصاب و يزكيه بحوله ولا يشترط له حول بعد القبض)[1] اھ ملخصًا۔مزيدا من رد المحتار اقول والاولى فى رسم الضعيف ماليس بدل يشتمل ماليس بدلا اصلا كالدين الموصى به فى ردالمحتار عن المحيط اما الدين الموصٰى به فلا يكون نصابًاقبل القبض لان الموصى له ملكه ابتداء من غير عوض ولا قائم مقام الموصى فى الملك فصار كما لو ملكه بهبة اھ[2] هذا۔وفى الخانية والفتح والبحر واللفظ لقاضى خان اذا اُجر داره اوعبده بمائتى درهم لاتجب الزكوٰة مالم يحل الحول بعد القبض فى قول ابى حنيفة رحمة اللهتعالٰى عليه فان كانت الدار و العبد للتجارة وقبض

قبضہ کے وقت زکوٰۃ ہوگی بشرطیکہ اسکے بعد سال گزرے اور دین ضعیف غیر مال کابدل ہوتا ہے مثلاً مہر، بدل خلع، مگرایسی صورت میں جب دین ضعیف کے ساتھ مالک کے پاس موجود مال ہوتوملایا جائے(بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ دین ضعیف کواس مال کے ساتھ ملایا جائے، حاصل یہ ہے کہ اس میں سے جب کسی شئی پر قبضہ ہوا حالانکہ مالک کے پاس نصاب بھی تھاتواب مقبوض کو نصاب سے ملاکر سال کی زکوٰۃ دی جائے اس میں قبضہ کے بعد سال کا گزرنا شرط نہیں)اھ تلخیصًا،اضافی عبارت ردالمحتار کی ہے، اقول؛ ضعیف کی تعریف یُوں کرنا بہتر ہے کہ جو مال کابدل نہ ہوتا اسے بھی شامل ہوجائے جو اصلاًبدل ہی نہیں مثلاًوہ دین جس کی وصیّت کی گئی ہو۔ردالمحتار میں محیط سے ہے وُہ دین جس کی وصیت کی گئی ہو وہ قبض سے پہلے نصاب نہیں بن سکتا کیونکہ موصی لہ بغیر عوض کے ابتداءً مالک بن رہا ہے اور یہ ملکیت میں وصیت کرنے والے کا قائم مقام بھی نہیں یہ ایسے ہوگا جیسے وہ ہبہ کا مالک بنا ہواھ۔خانیہ، فتح اور بحر میں ہے،اور الفاظ قاضی خاں کے ہیں جب کسی نے دار یاغلام دوسو دراہم کے عوض اجرت پر دیاتوامام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کے مطابق قبضہ کے بعد سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃلازم نہ ہوگی، اگر دار اور غلام تجارت کے لیے تھے اور سال کے

[1] درمختار شرح تنویرالابصار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃالمال مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۶
[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃالمال مصطفیٰ البابی مصر ۲/ ۳۸تا ۴۰

اربعین درھما بعد الحول کان علیه درھم بحکم الحول الماضی قبل القبض لان اجرة دارالتجارة وعبدالتجارة بنزلة ثمن مال التجارة فی الصحیح من الروایة اھ[1] **قلت**: فتقدم علی روایة انھا من الضعیف اوالوسیط وان مشی علی الاخری فی المحیط وکذلك کون الموروث من المتوسط ھو الرجیح وان جزم فی الھندیة عن الزاھدی انه من الضعیف، فقد مرضھا فی الخانیة واخر وھٰکذااشار الٰی تضعیفه فی الفتح والبحر وفی ردالمحتار عن المنتقی رجل له ثلثمائة ردھم دین حال علیھا ثلثة احوال فقبض مائتین عند ابی حنیفة یزکی للسنة الاولی خمسة وللثانیة والثالثة اربعة اربعة من مائة وستین ولا شئی ولیه فی الفضل لانه دون الاربعین اھ[2] وفی الھندیة عن شرح المبسوط للامام السرخی ان الدین مصروف الی المال الذی فی یدہ الخ[3] وفی ردالمحتار اذا کانت لالف من دین قوی کبدل عروض تجارة فان ابتداء الحول ھو حول الاصل الا من حین البیع ولا من حین القبض فاذا قبض منه نصابًااواربعین

بعد چالیس دراہم پر قبضہ ہوا تو اب ایک درہم لازم اس سال کی وجہ سے ہوا جو قبضہ سے پہلے گزرا ہے کیونکہ صحیح روایت مطابق دار تجارت اور عبد تجارت کی اجرت مال تجارت کے ثمن کی مثل ہوتی ہے اھ **قلت**: پہلے ایک روایت میں گزرا ہے کہ یہ دین ضعیف یامتوسط سے ہے اگرچہ محیط میں دوسری روایت کو اختیار کیا ہے، اسی طرح مال موروثہ بھی متوسط میں سے ہے اور یہی راجح ہے، اگرچہ ہندیہ میں زاہدی سے اس کے ضعیف ہونے پر جزم کیا ہے، خانیہ میں اسے کمزور قرار دیا ہے۔ اسی طرح فتح اور بحر میں اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہے۔ ردالمحتار میں منتقی سے ہے کہ کسی شخص کا تین سو دراہم دین تھا اور اس پر تین سال گزرے تو اس کا دوسو پر قبضہ ہُوا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک پہلے سال پانچ، دوسرے و تیسرے میں ایک سوساٹھ میں سے، چار چار درہم زکوٰۃ دے، فضل میں کوئی شئی لازم نہ ہوگی کیونکہ وہ چالیس سے کم ہیں اھ۔ ہندیہ میں امام سرخسی کی شرح مبسوط سے ہے کہ دین اس مال کی طرف لوٹے گا جس پر قبضہ ہوا لخ ردالمحتار میں ہے کہ جب دین قوی مثلاً بدل سامان تجارت، ہزار دراہم ہوں تو سال کی ابتداء حولِ اصل سے ہوگی نہ کہ وقتِ بیع سے اور نہ وقتِ قبضہ سے، توجب اس نے دین سے نصاب یا چالیس درہم پر قبضہ کیا تو اس سال کا

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی مال التجارۃ نولکشور لکھنؤ ۱ /۱۹- ۱۱۸
[2] ردالمحتار باب زکوۃ المال مصطفی البابی مصر ۲ /۳۸
[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الزکوۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱ /۱۷۳

درھما زکاہ عما مضی بانیا علی حول الاصل فلو ملك عرضا للتجارۃ ثم بعد نصف الحول باعه ثم بعد حول و نصف قبض ثمنه فقد تم علیه حولا ن فیزکیھما وقت القبض بلا خلاف اھ [1] **اقول:** وانما خص الکلام بالقوی لان اصله من اموال الزکوٰۃ بخلاف المتوسط فلا حول لاصله فلو لم یکن له قبله نصاب من جنسه لا یبتدأ الحول الامن حین البیع لانه به صار مال الزکوٰۃ کما نقله ھٰھنا عن المحیط ولیس یرید ان فی الوسیط لا یبتدأ الامن وقت البیع وان وجد قبله نصاب یجانسه تحت حولان الحول فانه خلاف مسئلة المستفاد والمتفق علیھا عند علمائنا المصرح بھا فی جمیع کتب المذھب متونا وشروحا وفتاوٰی فافھم وتثبت۔ وﷲتعالٰی اعلم۔	اعتبار کرتے ہُوئے گزشتہ عرصہ کی زکوٰۃ دے اگر کوئی شخص تجارت کے لیے سامان کا مالک ہُوا پھر اس نے نصف سال کے بعد سامان بیچ ڈالا اور ڈیڑھ سال کے بعد اس کے ثمن پر قبضہ کیا تو اب اس پر دو سال گزر چکے ہیں تو اب بلااختلاف وقت قبض سے اس کی زکوٰۃ دی جائے گی اھ اقول: دین کے ساتھ کلام مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اصل اموال زکٰوۃ سے ہوتا ہے بخلاف دین متوسط کہ وہاں اس کے اصل پر سال شرط نہیں ہے اب اگر اس کی جنس سے پہلے نصاب نہ تھا تو اب سال کی ابتداء بیع کے وقت سے ہی ہوگی کیونکہ اس کی وجہ سے وہ مالِ زکوٰۃ بنا ہے جیسا کہ اس مقام پر محیط سے منقول ہُوا ہے اور یہ مراد نہیں کہ متوسط میں وقتِ بیع سے پہلے ابتداء نہیں ہوسکتی اگرچہ سال پہلے اس کی جنس سے نصاب ہو کیونکہ یہ مسئلہ مستفاد اور اس متفق علیہ مسئلہ کے خلاف ہے جس پر ہمارے علماء نے تمام کتب کے متون، شروحات اور فتاوٰی میں تصریح کی ہے، پس اسے اچھی طرح سمجھ لو اور اس پر قائم رہو۔ واﷲتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۷: ۲۲ شوال ۱۳۱۴ھ

جب قرضہ کے ادا کی شکل نہ ہُوئی تو شوہر نے والدہ کو رقعہ لکھ دیا اور وُہ زیور ان سے واپس لے کر فروخت کر ڈالا اور روپیہ تجارت میں لگایا، بیچنا مجھے منظور نہ تھا مگر مجبوری تھی کہ روزگار نہ تھا، شوہر کی بیکاری تھی، قرضہ ابھی ادا نہ ہُوا اور وُہ تجارت بھی نقصان ہو کر چھوٹ گئی، مالک تجارت شوہر ہی سمجھے جاتے تھے، اس کی آمد گھر میں سب بال بچّوں کے خرچ میں صرف ہوتی تھی، تجارت چھٹنے کے بعد جو روپیہ بچا وہ سب گھر کے خرچوں میں صرف ہوا، کبھی یہ ذکر درمیان نہ آیا کہ میرے زیور کا روپیہ ہے کیونکہ معاملہ ایک سمجھا جاتا تھا اب وُہ روپیہ بھی نہیں اور

[1] ردالمحتار باب وجوب الزکوٰۃ فی دین المرصد مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۹

نہ شوہر کا روزگار ٹھیک ہے اور قرضہ بدستور ہے، بینواتوجروا۔

الجواب:

اگر زیور تمھاری اجازت سے بیچ کر شوہر نے اپنی تجارت میں لگایا اگرچہ وُہ اجازت اسی مجبوری سے تھی کہ شوہر کی بیکاری ہے تو اس کی قیمت شوہر پر قرض رہی، اور اگر بے تمھاری اجازت کے بطور خود بیچ ڈالا اگرچہ تم نے سکوت کیا تو حکم غصب میں تھا بہر حال سال بسال اُس کی زکوٰۃ تم پر واجب ہوتی رہی اور واجب ہُوا کرگی جب تک نصاب باقی ہے مگر اس زکوٰۃ کا دینا تُم پر واجب نہ ہوگا، جب تک شوہر اس میں سے بقدر گیارہ روپے سوا تین آنہ کچھ کوڑیاں کم کے تمھیں ادا نہ کرے یعنی لعہ ۲/۳-۵/۲ پائی جس وقت اس قدر اس میں سے تمھارے قبضہ میں آئے گا اُس وقت اس مقدار کا چالیسوں حصّہ دینا واجب ہوگا اور اگر کچھ قبضہ میں نہ آئے گا تو اس زکوٰۃ کا ادا کرنا تو واجب نہ ہوگا،

قال الشامی فی مسئلۃ المغصوب قال والظاھر علی القول بالوجوب ان حکم الدین القوی اھ ای فتجب عند قبض اربعین درھما۔[1]	مغصوب میں فرمایا کہ ظاہر وجوب کا قول ہی ہے کیونکہ یہی دین قوی کا حکم ہے اھ یعنی چالیس درہم کے قبض پر ایک درہم لازم۔(ت)

ہاں اگر تم نے وہ زیور انھیں دے ہی دیا تھا اس کی قیمت کبھی لینے کا خیال نہ تھا تو تم پر اس کی زکوٰۃ واجب ہی نہیں کہ ایسی حالت میں تمھیں استحقاقِ واپسی نہ رہا جبکہ کسی قرینہ سے شوہر کو مالک کردینا سمجھا گیا ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کا روپیہ اگر قرض میں پھیلا ہو تو اس کی زکوٰۃ اس کے ذمّہ فرض ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

جو روپیہ قرض میں پھیلا ہے اس کی بھی زکوٰۃ لازم ہے مگر جب بقدر نصاب یا خمس نصاب وصول ہو اُس وقت ادا واجب ہوگی جتنے برس گزرے ہوں سب کا حساب لگا کر۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۹: ۸ شوال ۱۳۱۴ھ

(۱) شوہر میرا قرضدار ہے اور میرے پاس زیور ہے زکوٰۃ کے لائق، اور میرا شوہر کا معاملہ ایک ہے، اور میرے پاس جو کچھ روپیہ ہوا تو شوہر کے قبضہ میں دے دیا یہ سمجھ کر کہ میرا اور اُن کا معاملہ واحد ہے بلکہ شوہر کو معلوم بھی

[1] ردالمحتار باب وجوب الزکوۃ فی دین المرصد مصطفٰی البابی مصر ۲/ ۳۹

بعد کو ہوا، اب میرانہ شوہر پر تقاضا ہے نہ یہ گفتگو ہُوئی کہ میں نے معاف کردیا بلکہ اپنا اُن کا معاملہ ایک سمجھ کر قرضہ میں دے دیا، اب جو زیور ہے وہ قرضہ سے بہت کم ہے لیکن زکوۃ کے لائق ہے اس صورت میں زکوۃ دینا فرض ہے یا نہیں؟ اور خرچ بال بچّوں کا بہت ہے آمد بہت کم ہے، اگر زکوۃ فرض ہو تو کچھ ایسی صورت بتائے کہ جس میں زکوۃ بھی ادا ہو جائے اور خرچ کو تکلیف نہ ہو۔

(۲) جو روپیہ میری والدہ کے پاس سے مجھ کو ملا تھا میں نے شوہر کے قرضہ میں دے دیا یا گھر میں بال بچّوں کے خرچ میں صرف ہُوا زکوۃ کا حال معلوم نہ تھا مجھ پر فرض ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) عورت اور شوہر کا معاملہ دنیا کے اعتبار سے کتنا ہی ایک ہو مگر اللہ عزّوجل کے حکم میں وُہ جدا جدا ہیں، جب تمھارے پاس زیور زکوۃ کے قابل ہے اور قرض تم پر نہیں شوہر پر ہے تو تم پر زکوۃ ضرور واجب ہے اور ہر سال تمام پر زیور کے سوا جو روپیہ یا اور زکوۃ کی کوئی چیز تمھاری اپنی ملک میں تھی اس پر بھی زکوۃ واجب ہُوئی، جو روپے تم نے بغیر شوہر کے کہے بطور خود ان کے قرضہ میں دے دیا وہ تمھارا احسان سمجھا جائے گا اس کا مطالبہ شوہر سے نہیں ہو سکتا بال بچّوں کا خرچ باپ کے ذمّہ ہے تمھارے ذمّہ نہیں، زکوۃ دینے سے خرچ کی تکلیف نہ سمجھوں بلکہ اس کا نہ دینا ہی تکلیف کا باعث ہوتا ہے نحوست اور بے برکتی لاتا ہے اور زکوۃ دینے سے مال بڑھتا ہے اللہ تعالٰے برکت وفراغت دیتا ہے، قرآن مجید میں اللہ کا وعدہ ہے، اللہ تعالٰے سچّا اور اس کا وعدہ سچّا، والسّلام۔

(۲) اگر روپیہ تم نے شوہر کو دیا کہ اس سے اپنا قرض ادا کرلو اور اُسے دے ڈالنا مقصود نہ تھا تو وہ روپیہ تمھارا شوہر پر قرض ہے۔

فی العقود الدریۃ عن لسان الحکام دفع الیہ دراھم فقال لہ انفقھا ففعل فھو قرض کما لو قال اصرفھا الی حوائجک۔[1]	عقود الدریہ میں لسان الحکام سے ہے کہ اگر کسی کو یہ کہتے ہُوئے دراہم دئے گئے کہ تم انھیں خرچ کرو اب اس نے خرچ کرلیے تو یہ قرض ہے جیسا کہ کہا ہو کہ تُو اسے اپنی ضروریات میں خرچ کرے (ت)

اس صورت میں تو وہی حکم ہے کہ اس کی زکوۃ تم پر سال بسال واجب جب تک نصاب باقی رہے، مگر یہ زکوۃ دینا اسی وقت لازم ہوگا جب شوہر سے بقدر للعہ ۱۳/ کے وصول پاؤ گی، اُس وقت اس زکوۃ میں سے ساڑھے چار آنے دینے واجب ہوں گے کچھ کوڑیاں کم یعنی ۴/ ۵-۱۹/۲۵ پائی، اور اگر شوہر کو دے ڈالا یا بطور خود شوہر کی

[1] العقود الدریۃ کتاب الھبۃ حاجی عبدالغفار و پسران تاجران کتب ارگ بزار قندھار افغانستان ۲/ ۹۱

درخواست کے اُن کے قرضہ دے دیا تو یہ روپیہ اور نیز وُہ جو بچّوں کے خرچ میں صرف ہُوا اُن میں یہ دیکھا جائے گا کہ زکوٰۃ کا سال تمام ہونے سے پہلے یہ روپیہ دے ڈالا اور صَرف ہوگیا جب تو کچھ نہیں، اور اگر بعد زکوٰۃ واجب ہونے کے دے دیا اور اُٹھ گیا تو جب تک باقی تھا اتنی مدّت کی زکوٰۃ واجب رہے جب سے دے ڈالا خرچ ہوگیا زکوٰۃ لازم نہ ہوئی۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۱۷: ۲۱ صفر ۱۳۳۲ھ

عورت پر مہر کی زکوٰۃ کون سی صورت سے واجب ہوگی مثلاً مہر غیر معجّل ہے یا کہ معجّل اور غیر معجّل دونوں میں عورت نے معاف کردیا یا کہ معجّل اور غیر معجّل دونوں شوہر نے ادا نہ کیا، عورت پر جب بھی کیا زکوٰۃ واجب؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

معجّل مہر سے جب بقدر خمس نصاب ہو اُس وقت عورت پر زکوٰۃ واجب الادا ہوگی اور پہلے دیتی رہے تو بہتر ہے اور یہ مہر جو عام طور پر بلا تعیّنِ وقت باندھا جاتا ہے جس کا مطالبہ عورت قبلِ موت و طلاق نہیں کرسکتی اس پر زکوٰۃ کی صلاحیّت بعد وصول ہوگی۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

رسالہ

اعزّ الاکتناہ فی ردّ صدقۃ مانع الزّکوۃ ۱۳۰۹ھ

(زکوۃ ادا نہ کرنے والے کے صدقہ نفلی کے رَد کے متعلق نادر تحقیقِ حقیق)

مسئلہ ۷۲: از پیلی بھیت مرسلہ عبدالرزاق خاں ذیقعدہ الحرام ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے روپیہ کی زکوۃ نہیں دیتا ہے مگر روپیہ مصرفِ خیر میں صرف کرتا ہے یعنی ہر روز فقراء کو زرِ نقد وغلّہ تقسیم کرتا ہے، اور ایک مسجد بنوائی ہے، اور ایک گاؤں اس روپیہ سے خرید کرواسطے خیرات کے ہبہ کردیا ہے اور تاحیات خود زرِ توفیر اس کا صرف کرتا رہے مصرف خیر میں۔ اب ایک اور شخص یہ کہتا ہے کہ جس روپیہ کی زکوۃ نہیں دی گئی ہے، اس روپیہ سے کسی قسم کی خیرات جائز نہیں ہے ہر روز کی خیرات اور بنانا مسجد کا اور گاؤں کا ہبہ کرنا سب اکارت ہے۔ فلہذا فتوٰی طلب کیا جاتا ہے کہ جس روپیہ کی زکوۃ نہیں دی گئی ہے اس روپیہ کو مصرفِ خیر میں صَرف کرنا جیسا کہ بالامذکور ہے درست ہے یا نہیں؟ اور اگر درست نہیں تو اس موضع کو ہبہ سے واپس لے کر دوبارہ اس قصد سے ہبہ کرے کہ اس موضع کی توفیر ہو جو ہر سال وصول ہوا کرے گی بالعوض اس زرِ زکوۃ کے جو اس کے ذمّہ زمانہ ماضیہ کی دین ہے، صرف ہُوا کرے۔ **بینوا توجروا**

المکلّف: عبدالرزاق خاں ولد نتھوخاں کھنڈساری ساکن پیلی بھیت محلّہ اشرف خاں

الجواب:

زکوٰۃ اعظم فروضِ دین واہم ارکانِ اسلام سے ہے ولہٰذا قرآن عظیم میں بتیس ۳۲ جگہ نماز کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا اور طرح طرح سے بندوں کو اس فرضِ اہم کی طرف بُلایا، صاف فرمادیا کہ زنہار نہ سمجھنا کہ زکوٰۃ دی تو مال میں سے اتنا کم ہوگیا، بلکہ اس سے مال بڑھتا ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ط [1]	اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو (ت)

بعض درختوں میں کچھ اجزائے فاسدہ اس قسم کے پیدا ہوجاتے ہیں کہ پیڑ کی اُٹھان کو روک دیتے ہیں، احمق نادان انھیں نہ تراشے گا کہ میرے پیڑ سے اتنا کم ہوجائے گا، پر عاقل ہوشمند تو جانتا ہے کہ ان کے چھانٹنے سے یہ نونہال لہلہا کر درخت بنے گا ورنہ یُوں ہی مرجھا کر رہ جائے گا۔ یہی حساب زکوٰتی مال کا ہے۔ حدیث میں حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما خالطت الصدقة او مال الزکوٰة مالا الا افسدته۔ [2] رواہ البزار والبیھقی عن ام المومنین الصدیقه رضی اللہ تعالٰی عنھا۔	زکوٰۃ کا مال جس میں ملا ہوگا اسے تباہ وبرباد کردے گا۔ اسے بزار اور بیہقی نے ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔

دوسری حدیث میں ہے حضورِ والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ماتلف مال فی بر ولا بحر الا بحبس الزکوٰة۔ [3] اخرجه الطبرانی فی الاوسط عن ابی ھریرة عن امیر المومنین عمر الفاروق الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	خشکی وتری میں جو مال تلف ہوا ہے وُہ زکوٰۃ نہ دینے ہی سے تلف ہوا ہے۔ اسے طبرانی نے اوسط میں ابوہریرہ سے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔

تیسری حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من ادی زکوٰة ماله فقد اذھب اللہ شرہ [4]۔ اخرجه ابن خزیمة فی صحیحه والطبرانی	جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کردی بیشک اللہ تعالٰی نے اس مال کا شر اس سے دُور کردیا۔ اسے ابن خزیمہ

---

[1] القرآن ۲ /۲۷۶

[2] شعب الایمان للبیہقی حدیث ۳۵۲۲ فصل الاستعفاف عن المسئلۃ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳ /۲۷۳

[3] مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب فرض الزکوٰۃ دارالکتاب العربی بیروت ۳ /۶۳

[4] صحیح ابن خزیمۃ حدیث ۲۲۵۸ المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۱۳

جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی بیشک اللہ تعالیٰ نے اس مال کا شر اس سے دُور کر دیا۔ اسے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں، طبرانی نے معجم اوسط میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰے عنہما سے روایت کیا ہے۔	فی الاوسط والحاکم فی المستدرك عن جابر بن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما۔

چوتھی حدیث میں ہے حضورِ علیٰ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ فرماتے ہیں:

اپنے مالوں کو مضبوط قلعوں میں کرلو زکوٰۃ دے کر، اور اپنے بیماروں کا علاج کرو خیرات سے۔ اسے ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں امام حسن بصری سے اور طبرانی و بیہقی اور دیگر محدثین نے صحابہ کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔	حصّنوا اموالکم بالزکوٰۃ وداووا مرضاکم بالصدقۃ رواہ ابوداؤد فی مراسیلہ[1] عن الحسن والطبرانی و البیہقی وغیرھما من جماعۃ من الصحابۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہم۔

اے عزیز! ایک بے عقل گنوار کو دیکھ کہ تخمِ گندم اگر پاس نہیں ہوتا بہزار دقت قرض دام سے حاصل کرتا اور اسے زمین میں ڈال دیتا ہے، اس وقت تو وُہ اپنے ہاتھوں سے خاک میں ملا دیا مگر امید لگی ہے کہ خدا چاہے تو یہ کھونا بہت کُچھ پانا ہو جائے گا۔ تجھے اس گنوار کے برابر بھی عقل نہیں، یا جس قدر ظاہری اسباب پر بھروسہ ہے اپنے مالک جل وعلا کے ارشاد پر اتنا اطمینان بھی نہیں کہ اپنے مال بڑھانے اور ایک ایک دانہ ایک ایک پیڑ بنانے کو زکوٰۃ کا بیج نہیں ڈالتا۔ وُہ فرماتا ہے: زکوٰۃ دو تمھارا مال بڑھے گا۔ اگر دل میں اس فرمان پر یقین نہیں جب تو کُھلا کفر ہے، ورنہ تجھ سے بڑھ کر احمق کون کہ اپنے یقینی نفع دین و دنیا کی ایسی بھاری تجارت چھوڑ کر دونوں جہانوں کا زیاں مول لیتا ہے۔

حدیث ۱: میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تمھارے اسلام کا پُورا ہونا یہ ہے کہ اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو۔ اسے بزار نے حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔	ان تمام اسلامکم ان تؤدوا زکوٰۃ اموالکم۔[2] رواہ البزار عن علقمۃ۔

حدیث ۲: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرتے ہیں:

جو اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لاتا ہوا سے لازم	من کان یؤمن باللّٰہ ورسولہ فلیؤد زکوٰۃ

[1] کتاب المراسیل باب الصائم یصیب اھلہ (۲۰) مکتبہ علمیہ لاہور ص ۶۲
[2] کشف الاستار عن زوائد البزار باب وجوب الزکوٰۃ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۴۱۶

مالہ۔[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جو اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لاتا ہو اسے لازم ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے۔ اسے طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔

حدیث ۳: حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس کے پاس سونا یا چاندی ہو اور اس کی زکوٰۃ نہ دے قیامت کے دن اس زر و سیم کی تختیاں بنا کر جہنم کی آگ میں تپائیں گے، پھر ان سے اس شخص کی پیشانی اور کروٹ اور پیٹھ پر داغ دیں گے، جب وُہ تختیاں ٹھنڈی ہو جائیں گی پھر انھیں تپا کر داغیں گے قیامت کے دن کہ پچاس ہزار برس کا ہے، یونہی کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ تمام مخلوق کا حساب ہو چکے۔[2] اخرجه الشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ (بخاری و مسلم نے اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت) مولٰی تعالٰی فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾[3]	اور جو لوگ جوڑتے ہیں سونا چاندی اور اسے خدا کی راہ میں نہیں اٹھاتے یعنی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے انھیں بشارت دے دُکھ کی مار کی، جس دن تپایا جائے گا وہ سونا چاندی جہنم کی آگ سے، پس داغی جائیں گی اس سے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں، یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جوڑ کر رکھا تھا اب چکھو مزا اس جوڑنے کا۔

پھر اس داغ دینے کو بھی نہ سمجھے کہ کوئی چہکا لگا دیا جائے گا یا پیشانی و پشت و پہلو کی چربی نکل کر بس ہوگی بلکہ اس کا حال بھی حدیث سے سُن لیجئے:

حدیث ۴: سیّدنا ابُوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ان کے سر، پستان پر وُہ جہنم کا گرم پتّھر رکھیں گے کہ سینہ توڑ کر شانہ سے نکل جائے گا اور شانہ کی ہڈی پر رکھیں گے کہ ہڈیاں توڑتا سینہ سے نکلے گا۔[4] اخرجه الشیخان

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۵۶۱ عن عبداللہ ابن عمر مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۲/ ۴۲۴

[2] صحیح مسلم باب اثم مانع الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۸

[3] القرآن ۹/ ۳۴

[4] صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب ما ادی زکوتہ فلیس بکنز قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۹

عن الاحنف بن قیس (اسے امام بخاری و مسلم نے حضرت احنف بن قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت) اور فرمایا: میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ پیٹھ توڑ کر کروٹ سے نکلے گا اور گُدّی توڑ کر پیشانی سے۔[1] رواہ مسلم (اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ ت) اور اس کے ساتھ اور بھی ایک کیفیت سن رکھئے:

حدیث۵: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: کوئی روپیہ دوسرے روپے پر نہ رکھا جائے نہ کوئی اشرفی دوسری اشرفی سے چُھو جائے گی بلکہ زکوۃ دینے والے کا جسم اتنا بڑھا دیا جائے گا کہ لاکھوں کروڑوں جوڑے ہوں تو ہر روپیہ جُدا داغ دے گا۔[2] رواہ الطبرانی فی الکبیر (اسے طبرانی نے معجم کبیر میں نقل کیا ہے۔ ت) اے عزیز! کیا خدا و رسول کے فرمان کو یونہی ہنسی ٹھٹھا سمجھتا ہے یا پچاس ہزار برس کی مدّت میں یہ جانکاہ مصیبتیں جھیلنی سہل جانتا ہے، ذرا یہیں کی آگ میں ایک آدھ روپیہ گرم کرکے بدن پر رکھ دیکھ، پھر کہاں یہ خفیف گرمی کہاں وہ قہر آگ، کہاں یہ ایک ہی روپیہ کہاں وُہ ساری عمر کا جوڑا ہوا مال، کہاں یہ منٹ بھر دیر کہاں وہ ہزار دن برس کی آفت، کہاں یہ ہلکا سا چہکا کہاں وُہ ہڈیاں توڑ کر پار ہونے والا غضب ۔اللہ تعالٰی مسلمان کو ہدایت بخشے، آمین!

حدیث۶: مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص اپنے مال کی زکوۃ نہ دے گا وہ مال روزِ قیامت گنجے اژدہے کی شکل بنے گا اور اس کے گلے میں طوق ہو کر پڑے گا۔ پھر سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کتاب اللہ سے اس کی تصدیق پڑھی کہ رب عزوجل فرماتا ہے:

سَیُطَوَّقُوْنَ مَابَخِلُوْابِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ[3] [4] رواہ ابن ماجۃ والنسائی وابن خزیمۃ عن ان مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جس چیز میں بخل کررہے ہیں قریب ہے کہ طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈالی جائے قیامت کے دن۔ اسے ابن ماجہ، نسائی اور ابن خزیمہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے (ت)

حدیث۷: فرماتے ہیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: وُہ اژدہا منہ کھول کر اس کے پیچھے دوڑے گا، یہ بھاگے گا، اس سے فرمایا جائے گا: لے اپنا وُہ خزانہ کہ چھپا کر رکھا تھا کہ میں اس سے غنی ہُوں۔ جب دیکھے گا کہ

[1] صحیح مسلم باب اثم مانع الزکوۃ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۳۲۱

[2] کشف الاستار عن زوائد البزار باب فیمن منع الزکوۃ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۴۱۸، المعجم الکبیر مروی از ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۱۴۰۸ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲/ ۹۱

[3] صحیح البخاری باب اثم مانع الزکوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۸

[4] مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب فرض الزکوۃ دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۶۲

اس اژدہا سے کہیں مفر نہیں، ناچار اپنا ہاتھ اس کے مُنہ میں دے دے گا، وہ ایسا چبائے گا جیسے نر اونٹ چباتا ہے۔[1] **رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ** (اسے مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

حدیث ۸: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: جب وُہ اژدہا اس پر دوڑے گا یہ پُوچھے گا تُو کون ہے؟ کہے گا میں تیرا وُہ بے زکوٰتی مال ہوں جو چھوڑ مرا تھا جب یہ دیکھے گا کہ وُہ پیچھا کیے ہی جارہا ہے ہاتھ اس کے منہ میں دے دے گا وہ چبائے گا، پھر اس کا سارا بدن چباڈالے گا۔[2] **اخرجہ البزار والطبرانی وابنا اخزیمۃ وحبان عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ** (اسے بزار، طبرانی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۹: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: وُہ اژدہا اُس کا منہ اپنے پھن میں لے کر کہے گا: میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہُوں۔[3] **رواہ البخاری والنسائی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ** (اسے بخاری اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

حدیث ۱۰: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: فقیر ہر گز ننگے بُھوکے ہونے کی تکلیف نہ اُٹھائیں گے مگر اغنیاء کے ہاتھوں، سُن لو ایسے تونگروں سے اللہ تعالیٰ سخت حساب لے گا اور انھیں دردناک عذاب دے گا۔[4] **رواہ الطبرانی عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ** (اسے طبرانی نے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۱: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: زکوٰۃ نہ دینے والا ملعون ہے زبانِ پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر۔[5] **رواہ ابن خزیمۃ واحمد وابو یعلیٰ وابن حبان** (اسے

---

[1] صحیح مسلم باب اثم مانع الزکوٰۃ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۳۲۱

[2] کشف الاستار عن زوائد البزار باب فیمن منع الزکوٰۃ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۴۱۸، المعجم الکبیر مروی از ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث ۱۴۰۸ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲ /۹۱

[3] صحیح البخاری باب اثم مانع الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۸

[4] مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب فرض الزکوٰۃ دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۶۲، صحیح ابن خزیمہ باب ذلعن لادی الصدقۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۹

[5] صحیح ابن خزیمہ باب ذلعن لادی الصدقۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۹، کنزالعمال بحوالہ ن عن ابن مسعود حدیث ۹۷۵۰ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۴/ ۱۰۴

ابن خزیمہ، احمد، ابویعلٰی اور ابن حبان نے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲: مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ فرماتے ہیں: رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سُود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس پر گواہی کرنے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے، زکوٰۃ نہ دینے والے ان سب کو قیامت کے دن ملعون بتایا۔[1] **رواہ الاصبہانی** (اسے اصبہانی نے روایت کیا۔ت)

حدیث ۳: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: قیامت کے دن تونگروں کے لیے محتاجوں کے ہاتھ سے خرابی ہے۔ محتاج عرض کرینگے اے رب ہمارے! انہوں نے ہمارے وُہ حقوق جو تُو نے ہمارے لیے ان پر فرض کیے تھے ظلمًا نہ دئے اللہ عزوجل فرمائے گا: مجھے قسم ہے اپنے عزّت کی وجلال کی کہ تمھیں اپنا قُرب عطا کروں گا اور انھیں دُور رکھوں گا۔[2] **رواہ الطبرانی وابو الشیخ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اسے طبرانی اور ابو شیخ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۴: کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کچھ لوگ دیکھے جن کے آگے پیچھے غرقی لنگوٹیوں کی طرح کچھ چیتھڑے تھے اور جہنّم کی گرم آگ پتّھر اور تھوہر اور سخت کڑوی جلتی بدبو گھانس چوپایوں کی طرح چرتے پھرتے تھے۔ جبریل امین علیہ الصّلوٰۃ والسلام سے پُوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کی: یہ زکوٰۃ نہ دینے والے ہیں اللہ تعالٰی نے ان پر ظلم نہیں کیا اللہ تعالٰی بندوں پر ظلم نہیں فرماتا۔[3] **رواہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اسے بزار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۵: دو عورتیں خدمتِ والا میں سونے کے کنگن پہنے ہُوئیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی زکوٰۃ دوگی؟ عرض کی؟ نہ۔فرمایا: کیا چاہتی ہو کہ اللہ تعالٰی تمھیں آگ کے کنگن پہنائے؟ عرض کی: نہ۔فرمایا: زکوٰۃ دو۔[4] **رواہ الترمذی والدارقطنی واحمد وابوداؤد والنسائی عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما** (اسے ترمذی، دارقطنی، احمد، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۶: ایک بی بی چاندی کے چھلّے پہنے تھیں، فرمایا: ان کی زکوٰۃ دوگی؟ انہوں نے کچھ انکار سا کیا۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ ھب عن علی حدیث ۹۷۸۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰۴/۴

[2] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الاوسط باب فرض الزکوٰۃ دار الکتاب العربی بیروت ۶۲/۳

[3] کشف الاستار عن زوائد البزار باب منہ فی الاسراء حدیث ۵۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳۸/۱

[4] جامع الترمذی باب ماجاء فی زکوٰۃ الحلی آفتاب عالم پریس لاہور ۸۱/۱

فرمایا: تو یہ ہی جہنّم میں لے جانے کو بہت ہیں۔[1] **رواہ ابو داود والدار قطنی عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنھا** (اسے ابوداؤد اور دارقطنی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۷: کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: زکوٰۃ نہ دینے والا قیامت کے دن دوزخ میں ہوگا۔[2] **رواہ الطبرانی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اسے طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۸: فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: دوزخ میں سب سے پہلے تین شخص جائیں گے، ان میں ایک وُہ تونگر کہ اپنے مال میں عزوجل کا حق ادا نہیں کرتا۔[3] **رواہ ابن خزیمہ وابن حبان فی صحیحھما عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اسے ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

غرض زکوٰۃ نہ دینے کی جانکاہ آفتیں وُہ نہیں جن کی تاب آسکے، نہ دینے والے کو ہزار سال ان سخت عذابوں میں گرفتاری کی امید رکھنا چاہئے کہ ضعیف البنیان انسان کی کیا جان، اگر پہاڑوں پر ڈالی جائیں سُرمہ ہو کر خاک میں مل جائیں، پھر اس سے بڑھ کر احمق کون کہ اپنا مال جُھوٹے سچے نام کی خیرات میں صرف کرے اور اللہ عزوجل کا فرض اور راس بادشاہ قہار کا وُہ بھاری قرض گردن پر رہنے دے، شیطان کا بڑا دھوکا ہے کہ آدمی کو نیکی کے پردے میں ہلاک کرتا ہے، نادان سمجھتا ہی نہیں، نیک کام کر رہا ہوں، اور نہ جانا کہ نفل بے فرض نرے دھوکے کی ٹٹی ہے، اس کے قبول کی امید تو مفقود اور اس کے ترک کا عذاب گردن پر موجود۔ اے عزیز! فرض خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ و نذرانہ۔ قرض نہ دیجئے اور بالائی بیکار تحفے بھیجئے وُہ قابلِ قبول ہوں گے خصوصًا اس شہنشاہ غنی کی بارگاہ میں جو تمام جہان و جہانیاں سے بے نیاز؟ یوں یقین نہ آئے تو دنیا کے جُھوٹے حاکموں ہی کو آزمالے، کوئی زمین دار مال گزاری تو بند کرلے اور تحفے میں ڈالیاں بھیجا کرے، دیکھو تو سرکاری مجرم ٹھہرتا ہے یا اس کی ڈالیاں کچھ بہبود کا پھل لاتی ہیں! ذرا آدمی اپنے ہی گریبان میں منہ ڈالے، فرض کیجئے آسامیوں سے کسی کھنڈساری کا رس بندھا ہوا ہے جب دینے کا وقت آئے وُہ رس تو ہرگز نہ دیں مگر تحفے میں آم خربوزے بھیجیں، کیا یہ شخص ان آسامیوں سے راضی ہوگا یا آتے ہوئے اس کی نادہندگی پر جو آزار انھیں پہنچا سکتا ہے ان آم خربوزے کے بدلے اس سے باز

---

1 سنن ابی داؤد باب الکنز ماھو وزکوٰۃ الحلی آفتاب عالم پریس لاہور ۲۱۸/۱

2 مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الصغیر باب فرض الزکوٰۃ دارالکتاب العربی بیروت ۶۴/۳

3 صحیح ابن خزیمہ باب لذکر اذخال مانع الزکوٰۃ الخ المکتب الاسلامی بیروت ۸/۴

آئے گا۔ سبحان اللہ! جب ایک کھنڈ ساری کے مطالبہ کا یہ حال ہے تو ملک الملوک احکم الحاکمین جل وعلا کے قرض کا کیا پُوچھنا! لاجرم محمد بن المبارک بن الصباح اپنے جزءِ املا اور عثمان بن ابی شیبہ اپنی سنن اور ابو نعیم حلیۃ الاولیاء اور ھنّاد فوائد اور ابن جریر تہذیب الآثار میں عبدالرحمٰن بن سابط وزید وزبید پسرانِ حارث ومجاہد سے راوی:

یعنی جب خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نزع کا وقت ہوا امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰے عنہ کو بلا کر فرمایا: اے عمر! اللہ سے ڈرنا اور جان لو کہ اللہ کے کچھ کام دن میں ہیں کہ انھیں رات میں کرو تو قبول نہ فرمائے گا اور کچھ کام رات میں کہ انھیں دن میں کرو تو مقبول نہ ہوں گے، اور خبردار رہو کہ کوئی نفل قبول نہیں ہوتا جب تک فرض ادا نہ کرلیا جائے الحدیث (اسے علامہ ابراہیم بن عبد اللہ الیمنی المدنی الشافعی نے القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب کے باب نمبر ۱۳ میں اور کتاب التحقیق فی فضل الصدیق کے باب نمبر ۱۹ میں ذکر کیا ہے، یہ پہلی کتاب ہے، جو انہوں نے خود لکھی ہے جس کا نام "الاکتفاء فی فضل الاربعۃ الخلفاء" ہے' اسے امام جلیل جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی نے جامع الکبیر میں عبدالرحمٰن بن سابط اور زید وزبید بن الحارث اور مجاہد سے روایت کیا کہ جب نزع کا وقت آیا۔ ت)	لما حضر ابابکرن الموتُ دعا عمر فقال اتق اللہ یا عمر واعلم ان لہ عملا بالنھار لا یقبلہ باللیل وعملا باللیل لا یقبلہ بالنھار واعلم انہ لایقبل نافلۃ حتی تؤدی الفریضۃ[1] الحدیث۔ ذکرہ العلامۃ ابراھیم بن عبد اللہ الیمنی المدنی الشافعی فی الباب الثالث عشر من کتاب "القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب" وفی الباب التاسع عشر من کتاب "التحقیق فی فضل الصدیق" وھو اول کتب کتابہ "الاکتفا فی فضل الابعۃ الخلفاء" ورواہ الامام الجلیل الجلال السیوطی رحمہ اللہ تعالٰی فی الجامع الکبیر فقال عن عبدالرحمٰن بن سابط و زید و زبید بن الحارث و مجاہد قالو الما حضر الخ[2]

حضور پُر نور سیّدنا غوث اعظم مولائے اکرم حضرت شیخ محی الملّۃ والدّین ابو محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی کتاب مستطاب فتوح الغیب شریف میں کیا کیا جگر شگاف مثالیں ایسے شخص کے لیے ارشاد فرمائی ہیں جو فرض چھوڑ کر نفل بجالائے۔ فرماتے ہیں: اس کی کہاوت ایسی ہے جیسے کسی شخص کو بادشاہ

[1] حلیۃ الاولیاء، ذکر المہاجرین نمبر ا ابو بکر الصدیق دار لکتاب العربی بیروت ۱/ ۳۶
[2] المسانید والمراسیل من الجامع الکبیر حدیث ۱۸۹ام سند ابو بکر الصدیق دار الفکر بیروت ۱۳/ ۵۳

اپنی خدمت کے لیے بلائے، یہ وہاں تو حاضر نہ ہُوا اور اس کے غلام کی خدمتگاری میں موجود رہے۔ پھر حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا مولیٰ علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے اس کی مثال نقل فرمائی کہ جناب ارشاد فرماتے ہیں: ایسے شخص کا حال اس عورت کی طرح ہے جسے حمل رہا جب بچّہ ہونے کے دن قریب آئے اسقاط ہوگیا اب وہ نہ حاملہ ہے نہ بچّہ والی۔ یعنی جب پُورے دنوں پر اگر اسقاط ہو تو محنت توپُوری اٹھائی اور نتیجہ خاک نہیں کہ اگر بچہ ہوتا تو ثمرہ خود موجود تھا حمل باقی رہتا تو آگے امید لگی تھی، اب نہ حمل نہ بچّہ، نہ اُمید نہ ثمرہ اور تکلیف وہی جھیلی جو بچّہ والی کو ہوتی۔ ایسے ہی اس نفل خیرات دینے والے کے پاس روپیہ تو اٹھا مگر جبکہ فرض چھوڑا یہ نفل بھی قبول نہ ہُوا تو خرچ کا خرچ ہوا اور حاصل کچھ نہی۔ اسی کتاب مبارک میں حضور مولیٰ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہے کہ:

فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض لم یقبل منه واھین۔[1]	یعنی فرض چھوڑ کر سنت و نفل میں مشغول ہوگا یہ قبول نہ ہوں گے اور خود کیا جائے گا۔

یُوں ہی شیخ محقق مولانا عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہ، نے اس کی شرح میں فرمایا کہ:

ترک آنچہ لازم وضروری ست واہتمام بآنچہ نہ ضروری است از فائدہ عقل وخرد دوراست چہ دفع ضرر اہم ست بر عاقل از جلب نفع بلکہ بحقیقت نفع دریں صورت منتفی است۔[2]	لازم اور ضروری چیز کا ترک اور جو ضروری نہیں اس کا اہتمام عقل وخرد میں فائدہ سے دُور ہے کیونکہ عاقل کے ہاں حصولِ نفع سے دفعِ ضرر اہم ہے بلکہ اس صورت میں نفع منتفی ہے۔ (ت)

حضرت شیخ الشیوخ امام شہاب الملّۃ والدّین سُہروردی قدس سرہ العزیز عوارف شریف کے باب الثامن والثلثین میں حضرت خواص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل فرماتے ہیں:

بلغنا ان اللہ لایقبل نافلۃ حتی یؤدی فریضۃ یقول اللہ تعالٰی مثلکم کمثل العبد السوء بداء بالھدایۃ قبل قضاء الدین۔[3]	ہمیں خبر پہنچی کہ اللہ عزّوجل کوئی نفل قبول نہیں فرماتا یہاں تک کہ فرض ادا کیا جائے، اللہ تعالٰی ایسے لوگوں سے فرماتا ہے کہاوت تمھاری بد بندہ کی مانند ہے جو قرض ادا کرنے سے پہلے تحفہ پیش کرے۔

خود **حدیث** میں ہے: حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] فتوح الغیب مع شرح عبدالحق الدہلوی المقالۃ الثامنۃ والاربعون منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۷۳

[2] فتوح الغیب مع شرح عبدالحق الدہلوی المقالۃ الثامنۃ والاربعون منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۷۳

[3] عوارف المعارف ملحق باحیاء العلوم باب ۳۸ فی ذکر آداب الصلوٰۃ الخ مکتبہ ومطبعہ المشہد الحسینی قاہرہ ص ۱۶۸

اربع فرضھن اللہ فی الا سلام فمن جاء بثلث لم یغنین عنہ شیئًا حتی یاتی بھن جمیعًا الصّلوۃ والزکوٰۃ وصیام رمضان وحج البیت۔[1] رواہ الامام احمد فی مسندہ بسند حسن عن عمارۃ بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	چار ۴ چیزیں اللہ تعالٰی نے اسلام میں فرض کی ہیں جوان میں سے تین ادا کرے وہ اسے کچھ کام نہ دیں جب تک پُوری چاروں نہ بجالائے نماز، زکوٰۃ، روزہ رمضان، حجِ کعبہ (اسے امام احمد نے اپنی مسند میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

امرنا باقام الصلٰوۃ وایتاء الزکٰوۃ ومن لم یزك فلا صلٰوۃ لہ۔[2] رواہ الطبرانی فی الکبیر بسند صحیح۔	ہمیں حکم دیا گیا کہ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز قبول نہیں (اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ت)

سبحان اللہ! جب زکوٰۃ نہ دینے والے کی نماز، روزے، حج تک مقبول نہیں تو اس نفل خیرات نام کی کائنات سے کیا امید ہے بلکہ انہی سے اصبہانی کی روایت میں آیا کہ فرماتے ہیں:

من اقام الصلٰوۃ ولم یؤت الزکوۃ فلیس بمسلم ینفعہ۔[3]	جو نماز ادا کرے اور زکوٰۃ نہ دے وہ مُسلمان نہیں کہ اسے اس کا عمل کام آئے۔

الٰہی! مسلمان کو ہدایت فرما آمین! بالجملہ اس شخص نے آج تک جس قدر خیرات کی، مسجد بنائی، گاؤں وقف کیا، یہ سب امور صحیح ولازم تو ہوگئے کہ اب نہ دی ہوئی خیرات فقیر سے واپس کرسکتا ہے نہ کئے ہوئے وقف کو پھیر لینے کا اختیار رکھتا ہے، نہ اس گاؤں کی توفیر ادائے زکٰوۃ، خواہ اپنے اور کسی کام میں صرف کرسکتا ہے کہ وقف بعد تمامی لازم و حتمی ہو جاتا ہے جس کے ابطال کا ہرگز اختیار نہیں رہتا۔

فی الدرالمختار الوقف عند ھما ھو حبسھا علی ملك اللہ تعالٰی فیلزم فلا یجوز	درمختار میں ہے کہ وقف صاحبین کے نزدیک اللہ تعالٰی کی ملکیت میں چلے جانے کی وجہ سے لازم ہو جاتا ہے

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث زیاد بن نعیم دارالفکر بیروت ۴ /۲۰۱، کنز العمال بحوالہ ھب عن عمارہ بن حزم حدیث ۳۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱ /۳۰

[2] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الکبیر باب فرض الزکوۃ دارالکتاب العربی بیروت ۳ /۶۲

[3] الترغیب والترھیب بحوالہ اصبہانی الترھیب من منع الزکوۃ مصطفی البابی مصر ۱ /۵۴۰

له ابطاله ولا یورث عنه وعلیه الفتوی، [1] ملخصاً۔	درمختار میں ہے کہ وقف صاحبین کے نزدیک اللہ تعالٰی کی ملکیت میں چلے جانے کی وجہ سے لازم ہوجاتا ہے لہٰذا اس کا ابطال جائز نہیں، اور نہ ہی اس کا کوئی وارث ہوسکتا ہے، اسی پر فتوی ہے۔(ت)

مگر بااینہمہ جب تک زکوۃ پُوری پُوری نہ ادا کرے ان افعال پر امیدِ ثواب و قبول نہیں کہ کسی فعل کا صحیح ہوجانا اور بات ہے اور اس پر ثواب ملنا مقبول بارگاہ ہونا اور بات ہے، مثلاً اگر کوئی شخص دکھاوے کے لیے نماز پڑھے نماز صحیح تو ہوگئی فرض اُتر گیا، پر نہ قبول ہوگی نہ ثواب پائے گا، بلکہ الٹا گناہگار ہوگا، یہی حال اس شخص کا ہے۔ اے عزیز! اب شیطان لعین کہ انسان کا عدو مبین ہے بالکل ہلاک کردینے اور یہ ذرا سا ڈورا جو قصد خیرات کا لگا رہ گیا ہے جس سے فقراء کو تو نفع ہے اسے بھی کاٹ دینے کے لیے یوں فقرہ سُجھائے گا کہ جو خیرات قبول نہیں تو کرنے سے کیا فائدہ، چلو اسے بھی دُور کرو، اور شیطان کی پوری بندگی بجالاؤ، مگر اللہ عزوجل کو تیری بھلائی اور عذاب شدید سے رہائی منظور ہے، وہ تیرے دل میں ڈالے گا کہ اس حکم شرعی کا جواب یہ نہ تھا جو اس دشمنِ ایمان نے تجھے سکھایا اور رہا سہا بالکل ہی متمرد و سرکش بنایا بلکہ تجھے تو فکر کرنے تھی جس کے باعث عذابِ سلطانی سے بھی نجات ملتی اور آج تک کہ یہ وقف و مسجد و خیرات بھی سب قبول ہوجانے کی اُمید پڑتی، بھلا غور کرو وُہ بات بہتر کہ بگڑتے ہُوئے کام پھر بن جائیں، اکارت جاتی محنتیں از سرِ نو ثمرہ لائیں یا معاذاللہ یہ بہتر کہ رہی سہی نام کو جو صورتِ بندگی باقی ہے اسے بھی سلام کیجئے اور کھلے ہوئے سرکشوں، اشتہاری باغیوں میں نام لکھالیجئے، وہ نیک تدبیر یہی ہے کہ زکوۃ نہ دینے سے توبہ کیجئے، آج تک جتنی زکوۃ گردن پر ہے فوراً دل کی خوشی کے ساتھ اپنے رب کا حکم ماننے اور اسے راضی کرنے کو ادا کردیجئے کہ شہنشاہِ بے نیاز کی درگاہ میں باغی غلاموں کی فہرست سے نام کٹ کر فرماں بردار بندوں کے دفتر میں چہرہ لکھا جائے۔ مہربان مولا جس نے جان عطا کی، اعضا دئے، مال دیا، کروڑوں نعمتیں بخشیں، اس کے حضور منہ اُجالا ہونے کی صورت نظر آئے اور مژدہ ہو، بشارت ہو، نوید ہو، تہنیت ہو کہ ایسا کرتے ہی اب تک جس قدر خیرات دی ہے وقف کیا ہے، مسجد بنائی ہے، ان سب کی بھی مقبولی کی اُمید ہوگی کہ جس جُرم کے باعث یہ قابلِ قبول نہ تھے جب وہ زائل ہوگیا انھیں بھی باذن اللہ تعالٰی شرفِ قبول حاصل ہوگیا۔ چارہ کار تو یہ ہے آگے ہر شخص اپنی بھلائی بُرائی کا اختیار رکھتا ہے، مدّتِ دراز گزرنے کے باعث اگر زکوۃ کا تحقیقی حساب نہ معلوم ہوسکے تو عاقبت پاک کرنے کے لیے بڑی سے بڑی رقم جہاں تک خیال میں آسکے فرض کرلے کہ زیادہ جائے گا تو ضائع نہ جائے گا، بلکہ تیرے رب مہربان کے پاس تیری بڑی حاجت کے وقت کے لیے جمع رہے گا

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۷

وہ اس کا کامل اجر جو تیرے حوصلہ و گمان سے باہر ہے عطا فرمائے گا، اور کم کیا تو بادشاہ قہار کا مطالبہ جیسا ہزار روپیہ کا ویسا ہی ایک پیسے کا۔ اگر بدیں وجہ کہ مال کثیر اور قرنوں کی زکوۃ ہے یہ رقم وافر دیتے ہُوئے نفس کو درد پہنچے گا، تو اول تو یہ ہی خیال کر لیجئے کہ قصور اپنا ہے سال بہ سال دیتے رہتے تو یہ گٹھڑی کیوں بندھ جاتی، پھر خدائے کریم عزّوجل، کی مہربانی دیکھئے، اس نے یہ حکم نہ دیا کہ غیروں ہی کو دیجئے بلکہ اپنوں کو دینے میں دُونا ثواب رکھا ہے، ایک تصدّق کا، ایک صلہ رحم کا۔ تو جو اپنے گھر سے پیارے، دل کے عزیز ہوں جیسے بھائی، بھتیجے، بھانجے، انھیں دے دیجئے کہ ان کا دینا چنداں ناگوار نہ ہوگا، بس اتنا لحاظ کر لیجئے کہ نہ وہ غنی ہو نہ غنی باپ زندہ کہ نا بالغ بچّہ، نہ اُن سے علاقہ زوجیت یا ولادت ہو یعنی نہ وُہ اپنی اولاد میں نہ آپ انکی اولاد میں۔ پھر اگر رقم ایسی ہی فراواں ہے کہ گویا ہاتھ بالکل خالی ہُوا جاتا ہے تو دئے بغیر تو چھٹکارا نہیں، خدا کے وہ سخت عذاب ہزاروں برس تک جھیلنے بہت دشوار ہیں، دُنیا کی یہ چند سانسیں تو جیسے بنے گزر ہی جائیں گی، تاہم اگرچہ یہ شخص اپنے ان عزیزوں کو بہ نیّتِ زکوۃ دے کر قبضہ دلائے پھر وہ ترس کھا کر بغیر اس کے جبر و اکراہ کے اپنی خوشی سے بطور ہبہ جس قدر چاہیں واپس کر دیں تو سب کے لیے سراسر فائدہ ہے، اس کے لیے یہ کہ خدا کے عذاب سے چھُوٹا اللہ تعالٰی کا قرض و فرض ادا ہُوا اور مال بھی حلال و پاکیزہ ہو کر واپس ملا، جو رہا وُہ اپنے جگر پاروں کے پاس رہا، ان کے لیے یہ فائدہ ہیں کہ دنیا میں مال ملا عقبٰی میں اپنے عزیز مسلمان بھائی پر ترس کھانے اور اسے ہبہ کرنے اور اس کے ادائے زکوۃ میں مدد دینے سے ثواب پایا، پھر اگر ان پر پُورا اطمینان ہو تو زکوۃ سالہا سال حساب لگانے کی بھی حاجت نہ رہے گی، اپنا کل مال بطور تصدّق انھیں دے کر قبضہ دلادے پھر وہ جس قدر چاہیں اسے اپنی طرف سے ہبہ کر دیں، کتنی ہی زکوۃ اس پر تھی سب ادا ہو گئی اور سب مطلب بر آئے اور فریقین نے ہر قسم کے دینی و دنیوی نفع پائے، مولٰی عزوجل اپنے کرم سے توفیق عطا فرمائے آمین آمین یارب العالمین۔ **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم۔**

مسئلہ ۷۳: از شہر ملوک پور مرسلہ جناب سیّد محمد علی صاحب نائب ناظر فرید پور ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ زکوۃ کس ماہ میں دینا اولٰی ہے یا یہ کہ زیور اور روپیہ تو جب پورا سال گزر جائے؟

الجواب:

جب سال تمام ہو فورًا فورًا پُورا ادا کرے، ہاں اوّلیّت چاہے تو سال تمام ہونے سے پہلے پیشگی ادا کرے، اس کے لیے بہتر ماہِ مبارک رمضان ہے جس میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ستّر فرضوں کے برابر۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۴: از بنارس مسجد بی بی راجی متصل شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۱۳۱۲ھ **ماقولکم ایھا العلماء** (اے علماء کرام! آپ کا کیا ارشاد ہے) دریں مسئلہ کہ زید پیشہ طبابت کرتا ہے اور کُچھ گولیاں اس کے پاس ہیں کہ بحساب فی روپیہ ۴ گولیاں علی العموم بیماروں کو دیتا ہے لیکن لاگت اصل چار گولیوں کے چار پیسے ہے، جب مطب میں کوئی غریب مصرفِ زکوٰۃ آجاتا ہے تو ۴ گولی مذکور الصدر جس کی قیمت اصلی ۴ پیسے ہے دے کر ایک روپیہ ادائے زکوٰۃ میں شمار کرتا ہے، اس صورت میں بموجب اس کے خیال کے ایک روپیہ زکوٰۃ میں سے ادا ہوگا یا ایک آنہ جو لاگتِ اصلی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

ہر چند شخص کو اختیار ہے کہ اپنے پیشہ کی چیز برضائے مشتری ہزار روپے کے بیچے جبکہ اس میں کذب وفریب ومغالطہ نہ ہو، مگر زکوٰۃ وغیرہا صدقاتِ واجبہ میں جہاں واجب شئی کی جگہ اس کی غیر کوئی چیز دی جائے تو صرف بلحاظِ قیمت جانبین ہی دی جاسکتی ہے،

فی التبیین لو ادی من خلاف جنسہ تعتبر القیمۃ با لاجماع اھ[1] وفی التتار خانیۃ عن التحفۃ، الواجب فی الا بل الا نوثۃ حتی لا یجوز الذکور الا بطریق القیمۃ اھ[2] وفی محیط الامام السرخسی فی صدقۃ الفطر ان دقیق الحنطۃ والشعیر و سویقھما مثلھما و الخبز لا یجوز الا با عتبار القیمۃ وھو الاصح اھ[3] الکل فی الھندیۃ۔	تبیین میں ہے کہ اگر شئی کے غیر جنس سے زکوٰۃ ادا کرنا ہو تو بالاتفاق قیمت کا اعتبار ہوگا اھ اور تاتارخانیہ میں تحفہ سے ہے کہ اونٹوں میں اگر مؤنث لازم ہے تو اب مذکر سے ادائیگی جائز نہیں مگر بطورِ قیمت اھ امام سرخسی کی محیط کے صدقۃ الفطر میں ہے کہ گندم وجو کا آٹا اور ان کے ستّو ایک دوسرے کی مثل ہیں لیکن روٹی نہیں دی جاسکتی، ہاں قیمت کے اعتبار سے، اور یہی اصح قول ہے اھ، مکمل تفصیل ہندیہ میں ملاحظہ کیجئے۔ (ت)

اور قیمت وُہ کہ نرخ بازار سے جو حیثیت شئی کی ہو، نہ وہ کہ بائع اور مشتری میں اُن کی تراضی سے قرار پائے کہ وہ ثمن ہے،

---
[1] تبیین الحقائق باب زکوٰۃ المال مطبعہ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۱ / ۲۷۸
[2] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ تاتارخانیہ الفصل الثانی فی الفروض نورانی کتب خانہ پشاور ۱ / ۱۸۱
[3] فتاوٰی ہندیۃ محیط السرخسی الباب الثامن فی صدقۃ الفطر نورانی کتب خانہ پشاور ۱ /۱۹۱

ردالمحتار میں ہے کہ ثمن اور قیمت میں فرق ہے، جس پر متعاقدان راضی ہوجائیں وہ ثمن ہوں گے خواہ قیمت شئی سے زائد ہو یا کم، بغیر کسی کمی وزیادتی کے شئی کے معیاری عوض کا نام قیمت ہے۔ (ت)	فی ردالمحتار الفرق بین الثمن والقیمۃ ان الثمن ما تراضی علیہ المتعاقد ان سواء زاد علی القیمۃ او نقص والقیمۃ ما قوم بہ الشئی بمنزلۃ المیعاد من غیر زیادہ ولا نقصان۔[1]

تواُن گولیوں کی بہ لحاظ نرخ بازار جسقدر مالیّت ہو اسی قدر زکوٰۃ میں مجرا ہوں گے اُس سے زائد دینِ الٰہی رہا کہ فورًا واجب الادا ہے، ہاں اگر زیادہ محسوب کرنا چاہے تو اس کی سبیل یہ نہیں بلکہ یُوں ہے کہ مصرف زکوٰۃ کو گولیاں ہبۃً نہ دے اس کے ہاتھ بیع کرلے، اب بیع میں اختیار ہے جو ثمن چاہے اس کی رضامندی سے ٹھہرالے اگرچہ شئی کی حیثیت سے کتنا ہی زائد ہو بشرطیکہ مشتری عاقل بالغ ہو، اور اسے سمجھادے کہ اگر تیرے پاس قیمت نہیں تو اس کا اندیشہ نہ کر میں خود اپنے پاس سے تجھے دے کر سبکدوش کردوں گا، اب مثلًا ۴ گولیاں ایک روپیہ کو اس کے ہاتھ بیچے وُہ خریدے اس کا ایک روپیہ اس پر دین ہوگیا پھر ایک روپیہ بہ نیت زکوٰۃ اسے دے کر قبضہ کرادے پھر اپنے آتے میں روپیہ اس سے واپس لے، اگر وہ عذر کرے تو جبرًا لے سکتا ہے کہ اتنی میں وُہ اس کا مدیون ہے، یوں اسے ۴ گولیاں مفت ملیں گی اور اس کی زکوٰۃ سے ایک روپیہ ادا ہوجائے گا،

درمختار میں ہے کہ حیلہ جواز یہ ہے کہ آدمی اپنے مقروض فقیر کو زکوٰۃ دے پھر اس سے قرضہ وصول کرے، اگر مقروض نہ دے تو چھین لے کیونکہ وہ اپنے حق کی جنس پر قادر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)	فی الدر المختار حیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکوٰتہ ثم یا خذھا من دینہ ولوامتنع المدیون مدیدہ واخذ ھا لکونہ ظفر بجنس حقہ،[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۵تا۷۷: از بمبیئ نمبر ۹ ہوٹل آئسکریم مسئولہ شیخ امام علی صاحب رضوی ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص نے کچھ زمین کسی زمیندار سے ٹھیکہ میں لی اس کے پاس دس ہزار روپیہ جمع کیا، میعاد ٹھیکہ مقرر نہیں، یہ طے ہوا کہ جس وقت روپیہ واپس کریں گے زمین ٹھیکہ سے نکال لیں گے اور اس شخص نے زمین سے نفع حاصل کرنے کی اجازت دی، اس روپیہ کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے اور کس طریقہ سے اس کی زکوٰۃ دی جائے؟

(۲) اگر ایک شخص کے پاس دس بیگھ زمین کاشتکاری کی ہے اور وُہ پانچ بیگھ زمین میں بارش سے غلّہ

---

[1] ردالمحتار باب خیار الشرط مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۷

[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

اگاتا ہے اور پانچ بیگھہ زمین کو کُنویں یا دریائی پانی سے سینچ کر غلّہ پیدا کرتا ہے اور غلّہ صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ جو خاندان کے لیے کافی ہوتا ہے بچت نہیں، اس صورت میں اس کے عشر اور زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

(۳) اگر کسی نے ایک دُکان میں دس ۱۰ ہزار روپیہ کا سامان یعنی میز کرسی اور برتن وغیرہ خرید کر گاہکوں کے استعمال کے لیے لگادیا اور دُکان میں فروخت کی اشیاء روزانہ یا دوسرے تیسرے دن لا کر فروخت کرتا ہے تو اس دس ہزار روپیہ کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے، اور روزانہ جو آمدنی ہوتی ہے اس کو اپنے خرچ میں لاتا ہے؟

الجواب:

(۱) یہ کوئی صورت ٹھیکہ کی نہیں، ٹھیکہ میں نفع کے مقابل روپیہ ہوتا ہے نہ یہ کہ نفع لیا جائے اور واپسی زمین پر روپیہ واپس ہو جائے، یہ صورت قرض کی ہے اور زمین رہن اور اس سے نفع لینا جائز نہیں اور اس کی زکوٰۃ اس روپے والے پر واجب، اگرچہ واجب الادا اس وقت ہوگی جب وُہ قرض بقدر نصاب یا خمس نصاب اُس کو وصول ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) زکوٰۃ تو نہ غلّہ پر ہے نہ زمین پر، اگر سونا یا چاندی تمام حاجاتِ اصلیہ سے فارغ بقدر نصاب ہو اور سال گزرے تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور عشر بہر حال واجب ہے، مینہ کی پیداوار پر دسواں حصّہ اور پانی دی ہوئی پر بیسواں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) جس دن وُہ مالک نصاب ہُوا تھا جب اُس پر سال پُورا گزرے گا اُس وقت جتنا سونا چاندی یا تجارت کا مال میز کرسی وغیرہ جو کچھ بھی ہو بقدر نصاب اس کے پاس تمام حاجات اصلیہ سے فارغ موجود ہوگا اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، روزمرہ کے خرچ میں جو خرچ ہوگیا ہوگیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۸: از کانپور محلّہ فیل خانہ کہنہ مسئولہ سیّد محمد آصف صاحب ۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

حضور کے فتاوٰی جلد اول مطبوعہ کے حاشیہ پر یہ عبارت ہے کہ: "جس کے عزیز محتاج ہوں اسے منع ہے کہ انھیں چھوڑ کر غیروں کو اپنے صدقات دے، حدیث میں فرمایا: ایسے کا صدقہ قبول نہ ہوگا اور اللہ تعالٰی روزِ قیامت اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا۔" عزیز سے کون کون شخص مراد ہیں؟

الجواب:

عزیزوں میں ذورحم محرم مقدم ہیں پھر باقی ذورحم، ان سے پھیر کر اجنبی کو صدقہ نہ دے پھیرنے کے معنی کا صدق چاہئے، مثلاً گداگروں کو جو ایک آدھ پیسہ یا روٹی کا ٹکڑا جاتا ہے کہ اپنے اعزّا کو نہیں دے سکتا، اور دے تو وہ نہ لیں گے، وُہ ان سے پھیر کر دینا نہ ہُوا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

رسالہ

رادع التعسف عن الامام ابی یُوسف ۱۳۱۸ھ

(حیلہ زکوٰۃ کے بارے میں امام ابویوسف پر غیر مقلدین کے اعتراض کا رَد)

مسئلہ ۷۹: از گونڈہ ملک اودھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبداللہ صاحب مدرس مذکور ۱۶ جمادی الآخر ۱۳۱۸ھ

کتاب غفرالمبین مؤلّفہ محی الدین غیر مقلد میں لکھا ہے کہ جناب قاضی ابویوسف صاحب آخرِ سال پر اپنا مال اپنی بی بی کے نام ہبہ کردیا کرتے تھے اور اس کا مال اپنے نام ہبہ کرالیا کرتے تھے تاکہ زکوٰۃ ساقط ہوجائے، یہ بات کسی نے امام ابوحنیفہ صاحب سے نقل کی انہوں نے فرمایا کہ یہ اُن کے فقہ کی جہت سے ہے اور درست فرمایا، چنانچہ اس امر کو ایک عالم مقلّد نے بھی تصدیق کیا بلکہ یہ کہا اس معاملے کو امام بخاری صاحب نے بھی درج کتاب کیا ہے اور بہت نفرت کے ساتھ لکھا ہے اس کی تشرح و توضیح مدلّل ارشاد فرمائی جائے۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

اللھم لك الحمد صل وسلم علی سیّد انبیائك وآلہ وصحبہ وسائر اصفیائك اسألك حبّك وحبّ	اے اللہ تیرے ہی لیے حمد ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے سربراہ پر صلوٰۃ وسلام، ان کی آل واصحاب اور باقی تمام اصفیاء پر بھی۔اے اللہ! میں آپ سے آپ کی

احبائك وحسن الادب مع جميع اولیائك و اعوذبك من غضبك و سخطك و سوء بلائك۔	محبت، آپ کے محبوبوں کی محبت اور آپ کے تمام دوستوں کے ساتھ حُسنِ ادب کا سوال کرتاہُوں، اور آپ کے غضب، ناراضگی اور گرفت سے پناہ مانگتاہُوں (ت)

اوّلاً: صحیح بخاری شریف میں اوّل تا آخر کہیں اس حکایت کا پتا نہیں کہ امام ابویوسف اس کے عامل تھے امام اعظم مصدّق ہوئے، امام بخاری نے صرف اس قدر لکھا کہ بعض علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص سال تمام سے پہلے مال کو ہلاک کردے یا دے ڈالے یا بیچ کر بدل لے کہ زکوٰۃ واجب نہ ہونے پائے تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا، اور ہلاک کرکے مرجائے تو اس کے مال سے کچھ نہ لیا جائے گا، اور سال تمام سے پہلے اگر زکوٰۃ ادا کردے تو جائز و روا۔ اُن کی عبارت یہ ہے:

وقال بعض الناس فی عشرین ومائة بعیر حقتان فان اهلکها متعمدااووهبها او احتال فیها فرارا من الزکوٰة فلا شئی علیه۔[1]	بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ایک سو بیس ۱۲۰ اونٹوں میں دو ۲ حقہ ہیں اور اگر انھیں عمداً ہلاک کردیا یا انھیں کسی کو ہبہ کردیا یا زکوٰۃ سے بھاگنے کے لیے کوئی حیلہ کرلیا تو اب مالک پر زکوٰۃ نہیں ہوگی (ت)

پھر کہا:

وقال بعض الناس فی رجل له ابل فخاف ان تجب علیه الصدقة فباعها بابل مثلها او بغنم او ببقر او بدراهم فرارا من الصدقة بیوم واحتیالا فلا شئی علیه وهو یقول ان زکی ابله قبل ان یحول الحول بیوم او بسنة جازت عنه۔[2]	بعض لوگوں نے اس شخص کے بارے میں کہا جس کے پاس اونٹ ہوں وُہ ڈرتا ہے کہ کہیں اس پر صدقہ لازم نہ ہو جائے پس وُہ زکوٰۃ سے فرار اور حیلہ کرتے ہوئے ایک دن پہلے اس کی مثل اونٹوں سے بیچ دیتا ہے یا بکری یا گائے یا دراہم کے عوض بیچ دیتا ہے تو اب اس پر کوئی شئے لازم نہیں، اور وُہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر مالک نے اپنے اونٹ کی زکوٰۃ سال گزرنے سے ایک دن یا سال پہلے زکوٰۃ دے دی تو ادا ہو جائیں گی۔ (ت)

پھر کہا:

وقال بعض الناس اذا بلغت الابل عشرین	بعض لوگوں نے کہا جب اُونٹ بیس ۲۰ ہو جائیں تو اس

[1] صحیح البخاری کتاب الحیل باب فی الزکوٰۃ والّا یفرق الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۲۹

[2] صحیح البخاری کتاب الحیل باب فی الزکوٰۃ والّا یفرق الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۲۹

ففیھا اربع شیاہ فان وھبھا قبل الحول او باعھا فرارا اواحتیالا لاسقاط الزکوٰۃ فلاشئی علیہ وکذٰلك ان اتلفھا فمات فلاشئی فی مالہ۔[1]	بعض لوگوں نے کہا جب اُونٹ بیس ۲۰ ہوجائیں تو اسمیں چار بکریاں لازم ہوں گی، اب اگر اسقاطِ زکوٰۃ کیلئے حیلہ کرتے ہُوئے سال گزرنے سے پہلے ان اونٹوں کو ہبہ کردیا تو اب کوئی شئی لازم نہ ہوگی، اسی طرح اگر مالک نے ہلاک کردیا اور مالک فوت ہوگیا تو اس کے مال میں کوئی شئی لازم نہ ہوگی۔(ت)

کیا ہے کہ کوئی ایسا کرے تو اس پر کُچھ واجب نہ ہوگا۔

ثانیًا: ہمارے کتبِ مذہب نے اس مسئلہ میں امام ابویُوسف اور امام محمد رحمہا اللہ تعالٰی کا اختلاف نقل کیا اور صرف لکھ دیا کہ فتوٰی امام محمد کے قول پر ہے کہ ایسا فعل جائز نہیں۔ تنویر الابصار و در مختار و درر و غرر و جوہرہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ للاولین(تکرہ الحیلۃ لاسقاط الشفعۃ بعد ثبوتھا وفاقا)کقولہ للشفیع اشترہ منی ذکرہ البزازی (واماالحیلۃ لدفع ثبوتھا ابتدأ فعند ابی یوسف لاتکرہ وعند محمد تکرہ، ویفتی بقول ابی یوسف فی الشفعۃ)قیدہ فی السراجیۃ بما اذکان الجار غیر محتاج الیہ و استحسنۃ محشی الاشباہ (وبضدہ)وھوالکراھۃ (فی الزکوٰۃ)والحج واٰیۃ السجدۃ جوھرۃ۔[2]	پہلی دونوں کتب کی عبارت یہ ہے(ثبوتِ شفعہ کے بعد اسقاط کے لیے حیلہ کرنا بالاتفاق مکروہ ہے)مثلًا شفیع کے لیے یہ کہنا کہ وُہ چیز آپ مجھ سے خریدلیں۔ اسے بزازی نے ذکر کیا(لیکن ابتداءعدمِ ثبوت کے لیے حیلہ کرنا امام ابویوسف کے نزدیک مکروہ نہیں۔اور امام محمد کے ہاں مکروہ ہے۔ شفعہ میں امام ابویوسف کے قول پر فتوی ہے)سراجیہ میں اس قید کا اضافہ ہے کہ بشرطیکہ پڑوسی اس کے محتاج نہ ہو محشیٔ اشباہ نے اسے پسند کیا ہے اور زکوٰۃ، حج اور آیتِ سجدہ میں (اس کی ضد) بھی کراہت پر فتوٰی ہے۔جوہرہ(ت)

ردالمحتار میں شرح دررالبحار سے ہے: **ھذا تفصیل حسن**[3] (یہ تفصیل خوبصورت ہے۔ت) غمزالعیون

[1] صحیح البخاری کتاب الحیل باب فی الزکوٰۃ والّایفرق بین مجتمع الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۰۲۹/۲
[2] درمختار کتاب الشفعۃ کتاب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲۱۶/۲
[3] ردالمحتار کتاب الشفعۃ کتاب مایبطلہا مصطفی البابی مصر ۱۷۳/۵

میں ہے:

الزکوٰۃ علی عدم جواز الحیلۃ لاسقاط الزکوٰۃ وھو قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی وھو المعتمد۔[1]	فتوٰی حیلہ اسقاطِ زکوٰۃ کے عدمِ جواز پر ہے اور یہی امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے، اور اسی پر اعتماد ہے(ت)

مجمع الانہر میں شرح الکنز للعینی سے ہے:

المختار عندی ان لا تکرہ فی الشفعۃ دون الزکوٰۃ۔[2]	میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ شفعہ میں حیلہ مکروہ نہیں لیکن زکوٰۃ میں مکروہ ہے۔(ت)

وقایہ واصلاح وایضاح میں ہے:

واللفظ لھذین لا یکرہ حیلۃ اسقاط الشفعۃ الزکوٰۃ عند ابی یوسف خلافا لمحمد و یفتی فی الاول بقول الاول وفی الثانی بقول الثانی۔[3]	ان دونوں کی عبارت یہ ہے: اسقاط شفعہ زکوٰۃ کے لیے حیلہ امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں لیکن امام محمد کو اس میں اختلاف ہے پہلے (شفعہ) میں پہلے امام (ابو یوسف) کے قول پر اور دوسرے (زکوٰۃ) میں دوسرے امام (محمد) کے قول پر فتوی ہے۔(ت)

امام الائمہ سراج الامہ حضرت سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب بھی یہی مذہبِ امام محمد ہے کہ ایسا فعل ممنوع و بد ہے۔ غمز العیون میں تاتارخانیہ سے ہے:

کان ممنوع مکروھا عند الامام و محمد۔[4]	یہ (حیلہ) امام اعظم اور امام محمد دونوں کے نزدیک مکروہ ہے۔(ت)

تو امام کے طرف وُہ نسبت تصویب کہ انہوں نے فرمایا (ابویوسف نے درست فرمایا) خود مذہبِ امام کے صریح خلاف ہے۔

ثالثًا: بلکہ خزانۃ المفتین میں فتاوٰی کبرٰی سے ہے:

---

[1] غمز عیون البصائر الفن الخامس من الاشباہ والنظائر الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲ /۲۹۲

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل وتبطل الشفعۃ بتسلیم الکل او بعض داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۴۸۶

[3] شرح الوقایۃ کتاب الشفعۃ باب ماھی فیہ الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۷۰

[4] غمز عیون البصائر الفن الخامس من الاشباہ والنظائر وھو فن الحیل ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲ /۲۹۲

الحیلۃ فی ابطال الشفعۃ بعد ثبوتھا یکرہ لانہ ابطال لحق واجب واما قبل الثبوت فلا باس بہ وھو المختار والحیلۃ فی منع وجوب الزکوٰۃ تکرہ بالاجماع۔[1]	ثبوت کے بعد ابطال شفعہ کے لیے حیلہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ حق واجب کو باطل کرنا ہے لیکن ثبوت سے پہلے حیلہ میں کوئی حرج نہیں اور یہی مختار ہے اور وجوب زکوٰۃ میں رکاوٹ کے لیے حیلہ کرنا بالاجماع مکروہ ہے۔(ت)

یہاں سے ثابت کہ ہمارے تمام ائمہ کا اس کے عدمِ جواز پر اجماع ہے، حضرت امام ابویوسف بھی مکروہ رکھتے ہیں ممنوع و ناجائز جانتے ہیں کہ مطلق کراہت کراہتِ تحریم کے لیے ہے خصوصًا نقل اجماع کہ یہاں ہمارے سب ائمہ کا مذہب متحد بتارہی ہے اور شک نہیں کہ مذہبِ امام اعظم وامام محمد اس حیلہ کا ناجائز ہونا ہے، غمزالعیون کے لفظ سُن چکے کہ صاف عدمِ جواز کی تصریح ہے
اقول: اگر بتظافر نقولِ خلاف، بغرض توفیق اس روایت اجماع میں کراہت کو معنی اعم پر حمل کریں،

فربما تجئی کذا کقولھم فی الصلٰوۃ کرہ کذا وکذا وارادوا بہ المکروھات من القسمین۔	تو کبھی یوں بھی آتا ہے جیسا کہ فقہاء کا نماز کے باب میں کہنا کہ فلاں فلاں چیز مکروہ ہے اور مکروہات کی دونوں قسموں کو مراد لیتے ہیں (ت)

تو حاصل یہ ہوگا کہ اس حیلہ کے مکروہ و ناپسند ہونے پر ہمارے ائمہ کا اجماع ہے، خلاف اس میں ہے کہ امام ابویوسف مکروہِ تنزیہی فرماتے ہیں اور امام اعظم وامام محمد مکروہِ تحریمی۔ اور فقیر نے بچشمِ خود امام ابی یوسف رضی اللہ عنہ کی متواتر کتاب مستطاب الخراج میں یہ عبارت شریفہ مطالعہ کی (مطبع میری بولاق مصر صفحہ ۴۵):

قال ابو یوسف رحمہ اللہ لا یحل لرجل یؤمن باللہ والیوم الاٰخر منع الصدقۃ ولا اخراجھا من ملکہ الی ملك جماعۃ غیرہ لیفرقھا بذٰلك فتبطل الصدقۃ عنھا بان یصیر لکل واحد منھم من الابل والبقر والغنم مالا یجب فیہ الصدقۃ ولایحتال فی ابطال الصدقۃ بوجہ ولا سبب بلغنا عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ	یعنی امام ابُویُوسف فرماتے ہیں کسی شخص کو جو اللہ و قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ حلال نہیں کہ زکوٰۃ نہ دے یا اپنی ملک سے دوسروں کی ملک میں دے دے جس سے ملک متفرق ہوجائے اور زکوٰۃ لازم نہ آئے کہ اب ہر ایک کے پاس نصاب سے کم ہے اور کسی طرح کسی صورت ابطالِ زکوٰۃ کا حیلہ نہ کرے، ہم کو ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا زکوٰۃ نہ دینے والا مسلمان نہیں رہتا، اور جو زکوٰۃ نہ دے اس کی

[1] خزانۃ المفتین

انہ قال ماما نع الزکوٰۃ بمسلم ومن لم یؤدھا فلا صلوٰۃ لہ۔[1]	نماز مردود ہے۔

فتاوٰی کبرٰی وخزانۃ المفتین کی نقلِ اجماع عبارتِ اطلاق کی تائید کررہی ہے اور اس کا اطلاق اُس اجماع کی، امام ابویوسف نے یہ کتاب مستطاب خلیفہ ہارون کے لیے تصنیف فرمائی ہے جبکہ امام خلافت ہارونی میں قاضی القضاۃ و قاضی الشرق والغرب تھے اُس میں کمال اعلانِ حق کے ساتھ خلیفہ کو وُہ ہدایات فرمائی ہیں جو ایک اعلٰی درجے کے امام ربّانی کے شایانِ شان تھیں کہ اللہ کے معاملے میں سُلطان و خلیفہ کسی کا خوف و لحاظ نہ کرے اور خلیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے ان ہدایات کو اسی طرح سنا ہے جو ایک خدا پرست سلطان و امیر المومنین کے لائق ہے کہ نصائح ائمہ وعلماء اگرچہ بظاہر تلخ ہوں گوشِ قبول سے سُنے اور اُن کے حجور فروتنی کرے، یہ زمانہ امام کا آخر زمانہ تھا، حاضرین مجلس مبارک سیّدنا امام اعظم یا اُس کے بعد کا قریب زمانہ جس میں خلافیاتِ ائمہ ثلٰثہ منقول ہُوئی ہیں، اس سے متقدم تھا، تواس تقدیر پر نقل اجماع کو ظاہر سے پھیرنے کی حاجت نہیں، تطبیق یُوں ہوگی کہ امام ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس قول سے رجوع فرمایا اور اُن کا آخر قول یہی ٹھہرا جو ان کے استاذ اعظم امام الائمہ اور شاگرد اکبر امام محمد کا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، اور ایک امام دین جب ایک قول سے رجوع فرمائے تو اب وہ اس کا قول نہ رہا، نہ اس پر طعن روا، نہ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما پر طعن کیا کہ وُہ ابتداء میں جوازِ متعہ مدتوں قائل رہے ہیں یہاں تک کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اپنے زمانہ خلافت میں اُن سے فرمایا کہ اپنے ہی اُوپر آزمادیکھئے، اگر متعہ کرو تو میں سنگسار کروں، آخر زمانہ میں اس سے رجوع کیا اور فرمایا: اللہ عزوجل نے زوجہ وکنیز شرعی بس ان دو کو حلال فرمایا ہے **فکل فرج سواھما حرام**[2] ان دو[2] کے سوا جو فرج ہے حرام ہے، رواہ الترمذی (اسے ترمذی نے روایت کیا۔ت) زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ پر طعن کیا جائے کہ وُہ پہلے سُود کی بعض صُورتیں حلال بتاتے ہیں یہاں تک امّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا کہ زید کو خبر دے دو کہ اگر وہ اس قول سے باز نہ آئے تو انھوں نے جو حج و جہاد رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب کیا اللہ تعالٰی اسے باطل فرمادے گا۔[3] رواہ الدارقطنی (اسے دارقطنی نے روایت کیا۔ت)

رابعًا: یہ حکایت کسی سند مستند سے ثابت نہیں، اور بے سند مذکور ہونا طعن کے لیے کیا نفع دے سکتا ہے

---

[1] کتاب الخراج باب فی الزیادۃ والنقصان الخ مطبعہ بولاق مصر ص ۸۶
[2] جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی نکاح المتعۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۳۴
[3] سنن الدارقطنی کتاب البیوع حدیث ۲۱۱ نشر السنۃ ملتان ۳/ ۵۲

وہ بھی ایسی کتاب میں خصوصًا جس میں تو وُہ حدیثیں خود رسول اللہ صلے تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ایسی منسوب ہیں جن کی نسبت ائمہ حدیث نے جزم کیا کہ باطل و موضوع و مکذوب ہیں۔

ولکل فن رجال و لکل رجال مجال ویا بی اللہ العصمۃ الا لکلامہ و لکلام رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔	ہر فن کے ماہرین ہیں اور تمام ماہرین میں خطا کا امکان ہے۔ اللہ تعالےٰ نے عصمت صرف اپنے کلام اور اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام ہی کو عطا فرمائی ہے۔(ت)

مجتہد کے اجتہاد میں کسی فعل کا جواز آنا اور بات اور خود اس کا مرتکب ہونا اور بات، یہ اساطین دین الٰہی بار با عوام کے لے رخصت بتاتے اور خود عزیمت پر عمل کرتے۔ سیّدنا امام اعظم امام الائمہ سراج الامہ کاشف الغمہ مالک الازمہ رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں:

لا احرم النبیذ الشدید دیانۃ ولا اشربہ مروءۃ۔	میں نبیذ کو دیانۃً حرام نہیں کہتا لیکن مروتًا اسے پیتا نہیں ہُوں۔(ت)

اُن کے شاگرد کے شاگرد محمد بن مقاتل رازی کہتے ہیں:

لواعطیت الدنیا بحذافیرھا ماشربت المسکر یعنی نبیذ التمر والزبیب ولو اعطیت الدّنیا بحذافیرھا مافتیت بانہ حرام،[1] ذکرہ الامام البخاری فی الخلاصۃ۔	اگر تمام دنیا مجھے دے دی جائے تو میں نشہ آور چیز یعنی تمر اور زبیب کا نبیذ نہ پیوں گا، اور اگر مجھے تمام دنیا عطا کردی جائے تو میں اس کے حرام ہونے کا فتوٰی نہیں دے سکتا، امام بخاری نے خلاصہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔(ت)

خامسًا: امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ الشریف احیاء العلوم شریف فرماتے ہیں:

فان قیل ھل یجوز لعن یزید لانہ قاتل الحسین واٰمربہ قلنا ھذالم یثبت اصلا فلا یجوز ان یقال انہ قتل او امربہ مالم یثبت فضلا عن اللعنۃ لانہ	اگر سوال کیا جائے کہ کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے کیونکہ وُہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل ہے یا اس نے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اصلًا ثابت نہیں جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے تو اسے

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاشربہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲۰۵/۴

لانہ لاتجوز نسبۃ مسلم الی کبیرۃ من غیر تحقیق نعم یجوز ان یقال قتل ابن ملجم علیا وقتل ابو لؤلؤ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فان ذلك ثبت متواتر افلا یجوز ان یرمی مسلم بفسق وکفر من غیر تحقیق۔[1]	قاتل یا اس کا آمر نہ کہا جائے چہ جائیکہ اس پر لعنت کی جائے کیونکہ بغیر تحقیق کسی مسلمان کی طرف کبیرہ گناہ کی نسبت کرنا جائز نہیں، ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ابنِ ملجم اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ کو ابو لؤلؤ نے شہید کیا کیونکہ یہ تواتر سے ثابت ہے تو بغیر تحقیق کسی مسلمان کی طرف فسق یا کفر کی نسبت کرنا ہر گز جائز نہیں۔(ت)

اقول: یہ فعل امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے حکایت کیا جاتا ہے آیا خطاء اجتہادی ہے یا اس کی قابلیت نہیں رکھتا بلکہ معاذ اللہ عمداً فریضۃ اللہ سے معاندت ہے، بر تقدیر اوّل اس سے طعن کے کیا معنی مجتہد اپنی خطا پر ثواب پاتا ہے اگر چہ صواب کا ثواب دونا ہے۔ اور اگر عیاذاً باللہ شق ثانی فرض کی جائے فرض خود سے معاندت قطعاً کبیرہ ہے خصوصًا وہ بھی بر سبیل عادت جو (کر دیا کرتے تھے) کا مفاد ہے خصوصا اس زعم کے ساتھ کہ آخرت میں اس کا ضرر ہر گناہ سے زائد ہے تو معاذ اللہ اکبر الکبائر ہوا پھر کیونکر حلال ہو گیا کہ ایسے سخت کبیرہ شدیدہ نہ کبیرہ بلکہ اکبر الکبائر کو ایک مسلمان نہ صرف مسلمان بلکہ امام المسلمین کی طرف بلا تواتر نہ فقط بے تواتر بلکہ محض بلا سند صرف حکیٰ کی بنا پر نسبت کر دیا جائے۔ سبحان اللہ! یزید پلید کی طرف تو یہ نسبت ناجائز و حرام ہو کہ اس نے امام مظلوم سیدنا حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہید کرایا اس لیے کہ اس کا حکم دینا اس خبیث سے متواتر نہیں اور سیدنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایسی شدید عظیم بات نسبت کرنا حلال ٹھہرے حالانکہ تواتر چھوڑ کرا صلًا کوئی ٹوٹی پھوٹی سند بھی نہیں۔

فقد تمت الحجۃ بالحجۃ علی الحجۃ و طھر بہ ذیل امام المحجۃ وللہ الحجۃ البالغۃ ولکل جواد کبوۃ ولکل صارم نبوۃ ولکل عالم ھفوۃ ولقد صدق امام دارالھجرۃ عالم المدینۃ سیّدنا الامام مالك بن انس رحمۃ اللہ تعالٰی اذیقول کل ماخوذ من قولہ ومردود علیہ الاصاحب ھذا القبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا	اب حجت پر حجت کے ساتھ حجت تام ہو گئی اور امام المحجۃ کا دامن پاک ہو گیا اور کامل حجت اللہ تعالٰی کے لیے ہی ہے ہر شہسوار کو گرنا اور ہر تلوار کُند ہونا ہے اور ہر عالم کو لغزش کا سامنا ہے ـــــ امام دار الہجرت عالم مدینہ سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سچ فرمایا کہ ہر ایک کا قول ماخوذ بھی ہو سکتا ہے اور مردود بھی ماسوائے اس قبر کے مکین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے

[1] احیاء العلوم الآفۃ الثامنۃ اللعن مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی القاہرۃ ۳/ ۱۲۵

ان الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ھفوات بدرت مھما ندرت یبتغون الفتنۃ فی الدین وایذاء قلوب المسلمین واللہ المستعان علی الطاغین والمردۃ الباغین ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔	ــــــ بلاشبہ وہ لوگ جن کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ ان ہفوات کی اتباع کرتے ہیں جیسے بھی وُہ ظاہر ہوں اور اس سے دین میں فتنہ برپا کرکے مسلمانوں کے دلوں کو ایذا دیتے ہیں، ان سرکشوں اور مردود باغیوں کے خلاف اللہ تعالٰی مدد فرمانے والا ہے۔(ت)

سادسًا: مجرد استقباح واستبعاد بے دلیل شرعی مسموع نہیں، نہ احکام زہد احکامِ شرع پر حاکم نماز میں قلّتِ خشوع کو اہلِ سلوک کیا کیا سخت و شنیع مذمتیں نہیں کرتے، ایسی نماز کو باطل و مہمل و فاسد و مختل سمجھتے ہیں۔ اور فقہاء کا اجماع ہے کہ خشوع نہ رکنِ نماز ہے نہ فرض نہ شرط، ما نحن فیہ کا محلِ اجتہاد نہ ہونا مخالف نے نہ بتایا نہ قیامت تک بتا سکتا ہے، پھر اجتہاد مجتہد پر طعن کیا معنی رہا، فعل اگر بفرضِ غلط ایک آدھ بار وقوع بسندِ معتمد ثابت بھی ہوجائے تو کرنے اور کیا کرنے میں زمین آسمان کا بل ہے، نہ کان یفعل تکرار میں نص، کما بیّناہ فی التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل (جیسا کہ ہم نے اس بات کو اپنے رسالہ "التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل" میں بیان کیا ہے۔ت) واقعہ حال محتمل صد احتمال ہوتا ہے عروض ضرورت یا امر اہم یا کچھ نہ سہی تو بیان جواز ہی کہ فعلاً قولاً سے اکمل واتم اور (یہ اُن کی فقہ سے ہے) تصویب نہیں، اس کے معنی اس قدر کہ یہ اُنکا اجتہاد ہے جس کا حاصل صرف منع طعن ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد پر ملام نہیں، جس طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے عکرمہ کو جب اُنھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شکایت کی کہ وتر کی ایک رکعت پڑھی، جواب دیا دعہ ف فانہ فقیہ[1] انھیں کچھ نہ کہہ کہ وہ مجتہد ہیں رواہ البخاری (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ت)۔ ہاں دربارہ تصویب و تصدیق یہ حکایت کُتب میں منقول ہے کہ امام زین الملّۃ والدّین ابوبکر خواب میں زیارتِ اقدسِ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مشرف ہُوئے کسی شافعی المذہب نے امام ابویوسف کا یہ قول حضور کے سامنے عرض کیا، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ابویوسف کی تجویز حق ہے، یا فرمایا درست ہے۔ شرح نقایہ میں ہے:

وقد ایدہ ما صح عندنا ان افضل العلماء فی زمانہ واکمل العرفاء فی اوانہ زین الملۃ والدین ابوبکر	اس کی تائید وُہ واقعہ کرتا ہے جو ہمارے نزدیک صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ اپنے وقت کے افضل العلماء اکمل العرفاء، زین الملّت والدّین

ف: بخاری کے مقام مذکور پر دو حدیثیں منقول ہیں ایک کے الفاظ یہ ہیں دعہ فانہ صحب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسری کے الفاظ یوں قال اصاب انہ فقیہ۔ اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ نے دونوں حدیثوں کا اختیار نقل کیا ہے۔ نذیر احمد)

---

[1] صحیح بخاری باب ذکر معاویہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۳۱

التائبادی قدرأی فی المنام ان شافعی المذہب قال فی مجلس النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ابا یوسف جوز حیلۃ فی اسقاط الزکوٰۃ فقال صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ماجوزہ ابو یُوسف حق اوصدق۔[1]	اس کی تائید وُہ واقعہ کرتا ہے جو ہمارے نزدیک صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ اپنے وقت کے افضل العلماء اکمل العرفاء، زین الملّت والدّین ابوبکر التائبادی نے خواب میں دیکھا کہ شافعی المذہب شخص نے مجلسِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں عرض کیا کہ ابویوسف نے اسقاطِ زکوٰۃ میں حیلہ کو جائز رکھا ہے تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ابویوسف نے جو تجویز کیا ہے وہ حق یا درست ہے (ت)

سابعًا: بعد وجوب، منع کا حیلہ بالاجماع حرام قطعی ہے، یہاں کلام منع وجوب میں ہے یعنی وُہ تدبیر کرنی کہ ابتدًاز کوٰۃ واجب ہی نہ ہو۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں اس میں کون سے حکم کی نافرمانی ہوئی، اللہ عزوجلّ نے سال تمام ہونے پر زکوٰۃ فرض کی جو بعد وجوب ادانہ کرے بالاجماع عاصی ہے، یہ کہاں فرض کیا ہے کہ اپنے مال پر سال گزر بھی جانے دو، جس طرح یہ فرض فرمایا ہے کہ جو زادوراحلہ و قدرت رکھتا ہو حج کرے یہ کب فرض کیا ہے کہ زادوراحلہ واستطاعت کے قابل مال جمع بھی کر، یونہی ہرگز واجب کیا مستحب بھی نہیں کہ قدر نصاب مال جوڑ کر سال بھر رکھ چھوڑو تاکہ زکوٰۃ واجب ہو، ائمہ دین کو تعلیم غل کی طرف منسوب کرنا بدگمانی ہے جو عوام مسلمین پر بھی جائز نہیں، اور حق یہ ہے کہ امامِ ممدوح کا یہ قول بھی اس لیے نہیں کہ لوگ اسے دستاویز بنا کر زکوٰۃ سے بچیں بلکہ وہ وقتِ ضرورت و حاجت پر محمول ہے، مثلاً کسی پر حج فرض ہوگیا تھا، مال چوری ہوگیا، مصارفِ حج ونفقۂ عیالی کے لیے ہزار درہم کی ضرورت ہے اس سے کم میں نہ ہوگا محنت و کوشش سے جمع کیے، آج قافلہ جائے گا ہے کل سالِ زکوٰۃ تمام ہوگا، اگر پچیس درہم نکل جائیں گے مصارف میں کمی پڑے گی، یہ ایسا حیلہ کرے کہ حج فرض سے محروم نہ رہے، یا کوئی شخص اپنے حال کو جانتا ہے کہ زکوٰۃ اُس سے ہرگز ہرگز قطعًا نہ دی جائے گی، اُس کا نفس ایسا غالب ہے کہ کسی طرح اس فرض کی ادا پر اصلاً قدرت نہ دے گا، یہ اس خیال سے ایسا کرے کہ بعد فرضیّت ترک ادا وارتکابِ گناہ سے بچوں تواز قبیل من ابتلی ببلتیین اختارا ہو نہما (جو شخص دو مشکلات میں گِھر جائے ان میں سے آسان کو اختیار کرے۔ت) ہوگا۔ سراجیہ میں ہے:

اذا ارادان یحتال لامتناع وجوب الزکوٰۃ لما انہ خاف ان لا یؤدی فیقع فی المأثم فالسبیل ان یہب النصاب قبل تمام الحول من یثق بہ	جب کوئی امتناعِ وجوب زکوٰۃ کے لیے حیلہ کرتا ہے کہ وُہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ اگر اس نے زکوٰۃ ادانہ کی تو گناہگار ہوگا، تو اس کے لیے راستہ یہ ہے کہ سال گزرنے سے پہلے نصاب کسی باعتماد آدمی کے

[1] شرح نقایہ

ویسلمه الیه ثم یستوهبه۔[1]	جب کوئی امتناعِ وجوب زکوۃ کے لیے حیلہ کرتا ہے کہ وُہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ اگر اس نے زکوۃ ادانہ کی تو گناہگار ہوگا، تو اس کے لیے راستہ یہ ہے کہ سال گزرنے سے پہلے نصاب کسی باعتماد آدمی کے حوالے کردے پھر اس سے بطور ہبہ واپس لے لے۔ (ت)

دیکھو تصریح ہے کہ یہ حیلہ گناہ سے بچنے کے لیے، نہ کہ معاذاللہ گناہ میں پڑنے کے واسطے۔ حیلِ شرعیہ کا جواز خود قرآن واحادیثِ سیّد المرسلین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، ایّوب علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے قسم کھائی تھی کہ اپنی زوجہ مقدّسہ کو سو۱۰۰ کوڑے ماریں گے، رب العزت عزجلالہ نے فرمایا:

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ[2]	یعنی سَو تیلیوں کی ایک جھاڑو بنا کر اُس سے ایک دفعہ مار لو اور قسم جُھوٹی نہ کرو۔

حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک کمزور شخص پر حد لگانے میں اسی حیلہ جمیلہ پر عمل فرمایا ارشاد ہوا:

خذواله عثكالا فيه مائة شمراخ ثم اضربوه به ضربة واحدة۔[3] رواه احمد وابن ماجة وابو داؤد و بمعناه البغوی فی شرح السنة الاولان عن ابی امامة بن سهل عن سعید بن سعد بن عبادة والثالث عن ابی امامة بن سهل عن بعض الصحابة من الانصار والرابع عن سعید بن سعد بن عبادة رضی اللہ تعالیٰ عنه اتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم برجل، الحدیث،[4] هذا حدیث حسن الاسناد ورواه الرؤیانی فی مسنده فقال حدثنا محمد بن المثنی نا عثمٰن بن عمر نا فلیح عن سهل بن سعد ان ولیدة فی عهد رسول اللہ	شاخہائے خرما کا ایک گُچھّا لے کر جس میں سو شاخیں ہوں اُس سے ایک بار مار دو (اسے امام احمد، ابن ماجہ، ابوداؤد نے اور معنًا بغوی نے شرح السنۃ میں روایت کیا ہے، پہلے دونوں محدثین نے حضرت ابوامامہ بن سہل اور انہوں نے سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور تیسرے نے حضرت امامہ بن سہل سے، انہوں نے ایک انصاری صحابی سے روایت کی ہے، اور چوتھے نے حضرت سعید بن سعد بن عبادہ سے روایت کیا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک شخص کو لایا گیا، الحدیث. اس حدیث کی سند حسن ہے اور اسے روَیانی نے اپنی سندیُوں روایت کیا کہ ہمیں محمد بن مثنیٰ نے انھیں

[1] فتاوٰی سراجیۃ کتاب الحیل والخوارج منشی نولکشور لکھنؤ ص ۱۵۴

[2] القرآن ۳۸/ ۴۴

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۵/ ۲۲۲

[4] شرح السنۃ باب حد المریض حدیث ۲۵۹۱ المکتب الاسلامی بیروت ۱۰/ ۳۰۳

صلی اللہ تعالٰی وسلم حملت من الزنا، فسئلت من احبلک؟ فقالت احبلنی المقعد، فسئل عن ذٰلك فاعترف فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ لضعیف عن الجلد فامر بمائۃ عثکول فضربہ بہا ضربۃ واحدۃ اھ[1] ھٰکذا وقع فیما رأیت انما المعروف ابن سھل سعید بن سعد وفی اخری لابن ماجۃ عن ابن سھل عن سعد بن عبادۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	عثمان بن عمر نے انھیں فلیح نے حضرت سہل بن سعد سے بیان کیا کہ ایک لڑکی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں زنا سے حاملہ ہو گئی، پوچھا گیا یہ حمل کس کا ہے؟ اس نے کہا یہ اس لُولے کا ہے، پُوچھا گیا تو اس نے اعتراف کر لیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ کمزور ہے سَو کوڑوں کی سزا نہیں جھیل سکتا، لہٰذا آپ نے سَو شاخوں والے خُرما کی شاخ سے اسے ایک ضرب لگوائی اھ دیکھا تو میں نے، یہی ہے مگر معروف ابن سہل سعید بن سعد ہیں، اور ابن ماجہ کی دوسری روایت میں ابن سہل نے حضرت سعد بن عبادہ سے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالٰی ہی بہتر جانتا ہے (ت)

خود صحیح بخاری شریف بلکہ صحیحین میں حضرت ابوسعید و حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے ایک صاحب کو خیبر پر عامل بنا کر بھیجا، وُہ عمدہ خرمے وہاں سے لائے، فرمایا: کیا خیبر کے سب خُرمے ایسے ہی ہیں؟ نہیں یارسول اللہ! واللہ کہ ہم چھ سیر خُرموں کے بدلے یہ خرمے تین سیر، اور نو سیر دے کر اس کے چھ سیر خریدتے ہیں۔ فرمایا:

لاتفعل بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جینبًا۔[2]	ایسا نہ کرو بلکہ ناقص یا بچپیل خرمے پہلے روپوں کے عوض بیچو پھر ان روپوں سے یہ عمدہ خرمے خریدو۔

اور ہر موزوں کے بارے میں یہی حکم فرمایا، نیز صحیحین میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے۔ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ برنی چھوہارے کے عمدہ قسم ہیں خدمتِ اقدسِ حضور سیّد عالم صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر لائے، فرمایا: یہ کہاں سے آئے ہیں؟ عرض کی: ہمارے پاس ناقص چھوہارے تھے اُن کے چھ سیر دے کر یہ تین سیر لیے، فرمایا:

اَوّہٗ عین الربا لا تفعل ذٰلك ولکن	اُف خاص سُود ہے ایسا نہ کرو، ہاں جب بدل

[1] مسند الرؤیانی حدیث نمبر ۱۰۵۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۸/۱، کنزالعمال بحوالہ ابن النجار حدیث ۱۳۵۰۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴۲۶/۵

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۹۳/۱

اذا اردت ان تشتری فبع التمر ببیع اٰخر ثم اشتر بہ۔[1]	ناچاہو تو اپنے چھوہارے اور چیز سے پہلے بیچ پھر اس سے اچھے چھوہارے مول لے لو۔

یہ شرعی حیلے نہیں تو اور کیا ہیں، باب حیل واسع ہے، اگر کلام کو وسعت دی جائے تطویل لازم آئے۔ اہلِ انصاف کو اسی قدر بس ہے، پھر جب اللہ و رسول اجازت دیں تعلیمیں فرمائیں تو ابو یوسف پر کیا الزام آسکتا ہے، ہاں ہمارے امام اعظم و امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم نے یہ خیال فرمایا کہ کہیں اس کی تجویز عوام کے لیے مقصد شنیع کا دروازہ کھولے، لہٰذا ممانعت فرمادی، اور ائمہ فتوٰی نے اسی منع ہی پر فتوی دیا، امام بخاری بھی اگر امام محمد کا ساتھ دیں اور یہ قول امام ابی یوسف پسند نہ کریں تو امام ابی یوسف کی شانِ جلیل کو کیا نقصان، وُہ کون سا مجتہد ہے جس کے بعض اقوال دوسروں کو مرضی نہ ہوئے، یہ رَد و قبول تو زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بلا نکیر رائج و معمول ہے، نہ بخاری کے اقوال مذکورہ میں کوئی کلمہ سخت نفرت کا ہے، اُن سے صرف اتنا نکلتا ہے کہ یہ قول انھیں مختار نہیں، اور ہو بھی تو ان کی نفرت امامِ مجتہد کو کیا ضرر دے سکتی ہے خصوصًا ائمہ حنفیّہ لاسیما امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰے عنہ و عنہم کہ امام بخاری کے امام و متبوع سیّدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰے عنہ جن کی نسبت شہادت دیتے ہیں کہ تمام مجتہدین امام ابو حنیفہ کے بال بچّے ہیں، حفظِ حدیث و نقدِ رجال و تنقیح صحت و ضعفِ روایات میں امام بخاری کا اپنے زمانے میں پایہ رفیع والا، صاحبِ رتبہ بالا، مقبولِ معاصرین و مقتدائے متاخرین ہونا مسلّم۔ کتبِ حدیث میں ان کی کتاب بیشک نہایت چیدہ و انتخاب جس کے تعالیق و متابعات و شواہد کو چھوڑ کر اصولِ مسانید پر نظر کیجئے تو ان میں گنجائش کلام تقریبًا شاید ایسی ہی ملے جیسے مسائل ثانیہ امام اعظم میں، اور یہ بھی بحمداللہ حنفیّہ و شاگردان ابو حنیفہ و شاگردانِ شاگرد ابو حنیفہ مثل امام عبد اللہ بن المبارک و امام یحیٰی بن سعید قطان و امام فضیل بن عیاض و امام مستعر بن کرام و امام وکیع الجراح و امام لیث بن سعد و امام معلّٰی بن منصور رازی و امام یحیٰی بن معین و غیرہم ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا فیض تھا کہ امام بخاری نے اُن کے شاگردوں سے علم حاصل کیا اور اُن کے قدم پر قدم رکھا اور خود امام بخاری کے استاذ اجل امام احمد بن حنبل، امام شافعی کے شاگرد ہیں، وہ امام محمد کے، وہ امام ابو یوسف کے، وہ امام ابو حنیفہ کے، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، مگر یہ کارِ اہم ایسا نہ تھا کہ امام بخاری اس میں ہمہ تن مستغرق ہو کر دوسرے کار اجل و اعظم یعنی فقاہت و اجتہاد کی بھی فرصت پاتے، اللہ عزوجل نے انھیں خدمت الفاظ کریمہ کے لیے بنایا تھا، خدمتِ معانی ائمہ مجتہدین خصوصًا امام الائمہ ابو حنیفہ کا حصّہ تھا۔ محدّث و مجتہد کی نسبت عطّار و طبیب کی مثل ہے، عطّار دواشناس ہے اُس کی دُکان عمدہ عمدہ دواؤں سے مالامال ہے مگر تشخیصِ مرض و معرفتِ علاج و فریقِ استعمال طبیب کا کام ہے،

[1] صحیح البخاری کتاب الوکالت باب اذا باع الوکیل شیأ فاسداً الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۰

عطار کامل اگر طبیب حاذق کے مدارک عالیہ تک نہ پہنچے معذور ہے خصوصًا ملک اطبائے حذّاق امام ائمہ آفاق جو ثریا سے علم لے آیا، جس کی دقتِ مقاصد کو اکابر ائمہ نے نہ پایا، بھلا امام بخاری تو نہ تابعین سے ہیں نہ تبع تابعین سے، امام اعظم کے پانچویں درجے میں جاکر شاگرد ہیں، خود حضرت امام اجل سلیمٰن اعمش کہ اجلہ تابعین وامام ائمہ محدثین سے ہیں حضرت سیّدنا انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ خادمِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے استاد، ان سے کچھ مسائل کسی نے پُوچھے اس وقت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی وہاں تشریف فرما تھے امام اعمش نے ہمارے امام سے فتوٰی لیا، ہمارے امام نے سب مسائل کا فورًا جواب دیا، اعمش نے کہا یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کیے؟فرمایا ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ سے سُنیں اور وُہ احادیث مع اسانید پڑھ کر بتادیں، امام اعمش نے کہا:

حسبك ماحدثتك به فی مائة یوم تحدثنی به فی ساعة واحدة، ماعلمت انك تعمل بهذه الاحادیث، یامعشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصیادلة وانت ایها الرجل بكلا الطرفین۔[1]	یعنی بس کیجئے میں نے جو حدیثیں سَو دن میں بیان کیں آپ نے گھڑی بھر میں مجھے سنا دیں، مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ احادیث میں یہ کام کرتے ہیں اے مجتہد! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار۔ اور اے ابوحنیفہ! تم نے دونوں کنارے گھیر لیے۔

یہ روایت امام ابنِ حجرمکّی شافعی وغیرہ ائمہ شافعیہ وغیرہم نے اپنی تصانیف خیرات الحسان وغیرہا میں بیان فرمائی، یہ تو یہ خود ان سے بدرجہا اجل واعظم ان کے استاذ اکرم واقدم امام عامر شعبی جنھوں نے پانسو صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو پایا حضرت امیر المومنین مولی علی وسعد بن ابی وقاص و سعید بن زید وابوہریرہ وانس بن مالک و عبد اللہ بن عمر و عبد اللہ بن عباس و عبداللہ بن زبیر و عمران بن حصین وجریر بن عبداللہ ومغیرہ بن شعبہ وعدی بن حاتم وامام حسن وامام حسین وغیرہم بکثرت اصحابِ کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے استاذ جن کا پایہ رفیع، حدیث میں ایسا تھا کہ فرماتے ہیں بیس ۲۰ سال گزرے ہیں کسی محدّث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچی جس کا علم مجھے اس محدث سے زائد نہ ہو۔ ایسے مقام والا مقام باآں جلالتِ شان فرماتے ہیں:

انا لسنابا لفقهاء ولكنا سمعنا الحدیث فروینا للفقهاء من اذا	ہم لوگ فقیہ و مجتہد نہیں ہم نے تو حدیثیں سُن کر فقیہوں کے آگے روایت کردی ہیں جو ان پر مطلع ہوکر

[1] الخیرات الحسان الفصل الثلاثون فی سندہ فی الحدیث ایم ایچ سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۴

علم عمل۔ [1]نقلہ الزین فی تذکرۃ الحفاظ۔	ہم لوگ فقیہ و مجتہد نہیں ہم نے تو حدیثیں سُن کر فقیہوں کے آگے روایت کردی ہیں جو ان پر مطلع ہو کر کارروائی کرینگے۔ (اسے شیخ زین نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے۔ت)

کاش امامِ اجل سیّدنا امام بخاری علیہ رحمۃ الباری اگر فرصت پاتے اور زیادہ نہیں دس بارہ برس امام حفص کبیر بخاری وغیرہ ائمہ حنفیّہ رحمہم اللہ تعالٰے سے فقہ حاصل فرماتے تو امام ابوحنیفہ کے اقوال شریفہ کی جلالتِ شان و عظمتِ مکان سے آگاہ ہوجاتے، امام ابوجعفر طحاوی حنفی کی طرح ائمہ محدثین وائمہ فقہاء دونوں کے شمار میں یکساں آتے مگر تقسیمِ ازل جو حصّہ دے۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند
میل او اندر دلش انداختند

(جس کو کسی کام کے لیے تیار کرنا ہوتا ہے اس کام کی محبت اس کے دل میں ڈال دیتے ہیں)

اور انصافاً یہ تمنّا بھی عبث ہے، امام بخاری ایسے ہوتے تو امام بخاری ہی نہ ہوتے، ان ظاہر بینوں کے یہاں وُہ بھی ائمہ حنفیّہ کی طرح معتوب و معیوب قرار پاتے فالی اللہ المشتکی وعلیہ التکان (اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں ہی درخواست ہے اور اسی پر بھروسا ہے۔ت)

بالجملہ ہم اہلِ حق کے نزدیک حضرت امام بخاری کو حضور پُرنور امام اعظم سے وہی نسبت ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضور پُرنور امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا و مولٰنا علی المرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی سے کہ فرقِ مراتب بے شمار اور حق بدست حیدر کرار، مگر معاویہ بھی ہمارے سردار، طعن اُن پر بھی کارِ فجّار، جو معاویہ کی حمایت میں عیاذ باللہ اسد اللہ کے سبقت واولیت و عظمت و اکملیت سے آنکھ پھیر لے وہ ناصبی یزیدی، اور جو علی کی محبت میں معاویہ کی صحابیت و نسبت بارگاہِ حضرت رسالت بُھلادے وہ شیعی زیدی، یہی روشِ آداب بحمد اللہ تعالٰے ہم اہلِ توسط و اعتدال کو ہر جگہ ملحوظ رہتی ہے، یہی نسبت ہمارے نزدیک امام ابن الجوزی کو حضور سیّدنا غوثِ اعظم اور مولانا علی قاری کو حضرت خاتمِ ولایت محمدیہ شیخِ اکبر سے ہے، نہ ہم بخاری و ابن جوزی و علی قاری کے اعتراضوں سے شان رفیع امامِ اعظم و غوثِ اعظم و شیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہم پر کچھ اثر سمجھیں نہ ان حضرات سے کہ بوجہ خطائی الفہم معترض ہوئے الجھیں، ہم جانتے ہیں کہ ان کا منشاءِ اعتراض بھی نفسانیت نہ تھا بلکہ ان اکابر محبوبان خدا کے مدارک عالیہ تک درس ادراک نہ پہنچنا لاجرم اعتراض باطل اور معترض معذور، اور معترض علیہم کی شان ارفع واقدس، والحمد للہ رب العالمین والصلٰوۃ والسلام علٰی سید المرسلین

[1] تذکرۃ الحفّاظ ترجمہ ۷۷ الشعبی علامۃ التابعین دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ۱/ ۷۹

محمد واٰلہٖ وصحبہٖ واولیائہٖ وعلمائہٖ واھلہٖ وحزبہٖ اجمعین، اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۸۰: از مرزاپور بنگلہ نابالغ مرسلہ شجاعت حسین بیگ صاحب بریلوی

بنظر اشرف عالم المعی فاضل لوذعی مجدّد مائۃ حاضرہ جناب مفتی صاحب زاد اللہ فیوضہ، بعد سلام مسنون گزارش ہے مُجھ پر عرصہ قرض تھا، یکم رمضان ۱۳۳۸ھ کو اپنی دکان بیع کرکے قرضہ دے دیا، بے حدو بے شمار شکر ہے کہ اُس نے مجھے اُس بارِ عظیم سے اپنے فضل و کرم سے سبکدوش فرمایا، بعد ادائے کل قرضہ دوہزار دوسو پچانوے زائد علی الاحتیاج باقی رہے، دُوسری ماہِ مبارک کو بامتثالِ رب عزوجل قبل گزرنے حولانِ حول کے روپے علیحدہ کردئے باقی رہے اُن روپے کی زکوۃ بحکم شریعتِ مطہرہ ہُوئے بقیہ میں ایک کا اضافہ کرکے بہ نیت زکوۃ علیحدہ کردئے، یہ طریقہ بحکم شریعتِ مطہرہ صحیح ہوا یا نہیں؟ ۲۳ رمضان تک میں بریلی رہا جب تک زرزکوۃ طلباء وفقراء کو دیتا رہا باقی تھے کہ مجھے بضرورت ۲۴ کو مرزاپور آنا پڑا، اب یہاں یہ بقیہ اہل حاجت کو دیا جائے تو خلافِ حکمِ شرعی تو نہ ہوگا؟ میرے ایک سالے ہیں جو کٹرہ میران پور ضلع تلہر میں منسوب ہیں قلیل آمدنی ہے اور کثیر اولاد ہیں اگر اُن کو کچھ بھیجا جائے تو صلہ رحم بھی ہوگا مگر یہ ارشاد ہو کہ جس قدر ان کو بذریعہ ڈاک روانہ کیا جائے، مثلاً پانچ روپے بھیجے اور ڈاک کی فیس ایک آنہ یا دو آنے ہُوئی تو یہ پیسے انھیں ص سے دئے جائیں یا علیحدہ اپنے پاس سے۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، جس دن تاریخ وقت پر آدمی صاحبِ نصاب ہُوا جب تک نصاب رہے وہی دن تاریخ وقت جب آئے گا اُسی منٹ حولانِ حول ہوگا اس بیچ میں جو اور روپیہ ملے گا اُسے بھی اسی سال میں شامل کرلیا جائے گا اور اسی حولان کو اُس کا حولان مانا جائے گا اگرچہ اسے ملے ہوئے ابھی ایک ہی منٹ ہُوا، حولانِ حول کے بعد ادائے زکوۃ میں اصلاً تاخیر جائز نہیں، جتنی دیر لگائے گا گنہ گار ہوگا، ہاں پیشگی دینے میں اختیار ہے کہ بتدریج دیتا رہے سال تمام پر حساب کرے اس وقت جو واجب نکلے اگر پُورا دے چکا بہتر، اور کم ہوگیا ہے تو باقی فوراً اب دے، اور زیادہ پہنچ گیا تو اُسے آئندہ سال میں مُجرا لے۔ آپ پر حولانِ حول جس دن تاریخ وقت پر ہوتا ہے اُسے اس بیچ میں جو یہ روپے ملے سب زکوۃ میں شامل کیے جائیں گے وہ چھپن بھی جو بہ نیت زکوۃ علیحدہ رکھے، اور ان سب کو ملا کر ۱/۴۰ لیں گے، ہاں اسے پہلے نصاب نہ ہوتا تو جس وقت یہ روپے ملے اُسی وقت سے شروع سال لیتے اور اس وقت آپ نے ادا کیے یا بیش و کم کا اعتبار نہ ہوتا سال تمام پر دیکھیے کہ کیا باقی ہے اتنے کی زکوۃ کا مطالبہ ہوتا وہ مطالبہ نکلتا یا بیش وکم، بقیہ زکوۃ وہاں کے مساکین کو دیجئے

حرج نہیں سالے سے اگر نسبی رشتہ نہیں تو رحم میں شامل نہیں، دوسرے شہر کو وُہ زکوۃ بھیج سکتے ہیں جو ابھی واجب الادانہ ہُوئی، حولانِ حول نہ ہوا، اس کے بعد نہیں، جتنا روپیہ زکوۃ گیرندہ کو ملے گا اتنا زکوۃ میں محسوب ہوگا، بھیجنے کی اُجرت وغیرہ اس پر جو خرچ ہو شامل نہ کی جائے گی۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۸۱ تا ۸۲:

(۱) اگر زمیندار زمین بٹائی پر جتوائے یا کاشتکار دیگر کاشت کار سے کاشت کرائے اور نصف پیداوار کے مستحق ہوں تو دونوں پر زکوۃ فرض ہوگی؟

(۲) فصل ربیع میں جس کھیت کو پانی نہ دیا اس کا دسواں حصّہ، پانی دئے ہوئے کا بیسواں اور فصل خریف میں دسواں کیوں کہ بارش کے پانی سے پیدائش ہے، یُونہی صحیح ہے؟

الجواب:

(۱) صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ عشر صرف کاشتکار پر ہے اس پر فتوی دینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ان ملکوں میں جہاں اُجرت میں نقدی ٹھہری ہوتی ہے وہاں اسی پر فتوی ہونا چاہئے اور بٹائی مین حسبِ قولِ امام فقط زمیندار پر ہے۔

(۲) جسے بارش یا نہر یا تالاب کا پانی دیا گیا اُس میں دسواں حصّہ ہے، اور جسے چرسے یا ڈھکلی سے پانی دیا گیا اس میں بیسواں حصّہ اور جسے مول کا پانی دیا گیا اس میں بھی بیسواں حصّہ چاہئے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۸۳: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

زید دریافت کرتا ہے کہ کاشت کار نے زکوۃ کی پیداوار میں سے دسواں حصہ بلا پانی دیا ہوا اور بیسواں حصہ پانی دئے ہوئے میں سے دیا اگر کاشت کار کے بعد سال تمام کے اسی پیداوار میں سے جس کی زکوۃ دسواں یا بیسواں حصہ دے چکا تھا، بچ رہے تو زکوۃ چالیسواں حصہ دینا ہوگا کہ نہیں؟

الجواب:

کھیت کی پیداوار پر زکوۃ نہیں، وہی عشر ہے، اس کے سوا سال تمام پر اور کوئی زکوۃ نہیں آتی، زکوۃ صرف تین [۳] مالوں پر ہے: [۱] سونا [۲] چاندی یا وہ مال جو تجارت کی نیّت سے خریدا یا [۳] جنگل میں چرتے ہُوئے جانور۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۸۴: از درؤ ضلع نینی تال ڈاکخانہ کچھار مرسلہ عبدالعزیز خاں ۶ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

زمین نہری عشری ہے یا خراجی؟ اور جو روپے کہ انگریز زمینداروں سے بطورِ قسط ہیں وُہ محسوب زکوۃ عشر یا خراج؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زمین بہت صورتوں میں عشری ہوتی ہے بہت میں خراجی، بعض میں نہ عشری نہ خراجی، جن کی تفصیل کتبِ فقہ باب العشر و الخروج میں مذکور ہندوستان کہ ایک ملک وسیع ہے اس کی مختلف زمینوں میں غالبًا وُہ سب یا اکثر صور متحقق، تو اس کی زمین کو نہ مطلقًا عشری کہہ سکتے ہیں نہ مطلقًا خراجی، عشر و خراج جو محاصل شرعیہ کے اقسام ہیں جن کے لیے شرع مطہر نے اصول و ضوابط و مواقع و مقادیر کی تقدیر فرمائی، انگریز اپنی قسطیں لینے میں اُس اصول کے پابند نہیں بلکہ اُن کا قانون مالگزاری جُدا ہے کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت)

مسئلہ ۸۵: از لودھیانہ محلّہ گرچو منگلی مرسلہ شیخ محمد مقبول صاحب تاجر ۲۱ جمادی الاولی ۱۳۱۶ھ

ماقول الفقهاء الحنفية فی ان اراضی الهندية التی فی ایدی المسلمين خراجية ام عشرية۔ بينوا توجروا۔	فقہاء احناف کا ہندوستان کی اس زمین کے بارے میں کیا موقف ہے جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہے، کیا وہ خراجی ہیں یا عشری؟ بینوا توجروا۔ (ت)

الجواب:

الارض کثیرا ماتکون عشریة کما فتح [1] وقسم بیننا، وما اسلم [2] اهله طوعا قبل ان تظفر بهم و عشرية اشتراها ذمی من مسلم فاخذ ها مسلم بشفعة [3] اوردت علی البائع لفساد البيع [4] اوبخيار [5] اورؤية [6] مطلقا او عيب [7] بالقضاء وما احياه [8] مسلم بقرب العشريا ت او لتسا وی القرب [9] اليها والی الخراجيات علی قول ابی یوسف المفتی به وسقاه بماء عشری وحده اومع خراجی علی قول الطرفين و کالاحياء جعله [10،11] داره بستانا اومزرعة، کثير اما تکون خراجية کما	زمین بہت سی صورتوں میں عشری ہوتی ہے جیسا کہ ان صورتوں میں ہے مثلًا (۱) زمین مفتوحہ اور مسلمانوں میں تقسیم شدہ ہے (۲) وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کے غلبہ سے پہلے پہلے خوشی سے اسلام قبول کرلیا ____ (۳) زمین عشری تھی اسے کسی ذمّی نے مسلمان سے خرید لیا پھر کسی مسلمان نے بذریعہ شفعہ حاصل کرلی (۴) یا فساد بیع کی وجہ سے (۵) یا خیار شرط (۶) یا خیار رؤیت ہر حال میں (۷) یا عیب کی صورت میں قاضی کی قضا سے وُہ زمین بیچنے والے مسلمان کی طرف واپس لوٹ آئی ہے (۸) جو مسلمان نے آباد کی ہو عشری زمین کے قریب (۹) یا اس زمین کا قرب خراجی اور عشری زمین کے مساوی ہے امام ابو یوسف کے مفتی بہ قول کے مطابق، اور اسے صرف عشری پانی یا عشری اور خراجی دونوں پانی سیراب کرتے ہوں طرفین کے

فتح[1] ومنّ على اهلها او نقل اليه[2] كفار أُخر وما فتح صلحا[3] و عشرية[4] اشتراها ذمّى من مسلم و خراجية[5] اشتراها مسلم وما احياه[6] ذمى باذن الامام او رضخ له[7] مطلقا او مسلم[8] بقرب الخراجيات، او سقاه بماء خراجى صرفا على القولين ومثله[9] مسئلة الدار فى المسلم والذمى جميعا، وقد تكون لا عشرية ولا خراجية كما فتحناه وابقيناه لنا الىٰ يوم القيمة اومات ملاكها واُلت لبيت المال على نزاع فى هذا قال فى ردالمحتار عن الدرالمنتقى شرح الملتقى، هذا نوع ثالث يعنى لا عشرية ولا خراجية من الاراضى تسمى ارض المملكة واراضى الحوز و هو ما مات اربابه بلا وارث واُل لبيت المال او فتح عنوة ابقى للمسلمين الى يوم القيامة وحكمه على مافى التاتارخانية انه يجوز للامام دفعه للزارع باحد طريقين اما باقامتهم مقام الملاك فى الزراعة واعطاء الخراج

قول کے مطابق (۱۰،۱۱) اور دار کی زمین کو باغ یا زرعی بنانا، آباد بنانے کی طرح ہےاور بہت سی صورتوں میں زمین خراجی ہوتی ہے(۱) زمین فتح کرلی گئی مگر اس کے باشندوں کو ہی بطورِ حسن سلوک واپس کردی گئی (۲) ایسی زمین کی طرف دوسرے کفار کی منتقلی کی گئی ہو (۳) وُہ زمین بطور صلح فتح کی گئی ہو (۴) زمین عشری تھی مگر کسی ذمّی نے مسلمان سے خرید لی۔ (۵) ایسی زمین خراجی جسے کسی مسلمان نے خرید لیا۔ (۶) ایسی زمین جسے اذنِ امام سے کسی ذمی نے آباد کیا۔ (۷) جو زمین ذمّی کو بطور عطیہ دے دی گئی (۸) کسی مسلمان نے اس زمین کو خراجی زمین کے قریب آباد کیا یا اسے دونوں قولوں کے مطابق محض خراجی پانی سے سیراب کیا(۹) اسی کی مثل مسئلہ دار ہے مسلمان اور ذمی کے حق میں کہ ذمی کیلئے خراجی ہے بعض اوقات زمین نہ شرعی ہوتی ہے اور نہ ہی خراجی، مثلاً ہم نے زمین فتح کی اور تا قیامت اسے مسلمانوں کے لیے وقف رکھا یا اس زمین کے مالک فوت ہوگئے اور وُہ زمین بیت المال کی طرف لوٹ آئی، اس میں نزاع ہے۔ ردالمحتار میں درالمنتقی شرح الملتقی سے ہے کہ یہ زمین کی تیسری نوع ہے یعنی نہ وُہ عشری ہے اور نہ وُہ خراجی زمینوں میں سے ہے، ایسی زمینوں کو ارض مملکت اور اراضی حوز کہا جاتا ہے، اور یہ ایسی زمینیں ہیں جن کے مالک بلا وارث فوت ہوجائیں اور وہ زمین بیت المال کی طرف لوٹ آئے یا وہ زمین بطور غلبہ مفتوحہ ہو اور وُہ تا قیامت مسلمانوں کیلئے باقی رکھ دی ہو، تاتارخانیہ کے مطابق اس کا حکم یہ ہے کہ حاکمِ وقت اسے دو[2] طریقوں

واما با جارتها بقدر الخراج فیکون الماخوذ فی حق الامام خراجا وفی حق الاکرة اجرة لا غیر لا عشر ولاخراج اھ[1] باختصار. و قال فی الدر المختار المشتراۃ من بیت المال اذاوقفها مشتریها فلا عشر ولاخراج،شرنبلالیة معزیا للبحر،وکذا لولم یوقفها کما ذکرته فی شرح الملتقی اھ[2] قال الشامی لم یذکر فی البحر، العشر وانما قال بعد ما حقق ان الخراج ارتفع عن اراضی مصر لعودها الی بیت المال بموت ملاکها فاذااشتراها انسان من الامام، ملکها ولا خراج علیها لان الامام قد اخذالبدل للمسلمین و تمامه فی التحفة المرضیة اھ نعم ذکر العشرفی تلك الرسالة فقال انه لایجب ایضا لانه لم یر فیه نقلا ۔ **قلت** ولا یخفی مافیه لانهم قد صرحوابان فرضیة العشرثابتة بالکتاب و السنة والاجماع والمعقول وبانه یجب فیمالیس بعشری ولا خراجی کالمفاوز والجبال وبان الملك غیر شرط

میں سے کسی ایک کے مطابق زراعت کیلئے دے سکتا ہے یا زراعت اور خراج دینے میں مالکوں کے قائم مقام بنادے یا بقدر خراج اجارہ پر دے دے اب اس زمین سے حاصل شدہ حاکم کے حق میں خراج اور کرایہ پر لینے والوں پر سوائے اجرت کے کچھ نہ ہوگا، تو ان پر نہ عشر ہے نہ خراج اھ اختصارا۔اسی طرح اس وقت حکم ہے جب وقف نہ کرے جیسا کہ میں نے شرح الملتقی میں ذکر کیا ہے۔شامی کہتے ہیں کہ بحر میں عشر کا ذکر نہیں، انہوں نے اس کی تحقیق کے بعد کہا کہ اراضی مصر کے مالک فوت ہونے اور ان کے بیت المال کی طرف لوٹنے کی وجہ سے خراج ختم ہوگیا، تو اب کوئی انسان امام سے ایسی زمین خریدتا ہے تو وہ مالک بن جائیگا اور خراج نہیں ہوگا کیونکہ امام نے اس کا بدل مسلمانوں کے لیے حاصل کرلیا ہے، اس کی تفصیل تحفہ مرضیہ میں ہے اھ ہاں اس رسالہ میں عشر کا ذکر ہے کہ عشر بھی واجب نہیں کیونکہ اس میں نقل نہیں پائی گئی۔میں کہتا ہوں یہ محلِ نظر ہے کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ فرضیتِ عشر کتاب اللہ، سنّت، اجماع اور قیاس سے ثابت ہے، اور اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ عشر اس زمین میں واجب ہے جو نہ عشری ہو اور

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج والجزیۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۸۰
[2] درمختار باب العشر والخراج والجزیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۸

فیه بل الشرط ملك الخارج ولان العشر یجب فی الخراج لا فی الارض فکان ملك الارض و عدمه سواء کما فی البدائع ولا یلزم من سقوط الخراج سقوط العشر علی انه قد ینازع فی سقوط الخراج حیث کانت من ارض الخراج او سقیت بمائه الخ[1] ملتقطاوبواقی المسائل معروضة فی الدرر وغیرہ من الاسفار الغر وارض الهند علی سعتها لا یبعد ان یوجد فیها تلك الصور کلها اواجلها فالمصیر الی التبین فای ارض ثبتت فیها صورۃ اجری علیها حکمها من کونها خراجیة او عشریة او لا ولا سبیل الی الجزم بحکم واحد من دون تحقیق وما یتوهم من ان القاسم بن محمد الثقفی افتتحهاعنوۃ سنة ثلث وتسعین[2] کما فی الفتح والبنایة ولم یعلم قسمتها بین المسلمین فوجب کیف وان قاسالم یفتح منهاالا شیأنزر ایسیر ا من احدی نواحیها مما یلی ملتان والافتتاح عنوۃ لاتستلزم الخراجیة کما

نہ خراجی، مثلاً جنگل اور پہاڑ کی زمین، اور یہ بھی تصریح ہے کہ ملکیت اس پر شرط نہیں بلکہ زمین سے حاصل ہوئی چیز کی ملکیت شرط ہے اور اس لیے بھی کہ عشر حاصل شدہ میں لازم ہوتا ہے نہ کہ زمین میں، لہٰذا زمین کی ملکیت اور عدمِ ملکیت برابر ہے البدائع، سقوط خراج سے سقوط عشر لازم نہیں آتا، علاوہ ازیں سقوطِ خراج میں بھی اختلاف ہے جبکہ وہ زمین خراجی ہو یا خراجی پانی سے سیراب ہو الخ اختصاراً۔ باقی مسائل درمختار اور دیگر کتب میں معروف ہیں۔ ہندوستان کی زمین نہایت وسیع ہے اس میں مذکورہ تمام صورتوں یا اکثر کا پایا جانا بعید نہیں لہٰذا یہ حکم لگانے کے لیے کہ یہ عشری ہے یا خراجی، یا نہ عشری ہے نہ خراجی۔ زمین کا تعیّن ضروری ہے کہ کون سی زمین کا معاملہ درپیش ہے، تحقیق کے بغیر یقینی طور پر ایک حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اور جو یہ وہم کیا گیا ہے کہ قاسم بن محمد الثقفی نے ۹۳ھ کو ہندوستان کی زمین بطورِ غلبہ حاصل کی تھی۔ جیسا کہ فتح اور بنایہ میں ہے اور یہ معلوم نہیں کہ اس کا خراجی ہونا ضروری ہے، یہ وہم نہ کافی ہے اور نہ قوی، اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کیونکہ قاسم نے بہت تھوڑا سا حصّہ فتح کیا تھا جو ہندوستان کے ایک گوشہ ملتان کے ساتھ متصل تھا، اور بطور غلبہ حصول زمین اس کے خراجی ہونے کو مستلزم نہیں جیسا کہ آپ نے جان لیا ہے تو جس طرح

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج والجزیۃ مصطفی البابی مصر ۲۷۹/۳
[2] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲۸۰/۵

علمتو کمالم یعلم قسمتها بیننا کذٰلك لم یثبت المن بها علی اھلها فکیف یحکم بایجاب الخراج علی المسلمین مع عدم ثبوت موجبه، الایمکن ان تکون الارض مما ابقی للمسلمین بل لعله الظاہر من صنیع السلاطین فاذن لا تکون فی اصل الوضع عشریة ولا خراجیة وما کان منها بایدی الناس یتملکونها ویتوارثونها، یحکم بانها مملوکة لهم و یحمل علی ان منها ما کان مواتًا فاحییت و منها ما انتقل الیهم بوجه صحیح من بیت المال وبعد هذا لا تکون خراجیة قطعا لانها لم تکن فی بدء امرها منها ولا یوضع الخراج علی مسلم بدأ تکون عشریة علی ما حققه فی ردالمحتار وفارغة الوظیفتین فی الصورة الثانیة علی ما فی التحفة المرضیة وغنیة ذوی الاحکام والدرالمختار،قال ابن عابدین عدم ملك الزراع غیر معلوم لنا الا فی القری و المزارع الموقوفة او المعلوم کونها لبیت المال اما غیرها فنراهم یتوارثونها جیلا بعد جیل وفی الخیریة اذا ادعی واضع الید الذی تلقاها شراء أوارثا او غیرها من اسباب

مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنا معلوم نہیں اسی طرح ان باشندوں کو بطور حسنِ سلوک دینا بھی توثابت نہیں، تو عدمِ ثبوت مقتضی کے باوجود مسلمانوں پر وجوب اخراج کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے البتہ ایسا ممکن بلکہ مسلمان سلاطین سے زیادہ ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے یہ زمین مسلمانوں کے لیے رکھی ہو تو اب اصل مصرف کے اعتبار سے نہ یہ عشری ہے اور نہ خراجی، اور جو زمین مسلمانوں کے قبضہ میں ہو وہی اس کے مالک ووارث ہوں تو وہاں اس زمین کو انہی کی مملوکہ کہا جائے گا اور یہی سمجھا جائے گا ان میں سے کچھ زمین غیر آباد تھی اسے مسلمانوں نے آباد کرلیا اور کچھ انکی طرف بیت المال سے بطریق صحیح آئی، اس کے بعد تو وہ قطعًا خراجی نہ ہوگی کیونکہ ابتداءً وُہ خراجی نہیں ہوسکتی اور نہ ہی کسی مسلمان پر ابتداءً خراج لازم ہوسکتا ہے اور وہ عشری ہوگی جیسا کہ اس کی تفصیل ردالمحتار میں ہے، اور وہ دوسری صورت میں دونوں وظیفوں (عشر وخراج) سے فارغ ہوگی جیسا کہ تحفہ مرضیہ، غنیہ ذوی الاحکام اور درمختار میں ہے: ابن عابدین کہتے ہیں کہ ہمیں قری اور وقف شدہ کھیتوں کے علاوہ عدم ملک زراع کا علم نہیں یا ہمیں معلوم ہے کہ یہ زمین بیت المال کی ہے، اس کے علاوہ زمین کے مسلمان ہر دور میں وارث بنتے اور خرید و فروخت کرتے چلے آرہے ہیں، خیر یہ میں ہے کہ قبضہ کرنے والا جب کوئی دعوی کرے کہ یہ زمین مجھے شراءً یا وراثۃً یا دیگر کسی

الملك انها ملكه فالقول له اوعلى من يخاصمه فى الملك البرهان اھ۔ وقد قالوا ان وضع اليد والتصرف من اقوى ما يستدل به على الملك ولذا تصح الشهادة بانه ملكه ۔ وفى رسالة الخراج لابى يوسف ليس للامام ان يخرج شيأ من يد احد الا بحق ثابت معروف اھ والائمة اذاقالوافى الكنائس المبنية للكفر انها كانت فى برية فاتصلت بها عمارة المصر فا ولى ان يقولو ابقاء تلك الاراضى بيد من هى تحت ايديهم باحتمال انها كانت مواتا فاحييت او انها انتقلت اليهم بوجه صحيح اھ[1] ملتقطا الىٰ اٰخرما اطال واطاب واوضح الصواب. اما ما قال فى اٰخره و الحاصل فى الاراضى الشامية والمصرية ونحوها ان ما علم منها كونه لبيت المال بوجه شرعى فحكمه ما ذكره الشارح عن الفتح (اى سقط الخراج وماخوذ اجرة) ومالم يعلم فهو ملك لاربابه والماخوذ منه خراج لااجرة

سبب ملک کے ذریعے حاصل ہُوئی ہے تو وہ اس کی ملک ہوگی اور اسی کا قول معتبر ہوگا یا جو اس کے ساتھ ملکیت میں مخاصمت کرے اس پر دلیل کالانا ہوگا اھ اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ قبضہ اور تصرف، ملکیت پر قوی دلیل بنتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس کے مالک ہونے پر شہادت دینا صحیح ہوتا ہے۔امام ابو یوسف کی کتاب الخراج میں ہے کہ کسی حاکم کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کے قبضہ سے کوئی شئے خارج کرے ماسوائے اس صورت کے جب دوسرے کا حق ثابت و معروف ہو،اھ،اور ائمہ نے ان گرجوں کے بارے میں تصریح کی ہے جو کفار کی خاطر بنائے گئے وُہ ایسے بیابان میں تھے جو شہر کی عمارتوں سے متصل ہے تو یہاں اولیٰ یہی کہنا ہے کہ زمین انہی کی ملکیت میں باقی رہے گی جن کے وہ قبضہ میں ہے کیونکہ ممکن وُہ زمین غیر آباد ہو اور ان لوگوں نے اسے آباد کیا یا وہ ان لوگوں کی طرف بطریق صحیح منتقل ہُوئی ہو اھ یہ ان کی طویل، خوبصورت اور صواب کو واضح کرنے والی عبارت کا خلاصہ ہے،اور اس کے آخر میں یہ جو کہا کہ شام، مصر اور ان کی طرح دیگر علاقوں کی اراضی کے بارے میں اگر یہ علم ہو کہ بطریق شرعی بیت المال کو حاصل ہُوئی ہیں تو ان کا حکم وہی ہے جس کا ذکر شارح نے فتح سے کیا (یعنی خراج ساقط ہو جائے گا اور جو حاصل کیا جائے گا وُہ اجرت ہوگی) اور جن زمینوں کا علم نہیں وہ ان کے مالکوں کی ہی ہوں گی اور اس سے خراج

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج والجزیۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۸۰

لانہ خراجی فی اصل الوضع اھ[1] فقدابان ان الوجه کونها خراجیة فی بدء الامرلما قدم فی هذا البیان مستندا للامام الثانی ان ارض العراق والشام ومصر عنویة خراجیةترکت لاهلها الذین قهر واعلیها اھ[2] وقال قبله قال ابو یوسف فی کتاب الخراج ان ترکها الامام فی ایدی اهلها الذین قهرواعلیها فهو حسن فان المسلمین افتتحوا ارض العراق والشام ومصر ولم یقسمواشیأ من ذلك بل وضع عمر رضی اللہ تعالٰی عنه علیها الخراج ولیس فیها خمس اھ[3] فهذا ماقال انه خراجی فی اصل الوضع اماما نحن فیه اذلم یثبت ذٰلك لا یمکن جعلها خراجیة بالاحتمال وایجابه علی المسلمین الذین لیسو امن اهله بتصریح ذوی الکمال هذا ماظهرلی واللہ تعالٰی اعلم بحقیقة الحال ثم رأیت فی الفتاوی العزیزیة، نقل عن رسالة مولٰنا الشیخ الجلیل جلال التهانیسری

وصولہ کیا جائے گا نہ کہ اُجرت، کیونکہ اصلاً یہ زمین خراجی ہے اھ تو اب واضح کیا کہ ابتداءً ان کے خراجی ہونے کی وجہ وہی ہے جس کو پہلے بیان کیا جو امام ثانی کی دلیل ہے کہ عراق، شام اور مصر کی زمینیں بطورِ غلبہ حاصل ہوئی ہیں اور خراجی ہیں کیونکہ انھیں اس کے ان سابقہ باشندوں کو دے دیا گیا جن سے بطور غلبہ حاصل کی گئی تھی اھ اور اس سے پہلے لکھا کہ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں فرمایا اگر حاکم نے انھیں لوگوں کے پاس زمین رہنے دی جن سے بطور غلبہ حاصل کی تھی تو یہ بہت اچھا کیا کیونکہ مسلمانوں نے عراق، شام اور مصر کی زمینیں حاصل کیں تو انھیں تقسیم نہ کیا بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان زمینوں پر خراج لگایا اور ان میں خمس نہ رکھا گیا اھ یہ وہی ہے جس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ یہ اصل کے اعتبار سے خراجی ہیں مگر وہ جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں جب تک ثابت نہ ہو ان کا احتمال کی بنیاد پر خراجی قرار دینا اور مسلمانوں پر ایسی چیز کا وجوب جس کے وہ بقول صاحبِ کمال کے اہل نہیں، ممکن نہیں، یہ مجھ پر ظاہر ہوا ہے اور حقیقتِ حال سے اللہ تعالٰی زیادہ واقف و آگاہ ہے، پھر میں نے فتاوٰی عزیزیہ میں دیکھا کہ انہوں نے مولانا شیخ جلال الدین تھانیسری قدس سرہ السری کے رسالہ

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج والجزیة مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۸۲
[2] ردالمحتار باب العشر والخراج والجزیة مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۸۱
[3] ردالمحتار باب العشر والخراج والجزیة مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۷۹

قدس سرہ السری ما نصہ بالعجمیۃ زمین ہندوستان درابتدائے فتح مانند سواد عراق کہ درعہد حضرت فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ مفتوح شدہ بود موقوف بر ملک بیت المال است وزمینداراں را بیش از تولیت و داروغگی تر ددو فراہم آوردن مزارعین واعانت وزراعت وحفظ دخلے نیست چنانچہ لفظ زمیندار نیز اشعارے بآں می کند و تغیر و تبدل زمینداری عزل و نصب زمینداران و اخراج بعضے از آنہاواقرار بعضے وعطائے آراضی بافغاناں وبلوچاں وسادات وقدوائیاں بصیغہ زمینداری دلالت صریحہ بریں می کند پس دریں صورت جمیع اراضی ہندوستان مملوک بیت المال گشت وبعقد مزارعت علی النصف اواقل منہ دردست زمینداران[1] فھذا صریح فیما استظھرناہ من ان الفاتحین لم یقسموھا ملکا للمسلمین والحکم فیہ ما بیناہ وذکر رحمہ اللہ تعالٰی فی سوادالعراق فمختارالائمۃ الشافعیۃ کما بینہ فی ردالمحتار اما عندنا فممنون بھا علی اھلھا ولا یضرنا الکلام فی التمثیل فعلی ھذا ما بایدی المسلمین

سے نقل کیا جو فارسی الفاظ میں یُوں ہے: ہندوستان کی زمین ابتداءً اسی طرح فتح ہوئی جس طرح عراق کی زمین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دور میں فتح ہُوئی تھی، یہ بیت المال کی ملکیت میں بطور وقف رہے گی اور زمینداروں کااس سے زیادہ دخل نہیں کہ وہ ان زمینوں کے متولی، منتظم، مزارعین مہیا کرنے اور بیت المال کے لیے تعاون وزراعت اور نگرانی کرنیوالے ہیں، جیسا کہ لفظ زمیندار بھی اس کی طرف اشارہ کررہا ہے، زمینداری میں تغیر و تبدل، اور انھیں معزول و مقرر کرنا، ان میں سے بعض کا رکھنا اور بعض کا نکالنا، افغانیوں، بلوچوں، سادات اور قدوائیوں کو لفظ زمینداری کے ساتھ بعض زمینوں کا دینا بھی اسی پر تصریح ہے لہٰذا اس صورت میں ہندوستان کی تمام زمین بیت المال کی ملکیت ہے، نصف یا اس سے اقل پر مزارعت کے عقد کے ذریعے زمیندار کے قبضہ میں ہوگی۔یہ تمام اس پر تصریح ہے جیسے ہم نے اختیار کیا کہ فاتحین نے جن زمینوں کو نہ تقسیم کیا نہ وہاں کے باشندوں کو دیں بلکہ انھیں مسلمانوں کی ملکیت میں رکھا تو ان کا وہی حکم ہے جو ہم نے بیان کردیا ہے، اور مذکور شیخ رحمہ اللہ تعالٰی نے عراق کی زمین کے بارے میں جو کہا تو یہ ائمہ شوافع کا مختار ہے جیسا کہ ردالمحتار میں بیان ہوا ہے اور ہمارے نزدیک تو وہ زمین وہاں کے باشندوں کو بطور احسان دے دی گئی تھی البتّہ بطور مثال لانا

[1] فتاوٰی عزیزی مسئلہ اراضی عطائے سلطانی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۴۳

من الاراضی لا تجعل الا عشریة مالم یثبت فی شئی منہا کو نہا خراجیة بوجہ شرعی واللہ سبحانہ وتعالٰی وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	ہمیں نقصان دہ نہیں تو اب اس ضابطہ پر جو زمین مسلمانوں کے قبضہ میں ہوگی وہ عشری ہی ہوگی مگر اس صورت میں جب اس کے خراجی ہونے پر کوئی وجہ شرعی موجود ہو واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ واتم احکم (ت)

افصح البیان فی حکم مزارع ہندوستان [۱۳۱۸ھ]

(ہندوستان کی زمینوں کے تفصیلی احکام)

مسئلہ ۸۶: از بہار شریف مدرسہ اسلامیہ مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب طالب علم ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ وُہ سب زمین ہندوستان کی جس کی مالگزاری زمیندار نقد دیتے ہیں آیا عشری ہے یا خراجی، اگر عشری ہے تو بعد منہائی مالگزاری کے واجب ہے یا بلا منہائی، اور یہ بھی کہ اس صورت میں کہ زمیندار سب اپنی رعایا کے ساتھ زمین کو بندوبست کرتے ہیں اس صورت میں عشر کس پر واجب ہے زمیندار پر یا رعایا پر؟ اور بصورت خراجی ہونے کے وُہ مال گزاری جو نقد دیتے ہیں وہی خراج تصور کیا جائیگا اور کوئی دوسرا، اور جب دوسرا ہوگا تو مالگزاری منہادے کر خراج شرعی دینا ہوگا یا بغیر منہا، اور کس قدر اور کس حساب سے دینا ہوگا، اور بصورت عدم عشری و عدم خراجی ہونے کے ہم زمینداروں کو کیا کرنا چاہیئے جو مواخذہ سے بری ہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والصلٰوۃ والسلام علی رسول اللہ۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی زمینیں خراجی نہ سمجھی جائیں گی جب تک کسی خاص زمین کی نسبت خراجی ہونا دلیل

شرعی سے ثابت نہ ہو۔ کماحققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰنا بمالایتجاوز الحق عنہ (جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے جس سے حق متجاوز نہیں۔ت) بلکہ وہ عشری ہیں یا نہ عشری نہ خراجی، اور دونوں صورتوں میں ان کا وظیفہ عشر ہے۔

اماعلی الاول فظاہر واماعلی الثانی فکما حققه فی ردالمحتار خلافا لما فی التحفه المرضیة ثم الشرنبلالیة ثم الدرالمختار وما حققه واضح نفیس، والدر ،انماعزاہ للشرنبلالی و الشر نبلالی لصاحب التحفة عن العلامة صاحب البحر ، فالیه دار فیه الامر ، وھو رحمه اللہ تعالٰی وما فی التحفة لم یستند فیه النقل انما اعتمد علی عدم رؤیته نقلا بلزوم العشرفیه وانت تعلم ان عدم الرویة لیست رؤیة العدم ولا عدم النقل نقل العدم والنصوص مطلقة، والعشر یجب فیما لیس بعشر ولا خراجی کا لمفاوز والجبال ۔**اقول:** ومعنی کون مافتحناہ فا بقیناہ لنا الی یوم القیامة من دون ان نعطیها ملاکھا او کفارا اخرین اونقسمها بین الغانمین وکذا مامات ملاکھا فالت لبیت المال، ان العشر والخراج انما یوجب حقا للمسلمین وھذہ قد کانت اوصارت لھم فلا وجه لان یوجب شئی لھم

پہلی صورت میں تو معاملہ واضح ہے اور دوسری صورت میں بھی عشر ہے جیسا کہ ردالمحتار میں اس کی تفصیل ہے البتہ تحفہ مرضیہ پھر شرنبلالیہ پھر درمختار کا اس میں اختلاف ہے اور صاحب درمختار کی تحقیق نہایت نفیس ہے، در نے شرنبلالی اور شرنبلالی نے صاحبِ تحفہ سے اور وہاں علامہ صاحبِ بحر کی طرف منسوب ہے، اور معاملہ کی بنیاد یہاں یہی ہے اور مذکور شیخ رحمہ اللہ تعالٰی نے اور جو کچھ تحفہ میں ہے اس کے نقل پر کوئی دلیل نہیں، اس پر اعتماد صرف اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ ایسی زمین میں عشر کے لازم ہونے پر کوئی روایت ہماری نظر سے نہیں گزری اور آپ جانتے ہیں کہ عدمِ رؤیت، رؤیتِ عدم نہیں ہوتی۔ عدمِ نقل، نقلِ عدم نہیں۔ حالانکہ نصوص مطلق ہیں، اور جو زمین نہ عشری ہو اور نہ خراجی وہاں عشر لازم ہوتا ہے جیسا کہ جنگل اور پہاڑ۔ **اقول:** اس عبارت کہ "ہم نے زمین کی فتح کی اور اسے تا قیامت اپنے لیے رکھا" کا معنی یہ ہے کہ اسے مالکوں کو واپس نہ دیا یا دیگر کفار کو نہ دی یا بطورِ غنیمت اسے لشکریوں میں تقسیم نہ کیا اسی طرح وہ زمین جس کا مالک فوت ہوگیا اور وُہ بیت المال کی ہوگئی کیونکہ عشر اور خراج مسلمانوں کے حق کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔ یہ مذکورہ زمیں یا تو ہے ہی مسلمانوں کی یا ان کی طرف لوٹ آئے گی، لہٰذا مسلمانوں کے لیے ان پر کوئی

عليهم ففراغ الوظيفة لعدم من يوظف عليه كارض خربة لم تزرع اصلا اما اذا وجدنا من نوجب عليه فلا معنى للفراغ وقد نص المحقق على الاطلاق فى فتح القدير "اواخر باب زكوٰة الزروع" فى تعليل قول الامام رضى الله تعالىٰ عنه، ان الذمى اذااشترى عشرية من مسلم تصيرخراجية [1] مانصهوجه قول ابى حنيفة انه تعذرالعشرلان فيه من معنى العبادة والارض لا تخلوا فيه من معنى العبادة والارض لا تخلوا عن وظيفة مقررة فيها شرعااھ [2] مختصرا، فهذا بحمد الله نص فيما عولنا عليه ولله الحمد ـ وبالجملة مالبيت المال فارغة مادامت لها فاذا انتقلت لملك احد بوجه صحيح كما هوالمحمل فى الاراضى التى بايدى الناس يتوارثونها ويتصرفون فيها تصرف الملاك كما حققه فى ردالمحتار وبيناه فى فتاوٰنافلا محيد عن التوظيف الاترى ان الموات تكون لبيت المال

شئی واجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں، یہاں عشر و خراج کانہ لازم ہونا اس لیے ہے کہ یہاں کوئی ایسا شخص ہی نہیں جس پر کچھ لازم کیا جائے جیسے کہ بنجر زمین جو بالکل ہی کاشت نہ کی گئی ہو اور اگر ہم یہاں ایسے شخص کو پالیں جس پر کوئی شئی لازم کریں تو فراغ کا کوئی معنٰی نہ ہوگا۔ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں باب زکوٰۃ الزروع کے آخر میں امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کی علت بیان کرتے تصریح کی ہے کہ ذمی نے جب عشری زمین کسی مسلمان سے خریدی تو وُہ خراجی ہو جائے گی۔ امام ابو حنیفہ کے قول کی وجہ یہ بیان کی کہ یہاں عشر نہیں ہو سکتا کیونکہ عشر میں عبادت کا پہلو ہے اور زمین شرعی طور پر کسی مقرر وظیفہ سے خالی نہیں ہو سکتی اھ اختصارًا بحمداللہ یہ ہمارے مختار پر تصریح ہے وللہ الحمد۔ الغرض بیت المال کی زمین جب تک بیت المال کی ہے وُہ ہر وظیفہ سے فارغ رہے گی حتی کہ وہ کسی طریق صحیح سے کسی کی ملکیت میں چلی جائے جیسا کہ معاملہ ان اراضی کا ہے جو لوگوں کے پاس بطور وراثت منتقل ہوتی ہیں اور ان میں وُہ مالکوں جیسا تصرف کرتے ہیں جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے پس ان میں وظیفہ سے چھٹکارا نہیں، کیا تمھارے علم میں نہیں کہ جب بے آباد زمین

---

[1] فتح القدیر باب زکوٰۃ الزروع الثمار مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۱۹۶

[2] فتح القدیر باب زکوٰۃ الزروع الثمار مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۱۹۷

وھی فارغۃ فاذاھی تحییٰ باذن الامام فتصیرذات وظیفۃ کذاھذا۔	بیت المال کی ملکیت ہو تووہ وظیفہ سے فارغ ہوتی ہے توجب وُہ حاکم کی اجازت سے وہ آباد ہوجائے تو وُہ زمین صاحبِ وظیفہ کی ہوجائیگی یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔(ت)

اور عشر پوری پیداوار کالیا جائے گا۔

فی تنویر الابصار یجب العشر بلا رفع مؤن الزرع،[1] فی الدرالمختارلتصریحھم بالعشر فی کل الخارج اھ[2]	(تنویرالابصار میں ہے کہ کھیتی کے تمام اخراجات نکالے بغیر عشر لازم ہے۔درمختار میں اس کی دلیل یہ دی ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ عشر تمام پیداوار پر ہے۔ت)

قلت: **ومن یظلم لا یظلم** (میں کہتا ہوں ظلم کے بدلے ظلم نہ کیا جائے گا۔ت) زمین اگر بٹائی پر دی جائے یعنی مزارع سے پیداوار کاحصّہ مثلاً نصف یا ثلث غلہ قرار دیا جائے تو مالک زمین پر بقدر حصہ کا عشر آئیگا مزارعت بالمناصفہ کی صورت میں سو۱۰۰ من غلہ پیدا ہوا تو زمیندار پانچ من عشر میں دے، اور اگر اجارہ میں دی گئی جسے لوگ نقشی کہتے ہیں مثلاً سو۱۰۰ روپیہ بیگھہ پر اٹھائی تو سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک کل عشر مالک زمین پر ہے اور صاحبین رحمہا اللہ تعالٰی کے نزدیک کل مزارع پر ہے زمیندار سے کچھ مطالبہ نہیں۔ امام قاضی خاں نے قولِ اوّل کے اظہر ہونے کا ارشارہ کیا،

وعلیہ اقتصرالامام الخصاف وبہ جزم فی منظومۃ النسفی والاسعاف واعتمدہ المتاخرون کالخیر الرملی واسمٰعیل الحائك وحامد آفندی وغیرھم رحمھم اللہ تعالٰی۔	امام خصاف نے اسی پر اکتفاء کیا ہے اور منظومہ نسفی اور اسعاف میں اسی پر جزم کیا ہے اور متاخرین مثلاً خیر رملی، اسمٰعیل حائک، حامدآفندی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے اسی پر اعتماد کیا ہے(ت)

مگر حاوی قدسی میں قول دوم پر فتوٰی اور وُہ بھی لفظ ناخذ (ہم اسی کو لیں گے۔ت) کہ آکد الفاظ فتوٰی سے ہے وہ تصحیح التزامی تھی اور یہ صریح ہے،

فی الدرالمختار العشر علی الموجر کخراج موظف وقالا علی المستاجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولھما ناخذ و	درمختار میں ہے کہ عشر کرایہ پر دینے والے پر ہے جیسا کہ مقرر خراج، صاحبین کے نزدیک عشر کرایہ دار پر ہے جیسے کہ مسلمان عاریۃً کوئی چیز لے۔حاوی

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۹
[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۹

فی المزارعۃ ان کان البذر من رب الارض فعلیہ ولو من العامل فعلیھما بالحصۃ[1] فی ردالمحتار تحت قولہ وفی المزارعۃ الخ ما ذکرہ الشارح ھو قولھما اقتصر علیہ لما علمت ان الفتوی علی قولھما بصحۃ المزارعۃ لکن ما ذکر من التفصیل یخالفہ مافی البحر والمجتبیٰ والمعراج والسراج والحقائق والظھیریۃ وغیرہا من ان العشر علی رب الارض عندہ وعلیھما عندھما من غیر ذکر ھذا التفصیل وھو الظاہر لما فی البدائع من ان المزارعۃ جائزۃ عندھما والعشر یجب فی الخارج والخارج بینھما فیجب العشر علیھما الخ۔[2]	میں صاحبین کا قول لیتے ہیں اور مزارعت میں اگر بیج زمین کے مالک کا ہے تو اس پر عشر ہے اور اگر عامل کا ہے تو حصّہ کے مطابق دونوں پر ہوگا، ردالمحتار میں ماتن کے قول "وفی المزارعۃ الخ" کے تحت یہ شارح نے جو کہا یہ صاحبین کا قول ہے، اور اس پر اکتفاء کی وجہ آپ جان چکے کہ صحتِ مزارعت کے بارے میں صاحبین کے قول پر فتوی ہے لیکن جو تفصیل میں بیان ہُوا وہ اس کے مخالف ہے، جو بحر، مجتبٰی، معراج، سراج، حقائق، ظھریہ وغیرہ میں ہے کہ امام صاحب کے نزدیک عشر مالک زمین پر ہے اور صاحبین کے نزدیک دونوں پر ہے مگر تفصیل کا ذکر نہیں، اور عشر پیداوار میں واجب ہے اور پیداوار دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی لہذا عشر دونوں پر ہوگا الخ (ت)

بالجملہ: قول دوم بھی ضعیف نہیں اور ہمارے بلاد میں وہی ارفق بالناس ہے یہاں اجرتیں بلحاظ عشر ہر گز مقرر نہیں ہوتیں، اگر پیداوار کا عشر اُجرت سے دلائیں تو غالبًا کچھ نہ بچے بلکہ بہت جگہ عشر ہی میں گھر سے دینا پڑے باقی مصارف دیہی و مالگزاری انگریز جُدا رہے۔ اور اگر اس پر مجبور کیجئے کہ اب وہ اجرتیں مقرر کرلیجئے کہ عشر و مالگزاری و جملہ مصارف دے کر تمھارے لیے بقدر کفالت بچے تو یہ ہر گز میسر نہیں، مزارعین اس پر کیوں راضی ہونے لگے۔

وفی نزع الناس عن عاداتھم حرج والحرج مدفوع بالنص لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَیَجْعَلُ اللّٰہُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا ۝[3] وھذا کما ذکر العلامۃ الشامی رحمہ اللہ تعالٰی فی اوقاف	لوگوں کو ان کی عادت سے روکنا حرج ہے اور حرج کا مدفوع ہونا نص سے ثابت ہے۔ ارشاد باری ہے اللہ تعالٰے ہر نفس کو اتنی تکلیف دیتا ہے جتنا اسے عطا فرمایا عنقریب اللہ تعالٰی دشواری کے بعد

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۹-۴۰
[2] ردالمحتار باب العشر مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۱
[3] القرآن ۶۵/ ۷

بلادہ انہ لا تفی الاجرۃ ولا اضعافھا بالعشر او خراج المقاسمۃ قال فلا ینبغی العدول عن الا فتاء بقولھمافی ذلك لانھم فی زماننا یقدرون اجرۃ المثل بناء علی ان الاجرۃ سالمۃلجھۃ الوقف ولا شئی علیہ من عشرو غیرہ امالو اعتبر دفع العشر من جھۃ الوقف وان المستاجرلیس وعلیہ سوی الجرۃ فان اجرۃ المثل تزید اضعافا کثیرۃ کما لا یخفی فان امکن اخذ الجرۃ کاملۃ یفتی بقول الامام والا فبقولھما لما یلزم علیہ من الضرر الواضح الذی لا یقول بہ احد واللہ تعالٰی اعلم اھ۔[1]	آسانی فرمادے گا، یہ اسی طرح ہے جو علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنے شہروں کے ان اوقاف کے بارے میں ذکر کیا ہے جن میں نہ اجرت نہ اس کے ساتھ عشر کا اضافہ اور نہ ہی غلّے کی تقسیم پوری ملتی ہے، انہوں نے کہا کہ اس سلسلہ میں صاحبین کے قول پر فتوی دینے سے اعراض مناسب نہیں کیونکہ ہمارے دَور میں لوگ اجرت مثلی مقرر کرتے ہیں اس بناء پر کہ وقف کے لئے اجرت مثلی مقرر کرنے میں نقصان سے سلامتی ہے اور اس پر کوئی عشر وغیرہ نہیں اور اگر وقف کی جانب سے عشر دینے کا اعتبار کیا جائے اور مستاجر پر سوائے اجرت کے کچھ نہ ہو تو اجرت مثلی کئی گنا بڑھ جاتی ہے جیسا کہ مخفی نہیں، تو اگر کاملا اجرت لینا ممکن ہو تو امام صاحب کے قول پر فتوی ہوگا ورنہ صاحبین کے قول پر، تاکہ اس سے وہ واضح نقصان لازم آئے جس کا قول کسی نے بھی نہیں کیا واللہ تعالٰی اعلم اھ (ت)

رہی وُہ زمین جس کی نسبت خراجی ہونا ثابت ہو جائے مثلاً تحقیق ہو کہ ابتدائے زمانہ سلطنت اسلام سقی اللہ تعالٰی عہد ہا میں ابتداءً یہ زمین کسی کافر ذمی کی تھی کہ اس نے باذنِ سلطان احیاء کی، سلطان نے اسے عطا کی، اُس سے مسلمان نے خریدی یا مسلمان نے خراجی زمین کے قرب میں احیاء کی اس کا وظیفہ ضرور خراج ہے اور بلاشبہ خراج شرعی سے مالگزاری انگریزی کا کوئی تعلق نہیں، نہ حساب ادا میں وہ مجرا دی جائے **وھذا ظاہر جلی لا خفاء بہ** (اور یہ ظاہر روشن ہے اس میں کوئی خفا نہیں۔ت) امر تحقیق طلب یہ ہے کہ جب یہاں نہ سلطنتِ اسلام نہ لشکرِ اسلام تو خراج شرعی بھی واجب رہا یا نہیں، اور رہا تو کسے اور کیا اور کتنا دیا جائے۔**اقول: وباللہ التوفیق**: یہ تو کتب میں مصرح ہے کہ مطالبہ خراج مشروط بہ تسلط ہے، جب بلاد پر جتنے دنوں سلطنت شرعیہ کا تسلط نہ رہے بعد تسلّط بھی اُن ایام کے خراج کا مطالبہ نہیں انہوں نے اتنے دنوں کسی اور قوم کو خراج دیا یا اُسے بھی نہ دیا ہو کہ خراج لینا حمایت فرمانے کے ساتھ

[1] ردالمحتار باب العشر مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۰

ہے جب اُتنے دنوں سلطنتِ دینیہ ان کی حمایت سے جُدا رہی اس مدت کا خراج نہیں لے سکتی۔ کنز میں ہے:

لواخذ العشر والخراج والزکوٰۃ بغاۃ لم یوخذ اخری۔[1]	اگر باغی عشر، خراج اور زکوٰۃ وصول کرلیں تو دوبارہ نہ لیا جائے گا۔ (ت)

ہدایہ، بحر وغیرہما میں ہے:

لان الامام لم یحمھم والجبایۃ بالحمایۃ۔[2]	کیونکہ حاکم نے ان کی حمایت نہیں کی اور خراج تو حمایت کی بنا پر ہوتا ہے (ت)

تبیین وبحر وغنیہ ذوی الاحکام میں ہے:

اشتراط اخذھم الخراج ونحوہ وقع اتفاقا حتی لولم یاخذوا منہ سنین وھو عندھم لم یؤخذ منہ شئی ایضالما ذکرنا۔[3]	خراج وغیرہ لینے کی شرط لگانے کا ذکر اتفاقاً ہوا ہے حتی کہ اگر کئی سال ان سے وصولی نہ کی حالانکہ ذمی ان کے پاس تھا تو اب سابقہ سے بھی کوئی شئے نہ لی جائیگی جیسا کہ ہم نے بیان کردیا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ویظھر لی ان اھل الحرب لو غلبوا علی بلدۃ من بلادنا کذلک للتعلیلھم اصل المسئلۃ بان الامام لم یحمھم والجبایۃ بالحمایۃ وفی البحر وغیرہ لو اسلم الحربی فی دارالحرب واقام فیھا سنین ثم خرج الینا لم یاخذ منہ الامام الزکوٰۃ لعدم الحمایۃ الخ[4]	مجھ پر یہ ظاہر ہُوا ہے کہ اگر اہلِ حرب ہمارے کسی شہر پر غالب آجائیں تو حکم یہی ہوگا کیونکہ یہاں دلیل وعلّت وہی ہے کہ حاکم نے ان کی حمایت نہیں کی اور خراج حمایت کی وجہ سے ہوتا ہے، اور بحر وغیرہ میں ہے اگر حربی نے دارالحرب میں اسلام قبول کرلیا اور وُہ وہاں ہی کئی سال تک مقیم رہا پھر ہمارے ہاں آیا تو حاکم عدمِ حمایت کی وجہ سے اس سے کچھ وصول نہیں کرسکتا الخ (ت)

اور یہ بھی تصریح ہے کہ مصرف خراج لشکر اسلام ہے فقراء کا اس میں کچھ حق نہیں،

---

[1] کنزالدقائق فصل فی الغنم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۹

[2] بحرالرائق فصل فی الغنم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۲۲۳

[3] تبیین الحقائق فصل فی صدقۃ الغنم مطبعہ کبرٰی بولاق مصر ۲ /۲۷۴

[4] ردالمحتار باب زکوٰۃ الغنم مصطفی البابی مصر ۲ /۲۶

فی العنایة تحت مسئلة شراء ذمّی، عشریة من مسلم، فی توجیه روایة عن محمد حق الفقراء تعلق به فهو کتعلق حق المقاتلة بالاراضی الخراجیة ثم قال فی توجیه اخری، مایصرف الی الفقراء هو ماکان لله تعالٰی بطریق العبادة و مال الکافر لیس کذلك فیصرف فی مصارف الخراج[1] وفی الدرالمختار عن ابن الشحنة فی نظم بیوت المال ع

وثالثها خراج مع عشور الی ان قال:

فمصرف الاولین اتی بنص

وثالثها حواه مقاتلونا اھ[2] وفی الفتح والعنایة وغیرهما قبیل باب الجزیة، مصرف العشر الفقراء و مصرف الخراج المقاتلةاھ[3] وقد اعترض فی الفتح فی المسألة المارة علی جعل العشریة بشراء الذمّی خراجیة، بأن التغییر ابطال لحق الفقراء بعد تعلقه فلا یجوز الخ۔[4]

عنایہ میں اس مسئلہ "ذمی نے کسی مسلمان سے عشری زمین خریدی" کے تحت امام محمد رحمہ اللہ سے مروی روایت کی توجیہ میں ہے کہ فقراء کا اس کے ساتھ حق متعلق ہے، پس یہ اسی حق کی طرح ہے جس طرح خراجی زمینوں کے ساتھ حق مقاتلہ کا تعلق ہوتا ہے پھر دوسری توجیہ کرتے ہُوئے کہا کہ جو کچھ فقراء پر خرچ کیا جاتا ہے وہ اللہ تعالٰی کے لیے بطور عبادت ہوتا ہے اور مالِ کافر میں یہ بات نہیں ہوتی لہٰذا اسے مصارف خراج میں ہی خرچ کیا جائے گا اور درمختار میں ابن شحنہ سے بیوت المال کی نظم میں ہے:

اور تیسری قسم خراج مع عشر ہے۔ آگے چل کر کہا:

پہلی دونوں کے مصارف ہمارے نص میں موجود ہیں اور تیسری کا مصرف ہمارے مقاتلہ (لشکرِ اسلام) ہوتے ہیں۔ اھ اور فتح اور عنایہ میں باب الجزیہ سے تھوڑا پہلے ہے کہ عشر کا مصرف فقراء اور خراج کا مصرف مقاتلہ کرنیوالے (لشکرِ اسلام) ہوتے ہیں اھ فتح میں گزشتہ مسئلہ کہ عشری زمین کا ذمّی کے خریدنے سے خراجی ہونے پر اعتراض کیا ہے کہ زمین کے ساتھ فقراء کا حق متعلق ہونے کے بعد تغیّر ان کے حق کو باطل کردیتا ہے جو جائز نہیں الخ (ت)

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب العشر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۱۹۶

[2] درمختار باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۰

[3] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۲۸۶

[4] فتح القدیر باب زکوۃ الزروع والثمار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۹۷

اور شک نہیں کہ جب مصرف نہ باقی ہو، مطالبہ کس کے لیے ہو ولہذا ہمارے امام کے نزدیک عاشر تاجر سے خربوزے، کھیرے، ککڑی وغیرہا جلد بگڑ جائے والی پیداوار کا عشر نہ لے گا جبکہ فقراء موجود نہیں کہ مصرف ہی نہیں اور وُہ اشیاء رکھنے سے بگڑ جائیں گی، تو مطالبہ عبث ہے۔

فی الفتح قبیل باب المعادن، من مر برطاب اشتراھا للتجارۃ کا لبطیخ والقثاء و نحوہ لم یعشرہ عند ابی حنیفۃ فانھا تفسد بالا ستبقاء و لیس عند العامل فقراء فی البر لید فع لھم فاذا بقیت لیجد ھم فسدت فیفوت المقصود اھ[1] مختصرًا۔	فتح میں باب المعادن سے تھوڑا پہلے ہے، کہ جو شخص سبزیوں کے کھیت کے پاس سے گزرا اس نے تجارت کے لیے انھیں خریدا مثلًا خربوزہ اور کھیرا وغیرہ، تو اب امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس پر عشر نہ ہوگا کیونکہ وہ باقی رکھنے سے خراب ہو جاتی ہیں، اور عامل کے پاس جنگل میں فقراء نہیں ہوتے جنہیں وُہ عشر دے دے، اور اگر انھیں فقراء کے پانے کے لیے باقی رکھتا ہے تو وہ خراب ہو جاتے ہیں تو اس سے مقصود فوت ہو جاتا اھ اختصارًا (ت)

بلکہ علماء نے تصریح فرمائی کہ کل خراج کا وجوب ہی لشکرِ اسلام کے حق کے لیے اور ان کی حمایت کا معاوضہ ہے۔ فتح القدیر، کتاب السیر، باب العشر میں ہے:

الخراج جزاء المقاتلۃ علی حمایتھم فما سقی بما احموہ وجب فیہ اھ۔[2]	خراج لشکرِ اسلام کی حمایت کا معاوضہ ہے، جو زمین ان کی حمایت سے سیراب ہوگی اس میں خراج واجب ہوگا اھ (ت)

عنایہ میں اسی جگہ ہے:

الخراج یجب جبر ا للمقاتلۃ فیختص وجوب الخراج بما یسقی بماء حمتہ المقاتلۃ (الیٰ قولہ) الی ھذا اشار شمس الائمۃ اھ[3]	خراج، مقاتلہ کے نقصان کو پُورا کونے کے لیے ہوتا ہے لہذا خراج انہی زمینوں کے ساتھ مخصوص ہوگا جو لشکر کی حمایت کے تحت سیراب ہوں گی (آگے چل کر کہا) شمس الائمہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر باب فیمن یمر علی العاشر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۷۸

[2] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵ /۲۸۱

[3] العنایہ مع فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵ /۲۸۰

اُسی کے اواخر باب زکوۃ الزروع میں ہے:

الخراج یجب حقاللمقاتلة فیختص وجوبه بما حمته القاتلة۔[1]	خراج حق مقاتلہ کے طور پر لازم ہوتا ہے لہٰذا یہ اسی کے ساتھ مخصوص رہے گا جو مقاتلہ کے تحت ہوگا۔ (ت)

یہ کلمات بظاہر سقوطِ خراج کی طرف ناظر مگر نظر دقیق حاکم، کہ نفس وجوب ثابت و قائم، مطالبہ سلطنت و وجوب دیانت میں فرق بعید ہے، بہت چیزیں ہیں کہ سلطان کو اُن کا مطالبہ نہیں پہنچا اور شرعاً واجب ہ

کزکوٰة الاموال الباطنة کما فی الدر وغیرہ عامة الاسفار وقد قال الشامی عن البحر وغیرہ فی مسئلة اسلام الحربی فی دارالحرب بعد العبارة المذکوة ونفتیه بادائها ان کان عالما بوجو بها والّا فلا زکوٰة علیه لان الخطاب لم یبلغه وھو شرط الوجوب اھ[2]	جیسے اموالِ باطنہ کی زکوۃ جیسا کہ در اور دیگر کتب میں ہے، شامی نے بحر وغیرہ کے حوالے سے دارالحرب میں کسی حربی کے اسلام لانے کے بارے میں گفتگو کرتے ہُوئے عبارت مذکورہ کے بعد کہا، کہ اگر وُہ حربی مسلمان وجوب زکوۃ کا علم رکھتا ہے ہم اسکی ادائیگی کا فتوی دینگے ورنہ اس پر زکوۃ ہی نہیں کیونکہ اسے ایسا حکم ہی نہیں پہنچا جو وجوب کے لیے شرط ہے اھ (ت)

ولہٰذا صورت مذکورہ عدم تسلط میں تصریح فرمائی کہ متغلبین اگر زکوۃ و عشر لے کر ان کے مصارف میں سبب نہ کریں تو اربابِ اموال پر اُن کا دوبارہ دینا واجب ہے اور خراج میں جو اعادے کی حاجت نہیں اس کا سبب یہ کہ وہ متغلبین خود بھی ایک اسلامی لشکر کی حیثیت سے اُس کے مصرف ہیں تو خراج اپنے محل کو پہنچ گیا

فی الدر المختار، اخذ البغاة والسلاطین الجائرة زکوٰة الاموال الظاھرة کالسوائم والعشر والخراج لا اعادة علی اربابها، ان صرف الما خوذ فی محله الاٰتی ذکرہ والا یصرف فیه فعلیھم فیما بینھم وبین اللّٰہ تعالٰی اعادة غیر الخراج لانھم مصارفه۔[3]	درمختار میں ہے اگر باغیوں اور ظالم حکمرانوں نے اموال ظاہرہ کی زکوۃ وصول کرلی مثلاً چارپایوں کی زکوۃ، یا عشرہ خراج وصول کرلیا تواب مالکوں سے دوبارہ نہیں لیا جائیگا (بشرطیکہ ان کی جگہ خرچ کیا گیا جن کا ذکر آرہا ہے) اور اگر وہاں خرچ نہیں کیا تو مالکوں پر بطور دیانت عشرہ زکوۃ کا اعادہ لازم ہے خراج کا نہیں کیونکہ باغی لشکر خود خراج کا مصرف ہیں۔ (ت)

[1] العنایہ مع فتح القدیر باب زکوۃ الزروع والثمار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۱۹۷

[2] ردالمحتار باب زکوۃ الغنم مصطفی البابی مصر ۲ /۲۶

[3] درمختار باب زکوۃ الغنم مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۱۳۴

درمنتقی پھر طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

اماالخراج فلا یفتون با عادتہ لانھم مصارفہ اذا ھل البغی یقاتلون اھل الحرب و الخراج حق المقاتلۃ۔[1]	خراج دوبارہ لینے کا فتوٰی نہیں دیا جائے گا کیونکہ یہ اس کا مصرف ہیں کیونکہ اہلِ بغاوت نے اہلِ حرب کے ساتھ مقاتلہ کیااور خراج مقاتلہ کا حق ہے(ت)

ہدایہ وبحر وغیرہما میں ہے:

افتوابان یعید وھا دون الخراج لانھم مصارف الخرج لکونھم مقاتلۃ والزکوٰۃ مصرفھا الفقراء ولا یصرفونھا الیھم۔[2]	علماء نے فتوٰی دیا ہے کہ خراج کے علاوہ کا اعادہ ہوگا کیونکہ اہلِ بغاوت خراج کا مصرف ہیں اس لیے کہ یہ مقاتل ہیں اور زکوٰۃ کا مصرف فقراء ہیں لہٰذا ان پر خرچ نہیں کی جاسکتی۔(ت)

توثابت ہُوا کہ تسلّط وحمایت شرط مطالبہ سلطانی ہے نہ شرط نفس وجوب اوراس تعلیل نے کہ اعادہ خراج اس وجہ سے نہیں کہ وُہ خود بھی مصرف ہیں واضح کردیا کہ اگر وُہ مصرف نہ ہوں جیسے نامسلم قومیں توخراج کا اعادہ بھی ضرور ہے مصرف خراج صرف لشکر اسلام نہیں بلکہ تمام مصالح عامہ مسلمین ہیں جن میں تعمیر مساجد ووظیفہ امام ومؤذن وبنائے پل وسراو تنخواہ مدرسین علم دین وخبرگیری طلبہ علوم دین وخدمت علمائے اہلِ حق حامیانِ دین مشغولین درس ووعظ وافتاوغیرہاامور دین سب داخل ہیں۔

فی ردالمحتار تحت قول ابن الشحنۃ المار انہ یصرف فی مصالحنا کسد الثغور و بناء القناطیر والجسور و کفایۃ العلماء و القضاء والعال ورزق المقاتلۃ و ذراریھم اھای ذراری الجمیع۔[3]	ردالمحتار میں ابن شحنہ کے گزشتہ قول جو ہدایہ اور اکثر کتب معتبرہ میں ہے،کے تحت یہ ہے، خراج ہمارے مصالح پر خرچ کیا جاسکتا ہے مثلاً دفاعی بند، پُل، راستے، علماء، قضاء، علماء کی خدمت، مقاتلہ کرنے والے اور ان کی اولاد، یعنی مذکورہ تمام لوگوں کی اولاد پر خرچ کیا جاسکتا ہے(ت)

درمختار میں ہے:

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب زکوٰۃ الغنم دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۴۰۴

[2] الہدایۃ کتاب الزکوٰۃ فصل فی مالا صدقۃ فیہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۷۳

[3] ردالمحتار باب العشر مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۳

مصرف الجزیة والخراج مصالحنا کسد ثغورنا و بناء قنطرة و جسر کفایة العلماء والمعلمین، تجنیس، وبه یدخل طلبة العلم، فتح، و القضاة والعمال ککتبة قضاة وشهود قسمة ورقباء سواحل ورزق المقاتلة وذراریهم ای ذراری من ذکر، مسکین (ملخصًا)[1]	جزیہ اور خراج کامصرف ہمارے رفاہی کام ہیں مثلاً دفاعی معاملات، جیسے دارالاسلام کی سرحدوں کی حفاظت کرنا، سڑکوں اور پُلوں کا بنانا، علماء اور اساتذہ کو بطورِ کفالت دینا، تجنیس۔ اس میں طالبعلم بھی داخل ہیں، فتح۔ قضاۃ اور عمال، جیسے قاضیون کے کاتب، ورثاء اور شرکاء کے درمیان تقسیم کے گواہ اور سواحلِ دریا کے نگہبان یعنی عشر لینے والے کذافی الطحطاوی۔ مجاہدین کی روزی اور ان سب کی ذریّت کی، یعنی جن کا ذکر اُوپر ہوا ان سب کی اولاد کی روزی۔ کذافی شرح مسکین۔ (ملخصًا) (ت)

ہدایہ میں ہے:-

الخراج یصرف فی مصالح المسلمین ویعطی قضاة المسلمین وعمالهم وعلماؤهم منه ما یکفیهم لانه مال بیت المال وهو معد لمصالح المسلمین وهٰؤلاء عملتهم۔[2]	خراج مسلمانوں کے مفاد کے لیے ہوگا۔ مسلمان قضاۃ، عمال، علماء کی ضروریات کو اس سے پُورا کیا جائے گا کیونکہ یہ بیت المال کا مال ہے اور بیت المال مسلمانوں کے مفاد کے لیے ہوتاہے، اور یہ لوگ مسلمانوں کی خدمت کررہے ہوتے ہیں۔ (ت)

فتح میں ہے:

زاد فی تجنیس، المعلمین والمتعلمین وبهذا تدخل طلبة العلم اھ[3] الکل مختصرا۔	تجنیس ا معلمین وا متعلمین میں یہ اضافہ ہے کہ اس کے ساتھ طالب علم اس میں داخل ہوگئے اھ تمام عبارتوں میں اختصار ہے۔ (ت)

خود امام مذہب سیدنا ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الخراج میں خلیفہ ہارون رشید سے ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] درمختار فصل فی الجزیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۴
[2] الہدایۃ فصل ونصارٰی بنی تغلب الخ المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/۵۷۹
[3] فتح القدیر فصل ونصارٰی بنی تغلب الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۳۰۷

وسألت من ای وجه تجری علی القضاۃ و العمال الارزاق فاجعل (اعزاللہامیرالمؤمنین بطاعته) ما یجری علی القضاۃ والولاۃ من بیت مال المسلمین من جبایۃ الارض اومن خراج الارض والجزیۃ لانهم فی عمل المسلمین فیجری علیهم من بیت مالهم ویجری علی والی کل مدینۃ وقاضیها بقدر مایحتمل، وکل رجل تصیرہ فی عمل المسلمین فاجر علیه من بیت ما لهم ولا تجر علی الولاۃ والقضاۃ من مال الصدقۃ شیأ الا والی الصدقۃ فانه یجری علیه منها کما قال اللہ تبارك وتعالیٰ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا۔[1]	اے امیر المومنین! تُو نے یہ پُوچھا ہے کہ قضاۃ اور عمال کے وظائف کا معاملہ کیسے کیا جائے تو (اللہ تعالٰے امیر المومنین کو رعایا کی فرمانبرداری کے ذریعے عزت بخشے) قضاۃ اور عمال کو مسلمانوں کے بیت المال یعنی زمین کی ضمان، خراج اور جزیہ سے وظائف دیے جائیں کیونکہ وُہ مسلمانوں کے کام میں مصروف ہوتے ہیں، پس ان پر بیت المال سے خرچ کرو اور ہر شہر کے والی اور قاضی کے لیے اتنا وظیفہ جاری کرو جتنا وُہ کام کرتے ہیں، اور جو شخص مسلمانوں کے کام میں مقرر کرو اس پر بیت المال سے خرچ کرو، والیوں اور قاضیوں پر مال صدقہ سے خرچ نہ کرو، ہاں والی صدقہ پر کرسکتے ہو کیونکہ اس پر اس میں سے خرچ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے اور صدقات وصول کرنے والے کے لیے۔ (ت)

اور اگر بالفرض خاص لشکرِ اسلام ہی اس کا مصرف ہوتا تو بحمد اللہ تعالٰی وہ بھی جابجا موجود، اور اوپر معلوم ہوچکا کہ خاص یہاں ہونا ان بلاد کی حمایت کا، شرط مطالبہ ہے نہ شرط وجوب، اور اشیائے سریعۃ الفساد پر خراج کی قیاس نہیں ہوسکتا، پھر وہاں بھی صرف مطالبہ منتفی ہے نہ وجوب، خود اسی مسئلہ میں تصریح ہے کہ عاشر اگرچہ اس سے عشر نہ لے گا مگر تاجر کو اس کے ادا کا حکم کرے گا۔

فی ردالمحتار عن الشرنبلالیۃ صورۃ المسألۃ ان یشتری بنصاب، قرب مضی الحول علیه، شیأ من هذه الخضراوات للتجارۃ فتم علیه الحول، فعندہ لا یاخذ الزکوٰۃ لکن یامر المالك بادائها	ردالمحتار میں شرنبلالیہ سے ہے صورتِ مسئولہ یُوں ہے کہ سال ختم ہونے کے قریب اگر کسی نے تجارت کے لیے نصاب کے عوض سبزیات خریدیں اور اس پر سال مکمل ہوا تو امام صاحب کے نزدیک اس سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی لیکن

[1] کتاب الخراج من ای وجہ تجری علی القضاۃ الخ مطبعۃ بولاق مصر ص ۲۰۲

بنفسه الخ۔[1]	مالک سے کہا جائیگا کہ خود ادا کردے۔(ت)

ایجاب خراج میں لشکرِ اسلام کا حق اور اس کی حمایت پر تقرر معاوضہ ضرور منظورِ نظرِ شرع ہے مگر اس سے وجود حمایت کا شرط وجوب ہونا لازم نہیں، تصریحات ائمہ سے واضح ہولیا کہ خراج صرف انہی کے لیے مقرر نہ ہُوا بلکہ جمیع مصالح عامّہ اہلِ اسلام اس میں متساویۃ الاقدام، ہاں جہاں حمایت ہو ان کا بھی حق ضرور ہے اور جہاں اُن کا حق ہو وہی معاوضہ منظور ہے، بالجملہ ادھر سے کلیہ ہے یعنی حیثما وجدت الحمایۃ وجبت الجبایۃ (جہاں حمایت ہوگی وہاں خراج لازم ہوگا۔ت) اُدھر سے نہیں کہ حیث ما وجبت الجبایۃ وجدت الحمایۃ (جہاں خراج ہوگا وہاں حمایت ہوگی۔ت) تاکہ اس کا عکس نقیض کیجئے کلما لم توجد الحمایۃ لم توجب الجبایۃ (جب حمایت نہ ہوگی تو خراج لازم نہ ہوگا۔ت) فتح القدیر کی عبارت مذکور کا منشاء اسی قدر ہے البتہ عبارتِ عنایہ میں لفظ یختص موہم واقع ہوا ہے اور وُہ قطعًا زائد بے حاجت محض بلکہ خلافِ مقصود ہے،

وذلك لان محمدا رحمه الله صرح فی الزیادات ان المسلم لا یبتدأ بتوظیف الخراج[2] ثم وقع بینهم الخلاف فیما اذا احیا مسلم مواتا فقال ابو یوسف تعتبر بحیزها ای بما یقرب منها فان كانت من حیز ارض الخراج فخراجیة او ارض العشر فعشریة لان القرب من اسباب الترجیح وقال محمد ان كان صفتها انها یصل الیها ماء الانهار فخراجیة او ماء عین ونحوه فعشریة كل ذلك فی الفتح[3] وقد لزم من هذا توظیف	یہ اس لیے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے زیادات میں تصریح کی ہے کہ مسلمان پر ابتداءً خراج نہیں آسکتا، پھر ان ائمہ کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ جب کسی مسلمان نے غیر آباد زمین کو آباد کیا، امام ابو یوسف نے فرمایا اس کے قُرب کا اعتبار کیا جائیگا، اگر خراجی کے قریب ہے تو خراجی، اگر عشری کے قریب ہے تو عشری، کیونکہ قرب اسبابِ ترجیح میں سے ہے۔ امام محمد نے فرمایا اگر اسے نہری پانی سیراب کرتا ہو تو خراجی، اور اگر چشمہ وغیرہ کا پانی ہو تو عشری۔ یہ تمام تفصیل فتح میں ہے۔ بعض کے گمان کے مطابق اس سے مسلمان پر

[1] ردالمحتار باب العاشر مصطفی البابی مصر ۲ /۴۷
[2] فتح القدیر باب زکوۃ الزروع والثمار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۱۹۸
[3] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵ /۲۸۰

الخراج علی المسلم بدأ اذا سقاها بماء الخراج علی ما ظن عـــه۱ وھو خلاف نص الزیادات فاجیب عـــه۲ بتقیید مافی الزیادات بما اذالم یکن منه صنیع یستدعی ذٰلك وھوالسقی بماء الخراج اما اذا وجد ذٰلك فھو دلالة التزامه الخراج	ابتدائی طور پر خراج کا تقرر لازم آتا ہے جبکہ وُہ زمین خراجی پانی سے سیراب ہورہی ہو، حالانکہ یہ زیادات کی تصریح کے خلاف ہے، اس کا جوب یہ دیا گیا ہے کہ زیادات کی عبارت میں اس قید کا اعتبار ہے کہ بشرطیکہ اس مسلمان سے کوئی ایسا عمل نہ پایا جاتا ہو جو خراج کا تقاضا کرتا ہو اور وہ عمل خراجی پانی سے سیرابی ہے، اور اگر ایسا ہے تو بطور التزام اس کا

عـــه۱: ظنه جماعة منھم الشیخ حسام الدین السغناقی فی النھایة ولیس کما ظنوا بل انما ھو انتقال ما تقرر فیه الخراج بوظیفة الیه وھو الماء فان فیه وظیفة الخراج فاذا سقی به انتقل ھو بوظیفة الی ارض المسلم کما لواشتری خراجیة وھذا لان المقاتلة ھم الذین حموا ھذاالماء تثبت حقھم فیه وحقھم ھوالخراج فاذا اسقی به مسلم اخذ منه حقھم کما ان ثبوت حقھم فی الارض اعنی خراجھا لحمایتھم ایاھا یوجب مثل ذٰلك افادہ فی الفتح من باب زکٰوۃ الزروع ۱۲منه غفرله۔ (م)

عـــه۱: یہ گمان ایک جماعت نے کیا ہے جن میں سے شیخ حسام الدین سغناقی ہیں جنھوں نے نہایہ میں اظہار کیا ہے، جبکہ معاملہ وُہ نہیں جو انہوں نے گمان کیا ہے بلکہ یہ مسلمان کی طرف وظیفہ خراج والی چیز کا انتقال ہے۔ اور وُہ پانی ہے کیونکہ اس میں خراج والا وظیفہ ہے۔ تو جب اس سے زمین سیراب ہوگی تو اس کا وظیفہ بھی مسلمان کی زمین پر لاگو ہوگا جیسا کہ کوئی خراجی زمین خریدے تو اس پر خراج آتا ہے یہ اس لیے کہ مقاتلہ وُہ لوگ ہیں جو اس پانی کو تحفظ فراہم کرتے ہیں اس لیے اس پانی میں ان کا حق ثابت ہوگا جبکہ وُہ خراج ہے تو جب کوئی مسلمان اس پانی کو استعمال کرے گا تو اس سے پانی کا حق لیا جائیگا جس طرح خراجی زمینوں میں تحفظ فراہم کرنے پر مقاتلہ کا حق واجب ہوتا ہے، اس کا افادہ فتح کے باب زکٰوۃ الزروع سے حاصل ہے ۱۲منہ غفرلہ۔ (ت)

عـــه۲: المجیب الامام شمس الائمة السرخسی کما فی الفتح ۱۲منه غفرله (م)

عـــه۲: جواب دینے والے شمس الائمہ سرخسی ہیں جیسا کہ فتح میں ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

رضاہ بہ لان الخراج جزاء المقاتلۃ علی حمایتھم فما سقی بما حموہ وجب فیہ[1] ھذا ما فی الھدایۃ والفتح، ولاحاجۃ فیہ الٰی تخصیص الخراج بماحموہ اصلا بحیث لم یوجد لم یجب انما الحاجۃ الٰی استتباع حمایتھم ایجاب الخراج بحیث اذا وجدت وجب لان المقصود اثبات الوجوب لاجل ثبوت الحمایۃ فتکون الحمایۃ ملزومۃ والخراج لازما لیستدل بوضع المقدم علی وضع التالی واللازم لایجب تساویہ اما اذا قلنا بان الخراج یختص بالحمایۃ کان المعنی ھو انتفاءہ بانتفاءھا فیکون اللازم ھو الحمایۃ فلا یصح الاستدلال بوجودہ علی وجوب الخراج لان وضع التالی لاینتج وضع المقدم فظھران حدیث الخصوص لا یوافق المقصود فاذن التقریر الصحیح مااشار الیہ فی الھدایۃ وبینہ فی الفتح وانعم ایضاحہ فی زکوٰتہ الزروع کمانقلنا نصہ اٰنفافی المنھیۃ۔

خراج پر راضی ہونا ثابت ہوجاتا ہے کیونکہ خراج تو حمایت پر مقاتلہ کا معاوضہ ہے اور جو حمایتی (خراجی) پانی سے سیراب ہوگی اس خراج واجب ہوگا۔ یہ ہدایہ اور فتح میں تھا۔ یہاں خراج کو اس چیز کے ساتھ مقیّد کرنے کی اصلاً ضرورت نہیں کہ یہ وہاں ہوتا ہے جہاں حمایت ہو، اور جہاں حمایت نہ ہوگی وہاں خراج کا وجوب نہ ہوگا۔ یہ ضرورت تو ان کی حمایت کی وجہ سے ایجابِ خراج کے لیے ہے یعنی جہاں حمایت ہوگی وہاں خراج کا وجوب ہوگا کیونکہ مقصود ثبوت حمایت کی خاطر وجوبِ خراج کا اثبات ہے تو اب حمایت ملزوم اور خراج لازم قرار پائے گا تاکہ وضع مقدم سے وضع تالی پر استدلال کیا جاسکے اور لازم کے لیے (ملزوم کے) مساوی ہونا ضروری نہیں ہوتا لیکن جب ہم یہ کہیں گے کہ خراج حمایت کے ساتھ مخصوص ہے، تو اب معنٰی ہوگا کہ خراج کی نفی سے حمایت کی نفی ہو تو اب اس صورت حمایت کا لازم ہونا لازم آجائے گا تو اب وجود لازم (حمایت) سے وجوب خراج پر استدلال درست نہ ہوگا کیونکہ وضع تالی سے وضع مقدم پر منتج نہیں ہوتی۔ تو اب ظاہر ہوگیا کہ مخصوص کرنے والی بات مقصود کے موافق نہیں، اب تقریر صحیح وہی ہے جس کی طرف ہدایہ میں اشارہ ہے اور فتح میں بیان ہوئی اور اس کی وضاحت زکوۃ الزروع میں کی، جیساکہ ہم نے ابھی منہیہ میں اس کی عبارت بصور نص نقل کی ہے (ت)

پھر اس اختصاص کو اپنے ظاہر اطلاق پر رکھئے تو قطعاً غلط و باطل ہے، جو زمینیں ہم نے

[1] فتح القدیر، باب العشر والخراج، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۵/ ۲۸۱

قہرًا خواہ صلحًا فتح کیں اور ان کے اہل کو اُن پر برقرار رکھا یا قہرًا فتح کرکے اور جگہ کے کافروں کو دے دیں اُن پر یقینًا خراج ہے اگرچہ انھیں آب عشری مثل باران وغیرہ سے پانی دیا جاتا ہو۔ محققین تصریح فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ ہمارے ائمہ کا اجماعیہ ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا:

نحن نقطع ان الارض التی اقر اھلھا لو کانت تسقی بعین اوبماء السماء لم تکن الاخراجیة لان اھلھا کفار واکفار لو انتقلت الیھم ارض عشریة و معلوم ان العشریة قد تسقی بعین او بماء الساء لاتبقی علی العشریة بل تصیر خراجیة فی قول ابی احنیفة وابی یوسف خلافا لمحمد فکیف یبتدأ الکافر بتوظیف العشر ثم کونھا عشریة عند محمد اذا انتقلت الیہ کذلك امافی الابتداء فھو ایضا یمنعه۔[1]	ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ جس زمین پر اس کے اہل برقرار رہے اگرچہ وہ چشمہ یا آسمانی پانی سے سیراب ہوتی ہو تو وُہ خراجی ہی ہوگی کیونکہ اس کے مالک کافر ہیں اور کافر کی طرف اگرچہ عشری زمین منتقل ہو اور یہ بات معلوم ہو کہ اگر عشری زمین کو چشمہ یا آسمانی پانی سے سیرب کیا جاتا ہے تو وہ عشری نہ رہے گی بلکہ وُہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے قول کے مطابق خراجی ہوجائے گی، ہاں امام محمد کا اس میں اختلاف ہے، تو اب کافر پر ابتدائی طور پر عشر کیسے مقرر کیا جاسکتا ہے، پھر امام محمد کے نزدیک جب عشری زمین کسی کافر کی طرف منتقل ہوگی تو وہ عشر ہی رہے لیکن ابتداءً وُہ بھی کافر پر عشر سے منع کرتے ہیں۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

وقد اطال المحقق فی فتح القدیر فی تقریرہ ثم قال والحاصل ان التی فتحت عنوۃ ان اقر الکفار علیھا لا یوظف علیھم الاالخراج ولوسقیت بماء المطر وان قسمت بین المسلمین لا یوظف الا العشر وان سقیت بماء الانھار۔[2]	محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں بڑی طویل گفتگو کرکے کہا کہ حاصل یہ ہے کہ جو زمینیں بطور غلبہ حاصل ہوں اگر کفار کو ہی ان پر قابض رکھا تو اب ان پر خراج ہی مقرر کیا جائیگا اگرچہ وہ بارش سے سیراب ہوتی ہوں، اور اگر وُہ زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کردی گئیں تو ان پر عشر ہی مقرر کیا جائیگا اگرچہ وہ نہری پانی سے سیراب کی جاتی ہوں۔(ت)

[1] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵ /۲۸۰
[2] بحرالرائق، باب العشر والخراج، ایچ سعید کمپنی کراچی، ۵ /۵۰۱

امام محقق زیلعی نے تبیین الحقائق میں فرمایا:

هذا التفصیل فی حق المسلم اما الکافر فیجب علیه الخراج من ای ماء سقی لان الکافر لا یبتدأبالعشرفلا یأتی فیه التفصیل فی حالة الابتداء اجماعا۔[1]	یہ تفصیل حقِ مسلم میں ہے، رہاکافر کا معاملہ تواس پر خراج ہوگا خواہ جو پانی بھی سیراب کرے کیونکہ کافر پر ابتداءً عشر نہیں ہوتا لہٰذاابتداءً اس میں بالاتفاق تفریق وتفصیل نہیں ہوگی۔(ت)

اسی طرح بحرالرائق ومجمع الانہر میں اس سے نقل کیااور مقرر رکھا، ولہٰذاعلامہ حلبی نے متن متین ملتقی الابحر میں اُن زمینوں کو خراجی ہونے کامسئلہ مطلق رکھاارض السواد خراجیة (سواد کی زمین خراجی ہے۔ت) کے بعد فرمایا:

وکذا کل مافتح عنوة واقر اهلها علیه اوصولحو اسوی مکّة۔[2]	اسی طرح ماسوائے مکّہ کے وُہ زمین جو بطور غلبہ فتح ہُوئی اوراس کے باشندوں کو وہاں قابض رکھایا ان سے صلح کرلی گئی۔(ت)

اور اصلاًخلاف کاذکر نہ کیاحالانکہ انہیں التزام ہے کہ جس مسئلہ میں ائمہ ثلٰثہ مذہب سے کسی کاخلاف ہو ضرور نقل کریں گے۔

قال فی خطبته وصرحت بذکر الخلاف بین ائمتنا الخ[3]	علامہ حلبی نے خطبہ کتاب میں فرمایاہمارے ائمہ کے درمیان اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہوگاتو میں اس کی تصریح کروں گا۔(ت)

اسی طرح متن جلیل کنز میں مطلق فرمایا:

فتح عنوة و اقر اهله علیه اوفتح صلحا خراجیة۔[4]	وُہ زمین جو بطور غلبہ حاصل ہُوئی اور وہاں کے قابضین کو برقرار رکھایا بطور صلح فتح ہُوئی تو وہ خراجی ہوگی۔(ت)

اور خلاف کی طرف باوصف التزام رمزایمانہ کیایُوہیں جو زمین ذمی نے احیاکی بالاتفاق خراجی ہے اگرچہ

---

[1] تبیین الحقائق باب العشر والخراج الخ مطبعہ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۳ /۲۷۲
[2] ملتقی الابحر باب العشر والخراج الخ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۲۷۰
[3] ملتقی الابحر خطبۃ الکتاب (مقدمۃ المؤلف) مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۱۰
[4] کنزالدقائق باب العشر والخراج والجزیۃ ایچ ایم سعید کراچی ص ۱۹۱

پانی عشری دیا ہو، فتح القدیر و تبیین الحقائق و بحر الرائق وغیرہا میں ہے:

لو احیا ھا ذمّی کانت خراجیۃ سواء سقیت عند محمد بماء السما ونحوہ او لا وسواء کانت عند ابی یوسف من حیز ارض الخراج اوالعشر اھ [1] فظھر ضعف ما انتحاہ فی العنایۃ تبعا للنھایۃ رکونا الی ظاہر نقل فی الھدایۃ علی خلاف نقل فی الغایۃ کما بینہ المحقق فی الفتح واللہ ولی الھدایۃ والفتح۔	اگر کسی ذمی نے زمین کو آباد کیا تو وُہ خراجی ہوگی خواہ آسمانی پانی وغیرہ سے سیراب ہو یا نہ ہو اور امام ابو یوسف کے نزدیک خواہ خراجی کے قریب ہو یا عشری کے قریب اھ اس سے اس کا ضعف ظاہر ہوگیا جو عنایہ میں نہایہ کی اتباع کرتے ہُوئے میلان کیا ہے ہدایہ میں نقل ظاہر کی طرف اور وُہ نقل غایۃ کے خلاف ہے جیسا کہ محقق نے فتح میں کیا، اور اللہ تعالٰی ہی ہدایت اور فتح کا مالک ہے۔ (ت)

تصریح فرمائی مسئلہ اعتبار آب مطلق نہیں، ہدایہ میں فرمایا تھا:

اذا کانت لمسلم دار خطۃ فجعلھا بستانا فعلیہ العشر معناہ اذا سقاھا بماء العشر واما اذا کانت تسقی بماء الخراج ففیھا الخراج لان المؤنۃ فی مثل ھذا تدور مع الماء۔ [2]	جب بطور قبضہ کسی مسلمان کی خالی زمین پر گھر بنایا پھر اسے اس نے باغ بنادیا تو اس پر عشر ہوگا، اس کا معنٰی یہ ہے کہ جب وُہ عشری پانی سے سیراب ہوتا ہو اور جب وہ خراجی پانی سے سیراب ہو تو اس میں خراج ہوگا کیونکہ ایسی صورتوں میں عشر وخراج کا معاملہ پانی کے ساتھ ہے۔ (ت)

اس پر عنایہ میں لکھا ہے:

معنی قولہ "فی مثل ھذا" "الارض التی لم یتقرر امرہ علی عشر او خراج وھو احتراز عما اذا کان لمسلم ارض تسقی بماء العشر وقد اشتراھا ذمی فان ماء ھا عشری وفیہ الخراج۔ [3]	ماتن کے قول "فی مثل ھذا" سے مراد وہ زمین ہے جس کا معاملہ عشر و خراجی کے اعتبار سے مستحکم نہ ہوا ہو، اس سے اس صورت سے احتراز ہوگیا جب کسی مسلمان کی ایسی زمین تھی جو عشری پانی سے سیراب ہوتی تھی اور اسے ذمی نے خرید لیا تو اب اس کا پانی عشری ہے لیکن اس میں خراج ہے۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵ /۲۸۱

[2] الہدایۃ، باب زکوۃ الزروع والثمار، المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱ /۱۸۴

[3] العنایۃ مع فتح القدیر باب زکوۃ الزروع والثمار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۱۹۷

دیکھو کیسی صاف تصریح ہے کہ خراج آب خراجی کے ساتھ خاص نہیں، اور تحقیق یہ ہے کہ اب بھی اطلاق صحیح نہیں، مسئلہ احیائے ذمی وغیرہا کے متعلق تصریحات ابھی گزریں، ہاں امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اعتبار آب صرف اس صورت میں ہے جہاں مسلمان پر ابتداءً وظیفہ مقرر کرنا ہو جیسے اس نے اپنے گھر کو باغیچہ بنالیا یا مردہ زمین احیاء کی، محقق علی الاطلاق نے یُوں شرح فرمائی:

قوله الوظيفة فی مثله فيما هو ابتداء توظيف علی المسلم من هذا ومن الارض التی احياها، لا کل مالم يتقرر امره فی وظيفة کما فی النهاية بان الذمی لو جعل دار خطته بستانا او احيا ارضا اورضخت له لشهوده القتال کان فيها الخراج وان سقاها بماء العشر عند ابی حنيفة رحمه الله تعالٰی۔[1]	ماتن کا قول "الوظیفۃ فی مثلہ" یعنی اس زمین کا جس کا ابتداءً مسلمان پر وظیفہ مقرر کرنا ہے اور جسے اس نے آباد کیا ہو' نہ کہ ہر وُہ زمین جس کا وظیفہ مستحکم نہ ہوا ہو جیسا کہ نہایہ میں ہے کیونکہ اگر ذمی نے قبضہ شدہ گھر کو باغ بنالیا یا زمین کو آباد کیا یا اسے جہاد میں شرکت کی وجہ سے بطور عطیہ ملی تو اس میں خراج ہوگا اگرچہ اسے اس نے ماءِ عشری سے سیراب کیا ہو امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک۔(ت)

خود ہدایہ میں فرمایا:

ان جعلها (ای المجوسی داره) بستانا فعليه الخراج وان سقاها بماء العشر لتعذر ايجاب العشر اذفيه معنی القربة فتعين الخراج وهو عقوبة تليق بحاله اھ[2] **اقول:** وبه ظهر سقوط ما فی العناية علی هذا القول من الهداية ما نصّه لقائل ان يقول اما ان يكون الاعتبار للماء اولحال من توضع عليه الوظيفة فان كان الاول وجب عليه العشر وان كان الثانی ناقض هذا	اگر (کسی مجوسی نے اپنے دار کو) باغ بنادیا تو اس پر خراج ہے اگرچہ اسے عشری پانی سے سیراب کیا ہو کیونکہ یہاں وجوبِ عشر متعذر ہے اس لیے کہ عشر میں عبادت کا پہلو ہے لہذا خراج متعین ہوگا جو بطور عقوبت مجوسی کے حال کے مناسب ہے **اقول:** اس سے عنایہ کے اس اعتراض کا ساقط ہونا ظاہر ہوگیا جو ہدایہ کے قول پر، ان الفاظ میں کیا کہ معترض کہہ سکتا ہے کہ یہاں اعتبار پانی کا یا اس شخص کا ہے جس پر عشر و خراج لازم کرنا ہے، اگر پانی کا اعتبار ہے تو مجوسی پر عشر لازم آئے گا اور اگر شخص مکلّف کا اعتبار ہو تو اس کا

[1] فتح القدیر، باب زکوٰۃ الزروع والثمار، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۱۹۸

[2] الہدایۃ، باب زکوٰۃ الزروع والثمار، المکتبۃ العربیہ کراچی ۱ /۱۸۴

قولہ (لان المؤنۃ فی مثل ھذا تدور مع الماء)(وجب علی المسلم العشر اذا سقی ارضہ بماء الخراج)اھ[1] وجہ السقوط ان الکلام ھٰھنا فی الذمی و مامر من دوران المؤنۃ مع الماء انما کان فیما فیہ ابتداء التوظیف علی المسلم فلا مساغ للتناقض اصلا ولا حاجۃ الٰی تجشم الجواب بما قال ان الاعتبار للماء ولکن قبول المحل شرط وجوب الحکم والکافر لیس بمحل لایجاب العشر علیہ لکونہ عبادۃالخ[2] وکیف ماکان فمقصودنا حاصل وھو بطلان تخصیص الخراج بالماء الخراج اما مطلقا واما فیما لم یتقرر امرھا علی وظیفۃ نعم ھو صحیح عند صاحب المذھب فیما فیہ بدء التوظیف علی مسلم فقط۔	اس قول سے تضاد لازم آئیگا کہ "ایسی صورت میں وظیفہ کے تعیّن کے لیے پانی کا اعتبار کیا جاتا ہے" اور مسلمان پر عشر لازم ہوتا ہے جب وہ اپنی زمین کو خراجی پانی سے سیراب کرتا ہو"اھ۔ وجہ سقوط یہ ہے کہ یہاں گفتگو ذمی میں ہورہی ہے، اور جو گزرا ہے کہ تعین وظیفہ میں پانی کا اعتبار ہے، وہ اس صورت میں ہے جب ابتداء کسی مسلمان پر وظیفہ کا تعین کرنا ہو تو یہاں تناقض کا ثبوت ہی نہیں ہوا لہٰذا یہ کہہ کر جواب میں تکلّف کی ضرورت نہیں، کہ اعتبار تو پانی کا ہی ہوتا ہے مگر وجوبِ حکم کے لیے محل کا قبول کرنا شرط ہے اور کافر ایجابِ عشر کا محل نہیں کیونکہ عشر ادا کرنا عبادت ہے الخ بہر حال ہمارا مقصد حاصل ہے وہ یہ کہ خراج پانی کے ساتھ خراج کو مخصوص کرنے کا بطلان ہے، یا تو ہر حال میں یا اس صورت میں جب زمین پر کسی وظیفہ کا تقرر نہ ہوا ہو، ہاں یہ صاحبِ مذہب کے نزدیک اس وقت فقط صحیح ہے جب کسی مسلمان پر ابتداءً وظیفہ کا تقرر کرنا ہو۔(ت)

پھر مفتی بہ یہ ہے کہ یہاں بھی پانی کا اعتبار نہیں بلکہ قرب دیکھیں گے اگر زمین خراجی سے نزدیک ہے خراج ہوگا اگرچہ آب عشری دیا ہو، اور عشری سے تو عشر اگرچہ پانی خراج کا ہو۔ تنویر میں ہے:

لو احیاہ مسلم اعتبر قربہ۔[3]	اگر کسی مسلمان نے زمین کو آباد کیا تو وہاں اس کے قریب زمین کا اعتبار کیا جائیگا۔(ت)

[1] العنایۃ مع فتح القدیر، باب زکوۃ الزروع والثمار، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۲/ ۱۹۸
[2] العنایۃ مع فتح القدیر، باب زکوۃ الزروع والثمار، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۲/ ۱۹۸
[3] تنویر الابصار متن در مختار، باب العشر والخراج الخ، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۳۴۹

ردالمحتار میں ہے:

هذا عند ابی یوسف واعتبر محمد الماء فان احیاها بماء الخراج فخراجیة والا فعشریة بحر وبالاول یفتی، درمنتقی۔[1]	یہ امام ابویوسف کے نزدیک ہے، امام محمد نے پانی کا اعتبار کیا ہے، اگر مسلمان نے زمین، خراجی پانی سے آباد کی ہے تو وُہ خراجی ہوگی ورنہ عشری، بحر۔ فتوی پہلے قول پر ہے، درمنتقی۔ (ت)

اُسی میں ہے:

وهو ما مشی علیه المصنف اولا کالکنز وغیره وقدمه فی متن "الملتقی" فافاد بترجیحه علی قول محمد وقال ح وهو المختار کما فی الحموی علی الکنز عن شرح قراحصاری وعلیه المتون۔[2]	یہی وُہ ہے جس پر پہلے مصنّف چلے مثلاً کنز وغیرہ۔ اور ملتقی کے متن میں اسے مقدم کیا ہے۔ یہ اس بات کو مفید ہے کہ انہوں نے اسے امام محمد کے قول پر ترجیح دی ہے اور ح نے کہا کہ یہی مختار ہے جیسا کہ حموی علی الکنز میں شرح قراحصاری کے حوالے سے ہے، اور متون اسی پر ہیں۔ (ت)

معہذا اگر تخصیص مان بھی لیجئے تو لشکر اسلام کا ید قبضہ پانی پر وارد ہونا ابتداءً اس کی خرجیت کا مفید ہوتا، بقاءً بھی خراجیت، بقاءً ید پذیر پر موقوف رہنے کی کیا دلیل ہے، اور پُر ظاہر کہ ہمارا کلام بقاء میں ہے:

الا تری ان الخراج یجب عقوبة الا الکفر ثم لا یحتاج فی بقائه حتی لو اسلموا لم یسقط الخراج عن اراضیهم کما نصوا علیه قاطبة	(آپ جانتے ہیں کہ خراج کفر کی سزا کے طور پر واجب ہوتا ہے پھر اپنی بقاء میں اس کا محتاج نہیں حتیٰ کہ اگر کافر مسلمان ہوگئے تو ان کی زمینوں سے خراج ساقط نہ ہوگا جیسا کہ اس پر فقہاء نے قطعی تصریح کی ہے۔ ت)

بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے یہاں کی اُن زمینوں سے جن کا خراجی ہونا بہ ثبوت شرعی ثابت ہولیا بلاوجہ شرعی وجوب خراج کا اُٹھ جانا ثابت نہیں ہوتا اور کیونکر ثابت ہو حالانکہ خراج کے لیے سبب وجوب ارض نامیہ ہے اور وہ حاصل تو وجوب بھی حاصل، ہدایہ مسئلہ عدم اجتماع عشر وخراج میں فرمایا:

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج الخ مصطفی البابی مصر ۲۸۴/۳

[2] ردالمحتار باب العشر والخراج الخ مصطفی البابی مصر ۲۸۴/۳

سبب الحقین واحد وھوالارض النامیة الا انه یعتبر فی العشر تحقیقاً وفی الخراج تقدیرا و لھذا یضافان الی الارض۔[1]	دونوں حقوق عشر و خراج کا سبب ایک ہے اور وُہ ارض نامی ہے، ہاں عشر میں اس کا نامی ہونا عملاً اور خراج میں بالفرض ہے، یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کی نسبت زمین کی طرف ہوتی ہے(ت)

فتح القدیر میں ہے:

قال الشافعی یجمع بینھما لان سبب العشر الارض النامیة بالخارج تحقیقا وسبب الخراج الارض النامیة به تقدیرا وقد تحقق سبب کل منھما ولا منا فاۃ بین الحقین فیجبان ولنا ان تعدد الحکم واتحادہ بتعدد السبب واتحادہ وسبب کل من الخراج والعشر، الارض النامیة ولھذا یضافان الیھا فیقال خراج الارض وعشر الارض والاضافة دلیل السببیة وکون الارض مع النماء التقدیری غیرالارض مع التحقیقی مخالفة اعتباریة لاحقیقة فالارض النامیة ھی السبب واذا اتحد السبب اتحد الحکم اھ[2] ملتقطا	امام شافعی فرماتے ہیں کہ ان دونوں کو جمع کیا جاسکتا ہے کہ عشر کا سبب ارض نامی سے عملاً پیداوار اور خراج کا سبب ارض نامی سے پیداوار کا امکان ہے اور یہاں دونوں کا سبب متحقق ہے اور دونوں کے حقوق میں منافات بھی نہیں لہٰذا دونوں واجب ہوں گے، ہماری دلیل یہ ہے کہ حکم کا متعدد اور واحد ہونا سبب کے متعدد اور واحد ہونے پر موقوف ہے، خراج و عشر کا سبب ارض نامی ہے اسی لیے زمین کی طرف ان کی نسبت کرتے ہوئے کہا جاتا ہے، زمین کا خراج، زمین کا عشر اور کسی کی طرف اضافت اس کے سبب ہونے پر دلیل ہے۔ زمین کا امکانی نمو پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس کا ایسی زمین کا غیر ہونا جو واقعۃً نمو پر مشتمل ہے، یہ اعتباری طور پر ہے، یہاں حقیقۃً مخالفت نہیں تو ارض نامی ہی سبب قرار پائے گی، توجب سبب ایک ہے تو حکم بھی ایک ہی ہوگا اھ اختصارًا(ت)

ہنوز بعض وجوہ اور ذہن فقیر میں ہیں کہ بخوفِ اطالت ترک کیں وفیما ذکرنا کفایة واللہ ولی الھدایة (ہم نے جو ذکر کیا یہ کافی ہے اللہ تعالٰی ہی ہدایت کا مالک ہے۔ت) کسے دیں، اس کا

---

[1] الھدایة، باب العشر والخراج الخ، المکتبة العربیة کراچی، ۲ /۵۷۳
[2] فتح القدیر، باب العشر والخراج الخ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۵ /۸۷-۲۸۶

جواب، بیانِ سابق سے واضح ہولیا کہ اس کے بہت مصارف مثل مساجد ومدارس وطلبہ وعلماء یہاں موجود ہیں ان پر صرف کریں اور اگر بالفرض لشکر ہی اُس کا مصرف ہوتا اور عساکر اسلامیہ سے کسی تک پہنچانے پر قدرت نہ ملتی جب بھی سقوط کے کوئی معنی نہ تھے، خراج ذمہ مکلّف پر واجب ہوتا ہے، عنایہ میں ہے:

الخراج فی ذمۃ المالك والعشر فی الخارج۔[1]	خراج، مالک کے ذمّہ ہے اور عشر پیداوار پر ہوتا ہے۔ (ت)

فتح میں ہے:

العشر فی الخارج والخراج فی الذمۃ۔[2]	عشر، پیداوار پر ہے اور خراج مالک کے ذمہ ہوتا ہے۔ (ت)

اور وُہ ایک حق ثابت معروف مثل ملک ودین ہے

حتی لایحل لصاحب ارض خراجیۃ اکل غلتھا قبل اداء خراجھا[3] کما فی التنویر ای فی خراج المقاسمۃ فکانہ کان مالا مشترکا، وللامام حبس الخارج للخراج[4] کمافی الدر، ای فی الخراج الموظف وقد قال فی الھدایۃ الرھن والکفالۃ جائزان فی الخراج لانہ دین مطالب بہ ممکن الاستیفاء فیمکن ترتیب موجب العقد علیہ فیھما۔[5]	حتی کہ خراجی زمین کے مالک کے لیے خراج کی ادائیگی سے پہلے اس کا غلّہ کھانا حلال نہیں، جیسا کہ تنویر یعنی خراج مقاسمہ میں ہے، گویا یہ مال مشترک ہے اور حاکم کو خراج لینے کے لیے پیداوار کا روک لینا جائز ہے جیسا کہ دُر میں ہے یعنی خراج موظف میں ہے، ہدایہ میں ہے رہن اور کفالۃ خراج میں دونوں جائز ہیں کیونکہ یہ ایسا دین ہے جس کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے اور اس کا حصول بھی ممکن ہوتا ہے لہٰذا تقاضائے عقد کا ان دونوں پر مرتب ہونا ممکن ہوگا۔ (ت)

---
[1] العنایۃ مع فتح القدیر، باب العشر والخراج، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۵/ ۲۸۶
[2] فتح القدیر باب العشر والخراج، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۵/ ۲۸۶
[3] تنویر الابصار متن درمختار، باب العشر، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۳۹
[4] درمختار، باب العشر، مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۹
[5] الھدایۃ، کتاب الکفالۃ، مطبع یوسفی لکھنؤ، ۳/ ۱۱۶

اور ذمہ دین سے مشغول ہو تو بے ادا یا ابراصرف اس بناپر کہ مستحق نہ رہا ساقط نہ ہوگا بلکہ اُس کے ورثہ کو دیں گے وُہ بھی نہ رہیں تو فقراء کو دے کر براءت ذمہ کریں گے خراج میں اصالۃً حق فقراء نہ ہونا ضرورۃً انھیں دئے جانے منافی نہیں کما فی سائرالدیون (جیسا کہ تمام دیون میں ہے۔ت) کیا دیں خراج دو قسم ہے: خراج مقاسمہ یعنی بٹائی کہ پیداوار کا نصف یا ثلث یا ربع یا خمس مقرر ہو اور خراج موظف کہ ایک مقدار معین ذمے پر لازم کر دی جائے خواہ روپیہ، مثلاً سالانہ روپے بیگھہ جیسے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے غلّے کی ہر جریب پر ایک صاع غلّہ اور ایک درہم مقرر فرمایا، ظاہر یہ ہے کہ بلاد کا خراج موظف ہی تھا، بیت المال میں روپیہ ہی لیا جاتا نہ کہ غلّہ، میوہ، ترکاری وغیرہ۔ بلکہ مدتوں سے عامہ بلاد میں سلاطین کا یہی داب معلوم ہوتا ہے، ہدایہ میں فرمایا:

وفی دیارنا وظفوامن الدراہم فی الاراضی کلھا وترک کذلك لان التقدیر یجب ان یکون بقدر الطاقۃ من ای شئی کان۔[1]	ہمارے علاقہ میں تمام زمینوں پر دراہم کا تقرر کیا جاتا ہے، اور ترکوں کے ہاں بھی یہی ہے کیونکہ بقدرِ طاقت مقدار مقرر کرنا ضروری ہے چاہے وہ جنس سے ہی ہو۔ (ت)

تو ظاہراً یہاں کا خراج موظف ہی سمجھنا چاہئے مگر جس زمین کی نسبت ثابت ہو کہ زمان سلطنت اسلام سقی اللہ تعالٰی عہدہا میں اُس پر خراج مقاسمہ تھا، خراج موظف بالاتفاق مالک زمین پر ہے اور خراج مقاسمہ صاحبین کے نزدیک مزارع پر امام کے نزدیک زمیندار پر کما فی الدر والشامیۃ (جیسا کہ در اور شامیہ میں ہے۔ت) **کتنا دیں**، اگر مقدار معلوم ہو کہ زمانہ اسلام میں، سقی اللہ تعالٰی عہدہا کیا مقرر تھا، جب تو ظاہر ہے کہ اُسی قدر دیں دو شرط سے، اوّلاً: خراج موظف میں جہاں جہاں مقدار مقرر فرمودہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ منقول ہے وہاں اس پر زیادت نہ ہو کہ مذہب صحیح میں اس پر اضافہ کسی سلطان کو نہیں پہنچتا، زائد ہو تو زیادت نہ دیں اور جہاں کوئی مقدار امیر المومنین سے منقول نہیں وہاں اور خراج مقاسمہ میں نصف سے زیادت نہ ہو کہ خلافِ انصاف ہے زائد ہو تو نصف ہی دیں۔ **ثانیاً** اُتنے کی ادا اس زمین سے اب بھی ممکن ہو ورنہ بلحاظ طاقت دیں۔

فی التنویر التصنیف عین الانصاف فلا یزاد علیه اھ[2] فی ردالمحتار لایزاد علیه فیه ولافی	تنویر میں ہے نصف دینا عین انصاف ہے لہٰذا اس پر اضافہ نہ کیا جائے اھ۔ اور ردالمحتار میں ہے اس میں اضافہ

[1] الہدایہ باب العشر والخراج المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۵۷۲

[2] تنویر الابصار متن در مختار، باب العشر والخراج، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۳۴۹

خراج المقاسمة ولا فی الموظف اھ[1] فی الدر المختار ولا فی الموظف علی مقدار ماوظفه عمر رضی الله تعالٰی عنه اھ[2] فی التنویر و ینقص مما وظف ان لم تطلق اھ[3] فی ردالمحتار قال فی النھر لا یزید علی النصف وینبغی ان لا ینقص عن الخمس قاله الحدادی اھ[4] وکان عدم التنقیص عن الخمس غیر منقول فذکرہ الحدادی بحثالکن قال الخیر الرملی، یجب ان یحمل علی ماذا کانت تطیق فلو کانت قلیلة الربع کثیرة المؤن ینقص اذ یجب ان یتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة کما فی ارض العشر اھ[5] مختصرات۔	نہ کیا جائے اور نہ ہی خراج مقاسمہ اور خراج موظف میں اھ درمختار میں ہے اور نہ ہی خراج موظف میں اس مقدار میں اضافہ کیا جاسکتا ہے جو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مقررہ میں کمی کی جاسکتی ہے اھ تنویر میں ہے اگر طاقت نہ ہو تو مقررہ میں کمی کا جاسکتی ہے اھ ردالمحتار میں ہے کہ نہر میں ہے کہ نصف سے زیادہ نہیں کیا جاسکتا، حدادی نے کہا مناسب ہے خمس سے کم نہ کیا جائے اھ اور خمس سے کم نہ کرنا منقول نہیں تو حدادی نے اسے بطور بحث ذکر کیا ہے۔ لیکن خیر رملی نے کہا ہے کہ اسے اس صورت پر محمول کرنا ضروری ہے جب وہ زمین طاقت رکھتی ہو، اور اگر رقبہ کم ہو مگر اخراجات اس کے زیادہ ہوں تو پھر کم کیا جاسکتا ہے کیونکہ اخراجات کے تفاوت کی وجہ سے واجب میں تفاوت ضروری ہوتا ہے جیسا کہ عشری زمین میں ہے اھ مختصراً (ت)

اور اگر معلوم نہ ہو کہ سلطنت اسلام میں کیا معین تھا تو ظاہراً خراج مقاسمہ وخراج موظف غیر مقرر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ میں، نصف دیں اور مقرراتِ امیر المومنین میں، اُسی کا لحاظ رکھیں، غرض ہر جگہ پوری مقدار دیں جس سے زیادت جائز نہ تھی۔

لان التنقیص انما کان یثبت بنقص الامام ولم یثبت فلم یثبت فکان الاستقصار فیه فراغ الذمة یقینا فکان الحوط ھذا کله	کیونکہ کمی امام کے کرنے سے ہوگی اور جب وُہ ثابت نہیں تو وظیفہ میں کمی بھی ثابت نہ ہوگی تو یہاں یقینی فراغ ذمّہ کے لیے مقرر پر اکتفاء ہوگا تو یہی احوط ہوگا، اوّل سے

1 العنایۃ مع فتح القدیر، باب العشر والخراج، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۸۶
2 فتح القدیر باب العشر والخراج، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۸۶
3 تنویر الابصار متن درمختار، باب العشر، مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۹
4 درمختار، باب العشر، مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۹
5 الھدایۃ، کتاب الکفالۃ، مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۶

من اول الکلام الیٰ ھنا مما اخذہ الفقیر تفقھا و ارجون یکون صوابا ان شاء اللہ تعالیٰ فان اصبت فمن اللہ وحدہ وانا احمداللہ علیہ وان اخطأت فمنی ومن الشیطان وانا ابرؤ الی اللہ منہ ولا حول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔	لے کر یہاں تک یہ گفتگو فقیر نے بطور تفقہ کی ہے اور میں امید کرتا ہُوں کہ اِن شاء اللہ یہ صواب ہوگی، اگر تو میں درست ہُوا تو اللہ وحدہ کی طرف سے ہے اور میں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاتاہُوں، اور اگر یہ غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے اور میں اس سے برات کا اعلان کرتے ہُوئے اپنے اللہ کے دامن میں آتاہُوں ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔(ت)

وظیفہ مقررہ فاروقیہ فی جریب سالانہ یہ ہے ہر قسم غلّے پر اُسی سے ایک صاع اور ایک درہم اور کہ طاب یعنی خربوزے تربوز کی پالیزوں، کھیرے ککڑی بینگن وامثالہا کی باڑیوں پر پانچ درہم انگور وخرما کے گھنے باغوں پر، جن کے اندر زراعت نہ ہوسکے، دس درہم ان کے ماوراء میں وہی تقدیر طاقت ہے جس کی انتہا نصف تک، پھر ان اقسام میں حیثیت زمین وقدرت کا اعتبار ہے جو زمین جس چیز کے بونے کی لیاقت رکھتی ہو اور یہ شخص اس پر قادر ہو اُس کے اعتبار سے خراج ادا کرے مثلاً انگور بو سکتا ہے تو انھیں خراج دے اگرچہ گیہوں بوئے ہوں، اور گیہوں کے قابل ہے تو اس کا خراج دے، اگرچہ جو بوئے ہوں ہر حال میں خراج سال بھر میں ایک ہی بار لیا جائے گا اگرچہ سال میں چار بار زراعت کرے یا باوصف قدرت بالکل معطل رکھ چھوڑے اور یہ جریب انگریزی گز سے کہ ان بلاد میں رائج ہے (جس کی مقدار سولہ ۱۶ گرہ ہے ہر گرہ تین ۳ انگل) پینتیس گز مسطح ہے یعنی ۳۵ گز طول ۳۵ گز عرض، اور صاع دو سوستّر ۲۷۰ تولے ہے یعنی انگریزی روپیہ سے دوسواٹھاسی ۲۸۸ روپیہ بھر کہ رامپور کے سیر سے پورے تین سیر ہُوئے اور دس ۱۰ درہم کے عصہ/۱۲ ۹-۵/۳ پائی یعنی دو ۲ روپے پونے تیرہ آنے اور پانچواں حصّہ پیسے کا پانچ درم کے عصہ/۶ / ۴-۵/۴ پائی ایک درم کے ۴/ ۵-۲۵/۱۹ پائی یعنی ۲۵/۴ کم ساڑھے چار آنے۔

فی الدرالمختار وضع عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکل جریب ھو ستون ذرا عافی ستین، بذراع کسری (سبع قبضات) صاعامن بر اوشعیر (والصحیح انہ مما یزرع فی تلك الارض کما فی الکافی، شرنبلالیۃ ومثلہ فی البحر) ودرھما من اجود	درمختار میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر جریب میں ایک صاع گندم یاجَو مقرر فرمائے اور جریب طولاً عرضًا ساٹھ ذراع کا ہوتا ہے اور ہر ذراع سات مُٹھیوں کا ہوتا ہے اور صحیح یہ ہے اس زمین سے جو کچھ پیدا ہورہا ہے اسی سے وظیفہ ادا کیا جائی گا جیسا کہ کافی، شرنبلالیہ میں اور اسی کی مثل بحر میں ہے

النقود(وزن سبعة کما فی الزکوٰة بحر) ولجریب الرطبة (وھی القثاء والخیار والبطیخ والباذنجان وما جری مجراہ) خمسة دراھم ولجریب الکرم اوالنخل متصلة (قید فیھما)ضعفھاوما لیس فیه توظیف عمر کزعفران وبستان فیھا اشجار متفرقة یمکن الزرع تحتھا طاقته وغایة الطاقة نصف الخارج لان التنصیف عین الانصاف اھ[1] مختصرا مزید امابین الاھلة من ردالمحتار ۔ وفی الدرلوزرع الاخس قادراعلی الاعلی کزعفران فعلیه خراج الاعلیٰ وھذا یعلم ولا یفتی به کیلا یتجرئ الظلمة[2] فی ردالمحتار عن العنایة رد، بانه کیف یجوز الکتمان وانھم لو اخذواکان فی موضعه لکونه واجبا واجیب بانا لوافتینا بذلك لادعی کل ظالم فی ارض لیس شانھا ذلك انھا قبل ھذاکانت تذرع الزعفران فیاخذخراج

اور نقود میں سے ایک درہم لازم ہوگا (جس کا وزن سات مثقال ہو جیسا کہ زکوۃ میں ہوتا ہے، بحر) اور سبزیات (اور وُہ کھیرے، تر، خربوزے، بینگن اور ایسی دیگر اشیاء) کی جریب میں پانچ دراہم، انگور اور خرما کے گھنے باغوں (یہ قید دونوں کے لیے ہے) میں دس درہم ہے، اور جس میں سیّدنا عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کوئی وظیفہ مقرر نہیں فرمایا مثلاً زعفران، اور وُہ باغ جس میں متفرق درخت ہوں اور وہاں کاشت کرنا ممکن ہو تو طاقت کے مطابق وظیفہ ہوگا اور انتہائے طاقت نصف پیداوار ہے کیونکہ نصف ادا کرنا عین انصاف ہے اھ مختصراً، ہاں قوسین کے اندر ردالمحتار سے اضافہ میری طرف سے کیا گیا ہے، اور در میں ہے کہ اگر کسی نے اعلٰی پر قادر ہوتے ہوئے ادنٰی کو کاشت کیا مثلاً زعفران، اس پر اعلٰی کا خراج ہوگا، یہ جان تو لیا جائے مگر اس پر فتوٰی نہ دیا جائے تاکہ ظالم اس سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ ردالمحتار میں عنایہ کے حوالے سے یہ رد کیا گیا ہے کہ ایسی بات کا چھپانا کیسے جائز ہو سکتا ہے اور اگر ظالم لیتے ہیں تو وُہ ٹھیک کرتے ہیں کیونکہ وُہ واجب ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر ہم اس پر فتوٰی دیتے ہیں تو ظالم ہر زمین کے بارے میں یہ دعوٰی کرے گا کہ اس سے پہلے اس میں زعفران بویا جاتا تھا اگرچہ

[1] درمختار، باب العشر والخراج الخ، مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۹، ردالمحتار باب العشر والخراج الخ مصطفٰی البابی مصر ۳/ ۸۶-۲۸۵
[2] درمختار باب العشر والخراج الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۰

ذٰلك وهو ظلم وعد وان اھ[1] واللفظ للفتح قالو الایفتی بهذالما فیه تسلط الظلمة علی اموال المسلمین اذید عی کل ظالم ان ارضه تصلح لزراعة الزعفران ونحوه وعلاجه صعب اھ[2] قلت والذی یؤدی بنفسه ولاجابی کما فی بلا دنا فلا یخشی ذلك فلذا عولت علی ماھناك وفی الھدایة ان غلب علی ارض الخراج الماء انقطع الماء عنها اواصطلم الزرع آفة فلاخراج علیه، وان عطلها صاحبها فعلیه الخراج، ولا یتکررالخراج بتکرر الخارج فی سنةاھ بالالتقاط[3]، واللہ سبحانہ وتعالٰی۔	وُہ ایسی نہ ہو تو اس سے خراج وصول کرے گا اور یہ ظلم وزیادتی ہو گی اھ، فتح کی عبارت یہ ہے کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ اس کے ساتھ فتوی نہیں دیا جائے گا کیونکہ ایسی صورت میں مسلمانوں کے مال پر ظالموں کو مسلط کرنا لازم آئے گا اور ہر ظالم یہ دعوی کرے گا کہ یہ زمین کاشتِ زعفران وغیرہ کے قابل تھی اور اس کا حل مشکل ہے اھ میں نے کہا جو شخص خود بخود ادا کرے اور وصولی کرنے والا نہ ہو، جیساکہ ہمارے علاقے میں ہے اس میں ایسا کوئی خوف و خدشہ نہیں اس لیے یہاں اسی پر اعتماد کیا جائیگا، ہدایہ میں ہے کہ اگر خراجی زمین پر پانی کا غلبہ ہوگیا یا اس سے پانی منقطع ہو گیا کسی آفت نے فصل ختم کردی تو اس پر خراج نہ ہوگا اور اگر مالک نے زمین کو معطل رکھا ____ تو اس پر خراج ہوگا۔ ایک سال میں دوبارہ پیداوار پر خراج نہ ہوگا اھ اختصارًا، واللہ تعالٰی سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۷: از موضع سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

زید دریافت کرتا ہے کہ آم کی بہار میں کس صورت سے دسواں حصّہ نکال کے فروخت کرسکتا ہے جس سے فروخت خبیث نہ ہو۔

الجواب:

بہار اس وقت بیچنی چاہئے جب پھل ظاہر ہوجائیں اور کسی کام کے قابل ہوں، اس سے پہلے بیع جائز نہیں اور اس وقت اُس میں عشر واجب ہوتا ہے پھل اپنی حد کو پہنچ جائیں کہ اب کچّے اور نا تمام ہونے کے باعث ان کے بگڑ جانے، سُوکھ جانے، مارے جانے کا اندیشہ نہ رہے اگرچہ ابھی توڑنے کے قابل نہ ہُوئے ہوں، یہ حالت جس کی ملک میں پیدا ہوگی اُسی پر عشر ہے، بائع کے پاس پھل ایسے ہوگئے تھے اُس کے بعد بیچے تو عشر بائع پر ہے، اور جو اس حالت

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج مصطفی البابی مصر ۳ /۲۸۹
[2] فتح القدیر، باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۸۵
[3] الہدایۃ، باب العشر والخراج، المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۵۷۳

تک پہنچنے سے پہلے کچے بیچ ڈالے اور اس حالت پر مشتری کے پاس پہنچے تو عشر مشتری پر ہے بعینہٖ یہی حکم کھیتی کا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

جانوروں کی زکوٰۃ

مسئلہ ۸۸: ۱۹ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جانورانِ حسب ذیل پر جو کہ بغرض کاشتکاری ہیں اور تجارت کی غرض سے نہیں ہیں اور سال میں زیادہ حصّہ جنگل میں چرتے ہیں اُن پر زکوٰۃ دینی چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

تفصیل: بیل ۱۸، گائے ۲۱، بچہ گائے ۲ سال کے ۱۳، بچہ اندر ایک سال ۳، بھینس ۲، بھینس زائد از دو سال ۲، بچہ بھینس کم از ایک سال ۲، بھینسے ۶۔ کل ۶۷ راس۔

الجواب:

اونٹ، گائے، بھینس، بکری، بھیڑ نر خواہ مادہ خواہ دونوں مختلط، جبکہ قدر نصاب[1] ہوں (کہ اونٹ میں پانچ، گائے بھینس میں تیس، بھیڑ بکری میں چالیس ہے) اور بونے[2]، جوتنے، لادنے، کھانے کے لیے نہ رکھے گئے ہوں بلکہ تمام حاجاتِ اصلیہ سے فارغ صرف دُودھ یا نسل یا قیمت بڑھنے کے لے پالے جاتے یا شوقیہ پرورش وفربہی کے واسطے ہوں اور سال کا اکثر حصہ جنگل میں چھوٹے ہُوئے چرنے پر اکتفا کرتے ہوں اور اُن پر سال پُورا گزرے اور تمامی سال کے وقت وہ سب جانور ایک نوع کے یعنی سب اونٹ یا سب گائے بھینس یا سب بھیڑ بکری ایک سال سے کم کے نہ ہوں بلکہ اُن میں کوئی ایک سال کامل کا بھی ہوا گرچہ ایک ہی ہو تو ان پانچوں باتوں کے اجتماع سے ان کی زکوٰۃ دینی فرض ہوگی ورنہ نہیں۔ زکوٰۃ میں گائے بھینس ایک ہی نوع ہیں اور ان کا حساب زکوٰۃ یہ ہے کہ تیس[30] سے کم پر کچھ نہیں، تیس[30] پر ایک بچّہ دو[2] سال کامل کا، پھر اُنسٹھ تک یہی واجب رہے گا، ساٹھ پر کہ دو تیس کا مجموعہ ہے، انہتّر تک دو[2] بچّے ایک سالہ، ستّر پر کہ ایک تیس اور ایک چالیس کا مجموعہ ہے۔ اُناسی تک ایک بچہ یک سالہ ایک دوسالہ، اسّی پر کہ دو چالیس ہے نواسی تک دو بچے دو سالہ، نوے پر کہ تین تیس ہیں ننانوے تک تین بچے یک سالہ، سو پر کہ دو تیس اور ایک چالیس ہے ایک سو نو تک دو بچے یک سالہ ایک دوسالہ، ایک سو دس پر کہ ایک تیس دو چالیس ہے ایک سو انیس پر ایک بچّہ یک سالہ ایک سو بیس پر کہ چاہے چار تیس سمجھ لو چاہے تین چالیس ایک سو انتیس تک چاہے چار بچے یک سالہ دے چاہے تین بچے دوسالہ۔ اسی قیاس پر ہر تیس پر ایک بچہ یکسالہ، اور ہر چالیس پر ایک بچہ دو سولہ لازم آتا جائے گا اور دہائیوں کے بیچ میں جو اکائیاں نو تک آتی جائینگی سب معاف ہوں گی، اور گائے بھینس مخلوط ہوں تو جو گنتی میں زیادہ ہو اُسی کا بچّہ یک سالہ یا دوسالہ لیں گے، اور برابر

ہوں تواُن میں جو قسم اعلیٰ ہے اس کا ادنی لیا جائے گا یا ادنی کا اعلیٰ۔ یونہی بھیڑ بکری مخلوط ہونے میں، مثلاً ایک شخص کے پاس پندرہ پندرہ گائے بھینسیں ہیں جن میں ایک ایک سال کے متعدد بچّے دونوں قسم کے ہیں، کوئی زیادہ فربہ کوئی ہلکا کوئی متوسط، تو جہاں گائے کا بچّہ زیادہ قیمتی سمجھا جاتا ہو تواُن یک سالہ بچّوں میں سب سے ہلکا یا بھینس کے یک سالہ بچّوں میں سب سے فربہ لیا جائے گا، اور جہاں بھینس کا بچّہ بیش قیمت ہو تو اس کے یک سالہ بچّوں میں سب سے ہلکا یا گائے کے یک سالہ بچوں میں سب سے فربہ دیا جائے گا۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

(السائمة المکتفية بالرعی اکثر العام لقصد الدر والنسل) والسمن، فی البدائع لواسامها للحم فلا زکوٰة کما لواسام للحمل والرکوب، ولو للتجارة ففيها زکوٰة التجارة (فلو علفها نصفه لا تکون سائمة) فلا زکوٰة للشك فی الموجب[1] (نصاب البقر والجاموس) (ثلثون سائمة وفيها تبيع ذوسنة) کاملة (اوتبيعة) انثاه (وفی اربعين مسن ذو سنتين اومسنة) ولاشئی فيما زاد (الی ستين ففيها ضعف مافی ثلثين) وعليه الفتوی (ثم فی کل ثلثين تبيع وفی کل اربعين مسنة الا اذا تداخلا کمائة وعشرين فيخير بين اربع اتبعة وثلاث مسنات وهکذا[2] (ولاشئی فی عوامل وحمل) بفتحتين ولد	سائمہ وہ چوپایہ ہے جو سال کا اکثر حصہ باہر چر کر گزارا کرے، اگر ایسا جانور کسی نے دُودھ، نسل اور گھی کے لیے رکھا ہو، بدائع میں ہے کہ اگر گوشت کے لیے ہو تو زکوۃ نہیں، جیسا کہ اگر کسی نے بوجھ لادنے یا سواری کے لیے رکھا تو زکوۃ نہیں، اگر تجارت کیلئے ہے تو اس میں زکوۃ ہوگی (اگر نصف سال چارہ ڈالا تو وہ جانور سائمہ نہ ہوگا) اس میں زکوۃ نہ ہوگی کیونکہ موجب میں شک ہے (گائے) بھینس (کا نصاب) تیس ہے ان میں (تبیع) ایک کامل سال کا واجب ہوگا) (یا تبیعہ) اسکی مونث (اور چالیس میں ایک مسن دوسال یا ایک مسنہ) اس پر اضافہ میں کوئی شئی نہیں، (ساٹھ تک پھر ساٹھ پر تیس میں جو کچھ تھا اس کا دوگنا لازم ہے اور اس پر فتوی ہے) پھر ہر تیس پر ایک تبیع اور ہر چالیس پر ایک مسنہ ہوگا مگر اس صورت میں جب تداخل ہو جائے مثلاً تعداد ایک سو بیس ہوگی تو اب اختیار ہے چار تبیع دے دے یا تین مسنے، اسی طرح آگے معاملہ ہے (محنت ومشقت لینے والے

[1] در مختار باب السائمہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۱
[2] در مختار، باب زکوۃ البقر، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۱۳۲

الشاۃ (وفصیل)ولد النّاقۃ(وعجوّل)بوزن سنّورولد البقرۃ وصورتہ ان یموت کل الکبار ویتم الحول علی اولا دھاالصغار (الاتبعًا لکبیر ولو واحدا(و)لافی(عفووھو مابین النصب فی کل الاموال اھ[1]ملخصاملتقطا۔	جانوروں، بکری کے بچّوں، اونٹنی کے بچوں اور گائے کے بچّوں میں زکوٰۃ نہیں۔ اسکی صورت یہ ہے کہ بڑے جانور مرجاتے ہیں اور سال ان کے چھوٹے بچوں پر مکمل ہوتا ہے (تواب زکوٰۃ نہیں) مگر اس صُورت میں کہ بڑے موجود ہوں توان کی اتباع میں زکوٰۃ ہوگی اگرچہ بڑا ایک ہو اور عفو میں زکوٰۃ نہیں، اور یہ تمام اموال میں نصابوں کے درمیانی حصہ کو کہا جاتا ہے ملخصًا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الجاموس ھو نوع من البقر کما فی المغرب فھو مثل البقرفی الزکوٰۃ والاضحیۃ والربا ویکمل بہ نصاب البقروتوخذ الزکوٰۃ من اغلبھا وعند الاستواء یوخذ علی الادنی وادنی الاعلٰی ۔نھر ۔وعلی ھذا الحکم البخت والعراب والضاٰن والمعز ۔ابن ملک۔[2]	بھینس، گائے کی ایک نوع ہے جیسا کہ مغرب میں ہے لہٰذا یہ زکوٰۃ، قربانی اور ربا میں گائے کے حکم میں ہوگی، اس سے گائے کا نصاب مکمل ہوجاتا ہے اگر گائیں غالب ہوں تو زکوٰۃ لی جائے گی اور اگر برابر ہوں تواُن میں جو قسم اعلٰی ہے اس کا ادنی لیا جائیگا یا ادنی کا اعلٰی، نہر۔اور اسی کے حکم میں بختی اور عربی اونٹ، بھیڑ اور بکری وغیرہ ہوتے ہیں، ابن الملک۔(ت)

اسی میں ہے:

النصاب اذا کان ضأنا یوخذ الواجب من الضاٰن ولو معز افمن المعز ولومنھمافمن الغالب ولو سواء فمن ایھما شاء جوہرۃ ای فیعطی ادنی الاعلٰی اوعلی الادنی کما قد مناہ۔[3]	نصاب اگر بھیڑ کا ہے تو بھیڑ ہی وصول کی جائے، اور اگر نصاب بکری کا ہے تو بکری ہی لی جائے گی، اور اگر دونوں سے نصاب ہے تو پھر غالب کا اعتبار ہوگا، اور دونوں برابر ہوں تو جس سے چاہو لے لو، جوہرہ۔یعنی اعلٰی سے ادنی یا ادنی سے اعلٰی لیا جائیگا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کردیا ہے(ت)

---

[1] درمختار باب زکوٰۃ الغنم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۳

[2] ردالمحتار باب زکوٰۃ البقر مصطفٰی البابی مصر ۲/۱۹

[3] ردالمحتار، باب زکوٰۃ الغنم، مصطفٰی البابی مصر، ۲/۲۰

عالمگیریہ میں ہے:

ادنی السن الذی یتعلق بہ وجوب الزکوٰۃ فی الابل بنت مخاض، وفی البقر تبیع، وفی الغنم ھو الثنی کذافی شرح الطحاوی اھ[1] ملتقطا	کم از کم وُہ عمر جس کے ساتھ اونٹوں میں زکوٰۃ متعلق ہوتی ہے بنت مخاض ہے، گائے میں تبیع، اور بھیڑ بکریوں میں ثنی، جیسا کہ شرح الطحاوی میں ہے اھ اختصارًا (ت)

درمختار میں ہے:

بنت مخاض ھی التی طعنت فی السنۃ الثانیۃ، وتبیع ذوسنۃ کاملۃ، والثنیٔ من الضان والمعز ھو ماتمت لہ سنۃ اھ[2] بالالتقاط۔	بنت مخاض، جو عمر کے دوسرے سال میں داخل ہو۔ تبیع، ایک سال کی عمر۔ اور بھیڑ وبکری میں ثنی وُہ ہوتا ہے جس پر سال مکمل ہو جائے اھ اختصارًا (ت)

ہندیہ میں ہے:

السوائم تجب الزکوٰۃفی ذکورھا واناثھا و مختلط ھما والسائمۃ ھی التی تسام فی البراری لقصد الدروالنسل والزیادۃ فی الثمن والسمن کذافی محیط السرخسی۔[3]	سائمہ چوپایوں مذکر ومؤنث اور ان دونوں کے اختلاط پر زکوٰۃ ہے۔ اور سائمہ وہ چوپائے ہوتے ہیں جو جنگل میں چریں اور ان سے مقصد دودھ، نسل، ثمن میں اضافہ اور گھی کا حصول ہو۔ محیط سرخسی میں اسی طرح ہے۔ (ت)

جب یہ قواعد معلوم ہولئے حکم مسئلہ مسئولہ واضح ہوگیا۔ اٹھارہ بیل اور دو بھینسے کہ کاشتکاری کے لے ہیں اُن پر کچھ نہیں، اور ایک سال سے کم کے بچّے اگرچہ خود محلِ وجوب نہیں مگر یک سالہ کے ساتھ مل کر ان پر بھی وجوب ہوتا ہے تو سب جانور سینتالیس ۴۷ ہُوئے جن پر ایک بچّہ دوسال کامل کی عمر کا واجب ہے اور ازانجاکہ ان میں زیادہ گائے ہیں تو یہ دوسالہ گائے کا ہی بچہ دیا جائے گا بچھڑا ہو خواہ بچھیا، اور ازاں جاکہ ان میں زیادہ مادہ ہیں سینتالیس میں اکیس گائے ہیں اور دو بھینسیں پوری، دو جھوٹیاں۔ تو افضل یہ ہے کہ دوبرس کامل کی بچھیا زکوٰۃ میں دے،

فی الھندیۃ عن التتارخانیۃ عن العتابیۃ	ہندیہ میں تتارخانیہ سے عتابیہ سے ہے گائے

[1] فتاوٰی ہندیۃ، الباب الثانی فی صدقۃ السوائم فصل ثانی، نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۷۷-۷۸
[2] درمختار باب نصاب الابل وزکوٰۃ البقر وزکوٰۃ الغنم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۱تا۱۳۳
[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی فی صدقۃ السوائم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۷۶

الافضل فی البقر ان یؤدی من الذکر التبیع و من الاثنی التبیعۃ۔[1] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں تاتارخانیہ سے عتابیہ سے ہے گائے میں افضل یہ ہے کہ مذکر میں تبیع اور مؤنث میں تبیعہ دیا جائے۔ واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۹: از گونڈہ بہرائچ محلّہ چھاؤنی مکان مولوی مشرف علی صاحب مرسلہ سید حسین صاحب دامت برکاتہم ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں لطف اللہ بہم اجمعین زکوٰۃ کن کن مصارف میں دینا جائز ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مصرفِ زکوٰۃ ہر مسلمان حاجتمند جسے اپنے مال مملوک سے مقدار نصاب فارغ عن الحوائج الاصلیہ پر دسترس نہیں بشرطیکہ نہ ہاشمی ہو، نہ اپنا شوہر، نہ اپنی عورت، اگرچہ طلاق مغلظہ دے دی ہو جب تک عدّت سے باہر نہ آئے، نہ وہ جو اپنی اولاد میں ہے جیسے بیٹا، بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، نہ وُہ جن کی اولاد میں یہ ہے جیسے ماں باپ، دادا دادی نانا نانی، اگرچہ یہ اصلی و فروعی رشتے عیاذًا باللہ بذریعہ زنا ہوں، نہ اپنا یا ان پانچوں قسم میں کسی کا مملوک اگرچہ مکاتب ہو، نہ کسی غنی کا غلام غیر کاتب، نہ مرد غنی کا نابالغ بچہ، نہ ہاشمی کا آزاد بندہ، اور مسلمان حاجت مند کہنے سے کافر و غنی پہلے ہی خارج ہوچکے۔ یہ سولہ شخص ہیں جنھیں زکوٰۃ دینی جائز نہیں، ان کے سوا سب کو روا، مثلاً ہاشمیہ بلکہ فاطمیہ عورت کا بیٹا جبکہ باپ ہاشمی نہ ہو کہ شرع میں نسب باپ سے ہے۔ بعض متہورین کہ ماں کے سیدانی ہونے سے سیّد بن بیٹھے اور باوجود تفہیم اس پر اصرار کرتے ہیں بحکمِ حدیثِ صحیح مستحقِ لعنتِ الٰہی ہوتے ہیں **والعیاذ باللہ تعالٰی وقد اوضحنا ذٰلک فی فتاونا** (اللہ تعالٰی کی پناہ اور ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں خوب واضح کردیا ہے۔ت) اسی طرح غیر ہاشمی کا آزاد شدہ بندہ اگرچہ خود اپنا ہی ہو یا اپنے اصول و فروع و زوج و زوجہ ہاشمی کے علاوہ کسی غنی کا مکاتب یا زنِ غنیہ کا نابالغ بچہ اگرچہ یتیم ہو یا اپنے بہن بھائی، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں بلکہ انھیں دینے میں دُونا ثواب ہے، زکوٰۃ و صلہ رحم یا اپنی بہو یا داماد یا ماں کا شوہر یا باپ کی عورت یا اپنے زوج یا زوجہ کی اولاد کہ ان سولہ کو بھی دینا روا، جبکہ یہ سولہ، اول سولہ سے نہ ہوں، ازانجا کہ انھیں اُن سے مناسبت ہے جس کے باعث ممکن تھا کہ ان میں ہی عدمِ جواز کا وہم جاتا، لہٰذا فقیر نے انھیں بالتخصیص شمار کردیا اور نصاب مذکور پر دسترس نہ ہونا چند صورت کو شامل: ایک یہ کہ سرے سے مال ہی نہ رکھتا ہو، اسے مسکین کہتے ہیں۔

دوم: مال ہو مگر نصاب سے کم، یہ فقیر ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی زکوٰۃ البقر نورانی کتب خانہ پشاور ۱ /۱۷۸

سوم نصاب بھی مگر حوائج اصلیہ میں مستغرق جیسے مدیون۔

چہارم: حوائج سے فارغ ہو مگر اسے دسترس نہیں، جیسے ابن السبیل یعنی مسافر، جس کے پاس خرچ نہ رہا تو بقدر ضرورت زکوٰۃ لے سکتا ہے اس سے زیادہ اسے لینا روا نہیں۔ یا وُہ شخص جس کا مال دوسرے پر دین مؤجل ہے اور ہنوز میعاد نہ آئی اب اسے کھانے پہننے کی تکلیف ہے تو میعاد آنے تک بقدر حاجت لے سکتا ہے یا وہ جس کا مدیون غائب ہے یا لے کر مکر گیا اگرچہ ثبوت رکھتا ہو کہ ان سب صورتوں میں دسترس نہیں عـــہ بالجملہ مدار کار حاجتمند بمعنی مذکور پر ہے تو جو نصاب مذکور پر دسترس رکھتا ہے ہر گز زکوٰۃ نہیں پاسکتا اگرچہ غازی ہو یا حاجی یا طالب علم یا مفتی مگر عاملِ زکوٰۃ جسے حاکمِ اسلام نے اربابِ اموال سے تحصیل زکوٰۃ پر مقرر کیا وہ جب تحصیل کرے بحالت غنی بھی بقدر اپنے عمل کے لے سکتا ہے، اگر ہاشمی نہ ہو۔ پھر دینے میں تملیک شرط ہے، جہاں یہ نہیں جیسے محتاجوں کو بطورِ اباحت اپنے دستر خوان پر بٹھلا کر کھلا دینا یا میّت کے کفن میں لگانا یا مسجد، کنواں، خانقاہ، مدرسہ، پل، سرائے وغیرہ بنوانا ان سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اگر ان میں صرف کیا چاہے تو اس کی وہی حیلے ہیں جو ہمارے فتاوٰی میں مسطور ہیں،

هذا كله ملخص ما استقر عليه الامر فى تنوير الابصار والدرالمختار وردالمحتار وغيرها من معتبرات الاسفار وقد لخصناه بتوفيق الله تعالٰى احسن تلخيص لعله لا يوجد من غيرنا ولله الحمد، فمن شك فى شئ من هذا فليراجع الاصول التى سمينا	یہ اس تمام گفتگو کا خلاصہ ہے جس پر تنویر الابصار، درمختار، ردالمحتار اور دیگر کتبِ معتبرہ میں معاملہ کو ثابت کیا ہے اور ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اس کی سب سے اچھی تلخیص کی ہے، شاید یہ ہمارے علاوہ کہیں نہ ملے وللہ الحمد۔ اور جس شخص کو اس بارے میں شک ہو وہ ان اصول و کتب کی طرف رجوع کرے خواہ

عـــہ: اگر دین معجّل خواہ ابتداءً یا یُوں کہ اجل مقرر ہوئی تھی گزر چکی اور مدیون غنی مقرر حاضر ہے تو یہ صورت دسترس کی ہے اور یاد رکھنا چاہئے کہ قرض جسے لوگ دست گرداں کہتے ہیں شرعاً ہمیشہ معجّل ہوتا ہے، اگر ہزار عہد و پیمان و وثیقہ و تمسک کے ذریعہ اس میں میعاد قرار پائی ہو کہ اتنی مدت کے بعد دیا جائے گا اس سے پہلے اختیارِ مطالبہ نہ ہوگا اگر مطالبہ کرے تو باطل و نا مسموع ہو وغیرہ وغیرہ ہزار شرطیں اس قسم کی کرلی ہوں تو وُہ سب باطل ہیں اور قرض دہندہ کو ہر وقت اختیارِ مطالبہ ہے،

لانه تبرع ولا جبر على المتبرع وقد نصّ فى الاشباه والدروغيرهما انه لايصح تاجيل القرض ١٢منه غفرله (م)	کیونکہ یہ تبرع ہے اور تبرع میں جبر نہیں۔ اشباہ، در اور دیگر کتب میں یہ تصریح ہے کہ ادائیگی قرض کا وقت مقرر کرنا صحیح نہیں ١٢منہ غفرلہ (ت)

اولم نسم نعم لاباس ان نورد نصوص بعض مایکاد یخفی او یستغرب، ففی ردالمحتار شمل الولاد بالنکاح والسفاح فلا یدفع الی ولده من الزنا الخ[1] وفیه تحت قوله او بینهما زوجیة ولو مباینة ای فی العدة ولو بثلاث نهر عن معراج الدرایة اھ[2] وفیه تحت قوله ولوالی مملوك المزکی ولو مکاتبا وکذا مملوك من بینه وبینه قرابة ولاد او زوجیة لما قال فی الفتح الخ[3] وفیه تحت قوله و بخلاف طفل الغنیة فیجوز ای ولولم یکن له اب بحر عن القنیة اھ[4] وفیه وقید بالولاد لجوازه لبقیة الاقارب کالا خوة والاعمام و الاخوال الفقراء بل هم اولیٰ لانه صلة وصدقة ویجوزدفعها لزوجة ابیه وابنه و زوج ابنته، تاترخانیه اھ[5] ملخصا وفیه من کتاب الوصایا تحت قوله، الشرف

ان کے ہم نے نام لیے ہیں یا نہیں، ان میں سے بعض ایسی نصوص کے ذکر میں بھی کوئی حرج محسوس نہیں کرتے جنھیں مخفی یا نادر سمجھا گیاہے۔ ردالمحتار میں ہے یہ تمام اولاد کو شامل ہے خواہ وہ نکاح کی وجہ سے ہو یا زنا کی وجہ سے، لہٰذااولادِ زنا کو بھی زکوۃ نہیں دی جائیگی الخ اور اسی میں ماتن کے قول" یا ان کے درمیان زوجیت کا رشتہ ہو خواہ وہ مباینہ ہو یعنی خواہ وُہ تین طلاق ہو جانے پر عدّت بسر کررہی ہو، یہ نہر میں معراج الدرایہ سے ہے اھ اور اسی میں ماتن کے قول "زکوۃ دینے والا اپنے غلام کو نہ دے خواہ وہ مکاتب ہو کے تحت ہے "اور اسی طرح اس غلام کا حکم ہے جس کے اور زکوۃ دینے والے کے درمیان رشتہ اولاد یا زوجیت ہو، اس دلیل کے پیش نظر جو بحر اور فتح میں ہے اور اسی میں ماتن کے قول "بخلاف غنی عورت کے بچّے کے کہ اسے دینا جائز ہے یعنی اس کا والد نہ ہو، یہ بحر میں قنیہ سے ہے اھ اور اسی میں ہے کہ اولاد کی قید اسی لیے ہے کہ باقی اقارب مثلاً بھائی بہنیں، چچا اور خالو اگر فقراء ہوں تو انھیں زکوۃ دی جاسکتی ہے بلکہ یہ لوگ زکوۃ کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ یہاں صلہ رحمی اور صدقہ دو۲ چیزیں جمع ہو جاتی ہیں، اپنے والد اور بیٹے کی بیوی اور اپنے داماد کو زکوۃ جائز ہے تاتارخانیہ اھ ملخصًا اور اس میں کتاب الوصایا سے ماتن کے قول" فقط

---

[1] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲ /۶۹
[2] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲ /۶۹
[3] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲ /۶۹
[4] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲ /۷۲
[5] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲ /۶۹

من الام فقط غیر معتبر. یؤیدہ قول الھندیۃ عن البدائع فثبت ان الحسب والنسب یختص بالاب دون الام اھ فلا تحرم علیہ الزکوٰۃ ولا یکون کفوًاللھا شمیۃ ولا ید خل فی الوقف علی الاشراف ط اھ [1] وفیہ وقال فی الفتح ایضاً ولا یحل لہ ای لا بن السبیل ان یاخذ اکثر من حاجتہ. قلت وھذا بخلاف الفقیر فانہ یحل لہ ان یاخذ اکثر من حاجتہ وبھذا فارق ابن السبیل کما افادہ فی الذخیرۃ اھ فیہ تحت قولہ ومنہ مالو کان مالہ مؤجلا.ای اذا احتاج الی النفقۃ یجوزلہ اخذ الزکوٰۃ قدر کفایتہ الی حلول الاجل.نھر عن الخانیۃ اھ. وفیہ تحت قولہ او علی غائب ای ولوکان حالا لعدم تمکنہ من اخذہ ط اھ [2] وفیہ تحت قولہ او معسر او جاحد ولولہ بینۃ فی الاصح. فیجوزلہ الاخذ فی اصح الاقاویل لانہ بمنزلۃ ابن السبیل ولوموسرا معتر فالا یجوز کما فی الخانیۃ [3] اھ. وفیہ تحت قولہ و فی سبیل اللہ وھو منقطع

ماں کی وجہ سے شرف معتبر نہیں" کے تحت ہے کہ ہندیہ نے بدائع سے جو لکھا ہے وُہ اس کا موئد ہے تو ثابت ہوگیا کہ حسب و نسب والد کے ساتھ مختص ہے نہ کہ ماں کے ساتھ اھ پس اس پر زکوۃ حرام نہیں اور نہ ہی وہ ہاشمی کا کفو بنے گا اور سادات پر وقف میں شامل نہ ہوگا۔ اور اسی میں ہے فتح میں بھی ہے کہ اس (مسافر) کے لیے ضرورت سے زائد لینا جائز نہیں۔ میں کہتا ہُوں بخلاف فقیر کے کہ اس کے لیے ضرورت سے زاید لینا جائز ہے، اسی سے فقیر اور مسافر کے درمیان فرق واضح ہوگیا، جیسا کہ اس کا بیان ذخیرہ میں ہے اھ اور اس میں ماتن کے قول "اور ایسی ہی صورت وُہ ہے جس میں مال کے حصول کیلئے وقت مقرر ہو یعنی خرچہ کی ضرورت ہو تو وقت مقرر آنے تک بقدر کفایت زکوۃ لینا جائز ہے یہ نہر میں خانیہ سے ہے اور اس میں ماتن کے قول" یا وہ قرضہ کسی غائب پر ہے" کے تحت ہے یعنی اگر چہ قرضہ حالی ہو کیونکہ اس وقت اس کے حصول پر قادر نہیں اور اسی میں ماتن کے قول" یا مقروض تنگ دست یا منکر ہو اگر چہ اصح قول کے مطابق گواہ بھی ہوں" کے تحت ہے کہ اصح قول کے مطابق ایسے شخص کے لیے زکوۃ لینا جائز ہے کیونکہ وہ مسافر کی طرح ہے اور اگر مقروض امیر اور معترف ہو تو جائز نہیں جیسا کہ خانیہ میں ہے اھ اور اسی میں ماتن کے

---

[1] ردالمحتار باب الوصیۃ للا قارب مصطفی البابی مصر ۵ /۴۸۴

[2] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲ /۶۷

[3] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲ /۶۷

الغزاۃ وقیل الحاج وقیل طلبۃ العلم وفسرہ فی البدائع بجمیع القرب، قال فی النھر والخلاف لفظی للاتفاق علی ان الاصناف کلھم سوی العامل یعطون بشرط الفقر اھ[1] (ملخصًا)وفیہ تحت قولہ وبھذا التعلیل یقوی مانسب للواقعات من ان طالب العلم یجوزلہ اخذالزکوٰۃ ولوغنیا اذا فرغ نفسہ لافادۃ العلم واستفادتہ، ھذاالفرع مخالف لا طلا قھم الحرمۃ فی الغنی ولم یعتمدہ احد ط، قلت وھو کذٰلک والاوجہ تقییدہ بالفقیر[2] الیٰ اخرما افادہ ،علیہ رحمۃ الجواد۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔	قول "اور اللہ کی راہ میں " سے مراد وہ غازی ہیں جن کے پاس جہاد کا خرچہ نہیں، بعض نے حاجی قرار دیا، بعض کے نزدیک طلبہ مراد ہیں۔ بدائع میں اس کلمہ کی تفسیر " تمام ثواب والے کام" سے کی ہے، نہر میں ہے کہ عامل کے سوا تمام مصارف پر تب خرچ کیا جائے گا جب وہ فقیر ہوں اھ اور اسی میں ماتن کے قول، اس علت کے بیان سے واقعات کی طرف منسوب اس قول کی تقویت ہو جاتی ہے کہ طالبعلم کو زکوٰۃ لینا جائز ہے خواہ وہ غنی ہو بشرطیکہ اس نے اپنے آپ کو علم پڑھانے اور پڑھنے کے لیے مختص کر رکھا ہو کہ یہ تفریع فقہاء کرام کے حرمتِ زکوٰۃ کو غنی کے لئے مطلق رکھنے کے خلاف ہے جبکہ اس پر کسی نے اعتماد نہیں کیا، ط۔ میں کہتا ہوں یہ معاملہ یونہی ہے، موزوں یہی ہے کہ طالبعلم کو فقیر ہونے سے مقید کیا جائے (ان کے افادہ کے آخر تک) ان پر اللہ تعالیٰ جواد کی رحمت ہو، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۹۰: از شہر بہرائچ محلّہ ناظر پورہ مسؤلہ حکیم محمد عبدالوکیل صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی زید نے مسجد یا کنواں مسجد سے متعلق طاہر پانی کے لیے تیار کیااور بوجہ کمی سرمایہ کے بالآخر قرضدار ہو گیا لہٰذا اس صورت میں مالِ زکوٰۃ دینا جائز ہے کیونکہ قرضدار کو اس کے قرضہ ادا کرنے کے لیے مالِ زکوٰۃ لینا شرعًا جائز ہے کیونکہ منجملہ مصارف مال زکوٰۃ کے قرضہ بھی ایک مصرف ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جس پر اتنا دین ہو کہ اُسے ادا کرنے کے بعد اپنی حاجاتِ اصلیہ کے علاوہ چھپن روپے کے مال کا مالک نہ رہے گا اور وہ ہاشمی نہ ہو، نہ یہ زکوٰۃ دینے والا اس کے اولاد میں ہو، نہ باہم زوج وزوجہ ہوں، اسے زکوٰۃ دینا بیشک جائز

---
[1] ردالمحتار، باب المصرف، مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۷
[2] ردالمحتار، باب المصرف، مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۵

بلکہ فقیر کو دینے سے افضل، ہر فقیر کو چھپن روپے دفعۃً نہ دینا چاہئیں، اور مدیون پر چھپن ہزار دین ہو تو زکوۃ کے چھپن ہزار ایک ساتھ دے سکتے ہیں قال اللہ تعالٰی وَالْغٰرِمِیْنَ[1] (اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے اور مقروض لوگوں پر زکوۃ خرچ کو جائے۔ت) دُر مختار میں ہے:

ومدیون لا یملك نصابا فاضلا عن دینه وفی الظهیریة الدفع للمدیون اولی منه للفقیر۔[2]	مقروض وہ شخص ہوتا ہے جو قرض سے فاضل نصاب کا مالک نہ ہو، ظہیریہ میں ہے: مدیون کو زکوۃ دینا فقیر سے اولٰی ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ونقل ط عن الحموی انه یشترط ان لا یکون هاشمیا۔[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	اور طحطاوی نے حموی سے نقل کیا کہ شرط یہ ہے کہ مدیون ہاشمی نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۱ تا ۱۰۲: مسئولہ رشید احمد متعلّم مدرسہ اہلسنت والجماعت ۷ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ کسی شخص نے اپنے مال میں سے زکوۃ نکالی وُہ روپیہ ان شخصوں کو دینا چاہئے یا نہیں؟

(۱) یہ کہ اگر چچا چچی و چچازاد بھائی و بہنوں کو کچھ دے دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ ماموں و ممانی و نانا و نانی اور ماموں زاد بھائی اور بہنوں کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) یہ کہ پھوپھا و پھوپھی اور ان کی اولاد کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) یہ کہ اگر اپنی ہمشیرہ ہے اور اس کی شادی کردی اور اس کا خاوند کم توجہ کرتا ہے تو اس کو زکوۃ کا مال دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) یہ کہ بھانجی بھانجے کو کچھ دے دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۶) یہ کہ اگر زکوتی روپے سے لحاف میں رُوئی ڈلوا کر غریبوں کو تقسیم کردیں تو جائز ہے یا نہیں؟

(۷) یہ کہ اگر طالب علم کو کچھ دے دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۸) یہ کہ اگر بہنوئی کو کچھ دے دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] القرآن ۹/۶۰

[2] درمختار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۰

[3] ردالمحتار، باب المصرف، مصطفی البابی مصر، ۲/۶۷

(۹) یہ کہ اگرچہ معلوم ہو کہ یہ شخص غریب معلوم ہوتا ہے اور پوشیدہ اس کے پاس چاہے کچھ ہو اس کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۰) یہ کہ ان روپوں میں سے فقیروں کو جو مانگتے پھرتے ہیں دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۱) علاوہ اس کے وُہ بات کہ جس میں روپیہ زکوتی صرف کیا جائے وہ برائے مہربانی تحریر کردیجئے گا۔

(۱۲) یہ کہ اگر مولود شریف میں یا نیاز دعا میں صرف کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) ہاں جائز ہے جبکہ مصرف ہو۔

(۲) نانا نانی کو ناجائز باقی چاروں کو جائز۔

(۳) ان سب کو دے سکتے ہیں جبکہ نہ غنی ہوں نہ غنی باپ کے بچّے نہ ہاشمی۔

(۴) جائز ہے جبکہ محتاج ہو۔

(۵) ان کو بھی بشرائط مذکورہ جائز ہے۔

(۶) ہاں رُوئی کی قیمت زکوۃ میں لگا سکتا ہے جبکہ بہ نیت زکوۃ دے مگر بھرائی کی اُجرت زکوۃ میں شمار نہ ہوگی۔

(۷) جائز ہے جبکہ غنی ہاشمی نہ ہو۔

(۸) بشرطِ مذکورہ جائز ہے۔

(۹) جبکہ اُسے اُس کا اندرونی حال معلوم نہیں تو ظاہر محتاجی پر عمل کرکے زکوۃ دے سکتا ہے۔

(۱۰) جائز ہے مگر جوان سے تندرست جو بھیک مانگنے کا پیشہ کرلیتے ہیں جیسے جوگی سادھو بچے ان کو دینا جائز نہیں۔

(۱۱) محتاج فقیر جو نہ ہاشمی ہو نہ غنی باپ کا نابالغ بچّہ، نہ اپنی اولاد جیسے بیٹا بیٹی، پاتا پوتی، نواسا نواسی، نہ یہ کہ اس کی اولاد جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، نہ اپنی زوجہ، نہ عورت کا اپنا شوہر، ایسے محتاج جو ان سب کے سوا ہو بہ نیت زکوۃ دے کر مالک کردینے سے زکوۃ ادا ہوتی ہے وبس۔

(۱۲) مجلس میلاد پاک میں حصّہ عام تقسیم ہوتا ہے غنی فقیر مصرف غیر مصرف کی تخصیص نہیں ہوتی، یونہی نیاز کی تقسیم میں تو اس سے زکوۃ ادا نہیں ہوسکتی، ہاں جو حصّے خاص فقراء مصرف زکوۃ کو دے اُس کا شمار ان کو دینے میں زکوۃ کی نیت کرے تو وہ زکوۃ میں محسوب ہوسکتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۰۳: از مراد آباد مسئولہ امیر حسن صاحب رضوی ۹ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ صدقہ فطر کس قدر دینا چاہئے اور کس کو دینا چاہئے اور کس وقت ادا کرے اور کس طرف سے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صدقہ فطر سو روپے کے سیر سے پونے دو سیر اٹھنی بھر اوپر دیا جائے اور اس کے مصرف وہی لوگ ہیں جو مصرف زکوۃ ہیں اور اس کے دینے کا وقت واسع ہے، عیدالفطر سے پہلے بھی دے سکتا ہے اور بعد بھی، مگر بعد کو تاخیر نہ چاہئے بلکہ اولٰی یہ ہے کہ نمازِ عید سے پہلے نکال دے کہ حدیث میں ہے: صاحبِ نصاب کے روزے معلق رہتے ہیں جب تک یہ صدقہ ادا نہ کرے گا۔ اپنی طرف سے اور اپنے بچوں کی طرف سے دینا واجب ہے اور باندی غلام کی طرف سے بھی جو اس کی ملک ہیں، بی بی یا نا بالغ بچوں کی طرف سے دینا واجب نہیں اگر وہ صاحبِ نصاب ہیں، آپ دیں یا اُن کی اجازت سے یہ دے، بلا اجازت ان کی طرف سے ادا نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۰۴: میرے عزیزوں میں ایک شخص نابینا اور قرضدار ہیں جائیداد ان کے ہے لیکن قرضداری سے کم ہے اور قبضہ دوسرے شخص کا ہے، اُن کو آمد بھی پُورے پُورے طور سے نہیں ملتی، زکوۃ کو ان دینی چاہئے یا نہیں؟ فقط

الجواب: ہاں بلکہ عزیزوں کو دینے میں دُونا ثواب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۵: از حاجی عبدالکریم نور محمد جبزل مرچنٹ چوک ناگپور ۹ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

زکوۃ کا پیسہ طلبہ کو دے سکتے ہیں امداد کے لیے یا نہیں؟

الجواب: طلبہ کہ صاحبِ نصاب نہ ہوں انھیں زکوۃ دی جاسکتی ہے بلکہ اُنھیں دینا افضل ہے جبکہ وہ طلبہ علمِ دین بطور دین پڑھتے ہوں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۶: از شہر بریلی دفتر انجمن خادم المسلمین ۲۲ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ پیشہ ور گداگروں کو زکوۃ و خیرات کا مال دینے سے زکوۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں اور مذہبی و تمدنی نقطہ نظر سے کہاں تک یہ گروہ زکوۃ کا مستحق ہے او پیشہ ور گداگروں کی ہمت افزائی نہ کرنا کہاں تک جائز ہے؟

الجواب:

گدائی تین قسم ہے:

ایک غنی مالدار جیسے اکثر جوگی اور سادھو بچّے، انھیں سوال کرنا حرام اور انھیں دینا حرام، اور اُن کے دئے سے زکوۃ ادا نہیں ہوسکتی، فرض سر پر باقی رہے گا۔

دوسرے وُہ کہ واقع میں قدرِ نصاب کے مالک نہیں مگر قوی و تندرست کسب پر قادر ہیں اور سوال کسی ایسی ضروریات کے لیے نہیں جو ان کے کسب سے باہر ہو کوئی حرفت یا مزدوری نہیں کی جاتی مفت کا کھانا کھانے کے عادی ہیں اور اس کے لیے بھیک مانگتے پھرتے ہیں انھیں سوال کرنا حرام، اور جو کچھ انھیں اس سے ملے وہ ان کے حق میں خبیث کہ حدیث شریف میں:

لاتحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی۔[1]	صدقہ حلال نہیں کسی غنی کے لیے اور نہ کسی توانا و تندرست کے لیے (ت)

انھیں بھیک دینا منع ہے کہ معصیت پر اعانت ہے، لوگ اگر نہ دیں تو مجبور ہوں کچھ محنت مزدوری کریں۔

قال اللہ تعالٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔[2]	اللہ تعالٰی کا مبارک فرمان ہے: گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو (ت)

مگر ان کے دئے سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی جبکہ اور کوئی مانع شرعی نہ ہو کہ فقیر ہیں،

قال اللہ تعالٰی اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ۔[3]	اللہ تعالٰی کا فرمان مبارک ہے صدقات فقراء کے لیے ہیں (ت)

تیسرے وُہ عاجز ناتواں کہ نہ مال رکھتے ہیں نہ کسب پر قدرت، یا جتنے کی حاجت ہے اتنا کمانے پر قادر نہیں، انھیں بقدرِ حاجت سوال حلال، اور اس سے جو کچھ ملے ان کے لیے طیّب، اور یہ عمدہ مصارفِ زکوٰۃ سے ہیں اور انھیں دینا باعثِ اجرِ عظیم، یہی ہیں وُہ جنھیں جھڑکنا حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۷: از ناگوار مارواڑ از دکان قادر بخش مرسلہ محمد بخش پریزیڈنٹ انجمن مدرسہ حمیدیہ اسلامیہ ۷ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مالِ زکوٰۃ مدرسہ اسلامیہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مدرسہ اسلامیہ اگر صحیح اسلامیہ خاص اہلسنت کا ہو۔ نیچریوں، وہابیوں، قادیانیوں، رافضیوں، دیوبندیوں وغیرہم مرتدین کا نہ ہو تو اس میں مالِ زکوٰۃ اس شرط پر دیا جاسکتا ہے کہ مہتمم اس مال کو جُدا رکھے اور خاص تملیک فقیر کے مصارف میں صرف کرے مدرسین یا دیگر ملازمین کی تنخواہ اس سے نہیں دی جاسکتی۔

---

[1] جامع الترمذی، ابواب الزکوٰۃ باب ماجاء من لاتحل لہ الصدقۃ، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۱/۸۳

[2] القرآن ۵/۲

[3] القرآن ۹/۶۰

نہ مدرسہ کی تعمیر یا مرمت یا فرش وغیرہ میں صرف ہوسکتی ہے، نہ یہ ہوسکتا ہے کہ جن طلبہ کو مدرسہ سے کھانا دیا جاتا ہے اُس روپے سے کھانا پکا کر اُن کو کھلایا جائے کہ یہ صورتِ اباحت ہے اور زکوٰۃ میں تملیک لازم ہاں یُوں کرسکتے ہے کہ جن طلبہ کو کھانا دیا جاتا ہے اُن کو نقد روپیہ بہ نیّت زکوٰۃ دے کر مالک کردیں پھر وُہ اپنے کھانے کیلئے واپس دیں یا جن طلبہ کا وظیفہ نہ اجرۃً بلکہ محض بطور امداد ہے اُن کے وظیفے میں دیں یا کتابیں خرید کر طلبہ اُن کا مالک کردیں۔ ہاں اگر روپیہ بہ نیّت زکوٰۃ کسی مصرف زکوٰۃ کو دے کر مالک کردیں وُہ اپنی طرف سے مدرسہ کو دے دے تو تنخواہ مدرسین وملازمین وغیرہ جملہ مصارف مدرسہ میں صرف ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۸: از حافظ ایاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ پٹھان پور ۲۴ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر زکوٰۃ کے روپے سے دوچار کتب دینی مثل فتاوٰی عالمگیری و مشکوٰۃ شریف وغیرہ خرید کرکے دوسرے شخص کے پاس بطور وقف رکھ دی جائیں تاکہ عوام کو اس سے فیض پہنچے اس وجہ سے ایسی کتاب بوجہ بیش قیمت ہونے کے یہاں میسر نہیں ہے تو اس کے واسطے کیا صورت ہونی چاہیئے کہ زکوٰۃ بھی ادا جائے اور کتابوں کی کاروائی بھی ہوجائے۔

الجواب:

مال زکوٰۃ سے وقف ناممکن ہے کہ وقف کسی کی ملک نہیں ہوتا اور زکوٰۃ میں فقیر کی تملیک شرط ہے اس کی تدبیر یوں ہوسکتی ہے کہ کسی نیک بندہ کو جو زکوٰۃ کا مصرف ہے بہ نیت زکوٰۃ دے کر ملک کردیا جائے اور وُہ اپنی طرف سے کتابیں خرید کر وقف کردے۔ ایک اور حیلہ بھی ممکن ہے مثلاً سوَروپے کی کتابیں وقف کرنے کے لیے خریدنی ہیں اور اس پر سو۱۰۰ روپے زکوٰۃ کے آتے ہیں تو مَن دو مَن گیہوں مثلاً کسی فقیر کے ہاتھ سوروپے کو بیع کرے اور اُسے سمجھادے کہ یہ قیمت تمھیں ہم ہی دینگے جب وُہ خرید لے تو اب اسے سوَروپے بہ نیتِ زکوٰۃ دئے جائیں، جب وُہ قبضہ کرلے اب اس سے اس آتی ہوئی قیمت میں روپے لے لیے جائیں، اگر نہ دے تو جبرًا لے سکتا ہے کہ وُہ اس کا مدیون ہے، اب اس روپے سے کتابیں خرید کر وقف کردیں، **المسئلة منصوص علیھا فی الدر المختار والمعتمدات الاسفار** (درمختار اور دیگر معتمد کتب میں اس مسئلہ پر نص ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۹ تا ۱۱۰: حاجی عیسٰی صاحب کاٹھیاوار ۲۲ رمضان شریف ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک مسجد میں بلحاظ مصلیان بہت کم گنجائش ہے یا بایں وجہ کہ ہر وقت کی نماز میں کش مکش کا سامنا ہوتا ہے لہٰذا ایسی حالت میں اگر کوئی صاحب زکوٰۃ اپنی زرزکوٰۃ کو کسی غریب مسلمان شخص کی ملکیت قائم کرکے اس مکان کو جو مسجد سے ملا ہوا ہے خرید کرکے شاملِ مسجد کردے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ مکرر آنکہ

مسجد مذکور کے قُرب وجوار کے مسلمانوں میں اس قدر استطاعت نہیں کہ جو چندہ فراہم کرکے مکان مذکور کو خرید سکیں۔
(۲) ایسی کتاب دینی جو اگر طبع کی جائے تمام مسلمانانِ عالم میں مفید ثابت ہوسکتی ہے اگر کوئی شخص زرِ زکوٰۃ سے چندہ فراہم کرکے کتاب مذکور بغرض رفاہِ عام چھپوائے تو ان چندہ دہندگان اصحاب کا زرِ زکوٰۃ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

(۱) جبکہ اس نے فقیر مصرف زکوٰۃ کو بہ نیّت زکوٰۃ دے کر مالک کردیا زکوٰۃ ادا ہوگئی اب وہ فقیر مسجد میں لگادے دونوں کے لیے اجرِ عظیم ہوگا، درمختار میں ہے:

وحیلۃ التکفین بھا التصدّق علی فقیر ثم ھو یکفن، الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد۔[1]	کفن بنانے کے لیے یہ حیلہ ہے کہ صدقہ فقیر کو دیا جائے پھر وُہ فقیر کفن بنادے تو ثواب دونوں کے لئے ہوگا، اسی طرح تعمیرِ مسجد میں حیلہ کیا جاسکتا ہے۔(ت)

بحرالرائق میں زیر قول متن لا الی بناء مسجد و تکفین میّت وقضاء دینہ وشراء قن یعتق (زکوٰۃ سے تعمیر مسجد، میّت کے لیے کفن اور اس کا اداء قرض اور ایسے غلام کا خریدنا جائز نہیں جسے آزاد کردیا گیا ہو۔ت) فرمایا:

والحیلۃ فی الجواز فی ھذہ الاربعۃ ان یتصدق بمقدار زکوٰتہ علی فقیر ثم یأمرہ بعد ذٰلك الصرف فی ھذہ الوجوہ فیکون لصاحب المال ثواب الزکوٰۃ وللفقیر ثواب ھذہ الصرف کذا فی المحیط۔[2]	ان چاروں میں جواز کا حیلہ یہ ہے کہ آدمی زکوٰۃ فقیر کو دے پھر اسے کہے کہ ان چاروں پر خرچ کرے، صاحبِ مال کیلئے زکوٰۃ کا ثواب اور فقیر کے لیے خرچ کا ثواب ہوگا۔ کذافی المحیط (ت)

(۲) جائز ہے اور اس میں چندہ دہندوں کے لیے اجرِ عظیم اور ثواب جاری ہے، جب تک وہ کتاب باقی رہے گی اور نسلاً بعد نسلٍ جن جن مسلمانوں کو فائدہ دے گی ہمیشہ ان کا اجر ایک چندہ دہندے کو اُس کی حیات میں اور اُس کی قبر میں پہنچتا رہے گا۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مات الانسان انقطع عملہ الامن ثلث صدقۃ جاریۃ او عمل ینتفع بھا	جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے مگر تین صورتوں میں جاری رہتا ہے: ایک، اس نے

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۳۰
[2] بحرالرائق باب المصرف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۴۳

اوولد صالح یدعولہ۔[1] رواہ البخاری فی ادب المفرد او مسلم فی الصحیح وابوداؤد والترمذی عن النسائی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	صدقہ جاریہ کیا تھا، دوسرا اس کا ایسا عمل جواب بھی نافع ہے یا اس کی نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے اسے امام بخاری نے ادب المفرد میں، مسلم نے صحیح میں، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

مگر **اولاً** فقیر کو بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کردینا ضرور ہے پھر وُہ فقیر طبع کتاب میں خود دے دے یا اس سے دلوادے، جیسا کہ درمختار و بحرالرائق کی عبارت سے گزرا، یا جو جو طریقے ائمہ نے کتبِ فقہ میں لکھے ہیں بجالائے۔ درمختار میں ہے:

حیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکوٰتہ ثم یأخذھا عن دینہ ولوامتنع المدیون مدّیدہ واخذ ھا لکونہ ظفر بجنس حقہ فان مانعہ رفعہ للقاضی۔[2]	حیلہ جواز یُوں ہے کہ اپنے مقروض فقیر کو زکوٰۃ دی جائے پھر اس سے اپنے قرض میں واپس لی جائے اور اگر مقروض نہ دے تو اس سے چھین لے کیونکہ یہ اپنے حق پر قدرت کا معاملہ ہے، اگر اس پر بھی نہ دے تو قاضی کی طرف معاملہ لے جایا جائے(ت)

اور سب سے آسان یہ ہے کہ ایک دیندار شخص کے پاس سب زکوٰۃ دہندہ اپنا چندہ جمع کریں اور اس سے کہہ دیں کہ زرِ زکوٰۃ ہے طریقہ شرعیہ پر بعد تملیک فقیر طبع میں ہمارے ثواب کے لئے صرف کر، وہ ایسا ہی کرے، سب زکوٰتیں بھی ادا ہوجائیں گی اور وُہ دینی ضروری نافع کام بھی ہوجائیگا اور یہ اموال کا ملانا کہ باذن مالکانہ ہے کہ چندہ کا یہی طریقہ معروفہ معہودہ ہے کچھ مانع نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

لوخلط زکوٰۃ موکلیہ ضمن وکان متبرعا الا اذا وکلہ الفقراء۔[3]	اگر اپنے موکلین کی زکوٰۃ خلط کردی تو وکیل ضامن ہوگا اور وُہ تبرع کرنے والا ہوگا مگر اس صورت میں جب فقراء نے اسے اپنا وکیل قرار دے دیا ہو۔(ت)

---

[1] صحیح مسلم باب مایلحق الانسان الثواب بعد وفاتہ، قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۴۱، الادب المفرد باب ۱۹ برالوالدین بعد موتہما حدیث ۳۸ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۲۱

[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ، مبطع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

[3] درمختار کتاب الزکوٰۃ مبطع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

ردالمحتار میں ہے:

قال فی التتارخانیۃ اذا وجد الاذن أو اجاز المالکان اھ۔[1]	تاتارخانیہ میں ہے کہ کسی اذن کی وجہ سے ہو یا مؤکل اسے جائز کردیں اھ (ت)

اسی میں ہے:

ثم قال التتارخانیۃ اووجدت دلالۃ الاذن بالخلط کما جرت العادۃ الخ۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	پھر تاتارخانیہ میں کہا کہ یا دلالۃً اختلاط کی اجازت ہو جیسے کہ عادت معروفہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۱: مسئولہ ناصر الدین صاحب پیلی بھیتی از آگرہ محلّہ نئی بستی، گلی بدھو بیگ، مکان حافظ سعید الدین سوداگر لٹھا ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جنگ اٹلی و شہنشاہِ روم کے واسطے اہل اسلام نے اکثر چندہ جمع کیا ہے، اگر زیور کی زکوٰۃ کا روپیہ جنگ مذکور کے واسطے شہنشاہِ روم کو بھیجا جائے تو یہ روپیہ دینا جائز ہوگا یا ناجائز؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

زکوٰۃ جہاد کے اُن مصارف میں جن میں فقیر کو تملیک نہ ہو جیسے گولے بارود کی خریداری یا فوج کی باربرداری یا فوجی افسروں کی تنخواہ یا فوجی دواخانہ کی دواؤں میں دینا جائز نہیں، نہ اس سے زکوٰۃ ادا ہو۔ عالمگیری میں ہے:

لایجوز ان یبنی بالزکاۃ المسجد وکذا الحج والجھاد وکل مالا تملیك فیہ کذا فی التبیین۔[3]	زکوٰۃ سے مسجد بنانا جائز نہیں، اسی طرح حج اور جہاد، بلکہ وُہ مقام جہاں تملیک نہ ہو۔ تبیین میں یہی ہے۔ (ت)

ہاں فقیر مجاہدوں کو دی جائے یا شہیدوں کے فقیر پس ماندوں کو یا ان مجاہدوں کو جو سفر کرکے آئے گھر پر اموال رکھتے ہیں یہاں مصارف کے لیے کچھ پاس نہیں ان کو دینا جائز ہے اول فی سبیل اللہ ہے، ثانی فقراء اور

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب السابع فی المصارف نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۸۸

ثالث ابن السبیل، اور یہ سب مصارف زکوٰۃ ہیں۔ درمختار میں ہے:

مصرف الزکوٰۃ فقیر و فی سبیل اللہ وھو منقطع الغزاۃ وابن السبیل وھو کل من لہ مال لامعہ۔[1] (ملخصًا)	زکوٰۃ فقراء خرچ کی جائے اور اللہ تعالٰی کی راہ میں، اور اس سے مراد محتاج غازی اور مسافر، اور اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کا مال تو ہو مگر اس کے پاس نہ ہو۔ (ت)

یا یہ ہو کہ یہاں کسی معتمد فقیر کو دے کر مالک کرکے قبضہ دے دیں وُہ اپنی طرف سے اس چندہ میں دے دے، اب کوئی شرط نہیں ہر مصرف میں صرف ہوسکتی ہے، اور زکوٰۃ دہندہ اور فقیر دونوں کو ثواب ملے گا۔ درمختار میں ہے:

حیلۃ التکفین بھا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد۔[2]	تکفین کے لیے حیلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ فقیر کو دی جائے فقیر کفن بنوادے، تو اب ثواب دونوں کے لیے ہوگا، اسی طرح تعمیر مسجد میں حیلہ کی صورت ہے۔ (ت)

پھر صورت اولٰی میں کہ خود زکوٰۃ ہی ان جائز مصارف کے لیے وہاں بھیجے، اگر ابھی اس کی زکوٰۃ کا سال تمام نہ ہُوا تھا پیشگی دیتا ہے جب تو دوسرے شہر کو بھیجنا مطلقًا جائز ہے اور اگر سال تمام کے بعد بھیجے جب بھی اس صورت میں حکم جواز ہے کہ مجاہدوں کی اعانت میں اسلام کا زیادہ نفع ہے۔ درمختار میں ہے:

کرہ نقلھا الّا الٰی قرابۃ او احوج او اصلح او اورع او انفع للمسلمین، اوکانت معجلۃ قبل تمام الحول فلا یکرہ خلاصۃ۔[3] (ملخصًا)	زکوٰۃ کو دوسری جگہ منتقل کرنا مکروہ، ہاں اس صورت میں مکروہ نہیں جب دوسری جگہ کوئی رشتہ دار، زیادہ محتاج، نیک، صاحبِ تقوٰی یا مسلمانوں کا زیادہ فائدہ ہو یا سال سے پہلے جلدی زکوٰۃ دینا چاہتا ہو، خلاصہ (ت)

مگر اطمینان ضرور ہو کہ ٹھکانے پر پہنچے بیچ میں خُورد بُرد نہ ہوجائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار، باب المصرف، مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۰

[2] درمختار، کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

[3] درمختار، باب المصرف، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۴۱-۴۲

مسئلہ ۱۱۲: از دہرہ دوں محلّہ دھامان مسئولہ مختار حسین قادری ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ موجودہ حالتِ زار جو مظلومین تُرک کی ہے مثلاً سمرنا، اناطولیہ وغیرہ میں جو یونانیوں کی دست درازیوں کے شکار ہورہے ہیں ان کی امداد زکوٰۃ کے مال سے کی جائے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی روپیہ بھیجنے اور دینے کی کیا صورت ہونی چاہئے، موجودہ طریق جو سیٹھ چھوٹانی بمبئی والا کررہاہے کہ امداد مظلومین ترکوں کی جس میں وُہ زکوٰۃ کو بھی شامل کرنا چاہتا ہے اپنے اختیار سے زکوٰۃ اور دیگر چندہ لے کر جتنی جہاں ضرورت ہوتی ہے مثلاً بیماروں کی مدد، لُٹے ہُوئے گھروں کی امداد وغیرہ اپنی رائے کے موافق صرف کرتا ہے، تو جو لوگ اس میں زکوٰۃ دیتے ہیں ادا ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس طریقہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی، یہ لوگ بطور خود چندہ کرتے ہیں اور زکوٰۃ وغیر زکوٰۃ بلکہ مسلم وغیر مسلم سب کے چندے غلط کرلیتے وُہ روپیہ فوراً ہلاک ہوجاتا ہے اور قابل اداز کوٰۃ نہیں رہتا، فان الخلط استھلاک (کیونکہ خلط ملط کرنا ہلاک کرنا ہوتا ہے۔ت) فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

رجلان دفع کل منھما زکوٰۃ مالہ الی رجل لیؤدی عنہ فخلط مالھما ثم تصدق ضمن الوکیل مال الدافعین وکانت الصدقۃ عنہ کذا فی فتاوٰی قاضی خاں۔[1]	دو۲ اشخاص نے اپنے مال کی زکوٰۃ ایک شخص کو دی تاکہ وُہ ان کی طرف سے ادا کرے اس نے دونوں کے مال کو ملادیا پھر زکوٰۃ ادا کی تو وکیل ان کے مال کا ضامن ہوگا اور صدقہ وکیل کی طرف سے ہوگا، فتاوٰی قاضی خاں (ت)

درمختار میں ہے:

لو خلط زکوٰۃ مؤکلیہ ضمن وکان متبرعا الا اذا وکلہ الفقراء۔[2]	اگر اپنے مؤکلین کی زکوٰۃ میں خلط ملط کردیا تو وہ وکیل ضامن ہوگا اور متبرع ہوگا مگر اس صورت میں کہ جب اسے فقراء نے اپنا وکیل بنایا ہو۔ (ت)

اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ زکوٰۃ دینے والے خالص مسلمان اپنی اپنی زکوٰۃ ایک معتمد متدین کے پاس جمع کریں اور وُہ روپیہ ملالینے کی اجازت دیں اور اُس میں کوئی پیسہ غیر زکوٰۃ کا خلط نہ کیا جائے نہ کسی وہابی یا رافضی یا نیچری یا قادیانی یا حدِ کفر تک پہنچے ہُوئے گاندھوی کی زکوٰۃ اس میں شامل ہو کہ ان لوگوں کی زکوٰۃ شرعًا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ، الباب الثالث فی زکوٰۃ الذہب الخ، نورانی کتب خانہ پشاور، ۱/۱۸۳

[2] درمختار، کتاب الزکوٰۃ، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۳۰

زکوٰۃ نہیں، یہ خالص زکوٰۃ شرعی کا جمع کیا ہوا مال کہ مالکوں سے اذن سے خلط کیا گیا اُن فقراء مظلومین کو پہنچایا جائے۔ ردالمحتار میں زیرِ عبارت مذکورہ درمختار ہے

قولہ ضمن وکان متبرعا، لانہ ملکہ بالخلط وصار مؤدیا مال نفسہ قال فی التتارخانیۃ الااذا وجد الاذن أو اجازا المالکان اھ ویتصل بھذاالعالم اذا سئل للفقراء شیأ و خلط یضمن قلت و مقتضاہ لو وجد العرف فلا ضمان لوجود الاذن حینئذ دلالۃ۔[1] واللہ سبحانہ وتعالٰی۔	ان کا قول ہے وکیل ضامن ہوگا اور اس کی ادائیگی بطور تبرع ہوگی کیونکہ خلط ملط کرنے سے وہ مالک ہوجاتا ہے اور اب وہ اپنے مال کو ادا کرنے والا ہوگا۔ تتارخانیہ میں ہے کہ مگر اس صورت میں جب اجازت ہو یا مالک اسے جائز کردیں اھ اس کے ساتھ وہ صورت بھی ملحق ہے جب کسی عالم نے فقراء کے لیے کچھ مانگا اور خلط ملط کردیا تو وُہ ضامن ہوگا۔ میں کہتا ہوں اس کا مقتضایہ ہے اگر عرفاً ایسا کیا جاتا ہو تو اب ضمان نہ ہوگا کیونکہ اس وقت دلالۃً اجازت موجود ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۳: مسئولہ امیر حسن بنگالی طالب علم مدرسہ اہلسنت وجماعت ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

مالدار کے لیے صدقہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

صدقہ واجبہ مالدار کو لینا حرام اور دینا حرام، اور اس کے دئے ادا نہ ہوگا، اور نافلہ مانگ کر مالدار کو لینا حرام اور بے مانگے مناسب نہیں جبکہ دینے والا مالدار جان کر دے اور اگر وہ محتاج سمجھ کر دے تو لینا حرام، اور اگر لینے کے لیے اپنے آپ کو محتاج ظاہر کیا تو دوہرا حرام، ہاں وہ صدقاتِ نافلہ کہ عام خلائق کے لیے ہوتے ہیں اور ان کے لینے میں کوئی ذلّت نہیں وُہ غنی کو بھی جائز ہیں جیسے حوض کو پانی، سقایہ کا پانی، نیاز کی شیرینی، سرائے کا مکان، پل پر سے گزرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۴: از بریلی محلّہ کانکر ٹولہ متصل مسجد خورد مرسلہ الطاف علی خاں مورخہ ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مدرسہ دینیہ میں زکوٰۃ وصدقہ مدرسین کو دینا جائز ہے یا نہیں، تنخواہ میں دینا وطلباء کو جو کہ یتیم ہیں ان کی تعلیم کے اخراجات کے واسطے دینا جائز ہے یا نہیں؟

[1] ردالمحتار، کتاب الزکوٰۃ، مصطفی البابی مصر، ۲/ ۱۲

الجواب:

تنخواہِ مدرسین میں نہیں دے سکتے، ہاں طلبہ کو تملیک کر سکتے ہیں اگرچہ یتیم نہ ہوں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۵: از میرٹھ سٹی ضلع جودھ پور مسئولہ فخر الدین شاہ ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ یتیموں کو زکوۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بچہ اپنی قرابت کا ہے اُس کا وارث کوئی نہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یتیم بچّہ خصوصًا جبکہ اپنا قرابت دار ہو زکوۃ دینا بہت افضل ہے جبکہ وہ نہ مالدار نہ سید وغیرہ نہ ہاشمی ہو نہ اپنی اولاد یا اولاد کی اولاد ہو۔ ہاں بھائی بھانجا ہو تو وہ بشرائط مذکورہ سب سے زیادہ مستحق ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۶: از شہر محلّہ مملوک پور مرسلہ جناب سید محمد علی صاحب نائب ناظر فرید پور ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ

زرِ زکوۃ میں سے اگر یتیموں مساکین کو کھلایا جائے یا کپڑا بنایا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

کپڑا بنا کر ان کو دے کر مالک کر دینا، کھانا پکا کر اُن کے گھر کو بھیج کر قبضہ میں دے کر مالک کر دینا تو حالت موجود پر یہ سِلا ہو کپڑا اور پکا ہوا کھانا بازار کے بھاؤ سے جتنے کا ہے اُس قدر زکوۃ میں مجرا ہوگا، سلائی پکوائی وغیرہ مجرا نہ ملے گی اور اگر اپنے یہاں پکا کر دستر خوان پر بٹھلا کر کھلادیا جس طرح دعوتوں میں ہوتا ہے تو وہ زکوۃ نہیں ہو سکتا **لانها تملیك وهذه اباحة** (کیونکہ زکوۃ میں مالک بنانا ہوتا ہے اور اس صورت میں ملکیت نہیں بلکہ اباحت ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۷ تا ۱۱۸: ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو مکان واسطے یتیموں کے خریدا جائے اس کی بیع میں زکوۃ کا روپیہ دینا درست ہے یا نہیں، اور وہ مکان نام یتیم خانہ کے ہو۔

(۲) کہ مضحومہ جو واقعہ جسولی میں کنگھر والوں سے ہوا ہے اس کے صرف میں زکوۃ کا روپیہ دیا جائے یا نہیں کیونکہ وہ مذہبی معاملہ قرار دیا گیا ہے۔

الجواب:

یتیم خانہ کی خریداری میں روپیہ لگادینے سے زکوۃ ہر گز ادا نہ ہوگی **لانه ان کان وقفا والزکوٰة تملیك فلا یجتمعان** (کیونکہ یتیم خانہ اگر وقف ہے اور زکوۃ میں تملیک ہوتی ہے لہٰذا ان دونوں کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ت) نہ کسی غنی کو صرف مقدمہ کے لیے دینے سے ادا ہو سکے اگرچہ وہ مقدمہ مذہبی دینی ہو **فان الغنی لیس بمصرف**

(کیونکہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے۔ت) نہ کسی فقیر نہ مسکین کے دینی خواہ دنیوی مقدمہ میں وکیلوں، مختاروں کو دینے یا اور خرچوں میں اٹھانے سے ادا ممکن، جب فقیر کو دے کر اُس کے قبضے کے بعد اُس سے لے کر صرف نہ کیا جائے فان الصدقۃ لا تحصل الا بتملیک مصرفھا ولاتتم الابقبضۃ (کیونکہ صدقہ تب ادا ہوگا جب کسی مصرف کو مالک بنایا جائے گا اور تملیک کا اتمام قبضہ کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ت) پس اگر اس قسم کے معاملات میں اٹھانا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو شخص شرعاً مصرفِ زکوٰۃ ہے اسے بہ نیتِ زکوٰۃ دے کر اُس کا قبضہ کرادیں پھر وُہ اپنی طرف سے اپنے آپ خواہ اُسے دے کر خریداری یتیم خانہ خواہ کسی دینی مقدمہ امورِ خیر میں لگادے۔ عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

فی جمیع ابواب البر کعمارۃ المساجد وبناء القناطیر الحیلۃ ان یتصدق بمقدار زکوٰۃ علی فقیر ثم یامرہ بالصرف الٰی ھذہ الوجوہ فیکون للمتصدق ثواب الصدقۃ وللفقیر ثواب بناء المسجد والقنطرۃ[1] (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم۔	تمام امور خیر مثلاً تعمیر مساجد اور پُلوں کی تعمیر وغیرہ میں حیلہ یہ ہے کہ مقدارِ زکوٰۃ فقیر پر صدقہ کی جائے پھر اسے ان امور پر خرچ کرنے کے لیے کہا جائے تو ثواب صدقہ کرنے والے کے لیے صدقہ کا ثواب اور فقیر کے لیے مسجد اور پُل کی تعمیر کا ثواب ہوگا (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۹: ۲۲ شوال ۱۳۱۴ھ

سوالِ اوّل بعد سلام کے عرض ہے میرے پاس سوا اس کے جو شوہر کے پاس سے صرف کے لیے آتا ہے اور کوئی آمد نہیں، اور وُہ اتنی ہے کہ گزر بھی مشکل ہوتی ہے عرض ہے کہ ایسی صورت بتائیے کہ جس میں زکوٰۃ بھی ادا ہو اور خرچ کی بھی دقت نہ ہو، یہ بڑی بی کہتی ہیں کہ آپ کے یہاں مجھ کو کچھ روپیہ دئے اور پھر وہ دو آنہ میں مول لئے یا جو خرچ مجھ کو شوہر کے پاس سے ملتا ہے اُس میں سے زکوٰۃ ادا کرکے بچوں کے صرف کی جائے تو کچھ بُرائی تو نہیں؟ یا جو روپیہ والد کے ترکہ کا ملا تھا وہ میرا بچوں کے صرف میں ہوگیا وہ ہوسکتا ہے کہ میں زکوٰۃ میں مجرا کرلوں اس واسطے کہ آپ فرماتے ہیں بچوں کا صَرف باپ کے ذمّہ ہے۔

الجواب:

زیور خود مال ہے اُس میں سے زکوٰۃ ادا کی جائے، شوہر سے جو کچھ خرچ بچوں کے لیے ملتا ہے اُس میں سے زکوٰۃ دینے کا ہرگز اختیار نہیں تمہارے خرچ کو جو کچھ دیتے ہیں اُس میں سے زکوٰۃ دے سکتی ہو، اپنے مال کی زکوٰۃ

[1] فتاوٰی ہندیہ، کتاب الحیل، الفصل الثالث فی مسائل الزکوٰۃ، نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۹۲

اپنے بچّوں کے صَرف میں نہیں کی جاسکتی، اس سے زکوۃ ادانہ ہوگی، ماں کا جو کچھ بچّوں کے صَرف میں اُٹھ گیا زکوۃ میں مجرا نہیں ہوسکتا اگرچہ بچوں کا خرچ باپ پر ہے ماں پر نہیں، وہ طریقہ کہ زکوۃ کا مال بہ نیت زکوۃ کسی محتاج کو دے کر مالک کردیا جائے پھر اس کی رضامندی سے تھوڑے داموں کو اس سے خرید لیں، یہ حیلہ بضرورت صرف ایسی جگہ ہو کہ مثلاً کسی سیّد صاحب کو حاجت ہے مالِ زکوۃ انھیں دے نہیں سکتے اور اپنے پاس زرِ زکوۃ سے زیادہ دینے کی وسعت نہیں تو اس طرح زکوۃ ادا کرکے برضامندی مول لے کر سید صاحب نذر کردیا جائے یا مسجد کی تعمیر یا میّت کے کفن میں لگادیا جائے کہ یہ سب نیتیں اللہ ہی کے لیے ہیں، خرید کر اپنے یا اپنے بچّوں کے صرف میں لانے کی غرض سے یہ حیلہ نہیں کہ اس میں راہِ خدا میں مال خرچ کرکے، پھر جانا پایا جائیگا والعیاذ باللہ تعالٰی، آسان طریقہ جو یہاں ہوسکے یہ ہے کہ آدمی جن کی اولاد میں خود ہے یعنی ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی یا جو اپنی اولاد میں ہیں یعنی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی اور شوہر و زوجہ ان رشتوں کے سوا اپنی جو عزیز قریب حاجتمند مصرفِ زکوۃ ہیں اپنے مال کی زکوۃ انھیں دے جیسے بہن بھائی، بھتیجا بھتیجی، ماموں، خالہ، چچا، پھوپھی کہ انھیں دینے میں دونا ثواب ہے اور نفس پر بار بھی کم ہوگا کہ اپنے سگے بہن بھائی یا بھتیجے بھانجے کا دیا ہوا آدمی اپنے کام میں ہی اٹھنا جانتا ہے پھر یہ بھی کچھ ضرور نہیں کہ انھیں زکوۃ جتا ہی کر دے بلکہ دل میں زکوۃ کی نیت ہو انھیں عیدی وغیرہا یا شادیوں کی رسوم خواہ کسی بات کا نام کرکے مالک کردے زکوۃ ادا ہوجائیگی، پھر اگر مثلاً اپنے بہن بھائی کو دیا اور اُنھوں نے اُس کے بچوں پر خرچ کی تنگی دیکھ کر اپنی خوشی سے اس کے بچوں پر ہبہ کردیا تو زکوۃ میں کچھ خلل نہ آئے گا نہ مقصود شریعت کے خلاف ہوگا اور دونوں مطلب یعنی ادائے زکوۃ اور بچّوں کے خرچ کی وسعت حاصل ہوجائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۰: از موضع مکہ جبی والاعلاقہ جاگل تھانہ پر ہپو ڈاکخانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی محمد شیر صاحب ۱۴ جمادی الآخر ۱۳۱۴ھ

اپنی دختر یا حقیقی ہمشیرہ کو زکوۃ یا زمین کا عشر دینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بہن کو جائز ہے جبکہ مصرفِ زکوۃ ہو اور بیٹی کو جائز نہیں،

فی الدر المختار مصرف الزکوٰۃ والعشر فقیر الخ وفیہ لایصرف الی من بینھما ولاد الخ۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ زکوۃ و عشر کا مصرف فقیر ہے الخ اور اسی میں ہے کہ زکوۃ و عشر ایسے لوگوں پر صرف نہ کی جائے جن سے اپنی ولادت کا تعلق ہو الخ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] درمختار، باب المصرف، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۴۱-۱۴۰

مسئلہ ۱۲۱: مرسلہ محمود حسن صاحب شاگرد رشید احمد گنگوہی صاحب ۲۰ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس بارہ میں کہ میری زکوٰۃ کا روپیہ اپنے والد کو کسی حیلہ سے دے سکتی ہُوں یا نہیں، کیونکہ والد ایسی غربت میں ہیں کہ باہر نکلنے بیٹھنے میں شرم آتی ہے اور وہ ایک آبرو دار آدمی ہیں اور نہ کوئی ایسا آدمی ہے کہ میں اس آدمی کو دے دُوں وُہ اپنی طرف سے بھی والد کو دے اس صورت میں کسی حیلہ سے اپنے والد کو زکوٰۃ کا پیسہ دے سکتی ہُوں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

باپ کو زکوٰۃ دینا کسی طرح جائز نہیں، نہ اُس کی دی زکوٰۃ ادا ہوسکے۔ یہ بات اگر واقعی ہے کہ باپ ایسا ہی حاجتمند ہے اور سائلہ میں یہ طاقت نہیں کہ زکوٰۃ بھی دے اور باپ کی بھی خدمت کرے اور ایسا اطمینان کا شخص کوئی نہیں پاتی کہ اسے زکوٰۃ دے اور وُہ اپنی طرف سے اُس کے باپ کو دیں تو اس کا یہ طریقہ ممکن ہے کہ مثلاً دس روپیہ زکوٰۃ کے دینے ہیں اور چاہتی ہے کہ یہ روپیہ اُس کے باپ کو پہنچے تو کسی فقیر مصرف زکوٰۃ کے ہاتھ مثلاً دس سیر یا پانسیر گیہوں دس روپیہ کو بیچے اور اسے سمجھا دے کہ زر ثمن ادا کرنے کی تمھیں دقت نہ ہوگی ہم زکوٰۃ دیں گے اسی سے ادا کر دینا، جب وُہ بیع قبول کرے گیہوں اس کو دے دے اب اُس کے دس درہم بابت ثمن گندم اُس پر قرض ہوگئے اُس کے بعد اسے دس روپیہ زکوٰۃ میں دے کر قبضہ کرادے زکوٰۃ ادا ہوگئی پھر گیہوں کی قیمت میں روپے واپس لے وہ یوں نہ دے تو جبراً لے سکتی ہے کہ وہ اس کا مدیون ہے اب یہ روپیہ اپنے باپ کو دے دے۔ درمختار میں ہے:

حیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکٰوتہ ثم یاخذھا عن دینہ ولوامتنع المدیون مدیّدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ فان مانعہ رفعہ للقاضی۔[1]	حیلہ جوازیہ ہے کہ اپنے مقروض فقیر کو زکوٰۃ دی جائے پھر قرض کے عوض اس سے وہ رقم واپس لے لی جائے اگر مقروض نہ مانے تو اس سے چھین لی جائے کیونکہ یہ اپنے مال کے حصول پر قدرت کی صورت ہے، اگر اس میں بھی رکاوٹ بنے تو معاملہ قاضی کے پاس لے جایا جائے۔ (ت)

مگر اس کا لحاظ لازم ہے کہ محتاج باپ کا نفقہ اُس کی سب غنی اولاد پر لازم ہے، بیٹا بیٹی سب پر برابر، تو اگر تنہا یہی اس کی اولاد ہے تو اس پر اس کا کل خرچ کھانے پہننے رہنے کے مکان کا لازم ہے، اور اگر اور بھی ہیں تو

[1] درمختار، کتاب الزکوٰۃ، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۳۰

حصّہ رسد، اور زکوۃ بھی اللہ عزوجل کا غنی پر فرض ہے حیلہ کرکے دو۲ واجبوں میں ایک کو ساقط نہ کرے، اللہ عزّوجل دلوں کی نیت جانتا ہے، ہاں حقیقۃً قدرت نہ ہو تو حیلہ مذکورہ عمدہ وسیلہ ہے جس سے دونوں واجب ادا ہوسکیں۔
وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ[1] (اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۲: مرسلہ مولوی نیاز محمد خاں بدایونی وارد حال مانوگاچہ ملک پیراک ۲ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ
فطرہ کا پیسہ کون کون سے کام میں صرف ہوسکتا ہے اور کس کس شخص کو دیا جاسکتا ہے؟

الجواب:
فطرہ کے مصارف بعینہٖ مصارفِ زکوۃ ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۳: از بریلی محلّہ کانکرٹولہ متصل مسجد خورد مرسلہ جناب الطاف علی صاحب ۱۳ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص اپنی والدہ اور ہمشیرہ کو باوجود بیوہ اور یتیم ہونے کے کچھ نہ دے اور وہ تکالیف اٹھاتی ہوں اس حالت میں اگر زید صاحبِ نصاب ہو اور زکوۃ صدقہ ادا کرے تو وہ قبول ہوگا یا نہیں؟ اور زید کے واسطے شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:
زید کی ماں اگر کوئی ذریعہ معاش نہیں رکھتی تو اس کا نفقہ زید پر فرض ہے یُوں ہی یتیم بہن کہ جس کی شادی نہ ہوئی ہو، نہ اس کے پاس کچھ مال ہو، ان کو نہ دینے سے اس پر گناہِ عظیم ہے۔ حدیث میں فرمایا:

کفٰی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت۔[2]	آدمی کے گناہگار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وُہ ایسے لوگوں کو محروم رکھے جن کا خرچہ اس کے ذمہ ہو۔ (ت)

رہی زکوۃ، وہ ماں کو نہیں دے سکتا بہن کو دے اور ماں کی خدمت اپنے پاس سے کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۴: از کاٹھیاواڑ مولوی سیف اللہ صاحب پیش امام جبت پور ۲۷ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ
کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے کرام وفضلائے عظام دامت علینا برکاتہم اس مسئلہ میں کہ بضرورت

---
[1] القرآن ۲/۲۲۰
[2] سنن ابی داؤد، کتاب الزکوۃ، باب فی صلۃ الرحم، آفتاب عالم پریس لاہور، ۱/۲۳۸، مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عمرو دارالفکر بیروت ۲/۱۹۵، ۱۹۴، ۱۶۰

زکوۃ کا روپیہ کوئی مسلمان قبضہ کرکے جو خود بھی مستحقِ زکوۃ ہو توسیعِ مسجد میں صرف کرے تو جائز ہے یا کس صورت سے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زکوۃ دہندہ نے اگر زرِ زکوۃ مصرف زکوۃ کو دے کر اس کی تملیک کردی تو اب اُسے اختیار ہے جہاں چاہے صرف کرے کہ زکوۃ اس کی تملیک سے ادا ہو گئی، یُوں ہی اگر مزکی نے زرِ زکوۃ اسے دیا اور ماذون مطلق کیا کہ اس سے جس طور پر چاہو میری زکوۃ ادا کردو اس نے خود بہ نیتِ زکوۃ لے لیا، اس کے بعد مسجد میں لگادیا تو یہ بھی صحیح وجائز ہے، یونہی اگر مزکی نے زرِ زکوۃ نکال کر رکھا تو فقیر نے بے اس کی اجازت کے لے لیا اور مالک نے بعد اطلاع اس کا لینا جائز کردیا اور اس کے بعد فقیر نے مسجد میں صَرف کیا تو یہ بھی صحیح ہے، اور اگر فقیر نے بطور خود قبضہ کرلیا اور مالک نے اُسے جائز نہ کیا یا بعد اس کے کہ یہ مسجد میں لگا چُکا، جائز کیا، تو زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ یونہی اگر مالک نے اسے روپیہ دیا اور وکیل کیا کہ میری طرف سے کسی فقیر کو دے دو یہ بھی فقیر ہے خود لے لیا اور مسجد میں لگادیا تو اب بھی زکوۃ ادا نہ ہوئی اگرچہ اسے ماذون مطلق کیا ہو کہ تملیک نہ پائی گئی اور اس پر روپے کا تاوان آئے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۵: از مقام ترسائی کاٹھیاواڑ مرسلہ احمد داؤد صاحب یکم جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ

فی زمانہ سیّدوں کا کوئی پُرسانِ حال نہیں، فاقوں تک بعض کی نوبت پہنچی ہے، ایسی صورت میں زکوۃ لینا یا بغیر اس عذر کے بھی زکوۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سیّد کو زکوۃ لینا دینا حرام ہے اور اسے دئے زکوہ ادا نہیں ہوتی، اور فاقوں پر نوبت اگر اس بنا پر ہو کہ نوکری یا مزدوری پر قدرت ہے اور نہیں کرنا چاہتا تو یہ فاقہ بھی عذر نہیں ہوسکتا کہ یہ اپنے ہاتھ کا ہے کیوں نہیں کسبِ حلال کرتا، اور اگر واقعی کسب پر قادر نہیں تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس کی اعانت کریں، اور اگر لوگ بے پروائی کریں اور اُسے کوئی ذریعہ رزق کا سوا زکوۃ لینے کے نہ ہو تو بقدر ضرورت لے اور قدر ضرورت میں صرف کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۶: از مرزا پور سول لائن بنگلہ مولوی محب اللہ صاحب ڈپٹی کلکٹر مرسلہ محمد عبدالقادر صاحب بدایونی ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

زید نے بکر کو صدقہ دیا، بکر کو علم ہے کہ صدقہ ہے، ایسی صورت میں بکر اُس مال کو سیّد کو دے سکتا ہے یا نہیں، اور وُہ مال بکر کی ملکیت ہے یا زید کی، جبکہ زید بکر کو دے چکا۔

الجواب:

جب زید نے بکر کو مال صدقہ میں دیا اور بکر قابض ہوگیا اور وہ محل صدقہ تھا یا نہ تھا اور زید جانتا تھا کہ بکر محلِ صدقہ نہیں غنی جان کر صدقہ دیا تو دونوں صورتوں میں بکر مالک ہو گیا،

فقد نص العلماء کما فی ردالمحتار وغیرہ ان الصدقۃ علی الغنی لھا اجروان کان دون اجر الصدقۃ علی الفقیر۔[1]	ردالمحتار وغیرہ میں علماء سے تصریح ہے کہ غنی پر صدقہ کا بھی اجر ہے مگر اس اجر سے یہ اجر کم ہوگا جو فقیر پر صدقہ سے حاصل ہوتا ہے۔(ت)

اور جب وہ مالک ہوگیا اور اپنی طرف سے سیّد کو نذر کرے نہ بطور صدقہ زکوٰۃ بلکہ بطور ہدیہ و ہبہ تو سیّد کو اس کا لینا جائز ہے اگر چہ بکر کو زکوٰۃ ہی دی گئی ہو،

قال علیہ الصلوۃ والسلام ف لك صدقۃ ولنا ھدیۃ۔[2] واللہ تعالٰی اعلم	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تمھارے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۲۷: مسئولہ محمد عمر جوان المعروف بہ قادری سکنہ موضع باسنی پر گنہ ناگوار مارواڑ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد واٰلہ واصحابہ اجمعین،

امّا بعد! کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ضلع مارواڑ تحت حکومت ناگوار میں ایک قصبہ ہے معروف بہ باسنی جہاں تخمیناً نوصد گھر مسلمانوں کے ہیں اور بفضلہٖ سب صغیر و کبیر برنا و پیر صوم صلوٰۃ کے اس حد تک پابند ہیں کہ سفر و حضر، صحت سقم، رنج وراحت غرضکہ ہرّ حالت میں نماز گزار اور پابندِ صلوٰۃ ہیں۔ قصبہ بھر میں شاذونادر کوئی ایسا بدبخت ہوگا جو نماز نہ پڑھتا ہو، اما بوجہ نہ ہونے علم کے احکامِ شرعیہ و مسائلِ ضروریہ سے محض نابلد ہیں، جہالت کی اس قدر گرم بازاری ہے کہ آبا واجداد کی رسوم کو کافی ووافی سمجھ کر مسائل شرعیہ سے (نہ بوجہ تعصب کے بلکہ بباعث نہ ہونے علم کے) یک لخت گریز ہے حق و باطل میں امتیاز ہو نہیں سکتا لیکن باوجود اس بات کے بھی اگر حُسنِ اتفاق سے کوئی عالم آجائے تو اس کے وعظ میں بیٹھ کر تحصیل فیضان کرتے ہیں، افعالِ بد پر متنبّہ ہونے کے بعد توبہ استغفار بھی کرتے ہیں اور کسی مسائل گو کی بات پر چنداں چُون وچرا بھی

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

[2] صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب اباحۃ الھدیۃ للنبی صلے اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۵

ف: صحیح مسلم میں الفاظ یُوں ہیں: ھو لھا صدقۃ ولنا ھدیۃ۔ نذیر احمد سعیدی)

نہیں کرتے مگر چونکہ قصبہ نراکانرا ہی علم سے معرّا ہے، کوئی وجود ایسا نہیں جو اس کی اصلاح ودرستی کرسکے، آخر قصبہ کے چند سربرآوردہ و دُور اندیش اصحاب نے سوچا اگر قصبہ میں ایک اسلامی مدرسہ کھول دیا جائے جس کے ذریعہ ایسے وجود و نفوس علمائے اسلام کہ قصبہ میں آرہیں جو علاوہ وعظ گوئی کے مدرسہ میں علمِ تجوید و تفسیر وحدیث وفقہ واصول ومعانی کا طلبہ کو درس بھی دیتے رہیں توالبتّہ قصبہ کی اصلاح حسبِ دلخواہ ممکن ہے، آخرانھیں حضرات مذکورالصدر کی سعی بلیغ سے مدرسہ کی عمارت تیار ہوکر سلسلہ تعلیم بھی شروع کردیا گیااور گاؤں کی اصلاح بھی روبہ ترقی ہے اور امید ہے کہ مدرسہ اگر قائم رہ گیا پوری درستی ہوجائیگی مگر چونکہ اتنے بڑے قصبہ کے طلباء صغار وکبار جو تخمیناً پانسو ہیں ان کی تعلیم کے لیے کم از کم دس مدرسین درکار ہیں، اور یہ انتظام بھی کرلیا گیا کہ جمیع طلباء داخل مدرسہ کرکے مدرسین بھی مقرر کرلیے مگر مصارف مدرسہ رقومِ زکوٰۃ سے متعلق ہیں، اب ہمیں تشویش ہے کہ زکوٰۃ کس حیلہ سے مصارفِ مدرسہ میں مثل مشاہرات مدرسین فرش وفروش و تیل وچراغ و نیز مثل اس کے ضروریاتِ مدرسہ میں خرچ ہوسکتے ہیں، آیا اس پر کوئی مفلس آدمی امین مقرر ہو کہ جس کے پاس سے حساب وغیرہ نہ لیا جائے یا اور حیلہ ہوسکتا ہے یا امین کے مزید شرائط ہوں غرضکہ مذہب حنفیّہ میں کوئی ایسا پہلو نکل آئے کہ جس سے مصارف مدرسہ میں جائز ہونے کا کوئی حیلہ نکل آیا جب تومدرسہ کی بقا کی امید قصبہ کی اصلاح کی صورت ہے ورنہ بدون ان رقوم کے اہلِ قصبہ میں اتنی وسعت نہیں کہ سوا زکوٰۃ کے اخراجاتِ مدرسہ کو اٹھاسکیں کیونکہ صاحبِ نصاب تو چند ہی ہوں گے باقی سب مسکین، اور اپنا نان و نفقہ قوتِ ضروری پیدا کرکے کھانے والے ہیں لیکن مسکین و متمول سب بالاتفاق مدرسہ میں امداد دہی کے لیے حاضر ہیں کسی کو اختلاف نہیں، جواب مدلل بدلائل قاطعہ وبراہینِ ساطعہ مطابق مذہب حنفیّہ مع صفحاتِ کتب ارقام ہو۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

زکوٰۃ کا رکن تملیک فقیر ہے جس کام میں فقیر کی تملیک نہ ہو کیسا ہی کارحسن ہو جیسے تعمیر مسجد یا تکفینِ میّت یا تنخواہِ مدرسانِ علمِ دین، اس سے زکوٰۃ نہیں ادا ہوسکتی۔ مدرسہ علمِ دین میں دینا چاہیں تو اس کے تین [۳] حیلے ہیں:

[۱] ایک یہ متولیِ مدرسہ کو مالِ زکوٰۃ دے اور اُسے مطلع کردے کہ یہ مال زکوٰۃ کا ہے۔ اسے خاص مصارفِ زکوٰۃ میں صرف کرنا، متولی اس مال کو جُدا رکھے اور مال میں نہ ملائے اور اس سے غریب طلبہ کے کپڑے بنائے، کتابیں خرید کردے یا اُن کے وظیفہ میں دے جو محض بنظرِ امداد ہو، نہ کسی کام کی اُجرت۔

[۲] دوسرے یہ کہ زکوٰۃ دینے والا کسی فقیر مصرفِ زکوٰۃ کو بہ نیتِ زکوٰۃ دے اور وُہ فقیر اپنی طرف سے کُل یا بعض مدرسہ کی نذر کردے۔

[۳] تیسرے یہ کہ مثلاً سَو روپے زکوٰۃ کے دینے ہیں اور چاہتا ہے کہ مدرسہ علمِ دین کی ان سے مدد کرے تو

مثلاً دس۱۰ سیر گیہوں کسی محتاج مصرفِ زکوٰۃ کے ہاتھ سَو روپے کو بیچے اور اسے مطلع کردے کہ یہ قیمت ادا کرنے کو تمھیں ہم ہی دیں گے تم پر اس کا بار نہ پڑے گا، وُہ قبول کرلے اس کے بعد سو روپیہ بہ نیتِ زکوٰۃ اس کو دے کر قابض کردے اس کے بعد اپنے گیہوں کی قیمت میں وُہ روپے اس سے لے لے، اگر وُہ نہ دینا چاہے تو یہ خود اس سے لے سکتا ہے کہ یہ اس کا عین حق ہے، اب یہ روپے مدرسہ میں دے، ان پچھلی دونوں صورتوں میں یہ روپیہ تنخواہ مدرسین وغیرہ ہر کارِ مدرسہ میں صرف ہوسکتا ہے والمسئلۃ فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر (اس مسئلہ کی تفصیل در اور دیگر معتبر کتب میں ہے۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم

رسالہ

الزّھرالباسم فی حُرمۃ الزکوٰۃ علٰی بنی ھاشم ۱۳۰۷ھ

(بنی ہاشم پر زکوٰۃ کی حُرمت کے بارے میں کِھلاہُوا شگوفہ)

مسئلہ ۱۲۸: مرسلہ مولوی حافظ محمد امیر اللہ صاحب مدرس اوّل عربیہ اکبریہ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ و صدقہ واجبہ دینا بجہت سقوط خمس الخمس جائز ہے یا نہیں؟

کفایہ میں ہے:

قوله ولا يدفع الىٰ بنى هاشم وفى شرح الاثار للطحاوى رحمه الله تعالىٰ عن ابى حنيفة رضى الله تعالىٰ عنه لا باس بالصدقات كلها على بنى هاشم والحرمة فى عهد النبى عليه الصلوٰة و السلام للعوض وهو خمس الخمس، فلما سقط ذٰلك بموته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حلت لهم الصدقة وفى النتف	قولہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہ دی جائے، شرح الاثار للطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے بنو ہاشم پر تمام صدقات کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات میں خمس الخمس کی وجہ سے حرام تھے، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کی وجہ سے خمس الخمس ساقط ہوگیا تو ان کے صدقات حلال ٹھہرے اور النتف میں ہے

یجوز الصرف الیٰ بنی ہاشم فی قوله خلافا لهما، وفی شرح الاٰثار ،الصدقة المفروضة والتطوع محرمة علی بنی هاشم فی قولهما وعن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ روایتان فیها قال الطحاوی رحمه الله تعالیٰ وبالجواز ناخذ انتهی۔[1] بینوا توجروا	کہ امام صاحب کے نزدیک صدقات کو بنی ہاشم پر خرچ کیا جاسکتا ہے مگر صاحبین کو اس میں اختلاف ہے۔ شرح الآثار میں ہے کہ صاحبین کے قول کے مطابق فرض و نفل صدقہ بنوہاشم پر ناجائز ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں دو ۲ روایات ہیں، امام طحاوی نے فرمایا کہ ہم جواز پر عمل کریں گے انتھی۔ بینوا توجروا (ت)

الجواب:

اللھم لك الحمد اَلھِم الصواب (اے اللہ! حمد تیرے ہی لیے ہے، اے اللہ! درستگی عطا فرما۔ت) بنی ہاشم کو زکوۃ و صدقات واجبات دینا زنہار جائز نہیں، نہ انھیں لینا حلال۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں اس کی تحریم میں آئیں، اور علتِ تحریم ان کی عزّت و کرامت ہے کہ زکوۃ مال کا مَیل ہے اور مثل سائر صدقاتِ واجبہ غاسل ذنوب، تو ان کا حال مثل ماءِ مستعمل کے ہے جو گناہوں کی نجاسات اور حدث کے قاذورات دھو کر لایا اُن پاک لطیف سُتھرے لطیف اہلبیت طیب و طہارت کی شان اس سے بس ارفع و اعلیٰ ہے کہ ایسی چیزوں سے آلودگی کریں، خود احادیثِ صحیحہ میں اس علّت کی تصریح فرمائی،

احمد ومسلم عن المطلب بن ربیعة عن الحارث رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم ان الصدقة لا تنبغی لاٰل محمد انما هی اوساخ الناس، [2] الطبرانی عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما انه لا یحل لکما اهل البیت من الصدقات شئی ولا غسالة الایدی، [3] هذا مختصرا، لطحاوی	مسند احمد اور مسلم میں ہے کہ مطلب بن ربیعہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ آلِ محمد کیلئے جائز نہیں کیونکہ یہ لوگوں (کے مال) کی مَیل ہے۔ طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اے اہلبیت! تمھارے لیے صدقات میں سے کوئی شئے حلال نہیں اور نہ ہی لوگوں کے ہاتھوں کی مَیل، یہ مختصراً ہے، طحاوی میں حضرت علی

[1] الکفایۃ مع فتح القدیر، باب من یجوز دفع الصدقۃ الیہ ومن لایجوز، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۱۱تا۲۱۳
[2] صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب تحریم الزکوۃ علی رسول اللہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۴۴
[3] المعجم الکبیر مروی از عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۱/۲۱۷

اعن علی کرم اللہ تعالٰی عنه قال قلت للعباس سل النبی اللہ تعالٰی علیه وسلم یستعملك علی الصدقات فسأله فقال ما کنت لا ستعملك علی غسالة ذنوب الناس۔[1]	کرم اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عباس سے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے گزارش کرو تاکہ تمھیں آپ صدقات کے لیے عامل مقرر فرمادیں تو حضرت عباس نے عرض کیا تو آپ نے فرمایا: میں تجھے لوگوں کے گناہوں کی مَیل پر عامل نہیں بناسکتا۔(ت)

اسی طرح کلماتِ علماء میں اس تعلیل کی بکثرت تصریحیں ہیں، رہا خمس الخمس **اقول: وباللہ التوفیق** اس کی تقریر، تحریم صدقات سے ناشی تھی نہ کہ تحریم صدقات اس کی تقریر پر مبتنی ہو،

فان اللہ تعالٰی لما حرم علیهم الصدقات رزقهم خمس الخمس لان اللہ تعالٰی لما رزقهم ذٰلك حرم علیهم الصدقات حتی لولم یسهم لهم ذلك لم یحرم علیهم غسالة السیأت وهل من دلیل علی ذلك بل الدلیل ناطق بخلافه وبعد تحریری هذاالمحل وجدت بحمد اللہ نصاعن الامام المجتهد التابعی مجاهد رحمه اللہ تعالٰی ان تقریر خمس الخمس مبتن علی تحریم الصدقة فقد روی ابن ابی شیبة والطبرانی عن خصیف ؎ عن مجاهد قال کان اٰل محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاتحل لهم الصدقة فجعل لهم خمس الخمس اھ[2]۔	کیونکہ اللہ تعالٰی نے بنوہاشم پر صدقات حرام فرمائے تو ان کے لیے خمس الخمس کو رزق کا ذریعہ بنایا، نہ یہ کہ جب خمس الخمس انھیں عطا فرمایا تو ان پر صدقات حرام فرمادئے حتی کہ اگر ان کے لیے یہ حصّہ نہ ہوتا تو ان پر گناہوں کی مَیل حرام نہ ہوتی اور اس پر کوئی دلیل ہے؟ بلکہ اس کے خلاف دلیل ناطق ہے۔ فقیر نے جب یہ اس مقام پر لکھا تو پھر بحمد اللہ مجتہد تابعی امام مجاہد رحمہ اللہ تعالٰی سے میں نے یہ تصریح پائی کہ خمس الخمس کا اثبات تحریم صدقہ کی بناپر ہے، محدّث ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے خصیف سے اور انھوں نے مجاہد سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آل کے لیے صدقہ حلال نہ تھا لہٰذا ان کے لیے خمس الخمس رکھا گیا اھ (ت)

اور سقوط عوض سے رجوع معوض وہیں ہے جہاں زوال معوض حصول عوض پر موقوف ہو،

کما فی البیع اذا سلم المشتری الثمن وهلك المبیع فی ید البائع رجع بالثمن	جیسا کہ بیع میں ہے جب مشتری رقم سپرد کردے اور مبیع، بائع کے قبضہ میں ہلاک ہوگیا تو مشتری ثمن واپس

[1] شرح معانی الآثار کتاب الزکوۃ باب الصدقۃ علٰی بنی ہاشم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۲

[2] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الزکٰوۃ، من قال لاتحل الصدقۃ علی بنی ہاشم، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳/۲۱۵

ف: ابن ابی شیبہ میں بطریق حصین عن مجاہد مروی ہے وفی ن خصیف انظر حاشیۃ مصنف ابن ابی شیبۃ صفحہ مذکورہ بالا۔ نذیر احمد سعیدی)

لان زوال الحق عن الثمن کان موقوفا علی حصول المبیع فاذالم یسلم المبیع عادالحق فی الثمن۔	لے سکتا ہے کیونکہ ثمن سے حق کا زوال، حصول مبیع پر موقوف تھا تو جب بائع نے مبیع سپرد نہ کیا تو حقِ ثمن لوٹ آئے گا۔(ت)

بخلاف اس کے کہ زوال معوض کسی اور علّت سے معلل ہو تو جب تک وُہ علّت باقی رہے گی زوال معوض بیشک رہے گا اگرچہ حصول عوض ہو یا عوض ہی ساقط ہو جائے۔

والالزم تخلف المعلول عن علته وذٰلك کا لمریض سقطت عنه فرضیة الوضوء لعلة الضر روعوض عنها بفرض التیمم، فان سقط التیمم ایضا لعدم وجدان الصعید الطیب مثلا لا تعود فرضیة الوضوء قطعا لبقاء الضرر المقتضی لسقو طها فاذن یسقطان جمیعا کذا ھذا۔	ورنہ معلول کا علّت سے تخلّف لازم آئے گا اور یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی مریض جس سے کسی ضرر کی بناء پر فرضیتِ وضو ساقط تھی اوراس کے عوض تیمّم تھا اب اگر پاک مٹّی نہ ہونے کی وجہ سے تیمّم بھی ساقط ہو جاتا ہے تو فرضیتِ وضو قطعًا لوٹ کر نہیں آئے گی اس ضرر کے باقی ہونے کی وجہ سے جس سے وُہ ساقط ہوتی تھی تو اب دونوں (وضواور تیمّم) کا اجتماعی طور پر سقوط ہو جائیگا، اسی طرح یہاں ہے(ت)

ثمّ اقول: (پھر میں کہتاہُوں۔ت) یہ جواب ہی اس وقت ہے جبکہ ہمیں خمس الخمس کا بایں معنی عوض صدقات ہونا مسلّم ہو کہ اگر تحریم صدقات نہ ہوتی تقریر خمس الخمس عمل میں نہ آتی اور یہ بے شک محلِ کلام ہے نہ اس پر کوئی دلیل قائم، ہم کہہ سکتے ہیں کہ تحریمِ صدقہ و تقریرِ سہم دونوں مستقل کرامتیں ہیں کہ حق عزمجدہ نے اہلبیت کرام کو عطا فرمائیں، اور لفظ، تعویض اوّل تو کسی حدیثِ ثابت سے اس وقت فقیر کے خیال میں نہیں **وما فی کتب الفقه عوضکم منها بخمس الخمس فغیر معروف کما صرح المخرجون** (یہ جو کتبِ فقہ میں ہے کہ صدقہ کے عوض خمس الخمس ہے تو یہ غیر معروف ہے جیسا کہ اصحابِ تخریج نے تصریح کی ہے۔ت) اور ہو بھی تو کھلا ہوا محاورہ دائرہ سائرہ ہے کہ ایک شئی جا کر جو دوسری ملتی ہے اسے اس کا عوض کہتے ہیں اگرچہ اُن میں ایک کا حصول دوسرے کے زوال پر موقوف ہو نہ ایک کا زوال دوسرے کے حصول کو مستلزم،

کما ان من مات له ولد ثم ولد اٰخر احسن منه یقال له نعم البدل وکما ان من طلق امرأة یدعو ربه ان ابدلنی خیرا منها مع	جیسا کہ کسی شخص کا ایک بیٹا فوت ہوگیا ہو پھر اس سے اچھا دوسرا بیٹا پیدا ہو تو اسے نعم البدل کہا جاتا ہے ___ اور جس طرح کوئی شخص عورت کو طلاق دیتا ہے اور اپنے رب سے دُعا کرتا ہے کہ

ان الوالدین و المرأتین کان یمکن ان یجتمعا والعوض والمعوض لا یجتمعان۔	مجھے اس کے بدلے بہتر بیوی عطا فرما، باوجودیکہ دونوں بیٹوں اور دونوں بیویوں کا اجتماع ممکن ہے حالانکہ عوض اور معوض دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔ (ت)

توہمیں ہرگز مسلّم نہیں کہ یہاں معاوضت عرفیہ کے سوا معاوضت مصطلحہ مراد ہو جس کی بنا پر ایک سقوط سے دوسرے کا عود عــہ چاہیں۔ لاجرم ظاہر الروایۃ میں ہمارے ائمہ ثلاثہ بالاجماع بنی ہاشم پر تحریم صدقات فرماتے ہیں کافہ متون علی الاطلاق اسی پر ماشی اور اجلّہ محققین اہل شروح و فتاوٰی وارباب تصحیح و فتوی مثل امام برہان الدین فرغانی صاحبِ ہدایہ و امام فقیہ النفس قاضیخاں وامام طاہر صاحبِ خلاصہ وامام نسفی صاحبِ کافی وغیرہم رحمہ اللہ تعالٰی علیہم بے اشعار خلاف اس پر جازم کہ مسئلہ میں کوئی روایتِ مرجوحہ مخالفہ آنے کی بو بھی نہیں دیتے قابلِ التفات سمجھنا تو درکنار اور جن بعض نے اس کا ذکر کیا ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ مذہب کے خلاف اور ظاہر الروایۃ سے جدا ہے جس کے حاکی فقط نوح جامع ہیں، [1] محقق علی الاطلاق فرماتے ہیں:

لاترفع الٰی بنی ہاشم ھذا ظاہر الروایۃ وروی ابو عصمۃ عن ابی حنیفۃ انہ یجوز فی ھذا الزمان۔[1]	بنوہاشم کو زکوٰۃ نہ دی جائے یہ ظاہر الروایۃ میں ہے۔ اور ابو عصمۃ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کیا ہے کہ اِس دور میں جائز ہے۔ (ت)

[2] مجمع الانہر میں ہے:

لاتدفع الٰی ھاشمی وھو ظاہر الروایۃ وروی ابو عصمۃ عن الامام انہ یجوز فی زمانہ اھ[2] ملخصا۔	بنوہاشم کو زکوٰۃ کا عدمِ جواز ظاہر الروایہ میں ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اس دَور میں جواز کی روایت بھی ہے اھ ملخصًا (ت)

[3] شیخ محقق دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

عدمِ جواز دفع زکٰوۃ بہ بنی ہاشم ظاہر روایت است و	بنوہاشم کو زکوٰۃ کا عدمِ جواز ظاہر الروایۃ ہے اور

عــہ: حاصل یہ کہ **اوّلًا** معاوضت مصطلحہ مراد ہونا محل کلام ہے اور اثبات، ذمہ مستدلین، ثانیًا عوضین میں مانعۃ الجمع ہونا ضرور ہے نہ منفصلہ حقیقیہ کو منع خلو بھی لازم ہو اور تمام استدلال اسی پر موقوف، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ غفرلہ (م)

---

[1] فتح القدیر، فصل من یجوز دفع الصدقۃ الیہ و من لایجوز الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۱۱

[2] مجمع الانہر باب فی بیان احکام المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۴

در روایتے از امام ابی حنیفہ جائز ست دریں زمان۔[1]	امام ابو حنیفہ سے ایک روایت میں اس زمانہ میں جائز ہے۔(ت)

در مختار میں ہے: ظاہر المذہب اطلاق المنع[2] (ظاہر مذہب ہر حال میں منع ہے۔ت) ردالمحتار و طحطاوی حاشیہ در مختار و حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے وروی ابو عصمۃ عن الامام انہ یجوز[3] (شیخ ابو عصمۃ نے امام صاحب سے نقل کیا کہ بنو ہاشم کو زکوۃ دینا جائز ہے۔ت) ذخیرۃ العقبٰی حاشیہ شرح وقایہ میں ہے:

روی عن الامام الاعظم جواز دفع الزکوٰۃ الی الھاشمی فی زمانہ۔[4]	امام اعظم سے روایت ہے کہ ہمارے دور میں ہاشمی کو زکوۃ دینا جائز ہے۔(ت)

شرح نقایہ برجندی میں فتاوٰی عتابی سے ہے: عن ابی حنیفۃ انہ یجوز[5] (امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ہاشمی کو زکوۃ دینا جائز ہے۔ت)

اقول: فلا علیك مما فی قول النتف المنقول فی السوال من الایھام۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) النتف میں جو کچھ منقول ہے اس سے وہم نہیں ہونا چاہئے۔(ت)

اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے ہمارے ائمہ کا قول نہیں بلکہ مرجوع عنہ ہے اور مرجوع عنہ پر عمل ناجائز۔ امام خیر الدین رملی عالمِ فلسطین اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

ھذا ھو المذھب الذی لا یعدل عنہ الی غیرہ وما سواہ روایات خارجۃ عن ظاہر الروایۃ، وما خرج عن ظاہر الروایۃ، وما خرج عن ظاہر الروایۃ فھو مرجوع عنہ لما قررہ فی الاصول من عدم امکان صدور قولین	یہ وُہ مذہب ہے جس کے غیر کی طرف عدول جائز نہیں، اس کے علاوہ دیگر روایات ظاہر الروایۃ سے خارج ہے، اور جو ظاہر روایت سے خارج ہو وہ مرجوع عنہ ہوتا ہے کیونکہ اصول میں مسلّمہ ہے کہ کسی مجتہد سے دو۲ مختلف مساوی اقوال صادر نہیں ہوسکتے لہٰذا مرجوع عنہ

[1] اشعۃ اللمعات، کتاب الزکوۃ باب لاتحل لہ الصدقۃ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۲۵/۲
[2] در مختار، باب المصرف، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۴۱
[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب المصرف دارالمعرفۃ بیروت ۱/۴۲۸
[4] ذخیرۃ العقبیٰ حاشیۃ شرح وقایہ، کتاب الزکوۃ باب المصارف منشی نولکشور کانپور، ۱/۱۳۸
[5] شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی مصارف الزکوۃ منشی نولکشور کانپور ۱/۲۰۷

مختلفین متساویین من مجتھد والمرجوع عنہ لم یبق قولا لہ کما ذکروہ وحیث علم ان القول ھو الذی تواردت علیہ المتون فھو المعتمد المعمول بہ الخ[1]	مجتہد کا قول نہیں رہے گا، جیسا کہ علماء نے تصریح کی ہے اور جب علم ہوجائے کہ فلاں قول متون میں برابر نقل ہورہا ہے تو وہی معتمد، اور اسی پر عمل کیا جائے گا الخ (ت)

اسی طرح بحر الرائق کی کتاب القضا میں ہے درمختار میں ہے:

المجتھد اذا رجع عن قول لا یجوز الاخذ بہ۔[2]	جب مجتہد کسی قول سے رجوع کرے تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں رہتا۔ (ت)

یوں ہی بحر کی کتاب الطہارۃ میں لکھ کر فرمایا: **کما صرح بہ فی التوشیح**[3] (جیسا کہ توشیح میں اس پر تصریح ہے۔ت) اب نہ رہا مگر امام اجل سیدی ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا بہ ناخذ (ہمارا اس پر عمل ہے) فرمانا **اقول: وباللہ التوفیق** (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) اگر مان بھی لیا جائے کہ امام طحاوی اسی روایتِ شاذہ کو اختیار فرماتے ہیں تاہم معلوم ہے کہ اُن کے لیے بعض اختیارات مفردہ ہیں کہ بترک مذہب ان پر عمل کے کوئی معنی نہیں ان کی جلالتِ شان بیشک مسلّم مگر عظمت قاہرہ اصل مذہب چیزے دیگر ست، پھر اطباقِ احادیث پھر اتفاق متون پھر احقاق جماہیر ائمہ ترجیح وفتیا ایسی شیئ نہیں جس کا پلّہ اختیار مفرد امام طحاوی کے باعث گرسکے آخر ائمہ کرام نے ان کا **بہ ناخذ** (ہمارا اسی پر عمل ہے۔ت) فرمانا دیکھا، پھر کیا باعث کہ اصلاً اُدھر التفات نہ فرمایا، غرض خادم فقہ جانتا ہے کہ ایسی روایت مرجوحہ مجروحہ جو نہ روایۃً معتمد نہ درایۃً مؤید، صرف ایک اختیار کی بناپر جسے جمیع متون وسائر مرجحین نے مقبول نہ رکھا ہرگز صالح تعویل نہیں ہوسکتی، یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ امام طحاوی کا روایتِ جواز کو اختیار فرمانا تسلیم کرلیں ورنہ فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کے نزدیک اگر کلام امام طحاوی کی طرف بنظرِ غائر عطف عنان ہو تو **اِن شاء اللہ تعالٰی** سپیدہ صبح کی طرح ظاہر وعیاں ہو کہ وہ قطعاً ظاہر الروایۃ ہی کو **بہ ناخذ** (اسی پر ہمارا عمل ہے۔ت) فرمارہے ہیں اگرچہ یہ وُہ نئی بات ہے جسے سُن کر بہت علمائے زمانہ سخت تعجب فرمائیں گے کہ ۱کفایہ و ۲شرح نقایہ قہستانی و ۳مراقی الفلاح و ۴غمز العیون و ۵درمنتقی و ۶مجمع الانہر و ۷حاشیہ طحطاوی و ۸عقود دریہ وغیرہا متعدد کتابوں میں امام طحاوی کی طرف اختیار جواز کی نسبت مصرح، مگر کیا کیجئے کہ اتباع نظر

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳

[2] درمختار، فصل فی البئر، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۴۱

[3] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۳۸

خواہی نخواہی فقیر کو ایضاح حقیقۃ الامر پر مجبور کرتا ہے **فاستمع لما یتلی علیک** (کی جانے والی گفتگو کو اچھی طرح ملاحظہ کیجئے۔ت) امام اجل طحاوی نے اپنی کتاب مستطاب شرح معانی الآثار کی کتاب الزکوۃ میں پہلا باب لاصدقۃ علی بنی ہاشم وضع فرمایا اور اس میں ایک حدیث نقل کرکے ارشاد کیا کچھ لوگ اس کی بناء پر بنی ہاشم کے لیے صدقہ جائز رکھتے ہیں پھر اُن کے تمسک کا جواب شافی دیا پھر حدیثِ فدک سے اُن کا استناد ذکر کرکے اُس کا بھی جواب کافی تحریر کیا پھر فرمایا:

قد جاءت ھذہ الاثار عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم متواترۃ بتحریم الصدقۃ علٰی بنی ھاشم۔[1]	ان آثار کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر طور پر احادیث سے ثابت ہے کہ بنو ہاشم پر صدقہ حرام ہے۔(ت)

پھر احادیث امام حسن مجتبٰی وعبداللہ بن عباس وعبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث و سلمان فارسی وابو رافع وہرمزیا کیسان ورشید بن مالک وابی لیلٰی وبریدہ اسلمی وانس بن مالک ودو حدیث ابی ہریرہ ودو حدیث معٰویہ بن حیدہ قشیری رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین چودہ حدیثیں حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے باسانید کثیر روایت کرکے فرمایا:

فھذہ الاثار کلھا قد جاءت بتحریم الصدقۃ علی بنی ہاشم لانعلم شیأ نسخھا ولا عارضھا الاما قد ذکرناہ فی ھذاالباب مالیس فیہ دلیل علٰی مخالفتھا۔[2]	یہ تمام آثار بنو ہاشم پر صدقہ کی حرمت پر شاہد ہیں، ہمیں ان کے منسوخ ہونے یا انکے مقابل روایات کا علم نہیں مگر جو کچھ ہم نے اس باب میں ذکر کیا ہے وُہ کوئی ایسی دلیل نہیں جو ان آثار کی مخالفت پر ہو۔(ت)

پھر حدیثًا وفقہًا اس مذہب کو مدلّل کیا کہ زکوۃ تو زکوۃ صدقہ نافلہ بھی بنی ہاشم پر حرام ہے اُن کے فقراء بعینہٖ حکمِ اغنیاء رکھتے ہیں، جو غنی کے لیے جائز ہے انھیں بھی مباح ہے اور جو غنی کو حلال نہیں اُنھیں بھی روا نہیں، پھر فرمایا:

ھذا ھو النظر فی ھذاالباب وھو قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمھم اللہ تعالٰی۔[3]	اس باب میں یہی دلیل ہے اور یہی امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی کا قول ہے(ت)

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الزکوۃ باب الصدقۃ علٰی بنی ہاشم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۳۴۹

[2] شرح معانی الآثار، کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ علٰی بنی ہاشم، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۲

[3] شرح معانی الآثار، کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ علٰی بنی ہاشم، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۲

اس کے بعد اس روایت کا یوں ذکر فرمایا کہ:

قد اختلف ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ فی ذٰلك فروی انه قال لا باس بالصدقات کلها علیٰ بن هاشم وذهب فی ذٰلك عندنا الی ان الصدقات انما کانت حرمت علیهم من اجل ماجعل لهم فی ا لخمس من سهم ذوی القربیٰ فلما انقطع ذٰلك عنهم ورجع الیٰ غیرهم بموت رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم حل لهم بذٰلك ما قد کان محرما علیهم من اجل ماقد کان احل لهم وقد حدثنی سلیمان بن شعیب عن ابیه عن محمد عن ابی یوسف عن ابی حنیفة فی ذٰلك مثل قول ابی یوسف فبهٰذا ناخذ۔[1]	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے مختلف روایات میں سے ایک روایت یہ ہے کہ بنو ہاشم پر تمام صدقات خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اس میں ہمارے ہاں دلیل یہ ہے کہ صدقات بنی ہاشم پر حرام ہونے کی وجہ یہ تھی کہ خمس کے ذوی القربٰی کے حصہ میں سے پانچوں حصہ ان کا ہوتا تھا، رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب ان کا وہ حصہ منقطع ہو کر غیر کی طرف چلا گیا تو اب ان کے لیے وُہ حلال ہو جائے گا جو ان پر حرام ہُوا تھا اس وجہ سے کہ ان پر خمس حلال تھا، مجھے حدیث بیان کی سلیمان بن شعیب نے اپنے والد سے انھوں نے محمد سے انھوں نے ابو یوسف سے انھوں نے امام ابو حنیفہ سے اس سلسلہ میں ابو یوسف کے قول کے مطابق نقل کیا ہے پس اس کے ساتھ ہی ہمارا عمل ہے۔ (ت)

پھر فرمایا:

فان قال قائل افتکرهها علی موالیهم قلت نعم لحدیث ابی رافع ن الذی قد ذکرنا ہ فی هذا الباب وقد قال ذٰلك ابو یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ فی کتاب الاملاء وما علمت احدا من اصحابنا خالفه فی ذلک۔[2]	اگر کوئی سوال اٹھائے کہ بنو ہاشم کے والی کے لیے مکروہ ہے تو میں کہوں گا ہاں اس حدیث کی وجہ سے جو ابو رافع سے مروی ہے اور ہم نے اس باب میں اسے ذکر کر دیا ہے، اور یہی بات امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب الاملاء میں کہی ہے اور میں نہیں جانتا کہ ہمارے اصحاب میں سے کسی نے اس کی مخالفت کی ہو۔ (ت)

[1] شرح معانی الآثار، کتاب الزکوۃ باب الصدقۃ علی بنی ہاشم، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/ ۳۵۲
[2] شرح معانی الآثار، کتاب الزکوۃ باب الصدقۃ علی بنی ہاشم، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/ ۳۵۲

پھر فرمایا:

فان قال قائل افتکرہ للهاشمی ان یعمل علی الصدقة قلت لا وقد کان ابو یوسف یکرہ اذا کانت جعالتهم منها وخالف ابا یوسف اٰخرون فقالوا لاباس ان یجتعل منها الهاشمی لانه انما یجتعل علی عمله وذٰلك قد یحل للاغنیاء فلا یحرم علی بنی هاشم الذین یحرم علیهم الصدقة وقد روی عن رسول اللهصلی اللهتعالٰی علیه وسلم فیما تصدق علٰی بریرة انه اکل منه (ثم اسند الطحاوی فی ذٰلك احادیث عن امهات المؤمنین عائشة وجویریة وام سلمة وعن ابن عباس وام عطیة رضی اللهتعالٰی عنهم ثم قال) فلما کان ماتصدق به علی بریرة رضی اللهتعالٰی عنها جائزاللنبی صلی اللهتعالٰی علیه وسلم اکله لانه انما ملکه بالهدیة جاز ایضا للهاشمی ان یجتعل من الصدقة لانه انما یملکه بعمله لا بالصدقة فهذاهو النظروهواصح مما ذهب الیه ابو یوسف رحمه اللهتعالٰی فی ذلك اھ[1] ملخصًا۔	اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ہاشمی کے لیے صدقات کیلئے عامل بننا مکروہ ہے تو میں کہوں گا کہ نہیں، امام ابویوسف ان کی تنخواہ کو صدقات میں مکروہ کہتے ہیں، لیکن دوسرے لوگوں نے امام ابویوسف کی مخالفت کرتے ہُوئے کہا کہ ہاشمی کو اس میں تنخواہ ووظیفہ دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ اس کے عمل و محنت پر دیا جارہا ہے اور یہ تو اغنیاء کے لیے بھی جائز ہے تو اب ان بنوہاشم پر یہ کیسے حرام ہوسکتا ہے جن پر صدقہ حرام تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صدقہ بریرہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے اس سے تناول فرمایا (پھر اس کے بعد امام طحاوی نے سند کے ساتھ امہات المومنین حضرت عائشہ، حضرت جویریہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ابن عباس اور حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے احادیث ذکر کیں، پھر کہا) حضرت بریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا پر کئے گئے صدقہ کا تناول کرنا رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز تھا کیونکہ آپ بطور ہدیہ اس کے مالک قرار پائے تو اب ہاشمی کے لیے بھی صدقہ بطور وظیفہ جائز ہوگا، کیونکہ وہ عمل کی وجہ سے اس کا مالک بن رہا ہے نہ کہ صدقہ کی بناپر۔ بس یہ اس میں نظر ہے اور یہی مختار ہے اور یہ اس معاملہ میں اقوال ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی میں سے اصح ہے اھ ملخصًا (ت)

اب اس کلام امام کے محاوی ظاہرہ و مطاوی باہرہ پر نظر کیجئے:

[1] شرح معانی الآثار کتاب الزکوۃ باب الصدقۃ علٰی بنی ہاشم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۳-۳۵۲

اول: شروع سخن سے دلائل تحلیل کارد۔

دوم: دلائل تحریم کی تکثیر میں کد۔

سوم: اُن کاآغازیُوں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تحریم میں متواتر حدیثیں آئیں۔

چہارم: ختم یُوں کہ ہمارے علم میں ان حدیثوں کا کوئی ناسخ یا عارض نہیں سواان چیزوں کے جو اہل تحلیل نے ذکر کیں اور وُہ اصلاً اُن کی مؤید نہیں۔

پنجم: حدیثاً وفقہاً ثابت فرمانا کہ نہ صرف زکوۃ یا دیگر واجبات بلکہ مطلقاً تمام صدقات بنی ہاشم پر حرام ہیں یہاں تک کہ نافلہ بھی، اور یہی مذہب ائمہ ثلاثہ کا ہے۔

ششم: صاف صاف حصر فرمادینا کہ اسباب میں یہی مقتضائے نظر فقہی ہے، اب روایت خلاف کے لیے کہاں گنجائش رکھی، حدیثیں بے ناسخ و معارض متواتر نظر فقہی اسی میں منحصر، پھر اختیار خلاف کس دلیل سے صادر۔ یہ چھ قرینے تو سباق میں ہیں اب سیاق کی طرف چلئے کہ دلائل دیکھئے۔

ہفتم: روایت کے اختلاف اور اپنے اختیار کو ذکر کرکے بایراد فائے تعقیب سوال قائم فرماتے ہیں کہ اس پر کوئی مجھ سے پُوچھے بھلا بنی ہاشم کے غلامان آزاد شدہ کے لیے اخذ زکوۃ ممنوع جانتے ہو، **سبحان اللہ** اگر **اس به ناخذ** (اسی پر ہمارا عمل ہے۔ ت) کے معنی یہی تھے کہ امام طحاوی نے خود بنی ہاشم کو زکوۃ حلال مانی تو اب اس سوال کا کون سا موقع اور کیا محل تھا، موالی تو اس فرعیت کی بناء پر داخل ہوئے تھے کہ **مولی القوم منهم** (کسی قوم کا غلام اُنہی میں سے ہوتا ہے۔ ت) جب اصول کے لیے جواز ٹھہرا فروع کی نسبت کیا پوچھتا رہا۔

ہشتم: اس سوال کا جواب سُنئے کہ میں فرماؤں گا ہاں یعنی میرے نزدیک موالی بنی ہاشم کو اخذِ زکوۃ ممنوع ہے کہ حدیث ابورافع اسی پر ناطق اور ارشاد امام ابی یوسف موافق اور بقیہ ائمہ سے خلاف نامعلوم، **سُبحان اللہ** کہاں بنی ہاشم کے لیے زکوۃ جائز ماننا اور کہاں اُن کے غلاموں پر حرام جاننا۔

نہم: پھر حدیث ابورافع تو یونہی تھی کہ:

ان اٰل محمد لا یحل لهم الصدقة وان مولی القوم من انفسهم۔[1]	آلِ محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کے لیے صدقہ حلال نہیں اور قوم کا غلام اُنھی میں سے ہوتا ہے (ت)

کیا معنی کہ حدیث کا فرعی حکم اس وجہ سے کہ حدیث وارد ہے اخذ فرمائیں اور اسی حدیث کا اصلی حکم جس پر اس کے ساتھ اور احادیث متواترہ بھی ناطق ترک کرجائیں **فافهم ولاتعجل۔**

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الزکوۃ باب الصدقۃ علٰی بنی ہاشم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۱

دہم: جو بنی ہاشم کے لیے جواز ماننے اور موالی پر حرام جانے، حدیث ابورافع ہرگز اس کے لیے حجت نہیں بلکہ صاف اس پر منقلب ہے کہ اُس میں مولائے قوم کو حکم قوم میں فرماتے ہیں جب حکم قوم جواز ہے حکم مولٰی بھی لاجرم جواز ہوگا ورنہ موالی بالذات مستحق تحریم نہیں تو برتقدیر اختیار جواز امام طحاوی کا یہ استدلال بالمخالف ٹھہرتا ہے۔

یازدہم: طرفہ یہ کہ فرماتے ہیں امام ابویوسف نے مولٰی پر زکوۃ ناروامانی اور ہمیں اپنے باقی ائمہ سے اسکا خلاف معلوم نہیں، خلاف تو بنابنایا پیشِ نظر ہے کہ جس روایت میں خود بنی ہاشم کو زکوۃ روا ہوئی، مولٰی کے لیے بدرجہ اولٰی ہوئی، تو لاجرم وہ اس روایت کو نظر سے ساقط اور نا قابلِ اعتداد جانتے ہیں، جب تو علم خلاف کی نفی فرماتے ہیں۔

دوازدہم: اس کے بعد دوسرا سوال قائم کرتے ہیں کہ بھلا تمھارے نزدیک بنی ہاشم کا تحصیلِ زکوۃ پر متعین ہو کر اس کی اجرت لینا بھی جائز ہے یا نہیں۔ سبحان اللہ! جب حقیقت زکوۃ انھیں جائز کر چکے تو شبہ زکوۃ میں کلام کا کیا موقع رہا، اگر امام طحاوی کی وہی مراد ہوتی تو میں ان دونوں سوالوں کی مثال اس سے بہتر نہیں جانتا کہ عالم شافعی المذہب کہے میرے نزدیک بنت الفجور سے نکاح حلال ہے زید پُوچھے بھلا اس کی دختر رضاعی بھی حلال جانتے ہو یا نہیں، یا وہ کہے میرے نزدیک زنا موجب حرمت مصاہرت نہیں، زید پوچھے بھلا بے نکاح مس میں کیا کہتے ہو۔

یہ چھ دلائل جلائل سیاق میں تھے، اب نفس عبارت پر نظر کیجئے کہ اس کی شہادت سب سے اتم واکمل و قاطع جدل ہے۔ امام طحاوی نے بنی ہاشم پر مطلق صدقات کی حرمت ثابت کرکے فرمایا: یہ امام ابوحنیفہ وامام ابویوسف وامام محمد کا مذہب یعنی ان سے ظاہر الروایۃ ہے کہ قول نہیں کہتے مگر ظاہر الروایۃ کو، پھر امام سے اختلاف روایت ذکر کیا اور اول بلفظ روی عنہ کہ صریح ضعفِ روایت پر دلیل ہے وہ روایتِ شاذہ بلا سند ذکر کی پھر بسند متصل نقل کیا کہ امام کا قول مثل قول امام ابویوسف ہے اور اس پر فرمایا **فبھذا ناخذ**۔ اب دیکھ لیجئے کہ امام طحاوی نے امام ابویوسف کا کیا مذہب بیان فرمایا تھا جس پر حوالہ کرتے ہیں کہ ہمیں اس سند کے ساتھ امام سے اسی مذہب ابویوسف کے مطابق پہنچا، آخر وُہ نہ تھا مگر اطلاق تحریم، تو قطعًا اسی کو **بھذا ناخذ** فرما رہے ہیں، یہ تو یقینًا معلوم کہ اوپر امام ابویوسف کا کوئی قول نہ گزرا مگر تحریم، اور یہ بھی نہایت واضح و جلی کہ حوالہ نہیں کرتے، مگر امر مذکور پر لاجرم ماننا ہوگا کہ اختلافِ روایت بتا کر پہلے لفظ **روی عنہ** روایت ابوعصمہ روایت کی پھر **وحدثنی** (مجھے بیان کیا۔ ت) سے مذہب تحریم کہ اصول اسی طریق **محمد عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ** (امام محمد نے امام ابو یوسف سے انھوں نے امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالٰی سے روایت کیا۔ ت) سے مروی رنگ اسناد دیا اور اسی کو **بھذا ناخذ** (اسی پر عمل ہے۔ ت) سے مذیل کیا، اب سارا بیان اوّل سے آخر تک

منتظم و ملتئم ہوگیا اور تمام اعتراضات واستغربات دفعۃً دفع ہوگئے و **اخذ الکلام بعضہ بحجر بعض** (ورنہ یہ تو بعض کلام کو لینا اور بعض کو چھوڑنا ہے۔ت)

تامل کیجئے تو کلامِ امام کا یہ وہ یقینی محمل ہے جس کے سوا دوسرا محتمل نہیں اور ہنوز اس کے مؤیدات نفس کلام و دیگر وجوہ سے بکثرت باقی ہیں مثلاً:

سیزدہم: آشنائے کلامِ محدثین جانتا ہے کہ وہ جس قول کو مسنداً لاتے ہیں یا تو سند لکھ کر اُسے بیان فرماتے ہیں **وھو الاکثر** (اکثر کا طریقہ یہی ہے۔ت) یا قول بیان کرکے سندیُوں ذکر کرتے ہیں کہ **حدثنی بذلك فلان عن فلان** یا **حدثنی فلان عن فلان مثلہ** (مجھے فلاں سے فلاں نے بیان کیا فلاں نے فلاں سے اسی کی مثل بیان کیا۔ت) تاکہ اسناد مسند سے مرتبط ہوجائے نہ یُوں کہ بالکل تغایر وانقطاع رہے کہ **روی عن ابی حنیفۃ کذا وحدثنی فلان عن ابی حنیفۃ** (امام ابوحنیفہ سے اسی طرح مروی ہے اور مجھے فلاں نے امام ابوحنیفہ سے فلاں کی مثل قول کیا ہے۔ت)

چہاردہم: اگر ایسا ہی مانئے تو ضرور ہے کہ قولِ ابی یوسف بھی جواز ہو حالانکہ قولِ ابی یوسف قطعًا تحریم ہے بلکہ قول درکنار شاید اُن سے کوئی روایت شاذہ بھی مثل روایت نوح نہیں۔

پانزدہم: خود امام طحاوی چند سطر کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ قول ابی یوسف موالی پر بھی تحریم ہے نہ کہ خود اصول کے لیے جواز۔

شانزدہم اور چند سطر بعد فرمایا قول ابی یوسف میں ہاشمی کو شبہ زکوۃ روا نہیں یعنی اپنے عمل کی اُجرت مالِ زکوۃ سے لینا، پھر اجازت حقیقت چہ معنی، تو لاجرم قول ابی یوسف وہی تحریم ہے اور اس سند کا متن اسی پر محول، اور وہی **بھذا ناخذ** (اسی پر ہمارا عمل ہے۔ت) سے مذیل۔

ہفدہم اوپر سُن چکے کہ روایتِ جواز روایت نوح ابن ابی مریم ابوعصمہ مروزی تلمیذ امام ابوحنیفہ و امام ابی لیلٰی و کلبی ہے اور امام طحاوی اپنی روایت اپنی روایتِ مختارہ کو بطریق سلسلۃ الذہب **محمد عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ** (امام محمد نے امام ابو یوسف سے اور انھوں نے ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے۔ت) روایت فرماتے ہیں اگر وہی روایت اس طریق سے مروی ہوتی **روی ابو یوسف عن ابی حنیفۃ** (امام ابویوسف نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا۔ت) کہا جاتا، نہ **روی ابو عصمۃ** (شیخ ابوعصمہ نے روایت کیا۔ت) کہ مہر عالم افروز کو چھوڑ کر چراغ کی طرف نہیں جاتے نہ ہرگز فقہاء کا داب کہ امام کی وُہ روایتیں جو بطریق صاحبین مروی ہیں کسی اور کے نام سے منسوب کیا کریں خصوصًا وُہ صاحب بھی ایسے کہ جن کی نسبت کلامِ ائمہ معلوم ہے، نہیں نہیں بلکہ بیشک یہ روایت جسے **بھذا ناخذ** (اسی پر ہمارا عمل ہے۔ت) فرمایا، انہی روایاتِ اصول سے ہے جو

اس طریقہ انیقہ صاحبین سے آتی ہیں۔ یہ مجموع اٹھارہ باتیں تواس نفس عبارت میں ہیں جن کے بعد ان شاء اللہ تعالٰی وضوح حقیقۃ الامر میں اصلاً مجالِ کلام نہیں اس کے سوا بعض دلائل قاہرہ و باہرہ اسی شرح معانی الآثار کے دوسرے مقام سے سُنیے جس سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ امام طحاوی اُس روایت مردودہ کے اصل مبنی یعنی بنی ہاشم کے لیے خمس الخمس عوض صدقات ہونے ہی کا بہ نہایت شدومد انکارِ بلیغ فرماتے ہیں کتاب وجوہ الفیئ و خمس المغانم میں ایک قول فرمایا کہ بعض کے نزدیک آیہ کریمہ میں ذوی القربٰی سے صرف بنی ہاشم مراد ہیں کہ اللہ تعالٰی نے جبکہ ان پر صدقہ حرام کیا یہ خمس کا حصہ اس کا عوض دیا، پھر اس کا رَد فرماتے ہیں کہ:

ان قولھم ھذا عندنا فاسد لان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لما حرمت الصدقۃ علی بنی ہاشم قد حرمھا علی موالیھم کتحریمہ ایاھا علیھم وتواترت عنہ الاٰثار بذٰلک۔[1]	علماء کا قول ہے کہ یہ ہمارے نزدیک فاسد ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جب صدقہ بنو ہاشم پر حرام فرمایا تو آپ نے ان کے غلاموں پر بھی اسی طرح حرام فرمایا جس طرح بنو ہاشم پر حرام ہے اور اس پر آپ سے متواتر آثار ہیں۔(ت)

پھر احادیث ابن عباس وابورافع وہرمز یا کیسان رضی اللہ تعالٰی عنہم ذکر کرکے فرمایا:

فلما کانت الصدقۃ المحرمۃ علٰی بنی ھاشم قد دخل فیھم موالیھم ولم یدخل موالیھم معھم فی سھم ذوی القربی باتفاق المسلمین ثبت بذٰلک فساد قول من قال انما جعلت لذی القربٰی فی اٰیۃ الفیئ وفی اٰیۃ خمس الغنیمۃ بدلا مما حرم علیھم الصدقۃ۔[2]	صدقہ کی حرمت میں بنوہاشم کے ساتھ ان کے غلام بھی شامل تو ہیں مگر ذوی القربٰی کے حصّہ میں بالاتفاق بنوہاشم کے ساتھ شامل نہیں اس سے ان لوگوں کے قول کا فساد واضح ہوگیا جو کہتے ہیں کہ ایک آیت فیئ اور آیت خمسِ غنیمت میں جو کچھ حضور کے رشتہ داروں کے لیے مقرر کیا گیا یہ اس صدقہ کے عوض ہے جو اُن پر حرام کردیا گیا ہے(ت)

پھر دوسری دلیل نظری سے اس عوض ہونے کا فساد ثابت کرکے فرمایا:

فدل ذٰلک ان سھم ذوی القربٰی لم یجعل لمن لہ خلفا من الصدقۃ التی	یہ اس پر دال ہے کہ ذوی القربٰی کا حصہ جن لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے وہ ان پر حرام کردہ

---
[1] شرح معانی الآثار کتاب وجوہ الفیئ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۸۴
[2] شرح معانی الآثار کتاب وجوہ الفیئ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۸۴

حرمت علیہ۔[1]	صدقہ کا عوض نہیں۔(ت)

پھر تصریح کی کہ بنی ہاشم پر صدقہ حرام ہے اور اسے احادیثِ متعددہ سے ثابت فرما کر ارشاد کیا:

افلا یری ان الصدقة التی تحل لسائر الفقراء من غیر بنی ھاشم من جھة الفقر لاتحل لبنی ھاشم من حیث تحل لغیرھم فکذٰلك الفیئ الغنیمة لوکان مایعطون منھا علی جھة الفقر اذا لماحل لھم۔[2]	کیا وہ یہ ملاحظہ نہیں کرتے کہ بنو ہاشم کے علاوہ فقر کی وجہ سے تمام فقراء کے لیے صدقہ حلال ہے، لیکن بنو ہاشم پر اس علت کی بنا پر حلال نہیں جس کی بنا پر اوروں کے لیے حلال ہے تو اسی طرح فیئ اور غنیمت، اگر یہ فقر کی وجہ سے انھیں عطا کئے جائیں تو یہ بھی ان کے لیے حلال نہ ہونگے۔(ت)

اب بھی کچھ وضوح حق باقی رہا وللہ الحمد ھٰکذا اینبغی التحقیق اللہ سبحانہ ولی التوفیق (اللہ تعالٰی ہی کے لیے ہے حمد وثناء اور تحقیق کے لیے ہی مناسب ہے اللہ سبحانہ وتعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ت) رہا کہ امام طحاوی ضمن کلام میں اُس روایت کی ایک توجیہ ذکر فرماگئے کہ ہمارے خیال میں اس روایت کی بنا پر امام کی نظر اس طرف گئی، حاشا یہ اصلاً اس کے اختیار سے علاقہ نہیں رکھتا، علماء کا داب ہے کہ اقوال مختلفہ میں ہر ایک کی دلیل ذکر فرماتے ہیں ہدایہ وکافی وغیرہما اس رنگ کی کتابیں اسی انداز پر ہیں، پھر مختار وہی ہے جو مختار ہے اور قول کو صرف ابویوسف کی طرف نسبت کرنا کچھ مستغرب نہیں کہ امام سے تو اختلاف روایت کا بیان ہی ہے اور صاحبین میں اعظم واقدم ابویوسف ہیں، معہذا مذہب تو سب کا اوپر لکھ ہی چکے، یہاں فقط بتادینا تھا بالجملہ کلام امام طحاوی بہ اعلٰی ندامنادی، کہ وہ ہرگز اس روایت ضعیفہ کی ترجیح وتصحیح کے پاس بھی نہیں بلکہ قطعًا تحریم پر جازم، اور اس میں بھی یہاں تک جازم کہ تحریم نافلہ پر بھی حاکم، کما ھو المرجح عند المحقق علی الاطلاق والبعض الاٰخرین من الحذاق (جیسا کہ محقق علی الاطلاق اور بعض دیگر اکابرین کے نزدیک راجح ہے۔ت) غالبًا ابتداء میں بمقتضائے یابی اللہ العصمة الالکلامه وکلام رسوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم (عصمت صرف کلام اللہ اور کلامِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے۔ت) بعض علمائے ناقلین کی نظر نے لغزش فرمائی اور بھذا ناخذ (اسی پر ہمارا عمل ہے۔ت) کی مشارالیہ وُہ روایت ضعیفہ خیال میں آئی پھر علمائے مابعد، نقل در نقل فرماتے چلے آئے نقد یا مراجعت کا اتفاق نہ ہُوا

[1] شرح معانی الآثار، کتاب وجوہ الفیئ وقسم الغنائم، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۸۴/۲
[2] شرح معانی الآثار کتاب وجوہ الفیئ وقسم الغنائم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۹۴/۲

ورنہ حاش للہ ان کی جلیل شانیں اس سے بس ارفع ہیں کہ بامعاون وتدبر شرح آثار پر نظر فرماتے اور اس کی عبارت کے یہ معنی ٹھہراتے، علامہ زین نجیم مصری بحرالرائق میں فرماتے ہیں:

قدیقع کثیر ا ان مولفایذکر شیأ خطأ فی کتابه فیأتی من بعده من المشائخ فینقلون تلك العبارة من غیر تغییر فیکثر الناقلون لهاواصلها الواحد مخطی الخ[1]	بہت دفعہ ایسا ہوجاتا ہے کہ ایک مصنف اپنی کتاب میں خطا کرتا ہے تو بعد کے مشائخ اسے بغیر کسی تبدیلی کے نقل کردیتے ہیں، ناقلین کثیر ہوجاتے ہیں حالانکہ اصل خطا کرنے والا ایک ہی تھا الخ (ت)

مشتغل علم اگرچہ میری اس طویل تقریر کو بالکل گوش ناآشنا پائے گا مگر امید کرتاہوں کہ ان شاء اللہ تعالٰی اس مقام کی تنقیحِ جمیل و تنقیدِ جلیل برکات علماء سے اس بے بضاعت کا حصہ تھا ع

وللارض من کاس الکرام نصیب (زمین کے لیے بھی سخیوں کے دستر خوان سے حصّہ ہوتا ہے)

فتبصر وتشکر و الحمد للہ الاکبر. وانما اطلنا الکلام فی هذاالمقام لما بلغنا عن بعض علماء العصر من اجلة رامفور من اباحة الزکوٰة لحضرات الاشراف اغترارا بتلك الروایة وذاك الاختیار، وماالعصمة الاباللہ العزیز الغفار۔	غور کر، شکر کر، حمد اللہ کے لیے جو سب سے بڑا ہے۔ ہم نے اس مقام پر خوب طویل گفتگو اس لیے کی ہے کہ بعض معاصرین علمائے رامپور نے اس روایت کی بناپر غلط فہمی کا شکار سادات کرام کے لیے زکوٰۃ کو مباح قرار دیا ہے، عصمت اللہ غالب غفار کے لیے ہی ہے (ت)

غرض میں جزم کرتاہُوں کہ بے شک بنی ہاشم پر زکوٰۃ حرام ہے اور بیشک اسی پر افتاء واجب اور بیشک اس سے عدول ناجائز، اور بے شک وہ روایت روایۃً مرجوح اور درایۃً مجروح اور بیشک امام طحاوی اس کے خلاف پر قاطع، اور بے شک اُن کی تصحیح جانب ظاہر الروایۃ راجع، والی اللہ الرجعی والیه مناب (اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہی ماوٰی وملجا ہے۔ت) واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم بالصواب۔

مسئلہ ۱۲۹: مرسلہ مولوی حافظ محمد امیر اللہ صاحب ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ احوج کو دینا اولٰی ہے خصوصًا جو احوج اپنا قریب ہو یہ حکم مطلق ہے مثلًا بنی ہاشم اپنے اقارب احوجین کو زکوٰۃ دیں یا یہ مخصوص ہیں بوجہ حدیث:

---

[1] بحرالرائق کتاب البیوع باب التفرقات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۸۵

یا بنی ہاشم حرم اللہ تعالیٰ علیکم غسالۃ الناس واوساخھم الخ۔[1]	اے بنی ہاشم! اللہ تعالٰے نے تم پر لوگوں کا بچا ہوا اور ان کی مَیل حرام کردی ہے الخ (ت) کے۔بینوا توجروا۔

الجواب:

بیشک زکوۃ اور سب صدقات اپنے عزیزوں قریبوں کو دینا افضل اور دو چند اجر کا باعث ہے، زینب ثقفیہ زوجہ عبداللہ بن مسعود اور ایک بی بی انصاریہ رضی اللہ تعالٰے عنہم درِاقدس پر حاضر ہوئیں اور حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زبانی عرض کرا بھیجا کہ ہم اپنے صدقات اپنے اقارب کو دیں، حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لھما اجران اجرالقرابۃ واجرالصدقۃ۔[2] رواہ احمد والشیخان من زینب رضی اللہ تعالیٰ عنھا۔	ان کے لیے دو ثواب ہوں گے ایک ثواب قرابت اور دوسرا تصدق کا (اسے امام احمد، بخاری اور مسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الصدقۃ علی المسکین صدقۃ وعلیٰ ذی الرحم ثنتان، صدقۃ وصلۃ۔[3] اخرجہ النسائی و الترمذی وحسنہ وابن خزیمۃ و ابن حبان فی صحیحھما والحاکم وقال صحیح الاسناد۔	مسکین کو دینا اکہرا صدقہ ہے اور رشتہ دار کو دینا دوہرا، ایک تصدق اور ایک صلہ رحم (اسے نسائی اور ترمذی نے بیان کیا اور اسے حسن کہا۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں اور حاکم نے روایت کیا اور کہا اس کی سند صحیح ہے۔ت)

بلکہ حدیث میں ہے حضور اقدس صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یا امّۃ محمد والذی بعثنی بالحق لا یقبل اللہ صدقۃ من رجل ولہ قرابۃ محتاجون الی صلتہ و یصرفھا الی غیرہم	اے امت محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) قسم اس کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا اللہ تعالٰی اس کا صدقہ قبول نہیں فرماتا جس کے رشتہ دار اُس کے

---

[1] نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ کتاب الزکوۃ المکتبۃ الاسلامیہ صاحبہا الحاج ریاض الشیخ ۲/ ۴۰۳
[2] صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ فصل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۳
[3] جامع الترمذی ابواب الزکوۃ باب ماجاء فی الصدقۃ علیٰ ذی القرابۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۸۳

والذی نفسی بیدہ لا ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ۔[1] اخرجه الطبرانی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	سلوک کی حاجت رکھیں اور وہ انھیں چھوڑ کر اوروں پر تصدّق کرے، قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ تعالٰی روزِ قیامت اُس پر نظر نہ فرمائے گا۔ (اسے طبرانی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

مگر یہ اسی صورت میں ہے کہ وُہ صدقہ اس کے قریبوں کو جائز ہو، زکوۃ کے لیے شریعتِ مطہرہ نے مصارف معین فرمادئے ہیں اور جن جن کو دینا جائز ہے صاف بتادئے، اس کے رشتہ داروں میں وُہ لوگ جنھیں دینے سے ممانعت ہے ہر گز استحقاق نہیں رکھتے، نہ اُن کے دئے زکوۃ ادا ہو جیسے اپنے غنی بھائی یا فقیر بیٹے کو دینا، یونہی اپنا قریب ہاشمی کہ شریعت مطہرہ نے بنی ہاشم کو صراحۃً مستثنیٰ فرمالیا ہے اور بیشک نصوص مطلق ہیں۔

الشیخان واللفظ لمسلم عن ابی ھریرہ ف رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انا لا تحل لنا الصدقۃ[2] احمد و ابوداؤد والترمذی وصححه والنسائی والحاکم وقال علی شرط الشیخین واقروہ الشیخان، وابن خزیمۃ وابن حبان والطحاوی عن ابی رافع مولٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان الصدقۃ لا تحل لنا[3] احمد وابن حبان بسند صحیح عن الحسن بن علی رضی اللہ تعالٰی	اور الفاظِ مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں۔ مسند احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے صحیح کہا۔ نسائی، حاکم نے کہا یہ شیخین کے شرائط پر ہے۔ محدثین نے اسے ثابت رکھا۔ ابن خزیمہ، ابن حبان اور طحاوی نے حضرت ابو رافع (جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں) نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا کہ صدقہ ہمارے لیے حلال نہیں۔ مسند احمد اور ابن حبان نے سند صحیح کے ساتھ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالٰے عنہما سے

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط، باب الصدقۃ علی الاقارب الخ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۱۷/۳

[2] صحیح مسلم کتاب الزکوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۴۴/۱

[3] جامع الترمذی ابواب الزکوۃ باب ماجاء فی کراہیۃ الصدقۃ للنبی الخ امین کمپنی دہلی ۸۳/۱

ف: صحیح مسلم میں مذکورہ حوالہ میں "عن ابی ھریرۃ" کی جگہ "عن شعبہ لھذا الاسناد" ہے۔

عنهما عن النبی صلی اللهتعالی علیه وسلم انا ال محمد لا تحل لنا الصدقة،[1] احمد عن ام کلثوم رضی اللهتعالیٰ عنها ومسلم عن مهران مولیٰ رسول اللهصلیٰ الله علیه وسلم عن رسول اللهصلیٰ الله علیه وسلم مثله وهو عندالطحاوی عن ام کلثوم ان مولی لنا یقال له هرمز او کیسان[2] الحدیث الطبرانی عن ابن عباس یرفعه الی النبی صلی اللهتعالیٰ علیه وسلم انه لا یحل لکما اهل البیت من الصدقات شئی،[3] احمد و ابوداؤد والنسائی والحاکم وصححه۔ والطحاوی عن بهزبن حکیم عن ابیه عن جده عن النبی صلی اللهتعالیٰ علیه وسلم لا یحل لاٰل محمد منها شئی۔[4] الیٰ غیر ذٰلك من العمومات والاطلاقات التی لا تکاد تحصی لکثرتها۔	مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا آل محمد کے لیے صدقہ حلال نہیں۔ مسند احمد میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور مسلم میں حضرت مہران (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام) سے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسی کی مثل روایت کیا ہے، امام طحاوی کے نزدیک یہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ہمارے آزاد شدہ غلام تھے جنھیں ہرمز یا کیسان کہا جاتا ہے الحدیث، طبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اہل بیت! تمھارے لیے صدقات میں سے کوئی شئی حلال نہیں۔ مسند احمد، ابوداؤد، نسائی اور حاکم نے اسے صحیح کہا۔ طحاوی نے حضرت بہز بن حکیم انھوں نے اپنے دادا سے انھوں نے رسالتمآب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آلِ محمد کے لیے صدقات میں سے کوئی شئی حلال نہیں۔ اور ان کے علاوہ دیگر عمومی اور اطلاق دلائل جن کا احصا کثرت کی وجہ سے دشوار ہے۔ (ت)

تو بیشک حکم احادیث ہاشمیوں پر مطلق زکوٰۃ کی تحریم ہے خواہ ہاشمی کی ہو یا غیر ہاشمی کی، اور یہی مذہب امام کا ہے اور یہی اُن سے ظاہر الروایۃ اور اسی پر متون، تو یہی معتمد ہے،

فی الدرالمختار ظاہر المذہب اطلاق المنع وقول العینی والهاشمی یجوزله دفع زکوٰته	درمختار میں ہے ظاہر مذہب یہی ہے کہ سادات کو صدقہ دینا ہر حال میں منع ہے، امام عینی کا قول کہ ہاشمی اپنی زکوٰۃ ہاشمی

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از حسن بن علی رضی اللہ عنہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۰۰
[2] شرح معانی الآثار کتاب وجوہ الفیئ وقسم الغنائم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۸۴
[3] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۵۴۳ مروی از عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت، ۱۱/۲۱۷
[4] مسند احمد بن حنبل، دیث بہز بن حکیم الخ دارالفکر بیروت، ۵/۲ و ۴

لمثلہ، صوابہ لا یجوز نہر اھ [1] واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔	کو دے سکتا ہے، اسے درست قرار دینا جائز نہیں، نہر اھ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۰: از شہر بریلی مسئولہ منشی شوکت علی صاحب محرر چونگی شب ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ کا روپیہ کافر، مشرک، وہابی، رافضی، قادیانی وغیرہ کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ان کو دینا حرام ہے اور ان کو دئے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۱: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خالصًا للہ ولوجہ اللہ جو چیز دی جائے اس کا کھانا امیر و غنی کو کیسا ہے؟

الجواب:

صدقہ واجبہ جیسے زکوٰۃ وصدقہ فطر غنی پر حرام ہے اور صدقہ نافلہ جیسے حوض یا سقایہ کا پانی یا مسافر خانے کا مکان غنی کو بھی جائز ہے، مگر میّت کی طرف سے جو صدقہ ہوتا ہے غنی نہ لے، نہ غنی کو دیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۱۳۲: از راندیر یہ ضلع سورت ڈاکخانہ خاص مسئولہ جناب مولٰنا مولوی فقیر غلام محی الدین صاحب ۷ ۲ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل سمرنا فنڈ میں صاحب زکوٰۃ سے زکوٰۃ اور جن پر قربانی واجب ہے اُن سے قربانی کی قیمت طلب کر رہے ہیں اور اس کے لیے گجراتی بڑے لمبے چوڑے اشتہار چھپے ہیں کیا صاحبِ زکوٰۃ اور جن پر قربانی واجب ہے اُن کی قربانی سمرنا فنڈ میں دینے سے ہو جائے گی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جس پر قربانی واجب ہے اُسے حرام ہے کہ قربانی نہ کرے اور اس کی قیمت کسی فنڈ میں دے دے اس سے ہر گز قربانی ادا نہ ہوگی واجب کا تارک ہوگا اور عذاب کا مستحق، اور ایسے چندوں میں دینے سے کہ لوگ بطور خود کرتے ہیں اور سب کے چندے زکوٰۃ وغیر زکوٰۃ کے بلکہ مرتدین نااہل زکوٰۃ مثل وہابیہ وغیرہم کے سب خلط کر لیتے ہیں

---

[1] درمختار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱

زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی، ہاں اعانتِ مسلمین کی نیّت پر ثواب پائے گا مگر فرضِ زکوٰۃ سر پر باقی رہے گا وھو تعالٰی اعلم۔

صدقہ فطر کا بیان

مسئلہ ۱۳۳: از نینی تال مرسلہ شیخ عنایت حسین صاحب ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ واقعہ کانپور میں مسلمانوں سے دربارہ مسجد پولیس سے فساد ہوگیا، پولیس نے اُنھیں نشانہ بندوق بنالیا، اب ان کے غریب بچّے یتیم ہوگئے اور نادار مسلمان زخمی ہوکر گرفتار کرلیے گئے، اب ان کی رہائی اور پرورش حفاظت جان وعزّت کے لیے روپے کی ضرورت ہے، مسلمان چاہتے ہیں کہ صدقہ فطر رمضان المبارک اس کارِ خیر کے متعلق دے دیا جائے عندالشرع دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

صدقہ فطر میں مسلمان فقیر کو دے کر مالک کردینا شرط ہے، تو اگر غرباء کو دے کر مالک کردیں تو جائز ہے یا فقیر کو دیں اور وُہ اپنی طرف سے مقدمہ میں لگانے کو دے دیں تو جائز ہے، ورنہ مقدمے اٹھانے یا وکیلوں کو دینے سے صدقہ ادا نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

صدقۃ الفطر کالزکوٰۃ فی المصارف وفی کل حال۔[1]	صدقہ فطر مصارف اور تمام احوال میں زکوٰۃ کی طرح ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

من اشتراط النیۃ واشتراط التملیك فلا تکفی الاباحۃ کمافی البدائع۔[2] واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔	یعنی نیت اور تملیک دونوں شرائط ہیں تو محض اباحت کفایت نہ کرے گی کمافی البدائع۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۴تا۱۳۵: از راولپنڈی لال کرتی مرسلہ دین محمد صاحب فروش ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) صدقہ فطر لینا امام مسجد کو جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] درمختار باب صدقۃ الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۵

[2] ردالمحتار، باب صدقۃ الفطر، مصطفی البابی مصر، ۲/۸۶

(۲) مُردوں کے مال یعنی صدقہ وغیرہ لینا بالامذ کور کو جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ امام مسجد صاحبِ زکوۃ وصاحبِ مال ہو، دیگر امام مسجد کو ہر جمعرات کو برائے تیل کے نقد و تیل منگانا اور اپنے ذاتی مصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ قربانیوں کی کھالیں وغیرہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

صاحبِ نصاب کو اگرچہ امام مسجد ہو، کوئی صدقہ واجبہ مثل زکوۃ یا صدقات عیدالفطر یا کفارات جائز نہیں حرام ہے، اور اس کے دئے وُہ زکوۃ و صدقہ ادا نہ ہوں گے۔ قربانی کی کھال اگر لوگ اپنی خوشی سے دیں لے سکتا ہے مانگ کر اپنا حق قرار دے کر لینا جائز نہیں۔ اموات کی طرف سے جو نفل صدقہ دیا جاتا ہے اگر دینے والے نے اسے فقیر سمجھ کر دیا اور اس نے اپنا صاحبِ نصاب ہونا چھپایا تو یہ بھی حرام ہے ورنہ مکروہ و ناپسند۔ تیل وغیرہ کے لیے نقد منگا کر جو بچے اپنے صَرف میں کرنا بھی حرام ہے مگر اس صورت میں کہ دینے والے اس بات سے آگاہ اور اس پر راضی ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ **بقولہ تعالیٰ عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ**[1] (اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تمھاری رضامندی سے ہو۔ت) **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۱۳۶: از دیوبند ضلع سہارنپور مسجد جامع مرسلہ مولوی اظہر الدین بنگالی ۹ ذی القعدہ ۱۳۲۲ھ

السّلامُ علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس ملک میں چاول کثرت سے پیدا ہوں اور وہاں کے باشندوں کی غذا چاول ہی ہو اور گندم مطلقًا پیدا نہ ہو مگر دوسرے ملکوں سے کچھ آتا ہے لیکن وُہ بھی ہر جگہ نہیں ملتا ہے بلکہ شہر و قصبہ میں ملتا ہے اور اس کو کوئی غذا کھاتا بھی نہیں بلکہ دوامی اتفاقًا استعمال میں لاتے ہیں اور جَو بھی بہت قلّت طور پر پیدا ہو مثلًا چار پانسو یا ہزار دو ہزار بیگھہ میں سے کسی ایک آدھ بیگھہ میں بولیا اور اس کو ستّو بنا کر برس چھ ماہ میں کبھی ناشتہ کے طور پر کھالیتے ہیں اور خرما ناپیدا ہے اور نہ کہیں ملتا ہے، بس ایسے ملک کے باشندوں پر صدقہ فطر نصف صاع گندم کی قیمت میں جس قدر چاول آئے وُہ واجب ہوگا یا ایک صاع چاول واجب ہوگا **بینوا بالدلیل جزاکم اللہ الجلیل** (دلیل کے ساتھ بیان کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو جزادے۔ت)

الجواب:

شرع مطہر نے یہ صدقہ صرف چار چیزوں سے مقرر فرمایا ہے: گیہوں، جَو، خرما، زبیب۔ ان کے سوا پانچویں کوئی چیز چاول ہو یا دھان یا کپڑا وہ اُنھی میں ایک کی قیمت کے اعتبار سے جائز ہے ورنہ نہیں،

---

[1] القرآن ۴/ ۲۹

گیہوں سے نیم صاع واجب ہے یعنی ایک سو پینتیس تولے کہ انگریزی روپیہ سے ایک سو چوالیس روپیہ بھر ہُوا، اور اسی ۸۰ روپیہ کے سیر سے پونے دوسیر اور پون چھٹانک اور بیسواں حصّہ چھٹانک کا، اور جَو سے اس کا دونا گیہوں یا جَو کا وہاں کم پیدا ہونا یا غذا میں مستعمل نہ ہونا یا دیہات میں نہ ملنا چاول کو بے لحاظ قیمت صرف صاع یا نیم صاع دے دینے کے قابل نہیں کرسکتا، بلکہ واجب ہے کہ اپنے ضلع میں گیہوں نیم صاع یا جَو، ایک صاع کی جو قیمت ہو اُس قدر دام یا اُتنے دام کے چاول یا اور چیز ادا کردیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

انما تجب من اربعة اشیاء من الحنطة و الشعیر والتمر والزبیب وماسواہ من الحبوب لا یجوز الا بالقیمة اھ[1] بالالتقاط	چار اشیاء میں واجب ہے: گندم، جَو، کھجور اور زبیب۔ ان کے ماسوا میں قیمت کے علاوہ جائز نہیں اھ اختصارًا (ت)،

منسک متوسط میں ہے:

ھذہ اربعة انواع لاخامس لها واما غیرها من انواع الحبوب فلا یجوز الا باعتبار القیمة کالارز والذرة والماش والعدس والحمص وغیر ذٰلک۔[2]	یہ چار انواع ہیں ان کی پانچویں نہیں ان کے علاوہ دانوں میں قیمت کے علاوہ کسی کا اعتبار نہیں مثلاً چاول، باجرہ، مسور اور چنے وغیرہ۔ (ت)

درمختار میں ہے:

مالم ینص علیه کذرة وخبز یعتبر فیه القیمة۔[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	جس پر نص نہیں مثلاً باجرہ اور روٹی، ان میں قیمت کا اعتبار ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت) ت

مسئلہ ۱۳۷: ۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ اگر درخانہ کسے مثلاً دہ کس موجود باشند بعض از ان غلام و پسر صغیر و بعض زوجہ خود و پسر کبیر پس صدقہ فطر ہفت کس یا ہشت کس ادا کردہ شود	علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے گھر میں دس ۱۰ افراد ہوں بعض ان میں سے غلام، بعض چھوٹے بچّے، بعض کے ساتھ بیوی اور بڑے بچّے ہوں تو صدقہ فطر

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثامن فی صدقۃ الفطر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۹۲-۱۹۱

[2] منسک متوسط متن مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل فی الجزاء اللبس والتغطیۃ دارالکتاب العربی بیروت ص ۲۶۴

[3] درمختار باب صدقۃ الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۵

و صدقہ دو آدمی یا سہ آدمی از غلام و پسر صغیر باشد یا غیر آں دادہ نہ شود پس صدقہ کسانے کہ ادا کردہ شد شرعاً صحیح و درست خواہد شد یانہ؟ بیّنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔	سات افراد کا ہوگا یا آٹھ کا، دو آدمیوں یا تین غلام اور چھوٹے بچّوں کا صدقہ نہ دیا ہو، جن اشخاص کا صدقہ دیا ہے وہ شرعاً درست ہوگا یانہیں؟ کتاب سے جواب دے کر روزِ حساب اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

ہر چہ مؤدی از اطفال صغار خود ادا کرد ادا شد کہ وجوب ہم بروست نہ بر اطفال وانچہ از زوجہ و اولاد کبار عاقلین داد اگر باذن ایشاں بود نیز از ایشاں ادا شد ورنہ نے فی ردالمحتار عن البحر لوادی زکوٰۃ غیرہ بغیر امرہ فبلغہ فاجاز لم یجز لانہا وجدت نفاذا علی المتصدق لانہا ملکہ ولم یصر نائبا عن غیرہ فنفذت علیہ ولو تصدق عنہ بامرہ جاز[1] (ملخصًا) واللہ تعالٰی سبحٰنہ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	چھوٹے بچّوں کی طرف سے جو ادا کیا وُہ ادا ہوجائے گا کیونکہ وہ واجب ہی والد پر تھا۔ اور جو بیوی اور بڑی اولاد کی طرف سے ادا کیا اگر ان کا اذن تھا تو بھی ادا ہوجائیگا اور اگر اذن نہ تھا تو صدقہ ادا نہ ہوگا۔ ردالمحتار میں بحر سے ہے: اگر کسی نے دوسرے کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر زکوۃ ادا کردی پھر دوسرے تک خبر پہنچی اور اس نے اسے جائز بھی رکھا تب بھی زکوۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ اس کا نفاذ صدقہ کرنے والے پر ہے، کیونکہ وُہ زکوۃ اس کی ملکیت ہے اور غیر سے نائب بن نہیں سکتا کہ اس کی اجازت کا نفاذ ہو، ہاں اگر اجازت سے زکوۃ ادا کی ہو تو پھر جائز ہوگا (ملخصًا) واللہ تعالٰی سبحانہ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۸: ۲۸ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زکوۃ اور صدقہ فطر کا نصاب برابر ہے یا کچھ فرق ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

مقدار نصاب سب کے لیے ہے کچھ فرق نہیں، ہاں زکوۃ میں مال نامی ہونا شرط ہے کہ سونا چاندی، چرائی پر چھوٹے جانور، تجارت کا مال ہے وبس، اور سال گزرنا شرط ہے، صدقہ فطر وقربانی میں یہ کچھ

[1] ردالمحتار کتاب الزکوۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲

درکار نہیں کما فی جمیع الکتب (جیسا کہ سب کتابوں میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۹: از شہر بریلی محلّہ ملوکپور مرسلہ جناب سیّد محمد علی صاحب نائب ناظر فرید پور رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ

صدقہ فطر کی مقدار فی کس کیا ہے؟

الجواب:

تین سواکاون روپے بھر جو، یا اُس کے آدھے گیہوں کہ بریلی کی تول سے پونے دوسیر ایک اٹھنی بھر ہُوئی۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم احکم۔

مسئلہ ۱۴۰: از کمریٹ روٹی گودام چھاؤنی لکھنؤ مرسلہ مولوی سید باسط احمد ۷ شوال المکرم ۱۳۳۶ھ

(۱) وزن فطرہ بحساب سیر لکھنؤ کتنا دینا چاہئے؟ نصف صاع بوزن سیر لکھنؤ کتنا ہوتا ہے؟

(۲) گز شرعی بہ حساب گز نمبر مروجہ لکھنؤ کس قدر ہے؟

الجواب:

(۱) گیہوں کا صاع دوسوستر ۲۷۰ تولے ہے کہ انگریزی روپے سے دوسواٹھاسی ۲۸۸ روپے بھر ہوئے۔ نصف صاع کے ایک سوچوالیس ۱۴۴ روپے بھر گیہوں۔ لکھنؤ کا سیر اسی ۸۰ روپے بھر کا ہے تو اس سے دوسیر ہوئے، سیر کا ۵/۱۱ یعنی پونے دوسیر سے چار روپے بھر اوپر، لیکن زیادہ احتیاط یہ ہے کہ جَو کے صاع سے گیہوں دئے جائیں جَو کے صاع میں گیہوں تین سواکاون ۳۵۱ روپے بھر آتے ہیں تو نصف صاع ایک سو پچھتّر ۱۷۵ روپے آٹھ آنے بھر ہوا، لکھنؤ کا سوا دوسیر اٹھنی بھر کم۔

(۲) نمبری گز کہ تین فٹ کا ہے، ہر فٹ بارہ ۱۲ انچ، گز شرعی جسے ذراع کرباس کہتے ہیں، اس کا نصف یعنی آٹھ گرہ کے برابر ہے کہ وہ چوبیس انگل ہے اور ہر گرہ تین انگل۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۲ تا ۱۴۳: از موضع خورد مئوڈاکخانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مرسلہ سید صفدر علی صاحب ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین امورِ ذیل میں:

(۱) زید کی بیوی ہندہ جو مالک نصاب نہیں ہے مع اپنے ایک خوردسال بچّے کے اپنے باپ بکر کے یہاں یعنی میکے میں عیدالفطر کو قیام رکھتی ہے تو اُس کا اور اس کے لڑکے کا صدقہ کس کو دینا چاہئے، آیا زید کو جو ہندہ کا شوہر ہے یا بکر کو جو ہندہ کا باپ ہے۔

(۲) اگر کوئی مہمان یہاں ۲۷ یا ۲۸ رمضان شریف سے مقیم ہے یا قبل طلوعِ فجر عیدالفطر آیا تو کیا ان مہمانوں کا صدقہ شرعًا میزبان کو ادا کرنا چاہئے یا مہمان اپنا صدقہ خود ادا کریں؟

الجواب:

(۱) خورد سال بچّہ کا صدقہ فطر اُس کے باپ پر ہے، اور عورت کا نہ باپ پر نہ شوہر پر، صاحبِ نصاب ہوتی تو اس کا صدقہ اسی پر ہوتا ہے۔

(۲) مہمان کا صدقہ میزبان پر نہیں، وہ اگر صاحبِ نصاب ہیں اپنا صدقہ آپ دیں۔ **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۴: ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

فطرہ رمضان کے نصف صاع آٹے کے عوض میں اگر نصف چاول دے دے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: چاول کی قیمت کے اعتبار سے دئے جائیں گے خواہ وزن میں نصف صاع ہوں یا زیادہ یا کم یعنی نصف صاع گندم کی قیمت میں جتنے چاول آئیں اتنے دئے جائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۵: (جلد میں سوال نہیں)

الجواب: صاع چار مُد ہے اور مد دو ۲ رطل، اور رطل بیس استار، اور استار ساڑھے چار مثقال، اور مثقال ساڑھے چار ماشے، اور تولہ بارہ ۱۲ ماشے، اور انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے، تو صاع دو سو ستّر ۲۷۰ تولے، اور روپیوں سے دو سوا ٹھاسی ۲۸۸ روپے بھر، تو اسی ۸۰ روپے کے سیر سے ۳ سیر ۹ چھٹانک اور ۳/۵ چھٹانک، یا یُوں کہئے کہ ساڑھے تین سیر ڈیڑھ چھٹانک اور ۱/۱۰ چھٹانک۔ اس حساب میں کوئی شک نہیں، اسی تول کے گیہوں دئے جاتے تھے۔

لما فی الفتح یعتبر نصف صاع من بر من حیث الوزن عند ابی حنیفۃ۔[1]	کیونکہ فتح میں ہے کہ امام ابو حنیفہ کے ہاں وزن کے اعتبار سے نصف صاع گندم کا اعتبار ہے (ت)

رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ سے علامہ شامی کی یہ احتیاط زیادہ پسند آئی کہ صاع لیا جائے جو کا، اور اس کے وزن کے گیہوں دئے جائیں، ظاہر ہے کہ جو ہلکا ہے جتنے برتن میں دو سو ستّر ۲۷۰ تولے جو آئیں گے جب وہ گیہوں سے بھر ا جائے گا تول میں زیادہ چڑھیں گے، اس میں فقیروں کا نفع زیادہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

علی ھذا الاحوط تقدیرہ بالشعیر و لھذا	اس بنا پر احتیاط اسی میں ہے کہ اس کا تقررجو

[1] فتح القدیر، فصل فی مقدار الواجب وقتہ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۲/۲۲۹

نقل بعض المحشین عن حاشیۃ الزیلعی للسید محمد امین میر غنی، ان الذی علیہ مشائخنا بالحرم الشریف المکی ومن قبلھم من مشائخھم وبہ کانوا یفتون تقدیرہ بثمانیۃ ارطال من الشعیر ولعل ذٰلک لیحتاطوا فی الخروج عن الواجب بیقین لما فی مبسوط السرخسی من ان الاخذ بالاحتیاط فی باب العبادات واجب اھ فاذاقدربذٰلک یسع ثمانیۃ ارطال من العدس ومن الحنطۃ ویزید علیھا البتۃ بخلاف العکس فلذاکان تقدیر الصاع بالشعیر احوط اھ الخ[1]	سے ہو، اسی لیے بعض محشین نے حاشیہ زیلعی للسید محمد امین میر غنی سے نقل کیا، حرم مکی کے مشائخ اور ان سے پہلے ان کے مشائخ نے اسی پر اعتماد کیا اور وہ اسی پر فتوٰی دیا کرتے تھے کہ آٹھ رطل جَو کا اعتبار ہوگا، اور شاید انھوں نے یہ اس لیے کیا تاکہ واجب کی ادائیگی بالیقین ہوجائے اور اس لیے بھی کہ مبسوط سرخسی میں ہے کہ عبادات کے معاملے میں احتیاط پر عمل واجب ہوتا ہے اھ جب صاع کا تقرر یُوں ہوا تو اب مسور اور گندم کے آٹھ رطل کی گنجائش بھی ہوگی اور یہ اس سے بہر صورت بڑھ جائیں گے بخلاف عکس کے۔ اسی لیے صاع کا تقرر جَو کے ساتھ کرنا احوط ہے اھ الخ (ت)

اس بناپر بنظرِ احتیاط وزیادتِ نفعِ فقراء نے ۲۷ ماہ مبارک ۱۳۲۷ھ کو ایک سو چوالیس روپیہ بھر جَو وزن کئے کہ نصف صاع ہُوئے اور انھیں ایک پیالے میں بھرا حُسنِ اتفاق کہ تام چینی کا ایک بڑا کاسہ گویا اسی پیمانہ کا ناپ کر بنایا گیا تھا وُہ جَو اس میں پوری سطح مستوی تک آگئے **من دون تکویم ولا تقعیر** (بغیر ابھار اور گہرائی کے۔ت) تو وہی کاسہ نصف صاع شعیری ہُوا، پھر میں نے اُسی کاسہ میں گیہوں بھر کر تولے تو بریلی کے سیر سے (۔۔۔۱۰) ثار اور ایک اٹھنی بھر ہُوئے یعنی ایک سو پچھتّر روپے آٹھ آنہ بھر، تو یہ وزنِ گندم ہوا، اور اس کا دوچند ۳۵۱ روپیہ بھر وزن جَو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۶: از ریاست کشمیر ضلع میر پور ڈاک خانہ نوشہرہ موضع پھڈہ مرسلہ مولوی محمد عبداللہ صاحب ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ در مختار میں صاع ۱۰۴۰ درہم لکھا ہے اور اکثر کتب میں من ۱۸۰ مثقال کا ہے **وبقول معروف کل عشرۃ دراھم سبعۃ مثاقیل** (معروف قول کے مطابق ہر دس دراہم کا وزن سات مثقال ہونا چاہئے۔ت) ایک من ۱۸۲ مثقال کا ہوتا ہے تو صاع میں آٹھ مثقال زیادہ آئے، اور ایسے ہی شیخ دہلوی نے شرح سفر السعادۃ و شرح مشکوٰۃ میں وزن صاع لکھا ہے قاعدہ مذکور سے پورا موافق

[1] ردالمحتار، باب صدقۃ الفطر، مصطفی البابی مصر، ۲/ ۸۴

نہیں آتا ہے، یہ تحقیق وتدقیق فرما کر جلد عنایت کیجئے۔

الجواب:

صاع چار من چالیس استار اور استار ساڑھے چار مثقال ساڑھے چار ماشے اور ماشہ آٹھ رتی، اور رتی آٹھ چاول، اور بارہ ماشے کا ایک تولہ، تو صاع دوسوستّر تولے ہے اور انگریزی روپیہ رائج سے کہ روپیہ سوا گیارہ ماشے کا ہے، صاع دوسو اٹھاسی روپیہ بھر، اور من ایک سواسّی مثقال یعنی سڑسٹھ تولے چھ ماشے، یعنی بہتّر روپیہ بھر۔ یہ وزن محقق ہے جس میں اصلا شبہ نہیں، غرر الافکار شرح درر البحار میں ہے:

الصاع اربعة امداد والمد رطلان والرطل نصف من والمن بالاستار اربعون والاستار بالمثاقیل اربعة ونصف اھ[1] مختصرا۔	صاع چار مُد کا ہوتا ہے، اور مد دو رطل کا، رطل نصف من کا، من چالیس استار کا، اور استار ساڑھے چار مثقال کا ہوتا ہے اھ اختصارًا (ت)

کشف الغطاء میں ہے:

بدانکہ معتبر نزد ما عراقی وآن ہشت رطل ست ورطل بست استار واستار چار ونیم مثقال ومثقال بست قیراط یک حبہ وچہار خمس حبہ وحبہ کہ آنرا بفارسی سُرخ گویند ہشتم حصّہ ماشہ است پس مثقال چہار ونیم ماشہ باشد۔[2]	واضح رہے کہ ہمارے نزدیک معتبر عراقی (صاع) ہے اور وُہ آٹھ رطل کا ہوتا ہے، ایک رطل بیس۲۰ استار اور استار ساڑھے چار مثقال، مثقال بیس۲۰ قیراط ایک حبہ اور چہار خمس حبہ ہے۔ حبہ جسے فارسی میں "سُرخ" کہتے ہیں ماشہ کا آٹھواں حصّہ ہوتا ہے، پس مثقال ساڑھے چار ماشہ ہوا۔ (ت)

حضرت شیخ محقق دہلوی قدس سرہ القوی کا بیان اصلًا اس سے مخالف نہیں، مثقالوں کا یہی حساب رکھا ہے کہ سات سو بیس ۷۲۰ مثقال کا صاع اکبری وجہانگیری سیروں سے اس کا اندازہ بتایا ہے، اکبری سیر تیس۳۰ استار کا تھا اور صاع ایک سو ساٹھ استار، تو صاع ۱۶۰÷۳۰ = ۵-۱/۳ سیر اکبری ہوا، اور سیر جہانگیری ۳۶ استار، تو صاع ۱۶۰÷۳۰ = ۴-۴/۹ سیر جہانگیری ہوا۔ شرح صراطِ مستقیم فصل زکوٰۃ فطر میں فرماتے ہیں:

صاع عراقی ہشت رطل وصاع حجازی پنج رطل وثلث رطل	عراقی صاع آٹھ رطل اور حجازی پانچ رطل اور ثلث رطل

[1] ردالمحتار، بحوالہ شرح درر البحار، باب صدقۃ الفطر، مصطفی البابی مصر، ۲/ ۸۳

[2] کشف الغطاء فصل در احکام دعا وصدقہ ونحوان از اعمال خیر برائے میّت مطبع احمدی، دہلی ص ۶۸

وواجب نزد شافعی صاع حجازی ست ونزد ما نصف صاع عراقی وآن دو من ست و من چہار استار واستار چہار ونیم مثقال۔ پس من صد و ہشتاد مثقال بود کذا قال شارح الوقایۃ واز کتب دیگر نیز ہمچنیں معلوم می گردد وچوں ایں حساب را بوزن دیار خود کار فرمائیم نصف صاع بوزن اکبر شاہی کہ سیرے سی سیر شاہی بود دو ونیم سیری می شود وپنج سیر شاہی، وبوزن حال جہانگیر شاہی ابد اللہ ملکہ وسلطنتہ کہ سیرے سی وشش سیر شاہی بود دو سیر یک پاؤمی شود بیک سیر شاہی کم، بایں حساب کہ صاع ہفت صد وبست مثقال ست ازانکہ صاع چہار من ست و من چہل استار واستار چہار و نیم مثقال، پس ہر من صد و ہشتاد مثقال ست لازم آید کہ نصف صاع ہشتاد شیر شاہی باشد وہشتاد سیر شاہی دو ونیم سیر وسیر وپنج سیر شاہی بود بوزن قدیم و دوسیر و یک سیر شاہی کم بوزن حال۔ واللہ تعالٰی اعلم اھ[1]

ہے۔ امام شافعی کے نزدیک صاع حجازی واجب ہے اور ہمارے نزدیک صاع عراقی، جو دو من کا ہوتا ہے، اور من چار استار، اور استار ساڑھے چار مثقال ہے، لہٰذا من ایک سواسّی مثقال ہوا جیسا کہ شارح وقایہ نے کہا، اور دوسری کتب سے بھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے، جب ہم اس کا حساب اپنے شہروں کے وزن کے اعتبار سے کرتے ہیں تو نصف صاع اکبری سیروں کے مطابق ۲-۱/۲ سیر ۱۵ استار ہوگا اور جہانگیری (اللہ تعالٰی اس کے ملک و سلطنت کی حفاظت کرے) سیروں کے مطابق ۲-۱/۴ سیر اور ایک استار کم بن جاتا ہے یہ اس حساب سے کہ صاع ۷۲۰ مثقال ہو اور اگر صاع ۴ من، اور من ۴۰ استار اور استار ۴-۱/۴ مثقال ہو تو ہر من ۱۸۰ مثقال ہوگا، جب استار ۴-۱/۲ مثقال ہے تو لازم آیا کہ نصف صاع ۸۰ استار، اور ۱۸۰ استار ۲-۱/۲ سیر اور ۱۵ استار قدیم وزن ہُوا، اور ۲-۱/۴ سیر ایک استار کم موجودہ وزن ہوا۔ واللہ تعالٰی اعلم اھ (ت)

سیر شاہی اور پیسہ اور استار ایک ہی وزن ہے یعنی ساڑھے چار مثقال کہ سوا بیس ماشے ہُوئے، اور وزن قدیم سے مراد اکبری اور حال سے جہانگیری۔ صدر باب طہارت میں بھی یہی حساب افادہ فرمایا ہے۔ اتنا ہے کہ وہاں مُد عراقی ومُد حجازی دونوں کا سیروں سے اندازہ کیا اور بعض جگہ تہائی پیسہ کی کسر کو کہ ڈیڑھ ماشہ ہوئی مسامحۃً ترک فرمادیا ہے حیث قال صاع چہار مُد ست ومُد بقولے دو رطل ست (یہاں انھوں نے کہا کہ صاع چار مُد ہے اور مُد دو رطل کا ہوتا ہے۔ت) (یہ قول ہمارے ائمہ کا ہے کہ صاع کو آٹھ رطل لیتے ہیں)

[1] شرح سفر السعادۃ، فصل در زکوٰۃ فطر، مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر، ص۲۸۶-۸۷

ودلالت ظاہر احادیث ہم برین است چہ در بعض احادیث وضو بمد واقع شدہ ودر بعضے بدو رطل و تطبیق دراں است کہ مصداق ہر دو یکے باشد بقولے مدرطل و ثلث رطل عراقی ست۔

(یہ قول شافعیہ ہے کہ صاع ۵-۱/۳ رطل ÷ ۴ = ۱۱/۳ رطل)

ورطل بست استار چہار ونیم مثقال کہ وزن یک پیسہ است وایں حساب ابہامے دارد وما آنرا بوزن ایں دیار فرود آریم تا واضح گردد بدانکہ مد بقول اول (حنفی) یک من شرعی ست ومن شرعی چہل استار وآں بوزن جہانگیر شاہی ابد اللہ فی مراضیہ ملکہ وسلطنتہ کہ سیرے سی وشش پیسہ است یک سیر و چہار پیسہ پس صاع (یعنی عراقی) کہ چہارمدست پنج سیر و ثلث سیر اکبری باشد و بوزن جہانگیری چہارسیر ونیم سیر دوپیسہ کم ومد بقول ثانی (شافعی) یک سیر اکبری سہ پیسہ و چیزے کم (یعنی ۳-۱/۳ پیسہ کم ۲۶-۲/۳ پیسہ ہوا) وسہ ربع سیر جہانگیری چیزے کم (یعنی ثلث پیسہ کم کہ جہانگیری تین پاؤ ۲۷ پیسہ ہے) وصاع (یعنی حجازی) بوزن اکبری سہ ونیم سیر و دو پیسہ (یعنی تہائی پیسہ کم کہ ساڑھے تین سیر اکبری اور دو پیسے کے ۱۰۷ پیسے ہوئے اور صاع حجازی ۱۰۶-۲/۳ پیسہ) وبوزن جہانگیری سہ سیر یک پیسہ کم [1] (بلکہ ۱-۱/۳ پیسہ کم) کہ

ظاہر احادیث کی دلالت بھی اسی پر ہے کیونکہ بعض احادیث وضو میں ہے کہ اس کے لیے ایک مُد کافی ہے، اور بعض احادیث میں دو رطل کاتذکرہ ہے، ان میں تطبیق یوں ہے کہ دونوں کا مصداق ایک ہی ہے۔ ایک قول کے مطابق رطل اور ثلث عراقی ہے (ت)

(یہ قول شافعیہ ہے کہ صاع ۵-۱/۳ رطل ÷ ۴ = ۱-۱/۳ رطل)

اور رطل بیس ۲۰ استار اور استار ۴-۱/۲ مثقال جو کہ ایک پیسہ کا وزن ہے، اس حساب سے بناتے ہیں تاکہ واضح ہوجائے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ مُد پہلے (حنفی) قول پر ایک من ہے، اور شرعی من چالیس ۴۰ استار ہے، یہ اکبری وزن ہے جس میں سیر، تیس ۳۰ پیسہ برابر ہے تو مُد ایک سیر اور سیر کا ثلث ہُوا۔ جہانگیر بادشاہ اللہ تعالٰی اس کے ملک و سلطنت کو ہمیشہ پسندیدہ فرمائے، کہ اس کا سیر چھتیس ۳۶ پیسہ، تو مُد ایک سیر اور چار پیسہ برابر ہوا، پس صاع عراقی جو چار مُد ہے پانچ سیر اور ایک سیر کا ثلث، اکبری حساب سے ہُوا۔ اور جہانگیری حساب سے چار سیر اور دوپیسہ کم آدھ سیر ہُوا۔ اور دوسرے قول (شافعی) کے مطابق مُد، ایک اکبری سیر اور تین پیسہ سے قدرے کم، یعنی ۳-۱/۳ پیسہ کم ۲۶-۲/۳ پیسہ ہوا۔ اور جہانگیری حساب سے تین پاؤ سے کم یعنی پیسے کا تہائی حصّہ کم جو کہ تین پاؤ ۲۷ پیسہ ہے۔ اور صاع حجازی، اکبری حساب سے ۳-۱/۲ سیر ایک پیسہ کم (بلکہ ۱-۱/۳ پیسہ کم) تین سیر جہانگیری ۱۰۸ پیسہ ہے)

---

[1] شرح سفر السعادۃ، فصل در طہارت الخ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ص ۳۰

تین سیر جہانگیری ۱۰۸ پیسہ ہے) انتھی مزیدًا ما بین الھلالین منی۔	عبارت ختم ہوئی اور قوسین میں اضافہ میری طرف سے ہے۔(ت)

البتہ اشعۃ اللمعات مطبع مصطفائی محمد حسین خاں باب الغسل میں سیر جہانگیری سے صاع عراقی کا حساب ظاہرًا خطا سے کاتب سے غلط ہوگیا ہے حیث قال صاع بوزن اکبر شاہی کہ سیرے سی سیر شاہی بود پنج سیر ودہ سیر شاہی مے شود (اکبر شاہی کے حساب سے کہ ایک سیر تیس استار کا ہے، صاع ۵ سیر ہُوا اور دس ۱۰ استار ہے۔ت) (یہ صحیح ہے اور حساب اول کے مطابق کہ دس ۱۰ سیر شاہی ثلث پیسہ اکبری ہے کمالا یخفی جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

وبوزن حال جہانگیری ابد اللہ ملکہ وسلطنتہ کہ سیرے سی وشش سیر شاہی ست چہار سیر ویک پاؤمی شود بیک سیر شاہی کم۔[1]	اور جہانگیری حساب سے جس میں ایک سیر ۳۶ استار کا ہے، عراقی صاع چار سیر ایک پاؤ اور ایک سیر کم ہے۔(ت)

(یہ غلط ہے کہ صاع ۱۶۰ پیسہ ہے اور سوا چار سیر جہانگیری ایک پیسہ کم کے ۱۵۲ ہی پیسے ہُوئے آٹھ پیسے کا فرق ہے صحیح وہی ہے جو اوپر گزرا کہ ساڑھے چار سیر جہانگیری ہے دو پیسے کم)

مسئلہ ۱۴۷ تا ۱۴۹: از یہان پورہ کھر اسٹیٹ مسئولہ مرتضٰی خاں پی سارجنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس آفس ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں عید الفطر کے خطبہ میں فطرہ فی کس ایک سیر ساڑھے گیارہ آنے بھر مبلغ ایک سو پانچ روپیہ بھر کے حساب سے دینا بتایا، کیا یہ صحیح ہے؟

(۲) صاع کتنے سیر کا، سیر کتنے روپیہ بھر، روپیہ کتنے ماشے کا، اور کون روپیہ شرع سے، اس میں کیا حکم ہے؟

(۳) خطبہ علمی میں نصف صاع یعنی دو سیر جس کا وزن بریلی کے سیر سے ایک سیر نو چھٹانک سے کچھ بتایا کیا یہ صحیح ہے؟ رائج الوقت سیر سے فطرہ فی کس کتنا دینا چاہئے؟

الجواب:

(۱) خالد کا یہ قول محض غلط ہے گیہوں صدقۃ الفطر ایک سو چوالیس ما للعہ للعہ روپیہ بھر ہے اور زیادہ احتیاط اٹھنی اوپر ایک سو پچھتّر ملعہ روپے بھر، کما بیّناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے بیان

[1] اشعۃ اللمعات باب الغسل فصل ثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۳۳

کیا ہے۔ت) ایک سو پانچ روپے ساڑھے گیارہ آنے بھر سے کسی طرح صدقہ ادا نہیں ہو سکتا۔

(۲) سیر مختلف ہوتے ہیں، صاع کا حساب ہر جگہ کے سیر سے بدلے گا، صاع اس انگریزی روپیہ رائج الوقت سے دو سو اٹھاسی روپے بھر ہے، اور تولوں سے دو سو ستّر تولے۔ یہ روپیہ سوا گیارہ ماشہ بھر ہے۔

(۳) گیہوں کا فطرہ انگریزی روپے سے ایک سو چوالیس روپے بھر ہے جو بریلی کے سیر سے کہ سو ۱۰۰ روپیہ بھر کا ہے چھٹانک کم ڈیڑھ سیر ہوا سیر کا پانچواں حصّہ کم۔ حساب صحیح و منقح یہ ہے، زیادہ احتیاط وہ ہے جو اوپر گزری کہ گیہوں بریلی کے سیر سے پونے دو سیر دیں اٹھنی بھر اوپر، اور اسی ۸۰ کے سیر سے تین چھٹانک دو سیر دس اٹھنی بھر اوپر۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

سوال کسے جائز ہے کسے ناجائز

مسئلہ ۱۵۰: از مولوی محمد اسمٰعیل محمود آبادی ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

اس ملک میں رواج ہے کہ بعد نماز قبل فاتحہ اخیرہ کے ایک شخص اُٹھ کر مسافروں مسکینوں کے واسطے مسجد کے اندر مقتدیوں میں چندہ کرتا ہے، بعد ہو جانے کے فاتحہ پڑھی جاتی ہے بعدہ جو کچھ رقم بذریعہ چندہ جمع ہوتی ہے اس کو مسافروں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، آیا یہ امر اس طرح مسجد کے اندر جائز ہے؟

الجواب:

جائز ہے جبکہ وُہ چندہ کرنے والا خود اسمیں سے نہ لیتا ہو، بلکہ مسجد میں مسکین کے لیے اس طرح چندہ کرنا خود سنّت سے ثابت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر لوگ جو صحیح و سالم جوان تندرست ہیں مگر بوجہ آرام طلبی کے طلبِ معاش کی محنت سے جی چُرا کر سوال کو کہ بظاہر آسان ہے پیشہ اپنا مقرر کیا ہے، چنانچہ بعض نے تو چند کتابیں فارسی اردو وغیرہ کی دیکھ کر وعظ گوئی اختیار کی ہے اور دوسرے وطنوں میں جا کر اسی کے ذریعہ سے سوال کرتے ہیں اور بعض مشائخین کی شکل بنا کر کماتے ہیں اور بعضے مسافر بن کر مسجدوں میں ٹھہرتے ہیں اور اقسام اقسام کی حاجتیں ظاہر کرکے سوال کرتے ہیں اور بہ سبب کثرت اور رواج اس قسم کے لوگوں کی جو کوئی محتاج سچی حالت والا مسکین اور مسافر مصیبت زدہ ہوتا ہے، اس کی تصدیق اور شناخت بھی کم ہوتی ہے، علاوہ سوال کرنے کے یہ بھی ہوتا ہے کہ جس شہر یا محلّہ میں پہنچے ہیں وہاں کے باشندوں سے وہاں کے لوگوں کا حال معلوم کرکے جس کسی کو اہلِ شہر یا محلّہ سے ذی وجاہت معلوم کرتے ہیں اس کو جا گھیرتے ہیں

اور کہتے ہیں کہ ہمارے واسطے تم اپنے محلّہ یا شہر سے آگاہ کرادو بعض لوگ ان کی باتوں میں آکر ان کی طرف سے لوگوں سے مانگ مانگ کر ان کے واسطے کچھ فراہم کرادیتے ہیں، ایسا شخص جو ایسے لوگوں کے واسطے کوشش کرکے کچھ دلوادے تو بمقتضائے اس حدیث شریف کے الدال علی الخیر کفاعلہ[1] (بھلائی پر رہنمائی کرنے والا اسے بجالانے والے کی طرح ہوتا ہے۔ت) ثواب پائے گا اور یہ فعل اس کا موجب اجر ہوگا یا بحکم وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[2] (گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو۔ت) کے سوال حرام کے معاونت کا مرتکب ہوگا اور ایسے لوگوں کو دینے والا بھی ثواب پائے گا یا نہیں یا گنہگار ہوگا۔ بینوا توجروا

الجواب:

بے ضرورتِ شرعی سوال کرنا حرام ہے، اور جن لوگوں نے باوجود قدرت کسب بلاضرورت سوال کرنا اپنا پیشہ کرلیا ہے وہ جو کچھ اس سے جمع کرتے ہیں سب ناپاک وخبیث ہے اور ان کا یہ حال جان کر اُن کے سوال پر کچھ دینا داخل ثواب نہیں بلکہ ناجائز وگناہ، اور گناہ میں مدد کرنا ہے۔ اور جب انھیں دینا ناجائز تو دلانے والا بھی دال علی الخیر نہیں بلکہ دال علی الشر ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل فقیر غفراللہ تعالٰی نے اپنے مجموعہ فتاوٰی میں ذکر کی، لیکن اگر بے سوال کوئی کچھ دے جیسے لوگ علماء ومشائخ کی خدمت کرتے ہیں تو اس کے لے لینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ نیت نیک ہو تو دینے اور لینے والے دونوں داخلِ ثواب ہیں خصوصًا جبکہ لینے والا حاجت رکھتا ہو، سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو کچھ عطا بھیجی اُنھوں نے واپس حاضر کی کہ حضور نے ہمیں حکم دیا تھا کہ کسی سے کچھ نہ لینے میں بھلائی ہے، فرمایا یہ بحالتِ سوال ہے اور جو بے سوال آئے وُہ تو ایک رزق ہے کہ مولٰی تعالٰی نے تجھے بھیجا، امیر المومنین نے عرض کی واللہ اب کسی سے کچھ سوال نہ کروں گا اور بے سوال جو چیز آئے گی لے لُوں گا،[3]

رواہ مالك فی الموطا اصل الحدیث	اسے موطا میں امام مالک نے روایت کیا ہے اور اصل

[1] المعجم الکبیر مروی از ابومسعود الانصاری المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۷/ ۲۸-۲۲۷

[2] القرآن ۵/ ۲

[3] صحیح البخاری باب من اعطاہ اللہ شیئًا من غیر مسئلۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۹، صحیح مسلم باب جواز الاخذ بغیر سوال الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۴، مسند احمد بن حنبل مروی از عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۷، ۴۰، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب البیوع والاقضیہ حدیث ۲۰۱۶ ادارہ علوم القرآن والعلوم الاسلامیہ ۶/ ۵۵۲

عند الشیخین من حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما وفی الباب عن ام المومنین الصدیقۃ عند احمد و البیہقی وعن واصل بن الخطاب عند ابی یعلی وعن خالد بن عدی الجھنی عند احمد وابی یعلی والطبرانی وابن حبان والحاکم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عند الامام احمد وعن عائذ بن عمر رضی اللہ تعالی عنھم عنداحمد والطبرانی والبیہقی وھذا کلھا احادیث قویۃ باسانید جیاد۔	حدیث بخاری و مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے، اور اس بارے میں امام احمد اور بیہقی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے، ابویعلی نے حضرت واصل بن خطاب سے، امام احمد، ابویعلی، طبرانی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت خالد بن عدی الجہنی سے، امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، امام احمد، طبرانی اور بیہقی نے حضرت عائذ بن عمر رضی اللہ تعالے عنہم سے روایت کیا ہے، اور یہ تمام احادیث جیّد اسناد کی وجہ سے قوی ہیں۔ (ت)

حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ماالمعطی من سعۃ بافضل من الاٰخذ اذا کان محتاجا۔[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما وشاہدہ عندہ فی الاوسط کابن حبان فی الضعفاء من حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تونگری سے دینے والا کچھ لینے والے سے افضل نہیں جبکہ وہ حاجت رکھتا ہو (اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما سے روایت کیا اور اوسط میں ان کے ہاں اس کا شاہد بھی ہے جیسا کہ ابن حبان نے الضعفاء میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث روایت کی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۲: از پکھریرا محلّہ نورالحلیم شاہ شریف آباد رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ شریف الرحمٰن صاحب ۳ شعبان ۱۳۳۶ھ

زید مالدار چھ سات ہزار روپے یا کچھ کم و بیش کی زمین رکھتا ہے اور اس کو پانچ چھ سو روپیہ قرض ہے آیا وُہ زمین بیچ کر ادا کرے یا بھیک مانگ کر، شرعاً اس کو اس غرض سے بھیک مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر اس کا ذریعہ رزق اس زمین کے سوا کچھ نہیں، نہ وُہ کسی کسب پر قادر ہے نہ اس زمین کا کوئی حصہ

[1] المعجم الکبیر مروی از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۲/ ۴۲۳

جدا کرکے باقی لائق کفایت بچے یا کوئی حصہ لینے پر راضی نہ ہو، غرض یہ کہ سوائے سوال جمیع اسباب بند ہوں تو بحکم ضرورت بقدرِ ضرورت سوال حلال، ورنہ حرام،

فان الضرورۃ تبیح المحظورات وما کان لضرورۃ تقدر بقدرھا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ضرورت ممنوعات کو مباح کردیتی ہے اور ضرورت کے پیش نظر اتنی ہی مقدار جائز ہوگی (ت) واللہ تعالٰی اعلم

صدقات نفل کا بیان

مسئلہ ۱۵۳: از سرکار مارہرہ مطہرہ از درگاہ مسکین پناہ مسئولہ حضرت سیّد شاہ حامد حسین میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم ۱۰ شعبان ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب بغرض ثواب اپنے جائز روپے سے ماہواری یا سالانہ کھانا پکوا کر فاتحہ حضور پُرنور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیا کرتے ہیں اور کھانا مساکین وغیر مساکین کو کھلادیتے ہیں یا تقسیم کردیتے ہیں ایک طالبعلم حنفی قادری سنّی سیّد کہ جس کی تعلیم دینی بوجہ نہ استطاعت ہونے کے اُس کے ولی کے غیر مکمل رہی جاتی ہو اور علومِ دینی حاصل نہ کرنے کی وجہ سے اُس طالب علم آلِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بدعقیدہ ہوجانے کا اندیشہ ہو اس صورت میں اگر وہ روپیہ کو جو فاتحہ میں صرف کیا جاتا ہے اگر اس طالب علم کے تعلیم دینی میں بہ نیتِ ثواب فاتحہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صرف کردیا جائے تو بدل اُس فاتحہ سالانہ یا ماہواری کا ہوکر باعثِ خوشنودی سردارِ دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہوگا یا نہیں اور ثواب میں کمی تو نہ ہوگی؟

الجواب:

یہ اُس کا نعم البدل ہوگا اور ثواب میں کمی کیا معنی، اُس سے ستّر گُنا ثواب کی زیادہ اُمید ہے بطور مذکور کھانا پکا کر کھلانے یا بانٹنے میں ایک کے دس ہیں۔

قال اللہ تعالٰی مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ۔[1]	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے جو نیکی بجالاتا ہے اس کے لئے اس کی دس مثل ہیں۔ (ت)

اور طالبِ علمِ دین کی اعانت میں کم سے کم ایک کے سات سو۔

قال اللہ تعالٰی مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ	اللہ تعالٰی کا فرمان عالی ہے: انکی کہاوت جو اپنے

[1] القرآن ۶/ ۱۶۱

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍؕ وَ اللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُؕ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴿۲۶۱﴾ [1]	مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُس دانہ کی طرح جس نے اگائیں سات بالیاں، ہر بالی میں سودانے، اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لیے چاہے، اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

فی سبیل اللّٰہ ھو منقطع الغزاۃ وقیل الحاج وقیل طلبۃ العلم خصوصاً۔[2]	فی سبیل اللہ سے مراد وُہ غازی ہیں جن کے پاس خرچہ واسلحہ نہ ہو، بعض نے کہا حاجی، اور بعض نے کہا اس سے خصوصًا طلبہ علم مراد ہیں(ت)

جبکہ اس میں حفظِ ہدایت ہو، صحیح حدیث ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان یھدی اللّٰہ بك رجلا خیر لك مما طلعت علیك شمس و غربت۔[3] واللّٰہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	تیری وجہ سے کسی ایک کا ہدایت پاجانا ہر اس شئی سے بہتر ہے جس پر طلوعِ آفتاب ہو۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۵۴: از رامپور چاہ شور مرسلہ مولوی عبدالصمد صاحب ۱۸ محرم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ جو لوگ تندرست وتوانگر کھاتے پیتے ہیں انھوں نے اپنا پیشہ گدائی اور فقیری اور محتاجگی کا مقرر کیا ہے اور دربدر شہر بہ شہر بھیک مانگتے سوال کرتے پھرتے ہیں اور ہرگز محنت مزدوری نہیں کرتے اگرچہ مالدار آسودہ حال ہیں ایسے لوگوں کو بھیک مانگنا اور سوال کرنا حلال ہے یا حرام؟ اور اگر حرام ہے تو دینا بھی بوجہ اعانت علی الحرمۃ، حرام اور ممنوع ہے یا نہیں، جبکہ مسجد میں سوال اور اس عطا کو کتبِ فقہ میں حرام ومکروہ فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ درمختار میں مرقوم ہے: ویحرم فیہ السوال ویکرہ الاعطاء [4] (مسجد میں مانگنا حرام اور دینا مکروہ ہے۔ت) بینوا بالکتاب وتوجروا بیوم الحساب (کتاب سے بیان کرو اور یومِ حساب اجر پاؤ۔ت)

---

[1] القرآن ۲/ ۲۶۱

[2] درمختار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۰

[3] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۷۲۱۹ دارالمعرفۃ بیروت ۵/ ۲۵۹، اتحاف السادۃ المتقین بیان ترک الطاعات خوفاً من الریاء دارالفکر بیروت ۸/ ۳۲۰

[4] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

الجواب:

جو اپنی ضروریات شرعیہ کے لائق مال رکھتا ہے یا اس کے کسب پر قادر ہے اُسے سوال حرام ہے اور جو اس مال سے آگاہ ہو اُسے دینا حرام، اور لینے اور دینے والا دونوں گنہگار ومبتلائے آثام۔ صحاح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتحل الصدقة لغنی ولذی مرة سوی۔[1] رواہ الائمة احمد والدارمی والاربعة عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	صدقہ حلال نہیں ہے کسی غنی کے لیے، نہ کسی تندرست کے لیے (اسے امام احمد، دارمی اور چاروں ائمہ نے حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

نیز صحاح میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من سأل الناس وله مایغنیه جاء یوم القیامة ومسئلته فی وجهه خموش۔[2] رواہ الدارمی والاربعة عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو لوگوں سے سوال کرے اور اس کے پاس وہ شئے ہو جو اُسے بے نیاز کرتی ہو روزِ قیامت اس حال پر آئیگا کہ اُس کا وہ سوال اس کے چہرہ پر خراش وزخم ہو (اسے دارمی اور چاروں ائمہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من سأل الناس اموالهم تکثر افانما یسأل جمر جهنم فلیستقل منه او یستکثر۔[3] رواہ احمد و مسلم وابن ماجة عن	جو اپنا مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے اُن کے مال کا سوال کرتا ہے وہ جہنّم کی آگ کا ٹکڑا مانگتا ہے، اب چاہے تھوڑی لے یا بہت۔ (اسے امام احمد،

[1] سنن الدارمی نمبر ۱۵ باب من تحل لہ الصدقۃ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۳۲۵، جامع الترمذی ابواب الزکوٰۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۸۳

[2] جامع سنن الدارمی نمبر ۱۵ باب من تحل لہ الصدقۃ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۳۲۵، جامع الترمذی ابواب الزکوٰۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۸۲

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۲/ ۲۳۱، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۳، سنن ابن ماجہ باب من سأل عن ظہر غنی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۳

ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من سأل من غیر فقر فانما یا کل الجمر۔[1] رواہ احمد وابن خزیمۃ وایضا فی المختارۃ عن حبشی بن جنادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔	جو بے حاجت وضرورتِ شرعیہ سوال کرے وہ جہنم کی آگ کھاتا ہے (اسے امام احمد اور ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے اور المختارہ میں حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ت)

تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

لایحل ان یسئل من لہ قوت یومہ بالفعل او بالقوۃ کالصحیح المکتسب ویا ثم معطیہ ان علم بحالہ لاعانتہ علی المحرم اھ۔[2] وتمام الکلام فی ھذاالمقام مع دفع الاوھام فی فتاوٰنا وقد ذکر ناشیأ منہ فیما علقنا علی ردالمحتار واللہ تعالٰی یقول جل مجدہ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، واللہ تعالٰی اعلم۔	جس شخص کے پاس عملًا ایک دن کی روزی موجود ہو یا وہ روزی کمانے کی صحیح طاقت رکھتا ہو (یعنی وہ تندرست وتوانا ہو تو) اس کے لیے روزی کا سوال جائز نہیں، اس کے حال سے آگاہ شخص اگر اسے کچھ دے گا تو وہ گنہ گار ہوگا کیونکہ وہ حرام پر اس کی مدد کررہا ہے اھ(ت) اور اس پر ایسی تفصیلی گفتگو جس سے تمام اوہام کارد ہوجائے ہم نے اپنے فتاوٰی میں کی ہے اور اس میں کچھ ردالمحتار کے حاشیہ میں بھی ذکر کی ہے اور اللہ تعالٰی سبحانہ کا مبارک فرمان ہے: گناہ اور زیادتی پر مدد نہ کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۵: مرسلہ مظفر علی ساکن قصبہ شاہ آباد ضلع ہردوئی محلّہ سید باڑہ ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

میلاد شریف اور گیارہویں شریف اور فاتحہ اولیاء اللہ کی شیرینی کھانا اور شربت محرّم کا پینا درست ہے یا نہیں اور ان کا حرام جاننے والا اور مثل زکوٰۃ کے مال کے، بجز مساکین اور سب کے واسطے، حرام قطعی بتانے والا

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث حبشی بن جنادۃ السلولی رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۶۵، صحیح ابن خزیمہ نمبر ۴۱۲ باب التغلیظ فی مسئلۃ الغنی من الصدقۃ حدیث ۲۴۴۶ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۰۰

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۲

حنفی مقلد ہے یا نہیں؟ اور ایسا شخص حنفی مقلد اشخاص میں قابلِ امامت ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

اشیاء مذکورہ سے کوئی چیز نہ زکوۃ ہے نہ صدقہ واجبہ، اس کا کھانا غنی، فقیر، سیّد وغیرہ سب کو بالاتفاق حلال ہے، اُسے سوائے مساکین اوروں پر حرام بتانے والا، اللہ عزوجل پر افتراء کرتا ہے اور سخت عذاب شدید کا مستحق ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ [1]	اور نہ کہو اپنی زبانی جھوٹ بناوٹوں سے کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام کہ اللہ پر جھوٹ باندھو بیشک جو اللہ پر جُھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہ پائیں گے دنیا میں تھوڑا سا کھاپہن لیں پھر آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

فتاوٰی عتابیہ پھر نہایہ شرح ہدایہ پھر سعدی آفندی علی العنایہ میں ہے:

يجوز النفل للهاشمی مطلقا بالاجماع وكذا يجوز النفل للغنی۔ [2]	ہر نفلی صدقہ بالاتفاق ہاشمی کے لیے جائز ہے اور اسی طرح نفلی صدقہ غنی کے لیے بھی جائز ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

جازت التطوعات من الصدقات و غلة الاوقاف لهم۔ [3]	نفلی صدقات اور غلہ اوقاف ان (اغنیاء) کے لیے جائز ہے۔ (ت)

ذخیرہ پھر ردالمحتار میں ہے:

ان فی التصدیق علی الغنی نوع قربة دون قربة الفقیر۔ [4]	غنی پر صدقہ کی صورت میں وہ قربت ہوتی ہے جو فقیر پر صدقہ سے کم ہے۔ (ت)

معہذا ان اشیاء میں تصدق کی نیّت نہیں ہوتی بلکہ عام حاضرین پر ہدیہ تقسیم اور ہدیہ یقینا مطلقا سب کے لیے جائز

---

[1] القرآن ۱۶/۱۱۶و۱۱۷

[2] حاشیۃ سعدی آفندی علی العنایہ مع فتح القدیر باب یجوز دفع الصدقۃ الیہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۱۱

[3] درمختار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۱

[4] ردالمحتار، کتاب الوقف، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۳/۳۵۷

اور زمانہ رسالت سے علی العموم بلا تخصیص مساکین رائج ہے، ایسا شخص کہ صراحۃً اللہ ورسول پر افتراء کرتا ہے اور حلالِ خدا کو حرام بتاتا ہے، اگر جاہل بے علم ہے اور اپنے قولِ باطل پر مُصِر ہے تو دو ۲ وجہ سے فاسق ہے:

اولا: حلال کو حرام کرنا، دوسرے بے علم فتوٰی دینا، حلال حرام میں زبان کھولنا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا۔[1] رواہ البخاری واحمد ومسلم والتر مذی و ابن ماجۃ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	بے علم کہ شرعی حکم لگا بیٹھے تو آپ بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا (اسے امام بخاری، احمد، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من افتی بغیر علم لعنتہ ملئکۃ السماء و الارض۔[2] رواہ ابن عساکر عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ۔	جو بغیر علم کے کوئی حکمِ شرعی بتائے اس پر آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کریں (اسے ابن عساکر نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰے وجہہ سے روایت کیا۔ت)

اور فاسق کی امامت مکروہِ تحریمی ہے:

کما فی الحجۃ والغنیۃ والتبیین والطحطاوی علی المراقی وغیرھا وقد حققنا فی النھی الاکید۔	جیسا کہ حجہ، غنیہ، تبیین اور طحطاوی علی المراقی وغیرہ میں ہے اور ہم نے اپنے رسالہ "النھی الاکید" میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔(ت)

اور اگر ذی علم ہے تو اُس کا حکم اور سخت تر ہے کہ وہ دانستہ اللہ عزوجل پر افتراء کرتا ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ[3]	جھوٹے افتراء وہی باندھتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔

---

[1] صحیح البخاری، کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/۲۰

[2] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر، عن علی کرم اللہ وجہہ حدیث ۲۹۰۱۸، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۰/۱۹۳

[3] القرآن ۱۶/۱۰۵

اور اس کے غیر مقلد ہونے میں شک نہیں وُہ نہ حنفی ہے نہ شافعی نہ مالکی نہ حنبلی کہ کسی مذہب میں ہدیہ تقسیم اغنیاء پر حرام نہیں، ہاں وہ شیطان کا مقلد ہے، جس نے صحابہ کرام کے زمانہ سے اس وقت تک تمام مسلمانوں کو مرتکب حرام واکل حرام، بنانے کا ناپاک وسوسہ اُس کے بے باک دل میں ڈالا، اور غیر مقلد کے پیچھے نماز حرام، بلکہ محض باطل ہے **کما حققناہ فی کتابنا المذکور** (جیسا ہم نے اپنی کتاب مذکور میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) فتح القدیر میں ہے:

الصلٰوۃ خلف اھل الاھواء لاتجوز۔[1] واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	اہلِ ہوا کے پیچھے نماز جائز نہیں۔(ت)

مسئلہ ۱۵۶: از کلکتہ کولھوٹولہ۔ اسٹریٹ نمبر ۶۵ مرسلہ حاجی محمد لعل خاں صاحب، ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

قبلہ وکعبہ حضرت مولائی مرشدی مدظلہ العالی تمنائے قدم بوسی کے بعد مؤدبانہ گزارش ہے کہ ایک شخص اہل وعیال رکھتا ہے اپنی ماہانہ یا سالانہ آمدنی سے بلاافراط وتفریط اپنے بال بچّوں پر خرچ کرکے بقایا خدا کی راہ میں دیتا ہے آئندہ کو اہل وعیال کے واسطے کچھ نہیں رکھتا، دوسری اپنی آمدنی سے بچوں پر ایک حصہ خرچ کرکے دوسرا حصہ خیرات کرتا اور تیسرا حصّہ آئندہ انکی ضرورتوں میں کام آنے کی غرض سے رکھ چھوڑنے کو اچھا جانتا ہے، ان دونوں میں افضل کون ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حُسنِ نیّت سے دونوں صورتیں محمود ہیں، اور باختلافِ احوال ہر ایک افضل، کبھی واجب، ولہذا اس بارہ میں احادیث بھی مختلف آئیں اور سلف صالح کا عمل بھی مختلف رہا۔

اقول: وباللّٰہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) اس میں قول موجز وجامع **اِن شاء اللّٰہ تعالٰی** یہ ہے کہ آدمی دو[۲] قسم ہیں منفرد کہ تنہا ہو اور معیل کہ عیال رکھتا ہو، سوال اگرچہ معیل سے متعلق ہے مگر ہر معیل اپنے حق نفس میں منفرد اور اس پر اپنے نفس کے لحاظ سے وہی احکام ہیں جو منفرد پر ہیں، لہذا دونوں کے احکام سے بحث درکار۔

اوّل: وُہ اہلِ انقطاع وتبتّل الی اللہ اصحاب تجرید وتفرید جنھوں نے اپنے رب سے کچھ نہ رکھنے کا عہد باندھا ان پر اپنے عہد کے سبب ترک ادخار لازم ہوتا ہے اگر بچار کھیں تو نقضِ عہد ہے اور بعد عہد پھر جمع کرنا ضرور ضعفِ یقین سے ناشئی یا اُس کا موہم ہوگا، ایسے اگر کچھ بھی ذخیرہ کریں مستحقِ عقاب ہوں، حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی

[1] فتح القدیر، باب الامامۃ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/۳۰۴

علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ خُرمے جمع دیکھے، فرمایا: یہ کیا ہے؟ عرض کی: شیئ ادخرتہ لغد میں نے آئندہ کے لیے جمع کر رکھے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے: اعد ذٰلک لاضیافک حضور کے مہمانوں کے خیال سے انھیں رکھا ہے۔ فرمایا:

اما تخشی ان یکون لك دخان فی نار جهنم انفق یا بلال ولا تخشی من ذوی العرش اقلالا۔[1] رواه البزار بسند حسن و الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود و ابو یعلی والطبرانی فی الکبیر والاوسط بسند حسن والبیهقی فی شعب الایمان واللفظ الاول له عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنهما۔	کیا ڈرتا نہیں کہ تیرے آتش دوزخ کا دُھواں ہو، اے بلال! خرچ کر اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کرو۔ اسے بزار نے سند حسن سے طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے، ابویعلیٰ اور طبرانی نے المعجم الکبیر اور اوسط میں سند حسن سے، اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے پہلے الفاظ اسی کے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں۔ (ت)

ایک بار انہی بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: "اے بلال! فقیر مرنا اور غنی ہو کر نہ مرنا"۔ عرض کی: اس کی کیا سبیل ہے؟ فرمایا: جو ملے نہ چھپانا اور جو مانگا جائے منع نہ کرنا (ظاہر ہے کہ جب نہ مال چھپانا ہو نہ کسی کا سوال رَد کیا جائے تو سائلین کسی وقت بھی کچھ پاس نہ چھوڑیں گے) عرض کی: ایسا کیونکر کروں؟ فرمایا:

هو ذاك او النار۔[2] والعیاذ بالله تعالیٰ رواه الطبرانی فی الکبیر وابو الشیخ فی الثواب والحاکم فی المستدرك عن بلال رضی الله تعالیٰ عنه۔	یا تو یونہی کرنا ہوگا یا آگ۔ (اللہ تعالیٰ کے دامنِ رحمت میں پناہ لیتا ہُوں۔ اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں، ابو شیخ نے الثواب میں اور حاکم نے المستدرک میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

دوم: فقر و توکّل ظاہر کرکے صدقات لینے والا اگر یہ حالت مستمر رکھنا چاہے تو اُن صدقات میں سے کچھ جمع کر رکھنا

[1] شعب الایمان باب فی الزکوٰۃ حدیث ۳۳۴۸ دار لکتب العلمیہ بیروت، ۲۰۹/۳، المعجم الکبیر، روی از بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث ۱۰۲۰، المکتبۃ الفیصلیہ بیروت، ۳۴۰/۱، مجمع الزوائد، بحوالہ البزار باب فی الانفاق والامساک دار الکتاب العربی بیروت، ۲۴۱/۱۰

[2] المعجم الکبیر مروی از بلال رضی اللہ عنہ حدیث ۱۰۲۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۳۴۱/۱

اُسے ناجائز ہوگا کہ یہ دھوکا ہوگا اور اب جو صدقہ لے گا حرام و خبیث ہوگا، انہی دونوں باب سے ہیں وہ احادیث جن میں ایک اشرفی ترکہ چھوڑے والے کو ایک داغ فرمایا، دوپر دو، تین پر تین یعنی فی اشرفی ایک داغ دیا جائیگا۔

فلا حمد والطبرانی عن ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنه توفی رجل من اھل الصفة فوجد فی مئزرہ دینار فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کیة ثم توفی اٰخرفوجد فی مئزرہ دیناران، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کیتان [1] ولاحمد وابن حبان عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه قال توفی رجل من اھل الصفة فوجد وافی شملته دینارین فذکرواذٰلك للنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقال کیتان [2] ولھما وللبخاری من سلمة بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنه کنت جالسا عند النبی صلی اللہ تعالٰی عنه وسلم فاتی بجنازة فقال ھل ترك من شئی قالو انعم ثلثة دنانیر فقال باصبعه ثلث کیات۔ مختصرًا [3]	امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اصحابِ صفہ میں سے ایک فوت ہُوئے ان کے پلّے میں ایک دینار پایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے ایک داغ ہے، دوسرا فوت ہوا اس کے دامن میں دو۲ دینار تھے، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دو۲ داغ ہیں۔امام احمد اور ابن حبان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اصحابِ صفہ میں سے ایک فوت ہوئے ان کے شملہ میں دو۲ دینار پائے گئے تو لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا: یہ دو۲ داغ ہیں۔احمد، ابن حبان اور بخاری میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ میں رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہُوا تھا جنازہ لایا گیا، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے کچھ چھوڑا ہے؟ عرض کیا: ہاں اس نے تین دراہم چھوڑے ہیں۔آپ نے مبارک انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ تین داغ ہیں (ت)

ظاہر ہے کہ ان حدیثوں کا محل وُہ نہیں ہوسکتا جو آیہ کریمہ:

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۙ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۙ ﴿۳۴﴾	جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوامامہ دارالفکر بیروت ۵/۲۵۳
[2] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ ابن مسعود دارالفکر بیروت ۱/۴۵۷
[3] مسند احمد بن حنبل مروی از سلمہ بن اکوع دارالفکر بیروت ۴/۴۷

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝۳۵ [1]	بشارت دیجئے کہ جس دن جہنم کی آگ میں انھیں پگھلایا جائے گا اور ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جسے تم اپنے لیے جمع کرتے تھے اب اپنے جمع کئے ہوئے کا عذاب چکھو۔ (ت)

وحدیثِ صحیح:

من اوکی علی ذھب اوفضة ولم ینفقه فی سبیل اللّٰه کان جمرا یوم القیامة یکوی به۔[2] رواہ احمد والطبرانی واللفظ له کلاھما بسند صحیح عن ابی ذر رضی اللّٰه تعالٰی عنه عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم۔	جس نے سونا و چاندی جمع کیا اور اسے راہِ خدا میں خرچ نہ کیا وہ روزِ قیامت اس کے لیے آگ کا انگارہ بن جائے گا اور اس سے مالک داغا جائے گا۔ اسے امام احمد اور طبرانی (الفاظ اسی کے ہیں) نے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے (ت)

کا محمل ہے کہ جب زکوۃ دے دے حقوق واجبہ شرعیہ ادا کردے کنز نہ رہا اور سبیل اللہ میں خرچ نہ کرنا صادق نہ آیا لہٰذا استحقاقِ داغ نہ رہا،

فالبیھقی فی سننه ابن عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنھما موقوفا ومرفوعا الی النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کلما ادی زکٰوۃ فلیس بکنز وان کان مدفونا تحت الارض وکلما لا تؤدی زکٰوته فھو کنز وان کان ظاھرا[3] ولابی داؤد عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالٰی عنھما قال لما نزلت ھذہ الاٰیة و الذین یکنزون الذاب والفضة کبُرذٰلك علی المسکین فقال عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنه انا	بیہقی نے سنن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے موقوفًا اور مرفوعًا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا، ہر وہ مال جس کی زکوۃ دے دی جائے وہ کنز نہیں کہلاتا اگرچہ وہ زمین میں مدفون ہو اور ہر مال جس کی زکوۃ نہ دی گئی ہو وُہ کنز ہے اگرچہ ظاہر ہو، ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیہ کریمہ والذین یکنزون الذھب والفضة نازل ہُوئی تو مسلمان پریشان ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا میں

[1] القرآن ۹/۳۴و۳۵

[2] المعجم الکبیر مروی از ابوذر غفاری رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۱۶۴۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲/ ۱۵۳

[3] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الزکوۃ، باب التفسیر الکنز الخ، دار صادر بیروت، ۴/ ۸۳

افرج عنکم فانطلق فقال یانبی الله انه کبر علی اصحابك هذه الاٰیة فقال ان الله لم یفرض الزکوٰة الا لیطیب مابقی من اموالکم وانما فرض المواریث لتکون لمن بعدکم قال فکبر عمر رضی الله عنه۔[1]	تمھاری یہ پریشانی دُور کرتاہُوں، حضور کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور عرض کیا: یانبی اللہ! اس آیہ مبارکہ نے آپ کے اصحاب کو پریشان کردیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے زکوٰۃ فقط اسی لیے فرض فرمائی تاکہ تمھارا باقی مال پاک ہوجائے اور وراثت اس لیے فرض کی ہے تاکہ بعد کے لوگوں کو مال ملے۔ راوی کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اللہ کی بڑائی بیان کی۔ (ت)

اور یہ اس لیے کہ بیس دینار سے کم پر نہ زکوٰۃ ہے نہ کوئی صدقہ واجبہ۔ لاجرم یہاں استحقاقِ داغ انہی دو ۲ وجہ سے ایک پر ہو،

قال الله تعالٰی وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾[2] وفی قوت القلوب والترغیب وغیرهما انما کان کذٰلك لانه ادّخر مع تلبسه بالفقر ظاہرا و مشارکته الفقراء فیما یأتیهم من الصدقة۔[3]	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: عہد پُورا کرو عہد کے بارے میں پُوچھا جائے گا۔ (ت) قوت القلوب اور ترغیب وغیرہ میں ہے یہ داغ اس لیے ہے کہ ذخیرہ کرنے کے ساتھ اس نے ظاہرًا فقر کا اظہار کیا اور وہ صدقات میں فقراء کے ساتھ شریک ہوگیا۔ (ت)

یہ اُسی تقدیر پر ہے کہ داغ سے مراد عیاذًا باللہ آتشِ دوزخ میں تپاکر داغ دینا ہو، اور اگر اس سے دھبہ مراد ہو یعنی اس کے جمال ونورانیت میں وہ ایسے معلوم ہوں گے جیسے چہرہ پر چیچک وغیرہ کا داغ، اور جن موردوں کے بارے میں یہ حدیثیں آئیں وہاں بلاشُبہ یہی معنی دوم انسب واقرب ہیں تو وہ ان دونوں قسموں سے الگ ہیں، امام حجۃ الاسلام نے احیاء میں بعد ذکرِ وجہِ اول فرمایا:

الثانی ان لایکون ذٰلك عن تلبیس، فیکون المعنی به النقصان عن درجته فی الاٰخرة اذلا یؤتی احد من الدنیا شیأ الانقص	دوسرا یہ کہ دھوکا کی بناپر نہ ہو، اب معنٰی یہ ہوگا کہ آخرت کے درجات میں کمی ہوجائے گی کیونکہ دنیا میں جس کو بھی کچھ دیاگیاہے اس کے عوض آخرت

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب حقوق المال آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۴

[2] القرآن ۱۷/ ۳۴

[3] الترغیب والترھیب کتاب الصدقات الترغیب فی الانفاق فی وجوہ الخیر الخ مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۸

بقدرہ من الاٰخرۃ[1] (ملخصاً)	میں کمی ہوجائے گی (ملخصاً) (ت)

زبیدی نے اتحاف السادہ میں فرمایا:

وھذا الوجه ھو اللائق بمقام الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم کما لا یخفی۔[2]	صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مقام کے یہی وجہ مناسب ہے، جیسا کہ مخفی نہیں۔ (ت)

سوم: جسے اپنی حالت معلوم ہو کہ حاجت سے زائد جو کچھ بچا کر رکھتا ہے نفس اُسے طغیان و عصیان پر حامل ہوتا، یا کسی معصیت کی عادت پڑی ہے اس میں خرچ کرتا ہے تو اس پر معصیت سے بچنا فرض ہے اور جب اُس کا یہی طریقہ معین ہو کہ باقی مال اپنے پاس نہ رکھے تو اس حالت میں اس پر حاجت سے زائد سب آمدنی کو مصارفِ خیر میں صرف کردینا لازم ہوگا،

وذٰلك لان فقد ان الاٰلة احد العصمتین وما تعین طریقا لواجب وجب۔	یہ اس لیے کہ ذریعہ کا مفقود ہوجانا بھی عصمت کی ایک صورت ہے اور جو شیئ کسی واجب کا ذریعہ بن رہی ہو وہ بھی واجب ہوجاتی ہے۔ (ت)

چہارم: جو ایسا بے صبرا ہو کہ اُسے فاقہ پہنچے تو معاذاللہ رب عزوجل کی شکایت کرنے لگے اگرچہ صرف دل میں، نہ زبان سے، یا طرق ناجائز مثل سرقہ یا بھیک وغیرہ کا مرتکب ہو، اس پر لازم ہے کہ حاجت کے قدر جمع رکھے، اگر پیشہ ور ہے کہ روز کا روز کھاتا ہے، تو ایک دن کا، اور ملازم ہے کہ ماہوار ملتا ہے یا مکانوں دکانوں کے کرایہ پر بسر ہے کہ مہینہ پیچھے آتا ہے، تو ایک مہینہ کا، اور زمیندار ہے کہ فصل یا سال پر پاتا ہے تو چھ مہینہ یا سال بھر کا، **فان درء المفاسد اھم من جلب المصالح** (مصالح کے حصول سے مفاسد کا ختم کرنا اہم ہوتا ہے۔ت) اور اصل ذریعہ معاش مثلاً آلاتِ حرفت یا دکان مکان دیہات بقدر کفایت کا باقی رکھنا تو مطلقاً اس پر لازم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من رزق فی شئی فلیلزمه۔[3] رواہ البیهقی فی شعب الایمان عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه بسند حسن۔	جو شیئ کسی کا ذریعہ رزق ہو وُہ اسے لازم پکڑے امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسندِ حسن بیان کیا ہے۔ (ت)

---

[1] احیاء العلوم کتاب التوحید والتوکل الفن الثانی فی التعرض لاسباب الادخار مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۴/ ۲۷۸

[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب التوحید والتوکل الفن الثانی فی التعرض لاسباب الادخار دارالفکر بیروت ۹/ ۵۰۵

[3] شعب الایمان باب التوکل والتسلیم حدیث ۱۲۴۱ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۲/ ۸۹

دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

مامن عبد یبیع تالدًا عـــہ الاسلط اللہ علیہ تالفا۔[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ وعن الصحابۃ جمیعا۔ عـــہ: المال القدیم۔	جو بندہ قدیم جائداد کو بیچ دے اللہ تعالٰی اس پر تلف کرنے والا مسلط کردیتا ہے۔ اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا ہے اور تمام صحابہ سے منقول ہے، (ت) "تالد" قدیم مال کو کہتے ہیں۔

تیسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من باع عقر دار من غیر ضرورۃ سلط اللہ علٰی ثمنھا تالفا یتلفہ۔[2] رواہ فی الاوسط عن معقل بن یسار رضی اللہ تعالٰی عنہ العقر بالفتح الاصل۔	جس نے بغیر ضرورت اصل دار کو بیچا اللہ تعالٰی اس کے ثمنوں پر کسی تلف کرنیوالے کو مسلط کردیتا ہے۔ اسے طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ لفظ عقر بالفتح ہے اس کے معنی اصل کے ہیں (ت)

پنجم: جو عالمِ دین مفتیِ شرع یا مدافع بدع ہو اور بیت المال سے رزق نہیں پاتا، جیسا یہاں ہے، اور وہاں اس کا غیر ان مناصب دینیہ پر قیام نہ کرسکے کہ افتا یا دفع بدعات میں اپنے اوقات کا صرف کرنا اس پر فرض عین ہو اور وُہ مال و جائداد رکھتا ہے جس کے باعث اسے غنا اور ان فرائضِ دینیہ کے لیے فارغ البالی ہے کہ اگر خرچ کردے محتاج کسب ہو اور ان امور میں خلل پڑے، اس پر بھی اصل ذریعہ کا ابقا اور آمدنی کا بقدر مذکور جمع رکھنا واجب ہے فان مقدمۃ الفریضۃ فریضۃ (کسی فریضہ کا مقدمہ فرض ہوتا ہے۔ت) ایسے عالم کو جہاد کے لیے جانے کی اجازت نہیں کسبِ مال میں وقت صرف کرنے کی کیونکر اجازت ہوسکتی ہے، تنویر و درمختار میں ہے:

عالم لیس فی البلدۃ افقہ منہ فلیس لہ الغزو۔[3]	کسی شہر میں فقیہ ہو اور وہاں اس سے بڑھ کر دین جاننے والا نہ ہو تو ایسا شخص جہاد پر نہیں جاسکتا ہے۔ (ت)

ششم: اگر وہاں اور بھی عالم یہ کام کرسکتے ہوں تو ابقاء و جمع مذکور اگرچہ واجب نہیں مگر اہم و موکد

---

[1] المعجم الکبیر، مروی از عمران بن حصین، حدیث ۵۵۵، المکتبۃ الفیصلیہ بیروت، ۲۲۲/۱۸

[2] الجامع الصغیر مع فتح القدیر بحوالہ طبرانی اوسط حدیث ۸۵۵۳ دار المعرفہ بیروت ۹۳/۶

[3] درمختار، کتاب الجہاد، مطبع مجتبائی دہلی، ۳۳۹/۱

بیشک ہے کہ علمِ دین حمایتِ دین کے لیے فراغ بال، کسبِ مال میں اشتغال سے لاکھوں درجے افضل ہے معہذا ایک سے دو اور دو سے چار بھلے ہوتے ہیں، ایک کی نظر کبھی خطا کرے تو دوسرے اسے صواب کی طرف پھیر دیں گے، ایک کو مرض وغیرہ کے باعث کچھ عذر پیش آئے تو جب اور موجود ہیں کام بند نہ رہے گا لہٰذا تعدد علمائے دین کی طرف ضرور حاجت ہے۔

ہفتم: عالم نہیں مگر طلبِ علمِ دین میں مشغول ہے اور کسب میں اشتغال اُس سے مانع ہوگا تو اس پر بھی اُسی طرح ابقاء و جمع مسطور آکد واہم ہے۔

ہشتم: تین صورتوں میں جمع منع ہُوئی، دو۲ میں واجب، دو۲ میں مؤکد۔ جو ان آٹھ سے خارج ہو، وہ اپنی حالت پر نظر کرے اگر جمع نہ رکھنے میں اس کا قلب پریشان ہو توجہ بعبادت و ذکرِ الٰہی میں خلل پڑے تو بمعنی مذکور بقدرِ حاجت جمع رکھنا ہی افضل ہے اور اکثر لوگ اسی قسم کے ہیں ع

پراگندہ روزی پراگندہ دل

(روزی پراگندہ ہو تو دل بھی پراگندہ ہوتا ہے۔ت)

؎ شب چو عقد نماز بر بندم چہ خورد بامداد فرزندم

(رات کو نماز میں دل کیا لگے جب یہ پریشانی ہو کہ صبح بچّے کیا کھائیں گے۔ت)

عین العلم میں ہے:

یترك المضطرب طریق المتوکل بالادخار لان الغرض صلاح القلب۔[1]	مضطرب ذخیرہ کے ذریعے متوکل کا طریق ترک کردے کیونکہ مقصد اصلاح قلب ہے (ت)

احیاء العلوم میں ہے:

بل لوامسك ضیعۃ یکون دخلھا وافیا بقدر کفایتہ وکان لا یتضرع قلبہ الابہ فذلك لہ اولٰی۔[2]	بلکہ اگر قدر کفایت کو پُورا کرنیوالی جائیداد کو محفوظ کرے جبکہ (عبادت میں) تضرع اسی سے حاصل رہتا ہے تو یہ بہتر ہے۔(ت)

یہاں وہ لوگ مراد ہیں جن کو توجہ بخدا کا قصد ہے ورنہ منہمکین فی الدنیا تو کسی وقت بھی متوجہ نہیں ہوتے، غنی

---

[1] عین العلم، الباب العشرون فی التوحید والتوکل الخ، مطبع اسلامیہ لاہور ص ۳۳۸

[2] احیاء العلوم، الباب العشرون فی التوحید والتوکل الخ مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۴/ ۲۷۷

ہوں تو بھول جائیں اللھم انّا نعوذبك من غنی یطغی و من فقر ینسی (اے اللہ! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس غنا سے جو تیرا باغی بنادے اور اس فقر سے جو تجھے بُھلادے۔ت)

نہم: اگر جمع رکھنے میں اس کا دل متفرق اور مال کے حفظ یا اس کی طرف میلان سے متعلق ہو تو رکھنا ہی افضل ہے کہ اصل مقصود ذکرِ الٰہی کے لیے فراغ بال ہے جو اُس میں مخل ہو وہی ضم ہے ان ہی دونوں مقاموں کی طرف حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُس دُعا میں اشارہ فرمایا جو اپنی اُمّت کو تعلیم فرمائی کہ:

اللھم ما رزقتنی مما احب فاجعله قوة لی فیما تحب اللھم وما زویت عنی مما احب فاجعله فراغا لی فیما تحب۔[1] رواہ الترمذی عن عبداللہ بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنه وحسنه۔	اے اللہ! تُو نے جو مجھے میرا پسندیدہ رزق دیا ہے تو اسے اپنے پسندیدہ کاموں میں میرے لیے قوت کا ذریعہ بنادے، اور وُہ پسندیدہ رزق جو تُو نے مجھ سے روک رکھا ہے تو اسے اپنے پسندیدہ کاموں میں میرے لیے ذریعہ فراغت بنادے۔ اسے امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرکے حسن قرار دیا ہے۔(ت)

امام حجۃ الاسلام بعد عبارتِ مذکورہ فرماتے ہیں:

المقصود اصلاح القلب لیتجرد لذکر اللہ، ورب شخص یشغله وجود المال ورب شخص یشغله عدمه، والمحذور ما یشغل عن اللہ عزوجل، والا فالدنیا فی عینها غیر محذورة لا وجودها ولا عدمها۔[2]	مقصود تو دل کی اصلاح ہے تاکہ وہ ذکرِ الٰہی کے لیے خالی ہوجائے اور بہت سے لوگوں کو مال کا ہونا اللہ تعالٰی سے غافل کردیتا ہے اور بہت سے لوگوں کو مال کا نہ ہونا غافل کردیتا ہے، اور منع تو وُہ ہے جو اللہ عزوجل سے غافل کردے ورنہ فی نفسہٖ دنیا کا وجود و عدم ممنوع نہیں۔(ت)

دہم: اصحاب نفوس مطمئنہ ہوں، نہ عدم مال سے اُن کا دل پریشان نہ وجودِ مال سے ان کی نظر، وہ مختار ہیں۔ حق سبحانہ اپنے نبی سیّدنا سلیمان علیہ السلام سے فرماتا ہے:

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾۔[3]	یہ ہماری عطا ہے اب تُو چاہے تو احسان کر یا روک رکھ، تجھ پر کچھ حساب نہیں۔(ت)

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۸۷/۲
[2] احیاء العلوم کتاب التوحید والتوکل، احوال المتوکلین الخ مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۲۷۷/۴
[3] القرآن ۳۹/۳۸

اور کچھ نہ کہنا کہ عباد اللہ کا فائدہ ہے۔ احیاء کتاب الزکوۃ وظیفہ سادسہ مزکی میں ہے:

المال کلہ للہ عزوجل وبذل جمیعہ ھو الاحب عنداللہ سبحٰنہ وانما لم یأمر بہ عبدہ لانہ یشق علیہ بسبب بخلہ کما قال عزوجل "فیحفکم تبخلوا"۔[1]	تمام مال اللہ عزوجل کے لیے ہے اور تمام کا تمام خرچ کردینا اللہ سبحانہ کے ہاں پسندیدہ عمل ہے باقی تمام کو خرچ کردینے کا اللہ تعالٰی نے اس لیے حکم نہیں دیا کہ بندے پر بخل کی وجہ سے ایسا کرنا مشکل تھا جیسا کہ باری تعالٰی نے ارشاد فرمایا: تم سے زیادہ طلب کرے تو تم بخل کروگے۔ (ت)

یازدہم: حاجت سے زیادہ کا مصارفِ خیر میں صرف کردینا اور جمع نہ رکھنا صورتِ سوم میں تو واجب تھا باقی جملہ صُوَر میں ضرور مطلوب، اور جوڑ کر رکھنا اس کے حق ناپسند ومعیوب کہ منفرد کو اس کا جوڑنا طولِ امل یا حُبِ دنیا ہی سے ناشئی ہوگا اور طولِ امل غرور ہے، اور دُنیا اشر الشرور۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل وعدّ نفسك من اصحاب القبور اذا اصبحت فلا تحدّث نفسك بالمساء واذا امسیت فلا تحدث نفسك بالصباح۔[2] رواہ الترمذی والبیھقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما وھو فی صحیح البخاری برفع اولہ ووقف اٰخرہ۔	دنیا میں یُوں رہ گویا تُو مسافر بلکہ راہ چلتا ہے اور اپنے آپ کو قبر میں سمجھ کر صبح کرے تو دل میں یہ خیال نہ لا کہ شام ہوگی، اور شام ہو تو یہ نہ سمجھ کہ صبح ہوگی۔ (اسے ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ صحیح البخاری میں اس کا اول حصّہ مرفوعًا اور آخری موقوفًا مروی ہے۔ت)

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: یاایھاالناس اماتستحیون اے لوگو! کیا تمھیں شرم نہیں آتی؟ حاضرین نے عرض کی: یارسول اللہ کس بات سے۔ فرمایا:

تجمعون مالا تاکلون وتبنون مالا تعمرون وتاملون مالا تدرکون الاتستحیون	جمع کرتے ہو جو نہ کھاؤ گے اور عمارت بناتے ہو تو جس میں نہ رہوگے اور وہ آرزوئیں باندھتے ہو جن تک

[1] احیاء العلوم کتاب اسرار الزکوۃ، بیان دقائق الآداب الباطنۃ الخ مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۱/۲۱۸، القرآن ۴۷/۳۷

[2] جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی قصر الامل امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۵۷

ذٰلک۔[1] رواہ الطبرانی عن ام الولید بنت عمر الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	نہ پہنچوگے اس سے شرماتے نہیں۔ (اسے طبرانی نے حضرت ام الولید دختر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

ایک حدیث میں ہے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما نے ایک مہینے کے وعدے پر ایک کنیز سَو دینار کو خریدی، رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

الاتعجبون من اسامۃ یشتری الی شھر، ان اسامۃ طویل الامل، والذی نفسی بیدہ ماطرفت عیناہ الاظننت ان شفریّ لا یلتقیان حتی یقبض اللہ روحی ولارفعت قدحا الی فی فظننت انی واضعہ حتی اقبض ولا لقمت لقمۃ الاظننت انی لاسیغھاحتی اعض بھا من الموت، والذی نفسی بیدہ ان ما توعدون لات وماانتم بمعجزین۔[2] رواہ ابن ابی الدنیا فی قصر الامل وابو نعیم فی الحلیۃ والاصبھانی فی الترغیب والبیھقی عن ابی سعیدن الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کیا اسامہ سے تعجب نہیں کرتے جس نے ایک مہینے کے وعدے پر (کنیز) خریدی، بیشک اسامہ کی امید لمبی ہے قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں توجب آنکھ کھولتا ہُوں یہ گمان ہوتا ہے کہ پلک جھپکنے سے پہلے موت آجائیگی، اور جب پیالہ منہ تک لے جاتا ہُوں کبھی یہ گمان نہیں کرتا کہ اس کے رکھنے تک زندہ رہوں گا، اور جب کوئی لقمہ لیتا ہُوں گمان ہوتا ہے کہ اسے حلق سے اتارنے نہ پاؤں گا کہ موت اسے گلے میں روک دے گی، قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بیشک جس بات کا تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے ضرور آنے والی ہے تم تھکانہ سکوگے۔ اسے ابن ابی الدنیا نے باب فی قصر الامل میں، ابونعیم نے حلیہ میں، اصبہانی نے ترغیب میں اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو دیوار پر کہگل اور ٹٹی درست کرتے دیکھا، فرمایا: اے عبد اللہ! کیا ہے؟ عرض کی درست کرتاہُوں۔ فرمایا:

---

[1] المعجم الکبیر مروی از ام الولید بنت عمر بن خطاب حدیث ۴۲۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۵/ ۱۷۲

[2] حلیۃ الاولیاء ابوبکر ابی مریم الغسانی نمبر ۳۳۴ دار الکتاب العربی بیروت ۶/ ۹۱، الترغیب والترہیب کتاب التوبہ والزہد مصطفٰی البابی مصر ۴/ ۲۴۲

الامر اسرع من ذٰلک۔[1] رواہ ابو داؤد و الترمذی ف وحسنہ وصححہ وابن ماجۃ وابن حبان عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	معاملہ اس سے قریب تر ہے (اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کرکے حسن اور صحیح کہا۔ ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گردن مبارک پر دستِ اقدس رکھ کر فرمایا: ھذا ابن اٰدم وھذا اجلہ یہ ابن آدم ہے اور یہ اس کی موت ہے۔ پھر دستِ انور پھیلا کر فرمایا:

وثم املہ وثم املہ۔[2] رواہ الترمذی وابن حبان وبنحوہ النسائی وابن ماجۃ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اور وہ اتنی دور اُس کی امید ہے اُتنی دور اس کی امید۔ (اسے ترمذی، ابن حبان اور اسی کی مثل نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

ایک حدیث میں ہے:

الدنیا دار من لادار لہ ولھا یجمع من لا عقل لہ۔[3] رواہ احمد والبیھقی فی شعب الایمان عن ام المومنین وھذا عن ابن مسعود من قولہ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	دُنیا بے گھروں کا گھر ہے اور اس کے لیے وُہ جمع کرتا ہے جو بے عقل ہے۔ (اسے امام احمد اور بیہقی نے شعب الایمان میں اُم المومنین سے روایت کیا ہے اور اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کے طور پر نقل کیا ہے۔ت)

ایک حدیث میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من کنز دنیا یرید حیاۃ باقیۃ فان الحیاۃ بید اللہ الا وانی لا اکنز دینارا	جو دنیا جوڑ کر رکھے بقائے زندگی چاہتا ہو تو زندگی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، سُن لو میں نہ اشرفی

[1] جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی قصر الامل امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۵۷، سنن ابن ماجہ ابواب الزہد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۱۷

[2] جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی قصر الامل امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۵۷

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دار الفکر بیروت ۶/ ۷۱

ف: جامع الترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حدیث کے الفاظ یُوں ہیں: ما اری الامر الا اعجل من ذٰلک۔ نذیر احمد)

ولا درھما ولا اخبأ رزقا لغد۔[1] رواہ ابو الشیخ فی الثواب عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	جوڑ کر رکھتا ہُوں نہ روپیہ، نہ کل کے لے کھانا اٹھا کر رکھوں۔ (اسے ابوالشیخ نے الثواب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

یہ سب منفرد کا بیان رہا عیالدار، ظاہر ہے کہ وُہ اپنے نفس کے حق میں منفرد ہے، تو خود اپنی ذات کے لیے اُسے اُنھیں احکام کا لحاظ چاہئے اور عیال کی نظر سے اس کی صورتیں اور ہیں ان کا بیان کریں۔

دوازدہم: عیال کی کفالت شرع نے اس پر فرض کی، وہ ان کو توکل و تبتل و صبر علی الفاقہ پر مجبور نہیں کرسکتا، اپنی جان کو جتنا چاہے کُسے مگر ان کو خالی چھوڑنا اس پر حرام ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کفی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت[2] رواہ الامام احمد وابوداؤد والنسائی والحاکم والبیہقی بسند صحیح عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنھما وعزاہ فی المقاصد المسلم۔	آدمی کو گناہ کافی ہے کہ جس کا قُوت اس کے ذمہ ہے اُسے ضائع چھوڑے۔ (اسے امام احمد، ابوداؤد، نسائی، اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسندِ حسن روایت کیا ہے۔ مقاصد میں اس کی نسبت مسلم کی طرف ہے۔ (ت)

حجۃ الاسلام فرماتے ہیں قدس سرہ،:

لایجوز تکلیف العیال الصبر علی الجوع فلا یمکنہ فی حقھم ولا توکل المکتسب فاما ترك العیال توکل فی حقھم او القعود عن الاھتمام بامرھم توکلا فھٰذا حرام وقد یفضی الی ھلاکھم ویکون ھو مواخذا بھم۔[3] (ملخصا)	عیال کو بُھوک پر قائم رکھنا جائز نہیں اس ان کے حق میں ایسا ممکن نہیں اور اسی طرح کمانے والے کو توکل کرلینا بھی جائز نہیں، عیال کے حق میں توکل کرتے ہُوئے انھیں چھوڑ دینا یا توکل کرتے ہُوئے ان کے اخراجات کا اہتمام نہ کرتے ہُوئے بیٹھ جانا حرام ہے اور اگر یہ ان کی ہلاکت کا سبب بن گیا تو یہ شخص پکڑا جائے گا۔ (ت)

[1] الترغیب والترھیب بحوالہ ابی الشیخ فی کتاب الثواب کتاب التوبہ والزہد مصطفٰی البابی مصر ۴/ ۱۸۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الزکوۃ باب فی صلۃ الرحم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۸، مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عمرو دارالفکر بیروت ۲/ ۱۶۰، ۱۹۴، ۱۹۵

[3] احیاء العلوم کتاب التوحید والتوکل مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۴/ ۲۷۲

حضور پُر نور سیّد المتوکّلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے نفس کریم کے لیے کل کا کھانا بچار کھنا پسند نہ فرماتے۔ ایک بار خادمہ رضی اللہ تعالٰی عنہما نے پرند کا گوشت کہ آج تناول تو فرمایا تھا بچا ہُوا دوسرے دن حاضر کیا، فرمایا:

الم انهك ان ترفع شیأ لغد، فان الله یأتی برزق غدا۔[1] رواہ ابو یعلی بسند صحیح والبیهقی عن انس رضی الله تعالٰی عنه۔	کیا ہم نے منع نہ فرمایا کہ کل کے لیے کچھ اٹھا کر نہ رکھنا کل کی روزی اللہ کل دے گا۔(اسے ابو یعلٰی نے سند صحیح کے ساتھ اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور اپنی عیال کے لیے مال سال بھر کا قُوت جمع فرمادیتے۔ صحیحین میں امیر المومنین فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

کان صلی الله تعالٰی علیه وسلم ینفق منه (ای مما افاء الله علی رسوله من اموال بنی النضیر) علی نفقة سنة ثم یجعل مابقی منه مجعل مال الله عزوجل۔[2]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے اس(مال فئے جو اللہ نے بنو نضیر کے اموال سے حضور کو عطا کیا تھا) سے سال بھر خرچ کرتے پھر باقی کو جمع کرکے بیت المال میں دے دیتے۔(ت)

سیزدہم: وہ جس کی عیال میں صورت چہارم کی طرح بے صبرا ہو اور بے شک بہت عوام ایسے نکلیں گے تو اس کے لحاظ سے تو اس پر دوہرا وجوب ہوگا کہ قدر حاجت جمع رکھے،

قال الله قوا انفسکم واهلیکم نارا۔[3]	اللہ تعالٰی کا ارشاد مبارک ہے: اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ۔(ت)

چہاردہم: ہاں جس کی سب عیال صابر و متوکل ہوں اسے روا ہوگا کہ سب راہِ خدا میں خرچ کردے۔ سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک بار صدقہ کا حکم فرمایا، امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں مَیں خوش ہُوا کہ اگر صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر سبقت لے جاؤں گا تو اس بار میرے پاس مال بہت ہے اور ان کے پاس کم۔ فاروق اپنے تمام مال کا نصف حاضر لائے۔ ارشاد ہُوا: عیال کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کی: اتنا ہی۔

---

[1] مسند ابی یعلٰی از مسند انس بن مالک حدیث ۴۲۰۸ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ۴/ ۱۹۲، شعب ایمان باب التوکل والتسلیم حدیث ۱۳۴۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۱۹

[2] صحیح البخاری کتاب النفقات ۲/ ۸۰۶ و کتاب الفرائض ۲/ ۹۹۶ و کتاب الاعتصام ۲/ ۱۰۸۶ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم باب حکم الفیئ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹ و ۹۱

[3] القرآن ۶۶/ ۶

صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ تمام و کمال اتنا اپنا سارا مال حاضر لائے، ارشاد ہُوا: عیال کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کی: اللہ ورسول جل وعلا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ حضور اقدس نے فرمایا: عــہ۱ **بینکما مابین کلتیکما** (تم دونوں کے مرتبوں میں وُہ فرق ہے جو تمھاری ان باتوں میں ہے) اگر صاحب عــہ۲ جائیداد ہے اور اسکی آمدنی خرچ سے زائد ہے تو اس کی آمدنی سے بقدر خرچ رکھ کر باقی کا تصدق مطلقًا افضل ہے، اگر دخل ماہانہ ہے تو ایک مہینہ کا خرچ رکھ کر، اور سالانہ تو ایک سال کا، اس سے زائد کا جمع رکھنا حرص وحُبِ دنیا سے ناشئی ہوتا ہے، اور حُبِ دنیا خطا کی جڑ ہے۔ صحیحین میں امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان ینفق علٰی اھلہ نفقۃ سنتھم من ھذا المال ثم یاخذ مابقی فیجعلہ مجعل مال اللہ۔[1]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسی مال سے اپنے اہل پر سال بھر خرچ کرتے پھر بقیہ کو اللہ کے راہ میں خرچ کردیتے۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الدنیا دار من لادارلہ ولھا یجمع من لاعقل لہ۔[2] رواہ الامام احمد والبیھقی فی الشعب عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند صحیح۔	دنیا بے گھروں کا گھر ہے اور اُس کے لیے احمق ہی جمع کرے گا۔ (اسے امام احمد، بیہقی نے شعب الایمان میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسندِ صحیح روایت کیا ہے۔ ت)

احیاء العلوم شریف میں ہے:

ما وراء السنۃ لایدخرلہ الابحکم ضعف القلب فھو غیر واثق بتدبیرالحق فان اسباب الدخل تتکرر بتکرر السنین[3] ملخصًا۔	سال سے زائد رزق جمع نہ کیا جائے مگر اس صورت میں دل ضعیف ہو اور تدبیر حق کے ساتھ واثق نہ ہو کیونکہ اسبابِ جمع مختلف سالوں کی وجہ سے مختلف ہونگے (ت)

اور اگر جائداد نہیں رکھتا عیال کے لیے اتنا پس انداز کرنا کہ اگر یہ مر جائے تو وہ اس بقیہ سے منتفع ہوں اور انھیں بھیک مانگنی نہ پڑے افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عــہ۱: یہاں تک یہ جواب دستیاب ہوا (اس سے آگے عربی جملہ اور اسکا ترجمہ "جواہر البیان فی سرار الارکان" ص۱۰۶ میں اسی حدیث کے تحت ملا ہے) عــہ۲: یہاں سے سوال مذکور کا یہ مختصر جواب ہے ۱۲

---

[1] صحیح البخاری کتاب النفقات ۲/۸۰۶ وکتاب الفرائض ۲/۹۹۶ وکتاب الاعتصام ۲/۱۰۸۶ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم، باب حکم الفیئ، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۲/۸۹ و۹۱

[2] صحیح البخاری کتاب النفقات ۲/۸۰۶ وکتاب الفرائض ۲/۹۹۶ وکتاب الاعتصام ۲/۱۰۸۶ قدیمی کتب خانہ کراچی،

[3] احیاء العلوم کتاب التوحید والتوکل بیان احوال المتوکلین مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۲/۲۷۷

انك ان تذر ورثتك اغنیاء خیرمن ان تذرھم عالة یتکففون الناس فی ایدیھم۔[1] رواہ الشیخان عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	تیرا ورثاء کو غنی چھوڑنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ محتاجی میں لوگوں سے مانگتے پھریں۔ اسے بخاری و مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور اس کی مقدار جو اُن کے لیے چھوڑنا مناسب ہے ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے چار ہزار درہم مروی ہے یعنی ہر ایک کو اتنا حصّہ پہنچے، اور امام ابوبکر فضل سے دس ہزار درہم، اور اگر ان کے حصّے مختلف ہیں تو لحاظ اس کا کیا جائیگا جس کا حصّہ سب سے کم ہے، اور اس سے زیادہ پھر ہوس ہے، درمختار میں ہے:

ندبت (ای الوصیة) باقل منه (ای من الثلث) ولو عند غنی ورثته او استغنا ھم بحصتھم، کما ندب ترکھا بلا غنی واستغناء[2] (ملخصًا)	جب ورثاء غنی یا اپنے حصّہ کے سبب مستغنی ہوں تو تیسرے حصہ وراثت سے کم میں وصیّت کرنا مستحب ہوتا ہے جیسا کہ ورثا غنی و مستغنی نہ ہوں تو ترک وصیّت مستحب ہے (ملخصًا)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

استغنائھم بحصتھم بان یرث کل منھم اربعة الاف درھم علی ماروی عن الامام اویرث عشرة الاف درھم علی ماروی عن الفضلی قھستانی عن الظھیریة واقتصر الاتقانی علی الاول۔[3]	ورثاء کا اپنے حصہ کے ساتھ مستغنی ہونا یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک چار ہزار درہم کا وارث بنے، جیسا کہ امام صاحب سے مروی ہے۔ یا دس ہزار، جیسا کہ فضلی قہستانی نے ظہیریہ سے نقل کیا ہے۔ اتقانی نے پہلے قول پر ہی اکتفاء کیا ہے۔ (ت)

چار ہزار درہم کے انگریزی روپے سے گیارہ سو بیس ہوئے اور دس ہزار کے دو ہزار آٹھ سو۔ ہاں اگر عیال خود غنی ہوں تو پس انداز نہ کرنا ہی افضل، یُونہی اگر فاسق ہوں کہ مال معصیت میں خرچ کریں گے تو اُن کے لیے کچھ نہ چھوڑنا ہی بہتر۔ فتاوٰی خلاصہ و لسان العلوم و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لوکان ولدہ فاسقا واردان یصرف ماله	اگر اولاد فاسق و فاجر ہے اور وہ چاہتا ہے کہ میں اس

[1] صحیح البخاری کتاب النفقات باب فضل النفقه علی الاہل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۰۶، صحیح مسلم کتاب الوصیة قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۹
[2] درمختار کتاب العاقل مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱۸
[3] ردالمحتار کتاب العاقل مصطفی البابی مصر ۵/۴۶۱

الیٰ وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھذا خیر من ترکہ۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم۔	وراثت سے محروم کرکے مال کو اچھے کاموں پر خرچ کردوں تو یہ وراثت چھوڑنے سے بہتر ہے (ت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۵۷: از جبلپور ضلع پیلی بھیت مرسلہ محمد حسین احمد صاحب اسٹیشن ماسٹر ۶ ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ

مخزن علوم حقانی وربانی ادام اللہ فیوضہم، تسلیم بعد تعظیم میری اہلیہ عرصہ سے ہر سال حضرت غوث الاعظم کی گیارھویں میں سوا من بریانی پکوا کر نیاز دلاتی ہے اور مساکین کو تقسیم کی جاتی ہے کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ یہ رقم امسال شہداء ویتامیٰ عساکر عثمانیہ کی امداد کے لیے بھیجی جائے اور گیارہویں شریف معمولاً قدرے شیرینی یا طعام پر دلادی جائے؟ زیادہ نیاز

الجواب:

اگر دونوں باتیں نہ ہوں تو یہی بہتر ہے کہ قدرے نیاز دے کر وُہ تمام قیمت امداد مجاہدین میں بھیج دی جائے اور اس کا ثواب بھی نذرِ رُوحِ اقدس حضرت سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۵۸: از بلتسرا بازار ضلع بلیا مرسلہ شیخ واجد علی محمد سلطان سوداگرِ چرم ۱۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید شخص مالدار ہے اور سالانہ مد زکوۃ میں ہزاروں روپیہ نکال کر مستحقین میں تقسیم کرتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا اس رقمِ زکوۃ سے زید حقیت زمینداری خرید کر اُس کے خالص منافع کو مستقل طور پر مستحقین اور طالبِ علم دینیات کو دے سکتا ہے، کیا اس کے جواز کی کوئی صورت ہے، چونکہ زید اپنے کاروبارِ تجارت کو بہ مقابلہ حقیت زمینداری کے مستحکم نہیں خیال کرتا ہے تو وُہ چاہتا ہے کہ اس صورت میں ہمیشہ وُہ زکوۃ سے مستحقین میں اس کا نفاذ رکھے۔

الجواب:

زکوۃ تملیک فقیر ہے، نہ جائداد خریدنے سے ادا ہوسکتی ہے نہ جائداد فقراء پر وقف کردینے سے ہاں اگر وُہ روپیہ کسی فقیر مصرفِ زکوۃ کو باجازتِ شرعی دے کر بہ نیتِ زکوۃ مالک کردے تو اُس فقیر کی اجازت سے اس کی جائداد خرید کر وقفِ فقراء کرے تو یہ صورت بہت مستحسن ہے اور اُس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ مثلاً دس ہزار روپیہ زکوۃ کے دینے ہیں اور چاہتا ہے کہ ان کی جائداد خرید کر وقفِ فقراء کرے تو کسی فقیر مصرف زکوۃ کے ہاتھ مثلاً سو پچاس روپیہ کا مال دس ہزار روپیہ کو بیچے اور وہ قبول کرلے تو دس ہزار روپیہ اس کو بہ نیتِ زکوۃ اور اُس قیمت کے مطالبہ میں واپس لے کر اُن کی جائداد خرید کر وقفِ فقراء کردے، یُوں وقف بھی

[1] فتاوٰی ہندیہ، الباب السادس فی الھبۃ للصغیر، نورانی کتب خانہ پشاور، ۳۹۱/۴

ہوجائیگا اور زکوۃ بھی ادا ہوجائیگی اور فقیر کو بھی سو پچاس روپیہ کا مال مل جائے گا اور وُہ بعد ادائے زکوۃ دس ہزار روپیہ واپس دینا نہ چاہئے یہ جبراً لے سکتا ہے کہ اس کا اتنا اس پر آتا ہے۔ دُرمختار میں ہے:

ولو امتنع المدیون مدیدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ۔[1] واللہ تعالٰی اعلم	اگر مدیون نہیں دیتا تو اسے چھین لے کیونکہ یہ اپنے حق کے حصول پر قدرت پاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۹: از کانپور محلّہ فیل خانہ قدیم مرسلہ مولانا مولوی سید محمد آصف صاحب زید فیضہم ۲۷ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کتاب کنوز الحقائق میں یہ حدیث شریف ہے: **تصدقوا علی اھل الادیان کلھا**[2] (تمام دینوں والوں پر صدقہ کرو۔ت) اور دوسری حدیث سے ثابت ہے کہ ہر جاندار سے بھلائی صدقہ ہے۔ ائمہ کرام کفار حربی سے سلوک کو کیوں منع کرتے ہیں، ان کے کیا دلایل ہیں اور احادیث کے کیا جواب؟ کتاب السنیۃ الانیقہ میں ہے:

لا تکون براشرعا ولذالم یجز التطوع الیہ فلم یقع قربۃ۔[3]	یہ شرعًا نیکی نہیں ہوگی اسی وجہ سے ایسے کافر پر نفلی صدقہ جائز نہیں اور نہ وہ قربت بنے گا۔ (ت)

الجواب:

بہ ملاحظہ مولانا المکرم ذی المجد والکرام مولانا مولوی سیّد آصف دامت فضائلہم، **تصدقو اعلی اھل الا دیان کلھا** میں امر بتصدق ہے اور تصدق قربت جہاں قربت نہ ہو صدقِ تصدق محال ہے اور بہ تصریح ائمہ اہل حرب کو کُچھ دینا اصلاً قربت نہیں تو وہاں صدق تصدق نا ممکن اور قطعًا حاصلِ حدیث یہ کہ جن کو دینا قربت ہے وُہ کسی دین کے ہوں ان پر تصدق کرو یہ ضرور صحیح ہے اور صرف اہلِ ذمّہ کو شامل نصرانی ہوں خواہ یہودی خواہ مجوسی خواہ وثنی، کسی دین کے ہوں، اگر وُہ قول لیں کہ غنی کو دینا صدقہ نہیں ہوسکتا تو مسلمان غنی بھی اس عموم اہل الادیان کلہا میں نہیں آسکا کہ وہ محلِ صدقہ ہی نہیں اور کلام تصدق میں ہے، یہی جواب اس حدیث سے ہے کہ ہر جاندار سے بھلائی صدقہ ہے، ورنہ صحیح مسلم شریف کی صحیح حدیث میں فرمایا کہ جو وزغ کو ایک ضرب مارے سَو نیکیاں پائے۔[4] دوسری حدیث میں ہے: جس نے سانپ کو قتل کیا اس نے گویا ایک مشرک حلال الدم کو قتل کیا۔[5] **رواہ الامام احمد عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اسے امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے

---

[1] درمختار کتاب الزکوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

[2] کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق لعبد الرؤف المناوی حدیث نمبر ۲۳۲، ۲۹۴۳

[3] السنیۃ الانیقۃ

[4] صحیح مسلم کتاب قتل الحیات باب استحباب قتل الوزغ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۶

[5] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن مسعود دارالفکر بیروت ۱/ ۳۹۵

روایت کیا ہے۔ت) تیسری حدیث میں ہے:

اقتلوا الحیات کلھن فمن خاف ثأر ھن فلیس منا[1]۔ رواہ ابوداؤد والنسائی والطبرانی فی الکبیر عن جریر بن عبداللہ و عن عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	سب سانپوں کو قتل کرو، جو ان کے بدلہ لینے سے ڈرے وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔ (اسے ابوداؤد، نسائی اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ت)

ایک حدیث میں ہے:

من قتل حیۃ اوعقربا فکانما قتل کافرا۔[2] رواہ الخطیب عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جس نے سانپ یا بچھّو مارا گویا ایک کافر مارا (اسے خطیب نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

کفار کی نسبت خود قرآن عظیم میں ہے: وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ[3] (اور ان کو جہاں پاؤ مارو۔ت) اور فرمایا: اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ﴿۶۱﴾[4] (جہاں کہیں ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کئے جائیں۔ت) اور فرمایا: وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ[5] (ان پر سختی کرو۔ت) اور فرمایا: وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً[6] (وہ پائیں تمھارے اندر سختی۔ت) تو وہ اصلاً محلِ احسان نہیں۔ ابتدائے اسلام میں غیر محارب و محارب کفار میں فرق فرمایا تھا اُن سے نیک سلوک اور برابری کا برتاؤ جائز تھا اور اِن سے منع، اور اسی کو ان سے دوستی رکھنے سے تعبیر فرمایا تھا ورنہ دوستی تو کسی کافر سے کبھی حلال نہ تھی۔

قال اللہ تعالٰی لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ لَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَیْهِمْؕ اِنَّ اللّٰهَ	اللہ تعالٰی کا ارشادِ گرامی ہے: اللہ تمھیں ان سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی قتل الحیات، آفتاب عالم پریس لاہور ۳۵۶/۲

[2] تاریخ بغداد، ترجمہ نمبر ۶۹، محمد بن الحسین الخثعمی الاشنانی، دار الکتاب العربی بیروت، ۲۳۴/۲

[3] القرآن ۱۹۱/۲ و ۹۱/۴

[4] القرآن ۶۱/۳۳

[5] القرآن ۷۳/۹

[6] القرآن ۱۲۳/۹

اِنَّمَا یَنۡهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیۡنَ قٰتَلُوۡكُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ اَخۡرَجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِیَارِكُمۡ وَ ظٰهَرُوۡا عَلٰۤی اِخۡرَاجِكُمۡ اَنۡ تَوَلَّوۡهُمۡ ۚ وَ مَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹﴾[1]	انصاف کا برتاؤ برتو۔ بیشک انصاف والے، اللہ کو محبوب ہیں اللہ تمھیں انہی سے منع کرتا ہے جو تم سے دین میں لڑے یا تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا یا تمھارے نکالنے پر مدد کی کہ ان سے دوستی کرو اور جو ان سے دوستی کریں تو وہی ستمگار ہیں۔ (ت)

معالم شریف وغیرہ میں ہے:

ثم ذکر الذین نہاھم عن صلتھم فقال اِنَّمَا یَنۡهٰكُمُ اللّٰهُ[2] الاٰیة	پھر اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کا ذکر کیا جن سے احسان سے منع فرمایا: اِنَّمَا یَنۡهٰكُمُ اللّٰهُ۔ (ت)

خازن میں ہے:

ثم ذکر اللہ الذی نہی عن صلتھم وبرھم فقال تعالٰی انما ینھٰکم اللہ۔[3]	پھر ان لوگوں کا ذکر کیا جن سے نیکی واحسان منع ہے تو فرمایا اِنَّمَا یَنۡهٰكُمُ اللّٰهُ۔ (ت)

تو معلوم ہُوا کہ ان کے ساتھ نیک سلوک موالات ہے اور ان سے موالات مطلقًا کثیر آیات میں حرام فرمائی۔ اسی سُورہ کریمہ کے آخر میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَوَلَّوۡا قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ[4]	اے ایمان والو! ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہے۔ (ت)

لاجرم کبیر میں ہے: قال قتادۃ نسختھا اٰیۃ القتال[5] (حضرت قتادہ نے فرمایا اس آیت کو آیتِ قتال نے منسوخ کردیا ہے۔ ت) تو اب کسی کافر حربی سے برّ و صلہ جائز نہ رہا اگرچہ اس نے بالفعل محاربہ نہ کیا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن ۶۰/۸و۹

[2] تفسیر معالم التنزیل مع الخازن زیر آیت لا ینھٰکم اللہ الخ مصطفی البابی مصر ۷/۷۷

[3] تفسیر الخازن، زیر آیت لا ینھٰکم اللہ الخ، مصطفی البابی مصر ۷/۷۷

[4] القرآن ۶۰/۱۳

[5] تفسیر کبیر، زیر آیت لا ینھٰکم اللہ الخ، المطبعۃ البھیۃ مصر ۲۹/۴

کتاب الصّوم

(روزے کا بیان)

مسئلہ ۱۶۰:

کسی نے حرام کھانا کھا کر روزہ رکھا اور حرام چیز سے افطار کیا فرضِ صوم اُس پر سے ساقط ہُوا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

بیشک صورتِ مستفسرہ میں فرض ساقط ہوگیا **فان الصوم انما ھو الامساك من المفطرات الثلثة من الفجر الی اللیل** (روزہ صبح سے لے کر شام تک تین چیزوں (کھانا، پینا اور ہمبستری) سے رک جانا ہے۔ت) سحری کھانا یا افطار کرنا روزے کی حقیقت میں داخل نہ اس کی شرائط سے، پھر اگر یہ مالِ حرام سے واقع ہوئی تو اس کا گناہ جُدا رہا مگر سقوطِ فرض میں شبہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۱:

چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین در مسئلہ کہ روزہ فرض بر حافظِ قرآن بوجہے کہ تراویح می گزارد معاف ست یا نا؟ **بیّنوا توجروا**	کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک حافظِ قرآن پر تراویح پڑھانے کی وجہ سے روزہ رکھنا معاف ہے یا نہیں؟

ایھا العلماء۔	اے علماء! جواب تحریر فرماکر اجر پاؤ۔(ت)

الجواب:

ختمِ قرآن در تراویح از سنتے بیش نیست وفرقے کہ از سنت تا فرض ست خود ہویداست چہ بلا وسفاہتے باشد ایں را بہرآں گزشتن وادرِ دین داو اثر گونہ داشتن بلکہ ایں بہانہ دروغ خود بفہم در نمی آید زیر اکہ قراءتِ قرآن مانع روزہ نیست ہزاراں ہزار حافظان قرآن در اقطارِ عالم واکنافِ زمین از پیران وبچگان وکم طاقتان ھم بروز روزہ مے دارند وہم شب قرآن می خوانند وبدیں معنی ہیچ مضرتے بچشم ایشاں نمی رسد وچہ گونہ رسد کہ ہم روزہ صحت ست وہم قرآن شفاامااعتقادے صحیح باید تا ازیں دہائے الٰہی نفع رونماید۔ قال اللہ تعالٰی وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَ لَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾[1] قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اغزوا تغنموا او تصوموا تصحوا وسافروا تستغنوا۔[2] اخرجه الطبرانی فی المعجم الاوسط من طریق زهیربن محمدعن سهیل بن ابی صالح عن ابیه	تراویح میں ختمِ قرآن سنت سے بڑھ کر نہیں، سنت اور فرض میں جو فرق ہے وُہ نہایت ہی ظاہر و باہر ہے، یہ کتنی بیوقوفی اور کم عقلی ہے کہ سنت کی خاطر فرض چھوڑدیا جائے، یہ دین سے برگشتگی، بلکہ یہ جُھوٹا بہانہ سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ قراءت قرآن روزہ رکھنے سے مانع نہیں ہوسکتی۔ پُوری دُنیا میں ہزارہا حفّاظِ قرآن جن میں بُوڑھے، بچّے اور کمزور شامل ہیں دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو قرآن سناتے ہیں اور کبھی کسی کو ایسا معاملہ نقصان دہ نہیں ہُوا اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ روزہ بھی صحت ہے اور قرآن سراپا شفا ہے لیکن اعتقاد کا صحیح ہونا ضروری ہے تاکہ اللہ تعالٰی یہ نفع عطافرمائے۔ اللہ تعالٰی کا فرمانِ مبارک ہے: ہم نے قرآن نازل کیا جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے خسارہ میں اضافہ ہی کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جہاد کرو غنیمت حاصل کرو، روزہ رکھو صحت حاصل کرو، بغرض تجارت سفر کرو اور نفع حاصل کرکے غنی حاصل کرو۔ اسے طبرانی نے معجم اوسط میں زہیر بن محمد سے، انھوں نے سہیل بن ابی صالح سے، انھوں نے اپنے والد سے،

---

[1] القرآن ۱۷/۸۲

[2] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الاوسط باب اغزوا تغنموا الخ دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۳۲۴، مقاصد الحسنۃ حرف السین المہملہ حدیث ۵۴۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۳۶

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه کما فی المقاصد الحسنۃ وروایۃ ثقات کما فی ترغیب المنذری واخرجه الامام احمد ایضا کما قال السخاوی، وروی قوله صوموا تصحوا [1]عن ام المؤمنین عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اخرجه ابن السنی وابو نعیم فی الطب النبوی کما فی الجامع الصغیر للسیوطی لکن اسنادہ ضعیف [2]کما قال المناوی قلت ولا یضر لثبوته برجال ثقات مع ان الضعیف معمول به فی الفضائل اجماعا کما افاد النووی وغیرہ۔

انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا ہے جیسا کہ مقاصد حسنہ میں ہے اور یہ ثقہ لوگوں روایت ہے جیسا کہ ترغیب منذری میں ہے اور اسے امام احمد نے بھی تخریج کیا جیسا کہ سخاوی نے کہا، اور یہ الفاظ بھی ام المومنین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کئے کہ روزہ رکھو اور صحت پاؤ۔ اسے ابن سنی نے اور ابو نعیم نے طبِ نبوی میں روایت کیا، جیسا کہ جامع الصغیر للسیوطی میں ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے، جیسا کہ مناوی نے کہا **قلت** اس کا ضعیف ہونا نقصان دہ نہیں کیونکہ ثقہ لوگوں سے مروی ہے، علاوہ ازیں ضعیف پر فضائل میں عمل بالاتفاق جائز ہے جیسا کہ نووی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

ہیچ باور نمی آید کہ ایں کس را قرآن خواندن از روزہ باز می دارد پس نباشد مگر عذر باطل ودون ہمتی ونفس پروری والعیاذ باللہ اگر بالفرض ہمچنان ست کہ قرآن خواندن اورا بہ حدے ناتواں می کند کہ طاقت روزہ طاق می گردد تا دریں صورت ایں قرآن خواندن در حق وے نہ سنت و باعثِ ثواب باشک بلکہ حرام و موجبِ عذاب ورنگ کسیکہ تلاوت قرآن دراز کرد تا آں کہ وقتِ نماز از دست رفت ایں چنیں قرآن خواندن درآں قولِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم داخل است کہ فرمودہ رب تالی القراٰن والقراٰن یلعنه[3]

کسی طرح بھی یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ اس شخص کو قراتِ روزہ رکھنے سے مانع ہے، یہ صرف عذر باطل، کم ہمتی اور العیاذ باللہ اگر بالفرض قرآن پڑھنا اتنا کمزور کردیتا ہے کہ اسے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہتی تو اس صورت میں اس کے لیے قرآن پڑھنا نہ سنّت ہے نہ باعثِ ثواب، بلکہ حرام اور موجبِ عذاب ہے جس طرح کوئی شخص قرآن کی تلاوت اتنی طویل کرے کہ نماز کا وقت ہی فوت ہوجائے تو وہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے تحت داخل ہوگا۔ "بہت سے لوگ قرآن پڑھتے ہیں مگر قرآن ان پر لعنت

---

[1] الجامع الصغیر مع التیسیر تحت حدیث صوموا تصحوا مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیۃ ۲/ ۹۵

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث صوموا تصحوا مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیۃ ۲/ ۹۵

[3] المدخل لابن الحاج بیان فضل تلاوت القرآن الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۸۵

ای بسا قرآن خواناں کہ قرآن ایشاں را لعنت مے کند، علماء مطلق فرمودہ اند ہر عملے کہ ضعیف واز روزہ باز دارد، روانیست فی الدر المختار لا یجوزان ان یعمل عملا یصل بہ الی الضعف[1] واگر مردے راحالتے باشد کہ چوں روزہ دارد قیام در نماز نہ تواند اُو را روانیست کہ روزہ رمضان ترک دہد بلکہ روزہ دارد ونماز نشستہ گزارد فی الدر المختار عن البزازیۃ لو صام عجز عن القیام صام وصلی قاعدا اجمعا بین العبادتین[2] سبحان اللہ! نزد علماء قیام نماز کہ خود فرض است بغرض مراعات روزہ ساقط گردد اینجا روزہ رمضان بہر ادائے سنّتے حاشا بلکہ بہر تفاخرے بہ حصول امامتے بلکہ بہر فعلے ناجائزے گناہے حرامے عفو مے شود ان ھذا الاجھل صریح او عناد قبیح ایں عزیز را گویند کہ حق سبحانہ، وتعالٰی صومِ رمضان بر تو وہمگناں فرض عین فرمودہ است وقرآن در تراویح ختم کردن نہ فرض ست ونہ سنتِ عین، اگر بسبب تکثیر تلاوت ہنگام دور کہ اکثر حافظا ں راازاں نا گزیر ست ضعفے بتوراہ می یابد ایں خود بر گردن تو نہ نہادہ اند بحافظے دیگر اقتدا کن وتراویح گزار وروزہ دار ھم فرض بیاب وہم بہ سنت شتاب وایں قدر نیز نمے توانی

کرتا ہے۔" علماء نے مطلقاً فرمایا ہے کہ جو بھی عمل روزہ رکھنے سے کمزور کرے یا مانع ہو وہ جائز نہیں، درمختار میں ہے کہ ہر وُہ عمل جو انسان کو کمزور کردے وُہ جائز نہیں ہوتا۔ اگر روزے کی وجہ سے کوئی شخص اتنا کمزور ہوجاتا ہے کہ نماز میں قیام کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کے لئے رمضان کا روزہ چھوڑنا جائز نہیں بلکہ وہ روزہ رکھے اور نماز بیٹھ کر ادا کرے۔ درمختار میں بزازیہ سے ہے اگر کسی نے روزہ رکھا اور وہ ماز میں قیام سے عاجز ہوگیا تو وہ دونوں عبادات کو جمع کرتے ہوئے روزہ رکھے اور نماز بیٹھ کر ادا کرے۔ تمام قرآن در تراویح مخواں ومشنو ہمیں بست رکعت بہ نہجیکہ قادر باشی بجا آور د روزہ از دست دادہ مستحق نار جحیم وعذاب الیم مباش سبحان اللہ! علماء کے نزدیک روزہ کی خاطر نماز میں قیام ساقط ہوجاتا ہے حالانکہ یہ قیام فرض ہے صورتِ مذکورہ میں تو سنت کی خاطر نہیں بلکہ حصول امامت پر تفاخر کے لیے روزہ رمضان ترک کیا جارہا ہے بلکہ ناجائز، حرام اور گناہ فعل کے لیے ترک ہے، اللہ تعالٰی معاف فرمائے۔ یہ تو جہالت صریح اور عناد قبیح ہے اس عزیز سے کہا جائے کہ اللہ سبحانہ وتعالٰی نے تجھ پر روزہ رمضان فرضِ عین فرمایا ہے اور تراویح میں قرآن خرم کرنا نہ فرض نہ سنّتِ عین۔ اگر بسببِ کثرت تلاوت دَور کی وجہ سے جو حفّاظ کے لیے جا گزیر ہوتا ہے ایسا ضُعف لاحق ہونے کا خطرہ ہے تو یہ بوجھ اپنے اوپر نہ لے بلکہ کسی دوسرے حافظ کی اقتداء کرے، تراویح ادا کرے اور روزہ رکھے، فرض کو بجالائے، اور سنّت بھی حاصل کرے، اور اگر اس قدر کی بھی طاقت نہیں تو

---

[1] درمختار باب مایفسد الصوم ومالایفسد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵۲

[2] درمختار باب مایفسد الصوم ومالایفسد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵۲

تمام قرآن در تراویح مخواں ومشنو ہمیں بست رکعت بہ نہجیکہ قادر باشی بجاآورد روزہ از دست دادہ مستحق نار جحیم وعذاب الیم مباش اے برادر! روزہ فرضِ عین ست وفرض عین بر فرضِ کفایہ مقدم وختمِ قرآن در تراویح سنّتِ کفایہ است وسنت کفایہ از سنت عین مؤخراین چہ ستم بے خردی باشد کہ سنتِ کتایہ بر فرضِ عین مقدم دارند، من العلماء من وسع فی ترك الختم لکسل القوم قائلاان من لم یکن عالما باھل زمانه فھو جاھل[1] کما فی الدرمختار عن الزاھدی عن الوبری والکرمانی وفیه عن الاختیار الافضل فی زماننا قدر مالا یثقل علیھم قال اقرہ الصنف یعنی الغزی وغیرہ وعن المجتبیٰ عن الامام لوقرأ ثلاثا قصارا او اٰیة طویلة فی الفرض فقد احسن ولم یسیئ قال الزاھدی فما ظنك بالتراویح[2] **قلت** فانظر الیٰ جھل ھذاالذی یترك صوم رمضان لشئی یرخص فی ترکه لمثل ھذا روزے امیر المومنین

تو تمام قرآن تراویح میں نہ پڑھے اور نہ سُنے، جس طریقہ سے بیس تراویح ادا کرنے پر قادر ہے ادا کرے، روزہ اگر نہ تکھا تو نارِ جہنّم اور عذاب الیم کا مستحق ٹھہرے گا، اے میرے بھائی! روزہ فرض عین ہے اور فرضِ عین فرضِ کفایہ پر مقدم ہوتا ہے، اور ختمِ قرآن تراویح میں سنتِ کفایہ ہے اور سنت کفایہ سنتِ عین سے مؤخر ہوتی ہے، یہ کیا ظلم ہے کہ سنتِ کفایہ کو فرض عین پر مقدم کردیا گیا ہے، بعض علماء نے قوم میں سُستی و کاہلی پیدا ہوجانے کی وجہ سے ختمِ قرآن کو ترک کردینے کی بھی گنجائش یہ کہتے ہوئے روا رکھی ہے کہ جو شخص اپنے زمانے کے حالات سے آگاہ نہیں وُہ جاہل ہے جیسا کہ درمختار میں زاہدی سے اور وہاں وبری اور کرمانی کے حوالے سے ہے اور اسی میں الاختیار سے ہے کہ ہمارے زمانے میں اتنی مقدار افضل ہے جو بوجھ نہ بنے، اور کہا کہ اسے ہی مصنّف الغزی وغیرہ نے ثابت رکھا ہے، المجتبیٰ میں امام صاحب سے منقول ہے کہ اگر کسی نے فرائض میں تین آیات چھوٹی یا بڑی پڑھیں تو اس نے بہت اچھا کیا اور وہ گنہگار نہیں۔ زاہدی کہتے ہیں کہ پھر تراویح کے معاملہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ **میں کہتاہُوں** اس جاہل کو دیکھو جو رمضان کا روزہ ایسے عمل کی خاطر ترک کر رہاہے جس کا ترک روزے کی خاطر کیاجاسکتا تھا۔ ایک دن امیرالمومنین حضرت

---

[1] درمختار، باب الوتر والنوافل، مطبع مجتبائی دہلی، ۹۹/۱

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۹۸/۱

فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سلیمان بن ابی حثمہ را درجماعت صبح نہ دید مادرش راپر سید عرض داد او ہمہ شب نماز گزاردہ است صبح دم خوابش برد و حضور جماعت نتوانست امیرالمومنین فرمود مرا درجماعت صبح حاضر شدن محبوب ترست از شب زندہ داشتن مالك فی المؤطاعن شهاب عن ابی بکر بن سلیمان بن ابی حثمة عن عمر الخطاب فقدَ سلیمان بن ابی حثمة فی صلٰوة الصبح وان عمر بن الخطاب غدا الی السوق وسکن سلیمان بین السوق والمسجد فمر علی الشفاء ام سلیمان فقال لها لم ارسلیمان فی صلٰوة الصبح فقالت انه بات یصلی فغلبته عیناه فقال عمر لان اشهد صلٰوة الصبح فی الجماعة احب الی ان اقوم لیلة اھ[1] رواہ ابوبکر بن ابی شیبة عن عبدالرحمٰن عن عمر ولفظه لان اصلیهما فی جماعة احب الی من احیی مابینهما یعنی الصبح والعشاء[2]	فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت سلیمان بن ابی حثمہ کو صبح کی جماعت میں نہ دیکھا آپ نے ان کی والدہ سے وجہ پوچھی تو انھوں نے عرض کیا وہ تمام رات نماز پڑھتے رہے صبح کے وقت انھیں نیند آگئی جس کی وجہ سے وُہ جماعت میں شریک نہ ہوسکے، امیرالمومنین نے فرمایا: میرے نزدیک صبح کی نماز میں شریک ہونا تمام رات کی عبادت سے کہیں افضل ہے۔ مؤطا میں امام مالک نے شہاب سے انھوں نے ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ سے انھوں نے حضرت عمر بن خطاب سے بیان کیا کہ انہوں نے سلیمان بن ابی حثمہ کو نمازِ صبح میں غائب پایا، دوسرے دن حضرت عمر بازار کی طرف تشریف لے گئے سلیمان مسجد اور بازار کی درمیانی جگہ پر رہائش پذیر تھے، آپ سلیمان کی والدہ حضرت شفاکے پاس سے گزرے فرمایا: میں نے سلیمان کو نمازِ صبح میں نہیں دیکھا وُہ کہنے لگیں: وہ ساری رات نماز پڑھتا رہا صبح اس پر نیند کا غلبہ ہوگیا۔ آپ نے فرمایا: نمازِ صبح کیلئے حاضر ہونا مجھے تمام رات قیام سے زیادہ محبوب ہے۔ اسے ابوبکر ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمٰن سے، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور اس کے الفاظ یہ ہیں: "مجھے جماعت کے ساتھ دونوں نمازیں ادا کرنا ان دونوں (عشاء اور صبح) کے درمیان

[1] موطا امام مالک باب ماجاء فی العتمۃ والصبح میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۱۵

[2] مصنف ابن ابی شیبہ فی التخلف فی العشاء والفجر الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۳

حضور پُر نور سیّد غوث الثقلین پیر دستگیر محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ در کتاب مستطاب فتوح الغیب شریف مقالہ در ترتیب عبادات فرمود آنجا بر ہمچو جاہلے کہ در حفظ سنّت و نفل فرائض راز دست می دہد اقامت قیامت کُبرٰی نمود، فقیر غفر اللہ تعالٰی برخے ازاں سخن کریم مع ترجمہ شیخ محقق مولانا عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نقل کنم باشد کہ جاہلاں را از خوابِ غفلت بیدار ساز واللہ الھادی مے فرماید رضی اللہ تعالٰی عنہ **ینبغی للمؤمن ان یشتغل اولا بالفرائض** مے باید وسرزد مر مسلمان راکہ کاربند و نخست بہ چیزہائے کہ فرض و واجب گردانیدہ است حق تعالٰی از عبادات کہ ترک آنہا آثم ومعاقب می گردد **فاذا فرغ منھا اشتغل بالسنن** چوں بہ پر دازد از فرائض مشغول گردد بسنتہائے راتب راکہ معین ومؤکدہ شدہ است ہمراہ فرائض وترک آں سبب اسائت وعتاب ست **ثم یشتغل بالنوافل والفضائل** پستر مشغول گردد بعبادت ہائے نافلہ کہ زیادت ست برآں وفضیلت دارد وفعل آنہا ثواب ست وبترک آں اثمی واساءتے نے **فمالم یفرغ من الفرائض فاشتغال بالسنن حمق ورعونۃ** پس مادام کہ

قیام سے محبوب ہے۔ حضور پُر نور سیّد نا غوث الثقلین پیر دستگیر محی الدّین ابو محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنی مبارک کتاب فتوح الغیب شریف کے ترتیب عبادات کے مقالہ میں فرماتے ہیں اور ایسے جاہل پر جو سنّت و نفل کی وجہ سے فرائض ترک کردیتا ہے قیامتِ کبرٰی برپا فرماتے ہیں، فقیر (اللہ تعالٰی اسے بخش دے) اس مبارک گفتگو سے کچھ حصّہ مع ترجمہ شیخ محقق مولانا عبد الحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نقل کرتا ہے تاکہ جاہل لوگ خوابِ غفلت سے بیدار ہوں اور اللہ تعالٰی ہی ہدایت عطا فرمانے والا ہے، حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ "مومن کو چاہئے کہ وُہ پہلے فرائض بجالائے" مسلمانوں کو چاہئے کہ وُہ پہلے ان عبادات کو بجالائے جو اللہ تعالٰی نے ان پر فرض وواجب کی ہیں جن کے ترک سے وہ گنہگار اور قابلِ گرفت بن جاتے ہیں "جب ان فرائض سے فراغت ہو جائے تو پھر سُنن میں مشغول ہو" جب مسلمان ان فرائض سے فارغ ہو جائے تو پھر ان سُنن میں مشغول ہو جو فرائض کے ہمراہ معین مؤکد ہیں جن کا ترک اساءت اور عتاب کا سبب ہے" پھر نوافل و فضائل میں مشغول ہو" پھر ان نفلی عبادات میں مشغول ہو جو ان فرائض و سُنن سے زائد ہیں اور فضیلت رکھتے ہیں، ان کا بجالانا ثواب، لیکن ان کا ترک گناہ نہیں "جب تک فرائض سے فراغت نہ ہو سُنن میں مشغول ہونا بیوقوفی اور رعونت ہے) توجب تک فرائض

نہ پرداز داز فرائض وتمام نہ کند آنہارا پس مشغول شدن بسنتہا نشان جہل و بے خردی وسبک عقلی ست چہ ترک انچہ لازم و ضروری ست واہتمام بہ انچہ نہ ضروری ست از قاعدہ عقل وخرد دورست چہ دفع ضرر اہم است بر عاقل از جلب نفع بلکہ بہ حقیقت نفع دریں صورت منتفی ست بایں قیاس کردن نوافل باترک فرائض نیز نا مقبول و باطل ست چنانچہ مے فرمایند **فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض** پس اگر مشغول گردد بسنتہا ونفلہا پیش از اتیانِ فرائض **لم تقبل منه واهين** در پذیر فتہ نہ شود از وبلکہ خوار کردہ شود وگفتہ اند کہ اتیانِ نوافل باترک فرائض بداں ماند کہ یکے ہدیہ برد کسے کہ دام وے دارد ودام ندہد ایں ہرگز قبول نیفتد ونیز گفتہ اند کہ ہر کہ نوافل نزد وے اہم از فرائض باشد وے مخدوع وممکورست ونیز گفتہ اند ہلاک مردم دو چیز ست اشتغال نافل باتضییع فرائض وعمل جوارح بے مواطات قلب، **فمثله کمثل رجل یدعوه الملك الیٰ خدمته** پس حال وقصہ غریب آں کسے کہ ترک مے کند فرائض را باتیان سنن ونوافل ہمچو حال مردے ست کہ مے خواند اورا بادشاہ بخدمت خود، کنایت ست از اتیانِ فرائض کہ پروردگار تعالیٰ کہ حامل و بادشاہ علی الاطلاق ست بداں خواندہ وامر کردہ است **فلا یأتی الیه**

مکمل نہ ہوجائیں سنتوں میں مشغول ہونا جہالت اور بے عقلی ہے کیونکہ ایسی چیز کا ترک کرنا جو لازم وضروری تھی اور ایسی چیز کا اہتمام جو ضروری نہیں تھی عقل وخرد کے قاعدے سے دُور ہے کیونکہ عاقل کے لیے منافع کے حصول سے ضرر کا دُور کرنا اہم وواجب ہوتا ہے بلکہ حقیقۃً اس صورت میں نفع ہے ہی نہیں۔ اسی پر قیاس نوافل ادا کرنا اور فرائض ترک کردینا بھی نامقبول و باطل ہے جیسا کہ فرمایا "پس اگر سنن ونوافل میں فرائض سے پہلے مشغول ہوگیا" یعنی اگر فرض کی ادائیگی سے پہلے ہی سُنن ونوافل میں مصروف ہوگیا تو "وہ مقبول نہ ہوں گے بلکہ ذلت ورسوائی ہوگی۔" علماء فرماتے ہیں کہ نوافل کا بجالانا اور فرائض کو ترک کردینا ایسے ہی جیسے کوئی اپنے قرض خواہ کو ہدیہ دے دے مگر اس کا قرض ادا نہ کرے تو یہ ہدیہ ہرگز مقبول نہ ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا کہ جس کے نزدیک نوافل فرائض کی نسبت اہم ہوں وہ دھوکا وفریب زدہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دو۲ چیزیں لوگوں کو ہلاک کردینے والی ہیں نفلی عبادات میں مشغول ہوکر فرائض کو ضائع کردینا اور قلب کی موافقت کے بغیر ظاہری اعضاء کا عمل کرنا،" اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جسے بادشاہ اپنی خدمت میں بلائے" یعنی اس شخص کا حال جو فرائض ترک کرکے سنن و نوافل بجالائے اس کا حال اس شخص کی طرح ہے جسے بادشاہ اپنی خدمت میں طلب کرے، اس سے مراد وہ فرائض ہیں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے جو علی الاطلاق حاکم و بادشاہ ہے اور وہ اس اعلیٰ طریقے پر بلاتا ہے "پس وہ اس کی طرف

پس نمی آید آں مرد بسوئے بادشاہ **ویقف بخدمۃ الامیر الذی ھو غلام الملک وخادمہ** می ایستد در چاکری یکے از امرائے بادشاہ کہ غلام بادشاہ و چاکر اوست و تحت یدہ وولایتہ وزیرِ دست قدرت وتصرف اوست ایں مثال اتیان سنن ونوافل ست کہ بر طریقہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ بندہ وامیر وزیرِ خاص درگاہِ اوست و باستحسان واستحباب علماء کہ بندگان وغلامان اویند عمل کردن ست اگرچہ ہمہ بحکم حضرت پروردگار تعالٰی وتشریع اوست، ولیکن فرائض را بہ جہت الزام وایجاب نسبت بجناب ایزدی کنند وسُنن ونوافل را کہ نہ دراں مرتبہ اند بخدمتِ رسول واصحاب واتباع او صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین عن علی بن ابی طالب روایت ست، از امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ **قال قال رسول اللہ** گفت گفت پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **ان مثل مصلی النوافل** بدرستیکہ قصہ وحال گزارندہ نفلہا **وعلیہ فریضۃ** وحال آنکہ بر ذمّہ او فرضی ست کہ نہ گزاردہ است آں را کمثل حبلی حملت ہمچو قصہ وحال زنے بار داست کہ تمام شدہ است مدت حمل او **فلمادنی نفاسھا اسقطت** پس ہر گاہ نزدیک شد وقت زائیدن وے افگند بچہ رانا تمام از شکم ووجہ تشبیہ رنج دیدن و مشقت کشیدن ست بے فائدہ زیراکہ چوں

نہیں آتا" یعنی وہ آدمی بادشاہ کی طرف نہیں آتا" اور وُہ بادشاہ کے ایسے امیر کے پاس کھڑا رہے جیسے اس کا غلام اور خادم ہو) یعنی وُہ ایسے چاکر کے پاس کھڑا رہتا ہے جو بادشاہ کا غلام ہے "اور اس کے قبضہ وولایت میں ہے" وہ اس کے تصرف اور قدرت کے تحت ہے، یہ ان سنن ونوافل کی مثال ہے جو رسول اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم (جو بارگاہ خداوندی میں امیر اور خصوصی وزیر ہیں) کے طریقہ پر یا علماء کے استحباب پر (جو اللہ تعالٰی کے غلام اور بندے ہیں) کے طریقہ پر عمل پیرا ہوتا ہے اگرچہ تمام پروردگار کے حکم سے ہی لیکن فرائض کی نسبت الزام وایجاب کی وجہ سے اللہ تعالٰی کی طرف کی جاتی ہے اور وہ سنن ونوافل جن کا درجہ یہ نہیں ان کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب واتباع کی طرف کردی جاتی ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "نوافل ادا کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو نوافل ادا کرتا ہے حالانکہ اس پر فرائض ہیں" حالانکہ اس کے ذمّہ ایسے فرائض ہیں جنھیں اس نے ادا نہیں کیا" اس حاملہ خاتون کی طرح ہے "جس کی مدتِ حمل مکمل ہوگئی" جب ولادت کا وقت آیا تو اس نے بچّہ کو گرادیا) یعنی ناتمام بچّہ کو اس نے جننے کے وقت گرادیا۔ وجہ تشبیہ بے فائدہ تکلیف و مشقّت اٹھانا ہے کیونکہ جب وُہ نوافل عدمِ ادائیگیِ فرائض مقبول ہی نہیں

قبول نیفتاد نوافل بجہت عدم ادائے فرائض حاصل شد مرآں مصلّے رارنج ومشقت بے فائدہ چنانچہ حاصل شد آں زنِ حاملہ راکہ مدت مدید گزشت ومشقت کشید وفائدہ کہ حصول ولد ست برآں مراتب نہ گشت فلاھی ذات حمل پس آں زن نہ خداوند حمل ست باعتبار انتقائے مقصود کہ ولد ست ولا ھی ذات ولاد نہ خداوند ولادست بجہت اسقاطِ حمل وکذلك المصلی لا یقبل اللہ لہ نافلۃ حتی یؤدی الفریضۃ وہمچنیں مصلّی مذکور درنمی پذیرد خدائے تعالٰی مراد رانمازِ نفل راتاآنکہ بجاآرد فرض راپس نہ فرض باشد اوراونہ نفل و مثالِ دیگر مصلی نفل رابے ادائے فرائض مثل تاجر است کہ سود می خواہد بے سرمایہ چنانچہ می فرمایند ومثل المصلی کمثل التاجر وحال مصلّی مذکور حال سوداگر ست کہ لایحصل لہ ربحہ حاصل نمی شود مراورا سود در سودا حتی یاخذ اراس مالہ تاآنکہ بگیرد سرمایہ خودرا فکذٰلك المصلی بالنوافل لایقبل لہ نافلۃ حتی یؤدی الفریضۃ ہمچنیں حال مشغول شوندہ بہ نوافل پذیرفتہ نمی شود مراور انفل کہ بمنزلہ سوداوست تاآنکہ ادا کند فرض راکہ بمشابہ سرمایہ است اھ[1] مع اختصار فی کلمات الشرح۔

تو وہ نمازی بے فائدہ مشقّت اٹھارہا ہے جیسے کہ حاملہ خاتون نے کتنی طویل مدّت تکلیف اٹھائی مگر اس پر فائدہ بصورتِ اولاد مرتّب نہ ہوا" پس اب یہ حاملہ نہیں ہے" کیونکہ مقصود فوت ہوگیا" نہ ہی یہ صاحبِ اولاد ہے" کیونکہ حمل ساقط ہوگیا" اسی طرح وہ نمازی جب تک فرائض ادا نہیں کرے گا اللہ تعالٰی اس کے نوافل قبول نہیں فرمائے گا" تو جب تک نمازی فرائض بجا نہیں لاتا نہ اس کے نوافل ہوں گے نہ فرائض۔ بے ادا فرائض کے نوافل ادا کرنے والے نمازی کی دوسری مثال یُوں ہے جیسے کوئی تاجر بغیر سرمایہ کے نفع حاصل کرنا چاہے، لہٰذا فرمایا" نمازی کی مثال تاجر کی طرح ہے" یعنی مذکور مصلّی کا حال سوداگر کی طرح ہے" اسے تجارت میں نفع حاصل نہیں ہوتا" یعنی اسے سوداگری میں اس وقت تک نفع نہیں ہوسکتا" یہاں تک کہ وُہ اپنا سرمایہ حاصل کرے" جب تک وُہ سرمایہ نہیں لگائے گا اسے نفع کیسے ہوگا" اسی طرح معاملہ ہے نوافل ادا کرنے والے نمازی کا، اس کے نفل ادائیگی فرائض کے بغیر مقبول نہیں ہوسکتے" کیونکہ نفل بمنزلہ نفع کے اور فرض بمنزلہ سرمایہ کے ہیں اھ کلماتِ شرح میں کچھ اختصار کیا گیا ہے۔

بالجملہ ایں کسے باجماعِ علماء فاسق وفاجر ومرتکب کبیرہ و مستحق عذاب الیم وخزی عظیم است۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قومے رادید کہ

بالجملہ یہ شخص باجماعِ علماء فاسق، فاجر مرتکبِ کبیرہ، عذاب الیم اور ذلّت عظیم کا مستحق ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وُہ

[1] فتوح الغیب مع شرح فارسی مقالہ ۴۸ منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۷۳ تا ۲۷۵

ایشاں راسرنگوں آویختہ اند وکنجھائے دہاں ایشاں دریدہ کہ ازآنہاخون می ریزد فرمودایناں چہ باشند، فرشتہ عرضداشت کسانیکہ قبل از وقت افطار رمضان مے کنند اخرجہ ابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحھما عن ابی امامۃ الباھلی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول بینا انا نائم اذا تانی رجلان فاخذا بضبعی فأتیابی جبلا وعرا، وساق الحدیث الٰی ان قال ثم انطلقا بی فاذا انا بقوم معلقین بعراقیھم مشققۃ اشداقھم دمًا قال قلت من ھٰؤلاء، قال الذین یفطرون رمضان قبل تحلۃ صومھم [1] چوں پیش از وقت افطار راایں عذاب ست اصلًاروزہ نہ داشتن راخود قیاس کن کہ چنداں باشد والعیاذباللہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماید رسن ہائے اسلام وبنیادہائے دین سہ چیزست کہ برایشاں بنائے اسلام نہادہ اند ہر کہ ازآنہایکے راترک دہد کافرست بداں خونِ او حلال، یکے شہادت کلمہ توحید، دوم نماز فرض، سوم روزہ رمضان، ودر روایتے فرماید ہر کہ از انہایکے بگزارد پس آں کافرست بخداونہ پذیرند از وہیچ فرض ونہ نفل و

اُلٹے لٹکے ہوئے ہیں اور ان کی باچھوں کو چیرا جارہا ہے اور اُن سے خون بہ رہا ہے، آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرشتے نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ لوگ رمضان کا روزہ قبل از وقت افطار کرلیتے تھے۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ میں سویا تھا میرے پاس دو۲ آدمی آئے وُہ مجھے اٹھا کر ایک پہاڑ پر لے گئے (تفصیلاً حدیث بیان کی جس کا ایک حصہ یہ ہے) پھر مجھے آگے لے گئے تو وہاں ایک قوم الٹی لٹکی ہوئی تھی ان کی باچھوں کو چیرا جارہا تھا جن سے خُون بہہ رہا تھا، فرمایا: میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا گیا: یہ رمضان کا روزہ وقت آنے سے پہلے ہی افطار کر لیتے تھے۔ جب قبل از وقت روزہ افطار کرنے پر یہ عذاب ہے تو خود سوچئے بالکل روزہ نہ رکھنے پر کتنا عذاب ہوگا العیاذ باللہ،
نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام اور دین کی بنیاد تین چیزیں ہیں جن پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے ان میں سے اگر کسی نے ایک کو ترک کردیا تو وہ کافر ہوگا اور اس کا خُون مباح ہوگا، ان میں سے ایک [1] کلمہ توحید کی شہادت، ودوم [2] نمازِ فرضِ سوم [3] روزہ رمضان۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جو ان میں سے کسی کو بجانہ لایا وُہ خدا کا منکر ہے، اس کا کوئی نفل و فرض قبول نہیں

[1] صحیح ابن خزیمہ باب تعلیق المفطرین قبل وقت الافطار حدیث ۱۹۸۶ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۲۳۷

بدرستی کہ روا باشد خون ومال او ابویعلی باسناد حسن وقال المنذری ایضا اسنادہ حسن عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال حماد بن زید ولا اعلمہ الاقد رفعہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال عری الاسلام وقواعد الدین ثلثۃ علیھن اسس الاسلام، من ترك منھن واحدۃ فھو بھا کافر حلال الدم، شھادۃ ان لا الٰہ الّا اللہ والصلٰوۃ المکتوبۃ وصوم رمضان۔[1] وفی روایۃ من ترك منھن واحدۃ فھو باللہ کافر ولا یقبل منہ صرف ولا عدل وقد حل دمہ ومالہ وروی ھذہ سعید بن زید بن عمرو بن مالك النکری عن ابی الجوزاء عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولم یشك فی رفعہ،[2] وہم منقول باشد آں حضرت علیہ علیہ الصّلوٰۃ والتحیۃ کہ فرمود حق تعالٰی در دینِ اسلام چہار چیز را فرض کردہ است ہر کہ از انہا سہ بجا آرد اور راہیچ بکار نیاید تاہر ہمہ چہار را ادا سازد، نماز وزکوٰۃ و

کیا جائے گا اور اس کا خون ومال مباح ہوگا۔ اسے ابویعلٰی نے اسناد حسن کے ساتھ ذکر کیا، منذری نے بھی اسے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے، حماد بن زید کہتے ہیں کہ میں اسے نہیں جانتا مگر یہ کہ اس کی نسبت رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اسلام کے رسے اور دین کے ستون تین ہیں جن پر اسلام کی بنیادیں ہیں جس نے بھی ان میں سے کسی ایک کو ترک کیا وُہ کافر ہے اور اس کا خون مباح ہے، پہلی لا الٰہ الّا اللہ کی شہادت، دوسری نمازِ فرض، تیسری رمضان کا روزہ۔ دوسری روایت میں ہے کہ جس نے ان میں سے کسی ایک کو چھوڑا وُہ اللہ کا منکر ہے، اس کا کوئی نفل وفرض قبول نہیں، اس کا خون ومال مباح ہے۔ یہ روایت سعید بن زید نے عمرو بن مالک النکری سے انھوں نے ابوالجوزاء سے انھوں نے حضرت ابن عباس سے انھوں نے رسولِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں شک نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ بھی منقول ہے کہ حق تعالٰی نے دین اسلام میں چار چیزوں کو فرض کیا ہے ان میں سے اگر کوئی تین بجالاتا ہے تو وہ اس کے کسی کام نہیں آسکتے یہاں تک کہ وُہ چاروں کو بجالائے (وُہ

---

[1] مسند ابویعلی الموصلی ترجمہ ۲۳۴۵ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ۱۳/۳

[2] الترغیب والترھیب من ترک الصلٰوۃ عمداً الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۸۲ و ۲/ ۱۱۰

روزہ رمضان و حجِ کعبہ الامام احمد عن زیاد بن نعیم الحضر می مرسلا قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اربع فرضھن اللہ فی الاسلام فمن جاء بثلاث لم یغنین عنہ شیأ حتی یأتی بھن جمیعا الصلٰوۃ والزکٰوۃ وصیام رمضان وحج البیت[1] ونیز مروی شد ازاں سرور علیہ افضل الصّلٰوۃ والسلام کہ فرمودہر کہ یک روز از رمضان بے رخصتِ شرع و بے مرض روزہ ندارد اگر ہمہ عمر خودش روزہ خواہد داشت عوض آں یک روزہ نخواہد شد فقد اخرج الترمذی واللفظ لہ وابو داؤد والنسائی و ابن ماجۃ و البیہقی وابن خزیمۃ فی صحیحہ والبخاری تعلیقا عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال من افطر یوما من رمضان من غیر رخصۃ ولا مرض لم یقض عنہ صوم الدھر کلہ وان صامہ[2] مسلماناں را باید کہ پس ایں کس تراویح نگزارند بدو وجہ **اولا** او فاسق ست ونماز پس فاسق مکروہ کما صرحت بہ المتون و الشروح والفتاوٰی

چار یہ ہیں) نماز، زکوٰۃ، روزہ رمضان، حجِ کعبہ امام احمد نے زیاد بن نعیم الحضرمی سے مرسلًا مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، چار چیزوں کو اللہ تعالٰی نے ایمان میں فرض فرمایا ہے جوان میں سے تین بجالائے گا وہ اسے کسی شیئ کا فائدہ نہیں دیں گے حتّٰی کہ تمام کو بجالائے، وہ نماز، زکوٰۃ، روزہ رمضان اور حج کعبہ ہے، نیز حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ مروی ہے کہ اگر کسی نے شریعت کی اجازت اور مرض کے بغیر روزہ رمضان نہ رکھا اگر ساری عمر روزہ رکھے تب بھی اس کا عوض نہیں ہوسکتا، ترمذی نے روایت کیا یہ الفاظ اسی کے ہیں، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، ابن خزیمہ نے صحیح میں اور بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تعلیقًا روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے بغیر رخصت اور مرض کے ایک دن رمضان کا روزہ چھوڑدیا اب اگر سارازمانہ روزہ رکھتا رہے تو اس کا ازالہ نہیں ہوسکتا، مسلمانوں کو چاہئے کہ وُہ دو۲ وجوہ کی بنا پر ایسے شخص کو تراویح نہ پڑھانے دیں: **اوّلا** یہ فاسق ہے اور فاسق کی اقتداء میں نماز مکروہ ہوتی ہے جیسا کہ اس پر متون، شروحات اور فتاوٰی کی

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث زیاد ابن نعیم الحضرمی المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۰۱

[2] صحیح بخاری باب اذا جامع فی رمضان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۹، جامع الترمذی ابواب الصیام امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۹۰

قاطبۃ ثانیًا غالب آنست کہ ایں کس بغایت پست ہمّت و بد شوق در امورِ دینیہ است وخواندن قرآن در تراویح ہمیں بغرضِ تحصیل امامت وتقدم وتفاخر بروجہ ریاء وسمعہ اختیار کردہ است پس باید کہ غرضش را حاصل شدن نہ دہند وچوں کسے اقتدا نہ کند، لاجرم ایں فعل حرام را گزاردو ان شاء اللہ تعالٰی رجوع بروزہ آرد،	قطعی تصریحات ہیں ثانیًا غالب گمان یہ ہے کہ یہ شخص انتہائی درجہ کا کم ہمت اور امورِ دینیہ کے معاملے میں بدذوق ہے اور وُہ تراویح میں قرآن محض حصولِ امامت کیلئے سُنارہاہے اور ریا کاری کرتے ہُوئے تقدم وتفاخر پر عمل پیرا ہے لہٰذا اسے اس مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیں، جب کوئی اس کی اقتداء نہیں کرے گا تو ان شاء اللہ تعالٰی وُہ اس فعلِ حرام سے رجوع کرے گا،
قال تعالٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[1] ایں قرآن خوانی ازاں کس گناہ عظیم ست ومقتدیان باقتدائے اعانت برگناہ می کنند پس خود آثم باشد ہر چند سخن قدرے دراز شد اما بحمد اللہ خالی از نفع نیست یکے از جہت تحقیق مسئلہ دوم ازروئے ذکر شریف ونقل کلام لطیف حضور پُرنور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فان عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ[2] لاسیما ھذا السیّد رأس الاولیاء وتاج الاقطاب وسیّد الصّلحاء رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنھم اجمعین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: گناہ اور زیادتی پر ہر گز تعاون نہ کرو۔ ایسے شخص سے قرآن پڑھوانا گناہِ عظیم ہے، اور اقتداء کی صورت میں مقتدی گناہ پر اس کی اعانت کرنے والے ہوں گے لہٰذا یہ بھی گنہ گار ہوں گے، ہر چند گفتگو قدرے طویل ہو گئی ہے بحمد اللہ نفع سے خالی نہیں، ایک تو تحقیق مسئلہ کی وجہ سے اور دوسرا حضور پُرنور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کلام وذکر شریف کے نقل کرنے کی وجہ سے، کیونکہ صالحین کے تذکرہ سے خصوصًا اس اولیاء کے سربراہ اقطاب کے تاج اور سید الصلحاء رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنھم اجمعین کے تذکرے پر رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۲: از میرٹھ کمبوہ دروازہ مکان داروغہ یادالٰہی صاحب مرسلہ مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۱۲رمضان ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نابالغ لڑکا کہ نوافل میں قرآن شریف پڑھتا ہے اگر

---

[1] القرآن ۲/۵

[2] مرقات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب الصلٰوۃ علی الجنازۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۶۱/۴

بوجہ کثرت ضعف ومحنت دَور، روزہ افطار کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نابالغ پر تو قلمِ شرع جاری ہی نہیں وُہ اگر بے عذر بھی افطار کرے اُسے گنہ گار نہ کہیں گے۔

لقوله عـــه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم رفع القلم عن ثلثة الی قوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وعن الصبی حتی یحتلم۔[1]	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تین افراد سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ ان میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس بچّے کا بھی ذکر فرمایا ہے جو ابھی بلوغت کو نہیں پہنچا۔(ت)

مگر بیان کرنا اس کا ہے کہ بچّہ جیسے آٹھویں سال میں قدم رکھے اس کے ولی پر لازم ہے کہ اسے نماز روزے کا حکم دے، اور جب اُسے گیارھواں شروع ہو تو ولی پر واجب ہے کہ صوم وصلٰوۃ پر مارے بشرطیکہ روزے کی طاقت ہو اور روزہ ضرر نہ کرے۔ حدیثِ صحیح میں ہے کہ حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مروا اولاد کم بالصلٰوۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر۔[2]	جب بچّے سات سال کے ہوجائیں تو انھیں نماز کو کہو اور دس سال کے ہوجائیں تو انھیں ترک نماز پر سزادو۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

وجب ضرب ابن عشر علیھا۔[3]	ترک نماز پر دس سال کے بچّے کو سزادینا واجب ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

عـــه: رواہ احمد وابو داؤد والحاکم عن امیر المومنین عمر و علی کالنسائی وابن ماجة عن ام المومنین عائشة الصدیقة رضی اللّٰه تعالٰی عنهم ۱۲ منه غفرله(م)	اسے امام احمد، ابوداؤد اور حاکم نے امیر المومنین حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، اور نسائی وابن ماجہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ۱۲منہ غفرلہ،(ت)

[1] المستدرک للحاکم، رفع القلم عن الثلاث، دارالفکر بیروت، ۱/۲۵۸

[2] سنن ابی داؤد، باب متی یؤمر الغلام الخ، آفتاب عالم پریس لاہور، ۱/۷۱

[3] تنویر الابصار مع درمختار کتاب الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۸

ظاہر الحدیث ان الامر لابن سبع واجب کا لضرب والظاہر ایضاًان الوجوب بالمعنی المصطلح علیہ لا بمعنی الافتراض لان الحدیث ظنی فافہم۔[1]	ظاہر حدیث میں ہے کہ سات سال کے بچے کو نماز کا کہنا اسی طرح واجب ہے، جیسے دس سال کے بچے کو سزا دینا واجب ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ یہاں وجوب سے اصطلاحی وجوب مراد ہے نہ کہ بمعنی فرض، کیونکہ حدیث ظنی ہے۔پس غور کیجئے۔(ت)

در مختار میں ہے: والصوم کالصّلوٰۃ علی الصحیح[2] (صحیح قول کے مطابق روزہ کا حکم نماز ہی کی طرح ہے۔ت) عالمگیری میں ہے: قال الرازی یؤمر الصبی اذااطاقہ[3] (امام رازی نے فرمایا: جب بچہ توانا ہوجائے تو اسے (نماز و روزہ کا) حکم دیا جائے۔ت) اُسی میں ہے:

ھذا اذالم یضرالصوم ببدنہ فان اضر لایؤمر بہ۔[4]	یہ اس وقت ہے جب روزہ جسمانی تکلیف کا سبب نہ بن رہا ہو، اگر بن رہا ہو تو پھر اسے نہ کہا جائے(ت)

اور پُر ظاہر کہ یہ احکام حدیث و فقہ میں مطلق وعام، تو ولی نابالغ ہفت سال یا اس سے بڑے کہ اُسی وقت ترک صوم کی اجازت دے سکتا ہے جبکہ فی نفسہٖ روزہ اُسے ضرر پہنچائے ورنہ بلا عذر شرعی اگر روزہ چُھڑائے گا یا چھوڑنے پر سکوت کرے گا گنہ گار ہوگا کہ اس پر امر یا ضرب شرعًا لازم اور تارک واجب، بزہ کار وآثم، اور دَورِ کلام اللہ کی محنت عذر وافطار نہیں۔**اوّلًا** اکثر ہوتا ہے کہ بچّے بہت جوان قوی تندرست لوگ ایسے امور میں کم ہمتی کو بے قدرتی سمجھ لیتے حالانکہ کمرِ ہمّت چست باندھیں تو کُھل جائے کہ عجز سمجھنا صرف وسوسہ تھا، اور واقعہ میں عجز ہو بھی یعنی روزہ رکھ کر کلام اللہ شریف پر محنتِ شاقہ نہیں ہوسکتی تو راہ یہ ہے کہ روزہ رکھوائیں اور قرآن مجید کا جتنا شغل بے کلفت ہوسکے لیں، اور جس قدر کی طاقت نہ دیکھیں بعد رمضان دورِ آئندہ پر ملتوی رکھیں کہ شرعًا صیام کے لیے ایّام معین ہیں جن کے فوت سے ادا فوت ہوگی اور دور کے لیے کوئی دن مقرر نہیں ہمیشہ وہر وقت کرسکتے ہیں فرض کیجئے اگر مرد نوجوان تندرست مقیم کی یہی حالت ہوتی ہے کہ روزے کے ساتھ محنت دَور نہ کرسکتا تو کیا شرع اسے اجازت دیتی کہ دور کے لیے روزہ ترک کرے، حاشا وکلّا، بلکہ لازم فرماتی کہ روزہ رکھ اور دَور دَور دیگر پر موقوف رکھ، تو معلوم ہوا اسی میں

---

[1] ردالمحتار کتاب الصّلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۲۳۵

[2] دُرمختار کتاب الصّلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۸

[3] فتاوٰی ہندیۃ المتفرقات من باب الاعتکاف نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۱۴

[4] فتاوٰی ہندیۃ المتفرقات من باب الاعتکاف نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۱۴

خیر ہے، اور اس کے عکس میں شر، اور ولی کو چاہئے بچّے کو ہر خیر کا حکم دے اور ہر شر سے باز رکھے۔ محشیانِ دُر سادا تنا حلبی و طحطاوی و شامی رحمہم اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

مرادہ من ھذین النقلین بیان ان الصبی ینبغی ان یومر لجمیع المأمورات وینھی عن جمیع المنھیات[1]۔	ان دونوں تصریحات کا مقصد یہ ہے کہ ولی پر لازم ہے کہ وُہ بچّے کو تمام اوامر کو بجالانے اور تمام منہیات سے باز رہنے کا کہے۔ (ت)

علّامہ طحطاوی نے فرمایا:

فلا خصوصیۃ للصلٰوۃ والصوم والخمر کما یرشد الیہ التعلیل اھ[2] ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی انہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	اس میں نماز، روزہ اور شراب ہی مخصوص نہیں جیسا کہ علت کا بیان اسے واضح کر رہا ہے اھ۔ یہ مجھ پر واضح ہوا ہے علمِ حق میرے رب کے پاس ہے، انہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۳: از کیمپ معرفت حکیم سیّد نورالحسن صاحب دہلوی ۴ شوال ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرع متین بیچ اس مسئلہ کے جو کہ بوجہ اختلاف ہونے رؤیت ہلال کے ۳۰ تاریخ رمضان المبارک کو روزہ افطار کیا گیا اور بعد معلوم ہو جانے خبر تکذیب رؤیت کے روزہ قائم نہیں کیا گیا اور اکل وشرب برابر رکھا، اب اس روزے کے واسطے کفارہ لازم ہے یا قضا ونیز جن صاحبوں نے بعد خبر پانے تکذیب رویت کے پھر اپنے صوم کو کلی غرارہ سے دہن کو پاک کرکے قائم کرلیا ہے اُن کو کیا امر لازم ہے آیا کفارہ یا قضا؟

الجواب:

جنھوں نے اکل وشرب قائم رکھا حالانکہ کذب پر مطلع ہوچکے تھے وُہ گنہ گار ہُوئے لیکن کفارہ ان پر بھی نہیں، جنھوں نے فورًا کلی غرارہ کرلیا وُہ ثواب پائیں گے اور ایک روزہ اُس کے عوض کا وُہ بھی رکھیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۴: از گلگت چھاؤنی جونال مرسلہ سردار امیر خاں ملازم کپتان اسٹوٹ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سفر میں روزہ رکھنا کیسا ہے؟ خاص کرکے لڑائی کے موقع پر جانا ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو اپنے گھر سے تین منزل کامل یا زیادہ کی راہ کا ارادہ کرکے چلے خواہ کسی نیت اچھی یا بُری سے جانا ہو، وُہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الصّلٰوۃ مصطفی البابی مصر ۱/۲۵۹

[2] حاشیہ طحطاوی علی الدرالمختار کتاب الصّلٰوۃ دارالمعرفہ بیروت ۱/۱۷۰

جب تک مکان کو پلٹ کرنہ آئے یا بیچ میں کہیں ٹھہرنے کی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت نہ کرلے مسافر ہے، ایسے شخص کو جس دن کی صبح صادق مسافرت کے حال میں آئے اُس دن کا روزہ ناغہ کرنا اور پھر کبھی اس کی قضا رکھ لینا جائز ہے، پھر اگر روزہ اسے نقصان نہ کرے نہ اُس کے رفیق کو اُس کے روزہ سے ایذا ہو جب تو روزہ رکھنا ہی بہتر ہے ورنہ قضا کرنا بہتر ہے،

فی الدرالمختار، لمسافر سفر اشرعیاً ولو بمعصیة الفطر، ویندب الصوم ان لم یضرہ فان شق علیه او علی رفیقه فالفطر افضل لموافقة الجماعة، یجب علی مقیم اتمام صوم یوم من رمضان سافر فی ذٰلك الیوم اھ[1] ملتقطًا	درمختار میں ہے وُہ مسافر جس کا سفر شرعی (مقدار کے برابر) ہو خواہ گناہ کی خاطر ہو روزہ چھوڑ سکتا ہے اور اگر اسے روزہ تکلیف نہ دے تو روزہ رکھنا مستحب ہے، اور اگر روزہ مشکل ہو یا اس کے ساتھی پر مشکل ہو تو پھر جماعت کی موافقت میں افطار افضل ہے۔ مقیم پر اس روزہ رمضان کا اتمام لازم ہے جس دن اس نے سفر شروع کیا اھ مختصرًا (ت)

یُونہی غازی اگر یقینا جانے کہ اب دشمن سے مقابلہ ہونے والا ہے اور روزہ رکھوں گا تو ضعف کا اندیشہ ہے تو وُہ بھی ناغہ کرے اگرچہ سفر میں نہ ہو۔

فی ردالمحتار عن النھر عن الخلاصة الغازی اذا کان یعلم یقینًا انه یقاتل العدو فی رمضان ویخاف الضعف ان لم یفطر افطر۔[2]	ردالمحتار میں نہر سے خلاصہ سے ہے کہ غازی کو جب یقین ہو کہ رمضان میں دشمن سے مقابلہ ہوگا اور اگر روزہ رکھا تو کمزور ہوجائے گا تو روزہ نہ رکھے (ت)

مگر یہ اجازت بلا سفر صرف اُسی کو مل سکتی ہے جو حمایت یا اعانتِ دینِ اسلام میں لڑتا ہو، باقی ملکی لڑائیاں یا معاذاللہ کفر کی حمایت یا کافر کی طرف ہو کر اگرچہ دوسرے کافر ہی سے لڑنا، یہ سب گناہ ہیں۔ گناہ پر طاقت کے لیے روزہ قضا کرنے کی اجازت ممکن نہیں۔

فی مستامن فتح القدیر، فرع نفیس فی المبسوط لوغار قوم من اھل الحرب	فتح القدیر کے باب المستامن میں ہے کہ مبسوط میں نہایت نفیس جزئیہ ہے کہ اگر اہلِ حرب میں سے

---
[1] درمختار باب مایفسد الصوم فصل فی العوارض مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵۲تا ۱۵۴

[2] ردالمحتار، باب مایفسد الصوم فصل فی العوارض، مصطفی البابی مصر، ۲/۱۲۶

على اهل الدار التى فيهم المسلم المستامن لايحل له قتال هٰؤلاء الكفار الاان خاف علىٰ نفسه لان القتال لما كان تعريضا لنفسه على الهلاك لايحل الا لذٰلك اولا علاء كلمة الله تعالىٰ وهو اذالم يخف على نفسه ليس قتاله لهٰؤلاء الااعلاء لكفر۔[1]	کچھ لوگوں نے کسی ایسے علاقے پر حملہ کر دیا جس میں کسی مسلمان نے پناہ لے رکھی تھی تو اس مسلمان کے لیے ان کفار کے ساتھ لڑائی کرنا جائز نہ ہوگا، البتہ اس صورت میں جب اسے اپنی جان کا خوف ہو، کیونکہ قتال میں اپنے آپ کو ہلاکت پر پیش کرنا ہوتا ہے اور یہ جائز نہیں مگر اس صورت میں جب اپنی جان کا خوف ہو یا کلمۃ اللہ تعالیٰ کی سربلندی کے لیے ہو، اور جب اسے اپنے نفس کا خوف نہیں تو اب اس کا قتال سوائے کفر کی بلندی کے کچھ نہ ہوگا۔(ت)

ہاں جب یہ لوگ سفر میں ہوں تو بوجہ سفر اجازت ہوگی اگرچہ وُہ سفر جانب سقر ہو۔

كما قدمنا عن الدرالمختار والخلاف فيه معروف بيننا وبين الشافعى رضى الله تعالىٰ عن الجميع۔ والله تعالىٰ اعلم۔	جیسا کہ ہم نے دُرمختار کے حوالے سے پیچھے بیان کیا ہے او راس میں ہمارے اور امام شافعی (اللہ تعالیٰ ان تمام سے راضی ہو)کے درمیان مشہور اختلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۵: عرفان علی صاحب رضوی. بیسل پوری ملازم کچہری کلکٹر پیلی بھیت ۱۶ شعبان ۱۳۳۳ھ

ماہ رمضان شریف کبھی موسمِ گرما میں ہوتا ہے کبھی موسمِ سرما، کبھی موسمِ بہار میں کبھی برسات میں۔ فرض کیجئے کہ ایک مرتبہ ماہِ رمضان گرمیوں میں ہو تو دوسرے سال بھی گرمیوں میں ہونا چاہئے کیونکہ وہی موسم دوبارہ سال بھر بعد آتا ہے، شمسی مہینے کے حساب سے کبھی رمضان موسم گرما میں ہوتا ہے اور کبھی موسمِ سرما میں، اس کی وجہ کیا ہے؟ چونکہ حضور علمِ ہیأت میں ید طُولیٰ رکھتے ہیں پس سوائے حضور کے کسی اور سے اس کا حل ہونا غیر ممکن۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

موسموں کی تبدیلی خالق عزوجل نے گردشِ آفتاب پر رکھی ہے مثلاً تحویلِ برج حمل سے ختمِ جوزا تک فصل ربیع ہے، پھر تحویل سرطان سے ختمِ سنبلہ تک گرمی، پھر تحویلِ میزان سے ختمِ قوس تک خریف، پھر تحویل جدی سے ختمِ حوت تک جاڑا، یہ آفتاب کا ایک دَور ہے کہ تقریباً ۳۶۵ دن اور پونے چھ گھنٹے میں کہ پاؤدن کے قریب ہُوا پُورا ہوتا ہے۔ اور عربی شرعی مہینے قمری ہیں کہ ہلال سے شروع اور ۳۰ یا ۲۹ دن میں ختم ہوتے ہیں۔ یہ بارہ ۱۲ مہینے

[1] فتح القدیر باب المستامن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵ /۲۶۷

یعنی قمری سال ۳۵۴ یا ۳۵۵ دن کا ہوتا ہے تو شمسی سال سے دس گیارہ دن چھوٹا ہے، سمجھنے کے لیے کسرات چھوڑ کر شمسی سال ۳۶۵ قمری ۳۵۵ میں رکھے کہ دس دن کا فرق ہوا، اب فرض کیجئے کہ کسی سال یکم رمضان شریف یکم جنوری کو ہُوئی تو آئندہ سال ۲۲ دسمبر کو یکم رمضان ہوگی کہ قمری ۱۲ مہینے ۳۵۵ دن میں ختم ہوجائیں گے اور شمسی سال پورا ہونے کو ابھی دس دن اور درکار ہیں، پھر تیسرے سال یکم رمضان ۱۲ دسمبر کو ہوگی، چوتھے سال یکم دسمبر کو ہوگی، تین برس میں ایک مہینہ بدل گیا، پہلے یکم جنوری کو تھی اب یکم دسمبر کو ہُوئی، یونہی ہر تین برس میں ایک مہینہ بدلے گا اور رمضان المبارک ہر شمسی مہینہ میں دورہ فرمائے گا، بعینہٖ یہی حالت ہندی مہینوں کی ہوگی، اگر وہ لوند نہ لیتے، انھوں نے سال رکھا شمسی اور مہینے لیے قمری، تو ہر برس دس دن گھٹ گھٹ کر تین سال بعد ایک مہینہ گھٹ گیا، لہٰذا ہر تین سال پر وہ ایک مہینہ مکرر کرلیتے ہیں تاکہ شمسی سال سے مطابقت رہے، ورنہ کبھی جیٹھ جاڑوں میں آتا اور پوس گرمیوں میں، بلکہ نصارٰی جنھوں نے سال وماہ سب شمسی لیے اگر یہ چوتھے سال ایک دن بڑھا کر فروری ۲۹ کا نہ کرتے تو اُن کو بھی یہی صورت پیش آتی کہ کبھی جُون کا مہینہ جاڑوں میں ہوتا اور دسمبر گرمیوں میں، یوں کہ سال ۳۶۵ دن کا لیا اور آفتاب کا دَورہ ابھی چند گھنٹے بعد پُورا ہوگا کہ جس کی مقدار تقریبًا چھ ۶ گھنٹے، تو پہلے سال شمسی سال دورہ یافتہ سے ۶ گھنٹے پہلے ختم ہوا، دوسرے سال ۱۲ گھنٹے پہلے، تیسرے سال ۱۸ گھنٹے پہلے، چوتھے سال تقریبًا ۲۴ گھنٹے، اور ۲۴ گھنٹے کا ایک دن رات ہوتا ہے لہٰذا ہر چوتھے سال ایک دن بڑھا دیا کہ دورہ آفتاب سے مطابقت رہے، لیکن دورہ آفتاب پُورے چھ گھنٹے زائد نہ تھا بلکہ چوتھے تقریبًا پونے چھ گھنٹے، تو چوتھے سال پورے ۲۴ گھنٹے کا فرق نہ پڑا تھا بلکہ تقریبًا ۲۳ گھنٹے کا اور بڑھالیا ایک ایک کہ ۲۴ گھنٹے ہے، تو یوں ہر سال میں شمسی سال دورہ آفتاب سے کچھ کم ایک گھنٹہ بڑھے گا، سَو برس بعد تقریبًا ایک دن، لہٰذا صدی بعد گھٹا کر پھر فروری ۲۸ دن کا کرلیا، اسی طرح اور دقیق کسرات کا حساب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۶: از رائے پور سی پی محلّہ بیجناتھ پارہ مرسلہ بہادر علی خاں سپرنٹنڈنٹ پنشنر محکمہ بندوبست ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ
شعبان کی ۲۹ کو اگر چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ کو علاوہ قاضی و مفتی کے عوام کو روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جائز ہے تو کس نیت سے؟

الجواب:

اگر ۲۹ کی شام کو مطلع صاف ہو اور چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ کو قاضی مفتی کوئی بھی روزہ نہ رکھے اور اگر مطلع پر ابر و غبار ہو تو مفتی کو چاہئے کہ عوام کو ضحوہ کبرٰی یعنی نصف النہار شرعی تک انتظار کا حکم دے کہ جب تک کچھ نہ کھائیں پئیں، نہ روزے کی نیّت کریں، بلانیّتِ روزہ مثل روزہ رہیں، اس بیچ میں اگر ثبوت شرعی سے

رویت ثابت ہوجائے تو سب روزے کی نیت کرلیں روزہ رمضان ہوجائے گا، اور اگر یہ وقت گزر جائے کہیں سے ثبوت نہ آئے تو مفتی عوام کو حکم دے کہ کھائیں پئیں، ہاں جو شخص کسی خاص دن کے روزے کا عادی ہو، اور اگر اس تاریخ وُہ دن آکر پڑے مثلاً ایک شخص ہر پیر کو روزہ رکھتا ہے اور یہ دن پیر کا ہو تو وُہ اپنے اسی نفلی روزے کی نیت کرسکتا ہے شک کی وجہ سے رمضان کے روزے کی نیت کرے گا یا یہ کہ چاند ہوگیا تو آج رمضان کا روزہ رکھتا ہوں ورنہ نفل، تو گنہ گار ہوگا۔ حدیث میں ہے:

من صام یوم الشك عصی ابا القاسم [1] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم	جس نے یومِ شک کا روزہ رکھا اس نے حضرت ابو القاسم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۷:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ سائل دریافت کرتا ہے کہ بروز پیر روزہ رکھنا چاہیۓ یا نہیں کیونکہ اگر ابر رہا تو چاند کا ثبوت ہونا غیر ممکن ہے اور اگر مطلع صاف ہوا تو دیکھ کر چاند روزہ ہوگا، اس غرض سے دریافت کیا گیا ہے بغیر چاند دیکھنے کے روزہ ناجائز ہوگا، حضور تحریر فرمادیجئے تاکہ دیہات میں خبر کردی جائے، جیسا بھی تحریر ہوگا ویسا کیا جائے گا۔

الجواب:

اگر چاند ہوجائے یا شرعی شہادت گزر جائے تو کل کا روزہ ہے ورنہ دوپہر تک کچھ کھائیں پئیں نہیں اس خیال سے کہ شاید چاند ثابت ہوجائے، پھر اگر ثابت ہوجائے تو روزہ کی نیت کرلیں ورنہ کھانا کھالیں اور جب تک رویت یا ثبوتِ رویت نہ ہوجائے رمضان کی نیت سے کل کا روزہ رکھنا حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۸: مرسلہ احمد شاہ خاں از موضع نگریا سادات

ان پانچ روزوں میں جو روزہ رکھنا منع ہے یعنی ایک خاص عید الفطر اور عید الاضحٰی کے، تو اس کی کیا وجہ ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

یہ دن اللہ عزوجل کی طرف سے بندوں کی دعوت کے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۹:

ماہ رمضان المبارک اور غیر رمضان المبارک میں قرآن خوانی یا اور کوئی ختم مثلاً تسبیح وتہلیل کے کوئی شخص پڑھے یا پڑھائے تو دونوں میں ثواب برابر ہے یا کم وبیش ہے، تو کیا وجہ ہے؟ **بینوا توجروا**

---

[1] صحیح بخاری باب اذا رأیتموا الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

الجواب: رمضان المبارک میں ہر عمل نیک کاثواب باقی مہینوں کے عمل سے اکثر واوفر ہے، رمضان کا نفل اور مہینوں کے فرض اور اس کا فرض اور مہینوں کے ستّر فرض کے برابر ہے۔اور اللہ عزوجل کا فضل اوسع واکبر ہے۔ سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شہر مبارک کی نسبت فرمایا:

من تقرب فیہ بخصلۃ من الخیر کان کمن ادی فریضۃ فیما سواہ، ومن ادی فیہ فریضۃ کان کمن ادی سبعین فریضۃ فیما سواہ،[1] الحدیث رواہ ابن خزیمۃ والبیہقی، واللہ تعالٰی اعلم	جس نے رمضان میں کوئی نفلی نیکی کاکام کیا اسے اس شخص جیسا ثواب ملے گا جس نے رمضان کے علاوہ میں فرض ادا کیا، اور جس نے اس میں فرض ادا کیا وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے رمضان کے علاوہ میں ستّر فرض ادا کئے، الحدیث اسے ابن خزیمہ اور بیہقی نے روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۰: از مونگیر بہار مرسلہ مولوی محمد عمر صاحب ولایتی مقیم مونگیر مسجد ٹوٹی ۵ شوال ۱۳۰۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مونگیر میں ۲۹ رمضان روز یکشنبہ کو باوجود صفائے مطلع چاند نظر نہ آیا مگر کلکتہ سے بذریعہ تار برقی خبر آئی کہ یہاں ۲۹ رمضان روز یکشنبہ چاند دیکھا گیا بعد اس کے یہاں کے ایک رئیس نے کلکتہ کے امام جامع مسجد سے بذریعہ تار برقی دریافت کیا امام صاحب نے بھی یہی جواب دیا کہ کلکتہ میں بتاریخ ۲۹ رمضان چاند دیکھا گیا اس پر اُس رئیس نے مع اور چند آدمیوں کے روزے توڑ ڈالے مگر کسی ذی علم نے ان کی موافقت نہ کی ان اشخاص مفطرین کی نسبت درصورتِ صحت خبر مذکور کیا حکم ہے، اور درصورت عدمِ صحت صرف اس روزے کی قضا اُن اشخاص پر لازم ہوگی یا کفارہ اور تعزیر بھی کسی قسم کی؟ بینوا توجروا

الجواب:

تار کی خبر شرعًا محض نامعتبر کما حققناہ فی فتوی مفصلۃ بما لا مزید علیہ (جیسا کہ ہم نے اپنے فتوٰی میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے جس پر اضافہ نہیں ہوسکتا۔ت) اس کی بناء پر افطار محض ناجائز واقع ہُوئی اور اشخاص مذکورین بیشک مرتکب گناہ ہوئے اگرچہ بعد کو تحقیق ہوجائے کہ اس دن واقعی عید ہی تھی کہ جب تک انھوں نے روزے توڑے اصلًا ثبوتِ شرعی نہ تھا اور اُنھوں نے بے اذنِ شرع افطار پر اقدام کیا اور یہ قطعًا گناہ ہے۔ شرع مطہر نے صوم وافطار کو رؤیت پر معلق فرمایا۔

---

[1] صحیح ابن خزیمہ باب فضائل شہر رمضان حدیث ۱۸۸۷ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۹۲-۱۹۱

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطر والرؤیتہ۔[1] اخرجہ الشیخان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ والحدیث مشہور۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔ اسے بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث مشہور ہے۔ (ت)

انہوں نے بے ثبوتِ رؤیت عید کرلی اور حکم احکم حاکم اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مخالفت کی، ہم نے فتوٰی مفصلہ میں ثابت کیا کہ تار کی خبر مجہولین وفسّاق بلکہ بعض کفار کی وساطت سے آتی ہے اور ایسی خبر میں شرع نے فرض کیا تھا کہ زنہار بے تحقیق عمل نہ کریں۔

قال اللہ تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا اے اہلِ ایمان! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلو کہ کہیں تم کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو، پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہو۔ (ت)

انہوں نے صرف اُسی کے اعتماد پر کاربندی کرلی، شرع مطہر نے حکم دیا تھا تمھیں علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھو۔

قال اللہ تعالٰی فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔[3]	اللہ تعالٰی کا مبارک فرمان ہے: اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔ (ت)

انہوں نے اہل علم سے بے پوچھے کارروائی کی، قرآن عظیم نے ارشاد کیا تھا جو بات پیش آئے علماء سے عرض کرو وُہ حقیقتِ کار تک پہنچ جائیں گے۔

قال اللہ تعالٰی وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ[4]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جب انکے پاس کوئی بات اطمینان یا ڈر کی آتی ہے اس کا چرچا کر بیٹھتے ہیں اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور اس کی حقیقت جان لیتے ان لوگوں سے جو ان میں سے اجتہاد کرتے ہیں (ت)

[1] صحیح بخاری باب اذا رأیتموا الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۵۶/۱
[2] القرآن ۶/۴۹
[3] القرآن ۷/۲۱
[4] القرآن ۸۳/۴

انہوں نے اپنی رائے مستقل سمجھی فرقانِ حکیم نے فرمایا تھا جب تک شرع اجازت نہ دے آپ کچھ نہ کر بیٹھو

قال اللہ تعالٰی	
قال اللہ تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے اہلِ ایمان! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ تعالٰی سے ڈرو یقینا اللہ سُننے جاننے والا ہے (ت)

انہوں نے بے ثبوت شرعی جسارت کی، رمضان شریف بالیقین ثابت تھا، اور مسلمانوں کو شرع مطہر نے بحکم فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُؕ[2] (جو ماہِ رمضان کو پائے وہ ضرور اس کے روزے رکھے۔ت) روزے پر جمع فرمایا تھا واجب تھا کہ جب شرع اِذن دیتی کہ اب وُہ کام ختم ہوا اُس وقت روزہ چھوڑتے،

قال اللہ تعالٰی	
قال اللہ تعالٰی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُؕ۔[3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بلاشبہ ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے اور وہ جب حضور کے پاس کسی معاملہ میں حاضر ہوتے ہوں جس کیلئے جمع کے گئے ہوں توآپ اجازت کے بغیر وہاں سے نہیں جاتے (ت)

انہوں نے بے اذن شرع کہ ہنوز اس تاریخ رمضان کا ختم ہو جانا دلیل شرعی سے ثابت نہ ہوا تھا اُس امر جامع سے جدائی کی، مانا کہ بعد کو عید ہی ظاہر ہو مگر اُس وقت تک اُن کے شہر میں تو رمضان ہی معلوم تھا، انہوں نے قطعًا امر دین ناواقفانہ جسارت اور احکامِ شرع سے جاہلانہ مخالفت کی، تو یہ اگرچہ نفس الامر میں مصیب ہوں عندالشرع خطاوار ہوئے،

کما قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من قال فی القراٰن برأیه فاصاب فقد اخطأ۔[4] اخرجه ابو داؤد و الترمذی والنسائی عن جندب رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن پاک کی تفسیر اپنی رائے سے کی وہ درست بھی ہو تو پھر بھی اس نے خطاء کی۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا۔ (ت)

اور یہیں سے ثابت وہ بہر تقدیر اپنی بے باکی وجرات واستقلال بالرائے ومخالفتِ اہل علم واختراعِ حکم

[1] القرآن ۴۹/۱
[2] القرآن ۲/۱۸۵
[3] القرآن ۲۴/۶۲
[4] سنن ابی داؤد باب الکلام فی کتاب اللہ بلاعلم آفتاب عالم پریس، لاہور ۲/۱۵۸

کے باعث مستحقِ تعزیر ہوئے کہ یہ سب گناہ ہیں اور ہر گناہ جس میں حد نہیں اس میں تعزیر ہے،

فی الاشباہ کل معصیۃ لیس فیہا حد مقدر ففیہ التعزیر۔[1]	اشباہ میں ہے جس معصیت پر کوئی حد متعین نہ ہو اس میں تعزیز ہوگی (ت)

اور اس کی تعیینِ قسم حاکمِ شرع ایّدہ اللہ تعالٰی کی رائے پر ہے، ضرب، حبس، گوشمال، سخت کلام، تیز نگاہ وغیرہا جس طریقہ سے مصلحت جانے زجر فرمائے اختیار کرے تو انتالیس کوڑے سے زیادہ نہ ہو۔

فی شرح التنویر، التعزیر لیس فیہ تقدیر بل ھو مفوض الی رائ القاضی وعلیہ مشائخنا زیلعی لان المقصود منہ الزجر واحوال الناس فیہ مختلفۃ، بحر۔[2]	شرح تنویر میں ہے کہ تعزیر مقدر نہیں بلکہ قاضی کی رائے کے مطابق ہوگی، اور ہمارے مشائخ اسی پر ہیں، زیلعی، کیونکہ اس سے مقصود زجر ہے اور اس بارے میں لوگوں کے طبائع مختلف ہوتے ہیں، بحر۔ (ت)

اسی میں ہے:

اکثرہ تسعۃ وثلثون سوطالو بالضرب۔[3]	تعزیر زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے ہے اگر ضرب کرنی ہو (ت)

اور جہاں والیٔ شرع نہ ہو جیسے ہمارے بلاد، وہاں یہ لوگ تعزیر سے محفوظی پر خوش نہ ہوں کہ یہ خوشی اُن کے گناہ کو ہزار چند کردے گی، بلکہ اس سے ڈریں جس کی حکومت ہر جگہ ہے اور ہر وقت ہر بات پر قادر ہے اور اسی کی طرف پھر کر جانا ہے۔ فورًا اصدقِ دل سے تائب ہوں، اور جیسے یہ معصیّت اعلانیہ کی توبہ بھی بالاعلان کریں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا عملت سیئۃ فاحدث عندھا توبۃ السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ[4] اخرجہ الامام احمد فی الزھد والطبرانی فی المعجم الکبیر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ باسناد حسن۔	رسول اللہ صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کوئی بُرائی کرو تو اس پر توبہ کرو، اگر گناہ خفیہ ہے تو توبہ بھی خفیہ طور پر کی جائے اور اگر گناہ اعلانیہ ہے تو توبہ بھی اعلانیہ کی جائے۔ اسے امام احمد نے زہد میں اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الحدود والتعزیر ادارۃ القرآن والعلوم السلامیہ کراچی ۱/۲۸۵

[2] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۶

[3] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۶

[4] کنزالعمال حدیث ۱۰۱۸۰ بحوالہ احمد فی الزہد عن عطا بن یسار، باب التعزیر موسسۃ الرسالۃ بیروت ۴/۲۰۹، المعجم الکبیر حدیث ۳۳۱ مروی از معاذ بن جبل المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۰/۱۵۹

آئندہ کیلئے عہد واثق ہو کہ کبھی امور دین میں بیباکی وجرات نہ کرینگے اور بے ارشادِ علماء اپنی رائے سے قدم نہ رکھیں گے،

وَیَتُوْبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ[1] وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ اَنَابَ[2]	اللہ تعالٰی جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے۔ اور اپنی طرف اسی کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع لائے (ت)

پھر اگر طرق مقبولہ شرع سے ثابت ہوجائے کہ وہ خبر سچّی اور عید واقعی تھی تو ان پر اس روزے کی قضا نہیں کہ تحقیق ہوا وہ دن روزے کا نہ تھا،

ولاقضاء الاعن وجوب وافساد النفل بعد الشروع وان اوجب القضاء لکن ھذا فی غیر صوم الایام الخمسة کمافی التنویر و شرحه للعلائی، علی ان محله فی الشروع قصدا الا تری ان من شرع فی صلٰوۃ ظانا انه لم یصلها ثم تذکر فقطع لا قضاء علیه۔	وجوب کے سوا کسی کی قضا نہیں، نفلی روزہ شروع کرکے توڑدینے سے روزہ واجب ہوجاتا ہے لیکن وہ حکم ان پانچ دنوں کے علاوہ ہے جیسا کہ تنویر اور اس کی شرح للعلائی میں ہے، علاوہ ازیں اس کا محل قصداً شروع ہونا ہے کیا آپ نہیں جانتے کہ جو شخص کسی نماز میں یہ گمان کرتے ہُوئے شروع ہُوا کہ اس نے ادا نہیں کی تھی، پھر اسے یاد آگیا کہ اس نے ادا کرلی ہے تو اس نے نماز توڑدی تو اب اس پر قضا نہیں۔ (ت)

نظیر اس کی یہ ہے کہ ابھی غروبِ شمس محقق نہ ہُوا اور کسی شخص نے جزاقاً روزہ کھول لیا یہ امر اسے روانہ تھا، کما فی السراج الوھاج والبحر الرائق ووجیز الکردری (جیسا کہ سراج الوہاج، بحر الرائق اور وجیز کردری میں ہے۔ت) لیکن اگر بعد کو ثابت ہو کہ فی الواقع اُس وقت آفتاب ڈوب چکا تھا تو روزے کی قضا نہیں، کما نص علیه الامام الزیلعی ثم الطحطاوی ثم الشامی (جیسا کہ اس پر امام زیلعی نے پھر طحطاوی اور پھر شامی نے تصریح کی ہے۔ت) کہ ظاہر ہُوا کہ وقوعِ افطار اپنے محل میں تھا، اور اگر منکشف ہو کہ خبر غلط تھی اور وہ دن رمضان کا تھا یا کچھ تحقیق نہ ہو تو بے شک اُس روزے کی قضا لازم ہے، تقدیر اول پر تو وجہ واضح اور بر تقدیر ثانی رمضان کا آنا یقینی تھا اور اُس کا جانا شرعاً ثابت نہ ہوا والیقین لایزول بالشک (یقین شک سے زائل نہیں ہُوا کرتا۔ت) تو وہ دن عند الشرع رمضان ہی کا تھا کہ شرع نے عدم رؤیت میں تیس ۳۰ دن پُورے کا مہینہ رکھا ہے،

---

[1] القرآن ۱۵/۹

[2] القرآن ۲۷/۱۳

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فان غم علیکم فاکملو االعدۃ ثلثین[1] اخرجه البخاری ونحوہ مسلم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم پر چاند (بادل کی وجہ سے) مخفی رہے تو تم تیس دن مکمل کرو۔ اسے امام بخاری نے اور اس کی مثل امام مسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے (ت)

نظیر اس کی یہ ہے کہ بے تحقیقِ غروب افطار کرلیا پھر ثابت ہُوا کہ آفتاب باقی تھا یا کچھ نہ کُھلا، دونوں حالت میں قضا ہے کما صرح بہ الزیلعی ومن بعدہ (جیسا کہ اس پر زیلعی اور ان کے بعد آنے والوں نے تصریح کی ہے۔ت) بایں ہمہ مانحن فیہ میں کفارہ کسی تقدیر پر نہیں کہ آخر انہوں نے اپنے نزدیک عید ہی جان کر روزے توڑے اور وُہ خبریں اگرچہ شرعًا نامقبول ہیں۔ مگر ان عامیوں کے لیے مورث ظن بلکہ اُن کے گمان میں موجب یقین ہوچکی تھیں تو اُن کی طرف سے جنایت کاملہ نہ پائی گئی وان تبتنی الکفارۃ علیہا (اور کفارہ جنایت کاملہ پر ہوتا ہے۔ت) نظیر اس کی وہ شخص ہے جس کے ایک دوست نے اُس سے بیان کیا میں نے عید کا چاند دیکھا اس نے اُسے معتمد سمجھ کر روزہ توڑ ڈالا اگرچہ گنہگار ہُوا کہ ایک کی خبر ہلال عید میں محض نامعتبر، اور اسی وجہ سے قضا بھی آئی مگر کفارہ نہیں، علامہ حسن شرنبلالی نورالایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

ان افطر من رأی الهلال وحدہ فی شوال قضی ولا کفارۃ علیہ ولا علی صدیق للرائی شهد عندہ بهلال الفطر وصدقه فافطر لانه یوم عید فیکون شبهة۔[2]	جس نے شوال کا چاند تنہا دیکھا اور روزہ نہ رکھا تو وُہ قضا کرے اس پر کفارہ نہیں اسی طرح جس نے اس کی گواہی کی تصدیق کی عیدالفطر کے چاند میں، اور روزہ نہ رکھا کیونکہ اس کے نزدیک یہ عید کا دن ہے لہٰذا یہاں شبہ کا وقوع ہوگیا ہے (لہٰذا قضا ہوگی کفارہ نہیں۔(ت)

اسی طرح فتح القدیر وہندیہ وغیرہا میں ہے، بلکہ علماء تصریح فرماتے ہیں اگر گاؤں والوں نے تیسویں رمضان کو شہر سے نقارے کی آواز سُنی اور وُہ سمجھے کہ نقارہ عید کا ہے روزے توڑ دیے، حالانکہ وہ نقارہ کسی اور بات کا تھا کفارہ لازم نہیں، فتاوٰی منہیہ پھر شرح نقایہ پھر مجمع الانہر پھر ردالمحتار میں ہے:

---

[1] صحیح بخاری باب اذارایتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۵۶/۱

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فیما ثبت بہ الہلال نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۷

لوافطر اهل الرستاق بصوت الطبل یوم الثلثین ظانین انه یوم العید وهو لغیرہ لم یکفر۔[1] واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم و احکم۔	اگر اہلِ علاقہ نے تیسویں دن ڈھول کی آواز پر یہ گمان کرتے ہُوئے روزہ افطار کرلیا کہ یہ عید کا دن ہے حالانکہ وُہ کسی اور وجہ سے بجایا گیا تھا تو اب ان پر کفارہ نہیں ہوگا۔ واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدا اتم احکم۔(ت)

[1] ردالمحتار باب مایفسد ومالایفسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۰۶/۲

ازکی الاھلال بابطال ما احدث الناس فی امر الھلال ۱۳۰۵ھ

(رؤیت ہلال کے بارے میں لوگوں کی ایجاد کردہ خبر (تار اور خط) کو باطل کرنے میں عمدہ بحث)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ ربُّ محمّد صلی اللہ علیہ وسلما

مسئلہ ۱۷۱:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں در بارہ رؤیت ہلال تار کی خبر شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ اور اگر کچھ لوگ یہ انتظام مقرر کریں کہ در باب رؤیت ہلال رمضان و شوال و ذی الحجہ و محرم کے پیشتر سے مراسلات مقام دیگر کو جہاں جہاں مناسب خیال کیا جائے اس مضمون سے بھیجے جائیں کہ اگر ان مقاموں میں ۲۹ کی رؤیت ہو تو خبر رؤیت کی بذریعہ تار کے پہنچ جائے اور بعد پہنچنے خبر شہادت کافی کے مشتہر کردیا جائے تو یہ طریقہ شرعاً مقبول یا محض باطل، اور اس کی بنا پر اعلان ہو تو مسلمانوں کو اس پر عمل جائز یا حرام؟ اور اعلان کرنے والوں کے حق میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

الحمدللہ الذی بشکرہ یصیر ھلال النعمۃ	سب تعریف اللہ کے لیے جس کے شکر سے نعمتوں کا چاند

بدروالصّلٰوۃ والسلام علی اجل شموس الرسالۃ قدرا وعلٰی اٰلہ وصحبہ نجوم الھدی واقمار التقی ماأتی البرق بخبر الودق فصدق مرۃ وکذب اخری اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔	بدر بن جاتا ہے، صلٰوۃ وسلام اس ذات پر جو قدر و منزلت میں رسالت کا سب سے اعلٰی آفتاب ہیں، آپ کے آل واصحاب پر جو ہدایت کے ستارے اور تقوٰی کے چاند ہیں جب تک بجلی کی چمک بارش کی خبر دے کبھی وُہ سچ ہو اور کبھی غلط، اے اللہ! حق وصواب کی ہدایت عطافرما۔(ت)

امورِ شرعیہ میں تار کی خبر محض نامعتبر، اور یہ طریقہ کہ تحقیق ہلال کیلئے تراشا گیا باطل وبے اثر، مسلمانوں کو ایسے علان پر عمل حرام، اور جو اس کی بنا پر مرتکب اعلان ہو سب سے زیادہ مبتلائے آثام۔ اس طریقے میں جو غلطیاں اور احکامِ شرع سے سخت بیگانگیاں ہیں۔اُن کی تفصیل کو دفتر درکار، لہٰذا یہاں بقدر ضرورت وفہم مخاطب چند آسان تنبیہوں پر اقتصار۔

تنبیہ اول: شریعتِ مطہرہ نے دربارہ ہلال دوسرے شہر کی خبر کو شہادت کافیہ یا تواتر شرعی پر بنافرمایا اور ان میں بھی کافی وشرعی ہونے کے لیے بہت قیود وشرائط لگائیں جس کے بغیر ہر گز گواہی وشہرت بکار آمد نہیں اور پُر ظاہر کہ تار نہ کوئی شہادتِ شرعیہ ہے نہ خبر متواتر، پھر اس پر اعتماد کیونکر حلال ہوسکتا ہے۔ فتح القدیر ودر مختار وحاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں ہے:

واللفظ للدر یلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئك بطریق موجب۔[1]	در کے الفاظ یہ ہیں اہلِ مشرق پر اہلِ مغرب کی رویت کی وجہ سے لازم ہوجاتا ہے بشرطیکہ جب اس رویت کا ثبوت ان کے ہاں بطریق موجب ہو۔(ت)

علامہ حلبی وعلامہ طحطاوی وعلامہ شامی حواشیِ در میں فرماتے ہیں:

بطریق موجب کان یتحمل اثنان الشھادۃ اویشھدا علی حکم القاضی او یستفیض الخبر بخلاف ما اذا اخبر ان اھل بلدۃ کذا رأوہ لانہ حکایۃ۔[2]	طریق موجب یہ ہے کہ شہادت لانے والے دو ہوں یا وہ قاضی کے فیصلہ پر گواہ ہوں یا خبر مشہور ہو بخلاف اس صورت کے جب دونوں نے یہ خبر دی ہو کہ فلاں اہلِ شہر نے دیکھا ہے کیونکہ یہ تو حکایت ہے۔(ت)

جو یہاں تار کی خبر پر عمل چاہے اس پر لازم کہ شرعاً اس کا موجب وملزم ہونا ثابت کرے مگر حاشانہ ثابت ہوگا جب تک ہلال مشرق اور بدر مغرب سے نہ چمکے، پھر شرع مطہر پر بے اصل زیادت اور منصب رفیع فتوٰی پر جرأت کس لیے۔ **والعیاذ**

---

[1] در مختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[2] ردالمحتار ، باب صدقۃ الفطر ، داراحیاء التراث العربی بیروت ، ۲/۹۶

باللہ سبحانہ وتعالیٰ اور یہ خیال کہ تار میں خبر تو شہادت کافیہ کی آئی، محض نادانی کہ ہم تک تو نامعتبرہ طریقے سے پہنچی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ معتبر کس کی خبر، پھر جو حدیث نامعتبر راویوں کے ذریعہ سے آتی ہے کیوں پایہ اعتبار سے ساقط ہوجاتی ہے!

تنبیہ دوم: تار کی حالت خط سے زیادہ ردی و سقیم کہ اس میں کاتب کا خط تو پہچانا جاتا ہے، طرز عبارت شناخت میں آتا ہے، واقف کار دیگر قرائن سے اعانت پاتا ہے۔ بایں ہمہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ امور شرعیہ میں ان خطوط و مراسلات کا کچھ اعتبار نہیں کہ خط خط کے مشابہ ہوتا ہے اور بن بھی سکتا ہے تو یقین شرعی نہیں ہوسکتا کہ یہ اُسی شخص کا لکھا ہُوا ہے۔ ائمہ دین کی عبارتیں لیجئے: اشباہ[۱] میں ہے: **لایعتمد علی الخط ولا یعمل بہ**[1] (خط پر نہ اعتماد کیا جائے گا نہ عمل۔ت) ہدایہ[۲] میں ہے: **الخط یشبہ الخط فلم یحصل العلم**[2] (خط دوسرے خط کے مشابہ ہوتا ہے لہٰذا اس سے علم حاصل نہ ہوگا۔ت) فتح القدیر[۳] میں ہے: **الخط لاینطق وھو متشابہ**[3] (خط بولتا نہیں اور اس میں مشابہت ہوتی ہے۔ت) درمختار[۴] میں ہے: **لایعمل بالخط الخ**[4] (خط پر عمل نہیں کیا جاسکتا الخ۔ت) فتاوٰی قاضیخاں[۵] میں ہے:

القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ ھی البینۃ اوالاقرار اماالصك فلا یصلح حجۃ لان الخط یشبہ الخط۔[5]	قاضی فیصلہ دلیل پر کرے اور دلیل گواہ ہیں یا اقرار پر فیصلہ کرے، اشٹام حجت نہیں کیونکہ خط دوسرے خط کے مشابہ ہوسکتا ہے (ت)

کافی شرح وافی[۶] میں ہے: **الخط یشبہ الخط وقد یزور ویفتعل**[6]۔ (خط خط کے مشابہ ہوتا ہے اور

---

[1] اشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات والدعاوی ادارۃ القرآن وعلوم اسلامیہ کراچی ۱/ ۳۳۸

[2] ہدایہ کتاب الشہادت فصل مایتحملہ الشاہد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۷

[3] فتح القدیر

[4] درمختار کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۳

[5] فتاوٰی قاضی خاں، فصل فی دعوی الوقف الخ، منشی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲

[6] کافی شرح وافی

یہ ان اشیاء میں سے ہے جن سے کسی کی طرف جُھوٹ منسوب کیا جاتا اور جعلسازی کی جاتی ہے۔ت) مختصر ظہیریہ[7] پھر شرح الاشباہ للعلامۃ البیری[8] پھر ردالمحتار میں ہے:

لایقضی القاضی بذلك عن المنازعة لان الخط مما یزور ویفتعل۔[1]	قاضی جھگڑے کے وقت اس پر فیصلہ نہ کرے کیونکہ خط میں کسی کی طرف جُھوٹ منسوب کیا جاسکتا ہے اور بنالیا جاتا ہے(ت)

عینی[10] شرح کنز میں ہے:

الخط یشبه الخط فلا یلزم حجة لانه یحتمل التزویر۔[2]	خط خط کے مشابہ ہوتا ہے لہٰذا وہ دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ اس میں جعلسازی کا احتمال ہوتا ہے(ت)

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر[11] میں ہے:

الشهادة والقضاء والرؤیة لا یحل الا عن علم ولا هنا لان الخط یشبه الخط۔[3]	شہادت اور قضا اور رؤیت یقین کے بغیر حلال نہیں اور یہاں حاصل نہیں کیونکہ خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے(ت)

فتاوٰی عالمگیری[12] میں ملتقط[13] سے ہے:

الکتاب یفتعل ویزور، الخط یشبه الخط و الخاتم یشبه الخاتم۔[4]	خط میں جعل سازی اور من گھڑت بات بھی ہو سکتی ہے اور خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ اسی طرح مُہر دوسری مُہر کے مشابہ ہو سکتی ہے(ت)

غمز العیون[14] میں فتاوٰی امام اجل ظہیر الدین مرغینانی[15] سے ہے:

العلة فی عدم العمل بالخط کونه مما یزور ویفتعل ای من شانه ذلك وکونه من شانه ذلك یقتضی عدم العمل به وعدم الاعتماد علیه،	خط پر عمل کرنے کی علّت یہ ہے کہ اس کے ذریعے جعلسازی کی جاسکتی ہے یعنی اس کی یہ صفت بن سکتی ہے اور اس صفت کا ہونا تقاضا کرتا ہے کہ اس پر عمل نہ کیا جائے اور نہ اعتماد کیا جائے اگرچہ

---

[1] ردالمحتار، باب کتاب القاضی الی القاضی، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۴/ ۳۵۲

[2] عینی شرح کنز رمز الحقائق شرح کنز الدقائق کتاب الشہادۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۸۰

[3] مجمع الانہر، کتاب الشہادت، داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۹۲

[4] فتاوٰی ہندیہ اسباب الثالث والعشرون فی کتاب القاضی الی القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

وان لم یکن مزورا فی نفس الامر کما ھو ظاھر۔[1]	نفس الامر میں اس میں جعلسازی نہ کی گئی ہو جیسا کہ ظاہر ہے۔(ت)

دیکھئے کس قدر روشن وواضح تصریحیں ہیں کہ خط پر اعتماد نہیں، نہ اس پر عمل نہ اس کے ذریعہ سے یقین حاصل ہو، نہ اس کی بناپر حکم و گواہی حلال کہ خط خط کے مشابہ ہوتا ہے اور مُہر مُہر کے مانند ہو سکتی ہے، اور صاف ارشاد فرماتے ہیں کہ خط کا صرف اپنی ذات میں قابلِ تزویر ہونا ہی اس کی بے اعتباری کو کافی ہے اگرچہ یہ خاص خط واقع میں ٹھیک ہو، پھر یہ تار جس میں خبر بھیجنے والے کے دست وزبان کی کوئی علامت تک نام کو بھی نہیں اور اس میں خط کی بہ نسبت کذب وتزویر نہایت آسان کیونکر امورِ دینیہ کی بنا اُس پر حرام قطعی نہ ہوگی۔ سبحان اللہ ائمہ دین کی وُہ احتیاط کہ مُہر خط کو صرف گنجائش تزویر کے سبب لغو ٹھہرایا حالانکہ مُہر بنالینا اور خط میں خط ملادینا سہل نہیں شاید ہزار میں دوایک ایسا کرسکتے ہوں اور یہاں تو اصلاً دشواری نہیں جو چاہے تار گھر میں جائے اور جس کے نام سے چاہے تار دے آئے، وہاں نام ونسب کی کوئی تحقیقات نہیں ہوتی، نہ رجسٹری کی طرح شناخت کے گواہ لیے جاتے ہیں، علاوہ بریں تار والوں کے وجوبِ صدق پر کون سی وحی نازل ہے کہ اُن کی بات خواہی نخواہی واجب القبول ہوگی اور اس پر احکام شرعیہ کی بنا ہونے لگی ہزار افسوس ذلّتِ علم وقلّتِ علماء پر، انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

تنبیہ سوم: قطع نظر اس سے کہ خبر شہادت منگانے کے لیے جنہیں مراسلات بھیجے جائیں گے غالباً ان کا بیان حکایت واخبار محض سے کتنا جُدا ہوگا جس کی بے اعتباری تمام کتبِ مذہب میں مصرح۔ بالفرض اگر اصل خبر میں کوئی خلل شرعی نہ ہوتا ہم اس کا جامہ اعتبار تار میں آکر یکسر تار تار کہ وُہ بیان ہم تک اصالتًا نہ پہنچا بلکہ نقل در نقل ہو کر آیا، صاحبِ خبر تو وہاں کے تار والے سے کہہ کر الگ ہوگیا اُس نے تار کو جنبش دی اور اس کے کھٹکوں سے جن کے اطوارِ مختلفہ کو اپنی اصطلاحوں میں علامتِ حروف قرار دے رکھا ہے اشاروں میں عبارت بتائی اب وہ بھی جُدا ہوگیا یہاں کے تار والے نے اُن کھٹکوں پر نظر کی، اور ضرباتِ معلومہ سے جو فہم میں آیا نقوش معرفہ میں لایا اب یہ بھی الگ رہا وہ کاغذ کا پرچہ کسی ہرکارے کے سپرد ہُوا کہ یہاں پہنچا کر چلتا بنا۔ **سبحان اللہ!** اس نفیس روایت کا سلسلہ سند تو دیکھئے مجہول عن مجہول عن مجہول، نامقبول از نامقبول از نامقبول، اس قدر وسائط تو لابدی ہیں پھر شاید کبھی نہ ہوتا ہو کہ معزز لوگ بذاتِ خود جا کر تار دیں، اب جس کے ہاتھ کہلا بھیجا مانیے وُہ جدا واسطہ، اس پر فارم کی حاجت ہُوئی تو تحریر کا قدم درمیان، آپ نہ آئے تو کسی انگریزی دان کی وساطت، اُدھر تار کا بابُو اردو نہ لکھے تو یہاں مترجم کی جُدا ضرورت، اینہمہ فصل زائد ہُوا اور تار وصل نہیں، جب تو نقل در نقل کی گنتی ہی کیا ہے، وائے بے انصافی

---

[1] غمز العیون مع الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۳۹

اس طریقہ تراشیدہ پر عمل کرنے والوں سے پُوچھا جائے ان سب وسائط کی عدالت و ثقاہت سے کہاں تک آگاہ ہیں، حاش للہ نام بھی نہیں معلوم ہوتا، نام درکنار اصل شمار وسائط بتانا دشوار، سب جانے دیجئے اسلام پر بھی علم نہیں اکثر ہنود وغیرہم کفاران خدمات پر معیّن، غرض کوئی موضوع سی حدیث اس نفیس سلسلے سے نہ آتی ہوگی، پھر ایسی خبر پر امورِ شرعیہ کی بنا کرنا استغفراللہ علماء تو علماء میں نہیں جانتا کہ کسی عاقل کا کام ہو۔

تنبیہ چہارم: علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دوسرے شہر سے بذریعہ خط خبر شہادت دینا صرف قاضیِ شرع سے خاص جسے سلطان نے مقدمات پر والی فرمایا ہو، یہاں تک کہ حکم کا خط مقبول نہیں، درمختار میں ہے:

القاضی یکتب الی القاضی وھو نقل الشھادۃ حقیقۃ ولا یقبل من محکم بل من قاض مولی من قبل الامام الخ ملتقطا۔[1]	قاضی، دوسرے قاضی کی طرف لکھ سکتا ہے اور یہ حقیقۃً نقلِ شہادت ہے اور یہ فیصل سے قبول نہیں بلکہ اس قاضی سے قبول ہے جسے حاکم نے مقرر کیا ہوالخ ملتقطا (ت)

فتح میں ہے:

ھذاالنقل بمنزلۃ القضاء ولھذا لایصح الامن القاضی۔[2]	یہ نقل بمنزلہ قضاء کے ہے لہٰذا یہ قاضی کے علاوہ کسی سے صحیح نہیں۔ (ت)

غیر قضاۃ تو یہیں سے الگ ہُوئے، رہے قاضی، ان کی نسبت صریح ارشاد کہ اس بارے میں نامہ قاضی کا قبول بھی اس وجہ سے ہے کہ صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے برخلاف قیاس اسکی اجازت پر اجماع فرمالیا ورنہ قاعدہ یہی چاہتا تھا کہ اس کا خط بھی اُنہی وجوہ سے جواوپر گزریں مقبول نہ ہو، اور پُر ظاہر کہ جو حکم خلافِ قیاس مانا جاتا ہے مورد سے آگے تجاوز نہیں کرسکتا، اور دوسری جگہ اس کا اجراء محض باطل و فاحش خطا، پھر حکم قبول خط سے گزر کر تار تک پہنچنا کیونکر روا۔ ائمہ دین تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر قاضی اپنا آدمی بھیجے بلکہ بذاتِ خود ہی آکر بیان کرے کہ میرے سامنے گواہیاں گزریں ہرگز نہ سُنیں گے کہ اجماع تو صرف دربارہ خط منعقد ہوا ہے، پیامِ ایلچی وخود بیانِ قاضی اس سے جدا ہے۔ امام محقق علی الاطلاق شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

الفرق بین رسول القاضی وکتابہ حیث	قاضی کے قاصد اور اس کے خط میں یہ فرق ہے کہ

[1] درمختار، باب کتاب القاضی الی القاضی، مطبع مجتبائی دہلی، ۲/ ۸۳ و ۸۴
[2] فتح القدیر باب کتاب القاضی الی القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۸۹

یقبل کتابه ولا یقبل رسوله، فلان غایة رسوله ان یکون کنفسه، وقد منا انه لوذکر مافی کتابه لذلك القاضی بنفسه لا یقبله، وکان القیاس فی کتابه کذلک، الا انه اجیز باجماع التابعین علی خلاف القیاس فاقتصر علیه۔[1]	خط قبول کیا جائے گا لیکن قاصد مقبول نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ قاصد، قاضی کے قائم مقام ہے جبکہ ہم پہلے بیان کرچکے کہ اگر قاضی خود جاکر دوسرے قاضی کو خط والا مضمون بتائے تو دوسرا قاضی اسے قبول نہیں کرے گا، خط کے بارے میں قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ قبول نہ ہو لیکن تابعین حضرات کے اجماع سے اس کو جائز و مقبول قرار دیا گیا جو کہ خلاف قیاس ہے اسی لیے اسی میں اجازت محصور رہے گی۔(ت)

سبحان اللہ! پھر تار بیچارے کی کیا حقیقت کہ اسے کتاب القاضی پر قیاس کریں اور جہاں خود بیان قاضی شرعاً بے اثر وہاں اس کے سر، بنائے احکام دھریں ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(راستے کا تفاوت دیکھیں کہ کہاں سے کہاں تک ہے۔ت)

اور جب شرعاً قاضی کا تاریُوں بے اعتبار، تو اوروں کے تار کی جو ہستی ہے وہ ہماری تقریر صدر سے آشکار کہ مقبول الکتاب کا تار، ناچیز، تو مردود الکتاب کا تار کیا چیز، ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ الملك العزیز۔

تنبیہ پنجم: قاضی شرع کا نامہ بھی صرف اُسی وقت مقبول جب دو مرد ثقہ یا ایک مرد دو عورتیں عادل دارالقضاء سے یہاں آکر شہادت شرعیہ دیں کہ یہ خط بالیقین اُسی قاضی کا ہے اور اس نے ہمارے سامنے لکھا ہے ورنہ ہرگز قبول نہ ہوگی اگرچہ ہم اس قاضی کا خط پہچانتے ہوں اور اس کی مُہر بھی لگی ہو اور اُس نے خاص اپنے آدمی کے ہاتھ بھیجا ہو۔ ہدایہ میں ہے:

لا یقبل الکتاب الابشهادة رجلین اورجل وامرأتین لان الکتاب یشبه الکتاب فلا یثبت الابحجة تامة وهذالانه ملزم فلا بدمن الحجة۔[2]	خط نہیں قبول کیا جائے گا مگر دو مرد یا ایک مرد اور دو خواتین کی گواہی پر قبول ہوگا کیونکہ خط، خط کے مشابہ ہوسکتا ہے لہٰذا اس حجتِ کاملہ کے بغیر خط کا ثبوت نہ ہوگا اور یہ اس لیے کہ خط کی وجہ سے حکم لازم ہوتا ہے اور اس لیے حجت کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔(ت)

فتاوٰی ہندیہ میں ملتقط سے ہے:

---

[1] فتح القدیر شرح ہدایہ باب القاضی الی القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳۸۶/۶

[2] ہدایہ، باب القاضی الی القاضی، مطبع یوسفی لکھنؤ، ۱۳۹/۳

يجب ان يعلم ان كتاب القاضى الى القاضى صار حجة شرعا فى المعاملات بخلاف القياس لان الكتاب قد يفتعل ويزور، والخط يشبه الخط والخاتم يشبه الخاتم ولكن جعلنه حجة بالاجماع ولكن انما يقبله القاضى المكتوب اليه عند وجو دشرائطه ومن جملة الشرائط البينة حتى ان القاضى المكتوب اليه لايقبل كتاب القاضى مالم يثبت بالبينة انه كتاب القاضى۔[1]	یہ جان لینا ضروری ہے کہ قاضی کا خط دوسرے قاضی کی طرف معلامات میں شرعًا حجت ہے لیکن خلاف قیاس کیونکہ خط میں جعلسازی اور جھوٹ لکھا جاسکتا ہے، اور خط، خط کے مشابہ، اسی طرح مہر دوسری مُہر کے مشابہ ہوسکتی ہے لیکن ہم نے اسے اجماع کی وجہ سے حجّت مانا ہے لیکن جس قاضی کی طرف لکھا گیا ہو تب قبول کرے جب اسکی شرائط پائی جائیں، اور ان شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ اس پر گواہ ہوں حتی کہ قاضی دوسرے قاضی کے خط کو اس وقت تک قبول نہیں کرسکتا جب تک گواہ گواہی نہ دیں کہ یہ قاضی کا خط ہے (ت)

عقود الدریہ میں فتاوٰی علّامہ قاری الہدایہ سے ہے:

اذا شهد واانه خطه من غيران يشاهد واكتابته فلا يحكم بذلك۔[2]	جب وُہ گواہی دیں کہ یہ اس کا خط مگر انہوں نے لکھتے ہوئے نہیں دیکھا تو ایسے خط پر فیصلہ نہ دیا جائے (ت)

سبحان اللہ! یہ خطوط یا تار جو یہاں آتے ہیں اُن کے ساتھ کون سے دو گواہ عادل آکر گواہی دیتے ہیں کہ کہ فلاں نے ہمارے سامنے لکھا یا تار دیا مگر ہے یہ کہ ناواقفی کے ساتھ امورِ شرع میں بے جامداخلت سب کچھ کراتی ہے **نسأل اللہ توفیق الصواب وبه نستعین فی کل باب** (ہم اللہ تعالٰی سے توفیقِ صواب کا سوال کرتے ہیں اور ہر معاملہ میں اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ت)

اے عزیز! اس زمانہ فتن میں لوگوں کو احکامِ شرع پر سخت جرات ہے خصوصًا ان مسائل میں جنہیں حوادثِ جدیدہ سے تعلق ونسبت ہے جیسے تار برقی وغیرہ، سمجھتے ہیں کہ کتبِ ائمہِ دین میں ان کا حکم نہ نکلے گا جو مخالفت شرع کا ہم پر الزام چلے گا مگر نہ جانا کہ علمائے دین **شکر اللہ تعالٰی مساعیهم الجمیلة** (اللہ تعالٰی ان کی مساعیِ جمیلہ کو قبول فرمائے۔ت) نے کوئی حرف ان عزیزوں کے اجتہاد کو اٹھا نہیں رکھا ہے تصریحًا تلویحًا تفریعًا تاصیلًا سب کچھ فرمادیا ہے زیادہ علم اسے ہے جسے زیادہ فہم ہے اور **ان شاء اللہ العزیز** زمانہ بندگانِ خدا سے خالی نہ ہوگا جو

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثالث والعشرون فی کتاب القاضی الی القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱
[2] عقود الدریہ الکتابۃ علٰی ثلاثۃ مراتب الخ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۹

مشکل کی تسہیل، معضل کی تحصیل، صعب کی تذلیل، مجمل کی تفصیل سے ماہر ہوں۔ بحر سے صدف سے، صدف سے گوہر، بذر سے درخت، درخت سے ثمر نکالنے پر باذن اللہ تعالٰی قادر ہوں۔

لاخلاالکون عن افضالھم وکثر اللہ فی بلادنا الراحمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی خاتم النبیین سیّدنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔	زمانہ ان فضلاء سے خالی نہیں اور اللہ تعالٰی ایسے لوگوں کو ہمارے علاقوں میں زیادہ کرے آمین آمین برحمتک یا ارحم الراحمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی خاتم النبیین سیّدنا محمد وآلہٖ وصحبہ اجمعین واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔(ت)

مسئلہ ۱۷۲: از رامپور بوساطت مولوی بشیر احمد صاحب مدرس اول مدرسہ اہلسنت وجماعت بریلی ۴ربیع الاول ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۲۹تاریخ کو کسی شہر میں چاند نظر نہ آئے اور دُوسرے شہر میں وہی چاند ۳۰ کا نظر آیااور وہاں کے لوگ ٹیلی فون یا ٹیلی گراف میں اطلاع دیں تو وہ خبر معتبر ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہرگز معتبر نہیں ہوسکتی، اصلاً قابلِ لحاظ نہیں ہوسکتی، تار کی کی سخت بے اعتباری میں فقیر کا فتوٰی مفصلہ طبع ہوچکا ہے، اُس کی حالت ٹیلی فون درکنار، خط سے بہت گری ہُوئی ہے کہ اس میں مرسل کے ہاتھ کی علامت تک نہیں ہوتی اور اکثر بنگالی بابُوؤں وغیرہم کفّار کو توسط ہوتا ہے ورنہ مجاہیل ہونا ضروری ہے، اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ خط بھی معتبر نہیں، ہدایہ میں ہے: الخط یشبہ الخط[1] (تحریر ایک دوسرے کے مشابہ ہوسکتی ہے۔ت) تو شرعًا تار پر عمل کیونکر ممکن! یُونہی ٹیلیفون کہ اس میں شاہد ومشہود نہیں ہوتا صرف آواز سنائی دیتی ہے اور علماء تصریح فرماتے ہیں آڑ سے جوآواز مسموع ہو اُس پر احکامِ شرعیہ کی بناء نہیں ہوسکتی کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے۔ تبیین الحقائق امام زیلعی پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لوسمع من وراء الحجاب لایسعہ ان یشھد لاحتمال ان یکون غیرہ	اگر کسی نے پردہ کے پیچھے سے سُنا تو اس کو گواہی دینا جائز نہیں کیونکہ وہ کوئی دوسرا ہوسکتا ہے کیونکہ

[1] الہدایہ فصل مایتحملہ الشاہد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۷

اذا لنغمة تشبه النغمة [1] الخ وصورة الثنيا التی ذكرت لا تحقق لها فيما نحن فيه كما لايخفى، والله‌تعالٰی اعلم۔	آواز ایک دوسرے کے مشابہ ہوسکتی ہے الخ اور جو صورت مستثنٰی قرار دی گئی ہے اس کا ہماری اس بحث میں تحقق نہیں ہے، جیسا کہ مخفی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۳: مرسلہ منظور علی علوی کاکوروی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ پہاڑ میں ایسی ہے جہاں بغیر بہت دقت سے اونچی چوٹیوں پر گئے چاند نہیں دیکھا جاسکتا ہے اور جہاں جاکر بھی اکثر بسبب ابر غبار کے چاند نہیں دکھائی دیتا ہے ایسی جگہ میں مسلمانوں کو شوال کی رؤیت ہلال کی اطلاع بذریعہ تار کے پاکے روزہ افطار کردینا اور عید کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ تار اگر ایک ہو، دو ہوں، یا دس بارہ ہوں، کسی صورت میں ان پر اعتبار جائز ہے یا نہیں؟ اگر خبر بذریعہ تار کی نہ مانی جائے تو پہاڑوں میں (مثلًا نینی تال میں) کبھی رمضان کا مہینہ انتیس کو نہیں ختم ہوسکتا ہے، اس لیے کہ دس بارہ برس کا مشاہدہ ہے کہ ہمیشہ ابر غبار کی وجہ سے شوال کا چاند نہیں دیکھا جاسکتا ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته**[2] چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو۔ اور فرماتے ہیں: **ان الله امده لرؤیته**[3] اللہ تعالٰی نے اس کا مدار رؤیت پر رکھا ہے۔ تار اگرچہ دس بیس ہوں اصلًا شرعًا امورِ دینیہ میں قابلِ التفات نہیں کہ اس کی حالت خط سے بھی بدتر ہے اپنے شناسا کا خط پہچانا جاتا ہے، طرزِ عبارت سے پتا چلتا ہے، تار میں یہ کچھ بھی نہیں، پھر ہمارے تمام ائمہ نے عام کتب مذہب میں مثل ہدایہ ودرمختار واشباہ وخیریہ وعقودالدریہ وفتاوٰی عالمگیری وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ خط کا اعتبار نہیں بلکہ صاف فرمایا کہ مُہر کا بھی ان معاملات میں اعتبار نہیں ہوتا، پھر تار کیونکر قابلِ اعتبار ہوسکتا ہے، خصوصًا تر بابوؤں کی عدالت درکنار اسلام کا بھی علم نہیں، بلکہ اکثر ہنود وغیرہ ہوتے ہیں دس بیس جگہ سے آنا کافر یا فاسق مجہول کی خبر کو معتبر شرعی نہ کردے گا، نہ یہاں حدِ تواتر پہنچنا معقول کہ دس نہیں ہزار

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی بیان تحمل الشہادۃ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۴۵۲/۳

[2] صحیح بخاری، باب اذارایتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی، ۲۵۶/۱

[3] سنن دار قطنی، کتاب الصیام نمبر ۲۶، نشر السنۃ ملتان، ۱۶۲/۲

جگہ سے تار آئیں ہم کو تو ایک ہی تار گھر سے ملیں گے اور کہیں دوچار بھی ہوئے تو یہ تواتر نہیں، اپنے دنیوی معاملات کو دیکھیے دو ۲ روپے کا دعوٰی ہو اور گواہ بیس دفعہ تار پر اپنی گواہی بھیجے کیا کچہریوں میں قبول ہو جائیگی، پھر عید کر لینا کیسے حلال ہو جائے گا! رہا یہ کہ اس صورت میں کہ انتیس کا چاند ہی وہاں نہ ہوگا، شعبان سے ذی الحجہ تک پانچ ہلالوں کا بغور دیکھنا تلاش کرنا ہر جگہ کے مسلمانوں پر واجب ہے اونچی چوٹیوں پر جانے کی دقت اگر صرف بوجہ تکلیف یا کاہلی ہو تو یہ عذر ہر گز نہ سُنا جائے گا، اور اوپر جا کر دیکھنا واجب ہوگا۔ اگر کوئی نہ جائے گا سب گنہ گار رہیں گے اور اگر واقعی نا قابلِ برداشت تکلیف ہے تو معاف ہے۔ [عہ]

فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین۔ [1]	چاند تم پر پوشیدہ رہے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔

مسلمانوں کو حکم سے غرض ہے ۲۹، ۳۰ سے کیا کام! اور اگر یہ خیال ہے کہ ۲۹ کے رمضان کی خوشی زیادہ ہوتی ہے، یہ کیونکر ہو گی، تو یہ محض بے معنی خیال ہے، اور غور کریں تو اُس کی کسر ادھر شعبان میں نکل جائیگی کہ وُہ بھی کبھی ۲۹ کا نہ ہوگا، تو رمضان کہ ۳۰ کا چاند وہاں ۲۹ کو نظر آئے گا، اہتمام کریں تو ۲۹ تاریخ نزدیک کی آبادیوں میں دوچار معتبر مسلمان بھیج کر پہاڑ سے باہر بھی رؤیت کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۴: از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ محمود میاں ابن قاضی عبدالغنی صاحب ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

اس ریاست میں ٹیلیفون ہونے کی وجہ سے بذریعہ ٹیلیفون رؤیت ہلال رمضان یا عید رُوبرو آمنے سامنے دونوں مسلمان ہوں اور ایک جگہ کا مسلمان دوسرے کو خبر دے کہ میں نے چاند دیکھا اور دوسری جگہ والا بھی مسلمان ہو اور اس کی آواز پہچانتا ہو کہ فلاں شخص یہ خبر دے رہا ہے تو اس کی آواز پہچان کر ان کے قول پر عمل کیا جائیگا یا نہیں؟ یا ٹیلیفون دینے والا اور لینے دونوں ملازم مسلمان ہیں، ایک نے دوسرے کو بذریعہ ٹیلیفون خبر دی رؤیت ہلال کی، اس نے دوسرے سے کہا فلاں جگہ سے مجھ کو فلاں نے کہا کہ وہاں پر رؤیت ہلال ہُوئی تو ایسی خبر پر اعتماد چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

ٹیلی فون دینے والا اگر سُننے والے کے پیشِ نظر نہ ہو تو امورِ شرعیہ میں اس کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ آواز پہچانی جائے کہ آواز مشابہ آواز ہوتی ہے، اگر وہ کوئی شہادت دے معتبر نہ ہوگی، اور اگر کسی بات کا اقرار کرے

عــــہ: اصل میں یہاں بیاض ہے ۱۲

[1] سنن دار قطنی، کتاب الصیام نمبر ۲۹، نشر السنۃ ملتان، ۱/ ۱۶۳

سننے والے کو اس پر گواہی دینے کی اجازت نہیں، ہاں اگر وہ اس کے پیش نظر ہے جسے دوبدو آمنے سامنے سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی اس کی دونوں آنکھیں اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہوں، ایک دوسرے کو دیکھ رہا ہو، اور ٹیلی فون کا واسطہ صرف بوجہ آسانی آواز رسانی کے لیے ہو کہ اتنی دُور سے آواز پہنچنا دشوار تھا، تو اس صورت میں اس کی بات جس حد تک شرعًا معتبر ہوتی اب بھی معتبر ہوگی، مثلًا خود اپنی رؤیت کی شہادت ادا کرے تو مانی جائے گی اگر وہ مقبول الشہادۃ ہے، لیکن اتنی بات کہ فلاں جگہ رؤیت ہُوئی اگرچہ متصل آکر ادا کرے جب بھی معتبر نہیں کہ یہ محض حکایت ہے نہ کہ شہادت، اور یہ کہ فلاں نے مجھ سے کہا کہ فلاں جگہ ہُوئی، اور زیادہ مہمل کہ حکایت در حکایت ہے۔ تبیین الحقائق پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ولو سمع من وراء الحجاب لایسعه ان یشهد لاحتمال ان یکون غیره اذ النغمة تشبه النغمة الااذاکان فی الداخل وحده ودخل وعلم الشاهد انه لیس فیه غیره ثم جلس علی المسلك ولیس له مسلك غیره فسمع اقرار الداخل ولایراه لانه یحصل به العلم وینبغی للقاضی اذا فسرله ان لایقبله۔[1]	اگر کسی نے پردے کے پیچھے سے سُنا تو سننے والا گواہی نہیں دے سکتا، ممکن ہے کوئی اور شخص ہو، کیونکہ آواز آواز سے مشابہ ہوسکتی ہے مگر اس صورت میں جب داخل ہونے والا اکیلا ہو اور شاہد جانتا اور علم رکھتا ہو کہ اس کے علاوہ دوسرا نہیں، پھر وُہ گواہ راستہ پر بیٹھتا ہے جبکہ اس راستہ کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی نہیں، اور داخل ہونے والے کا اقرار سُنتا ہے اور اسے دیکھتا نہیں (تو اب گواہی قبول ہے) کیونکہ اب اسے یقین حاصل ہے، اور اگر گواہ پردے والے کی بات کی از خود تفسیر کرے تو قاضی کے لیے مناسب ہے کہ وُہ تفسیر قبول نہ کرے۔ (ت)

ذخیرہ پھر ہندیہ میں ہے:

کان الفقیه ابو اللیث یقول اذااقرت المرأة من وراء الحجاب وشهد عنده اثنان انها فلانة لا یجوز لمن سمع اقرارها ان یشهد علی اقرارها الا اذا رأی شخصا یعنی حال مااقرت فح یجوزله ان	فقیہ ابواللیث فرمایا کرتے تھے کہ جب پردہ کے پیچھے عورت نے اقرار کیا اور دو آدمیوں نے گواہی دی کہ یہ فلاں عورت ہے تو اقرار سننے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کے اقرار پر گواہی دے مگر اس صورت میں جب اس نے اس خاتون کو دیکھا ہو یعنی

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی بیان تحمل الشہادۃ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۲

يشهد على اقرارها، شرط رؤية شخصها لارؤية وجهها۔[1]	اقرار کرتے وقت تواب اس کے لیے جائز ہے کہ اس کے اقرار پر گواہ بنے باقی شرط شخصیت کو دیکھنا ہے نہ کہ چہرے کو۔(ت)

درمختار میں ہے:

شهدوا انه شهد عند قاضی مصر کذا شاهدا ان برؤية الهلال فی ليلة کذاوقضی القاضی به ووجد استجماع شرائط الدعوی جازلهذا القاضی ان يحکم بشهادتهما لان قضاء القاضی حجة وقد شهدوابه لا لو شهدوابرؤية غيرهم لانه حکايةاھ[2] وتمام تحقيقه فی فتاوٰنا۔ واللّٰه‌تعالٰی اعلم۔	گواہوں نے گواہی دی کہ قاضیِ مصر کے پاس فلاں رات چاند دیکھنے پر دو گواہوں نے گواہی دی ہے اور قاضی نے اس پر فیصلہ دیا اور شرائطِ دعوی پائی جائیں تواس قاضی کے لیے دو گواہوں کی شہادت پر فیصلہ دینا جائز ہے کیونکہ قضاءِ قاضی حجّت ہے اور گواہوں نے اس قضاء پر ہی گواہی دی ہے، ہاں اس صورت میں فیصلہ نہیں دے سکتا جب انہوں نے یہ گواہی دی ہو کہ فلاں نے چاند دیکھا ہے کیونکہ یہ حکایت ہے اھ اس کی تمام تحقیق ہمارے فتاوی میں ہے، واللّٰه‌تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۵: از دفتر صحیفہ حیدرآباد دکن مبطوعہ ۱۶رمضان ۱۳۳۳ھ

تار اور ٹیلیفون زمانہ حال کی ایجاد ہے یعنی فقہائے ماسبق کے زمانہ میں یہ چیزیں ایجاد نہیں ہُوئی تھیں اس لئے قدیم کتبِ فقہ اس تذکرے سے خالی ہیں کہ تار اور ٹیلیفون کے ذریعہ سے جو خبریں آتی ہیں وہ قابل تقسیم ہیں یا نہیں، اس مسئلہ کی نسبت علماء کے ایک عام اجماع واتفاق کی ضرورت ہے، پس براہِ کرم بیان فرمایا جائے کہ تار اور ٹیلی فون کے ذریعہ سے جو خبر آئے وہ از رُوئے احکامِ شریعت قابلِ تسلیم ہے یا نہیں؟ اور ایسی خبر کی بناء پر احکامِ شرعیہ مثلاً ترک واختیارِ صوم اور تقرر یوم حج وغیرہ کا تصفیہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تار محض بے اعتبار، یُونہی ٹیلی فون، اگر خبر دہندہ پیشِ نظر نہ ہو۔ تفصیل فقیر کے فتاوی مرسلہ سے معلوم ہوگی۔ **واللّٰه‌تعالٰی اعلم**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی بیان تحمل الشہادۃ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۳

[2] درمختار کتاب الصیام مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

مسئلہ ۱۷۶تا۱۷۸: مسئولہ عبدالعزیز تاجر چرم قصبہ ٹکاری محلّہ تاگنج ضلع گیا ۱۶ذی القعدہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائلِ مفصل ذیل میں بحوالگی کتبِ فقہ وفتاوی **بینوا توجروا۔**

سوال اوّل: نمازِ عید کہ جس کی ادائیگی رؤیتِ ہلال پر موقوف ہے اگر اس کی رؤیت کی خبر ایسی بستی میں جہاں ابر و باد کی وجہ سے چاند نہ دیکھا گیا ہو اور معتبر شخص کی زبانی کہ اُس شخص کو بھی خبر غیر شہر میں بذریعہ تار کے ملی ہو اور وُہ شخص اپنے مکان پر نماز عید کی پڑھ کر آیا ہو اس شخص معتبر کے بیان پر روزہ افطار کرنا اور نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اور بعد پڑھنے نماز عید کے جو لوگ کہ سفر میں عید کے روز کلکتہ وغیرہ میں ہیں وہ لوگ یہاں آئے اور بیان کیا کہ ہم نے اور جماعت کثیرہ نے اپنی آنکھ سے چاند دیکھ کر نماز عید روزِ جمعہ کو پڑھی ہے ایسی صورت میں روزِ جمعہ کو افطار کرنا اور نمازِ عید جمعہ کو پڑھنا جائز ہوا یا نہیں، اور اطراف وجوانب میں بمعائنہ رویتِ ہلال عید روزِ جمعہ کو ہُوئی اس کے لیے شہادت کثیر ہے۔

سوال دوم: ایک بستی کے بعض افراد نے شخص معتبر کے بیان پر کہ جس کو خبر بذریعہ تار کے دوسر شہر میں ملی ہو اُس کے بیان پر جہاں بوجہ ابر و باد رؤیت نہ ہوئی وہاں کے بعض افراد نے روزہ افطار کیا اور نمازِ عید پڑھی اور بعض افراد نے وہیں کے کہ جن کو اشتباہ ماہِ رمضان کی رؤیت میں تیس کا تھا اور اُن کے حساب سے انتیس رمضان پڑتا تھا اور خبر اُن لوگوں کو بھی قبل باقی رہنے پورے وقت نماز کے ملی مگر شخص معتبر کے قول وخبر وتار پر اعتبار نہ کرکے روز جمعہ کو نہ روزہ افطار کیا اور نہ نمازِ عید پڑھی بلکہ سینیچر کے روز روزہ افطار کیا اور نماز عید پڑھی، جمعہ کا روزہ جائز ہولیا یا ناجائز؟

سوال سوم: ایک مسجد میں دو۲ روز نمازِ عید پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جواب سوال اول: دربارہ ہلال، خط اور تار محض بے اعتبار، اور دربارہ ہلالِ عید، ایک عادل ثقہ کی خود اپنی رؤیت کی گواہی بھی مقبول نہیں جب تک پُورا نصابِ شہادت نہ ہو، درمختار میں ہے:

شرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة ولفظ اشهد۔[1]	عید الفطر میں بادل و عدالت کی موجودگی میں نصاب شہادت اور لفظ شہادت ضروری ہے (ت)

تو ایک معتبر شخص کی خبر محض اور وُہ بھی اپنی رؤیت کی نہیں دُوسرے کی، اور وُہ بھی تار کی معلوم ہوئی، چار وجہ سے

[1] درمختار، کتاب الصوم، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۴۸

مردود تھی اور اس کی بناپر عید کرنا حرام، جن لوگوں نے اس بناپر روزہ توڑا سخت گناہ شدید کے مرتکب ہوئے اور اس دن کی نمازِ عید بھی گناہ و مکروہِ تحریمی و ناجائز ہوئی، اور دوسرے دن نمازِ عید نہ پڑھنے سے بھی ترک واجب کے گنہ گار ہُوئے اور بعد کو ثبوت کتنے ہی کثیر ہو جائیں اُن کے اُن گناہوں کو رفع نہیں کرسکتا کہ جس وقت تک انہوں نے یہ افعال کئے ثبوت شرعی نہ تھا ان پر سے مخالفتِ حکمِ شرع کاالزام بے توبہ زائل نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

جواب سوال دوم: جن لوگوں نے اُس خبر پر عمل نہ کیا اور روزہ قائم رکھا اور دوسرے دن نمازِ عید پڑھی انہوں نے مطابق حکمِ شرع کیا، ایسا ہی کرنے کا شرعاً حکم تھا اگرچہ جمعہ ضرور روزِ عید تھا مگر وہاں نہ رؤیت نہ ثبوتِ شرعی گزرا تو اُن پر جمعہ کا روزہ ہی فرض تھا اور سینچر کی عید واجب، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **صوموا الرؤیتہ وافطروا الرؤیتہ**[1] (چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔ت)

جواب سوال سوم: یہ صورت دوروز نماز عید کی نہ تھی کہ وہاں جمعہ کو عید ناجائز تھی جنہوں نے پڑھی وُہ ایک ناجائز نفل تھا کہ جماعت سے ادا کیا اور گنہگار ہُوئے۔ درمختار میں ہے:

صلٰوۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بما لایصح۔[2]	دیہاتوں میں نمازِ عید مکروہِ تحریمی ہے کیونکہ یہ ایسی چیز میں مشغول ہونا ہے جو درست نہیں (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھو نفل مکروہ لادائہ بالجماعۃ ح۔[3]	یہ نوافل ہیں اور نوافل کی جماعت کے ساتھ ادائیگی مکروہ ہے۔(ت)

نمازِ عید وہی ہُوئی جو دوسرے گروہ نے روزِ شنبہ پڑھی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۹: از ضلع بتیاڈاک خانہ و مقام رتسڑ رحیم اللہ و عبدالرحمٰن ۱۳صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں مسلمان باشندوں میں سے ایک شخص حاجی مصدی صاحب ہیں جو کہ احاطہ بنگلہ خطہ آسام ضلع تبرپور رہتے ہیں اور وہیں تجارت کرتے ہیں لہٰذا انہوں نے خط لکھا کہ یہاں کے لوگوں نے چاند ماہ رمضان المبارک کا روز سہ شنبہ یعنی منگل کے ہُوا، قریب قریب پچاس آدمیوں نے دیکھا اور دو تین آدمی خاص ہمارے آدمیوں میں سے جو کہ کاروبار دُکان کے کرتے ہیں دیکھا مگر جناب حاجی مصدی صاحب انکار

---

[1] صحیح بخاری، باب اذارأیتم الھلال فصوموا، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۲۵۶/۱

[2] درمختار، باب العیدین، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۱۴/۱

[3] ردالمحتار، باب العیدین، مصطفٰے البابی مصر، ۶۱۱/۱

کرتے ہیں کہ ہم نے بچشمِ خود نہیں دیکھا اور جتنے اُس اطراف کے ملک آسام میں رہتے ہیں کسی نے چاند نہیں دیکھا جس وقت یہ خط آیا اُس وقت جناب مولانا مولوی عبدالغفار صاحب ساکن موضع اعظم گڑھی شاگرد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سلسلہ مدرسہ دیوبند تشریف لائے تھے انہوں نے خط دیکھ کر فرمایا کہ دوبارہ خط سے دریافت کروکہ اگر واقعی ان لوگوں نے چاند دیکھا تو تم لوگ بھی جمعہ کی عید کرلینا پنجشنبہ کو چاہے چاند ہو یا نہ ہو اور ایک روزہ قضاء کارکھ لینا، تو پھر جب دوبارہ لکھا گیا تو اسی مضمون کا جواب آیا کہ چاند کا دیکھنا سچ ہے ۵۰ آدمیوں نے باشندہ ملک آسام کے دیکھا لہٰذا محض ملک آسامیوں کا دیکھنا اور بہ موجب فتوٰی دینے مولوی عبدالغفار صاحب یہ قابل سند ہوسکتا ہے کہ نہیں اور جمعہ کو ہم لوگ عید کرسکتے ہیں کہ نہیں، برتقدیر نہ چاند ہونے پنجشنبہ کے عید جمعہ کو کرسکتے ہیں یا نہیں، اور واقعی ایسا ہُوا کہ پنجشنبہ کو عید کا چاند نہیں نظر پڑا، ہزاروں آدمیوں نے دیکھا اور نہ کہیں چاند دیکھنے کی خبر آئی جو لوگ کہ معتقد مولوی عبدالغفار صاحب کے نہیں تھے جبکہ دیکھا یہ لوگ نہیں مانیں گے تو محض رفع نزاع کے لیے انہی لوگوں کے ساتھ عید جمعہ کو کرلی بغیر چاند دیکھے تفریق جماعت اور دو فریق ہوجانے کے خیال سے، لہٰذا از روئے شرع کے تفصیل بالا کی تحقیق۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

دربارہ ہلال خط اور تار محض بے اعتبار،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا الرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ۔[1]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: چاند دیکھنے پر روزہ شروع کرو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔ (ت)

ہدایہ واشباہ ودرمختار وغیرہ عام کتب میں ہے: **الخط لایعمل بہ**[2] (خط پر عمل نہیں کیا جاتا۔ت)

دیوبندی کا فتوٰی محض باطل تھا اور بغیر رؤیت یا ثبوت شرعی جمعہ کو عید کرلینا حرام تھا اور تفریق جماعت سے بچنے کا خیال خام تھا اگر کُچھ لوگ بے ثبوتِ شرعی جمعہ کو عید کرلیتے تو نہ وہ عید عید تھی، نہ وہ نماز نماز، نہ وہ جماعت جماعت، تفریق کاہے کی ہُوئی! اب صورتِ تفریق تو نہ ہُوئی مگر حقیقۃً ابطال ہوگیا، نماز بھی گئی، سب گنہگار ہوئے، اگرچہ واقعہ میں عید جمعہ کی تھی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۰: از ریاست چھتاری ضلع بلند شہر مسئولہ عبدالغفور خاں صاحب محلّہ کٹرہ ۱۵ صفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ہمارے قصبہ میں ہلال رمضان شب پنجشنبہ میں دیکھا گیا اور پنجشنبہ کا روزہ ہوا، ۲۰ روز بعد مولوی ناظر حسن دیوبندی کا ایک خط بنام رئیس پہنچا جس کا مضمون یہ تھا کہ

[1] صحیح بخاری باب اذارأیتم الھلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] درمختار باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۸۳، الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۳۸

دیوبند میں کچھ آدمی بہرائچ کے آئے اور اُن سے تحقیق ہُوا کہ رؤیت ہلال شب چہار شنبہ میں ہُوئی اور روزہ چہار شنبہ کا ہوا، لہٰذا علمائے دیوبند نے حکم دیا کہ روزہ چہار شنبہ سے رکھا جائے، جن لوگوں نے جمعرات سے رکھا ہے وُہ ایک روزہ قضا رکھیں، اسی بناء پر ۲۳ رمضان کے جمعہ کو اعلان کیا گیا کہ لوگ ایک روزہ قضا رکھیں اور ہر حال میں عید جمعہ سے متجاوز نہ ہو گی، جمعرات کو ۲۹ رمضان تھی باوجود صاف ہونے مطلع کے اور کمال کوشش کے چاند نہیں دکھائی دیا حالانکہ قصبہ نے مولوی صاحب کے خط پر استدلال کرکے جمعہ کو عید کا حکم دے دیا، آیا مولوی صاحب کا خط شرعًا قابلِ پابندی ہے اور اس کی بناء پر باوجود عدمِ رؤیت حکم فطر کا صحیح یا غلط ہے اور ہم لوگوں کو اب کیا کرنا چاہئے؟ **بیینوا رحمکم اللّٰہ تعالٰی بالکتاب** (اللہ تعالٰی آپ پر رحم کرے کتاب اللہ سے بیان کیجئے۔ت) جواب تفصیلاً مع عباراتِ کتب مرحمت ہو اور حمایت فرمائی جائے۔

الجواب:

در بارہ ہلال خط اور تار محض بے اعتبار،

قال صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ۔[1]	حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو (ت)

ہدایہ واشباہ ودرمختار وغیرہا عامہ کتب میں ہے: **الخط لا یعمل بہ**[2] (خط پر عمل نہیں کیا جاتا) (ت) دیوبند والوں کے پاس بہرائچ کے آدمیوں نے اگر یہ بیان کیا وہاں چاند ہُوا یا یہی کہا کہ بہت لوگوں نے دیکھا اور اپنی روایت کی شہادت نہ دی یا دی اور اُن میں کوئی شخص قابل قبول شرع نہ تھا جب تو دیوبندیوں کا وہ حکم ہی سرے سے باطل تھا، اور ایسا نہ بھی ہو تو اس قصبہ والوں کو اس کے خط پر عمل حرام تھا کہ اول تو خط در بارہ ہلال خود ہی مردود، دوسرے وہ بھی ایک ایسے فرقے کا جس کا پیشہ توہینِ خدا و رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، بہرحال گناہ ہُوا اور توبہ لازم۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۱: از بلالند شہر ڈاکخانہ چھتاری مدرسہ احمدیہ مسئولہ محفوظ الحق قادری ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۴ھ

حضرت مولٰنا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، معروض خدمت شریف ہے کہ جناب والا کا ایک مختصر سا پرچہ جس پر جناب کی مہر لگی ہوتی ہے اور ایک سطر میں یہ عبارت مرقوم ہے (میرے سامنے شہادتیں گزر گئیں کل جمعہ کو عید ہے) خاکسار کو موصول ہُوا اس کے متعلق فتوٰی شرعی دریافت طلب ہے کہ جس جگہ یہ پرچہ

---

[1] صحیح بخاری باب اذا رأیتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۶

[2] درمختار باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۴، الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۳۸

پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو جمعہ کو عید کرنا تھی یا نہیں اور روزے توڑ دینا ضرور تھے یا نہیں اور اس کی عام تشہیر اور دیگر بلاد میں اشاعت سے کیا مفاد تھا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہ پرچے دیگر بلاد میں نہ بھیجے گئے، تقسیم کرنے والوں نے اسٹیشن پر بھی دیے، ان میں سے کوئی لے گیا ہوگا۔ بعض لوگوں نے پیلی بھیت کے واسطے چاہا اور ان کو جواب دے دیا گیا کہ جب تک دو شاہد عادل لے کر نہ جائیں پرچہ کافی نہ ہوگا اور بلاد بعیدہ کو کیونکر بھیجے جاتے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۲ تا ۱۸۴: از راجپوتانہ چتوڑ گڑھ عبدالکریم ۱۸ شوال المکرم ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ان عبارات کی بنا پر

قال فی العیون والفتوی علی قولھما اذا تیقن انه خطه سواء کان فی القضاء اوالرؤیة او الشهادة فی الصك وان لم یکن الصك فی ید الشاهد لان الغلط نادر واثر التغییر یمکن الاطلاع علیه وقلما یشتبه الخط من کل وجه فاذا تیقن ذٰلك جازالاعتماد علیه توسعة علی الناس۔[1]	عیون میں ہے فتوی اس وقت صاحبین کے قول پر ہے جب یہ یقین ہو کہ فلاں کا خط ہے خواہ قضاء کا معاملہ ہو یا رؤیت وشہادتِ اشٹام کا، اگرچہ اشٹام گواہ کے ہاتھ میں نہ ہو کیونکہ غلط ہونا نادرالوقوع ہے اور تبدیلی پر اطلاع ممکن ہے اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تحریر دوسری تحریر کے کلیۃً مشابہ ہو تو جب اسے خط کا یقین ہو تو لوگوں پر آسانی کی خاطر اس پر اعتماد جائز ہے(ت)
اور اما خط البیاع والصراف والسمسار فهو حجة وان لم یکن مصدرا معنونا یعرف ظاهرا بین الناس وکذٰلك مایکتب الناس فیما بینهم یجب ان یکون حجة للعرف۔[2]	عام خرید وفروخت کرنے والے، سونے چاندی کا سودا کرنے والے اور دلّال کا خط تمہید، تقریر اور عنوان کے بغیر بھی حجّت ہے جو لوگوں میں واضح طور پر معروف ہیں، اور یُونہی لوگوں کی آپس کی خط وکتابت عرف کی بناء پر حجت ہونا واجب ہے۔ (ت)

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۳۸، ردالمحتار باب کتاب القاضی الی القاضی الخ مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۹۳

[2] ردالمحتار باب کتاب القاضی الی القاضی الخ مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۹۲

فتوٰی دیا جاسکتا ہے کہ رؤیت ہلال کی شہادت کے لیے کسی عزیز کا خط جو اس کی طرز عبارت اور رات دن کی تحریر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ضرور اسی کا خط ہے معتبر ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر کسی دینی معاملہ میں خط معتبر نہ ہوگا جو علماء دُور دراز سے فتوٰی تحریر کرتے ہیں اس پر کیسے اعتماد ہو؟

(۳) بالخصوص رمضان شریف کے چاند کے لیے بجائے شہادت کے صرف خبر ہی کافی ہے اس کے لیے بھی خط معتبر ہے یا نہیں؟بینوا توجروا

الجواب:

حکم اللہ ورسول کے لیے (جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) تمام کتب میں تصریح ہے:

الخط لایعمل به، الخط یشبه الخط، الخاتم یشبه الخاتم۔[1]	خط پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ خط، خط کے مشابہ اور مُہر مُہر کے مشابہ ہوتی ہے۔(ت)

بیاع وصراف ومفتی کے خطوط بالاجماع مستثنٰی ہیں علی خلاف القیاس لضرورۃ الناس وماکان خلاف القیاس لا یجوز القیاس علیه، مکاتبات ناس فیما بینهم (لوگوں کی ضرورت کے پیشِ نظر خلاف قیاس حجت ہیں اور جو خلافِ قیاس ہو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، لوگوں کی آپس کی خط وکتابت اور چیز ہے۔ت) دوسری چیز ہیں اور امر حلال فیما بینهم وبین ربهم (ان کے اور ان کے رب کے درمیان معاملہ ہے۔ت) متون وشروح وفتاوٰی تمام کتب متعمدہ مذہب دیکھ لیے جائیں جہاں یہ گنتی کے استثناء وہ بھی بہت مباحث کے ساتھ کرتے ہیں کہیں بھی ہلال کا استثناء ہے تو اپنی طرف سے زیادت فی الشرع کیونکر جائز ہُوئی، قاضی الشرق والغرب نے شاہد کے اپنے خط کا استثناء فرمایا جس کے ساتھ سو وجوہ مذکور ہوسکتی ہیں اور اپنے خط کا اشتباہ بغایت بعید ہے انہوں نے بھی کہیں ہلال میں خط کا اعتبار فرمایا، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان اللہ امدہ لرؤیته[2] (اللہ تعالٰی نے اس کا مدار رؤیت پر رکھا ہے۔ت) اور فرماتے ہیں:

صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته۔[3]	چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔(ت)

[1] الاشباہ والنظائر ۱/۳۳۸ والہدایۃ کتاب الشہادۃ ۳/۱۵۷ وفتاوٰی ہندیہ ۳/۳۸۱

[2] سنن الدار قطنی کتاب الصیام حدیث ۲۶ نشر السنۃ ملتان ۲/۱۶۲

[3] صحیح بخاری باب اذا رأیتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

تمام کتب میں تصریح ہے کہ خود رؤیت ہو یا دوسری جگہ کی رؤیت بطریق موجب ثابت ہو اور ان طرق موجبہ کی بھی تفصیل فرماتے ہیں کہ شہادت ہو یا شہادۃ علی الشہادۃ یا شہادۃ علی الحکم یا استفاضہ مع التحقیق مجرد حکایت اگرچہ متعدد ثقات عدول کریں تصریح ہے کہ مقبول نہیں، حتی کہ ہلال رمضان میں لفظ اشھد کی حاجت نہیں پھر خط کہ حکایت مجردہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا بلکہ اکثر اوقات اسکے برابر بھی نہیں ہوسکتا جیسے ڈاک کا خط کہ وسائط مجاہیل بلکہ اکثر بذریعہ کفار آتا ہے کیونکر کوئی چیز ہوسکتا ہے **والتفصیل فی رسائلنا** (اور تفصیل ہمارے رسالوں میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۵تا۱۹۳: ازرائے پور سی پی محلّہ بیجنا تھ پارہ مرسلہ بہادر علی خاں سپرنٹنڈنٹ پنشنر محکمہ بندوبست ۲۴ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

(۱) رؤیت ہلال کے بارے میں تار اور خط کی خبریں معتبر ہیں یا نہیں؟

(۲) جہاں چاند ۲۹ کو نظر نہ آئے وہاں چاند کی رؤیت امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک کن کن ذرائع سے ثابت ہوسکتی ہے؟

(۳) اخباروں کے اندر جو لفظ تاریخ ماہ لکھی ہوتی ہے مثلاً ۸ شعبان یا ۵ رمضان یا ۴ ذی الحجہ، اور رؤیت ہلال کا ذکر نہیں ہوتا تو فقط تاریخ لکھ دینے سے وہاں جہاں ۲۹ کو رؤیت نہ ہُوئی اُس ماہ کے ہلال کی رؤیت ثابت ہوسکتی ہے۔

(۴) یہ جو فقہاء نے فرمایا کہ ۲۹ کو اگر چاند نظر نہ آئے ۳۰ دن پُورے کرنا چاہئیں تو رمضان اور عید الفطر کے ساتھ خاص یا سب ماہ کے لئے ہے۔

(۵) جنتری کے حساب سے روزہ رکھنا یا عید کرنا یا کسی دیگر ماہ کی تاریخ مقرر کرنا درست ہے۔

(۶) شعبان کی ۲۹ کو چاند نظر نہ آئے اور افواہ ہو کہ چاند ہوگیا لیکن شہادت دینے والا نہ ملے تو شب کو تراویح مع جماعت کرنا جائز ہے یا نہیں اور صبح کو روزہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟

(۷) یہ جو مشہور ہے کہ رجب کی چوتھی جس دن کی ہوتی ہے اُسی دن رمضان کی پہلی ہوتی ہے اور جو شوال کی پہلی ہوتی ہے اُسی روز عاشورہ ہوتا ہے یہ معتبر ہے یا نہیں؟

(۸) اگر کسی جگہ سے ایک یا دو آدمی آکر فقط اتنا کہیں کہ ہمارے شہر فلاں دن عید ہے اور چاند کی رؤیت کا ذکر نہ کریں نہ اپنا نہ دُوسروں کا، تو ان کی اس خبر پر اس شہر والے عید کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۹) اگر متواتر یا تین ماہ میں رؤیت کے دن ابر ہوجائے تو ایسے موقع پر ایک ماہ ۲۹ کا اور ایک ماہ تیس ۳۰ کا لے کر عید لوگ اپنی رائے سے مقرر کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر یُونہیں مقرر کرکے عید کرلی تو نماز ہُوئی یا نہیں؟ اور اگر اکثر شہر کے لوگوں نے یونہی عید کی اور سو پچاس نے خلاف کیا اور دوسرے دن نمازِ عید پڑھی تو حق پر

کون ہے، کثیر یا قلیل؟

الجواب:

(۱) رؤیت ہلال میں تار اور خط اصلا معتبر نہیں، تار کی حالت تو خط سے بھی نہایت ردی ہے کہ وہ نہ مرسل کے ہاتھ کا لکھا ہوتا ہے نہ اُس پر اُس کے دستخط ہوتے ہیں نہ اُس کی مُہر ہو سکتی ہے اور ذرائع وصول مجاہیل بلکہ اکثر کفّار ہوتے ہیں اور خط ان سب وجوہ سے اُس پر فائق ہو سکتا ہے بااین ہمہ تمام کتبِ مذہب میں تصریح ہے کہ خط کا اعتبار نہیں، نہ اس پر عمل ہو سکے کہ خط خط کے مثل ہوتا ہے اور مُہر مُہر کی مثل بن سکتی ہے۔ اشباہ میں ہے:

لایعتمد علی الخط لایعمل بہ۔[1]	خط پر نہ تو اعتماد کیا جائے گا اور نہ ہی عمل۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

الخط یشبہ الخط فلا یحصل العلم۔[2]	تحریر تحریر کے مشابہ ہوتی ہے تو اس سے علم یقینی حاصل نہ ہوگا۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

الکتاب قد یزور ویفتعل والخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم۔[3]	تحریر میں جھُوٹ اور جعلسازی ہو سکتی ہے۔ خط خط کے اور مُہر مُہر کے مشابہ ہو سکتی ہے۔ (ت)

اس مسئلہ کی پوری تفصیل ہمارے رسالہ **ازکی الھلال بابطال ما احدث الناس فی امر الھلال** میں ہے۔

(۲) ثبوتِ ہلال کے لیے ضرور ہے کہ یا تو رؤیت پر عینی شہادت ہو یا عینی شاہدوں نے جن شاہدوں کو حسب شرائطِ شرعیہ اپنی شہادت کا حامل کیا ہو اُن کی شہادت شہادت پر ہو یا حاکم شرعی کے حکم شرعی پر شہادت بروجہ شرعی ہو یا شرائط معتبرہ فقہیہ کے ساتھ کتاب القاضی الی القاضی ہو یا جس شہر میں قاضیِ شرع ہو اور اس کے حکم سے وہاں روزہ عید ہُوا کرتے ہیں وہاں سے لوگ گروہ کے گروہ آئیں اور بالاتفاق اُس حاکمِ شرع کا حکم بیان کریں، اور ان میں سے کچھ نہ ہو تو اخیر درجہ تیس ۳۰ کی گنتی پُوری کرنا ہے یعنی جب اگلے مہینہ کی رؤیت ہولی یا کافی ثبوتِ شرعی سے ثابت ہُوئی اور اس مہینے ۲۹ کو رؤیت نہ ہُوئی تو تیس دن پُورے ہو کر ہلال خواہی نخواہی ہوگا کہ شرعی مہینہ تیس ۳۰ سے زائد نہیں ہو سکتا، ان طریقوں اور ان کی شرائط کا مفصّل اور مدلّل بیان ہمارے رسالہ

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات والدعاوی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۳۸
[2] ہدایہ کتاب الشہادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۷
[3] فتاوٰی ہندیہ الباب الثالث والعشرون فی کتاب القاضی الی القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

طرق اثباتِ ہلال میں ہے۔

(۳) اخباروں کا صرف تاریخ لکھنا تو کوئی چیز نہیں، اخباروں میں اگر رؤیت کی خبر چھپے تو وہ بھی محض نامعتبر ہے کہ نہ شہادت **علی الرؤیۃ** ہے، نہ شہادت علی الشہادت، نہ شہادت علی الحکم، پھر اخبار نہیں مگر ایک خط اور اُوپر گزرا کہ ان امور میں خط اصلاً معتبر نہیں، خصوصًا اخباری دُنیا کہ بے سروپا اُڑانے میں ضرب المثل ہے۔

(۴) یہ حکم بارہ مہینے کے لیے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک بار دسوں انگشتانِ مبارک تین دفعہ اٹھاکر فرمایا: **الشھر ھکذا وھکذا وھکذا**[1] مہینہ اتنا اور اتنا اور اتنا ہوتا ہے، یعنی تیس ۳۰ دن کا۔ اور ایک بار دسوں انگشت مبارک تین دفعہ اٹھائیں مگر اخیر میں ایک انگشت مبارک بند فرماکر فرمایا: **الشھر ھکذا وھکذا وھکذا**[2] مہینہ اتنا اور اتنا اور اتنا ہوتا ہے یعنی ۲۹ دن کا۔ تو کوئی قمری عربی مہینہ کہ یہی شریعتِ مطہرہ میں معتبر ہیں نہ ۲۹ دن سے کم ہوسکتا ہے نہ تیس ۳۰ سے زائد، جس مہینے کی رؤیت کافی ثبوتِ شرعی سے ثابت ہوا اور اس کی ۲۹ کو رؤیت نہ ہو تو ۳۰ پُورے کرکے خواہی نخواہی دوسرے مہینے کا ہلال ہے۔

(۵) شریعتِ مطہرہ میں جنتری کا حساب اصلاً معتبر نہیں، درمختار میں ہے: **وقول اولی التوقیت لیس بموجب**[3] (اہل توقیت کا قول سببِ وجوب نہیں بن سکتا۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب**[4] (ہم بظاہر اَن پڑھ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔ت) یہ ان کے بارے میں ہے جو واقعی ہیئت داں تھے، نہ کہ آج کل کے جنتری والے جنہیں ہیئت کی ہوا بھی نہیں لگی، بڑے بڑے نامی جنتری دانوں کی نہایت واضح تقاویم شمسیہ میں وُہ اغلاط فاحشہ دیکھے ہیں کہ مدہوش کے سوا دوسرے سے متوقع نہیں تابہ حسابِ ہلال چہ رسد حسابِ ہلال وُہ دشوار چیز ہے جہاں اہلِ ہیئت کے مسلم امام بطلیموس نے گھٹنے ٹیک دئے مجسطی میں ظہور وخفائے کواکب وثوابت تک کے لیے باب وضع کیا اور ظہورِ ہلال کو ہاتھ نہ لگایا۔

(۶) ایسی صورت میں نہ شب کو تراویح پڑھنی جائز، نہ صبح کو روزہ رمضان رکھنا حلال، **اما الثانی فللحدیث واما الاول فللتداعی فی النفل** (دوسرا حدیث کی وجہ سے اور پہلا نفل کی طرف تداعی کی وجہ سے منع ہے۔ت) بلاالکہ اگر جماعت نہ کریں اکیلے ہی بیس ۲۰ رکعتیں پڑھیں اور تراویح کی نیت کریں جب بھی شرع مطہر

---

[1] صحیح بخاری باب اذارایتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] صحیح بخاری باب اذارایتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[3] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۸

[4] صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانکتب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶، سنن ابی داؤد باب الشہر یکون تسع وعشرین آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۱۷

پر زیادت کرنے والے ہوں گے کہ تراویح شرع مطہر نے شب ہائے رمضان میں رکھی ہیں اور یہ رات اُن کے لیے شبِ رمضان نہیں۔

(۷) یہ محض بے اصل ہے اور تجربہ بھی اس کے خلاف پر شاہد، اور اس پر اعتماد شرعًا ہر گز جائز نہیں، والمسئلۃ فی البزازیۃ وخزانۃ المفتین وغیرھما (یہ مسئلہ بزازیہ اور خزانۃ المفتین وغیرہ میں ہے۔ت) تمام قیاسات وحسابات وقرائن کہ عوام میں مشہور ہیں شرعا باطل ومہجور ہیں صرف انھی طریقوں پر اعتماد جائز ہے جو جوابِ سوال دوم گزرے اور ہمارے رسالہ طرق اثباتِ ہلال میں مفصل مذکور ہیں وبس۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۸) فقط اتنی خبر پر عید کرنا حرام ہے۔ فتح القدیر وبحر الرائق وعالمگیری میں ہے:

لو شھد جماعۃ ان اھل بلدۃ قد راؤ اھلال رمضان قبلکم بیوم فصاموا وھذا الیوم ثلثون بحسابھم ولم یرھٰؤلاء الھلال لایباح فطر غد ولا ترك التراویح فی ھذہ اللیلۃ لانھم لم یشھد وابالرؤیۃ ولا شھادۃ غیرھم وانما حکوا رؤیۃ غیرھم۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی جماعت نے گواہی دی کہ فلاں اہلِ شہر نے تم سے پہلے ایک دن رمضان کا چاند دیکھا، اور انہوں نے روزہ رکھا، ان کے حساب سے آج کا دن تیسواں ہے جبکہ خود ان لوگوں نے چاند نہیں دیکھا تھا تو ان کو آئندہ دن کا روزہ چھوڑنا جائز نہیں، اور نہ ہی اس رات کی تراویح کو ترک کرنا مباح ہوگا کیونکہ گواہوں کی چاند کی رؤیت پر گواہی نہیں، اور نہ غیر کی شہادت پر گواہی ہے بلکہ اُنہوں نے صرف غیر کی رؤیت حکایت کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۹) جب تک رؤیت نہ ہو یا ثبوت صحیح شرعی سے ثابت نہ ہو ہر مہینہ تیس کا لیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فان غم علیکم فاکملوا العدّۃ ثلاثین۔[2]	چاند تم پر پوشیدہ رہے تو تیس ۳۰ کی گنتی پُوری کرو(ت)

یہ قاعدہ کہ ایک مہینہ ۳۰ اور ایک ۲۹ کا محض باطل ہے جس کے بطلان پر مشاہدہ شاہد عادل ہے کئی کئی مہینے متواتر ۳۰ کے ہو جاتے ہیں کئی کئی ۲۹ کے، اور علمِ ہیئت کی رُو سے ۴ مہینے پے در پے ۳۰ کے ہو سکتے ہیں اور تین ۲۹ کے،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی رؤیۃ الہلال الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۹۹

[2] سنن دار قطنی کتاب الصیام حدیث ۲۶ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۱۶۲

کماھو مصرح بہ فی الزیجات القدیمۃ والجدیدۃ و شروحھا واحالوہ علی التجربۃ والا ستقراء ومنھم من تکلف بیانہ بالاستدلال ولم یتم۔	جیسا کہ قدیم و جدید زایچوں اور ان کی شروح میں اس پر تصریح ہے اور انہوں نے اسے تجربہ اور تتبع کے سپرد کردیا ہے بعض نے استدلال کرنے کی کوشش کی وُہ کامیاب نہ ہوسکے۔(ت)

شریعت مطہرہ میں ہیئت والوں کی اس تحدید استقرائی کا بھی اعتبار نہیں۔ ثبوت شرعی سے اگر ۴ مہینے لگاتار ۲۹ کے ہوں تومانے جائیں گے، اور مثلاً چھ مہینے متواتر روزِ ہلال ابر رہے اور ثبوت نہ ہو تو سب مہینے ۳۰ کے لیے جائیں گے لان الثابت لایزول بالشک (کیونکہ ثابت شدہ شئے کا زوال شک سے نہیں ہوتا۔ت) جن لوگوں نے ایک مہینہ ۳۰ ایک ۲۹ کا لے کر عید کرلی اُن کی وہ عید اور نماز سب باطل ہُوئی اور ان پر چار گناہ رہے:

اوّل: گناہ عظیم روزہ رمضان کا عمداً ترک کہ وُہ اُن کے لیے رمضان تھا۔

دوم: نفل کا بجماعتِ کثیرہ پڑھنا کہ وُہ نمازِ عید کہ اُنھوں نے پڑھی نمازِ عید نہ تھی نافلہ محضہ ہُوئی اور نفل کا جماعت کثیر کرکے پڑھنا گناہ۔

سوم: واجب نماز عید کا ترک کہ دُوسرے دن اُن کے لیے عید تھی اُس دن نماز نہ پڑھی۔

چہارم: شریعت میں دل سے نیا حکم گھڑنے کا وبال شدید سب سے علاوہ، اگرچہ بعد کو تحقیق ہو جائے کہ جس دن انھوں نے نماز پڑھی واقعی اسی دن عید تھی، اگرچہ وہ سارا شہر ہو اور جنھوں نے تیس تیس کی گنتی پُوری کرکے عید کی اُن کی عید اور نماز سب صحیح ہُوئی اور وہ ان سب گناہوں سے بچے، اگرچہ بعد کو تحقیق ہو کہ عید ایک دن یا دو۲ دن پہلے تھی اگرچہ صرف یہ دو۲ ہی شخص ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۴: از کٹرہ مرسلہ حافظ جضوخاں ۲۹ شعبان ۱۳۰۰ھ

بعد سلام مسنون کے گزارش یہ ہے تراویح اور روزہ کے بارے میں کیا حکم ہے بموجب شرع شریف کے کیفیت یہ ہے مولوی محمد شکراللہ صاحب کا بیان ہے کہ گردونواح بنارس کے حساب سے آج تاریخ ۳۰ ہے مولوی صاحب تشریف بنارس لائے ہیں۔ مولوی محمد احسان کریم صاحب کا یہ بیان ہے کہ بچشمِ خود چاند شعبان کا دیکھا اُس کے حساب سے آج تیس ہے۔ حافظ حبیب الحسن صاحب کا بیان ہے دو شخصوں معتبر نے چاند شعبان کا بیان کیا دیکھنا، اس کے حساب سے آج ۳۰ شعبان ہے اور مولوی محمد شکر اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ چند صاحبانِ معتبر نے چاند شعبان کا دیکھنا بیان کیا اور میں بنارس میں موجود تھا۔

الجواب:

بعد از ماھو المسنون، مولوی شکراللہ صاحب کا پہلا بیان کہ گردونواح بنارس کے حساب سے

آج تیس ۳۰ ہے مجرد حکایت ہے کہ شرعاً مقبول نہیں۔

فی الدرالمختار لا لو شھد وابرؤیۃ غیرھم لانہ حکایۃ۔[1]	درمختار میں ہے اگر غیر کے دیکھنے پر گواہی دی تو مقبول نہ ہوگی کیونکہ یہ حکایت ہے (ت)

مولوی احسان کریم صاحب تنہا ہیں اور ہلالِ شعبان میں ایک کی گواہی معتبر نہیں۔ فی ردالمحتار،

وبقیۃ الاشھر التسعۃ فلا یقبل فیھا الا شھادۃ رجلین اورجل و امرأتین عدول احرار غیر محدودین کما فی سائر الاحکام۔[2]	ردالمحتار میں ہے باقی نو مہینوں کے ثبوت کے لیے ایک کی گواہی معتبر نہیں بلکہ دو مرد یا ایک مرد اور دو خواتین جو عادل، آزاد ہوں اور حدِ قذف ان پر نافذ نہ ہوئی ہو جیسا کہ دیگر احکام میں ہے۔ (ت)

حافظ حبیب الحسن صاحب کا بیان اور مولوی شکر اللہ صاحب کی دوسری تقریر بالفرض اگر شہادت علی الشہادت مانی جائے تو عدد ناقص،

فی ردالمحتار لا تقبل مالم یشھد علی شھادۃ کل رجل رجلان اورجل وامرأتان۔[3]	ردالمحتار میں ہے اس وقت تک شہادت پر شہادت قبول نہیں کی جائے گی جب تک ہر ایک شخص کی شہادت پر دو مرد یا ایک مرد اور دو خواتین شہادت نہ دیں (ت)

بالجملہ بیانوں میں ایک بھی قابلِ اعتبار شرعی نہیں حکم شرعی قاعدہ شرعیہ ہی کے طور پر ثابت ہو سکتا، نہ مجرد خیالات پر۔ مطلع شعبان کا نہایت صاف تھا اور بہت آدمی چاند دیکھتے رہے کسی کو نظر نہ آیا، اب اگرچہ عند اللہ آج ۳۰ ہی سہی مگر شرع بے ثبوت شرعی کیونکر حکم دے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۵: از کلکتہ دھرم تلا نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کلکتہ میں ۲۹ شعبان روز پنجشنبہ شام کو مطلع بالکل صاف تھا سب لوگوں نے چاند پر غور کیا رؤیت نہ ہوئی مگر ایک پیر صاحب نے پیش گوئی کی تھی کہ جمعہ کو یکم رمضان ہوگی اُن کے معتقدین نے بلارؤیت جمعہ سے روزہ رکھ لیا اب ایک صاحب کہ شاید بغداد شریف کے ہیں یہاں آئے، اُن پیر صاحب نے انہیں پیش کیا اپنی پیشگوئی کی تصدیق کے لیے انہوں نے اپنی رؤیت

---

[1] درمختار، کتاب الصوم، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الصوم، مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۳

[3] ردالمحتار کتاب الصوم، مصطفی البابی مصر ۲/۹۹

نہر سویز میں شام پنجشنبہ کی بیان کی، پھر اُسی جلسہ میں دوسرا شخص کھڑا ہُوا کہ میں نے اور بہت آدمیوں نے امر تسر میں شام پنجشنبہ کو دیکھا، یونہی تیسرے شخص نے کہ وُہ بھی کہیں سے آیا ہے اُس جلسہ سے جُدا اپنی رؤیت بیان کی مگر یہ سب لوگ اُن پیر صاحب کے موافقین ہیں اس صورت میں رمضان شریف کی پہلی بروز جمعہ قرار پائیگی اور روزہ جمعہ کا کلکتہ والوں اور دوسرے ہندوستان پر فرض ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں وُہ پیشگوئی اور بلارؤیت اس پر عمل کرنے والے سب گنہگار ہُوئے اگر چہ اب کیسے ہی قطعی ثبوت سے یکم جمعہ کی ثابت ہو جائے کہ جس وقت انہوں نے حکم دیا اور عمل کیا تھا اُس وقت شرعی نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **صوموا الرؤیته وافطر والرؤیته**[1] (چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی عید کرو۔ت) دوسری حدیث میں ہے:

لا تقدموا الشهر حتی تروا الهلال وتکملوا العدة الحدیث رواه ابوداؤد والنسائی۔[2]	چاند دیکھنے سے پہلے مہینے کو شروع نہ کرو بلکہ گنتی پوری کرو، الحدیث، اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے (ت)

جب صوم شک کے لیے ہے **قد عصی ابا القاسم محمدا**[3] **صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم** اُس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ تو باوصف مطلع رؤیت نہ ہونے پر رمضان بنالینا کیسی سخت بیباکی و نافرمانی تھی، رہا ان گواہیوں کا حال مذہب مشہور و مختار متون و مصحح کبار ائمہ پر، تو یہ شہادت محض مہمل و نامسموع ہیں کہ بحالت صفائیِ مطلع دو چار کی شہادت سے کچھ نہیں ہوتا جمع عظیم چاہئے، اور جبکہ مسلمین نے تلاشِ ہلال میں تقصیر و تکاسل کو راہ نہ دی جیسا کہ **بحمد اللہ تعالٰی** اب یہاں مشاہد ہے، تو ایسی جگہ اُس روایت پر عمل کی بھی ضرورت متحقق نہیں کہ دو کافی ہیں۔

فی الدرالمختار قیل بلاعلة جمع عظیم لیقع العلم بخبر هم وهو مفوض الی رأی الامام من غیر تقدیر	درمختار میں ہے کہ اگر بادل وغیرہ نہ ہو تو ایک بڑی جماعت کی گواہی ضروری ہے تاکہ ان کی خبر سے یقین حاصل ہو جائے اور مذہب کے مطابق یہاں جماعت

---

[1] صحیح بخاری باب اذارأیتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۵۶/۱

[2] سنن ابی داؤد باب اذا اغمی الشہر آفتاب عالم پریس لاہور ۳۱۸/۱

[3] صحیح البخاری، باب اذارأیتم الہلال فصوموا، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۲۵۶/۱

بعدد علی المذھب وعن الامام انہ یکتفی بشاھدین واختارہ فی البحر اھ[1] ملخصاً فی رد المحتار قولہ وھو مفوض قال فی السراج الصحیح انہ مفوض الی رأی الامام ان وقع فی قلبہ صحۃ ماشھدوابہ و کثرت الشھودامر بالصوم اھ کذاصححہ فی المواھب وتبعہ الشرنبلالی وفی البحر عن الفتح والحق ان العبرۃ بمجیئ الخبروتواترہ من کل جانب اھ وفی النھر انہ موفق لما صححہ فی السراج تامل. قولہ واختارہ فی البحر حیث قال وینبغی العمل علی ھذہ الروایۃ فی زماننا لان الناس تکاسلت عن ترائی الاھلۃفانتفی قولھم مع توجھھم طالبین لماتوجہ ھو الیہ فکان التفرد غیر ظاھر فی الغلط الخ[2] اھ ملخصاً۔	، کی تعداد کا کوئی تعین نہیں بلکہ قاضی کی رائے پر منحصر ہے اور امام سے یہ بھی مروی ہے کہ دو گواہ کافی ہیں، بحر میں اسے اختیار کیا گیا ہے اھ ملخصًا ردالمحتار میں قولہ مفوض، سراج میں ہے کہ یہی صحیح ہے کہ قاضی کی رائے پر منحصر ہے کہ اگر گواہی اور کثرتِ شہود کی بنا پر اس کے دل میں اس کی صحت کا یقین ہو جائے تو وہ روزے کا حکم دے اھ مواہب میں اسی کی تصحیح کی ہے، اور اسی کی اتباع شرنبلالی نے کی ہے، اور بحر میں فتح سے ہے کہ حق یہ ہے کہ ہر جانب سے خبر کے آنے اور تواتر سے اس کے ثبوت کا اعتبار ہے اھ اور نہر میں ہے کہ یہ اسی کے موافق ہے جس کی تصحیح سراج میں ہے تامل، قولہ بحر نے اسی کو اختیار کیا ہے، عبارتِ بحر یہ ہے ہمارے زمانے میں اس روایت پر عمل ہونا چاہئے، کیونکہ لوگ چاند دیکھنے میں سُستی کرتے ہیں، تو اس سے فقہاء کا ایک شخص کے دیکھنے اور اس کی خبر کو رد کرنے کے متعلق یہ قول کہ کثیر لوگوں کی طلب وتلاش کے باوجود وہاں ایک شخص کو نظر آتا ہے تو اس ایک کی خبر کا غلط ہونا غیر ظاہر ہے، ختم ہو جاتا ہے الخ اھ ملخصا (ت)

مگر راجح یہ ہے کہ جب شاہد میں کوئی خصوصیتِ خالصہ ایسی ہو جس سے اُس کا دیکھنا اور اوروں کو نظر نہ آنا مستبعد نہ رہے، مثلاً عام لوگ شہر میں تھے اس نے جنگل میں دیکھا یا وُہ زمین پر تھے اس نے بلندی پر دیکھا تو در بارہ ہلال رمضان المبارک ایسے ایک کی بھی گواہی مقبول ہوگی جبکہ وُہ شرعًا قابل قبول شہادت ہو،

فی الدرالمختار وصحح فی الاقضیۃ الاکتفاء بواحدان جاء من خارج البلداو	درمختار میں ہے اور الاقضیۃ میں صحیح قرار دیا ہے کہ ایک کی گواہی پر اکتفاء کرلیا جائے

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۸
[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۱

کان علی مکان مرتفع واختارہ ظہیرالدین۔[1]	جب وہ خارج شہر سے آیا ہو یا وُہ کسی بلند جگہ پر ہو اسے ظہیرالدین نے پسند کیا ہے(ت)

صوتِ مستفسرہ میں شاہد بغدادی میں خصوصیت مذکورہ تو بیشک ہے کہ اگر یہ بیان صحیح ہے تو ایک تو آبادی سے دور، دوسرے دریا کہ اُس کی ہوا گرد وغبار ودُخان سے صاف تر ہوتی ہے، پھر کلکتہ کا طول بلد نہر سویز سے اتنا زائد کہ کلکتہ میں پہر بھر رات سے زائد گزر لیتی ہے تو وہاں شام ہوتی ہے، اس مدت میں چاند آفتاب سے اور زیادہ ہٹ آئے گا اور رؤیت آسان تر ہوگی بلکہ یہ وجہ گواہِ امرتسری میں ہے کہ اقل درجہ بہتر ۷۲ میل کے تفاوت طول پر ایسا فرق ممکن ہے: کما اعتمد علیہ التاج التبریزی الشامی عن شرح المنہاج للرملی۔ جیسا کہ اس پر تاج تبریزی شامی نے رملی کی شرح منہاج سے نقل کرتے ہوئے اعتماد کیا ہے(ت) بس یہ دیکھنا رہا گواہ خود بھی مقبول الشہادۃ ہیں یا نہیں، اگر خصوصیت مذکورہ کے ساتھ ایک گواہ بھی مستور الحال تک ہے یعنی اس کے وضع لباس حرفت معیشت کلام وغیرہ سے اُس کا مرتکب کبیرہ یا مصر صغیرہ یا خفیف الحرکات ہونا ظاہر نہیں، نہ کسی دوسرے طریقہ سے اس میں یہ امور معلوم تو از نجا کہ ہلال رمضان مبارک میں مستور کی گواہی بھی مقبول ہے،

کمانص علیہ الامام ابو عبداللہ الحاکم الشہید فی الکافی۔	جیسا کہ اس پر امام ابو عبد اللہ الحاکم شہید نے الکافی میں تصریح کی ہے(ت)

اُس کی شہادت مان کر روزہ جمعہ کی قضاء کی جائے گی مگر جبکہ گواہ کی حالت اور پیر مسطور سے اُس کی شدّت عقیدت پر نظر کرنے سے وہ اس کی بات سچّی بنانے پر متہم ٹھہرتا ہو جیسا کہ آجکل بہت لااُبالی لوگوں کا اپنے ساختہ مشائخ کے ساتھ حال ہے تو البتہ اس کی گواہی نہ سُنی جائے گی کہ تہمت بھی اسباب ردِّ شہادت سے ہے،

فی الدرالمختار امیر کبیرادعی فشہد لہ عمالہ وتوابعہ ورعایا ہم لاتقبل اھ[2] قال العلامۃ الرملی یؤخذ منہ ان شہادۃ خدامہ الملازمین لہ ملازمۃ کملازمۃ العبد لمولاہ کذلک لاتقبل وھو ظاھر	درمختار میں ہے کسی بڑے امیر نے دعوٰی کیا اس کے عمال، نائبین اور رعایا اس پر گواہی دیں تو یہ مقبول نہ ہوگی اھ علامہ رملی کہتے ہیں کہ اس سے متفرع ہوجاتا ہے کہ اس کے خدام ملازمین کی گواہی اسی طرح ہے جیسے غلام کی گواہی اس کے مولٰی کے حق میں ہو تو وہ بھی مقبول

[1] درمختار کتاب الصوم، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۴۸

[2] درمختار باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۴

لا سیمافی زماننا اھ[1] وفیه ایضا اعنی الدرلا تقبل شهادة الا جیرالخاص اوالخادم اوالتابع اوالتلمیذ الخاص الذی یعد ضرر استاذہ ضرر نفسه درر اھ ملتقطا[2] وانت تعلم ان حال کثیر من عوام الزمان مع من شیخوہ علیهم ربما یبلغ اشد واکثر من حال النواب والامیر و المستاجر والاجیرفحیث وجد التهمةعدم القبول والحکم یدور مع علته۔	نہیں اور یہی ظاہر ہے خصوصًا ہمارے زمانے میں اھ اور اسی در میں یہ بھی ہے کہ اجیر خاص یا خادم یا تابع یا وہ شاگرد جو استاد کی تکلیف کو اپنی تکلیف محسوس کرے، کی گواہی مقبول نہیں درر اھ اختصارًا، اور آپ جانتے ہیں کہ اس دور میں عوام کے ان لوگوں کے ساتھ جنہیں یہ اپنے شیخ بناتے ہیں بعض اوقات نواب، امیر اور مستاجر اور اجیر سے زیادہ شدید ہوتے ہیں تو مقامِ تہمت میں گواہی مقبول نہ ہوگی، اور حکم کا وُرُود اس کی علّت پر ہوتا ہے۔(ت)

یُونہی اگر سب گواہ ظاہر الفسق وُہ لوگ کہ جماعت کے پابند نہیں یا ناجائز تماشا دیکھا کرتے یا حرام نوکری یا پیشہ رکھتے یا داڑھی حدِ شرع سے کم رکھواتے یا ریشمیں کپڑے یا سونے چاندی کے ناجائز لباس یا زیور پہنا کرتے یا ضروریات دین سے غافل بے علم جاہل ہیں کہ نماز، روزہ، وضو، غسل کے فرائض وشرائط ومفسدات سے آگاہ نہیں یا تجارت کرتے ہیں اور بیع وشراء کے ضروری احکام نہ سیکھے وعلٰی ھذا القیاس جن مسائل کی ضرورت پڑے اُن کی تعلیم سے باز رہنے والے کہ یہ سب فسّاق مردود الشہادۃ ہیں توایسوں کی گواہی توشرع مطہر میں اصلًا معتبر نہیں،

فی الدرالمختار ،لاتقبل شهادة الجاهل علی العالم لفسقه بترك مایجب تعلمه شرعا ومجازف فی کلامه اویحلف فیه کثیرا او اعتاد شتم اولادہ او غیرهم لانه معصیة کبیرة کترك جماعة وخروج لفرحة قدوم امیرولبس حریر[3] اھ بالتقاط،وفیه سئل القاضی عمایجب علیه من الفرائض فان لم یعرفها	درمختار میں ہے جاہل شخص جو ضروری علم شرعی کے ترک، گپ بازی، زیادہ قسمیں کھانے کی عادت، اپنی اولاد اور غیر کو گالی دینے کی عادت جیسے گناہ کبیرہ، ترک جماعت، کسی حاکم کے آنے کی خوشی منانے اور ریشم پہننے جیسے امور کی وجہ سے فاسق شخص کی شہادت قبول نہ ہوگی اھ اختصارا، اور اسی میں ہے کہ قاضی کا ان چیزوں کے بارے میں امتحان لیا جائے گا جن سے اس کا

[1] بحوالہ منحۃ الخالق علی البحر الرائق باب من تقبل شہادتہ الخ ایچ ایم سعید کراچی ۹۶/۷
[2] درمختار باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۵/۲
[3] درمختار، باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی، ۹۵/۲

ثبت فسقه لما فی المجتبٰی من ترك الاشتغال بالفقة لا تقبل شهادته والمرادمایجب علیه تعلمه منه نهر۔[1]	آگاہ ہونا لازم ہے، اگر وُہ ان سے آگاہ نہ ہُوا تو فاسق ہوگا کیونکہ مجتبی میں ہے کہ جس نے فقہ میں دلچسپی نہ لی اس کی گواہی قبول نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس فقہ کی تعلیم ضروری تھی اگر اسے ترک کردیا تو پھر گواہی مقبول نہ ہوگی، نہر۔ (ت)

پھر جس صُورت میں کہ وُہ گواہی مقبول ہوگی اس کا اثر کلکتہ پر ہوگا، نہ دیگر بلادِ ہند پر جب تک وہاں بھی یہ شہادت و ثبوت بروجہ شرعی نہ پہنچے، خالی خط وکتابت سے کچھ نہیں ہوتا،

فی الدرالمختار یلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤیة اولٰئك بطریق موجب[2] وفی ردالمحتار بطریق موجب کان یتحمل اثنان الشهادة اویشهدا علی حکم القاضی اویستفیض الخبر بخلاف ما اذا اخبرا ان اهل بلدة کذا رأوه لانه حکایة اھ[3] واللّٰه تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اہلِ مشرق پر اہلِ مغرب کی رؤیت کی وجہ سے لزوم ہوگا بشرطیکہ ان کی رؤیت بطریق موجب ثابت ہُوئی ہو۔ ردالمحتار میں طریق موجب کا معنی یوں بیان ہُوا ہے کہ دو آدمی گواہی دیں یا قاضی کے فیصلہ پر گواہ ہوں یا خبر خوب مشہور ہو بخلاف اس صورت کے جب وُہ یہ خبر دیں کہ فلاں شہر کے لوگوں نے چاند دیکھا، کیونکہ یہ حکایت ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۶: ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ اخیر تاریخ رمضان شریف کا روزہ چاند دیکھ کر افطار کرلینا جائز ہے یا نہیں یعنی تیسویں کا چاند اکثر تیسرے پہر سے نظر آتا ہے تو آیا اُسی وقت روزہ کھول لیں یا غروبِ آفتاب کے بعد؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

کسی تاریخ کا روزہ دن سے افطار کرلینا ہرگز جائز نہیں بلکہ حرام قطعی ہے، اللہ تعالٰی نے فرض کیا کہ روزہ رات تک پُورا کرو یعنی جب آفتاب ڈوبے اور دن ختم اور رات شروع ہو اُس وقت کھولو۔

قال اللّٰه تعالٰی ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ ۚ۔[4]	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: پھر روزہ کو شام تک پورا کرو۔ (ت)

[1] درمختار باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۵/۲
[2] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱۴۹/۱
[3] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۱۰۵/۲
[4] القرآن ۱۸۷/۲

در مختار ف میں ہے:

لا عبرۃ برؤیۃ الھلال نھارا مطلقا علی مذھب الامام الصحیح المعتمد، واما علی قول الثانی من انہ ان رأی قبل الزوال فللماضیۃ.[1] فلیس الافطار بمعنی ا نھارالصوم بل لثبوت العید عندہ بذاك ولیس ھذا معنی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطر والرؤیتہ والایوجب الصوم بمجرد رؤیۃ الھلال بعد المغرب وھذا واضح جدا، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔	امام کے صحیح معتمد مذہب کے مطابق ہر حال میں دن کو چاند دیکھنے کا کوئی اعتبار نہیں، مگر امام ثانی (ابویوسف) کے قول پر ہے کہ اگر زوال سے پہلے دیکھا تو یہ گزشتہ رات کا ہوگا تو اب افطار کا یہ معنٰی نہیں کہ یہ دن کے روزے کا افطار ہے بلکہ اس سے امام ثانی کے نزدیک ثبوت عید ہورہا ہے کیونکہ گزشتہ رات کا چاند ہے تو عید کی وجہ سے افطار ہے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فرمان مبارک "چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو" کا معنی یہ نہیں کہ جب دیکھو تو افطار کرو ورنہ یہ لازم آئے گا کہ مغرب کے بعد محض چاند دیکھنے سے اُسی وقت روزہ لازم ہوجائے اور یہ نہایت ہی واضح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۱۹۷:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نسبت رؤیت ہلال ماہ رمضان المبارک ہندوستان میں اختلاف ہے بذریعہ اخبار ودیگر تحریر معلوم ہُوا کہ کلکتہ ودیگر جا میں رؤیت بروز دوشنبہ اور روزہ بروز سہ شنبہ ہوا ودیگر بلاد وامصار میں رؤیت بروز سہ شنبہ اور روزہ بروز چہار شنبہ اور بعض جا روز پنجشنبہ ہوا، پس اب فتوی علماء کا کیا ہے، آیا بحالت عدم رؤیت ہلال شوال کے روزہ رمضان چار شنبہ آئندہ کو ختم کرکے پنجشنبہ کو عید کی جائے یا بروز چہار شنبہ عید ہو؟ **بینوا توجروا**

ف: درمختار میں جو عبارت ملی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: "ورؤیتہ بالنھار للیلۃ الاتیۃ مطلقا علی المذھب ذکرہ الحدادی، واختلاف المطالع ورؤیتہ نھارًا قبل الزوال او بعدہ غیر معتبر علی ظاھر المذھب۔" درمختار میں لاعبرۃ الخ کے الفاظ نہیں ہیں۔ **نذیر احمد سعیدی**

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

الجواب:

واللہ الموفق المصدق والصواب (اللہ تعالٰی ہی صدق و ثواب کی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔ت) شارع علیہ الصلٰوۃ والتسلیم نے صوم و فطر کو منوط برؤیت فرمایا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطر والرؤیتہ[1] کمافی الصحاح۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔ جیسا کہ احادیثِ صحاح میں ہے (ت)

پس ہر شہر اور اس کی رؤیت اور اسی پر ابتنائے عدت، مجرد اخبارات و خطوط، صالح تعویل واعتماد نہیں نہ صرف شہرت افواہ (کہ فلاں بلد میں فلاں روز چاند ہُوا جیسے بعض خبریں شہر میں مشتہر ہو جاتی ہیں اور اُن کا اشاعت کنندہ معلوم نہیں) قابلِ اعتبار، ہاں اگر کسی شہر جماعات متعددہ آئیں اور ہر ایک بیان کرے کہ فلاں روز وہاں رؤیت ہُوئی تو بیشک اس خبر مستفیض پر عمل واجب ہوگا اگرچہ ان دو بقاع میں بعد المشرقین ہو کہ مذہبِ معتمد پر اختلاف مطالع غیر معتبر ہے۔

| قال العلامۃ المفتی عمدۃ المتاخرین محمد بن علی بن محمد علاء الدین الحصکفی رحمہ اللہ تعالٰی فی الدرالمختار شرح تنویر الابصار، نعم لو استفاض الخبر فی البلدۃ الاخری لزمھم علی الصحیح من المذھب مجتبٰی وغیرہ انتھی وفیہ ایضا ان اختلاف المطالع غیرمعتبر علی ظاھر المذھب وعلیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتوی بحر عن الخلاصۃ فیلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئك بطریق موجب کمامر وقال الزیلعی الاشبہ انہ یعتبر لکن قال الکمال، الاخذبظاھر الروایۃ | عمدۃ المتاخرین علامہ مفتی محمد بن علی بن محمد علاء الدین الحصکفی رحمہ اللہ تعالٰی نے درمختار شرح تنویرالابصار میں فرمایا: ہاں اگر ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر میں خبر مشہور کے طور پر ہو جائے تو ان پر صحیح مذہب کے مطابق روزہ رکھنا لازم ہو جائیگا مجتبٰی وغیرہ انتہی، اور اسی میں ہے کہ اختلافِ مطالع ظاہر مذہب کے مطابق معتبر نہیں، اسے بحر نے خلاصہ سے نقل کیا ہے، پس اہلِ مشرق پر اہلِ مغرب کی رؤیت سے روزہ یا افطار لازم ہوگا بشرطیکہ اہلِ مشرق کے ہاں یہ بات بطریق موجب ثابت ہو جیسا کہ سابق میں گزرا۔ امام زیلعی نے فرمایا مشابہ بحق یہ ہے کہ (اختلاف مطالع) معتبر ہے لیکن امام کمال |

[1] صحیح بخاری باب اذارایتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

احوط[1] انتھی(ملخصا) **قلت** وقد ذکروا ان الفتوی اٰکد من الاشبه وان الفتوی متی اختلف رجح ظاھر الروایة[2] کما فی البحر والدرر و غیرھما. وفی حاشیة ردالمحتار للفاضل السیّد محمد امین ابن عابدین الشامی رحمه الله عن الشیخ مصطفی الرحمتی الانصاری رحمه الله. ان معنی الاستفاضة ان تاتی من تلك البلدة جماعات متعددون کل منھم یخبر عن اھل تلك البلدة انھم صاموا عن رؤیة، لا مجرد الشیوع من غیر یتحدث بھا سائراھل البلدة ولایعلم من اشاعه کما قد تشیع اخبار یتحدث بھا سائر اھل البلدة ولایعلم من اشاعھا کما ورد ان فی اٰخر الزمان یجلس الشیطان بین الجماعة فیتکلم بالکلمة فیتحدثون بھا ویقولون لاندری من قالھا فمثل ھذالاینبغی ان یسمع فضلا من ان یثبت به حکم اھ (قال الشامی) **قلت** وھو کلام حسن ویشیر الیه قول الذخیرة اذااستفاض وتحقق فان التحقق لایوجد بمجرد الشیوع انتھی۔[3]

کہتے ہیں کہ ظاہر الروایۃ پر عمل احوط ہے انتہی (ملخصًا)
قلت فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ لفظ فتوٰی لفظ اشبہ سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے اور جب فتوٰی میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایۃ کو ترجیح حاصل ہوگی جیسا کہ بحر، درر وغیرہ میں ہے،
فاضل سیّد محمد امین ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالٰی نے شیخ مصطفٰی رحمتی انصاری رحمہ اللہ تعالٰی سے اپنے حاشیہ ردالمحتار میں نقل کیا ہے، مشہور ہونے کا معنٰی یہ ہے کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور وہ تمام اس بات کی اطلاع دیں کہ وہاں لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے محض ایسی افواہ سے نہیں جس کے پھیلانے والا معلوم نہ ہو، جیسا کہ کبھی کبھی بعض خبریں شہروں میں پھیل جاتی ہیں اور ان کے پھیلانے والا معلوم نہیں ہوتا، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آخری دور میں شیطان جماعت کے درمیان بیٹھ کر کوئی بات کرے گا تو لوگ اسے بیان کریں گے اور کہیں گے ہم نہیں جانتے اس کا قائل کون ہے، توایسی باتیں سُننا ہی مناسب نہیں چہ جائیکہ ان سے کوئی حکم ثابت کیا جائے اھ امام شامی کہتے ہیں **قلت** یہ تمام گفتگو نہایت ہی خوب ہے اور ذخیرہ کی یہ عبارت بھی اسی طرف اشارہ کررہی ہے جب خبر مشہور اور متحقق ہوجائے، کیونکہ تحقق محض شہرت اور پھیل جانے سے نہیں ہوتا انتہی (ت)

---
[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹
[2] بحرالرائق، کتاب الرضاع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۲۲۲
[3] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفٰی البابی مصر ۲/۱۰۲

پس ہر شہر میں اپنی رؤیت، خواہ غیر شہر کی شرعًا معتبر خبر پر، جو پہلی رمضان کی قرار پائے اسی پر بنائے کار رکھیں اور روزہ متروک ہوجانا ثابت ہو تو بعد رمضان قضا کریں اُسی یکم کے اعتبار سے شمار ثلثین کامل کرکے عید کرلیں لیکن اگر اکتیسویں شب کو باوجود صفائیِ مطلع چاند نظر نہ آئے اور ابتدائے صیام صرف ایک شاہد کی شہادت پر کی گئی ہو تو اس صورت میں تیس کے بعد عید حضرت امام اعظم وامام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما ناروافرماتے ہیں کہ کذب اُس شاہد واحد کاظاہر وہیں ہوگیا اور یہی مذہب و مرجح،

هذا ماتحرر لنا من اقوال متشتة وكلمات متشوشة، ولنذكرطرفا من كلام الشامی فی هذا المقام ليستبين لك ما لخصته عن المرام.قال العلامة الشارح رحمه الله فی الدروبعد صوم ثلثين بقول عدلين حل الفطر وبقول عدل حيث يجوز وغم هلال الفطر لا يحل على المذهب خلا فالمحمد كذا ذكره المصنف لكن نقل ابن الكمال عن الذخيرة ان غم هلال الفطر حل اتفاقا وفی الزيلعی الاشبه ان غم حل والا لا[1] انتهى مختصرا.قال الفاضل المحشی قوله حل الفطر ای اتفاقا ان كانت ليلة الحادی والثلثين متغيمة وكذا لومصحية على ماصححه فی الدراية والخلاصة والبزازية وصححه عدمه فی مجموع النوازل والسيد الامام الاجل نا صرالدين	یہ وہ تمام گفتگو تھی جو متفرق اقوال اور تشویش میں ڈالنے والے کلمات سے اخذ کی گئی، یہاں امام شامی کی کچھ گفتگو نقل کرنا نہایت ہی مناسب ہے تاکہ وہ مقصد واضح ہوجائے جس کی خاطر میں نے یہ خلاصۃً گفتگو نقل کی ہے، علامہ شارح رحمہ اللہ تعالٰی نے در میں فرمایا جبکہ دو عادلوں کے قول سے روزہ رکھا ہو تو تیس دن کے بعد افطار حلال ہے یعنی جائز ہے اور حال یہ ہو کہ عید کے چاند کے دن ابر ہو، تو افطار حلال نہیں صحیح مذہب پر ،اس میں امام محمد کا اختلاف ہے جیسا کہ مصنّف نے ذکر کیا ہے لیکن ابن کمال نے ذخیرہ سے نقل کیا ہے کہ اگر عید کے چاند کے دن بادل وغیرہ ہو تو بالاتفاق افطار حلال یعنی جائز ہے، زیلعی میں ہے اگر چاند بادل وغیرہ کی وجہ سے دکھائی نہ دے تو عید حلال ہے ورنہ نہیں انتہی اختصارًا۔ فاضل محشّی نے کہا قولہ حل الفطر یعنی اگر اکتیسویں رات ابر آلود ہو تو بالاتفاق عید جائز ہوگی، اور درایہ ، خلاصہ اور بزازیہ کی تصحیح کے مطابق اگر مطلع صاف ہو تب بھی یہی حکم ہے، مجموع النوازل میں اور السّید امام اجل ناصر الدین نے

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

كما فى الامداد نقل العلامة نوح. الاتفاق على حل الفطرفى الثانية ايضا عن البدائع والسراج و الجوهرة قال والمراد اتفاق ائمتنا الثلثة وما حكى فيه من الخلاف انما هو لبعض المشائخ قلت وفى الفيض.الفتوى على حل الفطرالخ[1] ثم قال قوله لكن الخ استدراك على ماذكره المصنّف من ان خلاف محمد فيما اذاغم هلال الفطر بأن المصرح به فى الذخيرة وكذافى المعراج عن المجتبٰى ان حل الفطر هنا محل وفاق وانما الخلاف فيما اذا لم يغم ولم يرالهلال فعندهما لايحل الفطروعند محمد يحل قال شمس الائمة الحلوانى وحرره الشرنبلالى فى الامداد قال فى غاية البيان وجه قول محمد وهو الاصح ان الفطر ما ثبت بقول الواحد ابتداء بل بناءً وتبعًا الخ [2]ثم قال قوله وفى الزيلعى الخ نقله لبيان فائدة لم تعلم من كلام الذخيرة وهى ترجيح عدم الفطر ان لم يغم شوال لظهور غلط الشاهد لانه الاشبه من الفاظ الترجيح لكنه مخالف لما علمته من تصحيح غاية البيان

اس کے بر خلاف تصحیح کی ہے جیسا کہ امداد میں ہے، اور علامہ نوح نے بدائع، سراج اور جوھرہ سے نقل کیا ہے کہ دُوسری صورت میں بھی بالاتفاق عید جائز ہوگی، اور کہا کہ یہاں اتفاق سے مراد ہمارے تینوں ائمہ کا اتفاق ہے اور اس سلسلہ میں اختلاف جو منقول ہے تو وُہ بعض مشائخ کا ہے قلت فیض میں ہے فتوٰی عید کے جواز پر ہے الخ پھر کہا قوله لكن الخ یہ استدراک ہے اس پر جو مصنف نے کہا کہ جب موسم ابر آلود ہو تو ہلال فطر کے بارے میں امام محمد کا اختلاف ہے۔ اسی طرح ذخیرہ میں اور معراج میں مجتبٰی سے تصریح ہے کہ افطار کی حلت بالاتفاق ہے اور اختلاف اسی صورت میں ہے جب موسم ابر آلود نہ ہو اور چاند دکھائی نہ دے تو اب شیخین کے نزدیک عید جائز نہیں اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے، جیسا کہ شمس الائمہ حلوانی نے بیان کیا اور شرنبلالی نے امداد میں نقل کیا کہ غایۃ البیان میں کہا ہے کہ امام محمد کے قول کی دلیل اور وہی اصح ہے کہ افطار ایک شخص کے قول سے ابتداءً ثابت نہیں ہوتا بلکہ تبعًا اور بناءً ثابت ہوا ہے الخ پھر فرمایا قوله وفى الزيلعى الخ یہ اس فائدہ کے لیے منقول ہے جو کلامِ ذخیرہ سے نہ جانا گیا اور وُہ یہ ہے کہ اگر شوال ابر آلود نہ ہو تو عدمِ افطار کو ترجیح ہوگی اس لیے کہ اس سے گواہ کا غلط ہونا واضح ہوگا کیونکہ یہ لفظ اشبہ الفاظِ ترجیح میں سے ہے لیکن یہ اس کے مخالف ہے جو آپ غایۃ البیان

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفٰی البابی مصر ۲/۱۰۳-۱۰۲
[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفٰی البابی مصر ۲/۱۰۳

لقول محمد بالحل، نعم حمل فی الامداد مافی غایة البیان علی قول محمد بالحل اذا غم شوال بناء علی تحقق الخلاف الذی نقله المصنف وقد علمت عدمه وح فمافی غایة البیان فی غیر محله لانه ترجیح لما ھو متفق علیه[1] تامل انتہی ملتقطا فعلیك بتلطیف القریحة فی ھذاالباب کیلا تغفل فیستزلك الاضطراب، واللّٰه تعالٰی اعلم بالصواب والیه تعالٰی المرجع والمآب۔	کی تصحیح میں جان چکے ہیں جو امام محمد کے قول بالحل (جواز) سے متعلق تھی، ہاں امدادیہ میں غایۃ البیان کی عبارت کو امام محمد کے قول بالحل (جواز) پر محمول کیا جائے گا جبکہ شوال کا چاند ابر آلود ہو، اس بناپر جواختلاف مصنف نے نقل کیا ہے حالانکہ آپ نے جان لیا اختلاف نہیں، اب جو کچھ غایۃ البیان میں ہے وُہ بے محل ہے کیونکہ یہ تو متفق علیہ کو ترجیح دینا ہے، غور کرو انتہی ملتقطا اس معاملہ میں خوب باریک بینی سے کام لو تاکہ غفلت دُور ہو اور اضطراب ختم ہوجائے، واللّٰه تعالٰی اعلم بالصواب والیه تعالٰی المرجع والمآب۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۸: ۱۲ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ مولوی سیّد شجاعت علی صاحب از شہر کہنہ بریلی

ماقولھم رضی اللّٰه تعالٰی عنھم اجمعین (اللہ تعالٰی تم سے راضی ہو تمہارا قول کیا ہے۔ت) اس مسئلہ میں کہ غیر معتبر ہونا **اختلاف المطالع** کا جو اس عبارت تنویرالابصار سے ظاہر ہے **واختلاف المطالع غیر معتبر علی المذھب فیلزم اھل المشرق برؤیة اھل المغرب** (مطالع کا اختلاف ہمارے مذہب میں معتبر نہیں ہے تو اہلِ مغرب کی رؤیت سے اہلِ مشرق پر حکم لازم ہوگا۔ت) عام ہے، شامل ہے حج واضحیہ کو، یا خاص بصوم یا بہ فطر ہے اور نیز یلزم کی ضمیر کا مرجع ثبوت ہلال عام ہے، شامل ہر حج واضحیہ کو یا صوم یا فطرہ سے خاص ہے، عام سمجھنا اس کو صواب ہے یا خطا، ایک شہر میں عید الاضحیٰ سہ شنبہ کو ہُوئی بموجب رؤیت ہلال وہاں کی، اور دوسرے شہر میں چہار شنبہ کو ہُوئی بموجب رؤیت ہلال یہاں کی، اب قربانی کرنا دوسرے شہر والوں کو جمعہ کے آخر تک کہ وہ یومِ رابع قربانی کا ہے باعتبار رؤیۃ اول کے، اور یومِ ثالث قربانی کا ہے باعتبار ثانی کے، جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا بسند الکتاب توجروا بیوم الحساب** (کتاب کی سند کے ساتھ بیان کیجئے اور روزِ حساب اجر پایئے۔ت) **فقط**

الجواب:

علّامہ سیّد حلبی وعلّامہ سیّد طحطاوی وعلامہ سیّد شامی محشیان درمختار علیہم رحمۃ اللہ العزیز الغفار نے ضمیر

[1] درمختار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۳

یلزم کا مرجع ہلال صوم وفطر کو قرار دیا،

وھذا عبارۃ الشامی قولہ فیلزم فاعلہ ضمیر یعود الی ثبوت الھلال ای ہلال الصوم اوالفطر۔[1]	شامی کی عبارت یہ ہے قولہ فیلزم فاعلہ، یہ ضمیر ثبوت ہلال کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی رمضان یا عید کا چاند۔(ت)

اس قدر چنداں قابلِ انکار نہیں، نہ حج واضحیہ سے نفی لزوم میں نص، ہاں علّامہ شامی نے تصریح فرمائی کہ کلماتِ ائمہ کرام سے حج میں اختلاف مطالع کا معتبر ہونا مفہوم اور استظہار کیا کہ اضحیہ میں یہی معتبر ہونا چاہئے اس تقدیر پر اہلِ عید چار شنبہ کو جمعہ تک قربانی جائز ہوگی اگرچہ منگل والوں کے نزدیک وُہ روزِ چہارم ہو جبکہ مطالع بلدین کا مختلف ہونا وہاں کی رؤیت کو یہاں لازم نہ کرے۔ ردالمحتار میں ہے:

تنبیہ: یفھم من کلامھم فی کتاب الحج ان اختلاف المطالع فیہ معتبر فلا یلزمھم شئی لوظھر انہ رؤی فی بلدۃ اخرٰی قبلھم بیوم. وھل یقال کذلك فی حق الاضحیۃ لغیرالحجاج لم ارہ. والظاھر نعم لان اختلاف المطالع انمالم یعتبر فی الصوم لتعلقہ بمطلق الرؤیۃ وھذا بخلاف الاضحیۃ فالظاھر انھا کاوقات الصلٰوۃ یلزم کل قوم العمل بماعند ھم فتجزی الاضحیۃ فی الیوم الثالث عشروان کان علٰی رؤیا غیرھم ھو الرابع عشر۔[2]	تنبیہ: کتاب الحج میں فقہا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلافِ مطالع کا حج میں اعتبار ہے تو ان حجاج پر کوئی شئی لازم نہ ہوگی، جب یہ ظاہر ہو جائے کہ دوسرے شہر میں چاند ان سے ایک دن پہلے دیکھا گیا ہے، کیا حجاج کے علاوہ قربانی کے حق میں بھی یہی حکم ہوگا؟ یہ مسئلہ میرے مطالعہ میں نہیں آیا، ہاں ظاہرًا یہی حکم معلوم ہوتا ہے کیونکہ اختلافِ مطالع کا اعتبار صوم (روزہ) اس لیے نہیں کیا جاتا کہ اس کا تعلق مطلق رؤیت سے ہے۔ بخلاف قربانی کے، تو اس میں ظاہر یہی ہے کہ یہ اوقاتِ نماز کی طرح ہے، ہر قوم پر ان کے اپنے وقت میں نماز لازم ہوگی تو تیسرے دن کی قربانی کفایت کر جائے گی اگرچہ دوسروں کے اعتبار سے وہ چوتھا دن ہو۔(ت)

اُن کے خیال کا منشایہ ہے کہ طلاق، صلٰوۃ، زکٰوۃ، صوم، نکاح، عتق، ایمان، سیر، بیع، اجارہ، شفعہ، میراث وغیرہا تمام ابوابِ فقہ میں اختلافِ مطالع بلاشبہ معتبر ہے، ہلالِ صوم وفطر میں **اصح التصحیحین**

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفٰی البابی مصر ۲/۱۰۵

[2] ردالمحتار کتاب الصوم، مصطفی البابی مصر، ۲/۱۰۵

پر اُس کا نہ ماننا بر بنائے ورود نص ہے کہ:

صوموا الرؤیته وافطروا الرؤیته۔[1]	چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر افطار کرو۔(ت)

مگر یہ علّامہ ممدوح رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا اپنا خیال ہے جس پر انہوں نے کوئی نقل معتمد پیش نہ کی، نہ کلماتِ علماء اُس کی مساعدت کریں، مسئلہ حج کی بناء، دفعِ حرج شدید پر ہے نہ کہ اختلافِ مطالع پر اور یہاں عدمِ ورودِ نص ماننا بھی صحیح نہیں، خاص در بارہ ذی الحجہ بھی حدیث صریح صحیح سے رؤیت پر تعلیق ثابت ہے اور ظاہر سیاق کلام ماتن و شارح رحمہما اللہ تعالٰی رجوع ضمیر مطلق ثبوت ہلال کی طرف جس میں ذی الحجہ بھی داخل ہے، نظمِ عبارت یہ ہے:

وھلال الاضحٰی وبقیۃالاشھر التسعۃکالفطر علی المذھب ورؤیته بالنھار للیلۃ الاٰتیۃ مطلقاعلی المذھب ذکرہ الحدادی، واختلاف المطالع ورؤیته نھارا قبل الزوال اوبعدہ غیرمعتبر علٰی ظاھر المذھب، وعلیه اکثر المشائخ وعلیه الفتوی بحر عن الخلاصۃ فیلزم اھل المشرق الخ[2]	عید الاضحٰی اور باقی نوماہ کا چاند صحیح مذہب پر عیدالفطر کی طرح ہے، جو چاند دن کو نظر آئے ہر حال میں صحیح مذہب پر آنے والی رات کا شمار ہوگا، اسے حدادی نے ذکر کیا، ظاہر مذہب کے مطابق اختلافِ مطالع اور دن کو زوال سے پہلے یا بعد چاند کا نظر آنا غیر معتبر ہے اکثر مشائخ اسی پر ہیں اور اسی پر فتوی ہے، بحر عن الخلاصۃ، لہٰذا مشرق پر لازم ہوگا الخ(ت)

وہ یہاں احکامِ عامہ کے بیان میں ہیں علی الخصوص اس تصریح کے بعد ذی الحجہ وغیرہ کہ سب مہینوں کے ہلال کا وہی حکم ہے جو رمضان و فطر کے تو عندالتحقیق اگر دوسری جگہ کی رؤیت بطریق شرعی ثابت ہوجائے تو اُسی پر عمل واجب ہوگا،

والعبدالضعیف لطف به المولی اللطیف ، یرید ان یأتی بھذاالتحقیق الجلیل الشریف ان شاء اللہ تعالٰی فی تحریر منفصل نفیس۔	عبد ضعیف اپنے مولٰی لطیف کے چاہتا ہے کہ اس پر مستقبل تحریر میں تفصیلاً تحقیق کردے اِن شاء اللہ تعالٰی۔(ت)

ورنہ بے تحقیق باتوں پر اس نظر و بحث کی اصلاً گنجائش نہیں، شرعًا نہ ہر گز خط پر عمل، نہ پرچہ اشتہار کوئی چیز، نہ ایسی مہمل دو ایک تحریروں سے، استفاضہ شرعی حاصل ہوسکے، ایسے طریق کو موجب سمجھ لینا محض خطا و ناواقفی اور ایسے

---

[1] صحیح بخاری باب اذا رأیتم الھلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] درِ مختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

بیہودہ ثبوتوں پر عید کرلینا مسلمانوں کی نماز وقربانی خراب کردینا اور عرفہ کے روزے تڑوانا سخت جرأت وبیباکی ہے در مختار میں ہے:

یلزم اھل المشرق برؤیته اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیة اولٰئك بطریق موجب کمامر۔[1]	اہلِ مشرق پر اہل مغرب کی رؤیت کی بناپر روزہ یا افطار لازم ہوگا بشرطیکہ ان کے ہاں وہ رؤیت بطریق موجب ثابت ہو۔ جیساکہ گزرا۔(ت)

ایسی حالت میں ہم پر باتفاقِ علماء اپنی رؤیت پر عمل واجب ہے اور اُن بے اصل شوشوں کی طرف التفات ہی باطل وذاہب واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۹تا۲۰۰: از شاہجہان پور محمد خلیل غربی ۲۱ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

اوّلاً: مرسلہ محمد اعزاز حسین بعبارت: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شاہجہان پور کے رہنے والے دو شخص ثقہ عادل بمبئی سے آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے خود ۲۹ ذیقعدہ کو بمبئی میں چاند دیکھا تو بمبئی کے آئے ہُوئے لوگوں کی شہادۃ اہلِ شاہجہانپور پر عید الاضحٰی ۲۹ کے حساب سے ہوگی یا نہیں؟ مع حوالہ کتبِ فقہیہ حنفیہّ معتبرہ جواب تحریر فرمایئے **بینوا توجروا**

ثانیًا: مرسلہ مولوی ریاست علی خاں صاحب بعبارتِ: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو شخص کسی دوسرے شہر سے ۲۹ تاریخ کا چاند دیکھ کر آئیں، گو مسافت اُس شہر کی ایک ماہ سے زائد ہو تو گواہی اُن کی درباب رؤیت ہلال عیدالاضحٰی معتبر ہوگی یا نہیں؟ اور اگر معتبر ہوگی تو قول شامی کا کہ:

یفھم من کلامھم فی کتاب الحج ان اختلاف المطالع فیه معتبر فلا یلزمھم شئی لو ظھر انه رأی فی بلدة اخری قبلھم بیوم الخ[2]	کتاب الحج میں فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حج میں اختلافِ مطالع معتبر ہے تو حجاج پر کوئی شئی لازم نہ ہوگی اگر دوسرے شہر میں ایک دن پہلے چاند کا دیکھنا ظاہر ہو جائے الخ (ت)

کیا مطلب ہے، اور یہ قول شامی کا معارض قول مفتی بہ اور ظاہر الروایۃ کے ہے تو ترجیح قول شامی کو دی جائیگی یا مفتی بہ قول کو کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اختلاف مطالع کا مطلقًا اعتبار نہیں ہے گو عیدالاضحٰی کا ہو

---

[1] در مختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۵

اور نیز فتوٰی مولوی عبدالحہ صاحب کا کہ جو مؤید بحدیث ہے اعتبار کیا جائے گا یا ظاہر الروایۃ اور مفتٰی بہ قول کا کیونکہ مولوی عبدالحہ اپنے مجموعہ فتاوٰی میں یہ لکھتے ہیں کہ ایک ماہ یا زائد کی مسافت کی گواہی درباب رؤیتِ ہلال معتبر اور مقبول نہ ہوگی۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جواب سوال اول: ان لوگوں کی شہادت عادلہ مستجمعہ شرائط شرعیہ واجب الاعتبار ہے اور اُس کا خلاف ناجائز، اور شاہجہان پور میں اس کی بناپر ضرور ماہ ذیقعدہ ۲۹ کا ثبوت ہو کر اُس کے حساب سے چہار شنبہ کو **عیدالضحٰی** کرنی لازم ہُوئی اور اسی حساب سے جو بارہویں تھی یعنی روز جمعہ اُسی تک میعاد قربانی رہی جس نے اُس کے بعد شنبہ کو قربانی کی وُہ قربانی نہ ہُوئی کہ مذہب حنفی مین اختلاف مطالع کا اصلا اعتبار نہیں یہی ظاہر الروایۃ ہے اور اسی پر فتوی ہے، اور علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ جو ظاہر الروایۃ سے خارج ہے وہ اصلاً مذہب ائمہ حنفیہ نہیں خصوصًا جب وہی مذیل بفتوٰی ہو کہ اب تو کسی طرح اس سے عدول روا نہیں۔ خلاصہ و بحرالرائق و تنویر الابصار و دُرمختار میں ہے:

واللفظ لهذين ملتقطا هلال الاضحٰی وبقية الاشهر التسعة كالفطر على المذهب واختلاف المطالع غير معتبر على ظاهر المذهب وعليه اكثر المشائخ وعليه الفتوى۔[1] (ملخصًا)	خلاصۃً ان دونوں کتابوں کے الفاظ میں صحیح مذہب پر عید الاضحٰی اور بقیہ نو ماہ کے چاند کا معاملہ عید الفطر کی طرح ہے، اختلافِ مطالع کا ظاہر مذہب کے مطابق اعتبار نہیں، اس پر اکثر مشائخ ہیں، اور اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

صرحوابان ما خرج عن ظاهر الرواية ليس مذهبا لابی حنيفة ولاقولاله۔[2]	فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جو ظاہر الروایۃ سے نکل جائے وہ امام ابو حنیفہ کا نہ مذہب ہوتا ہے نہ قول۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

ما خرج عن ظاهرالرواية فهو مرجوع عنه و المرجوع عنه لم يبق قولاله۔[3]	جو ظاہر الروایۃ سے نکل جائے اس سے رجوع کرلیا گیا ہوتا ہے اور مرجوع عنہ امام صاحب کا قول باقی نہیں رہتا۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ الطباعۃ والنشر بیروت ۱/۵۲

[3] بحرالرائق فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۷۰

ردالمحتار میں ہے:

ما خالف ظاھر الروایۃ لیس مذھبا لاصحابنا۔[1]	جو ظاہر الروایت کے خلاف ہو وہ ہمارے احناف کا مذہب نہیں۔(ت)

درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق الاجماع۔[2]	مرجوح قول پر فتوٰی و فیصلہ جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

کقول محمد مع وجود قول ابی یوسف اذالم یصحح اویقوّوجھہ واولی من ھذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاھرالروایۃ اذا لم یصحح والافتاء بالقول المرجوع عنہ اھ[3] ھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	جیسا کہ امام ابویوسف کے قول کے باوجود امام محمد کے قول پر جس کی تصحیح نہ کی گئی ہو یا اس کی تقویت بیان نہ کی گئی ہو اور اس سے زیادہ باطل وُہ فتوٰی ہوگا جو ظاہر الروایۃ کے خلاف ہو جبکہ اس خلاف کی تصحیح نہ کی گئی ہو، اور وُہ فتوٰی جو مرجوع عنہ ہو اھ ح، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم(ت)

جواب سوال ثانی: صُورت مستفسرہ میں جب وُہ شہادت شرعیہ عادلہ ہو تو ضرور معتبر ہوگی اگرچہ ہلال عید اضحٰی ہو اگرچہ اُن میں مسافت ایک ماہ سے زیادہ ہو، یہی ہمارے ائمہ کا مذہب ہے اور اسی پر فتوٰی اور اس سے عدول باطل و ناروا، علّامہ شامی نور قبرہ السامی نے یہاں ظاہر الروایۃ و قول مفتٰی بہ کا معارضہ نہ چاہا بلکہ براہِ بشریت ایک خطائے فکری سے اُسے مختص بہ ہلال صوم و فطر سمجھا، فقط ہلال اضحٰی کو اُن نصوص سے مخصوص جانا اور یہ لغزشِ نظر تھی کہ اطلاقات بلکہ تنصیصات کتب معتمدہ مذہب کے مقابل اُس کی طرف التفات بھی ناممکن، چہ جائے اعتماد، علامہ ممدوح کا یفھم من کلامھم فرمانا اُسی لغزشِ فکر کے باعث ہے ورنہ وُہ ہرگز ہمارے علماء کے کلام سے مفہوم بلکہ موہوم بھی نہیں اُن کے کلمات عالیات صاف اس مزعوم سے ابا فرمارہے ہیں۔ مولوی لکھنوی صاحب نے نہ صرف اضحٰی بلکہ صوم و فطر سب میں اختلافِ مطالع معتبر ٹھہرایا اور ضرور ظاہر الروایۃ اور مفتٰی بہ کا بالقصد معارضہ کیا اور

---

[1] ردالمحتار کتاب احیاء الموات دارالتراث العربی بیروت ۲۷۸/۵
[2] درمختار خطبہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱۵/۱
[3] ردالمحتار تحت عبارتِ مذکور مصطفی البابی مصر ۵۵/۱

خود اپنی تصریحات کی رُو سے بوجوہ کثیرہ فاحش خطاؤں اور باطل بناؤں سے کام لیا علامہ شامی کی بحث سے جسے وُہ فتوٰی نہیں بتاتے، اور مولوی لکھنوی صاحب کا فتوٰی جس پر وہ جزم واعتماد کررہے ہیں علمِ فقہ وعلمِ حدیث وعلمِ ہیئت تینوں علوم کی رُو سے صریح باطل و محض ناقابل، اور خود ان دونوں حضرات کی دوسری تصریحات کے معارض ومناقض ومقابل ہیں، احادیث کی مخالفت تو دونوں صاحبوں نے یکساں کی ہے اگرچہ اس کا الزام بھی مولوی لکھنوی صاحب پر زائد وقوی ہے کہ علّامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ایک متفقہ مقلد سے زیادہ نہیں بنتے اور فاضل لکھنوی ایک محقق محدّث اہلِ نظر اعتبار، نقّاد ارشادات ائمہ کبار بننا چاہتے ہیں، حتی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے معجزہ عظیمہ سراج الامہ کاشف الغمہ امام الائمہ نائل العلم والایمان من الثریا سیّدنا امام اعظم ہمام اقدم رضی اللہ تعالٰی عنہ ارشاداتِ عالیہ کو محک نقد ونقض وردپر رکھتے ہیں کہ ابوحنیفہ نے یہ کہا اور حق یُوں ہے ابوحنیفہ کے دلائل یہ ہیں اور یہ سب باطل ہیں، ایسے جلیل الشان رفیع المکان محدّث، احادیث وآثار کے محیط وحاوی، فخر بخاری ورشک طحاوی کا احادیث واضحہ مشہورہ معروفہ صحیحہ صریحہ سے مخالف پڑنا ضرور محل عجب ہے۔ فتوائے مولوی صاحب ہرگز مؤید بحدیث بلکہ صریح مخالف احادیث ہے اور اس کی شکایت بھی کُچھ نہیں، بڑے بڑوں پر بھی بدزبانی کی ہے کہ ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے کسی مذہب کو اپنے زعم ناقص میں مخالف حدیث سمجھے اور بعد تنقیح، آفتاب کی طرح روشن ہُوا کہ یہ معترضین خود ہی حدیث نہ سمجھتے تھے، وللہ درمن قال (اور اللہ تعالٰی ہی کے لیے بھلائی ہے، جس نے یہ شعر کہا:

وکم من عائب قولا صحیحا   وآفتہ من الفھم السقیم

بہت سے لوگ صحیح بات کو معیوب قرار دیتے ہیں جبکہ یہ مصیبت کمزور فہم کی وجہ سے آئی ہے۔ت)

اور مبارک فقہ کی مخالفت کا زیادہ حصّہ توانہی فاضل محقق نے لیا۔ علامہ شامی پر اگر یہاں ایک اعتراض ہے تو ان پر چار پھر جیسا کہ ہم اشارہ کرآئے ہیں، اتنی مخالفت باوصف کثرت قصدیہ ہیں، اور علامہ شامی سے ایک مسئلہ کے فہم میں لغزش ہُوئی جس پر انہوں نے بنائے کلام فرمائی تو وہ قاصد موافقت ہیں، نہ مرتکب مخالفت، طرفہ یہ کہ یہ اپنی تصریحوں سے تعارض وتناقض میں بھی، انہی ہمارے محقّق مدقّق معاصر کا پلّہ بھاری ہے اور علمِ ہیئت سے یکسر بیگانگی کا الزام تو صرف انہی پر ہے کہ علامہ شامی کو ان فنون کی جانب التفات نہ تھا اور ہمارے محقق معاصر توہمہ داں ہیں، یہ سب اجمالی بیان بعونہٖ تعالٰی دربارہ اہلہ فقیر کی متفرق تحریرات سے واضح ہیں اور احباب کی خواہش ہُوئی تو فقیر بعون القدیر تفصیل کے لیے حاضر۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۰۱: از گیا محلّہ بارہ قریب مسجد غلام المصطفٰی صاحب

مظہرِ انوار شریعت حضرت مولانا **دامت برکاتکم وفیوضاتکم** بعد سلام باکرام آنکہ ایک مسئلہ جو رمضان

کی تیس تاریخ پیش آیا تھا وہ دریافت طلب ہے امید کہ جواب باصواب زودتر ارسال فرکر سرفراز و ممتاز فرما کر عنداللہ ماجور ہوں، بصورتِ فرصت و مہلت حدیث ماخذ و حوالہ کتاب بھی ارشاد فرماد یجئے گا فقط، زیادہ آفتاب ہدایت تاباں و درخشاں باد۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ میں جس روز رمضان شریف کی تیس ۳۰ تاریخ تھی اُسی روز ایک شہر کے مختار کچہری کے آئے اور اُنہوں نے کہاکہ آج ہم جس شہر سے آئے ہیں وہاں آج عید کی نماز ہوگی، سامان نماز کو ہورہا تھا، آپ لوگ بھی پڑھیے۔ مختار صاحب مذکور کسی عالم کے فرستادہ میں سے نہ تھے اور نہ کسی عالم صاحب کا خط لائے تھے اب قطع نظر امورِ خارجہ کے اور اس بات کے کہ آئندہ کیا متحقق ہوگا، صرف یہ ارشاد ہو کہ اس قصبہ میں ازرُوئے شریعت کے اس روز مختار صاحب موصوف کی خبر معتبر تھی یا نہیں اور مختار صاحب کی خبر کا اعتبار کرکے نمازِ عید کے واسطے فتوی دینا صحیح ہوگا یا نہیں، ارشاد فرما کر عنداللہ ماجور و داخلِ حسنات ہوں اور اس قصبہ کا ہندو تار بابُو خبر دیتا تھا کہ تار آیا ہے آج عید فلاں شہر میں ہوگی، اب تار بابُو کا خبر دینا معتبر تھا یا نہیں؟

الجواب:

در بارہ ہلال خط و تار محض بے اعتبار، اشباہ والنظائر میں ہے: **لا یعتمد علی الخط ولا یعمل بہ**[1] (خط پر نہ تو اعتماد کیا جائے نہ ہی اس پر عمل کیا جائے۔ت) مخبر واحد اور کچہری کے مختار اور وُہ بھی محض حکایت و اخبار کہ دو شاہدِ عدل بھی ایسی حکایت کرتے تو اصلاً معتبر نہ تھی۔ در مختار میں ہے:

شھد وا انہ شھد عند قاضی مصر کذا شاھد ان برؤیۃ الھلال وقضی بہ و وجد استجماع شرائط الدعوی قضی القاضی بشھادتھما لان قضاء القاضی حجۃ وقد شھد وا بہ، لالوشھد وا برؤیۃ غیرھم لانہ حکایۃ۔[2] (ملخصًا)	گواہ کہتے ہیں کہ قاضی مصر کے پاس فلاں دو ۲ گواہوں نے فلاں تاریخ کو چاند دیکھنے پر گواہی دی ہے اور وہاں کہ قاضی نے اس پر فیصلہ کردیا ہے اور شرائطِ دعوی ساری کی ساری پائی گئی ہوں تو اب قاضی کو جائز ہے ان کی گواہی پر فیصلہ کردے کیونکہ قاضی کی قضاء حجّت ہے اور اسی پر وہاں کے گواہوں نے گواہی دی ہے۔ ہاں اگر وُہ دوسروں کی رؤیت پر گواہی دیتے تو قبول نہ ہوتی کیونکہ یہ حکایت ہے (ملخصًا)۔ (ت)

[1] اشباہ والنظائر، کتاب القضاء والشہادات والدعاوی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، ۱/۳۳۸

[2] در مختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

صورتِ مذکورہ میں اہلِ قصبہ کو عید کرنی حرام تھی اگرچہ بعد کو عید ثابت ہی ہوجائے کہ اُنہوں نے قبل ثبوت عید کی اور ارشادِ حدیث صحیح **صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ**[1] (چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو۔ت) کے مخالف ہوئے جس نے بر بنائے مذکور ہذیان تار وحکایت نامختار عید کا فتوٰی دیا سخت حرام ہوا ایسے فتوے پر کبھی عمل نہ کریں، حدیث میں ہے:

اذا وسد الامر الٰی غیراھلہ فانتظر الساعۃ۔[2] واللہ تعالٰی اعلم	جب غیر اہل کو کام سپرد کردیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۲: از مقام سوجت مارواڑ بازار کے اندر مسئولہ شیخ ننے میاں کلاہ فروش داہن منڈی ۲۶ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ سوجت مارواڑ میں ۲۹ شعبان کو چاند نظر نہیں آیا اور شعبان کے تیس روز پُورے کرکے رمضان شریف کے روزے رکھنے شروع کئے، بعد میں کسی وجہ سے دو تین آدمی دہلی گئے، وہاں کے لوگوں نے ۲۹ شعبان کو چاند دیکھنے کے حساب سے روزے رکھے تھے اب وہ شخص اخیر رمضان مبارک میں سوجت واپس آگئے اور کہنے لگے کہ دہلی میں ۲۹ کے حساب سے روزہ رکھنا شروع ہُوا ہے ہم بھی وہاں کے حساب سے عید کرینگے سوجت کے چاند دیکھنے کا خیال نہیں کریں گے، اب سوجت کی ۲۹، اور دوسری جگہ ۳۰ کو کہا کہ کل عید کرینگے تو انہوں نے ضد اور نفسانیت کرکے روزہ نہیں رکھا، اور جن لوگوں نے روزہ رکھا تھا بہکا بہکا کر افطار کردیا اور بعض لوگوں نے کہا کہ بغیر چاند نظر آئے ہم روزہ افطار نہ کریں گے اور ۳۰ دن پُورے کرکے عید کریں گے کیونکہ ہم کو شرع شریف کا یہی حکم ہے اور ایک فتوٰی جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب کا دیکھا گیا تھا جس میں تحریر تھا کہ خطوط اور تار وغیرہ سے روزہ افطار نہیں کرنا چاہئے اور پھر اسی قسم کی ایک حدیث بھی نظر آئی جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت کریب رضی اللہ تعالٰی عنہ ملک شام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس گئے اور رمضان المبارک کا چاند اُن کو نظر آگیا تھا پھر اخیر رمضان شریف کو مدینہ منورہ میں آئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اُن سے وہاں کے حالات دریافت کئے اور یہ بھی دریافت کیا کہ تم نے چاند کو دیکھا تھا اُنہوں نے کہا کہ جمعہ کی رات کو دیکھا تھا، پھر ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا تم نے خود دیکھا تھا، انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے بھی دیکھا تھا اور دوسرے آدمیوں نے بھی دیکھا اور سب نے روزہ رکھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ ہم نے تو ہفتے کی رات چاند دیکھا سو اسی حساب سے ہم روزہ رکھیں گے۔ پھر حضرت کریب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کیا آپ

---

[1] صحیح بخاری باب اذا رایتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] صحیح بخاری کتاب العلم، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴

حضرت معاویہ اور اُن کے روزہ رکھنے پر عمل نہیں کرینگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ نہیں کیونکہ اسی طرح حکم کیا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ اپنے اپنے ملک کی رؤیت لازم آتی ہے دوسرے ملک یا علاقہ والوں پر لازم نہیں ہوتی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جن لوگوں نے روزہ توڑ دیا اور دُوسروں کے روزے قریب آٹھ بجے کے تُڑوادئے بغیر چاند دیکھے، تو اب ۲۹ روزے رکھنے والے کو توبہ کرنا اور روزہ کی قضاء رکھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان غم علیکم فاکملوا عدۃ شعبان ثلثین۔[1]	چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو، اگر موسم ابر آلود ہو تو تم پر تیس ۳۰ دنوں کا پورا کرنا ضروری ہے(ت)

روزہ اور افطار دونوں کی بناء حضور نے رؤیت پر رکھی، تو خود رؤیت ہو یا دوسری جگہ کی رؤیت کا ثبوت شرعی ہو، اگرچہ دونوں جگہ فاصلہ مشرق و مغرب کا ہو، یہی ظاہر الروایۃ ہے اور یہی صحیح و معتمد ہے۔ درمختار وغیرہ میں ہے:

یلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت ذلک عندھم رؤیۃ اولئک بطریق موجب شرعی ۔[2]	اہل مشرق پر اہلِ مغرب کی رؤیت کی بنا پر روزہ افطار لازم ہے بشرطیکہ ان کے ہاں چاند کا ثبوت بطریق موجب شرعی ہو۔(ت)

اس کے ثبوت کے سات ۷ طریقے ہیں جو ہم نے اپنے فتاوٰی میں مفصل بیان کئے، یہ بات کہ ایک دو آدمی گئے اور دوسرے شہر سے خبر لائے کہ وہاں ۲۹ کا چاند ہوا، نہ رؤیت ہے، نہ شہادت ہے، نہ شہادت علی الشہادت، نہ شہادت علی الحکم، غرض کوئی طریقہ شرعیہ نہیں محض حکایت ہے، اور وہ درباره ہلال اصلاً معتبر نہیں کما نص علیہ فی الدر وغیرہ من الاسفار (جیساکہ اس پر در وغیرہ کتب میں تصریح ہے۔ت) اوروں کے روزے تُڑوانے میں یہ مرتکب کبیرہ ہوئے اور وہ روزہ توڑنے والے اور سخت کبیرہ کے مرتکب ہُوئے اور اُن پر قضاء لازم، اور اُن کو دہلی میں اگر کوئی ثبوتِ شرعی بہم نہ پہنچا تھا تو ان کا جُرم اور اشد ہے، اور ان پر بھی قضاء لازم، یہ ایسی صورت کا مطلق حکم ہے مگر اس سال کی نسبت کافی شرعی ثبوتوں سے ۲۹ دن کا ثابت ہوگیا، لہذا قضاء کی حاجت نہیں،

---

[1] صحیح بخاری باب اذا رایتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

البتّہ بلا ثبوت شرعی جو حکم شرع پر جرأت کی اُس سے توبہ کی حاجت مگر جبکہ شعبان ۳۰ کا سمجھ کر روزے رکھے تو یکم رمضان کے روزے کی قضا لازم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ
طرق اثبات الھلال ۱۳۲۰ھ
(اثباتِ چاند کے طریقے)

مسئلہ ۲۰۳: از بڑودہ گجرات باڑہ نواب صاحب مرسلہ نواب سیّد معین الدین حسن خاں بہادر ۲۵ محرم الحرام ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رؤیت ہلال شریعت میں کس طرح ثابت ہوتی ہے؟ بحوالہ کتب مع ترجمہ اردو جواب عطا ہو۔ بینوا توجروا

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:

الحمدللہ الذی جعل الشمس ضیاء و القمر نورا والصلوٰۃ والسلام علی من صار الدین بطلوع ہلالہ بدرا منیرا وعلٰی اٰلہ وصحبہ الکاملین نورا والمکملین تنویرا۔	سب تعریفات اللہ کے لیے جس نے شمس کو ضیاء اور قمر کو نور بنایا، صلوٰۃ وسلام اس ذاتِ اقدس پر جس کی آمد سے دینِ اسلام تمام ادیان میں بدر منیر بن گیا، آپ کے آل واصحاب پر جو نور کے اعتبار سے کامل اور تنویر کے اعتبار سے مکمل ہیں (ت)

ثبوتِ رؤیتِ ہلال کے لیے شرع میں سات ۷ طریقے ہیں:

طریق اوّل: خود شہادتِ رؤیت یعنی چاند دیکھنے والے کی گواہی، ہلال رمضان مبارک کے لیے ایک ہی مسلمان عاقل، بالغ، غیر فاسق کا مجرد بیان کافی ہے کہ میں نے اس رمضان شریف کا ہلال فلاں دن کی شام کو دیکھا اگرچہ کنیز ہو اگرچہ مستور الحال ہو، جس کی عدالت باطنی معلوم نہیں، ظاہر حال پابندِ شرع ہے اگرچہ اس کا یہ بیان مجلسِ قضاء میں نہ ہو، اگرچہ گواہی دیتا ہُوں نہ کہے، نہ دیکھنے کی کیفیت بیان کرے کہ کہاں سے دیکھا کدھر کو تھا کتنا اونچا تھا وغیر ذٰلک۔ یہ اس صورت میں ہے کہ ۲۹ شعبان کو مطلع صاف نہ ہو، چاند کی جگہ ابر یا غبار ہو، اور بحال صفائی مطلع اگر ویسا ایک شخص جنگل سے آیا یا بلند مکان پر تھا تو بھی ایک ہی کا بیان کافی ہو جائے گا، ورنہ دیکھیں گے کہ وہاں کے مسلمان چاند دیکھنے میں کوشش رکھتے ہیں، بکثرت لوگ متوجہ ہوتے ہیں یا کاہل ہیں دیکھنے کی پروانہیں، بے پروائی کی صورت میں کم سے کم دو درکار ہوں گے اگرچہ مستور الحال ہوں، ورنہ ایک جماعتِ عظیم چاہیے کہ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کرے جس کے بیان سے خوب غلبہ ظن حاصل ہو جائے کہ ضرور چاند ہُوا اگرچہ غلام یا کھلے فساق ہوں، اور اگر کثرت حدِ تواتر کو پہنچ جائے کہ عقل اتنے شخصوں کا غلط خبر پر اتفاق محال جانے تو ایسی خبر مسلم وکافر سب کی مقبول ہے۔ **باقی گیارہ ہلالوں** کے واسطے مطلقاً ہر حال میں ضرور ہے کہ دو۲ مرد عادل یا ایک مرد دو۲ عورتیں عادل آزاد جن کا ظاہری و باطنی حال تحقیق ہو کہ پابند شرع ہیں، قاضی شرع کے حضور لفظ اشھد گواہی دیں یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس مہینے کا ہلال فلان دن کی شام کو دیکھا اور جہاں قاضی شرع نہ ہو تو مفتی اسلام اُس کا قائم مقام ہے جبکہ تمام اہلِ شہر سے علمِ فقہ میں زائد ہو اُس کے حضور گواہی دیں اور اگر کہیں قاضی و مفتی کوئی نہ ہو تو مجبوری کو اور مسلمانوں کے سامنے ایسے عادل دو۲ مرد یا ایک مرد دو۲ عورتوں کا بیان بے لفظ اشھد بھی کافی سمجھا جائے گا، ان گیارہ ہلالوں میں ہمیشہ یہی حکم ہے مگر عیدین میں اگر مطلع صاف ہو اور مسلمان رؤیتِ ہلال میں کاہلی نہ کرتے ہوں اور وہ دو۲ گواہ جنگل یا بلندی سے نہ آئے ہوں تو اس صورت میں وہی جماعتِ عظیم درکار ہے، اسی طرح جہاں اور کسی چاند مثلاً ہلالِ محرم کا عام مسلمان پُورا اہتمام کرتے ہوں تو بحالتِ صفائی مطلع جبکہ شاہدین جنگل یا بلندی سے نہ آئیں تو ظاہراً جماعت عظیم ہی چاہیے کہ جس وجہ سے اُس کا ایجاب رمضان و عیدین میں کیا گیا تھا یہاں بھی حاصل ہے۔ در مختار میں ہے:

قیل بلادعوی وبلا لفظ اشھد وحکم و مجلس قضاء، للصوم مع علۃ کغیم وغبار، خبر عدل او مستور لا فاسق اتفاقا ولوقنا او انثی بیّن کیفیۃ الرؤیۃ اولا، علی	ابر و غبار کی حالت میں ہلال رمضان کے لیے ایک عادل یا مستور الحال کی خبر کافی ہے اگرچہ غلام یا عورت ہو رؤیت کی کیفیت بیان کرے خواہ نہ کرے، دعوی یا لفظ اشھد یا حکم یا مجلس قاضی کسی کی شرط نہیں مگر فاسق کا بیان بالاتفاق مردود ہے اور عید

المذہب، وشرط للفطر مع العلۃ العدالۃ و نصاب الشہادۃ ولفظ اشھد ولو کانوا ببلدۃ لاحاکم فیھا، صاموا بقول ثقۃ وافطر وا باخبار عدلین مع العلۃ للضرورۃ، وقیل بلاعلۃ جمع عظیم یقع غلبۃ الظن بخبرھم وعن الامام، یکتفی بشاھدین واختارہ فی البحر وصحح فی الاقضیۃ الاکتفاء بواحد، ان جاء من خارج البلد، او کان علی مکان مرتفع واختارہ ظہیرالدّین، وھلال الاضحی وبقیۃ الاشھر التسعۃ کالفطر علی المذھب اھ[1] مختصرا	کے لیے بحال ناصافی مطلع عدالت کے ساتھ دو مرد یا ایک مرد دو[۲] عورت کی گواہی بلفظ اشھد ضرور ہے اور اگر ایسے شہر میں ہوں جہاں کوئی حاکمِ اسلام نہیں تو بوجہ ضرورت بحال ابر وغبار ایک ثقہ شخص کے بیان پر روزہ رکھیں اور دو عادلوں کی خبر پر عید کرلیں، اور جب ابر و غبار نہ ہو تو ایسی بڑی جماعت کی خبر مقبول ہوگی جس سے ظنِ غالب حاصل ہوجائے اور امام سے مروی ہوا کہ دو[۲] گواہ کافی ہیں اور اسی کو بحر الرائق میں اختیار کیا، اور کتاب الاقضیہ میں فرمایا صحیح یہ ہے کہ ایک بھی کافی ہے اگر جنگل سے آئے یا بلند مکان پر تھا اور اسی کو امام ظہیرالدین نے اختیار فرمایا اور ذی الحجہ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا وہی حکم ہے جو ہلالِ عید الفطر کا۔ اھ مختصرًا

ردالمحتار میں ہے:

شرط القبول عند عدم علۃ فی السماء لھلال الصوم اوالفطر اخبار جمع عظیم لان التفرد من بین الجم الغفیر بالرؤیۃ مع توجھھم طالبین لما توجہ ھو الیہ مع فرض عدم المانع ظاھر فی غلطہ، بحر، ولا یشترط فیھم العدالۃ، امداد ولا الحریۃ قھستانی،[2] قولہ واختارہ فی البحر حیث قال ینبغی العمل علی ھذہ الروایۃ فی زماننا لان الناس تکاسلت عن ترائی الاھلۃ فانتفی قولھم مع توجھھم طالبین و	جب آسمان صاف ہو تو ہلالِ روزہ وعید کے قبول کو جماعتِ عظیم کی خبر شرط ہے اس لیے کہ بڑی جماعت کہ وُہ بھی چاند دیکھنے میں مصروف تھی اُس میں صرف دو ایک شخص کو نظر آنا حالانکہ مطلع صاف ہے ان دو ایک کی خطا میں ظاہر ہے، ایسا ہی بحر الرائق میں ہے اور جماعت عظیم میں عدالت شرط نہیں، ایسا ہی امداد الفتاح میں ہے، نہ آزادی شرط ہے ایسا ہی قہستانی میں ہے، اور بحر الرائق میں فرمایا کہ جب لوگ چاند دیکھنے میں کاہلی کریں تو اس روایت پر عمل چاہئے کہ دو گواہ کافی ہیں کہ اب وُہ وجہ نہ رہی "کہ سب چاند دیکھنے میں مصروف تھے اور مطلع صاف تھا تو فقط انہی دو[۲] کو نظر آنا"

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹۔۱۴۸
[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۰

ظاہر الولوالجیة والظھیریة یدل علی ان ظاہر الروایة ھو اشتراط العدد والعدد یصدق باثنین اھ وفی زماننا مشاھد من تکاسل الناس فلیس فی شھادة الاثنین تفرد من بین الجم الغفیر حتی یظھر غلط الشاھد، فانتفت علة ظاھر الروایة فتعین الافتاء بالروایة الاخری،[1] وفی کافی الحاکم الذی ھو جمع کلام محمد فی کتبه ظاہر الروایة وتقبل شھادة المسلم و المسلمة عدلا کان اوغیر عدل بعد ان یشھد انه رأی خارج المصر اوانه رأہ فی المصر وفی المصر علة تمنع العامة من التساوی فی رؤیته اھ ولا منا فاة بینھما لان اشتراط الجمع العظیم اذاکان الشاھد من المصر فی مکان غیرمرتفعِ، فالثانیة مقیدة لاطلاق الاولی بدلیل ان الاولی علل فیھا ردالشھادة بان التفرد ظاہر فی الغلط وعلی مافی الثانیة لم توجد علة الردولھذا قال فی المحیط فلایکون تفردہ بالرؤیة خلاف الظاہرالخ[2] قوله وبقیة الشھر التسعة لا یقبل فیھا الاشھادة رجلین اورجل وامرأتین عدول احرار غیر محدو دین کما فی سائر الاحکام، بحر عن شرح

بعید از قیاس ہے، اور ولوالجیہ وظہیریہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظاہر الروایۃ میں صرف تعدد گوہان کی شرط ہے اور تعدد دو ۲ سے بھی ہوگیا انتہی اور ہمارے زمانے میں لوگوں کا کسل آنکھوں دیکھا ہے تو دو ۲ کی گواہی کو یہ نہ کہیں گے کہ جمہور کے خلاف انہی کو کیسے نظر آگیا جس سے گواہ کی غلطی ظاہر ہو تو ظاہر الروایۃ کی وجہ نہ رہی تو اس دوسری روایت پر فتوی دینا لازم ہُوا اور کافی حاکم جس میں امام محمد کا تمام کلام، کتب ظاہر الروایۃ کا جمع فرمادیا ہے یُوں ہے کہ رمضان میں ایک مسلمان مرد یا عورت عادل یا مستورالحال کی گواہی مقبول ہے جبکہ یہ گواہی دے کہ اس نے جنگل میں دیکھا یا شہر میں دیکھا اور کوئی سبب ایسا تھا جس کے باعث اوروں کو نظر نہ آیا انتہی اور ان دونوں روایتوں میں منافات نہیں اس لیے کہ جماعت عظیم کی شرط وہاں ہے کہ گواہ شہر میں غیر مکان بلند پر ہو تو یہ پچھلی روایت اُس پہلی کے اطلاق کی قید بتاتی ہے اور اس پر دلیل یہ کہ پہلی میں ایک کی گواہی نہ ماننے کی وجہ یہ فرمائی کہ تنہا اُس کا دیکھنا غلطی میں ظاہر ہے اور اُس پچھلی صورت یعنی جبکہ وُہ جنگل میں یا بلند مکان پر تھا وہ رَد کی وجہ نہ پائی گئی اس لیے محیط میں فرمایا کہ اس حالت میں تنہا اُس کا دیکھنا خلاف ظاہر نہ ہوگا الخ اور باقی نو مہینوں میں مقبول نہ ہوگی مگر گواہی دو ۲ مردوں یا ایک مرد دو عورتوں عادل آزاد کی جن پر حدِ قذف نہ لگ چکی ہو جیسے باقی تمام معاملات میں۔ اسی طرح

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۱
[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۱

مختصر الطحاوی للامام الاسبیجابی والظاھر انه فی الاھلة التسعة لافرق بین الغیم والصحو فی قبول الرجلین لفقد العلة الموجبة لاشتراط الجمع الکثیر وھی توجه الکل طالبین ویؤیدہ قوله کمافی سائر الاحکام اھ[1] ملتقطا۔

بحر الرائق میں امام اسبیجابی شرح مختصر طحاوی سے ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ان نو چاندوں میں صفائی وعدم صفائی مطلع کا کچھ فرق نہیں ہر حال میں دو۲ کی گواہی قبول ہوگی کہ وہ وجہ جو وہاں شرط جماعت عظیم کی باعث تھی کہ سب ہلال کو تلاش کرتے ہیں یہاں موجود نہیں کہ ان نو مہینوں کا چاند عام لوگ تلاش نہیں کرتے ہیں، اور اس کی تائید کرتا ہے امام اسبیجابی کاوُہ فرمانا کہ اُن میں وُہ درکار ہے جو باقی تمام معاملات میں اھ ملتقطا

حدیقہ ندیہ میں ہے:

اذا خلاالزمان من سلطان ذی کفایة فالامور مؤکلة الی العلماء ویلزم الامة الرجوع الیھم و یصیرون ولاة فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائه فان کثروا فالمتبع اعلمھم فان استووا اقرع بینھم۔[2]

جب زمانہ ایسے سلطان سے خالی ہو جو معاملاتِ شرعیہ میں کفایت کرسکے تو شرعی سب کام علماء کو سپرد ہونگے اور مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ اپنے ہر معاملہ شرعیہ میں اُن کی طرف رجوع کریں وُہ علماء ہی قاضی وحاکم سمجھے جائیں گے، پھر اگر سب مسلمانوں کاایک عالم پر اتفاق مشکل ہو تو ہر ضلع کے لوگ اپنے علماء کااتباع کریں گے، اگر ضلع میں عالم کثیر ہوں توجو سب میں زیادہ احکامِ شریعت کا علم رکھتا ہے اُس کی پیروی ہوگی، اور اگر علم میں برابر ہوں توان میں قرعہ ڈالیں ۱۲منہ غفرلہ،

طریق دوم: شہادۃ علی الشہادۃ یعنی گواہوں نے چاند خود نہ دیکھا بلکہ دیکھنے والوں نے ان کے سامنے گواہی دی اور اپنی گواہی پر انہیں گواہ کیا، اُنہوں نے اُس گواہی کی گواہی دی، یہ وہاں ہے کہ گواہاں اصل حاضری سے معذور ہوں اور اس کاطریقہ یہ ہے کہ گواہ اصل گواہ سے کہے میری اس گواہی پر گواہ ہوجا کہ میں گواہی دیتا ہوں میں نے ماہ فلاں سنہ فلاں کاہلال فلاں دن کی شام کو دیکھا۔ گواہانِ فرع یہاں آکریُوں شہادت دیں کہ میں گواہی دیتاہُوں کہ فلاں بن فلاں نے مجھے اپنی اس گواہی پر گواہ کیا کہ فلاں بن فلاں مذکور نے ماہ فلاں سنہ فلاں کاہلال فلاں دن کی شام کو دیکھا اور فلاں بن فلاں مذکور نے مجھ سے کہا کہ میری اس گواہی پر گواہ ہوجا، پھر اصل شہادت رؤیت میں اختلافِ احوال کے ساتھ جو احکام گزرے ان کا لحاظ ضرور ہے، مثلاً ماہِ رمضان میں مطلع صاف تھا

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۳

[2] الحدیقۃ الندیہ، النوع الثالث من انواع العلوم الثلاثۃ، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد، ۱/ ۳۵۱

تو صرف ایک کی گواہی مسموع نہ ہونی چاہئے جب تک جنگل میں یا بلند مکان پر دیکھانہ بیان کرے ورنہ ایک کی شہادت اور اس کی شہادت پر بھی صرف ایک ہی شاہد اگرچہ کنیز مستورۃ الحال ہو بس ہے، اور باقی مہینوں میں یہ تو ہمیشہ ضرور ہے کہ ہر گواہ کی گواہی پر دو۲ مرد یا ایک مرد دو عورت عادل گواہ ہوں اگرچہ یہی دو مرد اُن دو اصل میں ہر ایک کے شاہد ہوں مثلاً جہاں عیدین میں صرف دو۲ عادلوں کی گواہی مقبول ہے زید و عمرو دو۲ عادلوں نے چاند دیکھا اور ہر ایک نے اپنی شہادت پر بکر و خالد دو مرد عادل کو گواہ کردیا کہ یہاں آکر بکر اور خالد ہر ایک نے زید و عمرو دونوں کی گواہی پر گواہی دی کافی ہے یہ ضرور نہیں کہ ہر گواہ کے جُدا جُدا دو۲ گواہ ہوں، اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک اصل خود آکر گواہی دے اور دوسرا گواہ اپنی گواہی پر دو گواہ جداگانہ کر بھیجے، ہاں یہ جائز نہیں کہ ایک گواہ اصل کے دو۲ گواہ ہوں اور انہیں دونوں میں سے ایک خود اپنی شہادت ذاتی بھی دے۔ درمختار میں ہے:

الشهادة على الشهادة مقبولة وان كثرت استحسانا فی كل حق، على الصحيح، الافی حد وقود بشرط تعذر حضور الاصل بمرض اوسفر و اكتفى الثانی بغيبته بحيث يتعذران يبيت باهله واستحسنه غير واحد، وفی القهستانی والسراجية وعليه الفتوٰی واقره المصنف اوكون المرأة مخدرة لاتخالط الرجال وان خرجت لحاجة وحمام،قنية، عندالشهادة عند القاضی قيد للكل، وبشرط شهادة عددنصاب ولو رجلا وامرأتين عن كل اصل، ولوامرأة، لاتغاير فرعی هذاوذاك، وكيفيتها ان يقول الاصل مخاطبا للفرع ولوابنه، بحر، اشهد على شهادتی انی اشهد بكذا ويقول الفرع اشهد ان فلانا اشهد نی على شهادته بكذا وقال لی اشهد علٰی شهادتی	گواہی مقبول ہے اگرچہ یکے بعد دیگرے کتنے ہی درجے تک پہنچے مثلاً گواہانِ اصل نے زید و عمرو کو گواہ بنایا انہوں نے اپنی اس شہادت علی الشادت پر بکر و خالد کو گواہ کردیا خالد نے اپنی اس شہادت علی الشادت پر سعید و حمید کو شاہد بنالیا وعلٰی ھذاالقیاس) اور مذہب صحیح پر یہ امر حدود و قصاص کے سوا ہر حق میں جائز ہے اس شرط سے کہ جس وقت قاضی کے حضور ادائے شہادت ہُوئی اُس وقت وہاں اصل گواہ کا آنا مرض یا سفر یا زن پردہ نشین ہونے کے باعث متعذر ہو اور امام ابی یوسف کے نزدیک تین منزل دُور ہونا ضرور نہیں بلکہ اتنی دُوری کافی ہے کہ گواہی دے کر رات کو اپنے گھر نہ پہنچ سکے بکثرت مشائخ نے اس قول کو پسند کیا اور قہستانی و سراجیہ میں ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے۔ مصنّف نے اسے مسلّم رکھا اور عورت کی پردہ نشینی یہ کہ مردوں کے مجمع سے بچتی ہو اگرچہ اپنی کسی ضرورت کے لیے باہر نکلے یا حمام جائے، ایسا ہی قنیہ میں ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ ہر اصل

بذٰلك اھ[1] مختصرا۔	گواہ اگرچہ عورت کی گواہی پر پورا نصاب شہادۃ ہو یعنی دو مرد یا ایک مرد دو۲ عورتیں گواہی دیں، ہاں یہ ضرور نہیں کہ ہر گواہ اصل کے دو دو جُدا گانہ گواہوں اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ گواہِ اصل گواہِ فرع سے اگرچہ وہ اس کا بیٹا ہو خطاب کرکے کہے تو میری اس گواہی پر گواہ ہوجا کہ میں یہ گواہی دیتا ہُوں اور گواہِ فرع یُوں ادائے شہادت کرے کہ میں گواہی دیتا ہُوں کہ فلاں نے مجھے اپنی گواہی پر گواہ کیا اور مجھ سے کہا کہ میری اس گواہی پر گواہ ہوجا۔اھ مختصرًا۔

اُسی کے بیان ہلال رمضان میں ہے:

وتقبل شهادة واحد علٰی اٰخر كعبد وانثی ولو علٰی مثلها۔[2]	ایک کی گواہی دوسرے پر مثلاً غلام یا عورت کی شہادت اگرچہ اپنی ہی جیسے پر ہلالِ رمضان میں مقبول ہے جبکہ ایک کی گواہی وہاں مسموع ہونے کے قابل ہو جیسے بحالت ناصافی مطلع۔

ردالمحتار میں ہے:

لو شهدا علٰی شهادة رجل واحد هما يشهد بنفسه ايضالم يجز كذا فی المحيط السرخسی فتاوی الهندية ولو شهد واحد علٰی شهادة نفسه واٰخران علی شهادة غيره يصح وصرح به فی البزازية اھ[3] مختصرا	اگر دو گواہوں نے ایک مرد کی شہادت پر شہادت کی اور اُن میں ایک خود بذاتہ گواہ ہے تو یہ جائز نہیں، ایسا ہی فتاوٰی عالمگیری میں محیط امام سرخسی سے ہے اور اگر ایک نے خود گواہی دی اور دوسرے دو۲ نے اور شخص کی شہادت پر شہادت ادا کی تو یہ درست ہے، بزازیہ میں اس کی تصریح ہے ۱۲

فتاوٰی عٰلمگیریہ میں ذخیرہ سے ہے:

ينبغی ان يذكر الفرع اسم الشاهد الاصل واسم ابيه وجدّه حتی لوترك ذلك فالقاضی لا يقبل شهادتهما كذا فی الذخيرة۔[4]	گواہِ فرع کو چاہئے کہ گواہ اصل اور اس کے باپ اور دادا سب کا نام ذکر کرے یہاں تک کہ اسے چھوڑدے گا تو حاکم اس کی گواہی قبول نہ کرے گا کذا فی الذخیرہ۔۱۲

---

[1] دُرمختار باب الشہادت علی الشہادت مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۰
[2] دُرمختار، کتاب الصّوم، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۱۴۸
[3] ردالمحتار باب الشہادت علی الشہادۃ مصطفٰی البابی مصر ۴/ ۴۳۷
[4] فتاوٰی ہندیۃ الباب الحادی عشر فی الشہادۃ علی الشہادۃ نورانی کتب خانہ پشاور، ۳/ ۵۲۴

شھادۃ علی الشھادۃ میں یہ بھی ضرور ہے کہ اُسکے مطابق حکم ہونے تک، گواہانِ اصل بھی اہلیتِ شہادت پر باقی رہیں اور شہادت کی تکذیب نہ کریں مثلاً گواہانِ فرع نے ابھی گواہی نہ دی یا دی اور اس پر ہنوز حکم نہ ہوا تھا کہ گواہان اصل سے کوئی گواہ اندھا یا گونگا یا مجنون یا معاذاللہ مرتد ہوگیا یا کہا کہ میں نے ان گواہوں کو اپنی شہادت کا گواہ نہ کیا تھا یا غلطی سے گواہ کردیا تھا تو یہ شہادت باطل ہوجائے گی۔ درمختار میں ہے:

تبطل شھادۃ الفروع بخروج اصلہ عن اھلیتھا کخرس وعمی، وبانکار اصلہ الشھادۃ کقولھم مالنا شھادۃ اولم نشھد اواشھد ناھم وغلطنا اھ مختصرا[1]	اصل شاہد کے اہلیت سے نکل جانے کے سبب سے فروع کی شہادت باطل ہوجاتی ہے مثلاً شاہد گونگا یا نابینا ہوگیا یا اصل شاہد شہادت سے انکاری ہو، مثلاً اصول یُوں کہیں ہم گواہ نہیں یا ہم نے ان کو گواہ نہیں کیا یا ہم نے ان کو گواہ کیا اور غلط کہا۔(ت)

طریق سوم: شھادۃ علی القضاء یعنی دوسرے کسی اسلامی شہر میں حاکم اسلام قاضیِ شرع کے حضور رؤیت ہلال پر شہادتیں گزریں اور اُس نے ثبوتِ ہلال کا حکم دیا، دو۲ شاہدانِ عادل اس گواہی وحکم کے وقت حاضر دارالقضاء تھے، انہوں نے یہاں حاکم اسلام قاضیِ شرع یا وُہ نہ ہو تو مفتی کے حضور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں ہمارے سامنے فلاں شہر کے فلاں حاکم کے حضور فلاں ہلال کی نسبت فلاں دن کی شام کو ہونے کی گواہیاں گزریں اور حاکم موصوف نے اُن گواہیوں پر ثبوت ہلال مذکور شام فلاں روز کا حکم دیا، فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے:

لوشھدوان قاضی بلد کذا شھد عندہ اثنان برؤیۃ الھلال فی لیلۃ کذاوقضی بشھادتھما جاز لھذاالقاضی ان یحکم بشھادتھما لان قضاء القاضی حجۃ وقد شھدوا بہ۔[2]	اگر گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں شہر کے فلاں قاضی کے پاس فلاں رات میں چاند دیکھنے پر دو۲ آدمیوں نے گواہی دی تو قاضی ان کی شہادت پر فیصلہ دے دیا ہے تو اس قاضی کے لیے ان دونوں کی شہادت کی وجہ سے فیصلہ دینا جائز ہے کیونکہ قضائے قاضی حجت ہے اور انہوں نے اس پر گواہی دی ہے۔(ت)

اسی طرح فتاوٰی قاضیخاں وفتاوٰی خلاصہ وغیرھما میں ہے۔

قلت وقیدہ فی التنویر تبعًا للذ خیرۃ عن مجموع النوازل باستجماع شرائط	**قلت** تنویر میں ذخیرہ کی اتباع کرتے ہوئے مجموع النوازل کے حوالے سے نقل کرتے ہُوئے یہ قید لگائی کہ دعوی

[1] درمختار باب الشہادۃ علی الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۰
[2] فتح القدیر کتاب الصوم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۴۳

الدعوی و وجهه العلامة الشامی بتوجیهین، لنا فی کل منهما کلام حققناہ فیما علیه علقناہ فراجعه ثمه فانه من الفوائد المهمة۔	کے تمام شرائط کا پایا جانا ضروری ہے اور علامہ شامی نے اس کی دو[2] توجیہات بیان کی ہیں ان میں سے ہر ایک پر ہمیں کلام ہے، اس کی پوری تفصیل ہم نے حاشیہ ردالمحتار میں بیان کردی ہے وہاں سے ملاحظہ کریں وُہ نہایت ہی اہم ہے (ت)

طریق چہارم: کتاب القاضی الی القاضی یعنی قاضیِ شرع جسے سلطانِ اسلام نے فصلِ مقدمات کے لئے مقرر کیا ہو اس کے سامنے شرعی گواہی گزری اُس نے دوسرے شہر کے قاضیِ شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادتِ شرعیہ قائم ہُوئی اور اُس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام و نشان پُورا لکھا جس سے امتیاز کافی واقع ہو اور وُہ خط دو[2] گواہانِ عادل کے سپرد کیا کہ یہ میرا خط قاضیِ فلاں شہر کے نام ہے وُہ باحتیاط اس قاضی کے پاس لائے اور شہادت ادا کی آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی فلاں شہر نے ہم کو دیا اور ہمیں گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے اب یہ قاضی اگر اُس شہادت کو اپنے مذہب کے مطابق ثبوت کے لیے کافی سمجھے تو اس پر عمل کرسکتا ہے (اور بہتر یہ ہے کہ قاضی کاتب خط لکھ کر ان گواہوں کو سُنادے یا اس کا مضمون بتادے اور خط بند کرکے اُن کے سامنے سربمہر کردے، اور اولیٰ یہ کہ اُس کا مضمون ایک کُھلے ہُوئے پرچے پر الگ لکھ کر بھی ان شہود کو دے دے کہ اُسے یاد کرتے رہیں یہ آکر مضمون پر بھی گواہی دیں کہ خط میں یہ لکھا ہے اور سربمہر خط اس قاضی کے حوالہ کریں یہ زیادہ احتیاط کے لیے ہے ورنہ خیر اُسی قدر کافی ہے کہ دو[2] مردوں یا ایک مرد دو[2] عورتیں عادل کو خط سپرد کرکے گواہ کرلے اور وُہ باحتیاط یہاں لاکر شہادت دیں) بغیر اس کے اگر خط ڈاک میں ڈال دیا یا اپنے آدمی کے ہاتھ بھیج دیا تو ہرگز مقبول نہیں اگرچہ وُہ خط اُسی قاضی کا معلوم ہوتا ہو اور اس پر اس کی اور اس کے محکمہ قضا کی مہر بھی لگی ہو (اور یہ بھی ضرور ہے کہ جب تک یہ خط قاضی مکتوب الیہ کو پہنچے اور وہ اُسے پڑھ لے اُس وقت تک کاتب زندہ رہے اور معزول نہ ہو ورنہ اگر خط پڑھے جانے سے پہلے مرگیا یا برخاست ہوگیا تو اس پر عمل نہ ہوگا اور بحالتِ زندگی یہ بھی ضرور ہے کہ جب تک مکتوب الیہ اس خط کے مطابق حکم نہ کرلے اُس وقت تک کاتب عہدہ قضا کا اہل رہے ورنہ اگر حکم سے پہلے کاتب مثلاً مجنوں یا مرتد یا اندھا ہوگیا تو بھی خط بیکار ہوجائے گا۔ درمختار میں ہے:

القاضی یکتب الی القاضی بحکمه وان لم یکن الخصم حاضر الم یحکم وکتب الشهادة لیحکم المکتوب الیه بها علی رائه وقرأالکتاب علیهم اوا علمهم به	ایک قاضی دوسرے قاضی کی طرف حکم نامہ لکھے، اگر خصم حاضر نہ ہو تو قاضی فیصلہ نہ کرے اور گواہی لکھ لے تاکہ قاضی مکتوب الیہ گواہی کے ذریعے اپنی رائے کے مطابق فیصلہ صادر کردے اور قاضی کاتب خط مذکور کو شہود پر

وختم عندهم وسلم اليهم بعد كتابة عنوانه وهوان يكتب فيه اسمه واسم المكتوب اليه وشهر تهماواكتفى الثانى بان يشهد هم انه كتابه وعليه الفتوى، ويبطل الكتاب بموت الكاتب وعزله قبل القرأة وبجنون الكاتب وردته وحده لقذف وعمائه،لخروجه عن الاهلية وكذابموت المكتوب اليه لخروجه عن الاهلية الااذاعمم ولايقبل كتاب القاضى من محكم بل من قاض مولى من قبل الامام (ملخصًا)۔[1]	پڑھے یاانہیں اس کے مضمون سے آگاہ کردے، پھر خط پر پتایُوں تحریر کرے کہ اپنااور مکتوب الیہ کانام اور دونوں کی شہرت یعنی وہ لفظ یالقب ضرور لکھے جس سے وُہ مشہور ہوں۔ اور امام ابویوسف نے اس پر اکتفاء کیاہے کہ قاضی کاتب شاہدوں کو صرف اس پر گواہ کرلے کہ وہ اس کاخط ہے۔ فتوٰی اسی قول پر ہے۔اور خط پڑھے جانے سے قبل قاضی کاتب کی موت اور اس کی معزولی کے سبب باطل ہوجاتاہے۔اسی طرح قاضی کاتب کے مجنون، مرتد، محدود فی القذف اور نابینا ہوجانے پر بسبب نکل جانے اہلیت قضا سے خط باطل ہوجاتاہے،یونہی مکتوب الیہ قاضی کی موت سے سبب نکل جانے اہلیت قضاء سے خط باطل ہو جائے گامگر اس صورت میں مکتوب الیہ قاضی کی موت سے خط باطل نہیں ہوتا جب کاتب قاضی تعمیم کردے مثلاًیوں کہ جو وہاں کا قاضی ہو یہ خط اس کی طرف ہے،اور خط حکم کی طرف سے مقبول نہیں بلکہ اس قاضی کی طرف سے مقبول ہے جو سلطان کی طرف سے معین ہو (ملخصًا) (ت)

درر وغرر میں ہے:

لایقبله ایضاً الابشهادة رجلين او رجل و امرأتين لان الكتاب قد يزوراذ الخط يشبه الخط والخاتم يشبه الخاتم فلا يثبت الابحجة تامة۔[2]	تحریر مقبول نہ ہوگی مگر دو۲ مردوں کی گواہی یاایک مرداور خواتین کی گواہی کے بعد، کیونکہ تحریر میں جعلسازی ہوجاتی ہے اور تحریر دوسری تحریر کی مشابہ ہوسکتی ہے اسی طرح مُہر دوسری مُہر کے مشابہ ہوسکتی ہے لہٰذا حجت کاملہ کے بغیر تحریر کا ثبوت نہ ہوگا۔(ت)

طریق پنجم: استفاضہ یعنی جس اسلامی شہر میں حاکم شرع قاضیِ اسلام ہو کہ احکامِ ہلال اُسی کے یہاں سے صادر ہوتے ہیں اور خود عالم اور ان احکام میں علم پر عامل و قائم یا کسی عالمِ دین محقق معتمد پر اعتماد کاملتزم و

---

[1] درمختار باب کتاب القاضی الی القاضی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۴۔۸۳

[2] درر غرر، باب کتاب القاضی الی القاضی، مطبعہ احمد کامل الکائنہ دار صادر بیروت، ۲/ ۴۱۴

ملازم ہے یا جہاں قاضیِ شرع نہیں تو مفتیِ اسلام مرجع عوام ومتبع الاحکام ہو کہ احکامِ روزہ وعیدین اُسی کے فتوے سے نفاذ پاتے ہیں عوام کالانعام بطور خود عید و رمضان نہیں ٹھہرالیتے وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب یک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بربنائے رؤیت روزہ ہُوا یا عید کی گئی مجرد بازادی افواہ خبر اُڑ گئی اور قائل کا پتا نہیں۔پُوچھے تو یہی جواب ملتا ہے کہ سُنا ہے یالوگ کہتے ہیں، یا بہت پتا چلا تو کسی مجہول کا انتہادرجہ، منتہائے سند دو ایک شخصوں کے محض حکایت کہ اُنہوں نے بیان کیا اور شدہ شدہ شائع ہو گئی، ایسی خبر ہر گز استفاضہ نہیں بلالکہ خود وہاں کی آئی ہُوئی متعدد جماعتیں درکار ہیں جو بالاتفاق وُہ خبر دیں، یہ خبر اگرچہ نہ خود اپنی رؤیت کی شہادت ہے نہ کسی شہادت پر شہادت، نہ بالتصریح قضائے قاضی پر شہادت نہ کتاب قاضی پر شہادت، مگر اس مستفیض خبر سے بالیقین یا بہ غلبہ ظن ملتحق بالیقین وہاں رؤیت صوم وعید کا ہونا ثابت ہوگا اور جبکہ وُہ شہر اسلامی اور احکام وحکام کی وہاں پابندی دوامی ہے تو ضرور مظنون ہوگا کہ امر بحکم واقع ہُوا تو اس طریق سے قضائے قاضی کہ حجتِ شرعیہ ہے ثابت ہو جائیگی اور یہیں سے واضح ہُوا کہ تاریک شہر جہاں نہ کوئی قاضیِ شرع نہ مفتیِ اسلام، یا مفتی ہے مگر نااہل جسے خود احکامِ شرع کی تمیز نہیں، جیسے آج کل کے بہت مدعیان خامکار، خصوصًا وہابیہ، خصوصًا غیر مقلدین وغیرہم فجّار، یا بعض سلیم الطبع سنّی ناقص العلم ناتجربہ کار، یا مفتی محقق معتمد عالم مستند ہے مگر عوام خود سر، اس کے منتظر احکام نہیں، پیش خویش اپنے قیاساتِ فاسدہ پر جب چاہیں عید ورمضان قرار دے لیتے ہیں، ایسے شہروں کی شہرت بلکہ تواتر بھی اصلًا قابلِ قبول نہیں کہ اس سے کسی حجتِ شرعیہ کا ثبوت نہ ہُوا، درمختار میں ہے:

شهدوا انه شهد عند قاضی مصر کذا شاهدان برؤیته الهلال وقضی به. قضی القاضی بشهادتهما لان قضاء القاضی حجة وشهدوا به. لالو شهدوا برؤیة غیرهم لانه حکایة نعم لو استفاض الخبر فی البلدة الاخری لزمهم علی الصحیح من المذہب مجتبٰی وغیرہ[1] (ملخصًا)	دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں شہر کے قاضی کے پاس چاند دیکھنے کی فلاں دو گواہوں نے گواہی دی ہے اور قاضی نے اس پر فیصلہ صادر فرمادیا ہے تو ان کی گواہی کی بناپر یہ قاضی بھی فیصلہ دے سکتا ہے کیونکہ قاضی کی قضا حجت ہے اور اس پر وہ گواہ موجود ہیں البتہ اس صورت میں قاضی فیصلہ نہیں دے سکتا جب وُہ صرف غیر رؤیت پر گواہی دیں کیونکہ یہ محض حکایت ہے، ہاں اگر خبر دوسرے شہر میں مشہور ہو جاتی ہو تو پھر صحیح مذہب کے مطابق ان پر روزہ لازم ہو جائے گا، مجتبٰی وغیرہ (ملخصًا) (ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

هذه الاسفاضة ليس فيها شهادة على قضاء قاض ولا على شهادة لكن لما كانت بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بها ان اهل تلك البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها لان البلدة لا تخلو عن حاكم شرعي عادة فلابد من ان يكون صومهم مبنيا على حكم حاكمهم الشرعي فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور الخ[1]	یہ شہرت نہ تو قضاء قاضی پر شہادت ہے اور نہ ہی کسی اور شہادت پر، لیکن یہ خبر متواتر کے درجہ پر فائز ہے اور اس سے یہ ثابت ہوا ہے کہ فلاں شہر کے لوگوں نے اس دن روزہ رکھا تو اس پر عمل لازم ہوگا کیونکہ ہر شہر عادۃً حاکمِ شرعی سے خالی نہیں ہوتا تو اب ان کا روزہ ان کے حاکم شرعی کے حکم کی بنا پر ہی ہوگا گویا وہ شہرت حکمِ قاضی کا منقول ہونا ہے۔الخ (ت)

اُسی میں ہے:

قال الرحمتي معنى الاستفاضة ان تأتي من تلك بلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن رؤية لا مجرد الشيوع من غير علم بمن اشاعه كما قد تشيع اخبار يتحدث بها سائر اهل البلدة ولا يعلم من اشاعها كما ورد. ان في اٰخر الزمان يجلس الشيطان بين الجماعة ويتكلم بالكلمة فيتحدثون بها ويقولون لاندري من قالها فمثل هذا لا ينبغي ان يسمع فضلا من ان يثبت به حكم اھ قلت وهو كلام حسن ويشير اليه قول الذخيرة اذا استفاض وتحقق فان التحقق لا يوجد مجرد الشيوع۔[2]	امام رحمتی نے فرمایا: شہرت کا معنی یہ ہے کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور وُہ تمام یہ اطلاع دیں کہ اس شہر میں لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے محض ایسی افواہ سے نہیں جس کے پھیلانے والا معلوم نہ وہ، جیسا کہ اکثر ہوتا رہتا ہے کہ بہت سی خبریں شہر میں پھیل جاتی ہیں اور ان کے پھیلانے والا معلوم نہیں ہوتا، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آخری زمانے میں شیطان لوگوں کے درمیان آکر بیٹھے گا اور بات کرے گا لوگ اسے بیان کریں گے اور کہیں گے ہم نہیں جانتے یہ بات کس نے کہی، تو ایسی باتیں تو سُننا ہی مناسب نہیں چہ جائیکہ ان سے حکم ثابت کیا جائے اھ قلت یہ کلام بہت اچھا ہے اور اسی کی طرف قولِ ذخیرہ کا اشارہ ہے کہ جب خبر مشہور اور ثابت ہو، کیونکہ ثبوت محض افواہ کی بنا پر نہیں ہوتا۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۲
[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۲

تنبیہ الغافل والوسنان علی احکام ہلالِ رمضان میں ہے:

لما کانت الاستفاضۃ بمنزلۃ الخبر المتواتر وقد ثبت بھا ان اھل تلك البلدۃ صاموا یوم کذا لزم العمل بھا لان المراد بھا بلدۃ فیھا حاکم شرعی الخ[1]	جب چاند نظر آنے کی خبر، خبر متواتر کی طرح مشہور ہو، اور اس سے ثابت ہو جائے کہ فلاں شہر کے لوگوں نے چاند نظر آنے پر روزہ رکھا ہے تو ایسی خبر پر عمل لازم ہوگا کیونکہ اس سے وہ شہر مراد ہوگا جس میں حاکم شرعی ہوگا الخ (ت)

دربارہ استفاضہ یہ تحقیق علامہ شامی کی ہے اور اس تقدیر پر وُہ شرائط ضرور ہیں کہ صوم وعید بر بنائے حکم حاکمِ شرع عالم متبع احکام ہوا کرتا ہو، اور ایک صُورت یہ بھی متصوّر کہ دوسرے شہر سے جماعاتِ کثیرہ آئیں اور سب بالاتفاق بیان کریں کہ وہاں ہمارے سامنے لوگ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کرتے تھے جن کا بیان مورث یقین شرعی تھا ظاہر اس تقدیر پر وہاں کسی ایسے حاکم شرع کا ہونا ضرور نہیں کہ رؤیت فی نفسہا حجتِ شرعیہ ہے۔

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ۔[2]	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔ (ت)

جب جماعت تواتر، جماعت تواتر سے اُن کی رؤیت کی ناقل ہے تو رؤیت بالیقین ثابت ہو گئی اور شہادت کی حاجت نہ رہی کہ اثباتِ احکام میں تواتر بھی قائم مقام شہادت بلکہ اُس سے اقوی ہے کہ شہادت بر خلاف تواتر آئے تو رَد کر دی جائے اور نفی پر تواتر مقبول ہے اور شہادت نامسموع۔ عالمگیریہ میں محیط سے ہے:

ان وجد کلھم غیر ثقات یعتمد علی ذلك بتواتر الاخبار۔[3]	اگر وہ تمام غیر ثقہ ہوں تب بھی تواتر خبر کی بنا پر اعتماد کیا جائے گا۔ (ت)

درمختار میں ہے: شھادۃ النفی المتواتر مقبولۃ۔[4] (نفی متواتر کی گواہی مقبول ہے۔ ت) ردالمحتار میں ہے:

فی النوادر الثانی شھدا علیہ بقول او	نوادر میں امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ دو گواہوں نے

---

[1] تنبیہ الغافل والوسنان رسالہ من رسائل ابن عابدین الرسالۃ التاسعۃ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۵۲

[2] صحیح بخاری باب اذا رأیتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۶

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی الجرح والتعدیل نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۲۹

[4] درمختار باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

فعل، یلزم علیه بذٰلك اجرة او بیع او کتابة اوطلاق اوعتاق او قتل او قصاص فی مکان او زمان اوصفات فبرھن المشھود علیه انه لم یکن ثمه یومئذ لاتقبل لکن قال المحیط فی الحادی والخمسین ان تواتر عند الناس وعلم الکل عدم کونه فی ذلك المکان والزمان لاتسمع الدعوی ویقضی بفراغ الذمة لانه یلزم تکذیب الثابت بالضرورة۔[1]	کسی کے خلاف اس کے قول یا فعل پر گواہی دی تو مکان، وقت اور صفات کو بیان سے مدعا علیہ پر الزام ثابت ہو جائے گا۔ جب یہ گواہی اجارہ، بیع ،کتاب،طلاق، عتاق، قتل اور قصاص سے متعلق ہو، اور اگر مشہود علیہ گواہ قائم کرکے ثابت کرے کہ اس دن وہ وہاں موجود نہ تھا تو پھر گواہی مقبول نہ ہوگی۔ لیکن محیط میں مسئلہ ۵۱ کے تحت کہا کہ اگر لوگوں سے متواترًا ثابت ہو اور ہر کوئی جانتا ہو کہ یہ شخص اس وقت تک اس جگہ موجود نہ تھا تو اب دعوی قابلِ سماعت نہ ہوگا اور اسے بری الذمہ قرار دیا جائے گا ورنہ ثابت بالبداہت کی تکذیب لازم آئیگی (ت)

عقود الدریہ میں فتاوٰی صغیری سے ہے:

البینة اذاقامت علی خلاف المشھور المتواتر لاتقبل وھوان یشتھر ویسمع من قوم کثیر لایتصوراجتماعھم علی الکذب۔[2]	جب مشہور متواتر کے خلاف گواہ قائم ہوں توانکی گواہی مقبول نہیں، مشہور متواتروُہ خبر ہے کہ اتنی کثیر قوم و کثیر لوگوں میں مشہور و مسموع ہو جن کا جُھوٹا ہونا متصور نہ ہوسکتا ہو۔ (ت)

کلامِ علماء مثلًا قول مذکور درمختار کے :لو استفاض الخبر فی البلدة الاخری [3] (اگر دوسرے شہر میں خبر مشہور ہوجائے۔ت) اور قولِ ذخیرہ:

قال شمس الائمة الحلوانی الصحیح من مذھب اصحابنا ان الخبر اذااستفاض وتحقق فیما بین اھل البلدة الاخری یلزمھم حکم ھذہ البلدة اھ[4] وغیر ذٰلک۔	شمس الائمہ حلوائی نے کہا کہ ہمارے احناف کا صحیح مسلک یہ ہے کہ خبر مشہور متحقق ہوجائے تو اس شہر والوں پر بھی وُہ حکم لازم ہوجاتا ہے۔(ت)

---
[1] ردالمحتار باب القبول وعدمہ مصطفی البابی مصر ۴ /۴۳۱
[2] العقود الدریۃ کتاب الشہادۃ و مطالبہ ارگ بازار قندھار ۱/ ۳۶۱
[3] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹
[4] ردالمحتار بحوالہ الذخیرہ کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۲

بلاشبہ اس صورت کو بھی شامل، واللہ تعالٰی اعلم باحکامہ۔

طریق ششم: اکمالِ عدّت یعنی جب ایک مہینہ کے تیس ۳۰ دن کامل ہو جائیں تو ماہِ متصل کا ہلال آپ ہی ثابت ہو جائیگا اگرچہ اس کے لیے رویتِ شہادت حکمِ استفاضہ وغیرہ کچھ نہ ہو کہ مہینہ تیس ۳۰ سے زائد کا نہ ہونا یقینی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فان غم علیکم فاکملوا العدّۃ ثلثین۔[1] رواہ الشیخان عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اگر مطلع ابر آلود ہو تو تیس ۳۰ کی تعداد مکمل کرو۔ اسے بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔(ت)

یہ طریقہ صفائی مطلع کی حالت میں کافی ہے اگرچہ ہلال نظر نہ آئے جبکہ گزشتہ ہلال رؤیت واضحہ یا دو گواہان عادل کی شہادت سے ثابت ہولیا ہو، ہاں اگر ایک گواہ کی شہادت پر ہلالِ رمضان مان لیا اور اُس حساب سے تیس دن آج پُورے ہوگئے اور اب مطلع روشن ہے اور عید کا چاند نظر نہیں آتا تو یہ اکمالِ عدّت کافی نہ ہوگا بلکہ صبح ایک روزہ اور رکھیں کہ اگلے ہلال کا ثبوت حجت تامہ سے نہ تھا اور باوصف صفائیِ مطلع تیس کے بعد بھی چاند نظر نہ آنا صاف گواہ ہے کہ اس گواہ نے غلطی کی اور جبکہ وہ ہلال حجت تامہ دو گواہانِ عادل سے ثابت تھا تو آج بوصف صفائی مطلع نظر نہ آنا اس پر محمول ہوگا کہ ہلال بہت باریک ہے اور کوئی بخار قلیل المقدار خاص اُسی کے سامنے حاجب ہے جسے صفائی عامہ افق کے سبب نظر صفائی مطلع گمان کرتی ہے یا اس کے سوا کوئی اور مانع خفی خلاف معتاد ہے، ہاں اگر آج ابر غبار ہے تو مطلقاً تیس پُورے کرکے عید کرلیں گے اگرچہ ہلالِ رمضان ایک ہی شاہد کی شہادت سے مانا ہو کہ اب اس کی غلطی ظاہر نہ ہُوئی۔ تنویر میں ہے:

بعد صوم ثلثین بقول عدلین حل الفطر وبقول عدل لا۔[2]	دو ۲ عادل گواہوں کی بناپر رمضان کے روزے تیس ہوجانے پر عید الفطر جائز ہے اور ایک عادل کی شہادت پر جائز نہیں (ت)

درمختار میں ہے:

نقل ابن الکمال عن الذخیرۃ انہ ان غم ھلال الفطر حل اتفاقا الخ[3] وتمام تحقیقہ فی ردالمحتار وما علقنا علیہ۔	ابن کمال نے ذخیرہ سے نقل کیا کہ اگر مطلع ابر آلود ہُوا تو عید بالاتفاق جائز الخ (ت) اسکی تمام تفصیل ردالمحتار اور اس پر ہمارے حاشیہ میں ہے (ت)

---

[1] صحیح بخاری باب اذارایتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] تنویرالابصار مع درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[3] درمختار شرح تنویرالابصار، کتاب الصوم، مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

طریق ہفتم: علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی نے توپیں سُننے کو بھی حوالی شہر کے دیہات والوں کے واسطے دلائل ثبوت ہلال سے گنا۔ ظاہر ہے کہ یہاں بھی وہی شرائط مشروط ہوں گے کہ اسلامی شہر میں حاکمِ شرع معتمد کے حکم سے انتیس کی شام کو توپوں کے فائر صرف بحالتِ ثبوت شرعی رؤیت ہلال ہوا کرتے ہوں کسی کے آنے جانے کی سلامی وغیرہ کا اصلاً احتمال نہ ہو ورنہ شہر اگرچہ اسلامی ہو مگر وہاں احکام شرعیہ کی قدر نہیں احکام نہال بے خرد یا نیچری رافضی وغیرہم بد مذہبوں کے حوالے ہیں جنہیں نہ قواعد شرعیہ معلوم نہ اُن کے اتباع کی پرواہ، اپنی رائے ناقص میں جو آیا اس پر حکم لگادیا، توپیں چل گئیں، تو ایسی بے سروپا باتیں کیا قابل لحاظ ہوسکتی ہیں کمالایخفی، پھر جہاں کی توپیں شرعًا قابلِ اعتماد ہوں اُن پر عمل اہلِ دیہات ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عندالتحقیق خاص اس شہر والوں کو بھی اُن پر اعتماد سے مفر نہیں کہ حاکمِ شرع کے حضور شہادتیں گزرنا اُس کا اُن پر حکم نافذ کرنا ہر شخص کہاں دیکھتا سُنتا ہے بحکمِ حاکم اسلام اعلان عام کے لیے ایسی ہی کوئی علامتِ معہودہ معروفہ قائم کی جاتی ہے جیسے توپوں کے فائر یا ڈھنڈورا وغیرہ۔

اقول: یہیں سے ظاہر ہوا کہ ایسے اسلامی شہر میں منادی پر بھی عمل ہوگا حتی کہ اس کی عدالت بھی شرط نہیں جبکہ معلوم ہو کہ بے حکم سلطانی ایسا اعلان نہیں ہوسکتا۔ عالمگیریہ میں ہے:

خبر منادی السلطان مقبول عدلاکان او فاسقا کذافی جواھر الاخلاطی۔[1]	سلطان کے منادی کی خبر مقبول ہوگی خواہ منادی عادل ہو یا فاسق، جیسا کہ جواہر اخلاطی میں ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قلت والظاھر انہ یلزم اھل القری الصوم بسماع المدافع اورؤیۃ القنادیل من المصر لانہ علامۃظاھرۃتفید غلبۃ الظن وغلبۃ الظن حجۃ موجبۃ للعمل کما صرحو بہ،واحتمال کون ذلک لغیررمضان بعید، اذلا یفعل مثل ذلک عادۃ فی لیلۃ الشک الا لثبوت رمضان۔[2]	قلّت اور ظاہری یہی ہے کہ اہلِ دیہات پر شہر سے توپوں کی آواز اور قندیلوں کو دیکھنے سے روزہ لازم ہوجاتا ہے کیونکہ یہ علامت ظاہرہ ہے اس سے غلبہ ظن حاصل ہوتا ہے اور غلبہ ظن، عمل کا موجب ہوتا ہے جیسا کہ فقہا نے اس پر تصریح کی ہے، اور یہ احتمال کہ یہ عمل رمضان کے علاوہ کسی کام کے لیے ہو بعید ہے کیونکہ شک کی رات یہ عمل ثبوت رمضان کے علاوہ کسی اور کام کے لیے عادۃً نہیں ہوتا۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الاول فی العمل بخبر واحد نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۰۹

[2] ردالمحتار، کتاب الصوم، مصطفی البابی مصر ۲/۹۹

منحۃ الخالق میں ہے:

لم یذکروا عندنا العمل بالامارات الظاھرۃ الدالۃ علی ثبوت الشھر کضرب المدافع فی زماننا والظاھر وجوب العمل بھا علی من سمعھا ممن کان غائبا عن المصر کاھل القری ونحوھا کما یجب العمل بھا علی اھل المصر الذین لم یروا الحاکم قبل شھادۃ الشھود وقد ذکر ھذا الفرع الشافعیۃ فصرح ابن حجر فی التحفۃ انہ یثبت بالامارۃ الظاھرۃ الدالۃ التی لاتتخلف عادۃ کرؤیۃ القنادیل المعلقۃ بالمنابر ومخالفۃ جمع فی ذٰلك غیر صحیحۃ اھ[1]	علماء نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ہمارے نزدیک امارات ظاہر مثلاً ہمارے دَور میں توپوں کا چلنا جو ثبوتِ ماہ پر دال ہیں، پر عمل لازم ہے، اور ظاہر یہی ہے کہ اس پر شہر سے غائب، آواز سننے والے پر عمل واجب ہے مثلاً اہلِ دیہات وغیرہ پر جیسا کہ اس پر عمل کرنا ان اہل شہر کیلئے واجب ہے جنہوں نے گواہوں کی گواہی سے پہلے حاکم کو نہ دیکھا ہو، اور یہ جزئیہ شوافع نے بھی بیان کیا ہے ابنِ حجر نے تحفہ میں تصریح کی ہے کہ روزے کا ثبوت ان علاماتِ ظاہرہ سے ہوجاتا ہے جو عادۃً اس موقع پر معروف ہوں مثلاً مناروں پر معلق قنادیلِ روشن کا دیکھنا، اور کہا کہ ایک جماعت نے اس کی مخالفت کی ہے جو صحیح نہیں اھ (ت)

تنبیہ دربارہ ہلال غیر رمضان وشوال: جہاں دوسرے شہر کی رؤیت سے یہاں حکم ثابت کیا جائے جیسے دوم سے پنجم تک چار طریقوں میں اُن کے بارے میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر وُہ دوسرا شہر اس شہر سے اس قدر مغرب کو نہ ہٹا ہو جس کے باعث رؤیت ہلال میں اختلاف پڑسکے جب تو وہ طریقے ہر ہلال میں کام دیں گے ورنہ غیر رمضان و شوال میں معتبر نہ ہوں گے یعنی اگر وہ شہر اس شہر سے اتنا غربی ہے جس کی مقدار بعض علماء نے یہ رکھی ہے کہ بہتر ۷۲ میل یا زیادہ اُس کا طول شرقی اس کے طول شرقی سے کم ہو اور وہاں کی رؤیتِ ہلال ذی الحجہ پر مثلاً شہادت یا شہادت علی الشہادت یا شہادت علی القضا گزری یا کتاب القاضی یا خبر متواتر آئی تو یہاں اس پر عمل نہ ہوگا بلکہ اپنے ہی شہر یا اس کے قریب مواضع یا شرقی بلاد سے اگرچہ کتنے ہی فاصلے پر ہوں ثبوت آنے پر مدار رکھیں گے، اور نہ ملا تو تیس کی گنتی پُوری کریں گے۔ ردالمحتار میں فرمایا:

یفھم من کلامھم فی کتاب الحج ان اختلاف المطالع فیہ معتبر فلا یلزمھم	کتاب الحج میں فقہاء کے کلام سے مفہوم ہے کہ حج میں اختلافِ مطالع کا اعتبار ہے لہٰذا ان حجاج پر

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق، کتاب الصوم قبیل باب یفسد الصوم الخ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷۰

شئی لو ظھر انہ رؤی فی بلدۃ اخری قبلھم بیوم وھل یقال کذٰلك فی حق الاضحیۃ لغیر الحجاج لم ارہ والظاھر نعم لان اختلاف المطالع انما لم یعتبر فی الصوم لتعلقہ بمطلق الرؤیۃ وھذا بخلاف الاضحیۃ فالظاھر انھا کاوقات الصلٰوۃ یلزم کل قوم العمل بماعندھم فتجزئ الاضحیۃ فی الیوم الثالث عشروان کان علٰی رؤیا غیرھم ھو الرابع عشر۔[1]	کوئی شئی لازم نہ ہوگی، اگر یہ ظاہر ہُوا کہ فلاں شہر میں ایک دن پہلے چاند دیکھا گیا، کیایہی بات غیر حجّاج کے لیے قربانی کے بارے میں کہی جاسکتی ہے یا نہیں؟ میرے مطالعہ میں اس کاجواب نہیں آیا لیکن ظاہر یہی ہے کہ معتبر ہے کیونکہ روزہ میں اختلافِ مطالع کا اعتبار اس لیے نہیں کیا جاتا کہ اس کا تعلق مطلق رؤیت سے ہے بخلاف قربانی کے، اس میں ظاہر یہی ہے کہ یہ اوقاتِ نماز کی طرح ہے کہ ہر قوم پر اپنے اپنے وقت کے مطابق لازم ہوگی تو انکی تیرھویں کی قربانی کافی ہوجائے گی اگر چہ غیر کی رؤیت کے مطابق وہ چودھویں ہو۔(ت)

اقول: مگر صحیح اس کے خلاف ہے کلامِ علماء صاف مطلق وعام اور اس تخصیص میں بوجوہ کلام،

فان رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم علل اسقاط اعتبار الحساب بانا امۃ امیۃ لانکتب ولا نحسب۔[2] کما رواہ الشیخان وابوداؤد والنسائی وغیرھم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما، وھذہ العلۃ تعم الاھلۃ وھذا وان کان خلاف القیاس فلا یمتنع الالحاق بہ دلالۃ وان امتنع قیاسا کما قد نص علیہ العلماء ومنھم العلامۃ الشامی فی نفس ھذاالکتاب، ولا شك ان ذا الحجۃ کالفطر سواء بسواء،	رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حساب وکتاب کی اسقاط کی علّت یہ بیان فرمائی کہ ہم امّی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں، جیساکہ بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے اور یہ علّت تمام چاندوں کو شامل ہے اور یہ اگرچہ قیاس کے مخالف ہے لیکن دلالۃً الحاق سے مانع نہیں اگر چہ قیاسًا مانع ہے جیسے کہ اس پر علماء نے تصریح کی ہے اور ان میں سے خود اس کتاب میں امام شامی نے بھی تصریح کی ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ذی الحجہ کا چاند بعینہٖ فطر کے چاند کے مطابق ہے

---
[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۵
[2] صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانکتب ولانحسب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۶، سنن ابی داؤد اول کتاب الصیام مطبع مجتبائی لاہور ۱/ ۳۱۷

وقد قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الفطر یوم یفطر الناس والا ضحی یوم یضحی الناس،[1] اخرجہ الترمذی بسند صحیح عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فطر کم یوم یفطرون و اضحا کم یوم تضحون،[2] رواہ ابوداؤد و البیہقی بسند صحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ فطر کا دن وہی ہے جس دن لوگوں نے افطار کیا اور قربانی اسی دن ہے جس دن لوگوں نے قربانی دی۔ ترمذی نے اسے صحیح سند کے ساتھ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ اور آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے تمھاری فطر کا دن وہ ہے جس میں تم افطار کرو، اور تمہاری اضحٰی کا دن وہ ہے جس میں تم قربانی کرو۔ اسے ابوداؤد اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے (ت)

ثمّ اقول: ھذا کلہ کلام معہ علی تسلیم ان النوط بالرؤیۃ انما ورد فی الصوم والفطر ولیس کذٰلک بل قد ثبت کذٰلک فی الاضحیۃ فقد اخرج ابوداؤد والدارقطنی عن امیر مکّۃ الحارث بن حاطب رضی اللہ تعالٰی عنہ قال عھد الینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ننسك للرؤیۃ فان لم نرہ وشھد شاھدا عدل نسکنا بشھادتھما[3] قال الدارقطنی ھذا اسناد متصل صحیح[4] فانقطع مبنی

ثمّ اقول: (پھر میں کہتا ہوں) یہ تمام کلام اس صُورت میں ہے جب یہ تسلیم ہو کہ رؤیت پر مدار صرف صوم اور فطر کے بارے میں وارد ہے حالانکہ ایسی بات نہیں بلکہ اسی طرح ثبوت تو قربانی میں بھی ہے، امام ابوداؤد اور دار قطنی نے امیر مکہ حضرت حارث بن حاطب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس بارے میں یہ عہد لیا تھا کہ ہم چاند دیکھنے کی بناء پر قربانی کریں اور اگر ہم چاند نہ دیکھ سکیں اور دو۲ عادل آدمی گواہی دے دیں تو ان کی شہادت کی بناء پر قربانی کریں۔ دار قطنی نے فرمایا اسکی سند متصل اور صحیح ہے

---

[1] الجامع للترمذی، باب ماجاء فی الفطر والاضحٰی متی یکون، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۹۹/۱
[2] سنن ابی داؤد کتاب الصیام باب اذا اخطاء القوم الہلال مطبع مجتبائی لاہور ۳۱۸/۱
[3] سنن الدار قطنی باب الشادت علی رؤیۃ الہلال نشر السنۃ ملتان ۱۶۷/۲
[4] سنن الدار قطنی باب الشادت علی رؤیۃ الہلال نشر السنۃ ملتان ۱۶۷/۲

البحث من راسه واستبان الحق ولله الحمد اما ما تمسك به من مسئلة الحج فاقول لاحجة فیها فانهما فیما اری لدفع الحرج العظیم ونظیره مافی التنویروالدر، تبین ان الامام صلی بغیر طهارة تعادالصلٰوة دون الاضحیة لان من العلماء من قال لا یعید الصلٰوة الا الامام وحده فکان للاجتهاد فیه مساغ زیلعی، کمالو شهدوا انه یوم العید فصلو اثم ضحوا ثم بان انه یوم عرفة اجز أتهم الصلٰوة والتضحیة لانه لایمکن التحرز عن مثل هذاالخطاء فیحکم بالجواز صیانة لجمع المسلمین زیلعی اھ[1] ملخصا مصححا، ثم رأیت بحمدالله التصریح به فی اللباب وشرحه بل فی نفس الشرح المتعلق به الدرالمختار حیث قال شهد وابعد الوقوف بوقوفهم بعد وقته، لا تقبل شهادتهم والوقوف صحیح استحسانا حتی الشهود للحرج الشدید الخ[2] فقد ظهر الحق والحمد لله رب العالمین۔

تو بحث کی بنیاد ہی ختم ہوگئی اور حق واضح ہوگیا وللہ الحمد، رہا معاملہ مسئلہ حج سے استدلال، تو میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ میرے خیال کے مطابق حج کا مسئلہ دفع حرج عظیم پر مبنی ہے اور اس کی نظیر تنویر اور در میں ہے کہ اگر واضح ہوگیا کہ امام نے بغیر طہارت کے نماز پڑھائی تو نماز لوٹائی جائے گی نہ کہ قربانی، کیونکہ بعض علماء نے یہ فرمایا کہ نماز کا صرف امام ہی اعادہ کرے، تو اب یہ مسئلہ اجتہادی قرار پایا، زیلعی۔ جیسا کہ گواہوں نے گواہی دی کہ یہ عید کا دن ہے تو لوگوں نے نماز پڑھی پھر قربانی دی، بعد میں واضح ہوا کہ یہ عرفہ کا دن تھا تو ان کی نماز اور قربانی جائز قرار دی جائے کیونکہ ایسی غلطی سے بچنا ممکن نہیں تو مسلمانوں کے اجتماع کے تحفظ کے پیش نظر جواز کا حکم یہی لگایا جائے گا زیلعی اھ ملخصًا مصححا، بحمداللہ پھر میں نے اللباب اور اس کی شرح بلکہ خود شرح درمختار کے مسئلہ سے متعلق درمختار میں تصریح دیکھی کہ اگر گواہوں نے وقوفِ عرفہ کے بعد گواہی دی کہ یہ وقوف وقت کے بعد ہوا ہے تو یہ گواہی مقبول نہ ہوگی اور حاجیوں کا وقوف استحسانًا صحیح ہوگا یہاں تک کہ گواہوں کا وقوف بھی صحیح ہوگا ورنہ حرج شدید لازم آئیگا الخ تو اب حق ظاہر ہوگیا والحمد للہ رب العالمین۔

غرض ثبوت ہلال کے شرعی طریقے یہ ہیں، ان کے سوا جس قدر طُرق لوگوں نے ایجاد کئے محض باطل و مخذول و نا قابلِ قبول ہیں، خیالاتِ عوام کا حصر کیا ہو مگر آج کل جہّال میں غلط طریقے جو زیادہ رائج ہیں وُہ بھی

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲
[2] درمختار باب الهدی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۳

سات ۷ ہیں:

یکم حکایتِ رؤیت: یعنی کچھ لوگ کہیں سے آئے اور خبر دی کہ وہاں فلاں دن چاند دیکھا گیا وہاں کے حساب سے آج تاریخ یہ ہے ظاہر ہے کہ یہ نہ شہادت رؤیت ہے کہ اُنہوں نے خود نہ دیکھا، نہ شہادت علی الشہادت کہ دیکھنے والے ان کے سامنے گواہی دیتے اور انہیں اپنی گواہیوں کا حامل بناتے اور یہ حسبِ قواعدِ شرعیہ یہاں شہادت دیتے بلکہ مجرد حکایت جس کا شرع میں اصلًا اعتبار نہیں اگرچہ یہ لوگ بھی ثقہ معتمد ہوں اور جن کا دیکھنا بیان کریں وُہ بھی ثقہ مستند ہوں نہ کہ جہال، جہال میں تو یہ رائج ہے کہ کوئی آئے، کیسا ہی آئے، کسی کے دیکھنے کی خبر لائے اگرچہ خود اُس کا نام بھی نہ بتائے بلکہ سِرے سے اُس سے واقف ہی نہ ہو، ایسی مہمل خبروں پر اعتماد کرلیتے ہیں۔ فتح القدیر و بحر الرائق و عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

لو شهد جماعة ان اهل بلدة كذا رأوا هلال رمضان قبلكم بيوم فصاموا وهذا اليوم ثلثون بحسابهم ولم يرهؤلاء الهلال لايباح فطر غد ولا تترك التراويح فی هذه الليلة لانهم لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم وانما حكوا رؤية غيرهم۔[1]	اگر کسی جماعت نے گواہی دی کہ فلاں شہر کے لوگوں نے تم سے ایک دن پہلے چاند دیکھا اور انہوں نے روزہ رکھا ہے اور یہ دن اُن کے حساب سے تیسواں بنتا ہو اور ان لوگوں نے چاند نہیں دیکھا تھا تو ان کے لیے آئندہ دن افطار کی اجازت نہیں اور نہ یہ اس رات تراویح چھوڑ سکتے ہیں کیونکہ گواہوں نے نہ تو رؤیت پر گواہی دی اور نہ غیر کی رؤیت پر شہادت دی بلکہ انہوں نے رؤیت غیر کی حکایت کی ہے (ت)

دوم افواہ: شہر میں خبر اُڑ جاتی ہے کہ فلاں جگہ چاند ہُوا، جاہل اسے تواتر و استفاضہ سمجھ لیتے ہیں حالانکہ جس سے پوچھئے سُنی ہُوئی کہتا ہے، ٹھیک پتا کوئی نہیں دیتا، یا منتہائے سند صرف دو ایک شخص ہوتے ہیں اسے استفاضہ سمجھ لینا محض جہالت ہے، اُس کی صورتیں وُہ ہیں جو ہم نے طریق پنجم میں ذکر کیں۔ منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق میں ہے:

اعلم ان ا لامراد بالاستفاضة تواتر الخبر من الواردين من بلدة الثبوت الى بلدة التی لم يثبت بها، لا مجرد الاستفاضة لانها قد تكون مبينة على اخبار رجل واحد مثلا فيشيع الخبر عنه ولا شك ان هذا	واضح ہو کہ شہرت سے مراد چاند ہونے والے شہر سے دوسرے شہر میں آنے والے لوگوں کی خبر کا تواتر ہے محض شہرت کافی نہیں کیونکہ بعض اوقات کسی ایک آدمی کی خبر کی بناء پر مشہور ہوجاتا ہے اور یہ بلاشُبہ کافی نہ ہوگی کیونکہ فقہاء کا قول یہ ہے کہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی فی رؤیۃ الہلال نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۹۹، بحر الرائق کتاب الصوم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۷۰

لایکفی بدلیل قولھم اذااستفاض الخبر وتحقق فان التحقق لایکون الابما ذکرنا۔[1]	جب خبر مشہور اور متحقق ہو کیونکہ تحقق مذکورہ بات کے علاوہ ہو ہی نہیں سکتا۔ (ت)

فقیر کو بارہا تجربہ ہُوا کہ ایسی شہرتیں محض بے سروپا نکلتی ہیں اسی ذی الحجہ میں خبر شائع ہُوئی کہ آنولے میں چاند ہُوا ہے وہاں عامل لوگوں نے دیکھا اور فقیر کے ایک دوست کا خاص نام بھی لیا گیا، وُہ آئے اور خود اپنی رؤیت اور وہاں سب کا دیکھنا بیان کرتے تھے، فقیر نے اُن کے پاس ایک معتمد کو بھیجا وہاں سے جواب ملا کہ یہاں ابر غلیظ تھا نہ میں نے دیکھا نہ کسی اور نے دیکھا، پھر خبر اُڑی کہ شاہجہان پور میں تو ایک ایک شخص نے دیکھا فقیر نے وہاں بھی ایک معتمد ثقہ کو اپنے ایک دوست عالم کے پاس بھیجا انہوں نے فرمایا اس کا حال میں آپ کو مشاہدہ کرائے دیتا ہوں، اُن کا ہاتھ پکڑ کر شہر میں گشت کیا، دروازہ دروازہ دریافت کرتے پھرتے عید کب ہے، کہا جمعہ کی، کہا کیا چاند دیکھا، کہا کہ دیکھا تو نہیں، کہا پھر کیوں؟ اس کا جواب کچھ نہ تھا، شہر بھر سے یہی جواب ملا، صرف ایک شخص نے کہا میں نے منگل کو چاند دیکھا تھا اور میرے ساتھ فلاں فلاں صاحب نے بھی۔ اب یہ عالم مع اُن معتمد کے دوسرے صاحب کے پاس گئے اُن سے دریافت کیا، کہا وہ غلط کہتا تھا، اور خود ان دونوں صاحبوں کے ساتھ اُن گواہ صاحب کے پاس آئے، اب یہ بھی پلٹ گئے کہ ہاں کچھ یاد نہیں۔ پھر خبر گرم ہُوئی کہ رامپور میں چاند دیکھا گیا اور جمعہ کی عید قرار پائی، فقیر نے دو ثقہ شخصوں کو وہاں کے دو علمائے کرام اپنے احباب کے اپس بھیجا معلوم ہُوا وہاں بھی ابر تھا کسی نے بھی نہ دیکھا، اس بارے میں اتنا معلوم ہُوا کہ وہاں دو۲ شخص دہلی سے دیکھ کر آئے ہیں، ان علماء نے ان دو۲ شاہدوں کو بلا کر ان دو۲ ثقات کے سامنے شہادت دلوائی اور جو الفاظ فقیر نے انہیں لکھوادئے تھے وُہ ان سے کہلوا کر ان کو تحمیلِ شہادت کرائی اور دونوں عالم صاحبوں نے خود ان دونوں شہود اصل کا تزکیہ کیا، اب ان دونوں فرع نے یہاں آکر شہادت علی الشہادت حسبِ قاعدہ شرعیہ دی اُس وقت فقیر نے عید کا فتوٰی دیا، دیکھئے افواہِ اخبار کی یہ حالت ہوتی ہے، **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

سوم خطوط واخبار: بڑی دوڑ یہ ہوتی ہے کہ فلاں جگہ سے خط آیا، فلاں اخبار میں یہ لکھا پایا، حالانکہ ہم طریقِ چہارم میں بیان کرچکے کہ حاکم شرع کا خاص مُہری دستخطی خط جس پر خود اس کی اور محکمہ دارالقضا کی مُہر لگی اور اُس کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہو، اور یہاں بھی حاکمِ شرع کے نام آئے، ہرگز بغیر دو۲ شاہدوں عادل کے جنہیں لکھ کر اپنی کتاب کا گواہ بنا کر خط سپرد کیا اور یہاں اُنہوں نے حاکمِ شرع کو دے کر شہادت ادا کی ہو، مقبول نہیں، پھر یہ ڈاک کے پرچے کیا قابل التفات ہو سکتے ہیں، اور اخبار گپیں تو اصلاً نام لینے کے بھی قابل نہیں۔ درمختار میں ہے: **لا یعمل بالخط**[2] (خط پر عمل

---

[1] منحۃ الخالق حاشیہ بحرالرائق کتاب الصوم قبیل باب مایفسد الصوم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷۰

[2] درمختار، باب کتاب القاضی الی القاضی، مطبع مجتبائی دہلی۔ ۲/ ۸۳

نہیں کیا جائے گا۔ت) ہدایہ میں ہے: **الخط یشبه الخط فلم یحصل العلم**[1] (تحریر، دوسری تحریر کے مشابہ ہوسکتی ہے تو علم قطعی حاصل نہ ہوا۔ت)

چہارم تار: یہ خط سے بھی زیادہ بے اعتبار، خط میں کاتب کے ہاتھ کی علامت تو ہوتی ہے، یہاں اُس قدر بھی نہیں، تو اس پر عمل کو کون کہے گا مگر اجہل سا اجہل جسے علم کے نام سے بھی مَس نہیں، فقیر نے اس کے رَد میں ایک مفصل فتوٰی لکھا اور بحمد اللہ تعالٰی اس پر ہندوستان کے بکثرت علماء نے مُہریں کیں کلکتے میں چھپ کر شائع ہوا تھا، گنگوہی مُلّا نے اپنے ایک فتوٰی میں تار کی خبر اسباب میں معتبر ٹھہرائی اور اُسے تحریر خط پر قیاس کیا تھا کہ تار کی خبر مثل تحریر خط کے ہے کیونکہ تحریر میں حروف اصطلاحی ہیں جس سے مطلب معلوم ہوجاتا ہے خواہ بحرکتِ قلم پیدا ہوں خواہ کسی لاٹھی یا بانس طویل کی حرکت سے (**الٰی قولہ**) بہرحال خبر تار کی مثل خط ہے اور معتبر ہے، یعنی خط میں قلم سے لکھتے ہیں تار دینا ایسا ہے کہ کسی بڑے بانس سے جو ہزاروں کوس تک لمبا ہے لکھ دیا تو جیسے وہ معتبر ہے ویسے ہی یہ، بلکہ یہ تو زیادہ معتبر ہونا چاہئے کہ وہاں چھوٹا سا قلم ہے اور یہاں اتنا بڑا بانس، تو اعتبار بھی اسی نسبت پر بڑھنا چاہئے، شملہ بہ مقدار قلم، قیاس تو اچھا دوڑا تھا مگر افسوس کہ شرعًا محض مردود و ناکام رہا۔ اوّلًا: خط و تار میں جو فرق ہیں ہم نے اپنے فتوٰی مفصلہ میں ذکر کئے جو اس قیاس کو ازبیخ برکندہ کرتے اور ان سے قطع نظر بھی کیجئے تو بحکم شرع خط ہی پر عمل حرام، پھر اس بانس کے قیاس کا کیا کام، حکم مقیس علیہ میں باطل ہے تو مقیس آپ ہی عاری و عاطل ہے، مولوی صاحب لکھنوی نے اپنے فتاوٰی میں خط و تار کو بے اعتبار ہی ٹھہرایا اور اس حکم میں حق کی موافقت کی مگر یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ خبر تار یا خط بدرجہ کثرت پہنچ جائے تو اس پر عمل ہوسکتا ہے، اسے استفاضہ میں داخل سمجھنا صریح غلط، استفاضے کے معنے جو علماء نے بیان فرمائے تھے وُہ تھے کہ طریق پنجم میں مذکور ہُوئے، متعدد جماعتوں کا آنا اور یک زبان بیان کرنا چاہئے، یہاں اگر متعدد جگہ سے خط یا تار آئے بھی تو اوّلًا وہ اُن وجوہ ناجوازی سے جنہیں ہم نے اس فتوٰی میں مفصلًا ذکر کیا ہرگز بیان مقبول کے سلسلے میں نہیں آسکتے، ڈاک کے منشی، تار کے بابو، چٹھی رساں اکثر کفار یا عمومًا مجاہیل یا فساق فجار ہوتے ہیں، اور بفرضِ باطل آئیں بھی تو یہ تعدد مخبر عنہ میں ہوا نہ کہ مخبرین میں کہ یہاں تار لینے والے بابو اگر مسلمان ثقہ ہوں بھی تو ہرگز اتنی جماعاتِ متعددہ نہ ہوں گی جن کی اخبار پر یقینِ شرعی حاصل ہو بلکہ عامہ بلاد میں صرف دو ایک ہی تار گھر ہوتے اور صدر ڈاک خانہ تو ایک ہی ہوتا ہے اگرچہ بڑے شہر میں تقسیم کے لیے دو چار برانچ اور بھی ہوں، بہرحال یہ خط یا تار ہم کو تو معدود ہی شخصوں کے ذریعہ سے ملیں گے پھر استفاضے سے کیا علاقہ ہُوا، کیا اگر زید آکر کہہ دے کہ فلاں جگہ لاکھ آدمیوں نے چاند دیکھا تو یہ خبر مستفیض

---

[1] ہدایہ باب کتاب القاضی الی القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۳۹

کھلائے گے ولاحول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔

پنجم جنتریوں کا بیان: کہ فلاں دن پہلی ہے، اول بعض علمائے شافعیہ و بعض معتزلہ وغیرہم کا خیال اس طرف گیا تھا کہ مسلمان عادل منجموں کا قول اس بارے میں معتبر ہو سکتا ہے اور بعض نے قید لگائی تھی کہ جب اُن کی ایک جماعت کثیر یک زبان بیان کرے کہ فلاں مہینے کی یکم فلاں روز ہے تو مقبول ہونے کے قابل ہے اگرچہ واجب العمل کسی کے نزدیک نہیں، مگر ہمارے ائمہ کرام اور جمہور محققین اعلام اسے اصلاً تسلیم نہیں فرماتے اور اس پر عمل جائز ہی نہیں رکھتے اور یہی حق ہے کہ حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صحیح حدیث میں یہاں قولِ منجمین سے قطع نظر وعدمِ لحاظ کی تصریح فرما چکے، پھر اب اُس پر عمل کا کیا محل۔ درمختار میں ہے:

لاعبرۃ بقول الموقتین ولو عدولا علی المذہب۔[1]	صحیح مذہب کے مطابق اہلِ توقیت کا قول معتبر نہیں اگرچہ وُہ عادل ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

بل فی المعراج لایعتبر قولھم بالاجماع ولا یجوز للمنجم ان یعمل بحساب نفسہ۔[2]	بلکہ معراج میں ہے کہ اہلِ توقیت کا قول بالاجماع معتبر نہیں اور منجمین کے لیے جائز نہیں کہ وُہ اپنے حساب پر عمل پیرا ہوں (ت)

جب منجمین مسلمین ثقات عدول کے بیان کا یہ حال تو آجکل کی جنتریوں جو عموماً ہنود وغیرہم کفار شائع کرتے ہیں یا بعض نیچری نام کے مسلمان یا بعض مسلمان بھی، تو وُہ بھی انہی ہندوانی جنتریوں کی پیروی سے، کیا قابلِ التفات ہو سکتی ہیں؟ فقیر نے بیس۲۰ برس سے بڑی بڑی نامی جنتریاں دیکھیں، اول مصرانی ہیئت ہی ناقص و مختل ہے پھر ان جنتری سازوں کو اس کی بھی پُوری تمیز نہیں، تقویماتِ کواکب میں وہ وہ سخت فاحش غلطیاں دیکھنے میں آئیں جن میں کوئی سمجھ دار بچّہ بھی نہ پڑتا پھر یہ کیا اور ان کی جنتری کیا، اور ان کی دوج اور پروا کی کسے پروا!

ششم قیاسات وقرائن: مثلاً چاند بڑا تھا روشن تھا دیر تک رہا تو ضرور کل کا تھا، آج بیٹھ کر نکلا تو ضرور پندرھویں ہے، اٹھائیسویں کو نظر آیا تھا مہینہ تیس کا ہوگا، اٹھائیسویں کو بہت دیکھا نظر نہ آیا مہینہ انتیس کا ہوگا۔ یہ قیاسات تو حسابات کی وقعت بھی نہیں رکھتے، پھر ان پر عمل محض جہل وزلل۔ حدیث میں ہے حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] درمختار کتاب الصّوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۸

[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفٰی البابی مصر ۲/۱۰۰

من اقتراب الساعۃ انتفاخ الاھلۃ۔[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	قُربِ قیامت کی علامات سے ہے کہ ہلال پُھولے ہوتے نکلیں گے۔ یعنی دیکھنے میں بڑے معلوم ہوں گے۔ (اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اقتراب الساعۃ ان یری الھلال قبلا ویقال ھو للیلتین۔[2] رواہ فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	علاماتِ قیامت سے ہے کہ چاند بے تکلف نظر آئے گا کہا جائیگا دو ۲ رات کا ہے (اسے طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

صحیح مسلم شریف میں ابوالبختری سعید بن فیروز سے ہے:

قال خرجنا للعمرۃ فلما نزلنا ببطن نخلۃ قال ترا ءینا الھلا ل فقال بعض القوم ھو ابن ثلاث وقال بعض القوم ھو ابن لیلتین فقال ایّ لیلۃ رأیتموہ قال قلنا لیلۃ کذا وکذا، فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدہ للرؤیۃ فھو للیلۃ رأیتموہ۔[3]	ہم عمرے کو چلے جب بطنِ نخلہ میں اُترے ہلال دیکھا، کوئی بولا تین رات کا ہے، کسی نے کہا دو ۲ رات کا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ملے اُن سے عرض کی کہ ہم نے ہلال دیکھا، کوئی کہتا ہے تین شب کا مدار ہے کوئی دو شب کا۔ فرمایا: تم نے کس رات دیکھا؟ ہم نے کہا فلاں شب۔ کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کا مدار رؤیت پر رکھا ہے تو وُہ اسی رات کا ہے جس رات نظر آیا۔

ہفتم کچھ استقرائی کچھ اختراعی قاعدے: مثلاً رجب کی چوتھی رمضان کی پہلی ہوگی۔ رمضان کی پہلی ذی الحجہ کی دسویں ہوگی۔ اگلے رمضان کی پانچویں اس رمضان کی پہلی ہوگی۔ چار مہینے برابر تیس تیس کے ہوچکے ہیں یہ ضرور انتیس کا، تین پے در پے انتیس کے ہُوئے ہیں یہ ضرور تیس کا ہوگا۔ ان کا جواب اسی قدر میں ہے: مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ[4] (حق سبحانہ نے ان باتوں پر کوئی دلیل نہ اتاری۔) وجیز امام کردری میں ہے:

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۱۰۴۵۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۰/ ۲۴۴
[2] کنز العمال بحوالہ طبرانی اوسط، حدیث ۳۸۴۷۰۔ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴/ ۲۲۰
[3] صحیح مسلم باب بیان انہ لا اعتبار بکبر الہلال وصغرہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۸
[4] القرآن ۱۲/ ۴۰

شھر رمضان جاء یوم الخمیس لایضحی ایضا فی یوم الخمیس مالم یتحقق انه یوم النحر ،وما نقل عن علی رضی اللہ تعالٰی عنه ان یوم اول الصوم یوم النحر لیس بتشریع کلی بل اخبار عن اتفاق فی ھذہ السنة وکذاما ھو الرابع من رجب لایلزم ان یکون غرۃ رمضان بل قد یتفق۔[1]	رمضان کا مہینہ جمعرات کو شروع ہُوا تو یوم خمیس کو قربانی جائز نہ ہوگی جب تک اس بات کا ثبوت نہ ہوجائے کہ یہ قربانی کا دن ہے، اور جو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ روزے کا پہلا دن عید کا دن ہوتا ہے، یہ شریعت کا قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اس سال اتفاقاً ایسا ہوجانے کا بیان ہے۔ اسی طرح جو رجب کا چوتھا دن ہے لازم نہیں وہ رمضان کا پہلا دن ہو ہاں کبھی ایسا اتفاقاً ہوجاتا ہے(ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی کبرٰی سے ہے:

مایروی ان یوم نحرکم یوم صومکم کان وقع ذٰلك العام بعینه دون الابدلان من اول یوم رمضان الٰی غرۃ ذی الحجة ثلاثة اشھر فلا یوافق یوم النحر یوم الصوم الاان یتم شھر ان من الثلثة وینقص الواحد فاذا تمت الشھور الثلثة تتأخر عنه واذا نقصت الشھور الثلثة اوشھران تقدم علیه فلا یصح الاعتماد علی ھذا۔[2]	یہ جو مروی ہے کہ تمھاری عید کا دن تمہارے روزے کا دن ہے، یہ ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ معین سال میں ایسا واقعہ ہوا تھا کیونکہ رمضان کے پہلے دن سے لے کر ذوالحجہ کے پہلے دن تک تین ماہ ہوتے تو یوم نحر اور یوم صوم میں موافقت نہیں ہوسکتی مگر اس صورت میں کہ جب ان تین ماہ میں سے دو کامل ہوں اور ایک ناقص، اب اگر تینوں ماہ کامل ہوتے ہیں تو اس سے تاخر ہوگا اور اگر تین یا دو ناقص ہوجاتے ہیں تو پھر اس پر تقدم ہوگا لہذا اس پر اعتماد درست نہیں۔(ت)

یہ کلام اجمالی بقدر کفایت ہے اور ان احکام کی تفصیل تام رسائل و مسائلِ فقیر میں ہے **وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۴: از پیلی بھیت مسئولہ عبدالجلیل سوداگر ۱۳صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

جناب مولانا صاحب مکرم دام اکرامکم بعد ہدیہ سلام سنّت الاسلام کے گزارش یہ ہے کہ اس مرتبہ

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیہ فتاوٰی ہندیہ کتاب الصوم الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۹۲

[2] خزانۃ المفتین، کتاب الصوم، قلمی نسخہ، ۱/ ۶۰

رمضان المبارک کے چاند میں اختلاف ہو کر عیدالفطر میں اکثر اتفاق ہوگیاہے، چنانچہ بریلی میں بھی جمعہ کی عید ہوئی، سنا گیا ہے کہ آپ نے پنجشنبہ کی شام کو بعد مغرب ارشاد فرمایا تھا کہ چونکہ آج ۳۰ رمضان المبارک ہے اس وجہ سے ہم تراویح نہیں پڑھیں گے اور کل سے بروز جمعہ روزہ نہیں رکھیں گے لیکن دوسروں کو حکم نہیں دیتے ہیں، بعد کو شہادتوں سے چاند رمضان کا منگل کے دن ثابت ہو کر پنجشنبہ کو ۳۰ رمضان قرار پائی اور جمعہ کو عید ہُوئی، کارڈ ثانی پر جلد تحریر فرمایئے کہ آپ کا یقین مردوں کی باتوں پر تھا یا ذریعہ اطمینان کوئی اور تھا اور شہادتیں مصر سے آئے ہُوئے لوگوں کی ہیں یا ہندوستان سے کس مقام سے تحقیق ہوا اس لیے تصدیق کیا جاتا ہے کہ آئندہ کو کام آئے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہاں نہ منگل کو ہلال رمضان دکھائی دیا نہ پنجشنبہ کو ہلالِ عید، ابر تھا اور بہت گہرا، شبِ جمعہ میں میں نے تراویح پڑھیں اور صبح روزہ کی نیت کی تھی کہ دفعۃً مصر سے کچھ لوگوں کے آنے کی خبر سُنی جنہوں نے وہاں ہلالِ رمضان منگل کی شام کو دیکھا تھا وُہ بُلائے گئے اور اُنہوں نے شہادتیں دیں اور پوری تنقیح کی گئی اور رات کے ایک بجے صبح عید کا حکم دیا گیا اور اُسی وقت سے شہر و شہر کُہنہ واطرافِ شہر میں اعلان کیا گیا، یُوں یہاں جمعہ کی عید ہُوئی ورنہ افواہیں تو پہلے سے سُنی جاتی تھیں جن پر حکم نہیں ہو سکتا تھا، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۰۵: از منڈی افریقہ مسئولہ حاجی عبداللہ حاجی یعقوب ۲۴ محرم ۱۳۳۱ھ

منڈی شہر میں سب آدمی مذہب شافعی ہیں اور حنفی مذہب والے ہم چند آدمی ہیں، اب یہاں پر روزے ۲۹ ہُوئے، ۳۰ کی رات کو ابر بہت ہونے کے سبب سے چاند دیکھنے میں نہیں آیا لیکن بعد نماز مغرب کے تین شہروں سے ٹیلی گراف آئے کہ ہم نے چاند دیکھا ہے شوال کا، اور کل عید ہے، لیکن یہاں کے قاضی صاحب نے ٹیلی گراف کی خبر کو قبول نہ کیا اور تراویح کی نماز پڑھی اور پڑھائی اور روزہ بھی سب سے رکھایا، لیکن جب سورج طلوع ہوا، بعد دو ۲ ساعت کے منڈی شہر کے آس پاس کے باغیچوں سے آدمی آئے اُنہوں نے گواہی دی کہ ہم نے چاند دیکھا، تب قاضی صاحب نے شاہدوں سے گواہی لے کر روزہ کھولنے کا حکم دیا، تب تمام آدمیوں نے روزہ توڑ دیا اور خود بھی قاضی صاحب نے روزہ توڑ دیا، اُس دن بہت دیر ہونے کے سبب سے عید کی نماز نہیں پڑھی گئی دُوسرے دن عید کی نماز ہُوئی، اب ہم کو دُوسرے آدمی کہتے ہیں کہ ہم کو ایک روزہ قضا کرنا چاہئے۔ اب ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا ہم کو ایک روزہ قضا کرنا پڑے گا؟

الجواب:

تار برقیوں پر کہ قاضی نے اعتبار نہ کیا بہت صواب کیا، ایسا ہی چاہئے تھا، دربارہ ہلال خط یا تار کا کچھ اعتبار نہیں، صبح کو جو چند شہادتیں گزریں وہ لوگ اگر ثقہ اور ہلال عید میں قابلِ شہادت تھے اور اتنے فاصلہ پر تھے

کہ رات کو آکر گواہی نہ دے سکتے تھے تو اُن کی گواہی مان کر روزہ کھولنے کا حکم دینا بھی صحیح ہے اور اُس روزہ کی قضا نہیں کہ ثبوتِ شرعی سے ثابت ہوگیا کہ وہ روزِ عید تھا نہ کہ روزہ رمضان کا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۰۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شہرت واستفاضہ جو دربارہ ہلال شرعًا معتبر ہے اُس کے کیا معنی ہیں؟ اور مجرد شیوع واشتہار خبر کافی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اصل یہ ہے کہ مدارِ کار حقیقۃً رؤیت پر ہے وبس،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطر والرؤیتہ۔[1] اخرجہ الشیخان و غیرھما والحدیث مشھور مستفیض۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔ اسے بخاری، مسلم اور دیگر محدثین نے روایت کیا، اور یہ حدیث مشہور و معروف ہے (ت)

اور رؤیت کا ثبوت شہادت سے منوط **فان البینۃ کاسمھا مبینۃ** (کیونکہ بینہ (گواہ) اپنے نام کی طرح واضح کرنیوالے ہیں۔ت) اور شہادت کی حلّت رؤیت سے مربوط **اذلاشھادۃ الاعن شھود** (کیونکہ شہادت معائنہ کرنیوالوں کے بغیر نہیں ہوتی۔ت) **شہادت علی الشہادت والشہادت علی القضاء** مقبول ہوتی ہے اُن کی وجہ قبول یہی ہے کہ وُہ مثبت شہادت معائنہ ہیں،

اما الاولی فظاھر واما الاخری فلانہ لاحکم الاعن شھادۃ ومثبت المثبت مثبت۔	پہلی صورت تو واضح ہے، رہی دُوسری تو وہ اس لیے کہ حکم شہادت کی بنا پر ہی ہوسکتا ہے اور مثبت کو ثابت کرنے والا مثبت ہی ہوتا ہے (ت)

توہر وُہ گواہ کہ ان امور سے خالی ہو زنہار قابل قبول نہیں، مثلًا ایک جماعت ثقات عدول یُوں گواہی دے کہ فلاں جگہ چاند ہُوا یا فلاں دن اُس شہر والوں نے روزہ رکھا یا آج اُن کے حساب سے فلاں تاریخ ہے ہر گز نہ مانیں گے یہاں تک کہ جو اس پر عمل کرے گا گناہگار ہوگا کہ یہ نہ شہادت رؤیت ہے، نہ شہادت علی الشادت، نہ شہادت علی القضا، بلکہ مجرد حکایت ہے جو کسی طرح حجت نہیں۔ فتح القدیر و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

انما یلزم الصوم علی متأخری الرؤیۃ	تاخیر سے چاند دیکھنے والوں پر روزہ تب لازم ہوگا

[1] صحیح بخاری باب اذارأیتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۵۶/۱

اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولٰئك بطریق موجب حتی لو شھد جماعۃ ان اھل بلدۃ کذا رأوا ھلال رمضان قبلکم بیوم فصاموا وھذا الیوم ثلثون بحسابھم ولم یرھٰؤلاء الھلال لایباح فطر غد ولا ترك التراویح فی ھذہ اللیلۃ لانھم لھم یشھدوا بالرؤیۃ ولا علی شھادۃ غیرھم وانما حکوا رؤیۃ غیرھم۔[1]	تاخیر سے چاند دیکھنے والوں پر روزہ تب لازم ہوگا جب ان کے ہاں چاند کا ثبوت بطریق موجب شرعی ہو حتی کہ اگر کسی جماعت نے گواہی دی کہ فلاں اہل شہر نے تم سے پہلے ایک دن چاند دیکھا اور انہوں نے روزہ رکھا ہے اور یہ دن ان کے حساب سے تیسواں بنتا ہے، لیکن انہوں نے چاند نہیں دیکھا تو ان کے لیے آئندہ کل عید جائز نہیں اور نہ ہی اس رات کی وُہ تراویح ترک کر سکتے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے چاند کے دیکھنے پر گواہی نہیں دی اور نہ غیر کے چاند دیکھنے کی گواہی پر گواہی دی ہے اُنہوں نے دُوسروں کی رؤیت کو حکایت کیا ہے (ت)

ہاں اگر رؤیت شہر دیگر کی خبر اُس حدِ شہرت واستفاضہ کو پہنچے جو باعثِ ثبوت رؤیت یقینی و محقق ہوجائے تو صحیح یہ ہے کہ اعتبار کریں گے، ردالمحتار میں ہے:

فی الذخیرۃ قال شمس الائمۃ الحلوانی الصحیح من مذھب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین اھل البلدۃ الاخری یلزمھم حکم ھذہ البلدۃ اھ ومثلہ فی الشرنبلالیۃ عن المغنی۔[2]	ذخیرہ میں ہے کہ شمس الائمہ حلوانی نے کہا ہمارے احناف کا صحیح مذہب یہی ہے کہ جب دوسرے شہر میں خبر مشہور و متحقق ہو تو تب ان پر اس شہر کا حکم لازم ہوگا اھ شرنبلالیہ میں المغنی کے حوالے سے اسی طرح ہے۔(ت)

مگر حاشا مجرد شیوع و شہرت کافی نہیں کہ صدہا خبریں خصوصاً آج کل ایسی اڑتی ہیں جن کا تمام شہر میں چرچا ہوتا ہے، پھر تجربہ گواہ ہے کہ بعد تنقیح محض بے اصل نکلتی ہیں انہیں افواہ کہتے ہیں، نہ استفاضہ شرعیہ، ولہذا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ایسا چرچا محض نامعتبر جب تک ثبوت شرعی نہ ہو، اختیار شرح مختار میں یوم الشک کی نسبت لکھا:

ذٰلك بان یتحدث الناس بالرؤیۃ ولا تثبت۔[3]	وہ یہ ہے کہ لوگوں میں رؤیت کا چرچا ہو مگر ثبوت نہ ہو۔(ت)

[1] فتح القدیر فصل فی رؤیۃ الہلال مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۴۳، فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی فی رؤیۃ الہلال نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۹۹
[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۲
[3] الاختیار لتعلیل المختار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۰

واقعی ایسی خبروں کی ظاہری شوکت عام لوگوں کو دھوکا دیتی ہے مگر تفتیش کے بعد کھلتا ہے کہ حقیقت امر کیا ہے یا ان کی ٹھیک سند منتہی تک ملتی ہی نہیں، جس سے پُوچھئے سُنا، کہے گا، بعض اپنے مخبر کا نام بھی بتائیں اُن مخبر سے پُوچھئے وہ سُنا کہہ کر چُپ رہیں گے، یا بہزار کاوش و عرق ریزی اصل نکلی تو اتنی کہ فلاں کا خط آیا فلاں نے تار دیا چند مسافر معقول صورت ملے، کہتے تھے فلاں شہر میں لوگوں نے دیکھا ہمارا فلاں قریب اُس شہر بعید سے آیا بیان کیا وہاں ہزاروں نے دیکھا، ہزاروں کا لفظ تو بیشک ہے مگر یہ نہ دیکھا کہ منقول عنہم میں میں ہے یا ناقل میں، غرض ایسی افواہ وحکایات شرعًا قابلِ التفات بھی نہیں، نہ ان کی بناپر کوئی حکم ثابت ہو، ولہذا امام شمس الائمہ وذخیرہ ومغنی وامداد کا ارشاد سُن چکے کہ ہمارے ائمہ نے صرف استفاضہ واشتہار کافی نہ جانا بلاکلہ اُس کے ساتھ تحقیق ہوجانے کی قید زیادہ فرمائی۔ علامہ عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

اما خبر التواتر من الناس لبعضهم بعضا بذٰلك فهو ممنوع لاسناد الكل فيه الى الظن والتوهم والتخمين واستفاضة الخبر من بعضهم لبعض بحيث لوسألت كل واحدمنهم عن رؤية ذٰلك و معاينته لقال لم اعاينه وانما سمعت، ومن قال عاينته تستكشف عن حاله فتراه مستندا الٰى ظنون وامارات وهمية وعلامات ظنية و ربما اذا تأملت وتفحصت وجدت خبرذٰلك التواتر الذى تزعمه كله مستند افى الاصل الى خبرواحد او اثنين[1] الٰى اٰخر ماافادواجاد رحمه الله تعالٰى۔	کسی خبر کو لوگوں میں سے بعض کا بعض سے تواتر نقل کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس سلسلہ میں ان میں سے ہر ایک کی نسبت ظن، وہم اور تخمین کی ہے، اور خبر کا ایک دوسرے سے اس طرح مشہور ہونا کہ اگر ان میں سے ہر ایک سے پُوچھا جائے کہ تُو نے دیکھا ہے اور مشاہدہ کیا ہے تو وُہ کہے گا میں نے مشاہدہ تو نہیں کیا ہاں سُنا ہے، اور جو کہے میں نے مشاہدہ کیا ہے تو اس کا حال معلوم کیا جائے گا تو اسے علاماتِ ظنیہ اور اماراتِ وہمیہ اور ظنیات کو سند بنائے ہوئے پائیگا اور اکثر طور پر ایسا ہوتا ہے کہ تو غور وتلاش کرے تو وُہ خبر جس کو تُو متواتر مستند گمان کررہا تھا وہ اصل میں ایک یا دو کی خبر ہوتی ہے الخ انہوں نے جو کہا خوب کہا اللہ تعالٰی ان پر رحمتیں نازل فرمائے (ت)

اور یہ زعم ہم کو تو یقین ہوگیا صحیح نہیں، یقین وُہ ہے جو حجتِ شرعیہ سے ناشئی ہو، یُوں تو ایک جماعت ثقات عدول کی وقعت ان چند مجہولوں یا ساقطوں یا تار وخطوط کی اوہام وضبوط سے کیا کم تھی، انصاف کیجئے تو بدرجہا زائد تھے

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ الصنف التاسع تتمۃ الاصناف التسعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۲۱

پھر کیوں علمائے دین نے اسکی بے اعتباری کی تصریح فرمائی،

كما مر نقله عن الهندية والفتح ونحوه فی البحر الرائق والدر المختار ومجمع الانهر وغيرها من الاسفار۔	جیسا کہ ہندیہ اور فتح کے حوالے سے گزرچکا، اسی طرح بحرالرائق، درمختار، مجمع الانہر اور دیگر کتبِ معتمدہ میں ہے۔(ت)

بلالکہ وہ استفاضہ جو شرعًا معتبر ہے اُس کے معنی یہ ہیں کہ اُس شہر سے گروہ کے گروہ متعدد جماعتیں آئیں اور سب بالاتفاق یک زبان بیان کریں کہ وہاں فلاں شب چاند دیکھ کر لوگوں نے روزہ رکھا یہاں تک کہ اُن کی خبر پر یقین شرعی حاصل ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

قال الرحمتی معنی الاستفاضة ان تاتی من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن رؤية لامجرد الشيوع من غير علم بمن اشاعه كما قد تشيع اخبار يتحدث بها سائر اهل البلدة ولا يعلم من اشاعها كما ورد ان فی اٰخر الزمان يجلس الشيطان بين الجماعة فيتكلم بالكلمة فيتحدثون بها ويقولون لاندری من قالها فمثل هذا لا ينبغی ان يسمع فضلا من ان يثبت به حكم اھ **(قلت)** وهو كلام حسن ويشير اليه قول الذخيرة اذا استفاض وتحقق فان التحقق لايوجد بمجرد الشيوع۔[1]	شیخ رحمتی نے فرمایا: شہرت کا مفہوم یہ ہے کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور تمام اس بات کی اطلاع دیں کہ وہاں کے لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے محض ایسی افواہ سے نہیں جس کے پھیلانے والا معلوم نہ ہو، جیسا کہ بعض اوقات بہت سی باتیں شہر میں پھیل جاتی ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے ہوتے کہ انہیں کس نے پھیلایا ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ آخری زمانے میں شیطان لوگوں کے درمیان آکر بیٹھے گا اور وہ کچھ گفتگو کرے گا تو لوگ وہ گفتگو بیان تو کریں گے مگر کہیں گے ہمیں علم نہیں کہ یہ بات کس نے کی ہے، ایسی بات تو قابلِ سماعت ہی نہیں ہوتی چہ جائیکہ اس سے حکم ثابت ہو اھ **(میں کہتا ہوں)** یہ کلام نہایت ہی خوبصورت ہے اور ذخیرہ کا یہ قول کہ "جب خبر مشہور و متحقق ہو تو تب لازم ہے ورنہ محض شہرت ثبوت نہیں ہوتا" بھی اسی کی طرف اشارہ کررہاہے۔(ت)

اسی میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۲

الشھادۃ بان اھل البلدۃ رأوا الھلال وصاموا لانھا لا تفید الیقین فلذالم تقبل الا اذا کانت علی الحکم اوعلی شھادۃ غیرھم لتکون شھادۃ معتبرۃ والافھی مجرد اخبار بخلاف الاسفاضۃ فانھا تفید الیقین۔[1] واللہ تعالٰی اعلم	اس بات پر گواہی کہ فلاں اہلِ شہر نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے چونکہ مفید یقین نہیں اس لیے گواہی مقبول نہیں، البتہ اس صورت میں جب قاضی کے فیصلہ ہو یا غیر کی گواہی پر گواہ ہوں تاکہ یہ شہادت معتبرہ قرار پائے تو مفید یقین ہے ورنہ یہ محض خبر ہوگی بخلاف استفاضہ، کیونکہ وہ مفید یقین ہوتی ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۷: از بہرائچ چوک بازار مرسلہ حافظ محمد شفیع صاحب ۲۶ماہ مبارک ۱۳۳۳ھ

رمضان شریف کا چاند غبار یا ابر ہونے کی حالت میں صرف ایک شخص نے دیکھا اور قاضی نے اُس پر فتوی چاند ہونے کا دے دیا اب کیا غرہ شوال اُس سے تیس دن پُورے ہوجانے پر ثابت ہوجائے گا گو چاند بوجہ غبار یا ابر کے اُس رات کو نظر نہ آئے یا ایسا ایک سے زائد عادل گواہ ہونے پر کیا جاسکتا ہے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ ہلال ماہ مبارک بوجہ غبار ایک کی شہادت سے مان کر ۳۰ روزے پُورے کئے اور ہلالِ شوال بوجہ ابر نظر نہ آیا تو صحیح یہ ہے کہ بالاتفاق اس صورت میں عید کرلی جائے، ہاں اگر تیس۳۰ روزوں کے بعد مطلع صاف ہُوا اور عید کا چاند نظر نہ آئے اور رمضان کا چاند شاہد واحد کے قول پر مانا تھا تو راجح یہ ہے کہ عید نہ کریں گے اور اگر دو۲ عادلوں کی گواہی سے روزے رکھے تھے تو قول ارجح پر ۳۰ کے بعد عید کرلیں گے اگر مطلع صاف ہو اور ہلال نظر نہ آئے، درمختار میں ہے:

بعد صوم ثلثین بقول عدلین حل الفطر۔[2] (اتفاقا ان کانت لیلۃ الحادی والثلثین متغیمۃ وکذا لوکان مصحیۃ علی ماصححہ فی الدرایۃ والخلاصۃ و البزازیۃ وفی الفیض الفتوی	دو۲ عادل آدمیوں کی گواہی پر رمضان کے روزے رکھنے شروع کئے تھے تو ۳۰ روزوں کے بعد عید جائز ہوتی ہے (اتفاقاً اگر اکتیسویں رات ابر آلود ہو اور اگر مطلع صاف ہو پھر بھی درایہ، خلاصہ اور بزازیہ کی تصحیح کے مطابق یہی حکم ہے اور فیض

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۰۳-۱۰۲

[2] درمختار کتاب الصوم قبیل مایفسد الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

على حل الفطر اھ[1] شامی) ولوصاموابقول عدل لایحل على المذهب کذاذکرہ المصنف لکن قول الفطر حل اتفاقاوفی الزیلعی الاشبه ان غم حل والالا اھ[2] وتنقیحه فی ردالمحتار وماعلقنا علیه، واللہ تعالٰی اعلم۔	میں ہے کہ فتوٰی اسی قول پر ہے کہ عیدالفطر جائز ہوگی اھ شامی) اور اگر ایک عادل کے قول پر انہوں نے روزہ رکھنا شروع کیا تھا تو صحیح مذہب پر عید کرنا درست نہیں، مصنف نے اسی طرح اسے ذکر کیا ہے لیکن ابن کمال نے ذخیرہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اگر چاند رات مطلع ابر آلود ہو تو بالاتفاق عید جائز ہے، زیلعی میں ہے کہ مشابہ بالحق یہ ہے کہ اگر مطلع ابر آلود ہو تو عید جائز، ورنہ جائز نہیں اھ اس کی تفصیل ردالمحتار اور اس پر ہمارے حواشی میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۸: از افضل گڑھ ضلع بجنور مرسلہ یوسف خاں وغیرہ ۲۶ رمضان ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذامیں کہ چاند شعبان کا اکثر جگہ دیکھااور بہت سے آدمیوں نے نہیں دیکھامثلاً قصبہ افضل گڑھ میں تخمیناً پندرہ بیس آدمی اقراری چاند دیکھنے یک شنبہ کے ہیں باقی تمام قصبہ خلاف ہے یعنی باقی نے نہیں دیکھا، اب رمضان شریف میں ابر محیط رہااُسی بناپر ۳۰ یوم پُورے کرکے روزہ ہر دو فریق نے رکھا، تھوڑے فریق نے ایک یوم پیشتر اور زیادہ فریق نے ایک روز بعد رکھا، اب عید قریب آگئی اگر ابر محیط ہواتو عید فریق اوّل و دوم کو ایک ساتھ کرنا چاہئے یا علیحدہ علیحدہ پورے روزے کرکے کرنا چاہئے حالانکہ ہر فریق اپنے اپنے روزے پُورے ۳۰ کرے گا، اگر دونوں اتفاق سے عید کرتے ہیں تو ایک فریق کے روزے ۳۰ ہوتے ہیں دوسرے کے ۳۱ ہوتے ہیں، ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر اُس کم فریق میں دو[۲] مرد یا ایک مرد دو[۲] عورتیں ثقہ عادل شرعی جو نہ کسی کبیرہ کے مرتکب ہیں نہ صغیرہ پر مُصِر، نہ خفیف الحرکات، اور انہوں نے ہلالِ شعبان شام یک شنبہ کو دیکھ کر وہاں اگر کوئی عالم فقیہ سنی المذہب دین دار ہے اس کے حضور بلفظ اشھد یعنی میں گواہی دیتاہُوں کہہ کر گواہی دی، یا وہاں ایسا کوئی عالم نہ تھا تو مسلمانوں کو اپنی رؤیت کی خبر دی اور وہاں شامِ یکشنبہ یا تو مطلع صاف نہ تھا یا لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش نہ کی یا کی تو بے وقت کی، یا ان دیکھنے والوں نے جہاں سے دیکھا جگہ بلالندپر یاآبادی سے باہر تھی توان صورتوں میں

---
[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۳-۱۰۲

[2] درمختار کتاب الصوم قبیل مایفسد الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

شرطوں سے یکم شعبان روز دوشنبہ کی ثابت ہوگئی اور اُس کی بناپر بضرورت چہار شنبہ کا پہلا روزہ ہوا، جنہوں نے نہ رکھا اُس کی قضار کھیں، پھر پنجشنبہ آئندہ کو رمضان کے ۳۰ ہو کر بضرورت جمعہ کی عید ہوگی، دونوں فریق بالاتفاق جمعہ کی عید کرینگے، ایک کے ۳۰ روزے ایک کے ۲۹ ہوں گے، ۲۹ والے ایک قضار کھیں گے، اور اگر اُس فریق میں دو۲ گواہ بھی عادل نہیں یا انہوں نے اس صفت والے عالم کے سامنے لفظ اشھد بمعنی مذکور شہادت نہ دی، یا مطلع صاف تھا اور عام لوگوں نے وقت پر چاند دیکھنے کی کافی کوشش کی اور نظر نہ آیا اور ان لوگوں میں کوئی خصوصیت مثل بلندی مقام یا بیرون آبادی کی نہ تھی تو ان صورتوں میں دو شنبہ کی یکم شعبان ثابت نہ ہُوئی اور یہ بعض کہ دیکھنا بیان کرتے ہیں غلط کہتے ہیں ان کو دھوکا ہُوا (اور نظر واقع سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اس دن حالِ ہلال عادۃً قابلِ رؤیت نہ تھا) لہٰذا شعبان کی ۳۰ چہار شنبہ کو ہُوئی، اور یکم ماہِ مبارک پنجشنبہ سے ہو کر پنجشنبہ ۲۹ کو اگر ابر رہے جمعہ کی ۳۰ ہوگی اور اس کم فریق کو بھی جائز نہ ہوگا کہ اپنے زعم کی بناپر جمعہ کی عید کرلے بلاکہ ان پر بھی روزہ رکھنا واجب ہوگا، عام کے ۳۰ ہوگے اور ان کے ۳۰ ہی ہوں گے، پہلا روزہ چہار شنبہ کا رمضان میں محسوب نہ ہوگا اگرچہ ان پر اپنی رؤیت عین کے سبب اُس دن بھی روزہ کا حکم تھا، یہ سب اُس صورت میں ہے کہ غرہ رمضان چہار شنبہ کا کسی اور ثبوتِ شرعی سے ثابت نہ ہوجائے ورنہ آپ ہی جمعہ کی عید ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

بقیۃ الاشھر التسعۃ (ای ماعدا رمضان و العیدین) لا یقبل فیھا الا شھادۃ رجلین او رجل وامرأتین عدول احرار غیرمحد ودین کما فی سائر الاحکام، بحر عن شرح الامام الاسبیجابی۔[1]	باقی نوماہ (یعنی رمضان، عید الفطر اور عید الاضحٰی کے مہینوں کے علاوہ) میں ایسے دو۲ مرد یا ایک مرد دوخواتین کی گواہی قبول کی جائے گی جو عادل، آزاد اور محدود فی القذف نہ ہوں جیسا کہ بقیہ احکام میں ہوتا ہے، بحر میں شرح امام اسبیجابی سے اسی طرح منقول ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

شرط للفطرمع العدالۃ نصاب الشھادۃ ولفظ اشھد ولوکانوا ببلدۃ لا حاکم فیھا صاموا بقول ثقۃ وافطروا باخبار عدلین للضرورۃ[2] (ملخصًا)	عیدالفطر کے چاند کے لیے عدالت کے علاوہ نصابِ شہادت اور لفظِ شہادت (یعنی اشہد) کا ہونا بھی ضروری ہے اور وہ ایسا شہر ہو جہاں کوئی حاکم نہ ہو تو ضرورت کے پیش نظر ایک ثقہ کے قول پر لوگ روزہ رکھ لیں اور دو۲ عادل گواہوں کی خبر پر عیدالفطر کرلیں۔ (ملخصًا) (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۳

[2] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۸

ردالمحتار میں بعد عبارت مذکور ہے:

وذکر فی المداد انھا فی الصحو کرمضان والفطر ای فلا بد من الجمع العظیم ولم یعزہ لاحد لکن قال الخیرالرملی الظاھر انہ فی الاھلۃ التسعۃ لافرق بین الغیم والصحو فی قبول الرجلین لفقد العلۃ الموجبۃ لاشتراط الکثیر وھی توجہ الکل طالبین فلو شھدا فی الصحو بھلال شعبان وثبت بشروط الثبوت الشرعی ثبت رمضان بعد ثلثین یومامن شعبان وان کان رمضان فی الصحو لایثبت بخبر ھما لان ثبوتہ حینئذ ضمنی اھ [1] مافی الشامی **اقول:** فاذا ثبت توجہ الکل طالبین تحقق المانع فلا یقبل تفرد البعض ما لم یتفر دوا بما یقرب الرؤیۃ لھم دون عامۃ الناس فکانت شھادتھم مردودۃ فلایعملوابھا حتی فی انفسھم کما فی الدر رأی مکلف ھلال رمضان او الفطر وردقولہ بدلیل شرعی صام مطلقا وجوبا [2] وفی ردالمحتار و افاد	امداد میں ہے کہ اگر مطلع صاف ہو (تو باقی ماہ بھی) رمضان اور عیدالفطر کی طرح ہیں یعنی عظیم جماعت کی گواہی ضروری ہے، مگر انہوں نے اس قول کی نسبت کسی کی طرف نہیں کی لیکن خیرالدین رملی نے کہا کہ ظاہر یہی ہے کہ باقی مہینوں میں چاند کے معاملہ میں دو۲ مردوں کی گواہی کی مقبولیت کے لیے ابرآلود اور غیر ابرآلود میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ یہاں وُہ علّت ہی مفقود ہے جو جماعتِ کثیر کیلئے شرط ہے اور وُہ ہے سب کا چاند کو تلاش کرنا، پس اگر دو۲ مردوں نے صاف موسم میں شعبان کے چاند کی گواہی دی اور شعبان کے تیس دن مکمل ہونے پر رمضان کا ثبوت ہوجائے گا اگرچہ صاف موسم میں دو۲ شخصوں کی گواہی سے رمضان ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اب اس کا ثبوت ضمنًا ہوگا اھ (شامی کی عبارت ختم ہوئی) **اقول:** تو جب سب کا چاند تلاش کرنا ثابت ہوجائے تو مانع کا ثبوت ہوگا لہٰذا بعض کی گواہی مقبول نہ ہوگی جب تک یہ بعض، عام لوگوں کے مقابلہ میں چاند کی رؤیت کے قریب (بلند جگہ یا آبادی سے باہر) ہونے میں منفرد نہ ہوں پس ان کی شہادت مردود ہوگی اور اس پر عمل نہیں کیا جائیگا حتی کہ گواہ بھی عمل نہیں کرسکتے جیسا کہ در میں ہے کسی مکلّف نے رمضان اور عیدالفطر کا چاند دیکھا لیکن اس کا قول دلیل شرعی کی بناپر رد کردیا گیا تو وُہ وجوبًا روزہ رکھے۔ ردالمحتار میں ہے خیر رملی نے

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۳

[2] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۸

الخیر الرملی، انہ لوکانوا جماعۃ وردت شھادتھم لعدم تکامل الجمع العظیم فالحکم فیھم کذٰلک۔ تنبیہ : لوصام رأی ھلال واکمل العدۃ لم یفطر الامع الامام لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صومکم یوم تصومون وفطر کم یوم تفطرون رواہ الترمذی وغیرہ والناس لم یفطر وافی مثل ھذا الیوم فوجب ان لایفطر نھراھ [1] ھذا ما اخذتہ تفقھا من کلامھم والنزاع واضح کما تری بتوفیق اللہ والعلم بالحق عند ربی وھو تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے خیر رملی نے کہا اگر چاند، ایک جماعت دیکھے لیکن عظیم جماعت نہ ہونے کی بناپر ان کی گواہی مسترد کردی گئی تو ان کا حکم بھی یہی ہے (یعنی وہ روزہ رکھیں)۔(ت) تنبیہ : اگر چاند دیکھنے والے نے روزہ رکھا اور تیس روزے مکمل کئے تو اب وُہ عیدالفطر امام کے ساتھ ہی کرے (نہ کہ اکیلا) کیونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "روزے کا وہ دن ہے جس میں تم روزہ رکھتے ہو اور عید کا وہ دن ہے جس میں تم عید کرتے ہو"۔ اسے ترمذی اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے، اور باقی دیگر لوگ اس دن عید نہیں کررہے لہٰذا اس شخص پر واجب ہے کہ وہ عید نہ کرے نہر اھ یہ وہ تفصیل ہے جو بندہ نے فقہاء کے کلام سے سمجھی ہے اور اللہ کی توفیق سے اب نزاع بھی واضح ہوگیا جیسا کہ آپ نے پڑھ لیا، اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے، وھو تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۹تا۲۱۲: از سہسرام عربیہ مرسلہ مولوی ظفرالدین صاحب مدرس اوّل ۱۵ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

(۱) عید یہاں پنجشنبہ کو ہُوئی مگر پھلواری میں سات آدمیوں کی رؤیت کے مطابق حسب الحکم شاہ بدرالدین صاحب چہار شنبہ کی عید ہُوئی اس کے بارے میں انہوں نے مجھے خط لکھا پھر جب میں بانکی پور گیا تو بطور استفاضہ خبر مجھے پھلواری میں سات آدمیوں کا چاند دیکھنا اور شاہ صاحب کا حکم دینا معلوم ہوا تو جب عید چہار شنبہ کی ہُوئی تو ذیقعدہ و ذی الحجہ دونوں مہینوں کے چاند تیس ہی کے مانے جائیں جب بھی سہ شنبہ کو ذی الحجہ ہوتی ہے مگر اس طریقہ پر ثبوت یہاں سوائے میرے کسی کو نہیں، تو آیا میرے فتوٰی دینے سے یہاں کے لوگوں کو نماز پڑھنا جائز ہوگا خود اسی شہر میں وُہ خبر بطور استفاضہ آنے کی ضرورت ہے۔

(۲) یوم صومکم یوم نحرکم یہ کیسی حدیث ہے اور کس کتاب میں ہے اور کس موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا تھا یہاں بالاتفاق روزِ شنبہ کو عید ہُوئی مگر یہاں کے کسی شخص نے نہ عید کا

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۹۸/۲

چاند دیکھا نہ ذی قعدہ کا، صرف میرے فتوی وحکم کے مطابق ایسا ہوا میں نے اپنی تسلّی کے لیے یہ سوالات کئے ہیں، شامی، قاضیخان، سراجیہ، بحرالرائق، عالمگیریہ، فتح القدیر، کافی میں ثبوت نہیں ملا، اس لئے حضور کو تکلیف دی۔

(۳) آج کل کے علماء قاضی کے حکم میں ہوں گے یا نہیں؟ اور اس کے لیے کیا کیا شرط ہے؟ یہ تمام عالم جس نے درسی کتابیں پڑھ لی ہوں اور درس یا وعظ میں مشغول ہو۔

(۴) نماز عیدالاضحٰی کے لیے لوگوں کا چاند دیکھنا یا دوسری جگہ کی رؤیت بطریق موجب ثابت ہونا بایں معنی ضرور ہے کہ جب تک نہ ہوگا اُن لوگوں پر نماز واجب نہ ہوگی یا باوجود رؤیت عامہ بلاد اگر کسی جگہ کے لوگ بوجہ ابر خود نہ دیکھ سکے، نہ دس دن کے اندر کہیں سے کچھ معلومات یقینی بہم پہنچا سکے، حالانکہ جس وقت لوگ اس غفلت سے بیدار ہُوئے تو اس کا موقع تھا کہ طریق موجب کے ذریعہ ثبوت حاصل کرسکتے تھے، مگر ایسا نہ کیا اور باوجود ان سب باتوں کے پھر نماز عیدالاضحٰی اُس دن جو ہر جگہ ۱۰ ذی الحجہ تھی اور اُن کے حساب سے ۹ تھی یہ نماز ہوگی یا نہیں؟ اور قربانی جو کی گئی وُہ ٹھیک ہُوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) یہ گواہی کہ فلاں شہر والوں نے چاند دیکھا مقبول نہیں اگرچہ شاہد ایک جماعت ہو کہ یہ نہ **شھادۃ علی الرؤیۃ** نہ **شھادت علی الشھادت**۔ فتح القدیر و بحرالرائق و عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

لوشھد جماعۃ ان اھل بلدۃ کذارأوا ھلال رمضان قبلکم بیوم فصاموا وھذا الیوم ثلثون بحسابھم ولم یرھؤ لاء الھلال، لا یباح فطر غدولاترک التراویح فی ھذہ اللیلۃ لانھم لم یشھدوا بالرؤیۃ ولا علی شھادۃ غیرھم وانما حکوا رؤیۃ غیرھم۔[1]	اگر لوگوں کی جماعت نے گواہی دی کہ فلاں اہلِ شہر نے تم سے ایک دن پہلے رمضان کا چاند دیکھا اور انہوں نے روزہ رکھا اور اُن کے حساب سے تیسواں دن ہے لیکن ان لوگوں نے چاند نہیں دیکھا توآئندہ کل وہ عید نہ کریں اور نہ ہی اس رات کی تراویح ترک کریں کیونکہ اس جماعت نے نہ تو چاند دیکھنے پر گواہی دی اور نہ دوسروں کی شہادت پر گواہی دی، اُنہوں نے صرف دوسروں کی رؤیت کی حکایت کی ہے۔ (ت)

استفاضہ کے بعد تحقیق معتبر ہے خاص اس شہر کا جہاں حاکم شرعی ہو کہ اب یہ **شھادۃ علی الحکم** ہوگی، تنبیہ الغافل الوسنان میں ہے:

لما کانت الاستفاضۃ بمنزلۃ الخبر المتواتر و	جب شہرت، خبر متواتر کے درجہ پر ہو اور شہرت سے یہ

[1] فتح القدیر فصل فی رؤیۃ الہلال مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۴۳، فتاوٰی عالمگیری الباب الثانی فی رؤیۃ الہلال نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۹۹، بحرالرائق کتاب الصوم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷۰

وقد ثبت بها ان اهل تلك البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها لان المراد بها بلدة فيها حاكم شرعي۔[1]	جب شہرت، خبر متواتر کے درجہ پر ہو اور شہرت سے یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں اہلِ شہر نے فلاں دن روزہ رکھا ہے تو اس پر عمل لازم ہوگا کیونکہ اس سے مراد وہی شہر ہے جس میں کوئی نہ کوئی حاکمِ شرعی ہوگا (یعنی حاکم کے فیصلہ کے بعد ہی وہاں عمل ہُوا)۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور۔[2]	وہ شہرت بمعنی حکم مذکور کے منقول ہونے کے ہے۔(ت)

حاکمِ شرعی سلطانِ اسلام یا قاضی مولی من قبلہ ہے، یا امورِ فقہ میں فقیہ بصیر افقہ بلد، نہ آج کل کے عام مولوی۔ یہی جوابِ سوال نمبر ۳ ہے۔ آج کل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوتا نہ کہ واعظ جسے سوائے طلاقت لسان کوئی لیاقت جہاں درکار نہیں، خصوصًا جبکہ خاص مسائل رؤیت ہلال میں جمیع ائمہ سے تفرد ہو۔

(۲) مولٰی علی سے نہ فرمایا بلکہ مولٰی علی نے فرمایا کرم اللہ وجہہ، یہ اثر کسی کتابِ حدیث سے نظر میں نہیں، فقہا نے ذکر کیا اور ساتھ ہی فرمادیا کہ یہ اُسی عام (سال) کو تھا نہ عام کو، یعنی اسی سال کے لئے تھا اور سالوں کے لیے نہیں۔ فتاوٰی کبرٰی و خزانۃ المفتین میں ہے:

مايروى ان يوم نحركم يوم صومكم كان وقع ذلك العام بعينه دون الابد۔[3]	یہ جو مروی ہے کہ تمہاری قربانی کا دن ہی تمہارے روزے کا دن ہے۔ یہ صرف اسی ایک معین سال کا معاملہ تھا دائمی نہیں۔(ت)

وجیز کردری میں ہے:

مانقل عن علی رضی اللّٰه تعالٰی عنه ان يوم اول الصوم يوم النحر ليس بتشريع كلی	جو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ روزے کا پہلا دن ہی قربانی کا دن ہے، یہ ضابطہ شرعی کا

[1] تنبیہ الغافل والوسنان رسالہ من رسائل ابن عابدین رسالہ نمبر ۹ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۵۲
[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۲
[3] خزانۃ المفتین کتاب الصوم قلمی نسخہ ۱/ ۶۰

بل اخبار عن اتفاق فی ھذہ السنۃ۔[1]	جو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ روزے کا پہلا دن ہی قربانی کا دن ہے، یہ ضابطہ شرعی کا بیان نہیں بلکہ اسی سال اتفاقی معاملہ کے بارے میں اطلاع ہے۔(ت)

تحقیق میں تقصیر سے الزام نہ ہُوا مگر بے تحقیق محض افواہ پر عید وقربانی صحیح نہ ہوئی اگرچہ واقع میں دہم میں ہو، کہ جس طرح صحتِ نماز کے لیے دخولِ وقت شرط ہے یونہی اعتقادِ دخول بھی۔ اگر اسے شک ہے کہ ثبوت نہیں اور جزافاً نماز پڑھ لی نماز فاسد ہوئی اگرچہ وقت حقیقۃً ہوگیا ہو، یونہی نمازِ عید بھی کہ ہر مفسد صلواتِ خمس مفسدِ عیدین بھی ہے، امداد الفتاح و مراقی الفلاح وردالمحتار میں ہے:

یشترط اعتقاد دخولہ لتکون عبادتہ بنیۃ جازمۃ لان الشك لیس بجازم حتی لوصلی وعندہ ان الوقت لم یدخل فظھرانہ کان قد دخل لاتجزیہ۔[2]	نماز کے لیے دخولِ وقت کا اعتقاد بھی شرط ہے تاکہ نیّتِ جازمہ کے ساتھ عبادت ادا ہو کیونکہ شك سے جزم پیدا نہیں ہوتا حتی کہ اگر کسی نے یہ خیال کرتے ہوئے نماز پڑھی کہ ابھی وقت داخل نہیں ہُوا اور بعد میں پتا چلا کہ وقت داخل ہوچکا تھا تو اس صورت میں اس کی نماز کافی نہ ہوگی (ت)

ردالمحتار میں امداد کے لفظ یہ ہیں:

وکذایشترط اعتقاد دخولہ فلوشك لم تصح صلوتہ وان ظھر انہ قد دخل۔[3]	اسی طرح دخولِ وقت کا اعتقاد بھی شرط ہے پس اگر نمازی کو وقت کے بارے میں شك تھا تو اس کی نماز نہ ہوگی اگرچہ بعد کو پتا چلے کہ وقت داخل ہوچکا تھا۔(ت)

بدائع امام ملك العلماء میں ہے:

کل ما یفسد سائر الصلوات وما یفسد الجمعۃ یفسد صلٰوۃ العیدین۔[4]	ہر وہ شیئ جو باقی نمازوں اور نماز جمعہ کو فاسد کرتی ہے وُہ نمازِ عیدین کو بھی فاسد کرتی ہے (ت)

اور جب نماز نہ ہُوئی قربانی نہ ہُوئی کہ شہر میں تقدمِ صلٰوۃ صحتِ اضحیہ ہے **والا فھو لحم**

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیہ فتاوٰی ہندیہ الاوّل فی الشہادۃ من کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۹۶/۴

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب شروط الصّلٰوۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۱۷

[3] ردالمحتار، باب شروط الصّلٰوۃ، داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۶۹/۱

[4] بدائع الصنائع فصل فی بیان مایفسدھا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۷۹/۱

قدمہ لاھلہ کما نص علیہ حدیثا وفقھا (ورنہ وہ گوشت ہے جو اس نے اپنے اہل کے لیے عید سے پہلے تیار کیا جیسا کہ اس پر حدیث و فقہ میں تصریح ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۳: از بریلی مسئولہ ابن سید صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں شام پنجشنبہ کو ابر محیط تھا رؤیت نہ ہوئی مگر دوسرے دن چاند کو قدرے بڑا دیکھ کر بعض لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو کہ شاید کل کا ہو جنتری میں اگرچہ عید اتوار کی لکھی مگر ساتھ ہی رؤیت کو مشکوک لکھ دیا ہے ایسی صورت میں شرعًا عید دوشنبہ کی ہونا چاہئے یا اتوار کی، اگر عید قربانی اتوار کو کرلیں تو درست ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شرع مطہر میں رؤیت کا اعتبار ہے (خود یہیں دیکھا جائے یا دوسرے شہر کی رؤیت پر شرعی شہادتیں گزریں) حدیث میں فرمایا: **ان اللہ امدہ لرؤیتہ**[1] (اللہ تعالٰی نے اس کا مدار رؤیت پر رکھا ہے۔ت) خط یا تار یا عقلی قیاسوں یا دوسرے شہر کی حکایتوں کا شرع میں اصلًا اعتبار نہیں مثلًا کچھ لوگ آئے اور بیان کیا کہ وہاں فلاں دن کی عید ہے یا وہاں رؤیت ہوئی اس پر اصلًا لحاظ نہیں جب تک گواہان عادل شرعی خود اپنا دیکھنا نہ بیان کریں، درمختار میں ہے:

لالو شھدوا برؤیۃ غیرھم لانہ حکایۃ۔[2]	اس صورت میں ثبوت نہیں ہوگا اگر گواہوں نے غیروں کی رؤیت پر گواہی دی ہو کیونکہ یہ حکایت ہے (ت)

جنتریوں کا مشکوک لکھنا تو آپ ہی مشکوک و مہمل ہے اگر وُہ یقینی بھی لکھیں تو بھی شرع میں اس پر اعتبار نہیں، درمختار میں ہے:

لاعبرۃ بقول الموقتین ولو عدولا علی المذھب۔[3]	صحیح مذہب کے مطابق نجومیوں کے قول کا اعتبار نہیں اگرچہ وُہ عادل ہوں۔ (ت)

چاند کے بڑے ہونے پر بھی لحاظ ناجائز ہے، حدیث میں فرمایا:

اقتراب الساعۃ انتفاخ الاھلۃ۔[4] رواہ	قربِ قیامت (کی نشانیوں) میں سے ہے کہ چاند

---

[1] سنن الدار قطنی کتاب الصیام نشر السنۃ ملتان ۲/ ۱۶۳

[2] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

[3] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۸

[4] المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث ۱۰۴۵۱، المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۰/ ۲۴۴

الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	قربِ قیامت (کی نشانیوں) میں سے ہے کہ چاند بڑا نظر آئے گا۔ اسے طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

دوسری حدیث میں ہے:

من اقتراب الساعۃ ان یری الھلال قبلا فیقال ھو للیلتین۔[1] رواہ فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ چاند واضح ہوگا تو کہا جائے گا کہ دوسری رات کا ہے۔اسے طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

دونوں حدیثوں کا حاصل یہ کہ قربِ قیامت کی یہ بھی ایک علامت ہے کہ ہلال بُھولا ہُوا نکلے، لوگ کہیں کل کا ہے، پس ایسی صورت میں اتوار کی عید اور قربانی بالکل باطل اور خلافِ شرع ہے۔ عید کوئی دنیوی تقریب نہیں حکمِ الٰہی ہے، جب مطابقِ شرع نہ ہو محض بیکار بلکہ گناہ ہے، بالفرض اگر چاند پنجشنبہ ہی کو ہوگیا ہے جب بھی دوشنبہ کو نماز قربانی بلاشبہ صحیح ہے اور جمعہ کو ہواتو یکشنبہ کو نماز و قربانی محض باطل، تو ایسے امر میں پڑنا شرع اور عقل دونوں کے خلاف ہے، مسلمان بھائیوں کو چاہئے کہ شرع کے کام شرع کے طور پر کریں اپنے خیالات کو دخل نہ دیں۔ وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۴: مسئولہ محمد امین خاں تاجر سبز منڈی شہجہانپور ۲۰ رجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہلالِ رمضان مبارک یا عیدین اگر دس یا پانچ آدمیوں مسلمانوں نے مشاہدہ کیا اور کل ناقصان شرعی ہیں، محلوق اللحیہ ہے کوئی قصر اللحیہ، کوئی ستر کشادہ رکھتا ہے کسی کی عورت بلا حجاب پیش اجانب جاتی ہے، کوئی سُود لیتا ہے کوئی کذب و غیبت میں مبتلا رہتا ہے، کوئی اور منہیات میں۔ لیکن وہ سب معاملات میں ایسے ثقہ ہیں کہ مفتی کو ان کی شہادت پر یقین تام ہوتا ہے کہ اس امر خاص یعنی شہادت مسلمان میں یہ لوگ کاذب نہیں اور کوئی متقی اس شہادت میں اُن کا شریک نہیں کہ متقی پرہیزگار شہر میں بہت کمیاب ہیں، یا دیہات میں ایسا اتفاق ہو کہ وہاں ایسے لوگ زیادہ ہوتے ہیں اور متقی پرہیزگار شاذونادر، اس صورت میں روزہ رمضان شریف کا فرض ہوگا یا نہیں؟ اور نمازِ عید درست ہوگی یا نہیں؟ اور مفتی کو ایسے لوگوں کی شہادت باوجود یقین اہلِ شہر پر فرضیتِ صوم کا حکم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر روزہ نہ رکھے تو آثم ہے یا نہیں؟ اور اگر رکھ کر توڑ ڈالے تو اس پر کفارہ واجب ہے یا نہیں؟

---

[1] کنزالعمال بحوالہ طبرانی اوسط حدیث ۳۸۴۰۷ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴/ ۲۲۰

الجواب: صحیح یہ ہے کہ مسلمان اگرچہ فاسق ہو اہلِ شہادت ہے مگر اس کی شہادت قبول کرنی ناجائز ہے ماسوا اُس حالت کے کہ اُس کے بارے میں کہ حاکم کو تحرّی صدق ہو کہ یہ بھی تبین میں داخل ہے۔

کما قال تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ۝۶ ۔[1]	جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذانہ دے بیٹھو، پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔ (ت)

جب مفتی اہلِ فتوٰی کو ان کے بارے میں تحرّی صدق ہو تو اُس کا حکم حجتِ شرعیہ ہے، رمضان و فطر واجب ہو جائیں گے اور اسکے حکم کے بعد عوام میں کسی کو خلاف کی گنجائش نہ ہو گی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۵: از ریاست فرید کوٹ ضلع فیروز پور مسئولہ منشی سید محمد علی فورمین ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں حضور فیض گنجور اعلٰحضرت تاج العلوم الشرعیہ اس معاملہ میں کہ اخبار دبدبہ سکندری سے معلوم ہُوا کہ ملک آسام میں رؤیت ہلال سہ شنبہ کو ہو کر چہار شنبہ کو ہو کر پہلا روزہ ہُوا، یہاں پنجاب اور عموماً اکثر حصّہ ملک ہندوستان ومارواڑ میں چہار شنبہ کو رؤیت جمعرات کا پہلا روزہ ہُوا اب اس صورت میں ہمارے واسطے کیا حکم ہے، کیا ہم پر اُس روز کی قضاء لازم آئے گی اور کس قدر فاصلہ تک رؤیت ہلال کا ایک حکم مانا جاسکتا ہے؟ اگر ۲۹ رمضان المبارک کو جو رؤیت ملک آسام کے حساب سے ۳۰ ہو جائے گی چاند نہ دیکھے یا گرد وغبار کی وجہ سے نہ دیکھا جاسکے تو یہاں پُورے تیس روزے کئے جائیں یا ملک آسام کی تحقیق تصدیق پر عید کرلی جائے، یہ بھی واضح خیالِ انور رہے کہ یہاں رؤیتِ رمضان پر کوئی غبار یا ابر نہیں تھا مطلع کُھلا ہوا تھا چاند کوشش سے بھی نظر نہیں آیا۔ اس حکم سے جلد اطلاع فرمایئے کہ رمضان المبارک کا وقفہ کم رہ چکا ہے۔

الجواب:

ہمارے ائمہ مذہب صحیح معتمد میں دربارہ رمضان و عید فاصلہ بلاد کا اصلاً اعتبار نہیں، مشرق کی رؤیت مغرب والوں پر حجت ہے وبالعکس، ہاں دوسری جگہ کی رؤیت کا ثبوت بروجہ صحیح شرعی ہونا چاہئے، خط یا تار، یا تحریر اخبار، افواہِ بازار یا حکایت امصار محض بے اعتبار، بلالکہ شہادتِ شرعیہ یا استفاضہ شرعیہ درکار، درمختار میں ہے:

[1] القرآن ۴۹/ ۶

اختلاف المطالع غیرمعتبر علی المذھب وعلیه الفتوی فیلزم اھل المشرق برؤیة اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیة اولئك بطریق موجب کمامر [1]	صحیح مذہب کے مطابق مطالع کا اختلاف معتبر نہیں، اور فتوٰی اسی پر ہے، تو اہلِ مغرب کی رؤیت کی بناء پر اہلِ مشرق پر روزہ لازم ہوگا بشرطیکہ ان کی رؤیت بطریقِ شرعی ان تک پہنچے، جیسا کہ گزرچکا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله بطریق موجب کان یتحمل اثنان الشهادة اویشهد اعلی حکم القاضی اویستفیض الخبر بخلاف ما اذا اخبران اھل بلدة کذا رأوہ لانه حکایة ح۔ [2]	قولہ "بطریق موجب" سے مراد یہ ہے کہ دو ۲ مرد شہادت پر گواہی دیں یا قاضی کے فیصلہ پر گواہی دیں یا خبر مشہور ہوجائے بخلاف اس صورت کے کہ جب یہ خبر دیں کہ فلاں اہلِ شہر نے چاند دیکھا ہے کیونکہ یہ حکایت ہے، ح۔ (ت)

اسی میں ہے:

قال الرحمتی معنی الاستفاضة ان تاتی من تلك البلدة جماعات متعددون کل منهم یخبر عن اھل البلدة انهم صاموا عن رؤیة الخ۔ [3]	شیخ رحمتی نے فرمایا: شہرت کا مفہوم یہ ہے کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور ہر ایک یہ اطلاع دے کہ اس شہر کے لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے الخ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں ہم کو نہ خبر آسام پر عمل جائز نہ خبر حیدر آباد، بلاکلہ جب تک ثبوت شرعی نہ ہو پنجشنبہ ہی کہ پہلی ہے، اور اگر آئندہ پنجشنبہ کو خدانخواستہ ابر یا غبار ہوااور رؤیت نہ ہو تو حرام ہے کہ اس پنجشنبہ کو ۳۰ مان کر جمعہ کی عید کرلیں بلاکلہ اُس صورت میں ہم پر جمعہ کا روزہ بھی فرض ہوگا اگرچہ قواعدِ علم ہیأت سے جمعہ آئندہ یکم شوال ہے اور جبکہ ہمیں سہ شنبہ کی رؤیت ثابت نہ ہُوئی تو جس نے چہار شنبہ کو بہ نیتِ نفل بھی روزہ نہ رکھا اُس پر بھی اُس روزہ کی قضاء نہیں کہ ہمارے حق میں یکم شنبہ کو تھی۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹
[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۵
[3] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۵

اَلْبُدُوْرُ الْاَجِلَّۃِ فِیْ اُمُوْرِ الْاَھِلَّۃِ ۱۳۰۴ھ

مع شرح

نُوْرُ الْاَدِلَّۃِ لِلْبُدُوْرِ الْاَجِلَّۃِ

مع حاشیہ

رَفْعُ الْعِلَّۃِ عَنْ نُوْرِ الْاَدِلَّۃِ

(رؤیتِ ہلال کے تفصیلی احکام)

مسئلہ ۲۱۶:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اللہ ربّ محمد صلی علیہ وسلّما

(م) [عـــہ]، **فصل اوّل:** رؤیتِ ہلال کے حکم اور اس کے متعلق مسائل و فوائد میں پندرہ ہلال پر مشتمل۔

ہلال نمبر ۱: ۲۹ شعبان کو غروبِ آفتاب کے بعد ہلالِ رمضان کی تلاش فرض کفایہ ہے۔

عـــہ: قوسین کے اندر م، ش، ح سے بالترتیب متن، شرح اور حاشیہ مراد ہے۔

(ش) نمبر۱: فرض کفایہ، یعنی سب ترک کریں تو سب گنہگار، اور بعض بقدر کفایت عہ کریں تو سب پر سے اُتر جائے، اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ شاید شعبان ۲۹ کا ہوجائے تو کل سے رمضان ہے۔ اگر چاند کا خیال نہ کیا تو عجب نہیں کہ ہوجائے اور یہ بے خبر رہیں۔ تو کل شعبان سمجھ کر ناحق رمضان کا روزہ جائے۔

یجب کفایۃ التماس الھلال لیلۃ الثلثین من شعبان لانہ قد یکون ناقصا[1] (مراقی الفلاح) الظاہر منہ الافتراض لانہ یتوصل بہ الی الفرض[2] (ط ط) (حاشیۃ العلامۃ الطحطاوی علیہا)	شعبان کی تیسویں رات چاند کا تلاش کرنا وجوب کفایہ ہے کیونکہ بعض اوقات وہ ناقص ہوتا ہے (مراقی الفلاح) (ت) اس سے ظاہر یہی ہے کہ یہ فرض ہے کیونکہ فرض تک پہنچنے کا یہ وسیلہ ہے (ط ط)

عــہ: حاشیہ رفع العلۃ عن نور الادلّۃ: قلت بقدر کفایت،

فقیر نے یہ لفظ اس لیے زائد کر دیا کہ اگر التماس ہلال ایسے شخص نے کیا جس کا بیان عندالشرع مقبول نہ ہو تو اُس کا التماس کرنا نہ کرنا یکساں ہوا اور مقصود شرع کہ اُس کے ایجاب سے تھا یعنی ثبوتِ ہلال، وُہ حاصل نہ ہُوا۔ مثلاً صفائے مطلع کی حالت میں صرف ایک آدمی نے تلاش کیا یا ہلالِ عیدین میں فقط عورتوں یا غلاموں نے تلاش کی، وعلٰی ھذا القیاس انما زدتہ تفقھاً فلیحرر۔

(م) نمبر۲: یوں ہی ۲۹ رمضان کو ہلال عید کی۔

(ش) نمبر۲: اگر چاند ہوگیا اور نہ دیکھا تو نادانستہ عید کے دن روزہ حرام میں مبتلا ہوں گے،

کذا یجب التماس ہلال شوال فی غیوب التاسع والعشرین من رمضان[3] (ط ط)	اسی طرح شوال کا چاند انتیسویں رمضان کی شام کو دیکھنا بھی واجب ہے (ط ط) (ت)

(م) نمبر۳: ۲۹ ذیقعدہ کو ہلال ذی الحجہ کی تلاش بھی ضروری ہے۔

(ش) نمبر۳: اقول: یہ یوں ضروری ہوا کہ حج و نماز عید و قربانی و تکبیراتِ تشریق کے اوقات جاننے اسی پر موقوف ہیں، تو اس کی تلاش عام لوگوں پر واجب کفایہ ہونی چاہئے اور اہلِ موسم پر فرضِ کفایہ کہ وہاں بے خیالی میں چاند ۲۹ کا ہوگیا اور بنا رکھا ۳۰ کا، تو وقوفِ عرفہ کہ حج کا فرضِ اعظم رُکن اکبر ہے، اپنے وقت سے باہر یوم النحر میں واقع ہوگا اور عام لوگوں کو کسی فرض میں خلل کا اندیشہ نہیں، پر واجبات میں دقّت آئے گی، مثلاً کسی ضرورت سے نمازِ عید کی تاخیر بارھویں تک چاہی تو یہ جسے بارہویں سمجھے ہیں وُہ تیرہویں ہے۔ اور ایّامِ نماز کہ ایامِ نحر تھے گزر چکے، نماز بے وقت ہوئی،

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فیما یثبت بہ الہلال نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۳۵۴
[2] حاشیۃ الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح فصل فیما یثبت بہ الہلال نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۳۵۴
[3] حاشیۃ الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح فصل فیما یثبت بہ الہلال نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۳۵۴

بہت لوگ بارہویں کو قربانی کرتے ہیں، ان کی قربانیاں بے وقت ہونگی، عرفہ کی صبح سے ہر نماز کے بعد تکبیر واجب ہوتی ہے، واقع میں جو عرفہ ہے یہ اُسے آٹھویں جان کر تکبیریں نہ کہیں گے۔

وکما ان مایتوصل بہ الی الفرض فرض فکذا ان مایتوصل بہ الی الواجب واجب فصح الافتراض علی اھل الموسم والوجوب علٰی غیرھم ھذا کلہ ماذکرتہ تفقھاوارجوان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی۔	جیسا کہ فرض تک پہنچانے والی چیز فرض ہوتی ہے اسی طرح واجب تک پہنچانے والی چیز واجب ہوتی ہے تو اہلِ موسم پر کوشش کرنا فرض اور دوسروں پر واجب ہے، تمام جو میں نے بیان کیا یہ بطورِ تفقہ ہے اور امید ہے کہ یہ انشاء اللہ تعالٰی صواب ہوگا۔(ت)

(م) نمبر۴ : ۲۹رجب کو ہلالِ شعبان، ۲۹ شوال کو ہلالِ ذیقعدہ کی بھی تلاش کریں۔

(ش) نمبر۴: ہلالِ شعبان کی تلاش کا حکم خود حدیث عـــہ۱ میں ہے، حکمت اس میں یہ ہے کہ جب رمضان کا چاند بوجہ ابر نظر نہیں آتا تو حکم ہے کہ شعبان کی گنتی تیس پُوری کرلیں۔ جب شعبان کا چاند بہ تحقق نہ معلوم ہوگا تو اس کی گنتی پر کیا یقین ہوسکے گا۔ یُوں ہی اگر ذی الحجہ کا چاند نظر نہ آئے تو ذیقعدہ کی گنتی تیس رکھیں گے، اور وہی بات یہاں پیش آئے گی،

کذا ینبغی ان یلتمسوا ھلال شعبان ایضافی حق اتمام العدد[1] ع(فتاوی عالمگیریۃ) عن السراج الوھاج، قلت وزدت عـــہ۲ علیہ ھلال ذی القعدۃ تفقّھا۔	یُوں ہی اتمامِ تعداد کے لیے شعبان کے چاند کا تلاش کرنا بھی ضروری ہے (ع) یہ فتاوٰی عالمگیری میں سراج وہاج سے ہے بندہ اس پر بطور استخراج اضافہ کرتا ہے کہ ذی القعدہ کے چاند کا بھی تلاش کرنا ضروری ہے۔(ت)

عـــہ۱: **قلت** خود حدیث میں ہے:

اخرج الترمذی فی الجامع والحاکم فی المستدرک عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احصوا ھلال شعبان لرمضان۔[2] ۱۲(م)

ترمذی نے جامع میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان کے لیے شعبان کے چاند کو شمار کرو ۱۲(م)

عـــہ۲: **قلت**، وزدت علیہ ھلال ذی القعدہ

قلت اس پر میں نے بطور استنباط ذوالقعدہ کے چاند (باقی اگلے صفحے پر)

[1] الفتاوی الھندیۃ الباب الثانی فی رؤیۃ الہلال دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۹۷

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی احصاء ہلال نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۲۳

تنبیہ: لوگ تین قسم ہیں: (۱) عادل (۲) مستور (۳) فاسق

عادل وُہ مرتکبِ کبیرہ عـــہ۱ یا خفیف عـــہ۲ الحرکات نہ ہو۔ اور مستور پر پوشیدہ حال جس کی کوئی بات مسقطِ شہادت معلوم نہیں۔ اور فاسق جو ظاہراً بدافعال ہے۔

عادِل کی گواہی ہر جگہ مقبول ہے اور مستور کی ہلالِ رمضان میں، اور فاسق کی کہیں نہیں۔ پر بعض روایات کے بعض الفاظ بظاہر اس طرف جاتے ہیں کہ رمضان میں فاسق کی شہادت بھی سُن لیں۔ ممکن ہے کہ اُس شہر کا حاکمِ شرع یہی خیال رکھتا ہو، اگرچہ محققین نے اِسے رَد کردیا۔ تو جس فاسق کو معلوم ہو کہ یہاں کے حاکم کا یہ مسلک ہے اس پر بیشک گواہی دینی واجب ہوگی ورنہ نہیں، اور رمضان میں جبکہ عادل و مستور کا ایک حکم ہے، تو اِس وجوب میں بھی یکساں رہیں گے۔ رہا عادِل، جب وُہ دائم المقبول ہے تو اُس پر وجوب بھی مطلقاً ہے یعنی رمضان ہو خواہ عید الفطر خواہ عید الاضحیٰ،

یلزم العدل ان یشھد عند الحاکم فی لیلۃ رؤیتہ کیلا یصبحوا مفطرین[1] وھی من فروض العین واما الفاسق ان علم ان الحاکم یمیل الی قول الطحاوی و یقبل قولہ یجب علیہ. واما	عادِل پر لازم ہے کہ اس نے جس رات چاند دیکھا ہے اسی رات حاکم کے پاس گواہی دے تاکہ لوگ صبح کو بے روزہ نہ اُٹھیں، اور یہ گواہی فرض عین ہے، اور فاسق اگر جانتا ہے کہ حاکم کا میلان طحاوی کے قول کی طرف ہے اور اس کا قول قبول کرلیتا ہے تو اس پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تفقھا ھذا والذی قبلہ فی ھلال ذی الحجۃ لیس مایتفکر فان امثال ذلك تلتحق علی وجہ دلالۃ النص وھو مما یشترك فیہ الفقھاء والعوام کما نص علیہ العلامۃ ط وغیرہ ۱۲(م)

کا اضافہ کیا ہے یہ اور اس سے پہلے ذوالحج کے چاند میں تفکر کی ضرورت نہیں کیونکہ اس طرح کے معاملات بطور دلالۃ النص ملحق ہوجاتے ہیں اور اس میں فقہاء اور عوام دونوں مشترک ہیں جیسا کہ اس پر علامہ طحطاوی وغیرہ نے تصریح کی ہے ۱۲(ت)

عـــہ۱: قلت مرتکب کبیرہ نہ ہوا قول ارتکاب کبیرہ میں اصرار صغیرہ بھی آگیا کہ صغیرہ اصرار سے کبیرہ ہوجاتا ہے اما قول العلماء ھو ترك الکبائر والاصرار علی الصغائر الخ فارادوا الایضاح لا التتمیم کما لا یخفی (رہا علماء کا یہ قول کہ کبائر کا ترک اور صغائر پر اصرار الخ تو اس سے مراد وضاحت ہے نہ کہ تکمیلِ تعریف، جیسا کہ مخفی نہیں۔ت)

عـــہ۲: قلت خفیف الحرکات نہ ہو جیسے بازار میں کھاتے پھرنا یا شارع عام چلنے پر راہ میں پیشاب کو بیٹھنا ۱۲(م)

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فیما یثبت بہ الہلال نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۸

المستور ففيه شبهة الروايتين[1] (ش عن الحلوانی) **اقول**: واذقد تقرر قبول المستور كما سيأتی فارتفع النزاع وقد افاد بمفهوم الشرح ان الفاسق لايجب عليه ان لم يعلم ذلك وهو الذی افاد (در) عن البزازی ونبه عليه (ش)۔	گواہی دینا واجب ہے۔ رہا مستور الحال شخص تو اس کے بارے میں دو[2] روایات کا شبہ ہے (ش عن الحلوانی) **اقول**: جب مستور کے قول کا مقبول ہونا ثابت ہے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے تو نزاع ختم ہوگیا اور مفہوم شرح سے یہ واضح ہوا ہے اگر فاسق اس معاملہ کو نہ جانتا ہو تو اس پر گواہی لازم نہیں، یہ وُہ ہے جو (در) نے (بزازی) سے افادہ کی اور اس پر تنبیہ کی (شامی) نے۔ (ت)

پھر وجوب کا سبب یہ ہے کہ اگر دیکھنے والے نے اسی شب گواہی نہ دی تو ہلال رمضان میں صبح کو لوگ بے روزہ اٹھیں گے اور ہلال فطر میں روزہ دار۔ اور یہ دونوں ناروا جس کا الزام گواہی نہ دینے والے پر ہوگا۔

فان تاخير الحجة عن وقت الحاجة اثم، وقد قال تعالٰی وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ[2]	کیونکہ ضرورتِ وقت سے گواہی میں تاخیر گناہ ہے، اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: گواہی کو مت چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے گا تو اندر سے اس کا دل گنہگار ہے۔ (ت)

اقول: مگر ہلال ذی الحجہ میں آٹھویں تک کوئی حاجت ایسی نہیں جو بوجہ تاخیر خلل پذیر ہو۔ بس یُوں معلوم ہوجانا چاہئے کہ فجر عرفہ سے لوگ تکبیر میں مشغول ہوں اور حجاج سامان وقوف کریں،

فان اخّر الٰی ھذا فلایؤخّر وقت الحاجة ط انما كان الأثم به، فليكن التاخير الٰی هنا سابعًا هذا ماقلته تفقّها فليحرّر۔	پس اگر یہاں تک مؤخر کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں، لیکن وقت حاجت سے مؤخر نہ کرے، ط۔ کیونکہ اس سے گنہ گار ہوگا تو یہاں تاخیر سات ذوالحجہ تک ہوسکتی ہے۔ یہ بندہ نے بطور استخراج کہا ہے، اسے محفوظ کیجئے۔ (ت)

(م) نمبر ۵: ہلال دیکھنے والے عادل پر مطلقًا اور مستور پر رمضان میں، اور فاسق پر جب سمجھے کہ حاکم میری گواہی مان لے گا، واجب ہے کہ رمضان وعید الفطر میں اسی شب، اور ذی الحجہ میں آٹھویں تک حاکمِ شرع کے پاس حاضر ہوکر رؤیت پر گواہی دے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۹۱

[2] القرآن ۲/۲۸۳

(م) نمبر ۶: یہاں تک زن پر دہ نشین نکلے اگرچہ شوہر اذن نہ دے، اگرچہ کنیز اجازتِ مولیٰ نہ پائے۔ اگر سمجھیں کہ ثبوتِ رؤیت ہم پر موقوف ہے ورنہ یہ نکلنا ناجائز ہوگا۔

(ش) نمبر ۶: یجب علی الجاریۃ المخدرۃ ان تخرج فی لیلتھا۔[1] (د) (درمختار) ای لیلۃ الرّؤیۃ[2] (ش) بلا اذن مولاھا وتشھد کما فی الحافظیۃ[3] (د) وکذا یجب علی الحرۃ ان تخرج بلا اذن زوجھا کذا غیر المخدّرۃ والمزوجۃ بالاولی[4] (ش) محلہ اذا تعیّنت للشھادۃ والا حرم علیھا[5] (طط)	پر دہ نشین لونڈی پر اس رات نکلنا لازم ہے۔ (د) سے مراد در مختار ہے یعنی چاند رات۔ (ش) سے مراد شامی ہے یعنی اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکلے اور گواہی دے جیسا کہ حافظیہ میں ہے (د) اسی طرح آزاد عورت پر بھی بلا اجازتِ خاوند نکلنا لازم ہے، اسی طرح وُہ لونڈی جو پر دہ نشین نہ ہو اور وُہ عورت جو منکوحہ نہ ہو ان کا نکلنا تو بطریقِ اولیٰ ہوگا (ش) یہ اس وقت ہے جب شہادت کے لیے اس کا تعیّن ہو ورنہ اس کا نکلنا حرام ہوگا (طط)۔ (ت)

یہ حکم اس صورت میں ہے جب خاص اِنہی لوگوں پر گواہی متعین ہو ورنہ پر دہ نشین کو جانا یا عورت کو بے اذنِ شوہر یا غلام و کنیز کو بے اجازتِ مولیٰ نکلنا روا نہیں،

قال ط (الطحاوی) والظاھر ان محل ذٰلک عند توقف اثبات الرؤیۃ والافلا[6] (ش)	طحاوی نے فرمایا: ظاہر یہی ہے کہ اس کی ضرورت اس وقت ہے جب رؤیتِ چاند کا اثبات ان پر موقوف ہو ورنہ ضروری نہیں (ش) (ت)

(م) نمبر ۷: جہاں ریاستیں اسلامی ہیں اُن بلاد میں جو عالمِ دین سُنّی المذہب سب سے زیادہ علمِ فقہ رکھتا ہو وہ بحکمِ شرع سردارِ مسلمانان ہے، مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنی دینی باتوں میں اُسی کی طرف رجوع کریں اور اُس کے فتووں پر عمل کریں، تو چاند دیکھنے پر بھی واجب ہے کہ اُس شب اُس کے حضور ہو کر ادائے شہادت کرے۔

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۸

[2] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۹۱

[3] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۸

[4] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۹۱

[5] طحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۸

[6] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۹۱

(ش) نمبر۷: علّامہ عبدالغنی بن اسمٰعیل نابلسی قدس سرہ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

وفی العتابی اذاخلاالزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامورمؤکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم۔[1]	عتابی میں ہے کہ جب دَور ایسے بادشاہ سے خالی ہو جو صاحبِ قدرت ہو تو اس وقت امور علماء کے سپرد ہوں گے اور اُمت پر لازم ہے کہ اس وقت وہ علماء کی طرف رجوع کرے۔(ت)

اسی میں ہے:

المتبع اعلمھم فان استووااقرع بینھم۔[2]	علماء میں جو سب سے زیادہ صاحبِ علم ہوگا لوگ اُس کی اتباع کریں، اگر علم میں برابر ہوں تو ان میں قرعہ ڈال لیں۔(ت)

تنبیہ: آج کل اسلامی ریاستوں میں بھی قضاۃ وحکام اکثر بے علم ہوتے ہیں، تو عالمِ دین اُن پر بھی مقدّم۔ اور وقتِ اختلاف فتوی عالم پر ہی عمل واجب۔

حکایت: امام الحرمین ابو المعالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے زمانے میں بادشاہِ وقت کے یہاں ۲۹ کے ہلال پر گواہیاں گزریں۔ بحکم سلطان اعلان ہوا کہ کل عید ہے، یہ خبر امام الحرمین کو پہنچی۔ گواہیاں قابلِ قبول نہ تھیں، امام کے حکم سے معًا دوسرا اعلان ہوا کہ بحکم امام ابوالمعالی کل روزہ ہے۔ صبح کو تمام شہر روزہ دار اٹھا۔ حاسدوں نے یہ خبر خوب رنگ کر بادشاہ تک پہنچائی کہ اگر امام چاہیں تو سلطنت چھین لیں۔ ملاحظہ ہو کہ اُنہیں کا حکم مانا گیا اور حکمِ سلطان کی کچھ پروانہ ہُوئی۔ بادشاہ نے برافروختہ ہو کر چوبدار بھیجے کہ جیسے بیٹھے ہیں تشریف لائیں۔ امام ایک جبّہ پہنے تھے، ویسے ہی دربار میں رونق افروز ہوئے، اشتعال شاہی دوبالا ہوا کہ لباس درباری نہ تھا سوال کیا، فرمایا، اطاعتِ اولوالامر واجب ہے۔ حکم تھا جیسے بیٹھے ہیں آئیں، میں یُوں ہی بیٹھا تھا چلاآیا، کہا اعلان خلاف پر کیا باعث تھا؟ فرمایا: انتظامِ دنیا تمہارے سپرد ہے اور انتظامِ دین ہمارے متعلق۔ بادشاہ پر ہیبتِ حق طاری ہُوئی۔ باعزاز تمام رخصت کی اور بدگویوں کو سزادی۔

تنبیہ: علمِ دین فقہ وحدیث ہے منطق و فلسفہ کے جاننے والے علماء نہیں، یہ امور متعلق بہ فقہ ہیں، تو جو فقہ میں زیادہ ہے وہی بڑا عالمِ دین ہے، اگرچہ دُوسرا احدیث و تفسیر سے زیادہ اشتعال رکھتا ہو پھر بھی عالمِ دین نہ ہوگا مگر سنی المذہب کہ فاسد العقیدہ جہل مرکب میں گرفتار جو جہل بسیط سے ہزار درجہ بدتر، خصوصًا غیر مقلدین کہ

---

[1] الحدیقۃ الندیہ النوع الثالث فی المندوب الیہا مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

[2] الحدیقۃ الندیہ النوع الثالث فی المندوب الیہا مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

فقہ و فتوٰی میں ان پر اعتماد تو ایسا ہے جیسے چور کو پاسبان بنانا۔

(م) نمبر۸: جہاں کوئی عالم بھی نہ ہو مجمع مسلمین مثلاً مسجد جامع وغیرہ میں گواہی دیں۔

(ش)نمبر۸: وان لم یوجد حاکم یشھد فی المسجد (جا)[1] جامع الرموز **قلت:** انما خص المسجد لہ بمحل الاجتماع و انما المقصود الاعلان لیحصل حیثما وجد وامجتمعین کما لایخفی۔	اگر حاکم موجود نہ ہو تو وہ مسجد میں گواہی دے (جامع الرموز) **قلت:** خاص مسجد کا ذکر اس لیے کہ وُہ محلِ اجتماع ہے اور مقصود اعلان ہوتا ہے تاکہ اعلان ایسی جگہ ہو جائے جہاں لوگ جمع ہوں، جیسا کہ مخفی نہیں (ت)

(م) نمبر۹: جو بلاعُذر گواہی دینے میں تاخیر کرے گا پھر کہے گا میں نے دیکھا تھا اُس کی گواہی مردود ہوگی۔

(ش) نمبر۹: عذر کی صورت یہ کہ مثلاً شہر میں نہ تھا، دیہات میں دیکھا، وہاں سے اب آیا ہے، تو اس کی گواہی سُن لیں گے، اور تاخیر سے وہی مراد کہ وقت حاجت کے بعد پھر نہ اُٹھا رکھے ہلال رمضان و عیدالفطر میں پہلی ہی شب ہے۔

شھد وافی اٰخر رمضان ؏ برؤیۃ ھلالہ قبل صومھم بیوم ان کانوافی المصر ردّت لترکھم الحسبۃ وان جاء وامن خارج قبلت من الفتح (ش)[2]	گواہوں نے رمضان کے آخری دن گواہی دی کہ انہوں نے اہلِ شہر کے روزہ شروع کرنے سے ایک دن پہلے چاند دیکھا تھا، اگر وُہ گواہ شہر کے رہنے والے ہوں تو گواہی مسترد ہوگی کیونکہ انہوں نے گواہی میں تاخیر کی ہے اور اگر وُہ خارج شہر سے آئے ہوں تو ان کی گواہی مقبول ہوگی، یہ فتح سے شامی میں ہے۔(ت)
(ح) ؏ نمبر۹: قولہ فی اٰخر رمضان، اقول من احاط بالدلیل علم ان الاٰخرلیس بقید بل لو شھد وامن غد بعد ما اصبح الناس مفطرین انارأینا الھلال البارحۃ وکانوافی المصر ولاعذر فسقواو ردت شھادتھم لترکھم الحسبۃ وقد علمت ذٰلک من نص العلماء ان الشھادۃ من	قولہ فی اٰخر رمضان ۔**اقول:** جس شخص نے دلیل کو خُوب جان لیا ہے اس پر واضح ہوگا کہ "الاٰخر" کا لفظ قید نہیں بلکہ اگر انہوں نے اس دن سے دوسرے دن گواہی دی جب لوگ صبح بے روزہ اُٹھے، اُنہوں نے کہا ہم نے گزشتہ رات چاند دیکھا اور وہ شہر کے رہنے والے تھے اور عذر بھی کوئی نہ ہو تو وُہ فاسق قرار پائیں گے ان کی گواہی مسترد ہوگی کیونکہ انہوں نے ذمہ داری کی خلاف ورزی

[1] جامع الرموز کتاب الصوم مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۳۵۴

[2] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۹۱

فروض العین وانھا تجب فی لیلۃ الرؤیۃ حتی تخرج المخدرۃ والمنکوحۃ بدون اذن زوجھا ومولاھا[1] ۱۲(ملخصًا)	کی ہے اور آپ یہ بھی جان چکے کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ شہادت فرضِ عین ہے اور یہ چاند دیکھنے والی رات میں ہی گواہی دینا لازم ہے حتی کہ پردہ نشین اور منکوحہ خواتین پر بغیر اجازت خاوند اور مولٰی کے (چاند دیکھنے کے لیے نکلنا لازم ہے)۔(ت)

(م) نمبر۱۰: جب چاند پر نظر پڑے اور دیکھنے والوں کی گواہی کفایت نہ کرتی ہو، فوراً جہاں تک بن پڑے ایسے مسلمانوں کو دکھا دیں، جن کی گواہی کافی ہو، اور ویسے بھی دکھا دینا چاہئے کہ کثرت بہر حال بہتر ہے۔

(ش) نمبر۱۰: اقول: اگر مطلع صاف نہیں، دفعتاً ابر ہٹا اور اسے چاند نظر پڑا، اب یہ اس قابل نہیں کہ اس کی گواہی مسموع ہو، خواہ فاسق ہے یا مستور یا اکیلا یا صرف عورتیں یا غلام ہیں اور ہلال ہلالِ عیدین تو ان لوگوں کا دیکھنا کافی نہ ہوگا۔ اور عجب نہیں کہ ابر پھر آجائے۔ لہٰذا نہایت تعجیل کرکے ایسے معتمد مسلمانوں کو دکھا دے جن کی گواہیاں کفایت کرجائیں **قال اللہ تعالٰی وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی**[2] (اللہ تعالٰی کا فرمانِ مبارک ہے۔ نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ت) اِس صورت میں تو بشرط قدرت معتمدین کو دکھانا لازم ہونا چاہئے، اور اگر ایسا نہیں بلکہ خود ان کی گواہی بس ہے، تاہم اوروں کا دکھانا اچھا ہی ہے کہ کثرتِ شہود بہر حال بہتر ہے عجب کیا کہ یہ اپنے نزدیک اپنی گواہی کافی سمجھیں اور حاکمِ شرع کو کسی وجہ سے اعتبار نہ آئے تو اور شہود کی حاجت پڑے **ھذا کلہ ما ذکرتہ تفقّھا وارجو ان یکون حسنًا ان شاء اللہ تعالٰی** (بندہ نے یہ تمام بطور استنباط کہا ہے اور امید ہے یہ ان شاء اللہ درست ہوگا۔ت)

(م) نمبر۱۱: جس شام احتمالِ ہلال ہو جب تک حکم حاکمِ شرعی فتوی عالمِ دین نہ ہو ہر گز ہر گز کسی وجہ سے بندوقیں یا آواز کی آتش بازی اپنے دنیوی کاموں کے لیے بھی ہر گز نہ کریں۔

(ش) نمبر۱۱: اصطلاح یُوں ٹھہری ہُوئی ہے کہ جہاں اسلامی ریاست ہے بعد تحقیق ہلال توپ کے فَیر ہوتے ہیں اور شہروں میں بندوقیں یا ہوائیاں وغیرہ چھوڑتے ہیں، اب اگر ثبوت شرع ہوگیا اور حاکمِ شرع نے بھی حکم دے دیا جب تو یہ فعل مستحسن ہے کہ ایک نیتِ صالحہ سے کیا جاتا ہے اور آتشبازی کا ناجائز ہونا بوجہ اضاعت مال تھا، یہاں جاری نہیں کہ بعد غرض محمود کے اضاعت کہاں۔ ورنہ دو۲ صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اعلانِ ہلال کے سوا اور کسی وجہ سے یہ فعل کریں، مثلاً دوست کے گھر بیٹا پیدا ہُوا، بندوقیں سر کیں، یا خالی بیٹھے مال ضائع کرنا چاہا، ہوائیاں،

---
[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فیما یثبت بہ الھلال نور محمد کارخانہ کتب کراچی ص۳۵۸، ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۹۱/۲

[2] القرآن ۲/۵

ناٹریاں، تومڑیاں چھوڑیں۔ یہ ممنوع ہے کہ اس میں مسلمانوں کو دھوکا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ جاہلوں نے جو اپنے جاہلانہ مسئلوں سے بے حکم حاکم و فتوٰی عالم اپنے نزدیک رؤیت کی خبر ٹھیک جان کر پٹاخہ بازی شروع کردی۔ اور یہ بھی زیادہ ناجائز و حرام ہے کہ منصب رفیع شرع پر جرأت ہے۔

قال رسول اللّٰہصلی اللّٰہتعالٰی علیه وسلم افتوا بغیرعلم فضلّوا واضلّوا۔[1] وعنه صلی اللّٰہتعالٰی علیه وسلم اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النار۔[2] ھذا کله ایضًا تفقھًا، ولااظن احدًا یخالف فیه۔ واللّٰہالھادی للصواب۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے: جو بغیر علم کے فتوٰی دیں گے خود بھی گمراہ اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ بھی فرمانِ مبارک ہے: تم میں سے جو فتوٰی دینے میں زیادہ جرأت کرے گا وہ جہنم میں جانے میں زیادہ جرأت مند ہوگا۔ یہ تمام بھی بطور استخراج ہے اور میں گمان کرتا ہوں کہ اس میں کوئی مخالفت نہیں کرے گا۔ اللہ ہی صواب کی طرف رہنمائی فرمانے والا ہے۔ (ت)

(م) نمبر ۱۲: ہلال دیکھ کر اس کی طرف اشارہ نہ کریں۔ **(ش) نمبر ۱۲:** کہ افعالِ جاہلیت سے ہے،

تکرہ الاشارۃ الی الھلال عندرؤیته لانّه فعل اھل الجاھلیة[3] (فتح القدیر)	چاند دیکھنے پر اس کی طرف اشارہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ اہلِ جاہلیت کا عمل ہے (فتح القدیر) (ت)

(م) نمبر ۱۳: ہلال دیکھ کر منہ پھیر لے۔ **(ش) نمبر ۱۳:** اقول حدیث میں ہے:

ان النبی صلی اللّٰہتعالٰی علیه وسلم کان اذارأی الھلال صرّف وجھه عنه۔[4] رواہ ابوداؤد عن قتادۃ مرسلا ولاشواھد وسندہ ثقات۔	حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب نیا چاند دیکھتے اپنا منہ (مبارک) اس کی طرف سے پھیر لیتے۔ اسے ابوداؤد نے حضرت قتادہ سے مرسلًا روایت کیا ہے اور اس کا شاہد کوئی نہیں اور اس کی سند ثقہ ہے (ت)

---

[1] صحیح مسلم باب رفع العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۴۰/۲
[2] سنن الدارمی باب الفتیا حدیث ۱۵۹ نشر السنۃ ملتان ۵۳/۱
[3] فتح القدیر فصل فی رؤیۃ الہلال، نوریہ رضویہ سکھر ۲۴۳/۲
[4] سُنن ابی داؤد کتاب الادب باب مایقول الرجل اذارای الہلال آفتاب عالم پریس لاہور ۳۳۹/۲

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ شر کی چیز ہے افادہ المناوی فی التیسیر[1] (مناوی نے تیسیر میں افادہ کیا۔ت)

اقول: یا یہ کہ کفار نے اُس کی عبادت کی اور شرع میں اُسے دیکھ کر اللہ جل جلالہ سے دُعا کرنی آئی، تو پسندیدہ ہُوا کہ منہ پھیر کر کی جائے تاکہ کفار سے مشابہت نہ لازم آئے۔ واللہ و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(م) نمبر ۱۴: یہ جو جاہلوں میں مشہور ہے کہ فلاں چاند تلوار پر دیکھے فلاں آئینے پر۔ یہ سب جہالت و حماقت ہے، بلکہ حدیث میں جو دُعائیں فرمائیں وُہ پڑھنی کافی ہیں۔

(ش) نمبر ۱۴: حدیث میں رؤیتِ ہلال کی بہت دُعائیں عــہ۱ آئیں، بعض حصن حصین میں مذکور ہیں۔

(ح) عــہ۲ **نمبر ۱۴:** فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ جہاں تک اس وقت اپنی نظر میں ہیں تمام ادعیہ حدیث کو مع اشارہ رموز مخرجین جمع کرتا ہے وباللہ التوفیق:

(۱) اللہ اکبر اللہ اکبر الحمد للہ لاحول ولا قوّۃ اِلّا باللہ۔ اللھم انی اسئلك من خیر ھذا الشھر اعوذبك من شرّ القدر ومن شر یوم المحشر۔[2] (اطب) عن عبادہ بن الصامت، ھلال خیر ورشد امنت بالذی خلقک۔[3] (د) عن قتادۃ بلاغا، اللھم انی اسئلك من خیر ھذا (۳) اللھم انی اسئلك من خیر ھذا الشھر وخیر القدر واعوذ بك من شرہ[4] (۳) (طب) عن رافع بن خدیج باسناد حسن اللھم	(۱) اللہ اکبر اللہ اکبر، الحمد للہ، برائی سے پھرنے اور نیکی کی طاقت اللہ تعالٰی کی توفیق کے بغیر نہیں۔ اے اللہ میں تجھ سے اس ماہ میں خیر مانگتا ہوں اور شر تقدیر اور شر قیامت سے تیری پناہ ڈھونڈتا ہوں۔ (اطب) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے اے خیر و رشد کے چاند، میں تیرے پیدا کرنے والے پر ایمان رکھتا ہوں۔ (د) حضرت قتادہ سے مرسلًا مروی ہے اے اللہ! میں تجھ سے اس میں خیر مانگتاہوں۔ (۳) اے اللہ! میں تجھ سے اس ماہ کی اور تقدیر کی خیر مانگتا ہوں اور اس کے شر سے تیری پناہ ڈھونڈتا ہوں (۳) (طب) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ مروی ہے: اے اللہ!

[1] التیسیر تحت حدیث کان اذارای الھلال مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیۃ ۲/ ۲۴۹
[2] مسند احمد بن حنبل مرویات عبادہ بن الصامت دارالفکر بیروت ۵/ ۲۳۹
[3] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب مایقول الرجل اذارای الھلال آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳۹
[4] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۴۴۰۹ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۴/ ۲۷۶

اھلّه علینا بالیمن والایمان والسلامة والسّلام۔ [1] (اق ت ك حب) عن طلحة بن عبید الله باسناد حسن ، والتوفیق لما تحب وترضی۔ [2] حب عن طلحة (طب) عن ابن عمر ، والسکینة والعافیة والرزق الحسن [3] (سن)عن حدیر السلمی مرسلا ، ربی وربك الله۔ [4] امی ت ك (حب) عن طلحة طب عن ابن عمر ، الحمد لله الذی ذھب بشھر کذا [5] وعن قتادة بلاغا(سنّ) عن عبد الله بن مطرف اسئلك من خیر ھذاالشھرونورہ و برکته وھداہ وطھورہ ومعافاته [6] (سنّ)مثله ، اللھم ارزقنا خیرہ ونصرہ وبرکته وفتحه ونورہ ونعوذبك من شرہ وشرما بعدہ [7] (مومص)عن علی موقوفا۔	اس چاند کو ہم پر برکت، ایمان، سلامتی اور امن والا بنادے۔ (اق ت ک حب) حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے سند حسن کے ساتھ مروی ہے اور اس چیز کی توفیق دے جو تجھے پسند اور تو اس سے راضی ہے (حب) نے طلحہ سے اور (طب) نے حضرت ابن عمر سے یہ الفاظ بھی نقل کئے سکون، عافیت اور رزق حسن مانگتا ہوں ، (سن) نے حضرت حدیر السلمی سے مرسلاً روایت کیا میرا رب اور تیرا رب اللہ ہے (امی ت ک حب) نے حضرت طلحہ سے اور طب نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا، تمام حمد اس اللہ کی جو گزشتہ ماہ اسے لے گیا، حضرت قتادہ سے بلاغاً، اور (سن) نے حضرت عبداللہ بن مطرف سے روایت کیا ہے اے اللہ! میں تجھ سے اس ماہ کی خیر، اس کا نور، اس کی برکت، اس کی ہدایت، اس کی طہارت اور عافیت مانگتا ہوں۔

(سن) نے اس کی مثل روایت کیا۔ اے اللہ! ہمیں اس کی خیر، مدد، برکت، رحمت، فتح اور نور عطافرما اور ہم اس کے اور اس کے مابعد کے شر سے تیری پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ اسے (مومص) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ (ت)

---

[1] جامع ترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۴۹۸
[2] الاحسان بترتیب ابن الحبان حدیث ۸۸۵ باب الادعیۃ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۳/ ۷۰
[3] عمل الیوم واللیلۃ حدیث ۶۴۵ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن انڈیا ص ۱۷۵
[4] جامع ترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۴۹۸
[5] عمل الیوم واللیلۃ حدیث ۶۴۷ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن انڈیا ص ۱۵۷
[6] عمل الیوم واللیلۃ حدیث ۶۴۷ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن انڈیا ص ۱۵۷
[7] المصنف ابن ابی شیبہ حدیث ۹۷۹۶ کتاب الدعوات ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱۰/ ۳۹۹ - ۴۰۰

(م) نمبر ۱۵: چاند پر جب کبھی نظر پڑے تو اس کے شر سے پناہ مانگے۔

(ش) نمبر ۱۵: ترمذی، نسائی، حاکم اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چاند کو دیکھ کر فرمایا:

یاعائشۃ استعیذی باللہ من شرھذا، فانّ ھذا ھو الغاسق اذا وقب۔[1]	اے عائشہ! اللہ تعالٰی کی پناہ مانگ اس شر سے کہ یہی ہے وہ اندھیری ڈالنے والا جب ڈوبے یا گہنائے،

یعنی قرآن عظیم میں جس غاسق کا ذکر فرمایا وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ[2] اور اس کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم آیا اس سے یہی چاند مراد ہے۔

فصل دوم:

اُن امور میں جن کا درباره تحقیق ہلال کچھ اعتبار نہیں، بیس ۲۰ قمر پر مشتمل

(م) قمرا نمبر ۱۶: اہل ہیأت کی بات کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ عادل ہوں اگرچہ کثیر ہوں، نہ ہی خود اس پر عمل جائز۔ (ش) قمر ا/۱۶ اہل ہیئت وُہ لوگ جو آسمانوں کے حال اور ستاروں کی چال سے بحث کرتے ہیں، وُہ اپنے حساب [عہ۱] سے بتاتے ہیں کہ فلاں دن رؤیت ہوگی فلاں مہینہ انتیس ۲۹ کا ہوگا فلاں تیس ۳۰ کا۔ پھر اُن کی بات کہ ایک حساب ہے ٹھیک بھی پڑتی ہے، پر صحیح مذہب میں اُس کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ وُہ ثقہ عادِل ہوں، اگرچہ اُن کی جماعت کثیر یک زبان ایک ہی بات پر اتفاق کرے۔ مثلاً وہ ۲۹ شعبان کو کہیں آج ضرور رؤیت ہوگی کل یکم رمضان ہے۔ شام کو ابر ہوگیا، رؤیت کی خبر معتبر نہ آئی، ہم ہرگز رمضان قرار نہ دیں گے، بلکہ وہی یوم الشك ٹھہرے گا، یا وہ کہیں آج رؤیت نہیں ہوسکتی، کل یقیناً ۳۰ شعبان ہے، پھر آج ہی رؤیت پر معتبر گواہی گزری، فوراً قبول کرلیں گے اور کچھ خیال نہ کریں گے کہ بربنائے ہیئت تو آج رؤیت ناممکن تھی۔ گواہ نے دیکھنے میں غلطی کی، یا غلط کہا، دلیل اس مسئلے اور اکثر مسائل آئندہ کی جو قمر ۵ تک آئیں گے یہ ہے کہ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صوم و فطر کا حکم رؤیت پر معلّق فرمایا، صحیحین وغیرہما میں بطریق کثیرہ بہت صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے مروی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] جامع ترمذی ابواب التفسیر سورۃ الفلق، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۲/ ۱۸۵

[2] القرآن ۱۱۳/ ۳

صوموا الرؤیتہ وافطروا الرؤیتہ فان اغمی علیکم فاکملوا عدّۃ شعبان ثلثین۔[1]	چاند دیکھ روزہ رکھو، چاند دیکھ کر ختم کرو۔ اور اگر مطلع صاف نہ ہو تو تیس ۳۰ کی گنتی پُوری کرلو۔ (ت)

پس ہمیں اسی پر عمل فرض ہے، باقی رہا حساب، اسے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یک لخت ساقط کردیا، صاف ارشاد فرماتے ہیں،

انا امیۃ لا نکتب ولا نحسب الشھر ھکذا وھکذا والشھر ھکذا وھکذا۔[2] رواہ عـــہ۲ الشیخان ابوداؤد و نسائی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	ہم اُمّی امّت ہیں، نہ لکھیں نہ حساب کریں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں تین بار اُٹھا کر فرمایا مہینہ یُوں اور یُوں اور یُوں ہوتا ہے۔ تیسری دفعہ میں انگوٹھا بند فرمالیا یعنی انتیس، اور مہینہ یوں اور یُوں ہوتا ہے، ہر بار سب انگلیاں کھلی رکھیں یعنی تیس۔ (اسے امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

ہم بحمد اللہ و لہ المنّۃ اپنے نبی اُمّی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اُمّی اُمّت ہیں، ہمیں کسی کے حساب کتاب سے کیا کام، جب تک رؤیت ثابت نہ ہوگی نہ کسی کا حساب سُنیں، نہ تحریر مانیں، نہ قرائن دیکھیں، نہ اندازا جانیں۔

لاعبرۃ بقول الموقتین ولو عدولا علی المذھب بل فی المعراج لا یعتبر قولھم بالاجماع ولا یجوز للمنجم ان یعمل بحساب نفسہ وفی النھر فلا یلزم بقول الموقتین انہ ای الھلال یکون فی السماء لیلۃ کذا وان کانوا عدولا فی الصحیح کما فی الایضاح اھ وفی القنیۃ عن ابن مقاتل انہ کان یسألھم ویعتمد علٰی قولھم اذا اتفق علیہ جماعۃ منھم ثم نقل عن شرح السرخسی انہ بعید وعن مجد الائمۃ انہ اتفق اصحاب ابی حنیفۃ الا النادر عـــہ۳	صحیح مذہب کے مطابق نجومیوں کا قول معتبر نہیں اگرچہ وُہ عادل ہوں، بلکہ معراج میں ہے کہ ان کا قول بالاجماع معتبر نہیں، اور نجومی کو خود اپنے حساب پر عمل کرنا درست نہیں۔ نہر میں ہے نجومیوں کا یہ قول کہ فلاں رات کو آسمان پر چاند نظر آئے گا صحیح روایت کے مطابق ان کے اس قول سے روزہ لازم نہ ہوگا، اگرچہ نجومی عادل ہو جیسا کہ ایضاح میں ہے اھ قنیہ میں ابن مقاتل سے مروی ہے کہ نجومیوں سے سوال کیا جائے اور اگر ان کی ایک جماعت کا اتفاق ہوجائے تو ان کے قول پر اعتماد کیا جائے، پھر شرح سرخسی سے نقل کیا ہے کہ یہ بعید (از قیاس) ہے، مجد الائمہ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] صحیح بخاری کتاب الصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

والشافعی انہ لا اعتماد قولھم [1] ش ملخصاً	سے مروی ہے کہ کچھ شاذ احناف کو چھوڑ کر باقی تمام احناف اور شوافع اس پر متفق ہیں کہ نجومیوں کے قول پر اعتماد نہیں کیا جائے گا' شامی ملخصًا (ت)

تنبیہ: اس مسئلہ کے یہ معنی ہیں کہ جو بات وہ بطور ہیأت کہیں مقبول نہیں ورنہ اگر شہادت رؤیت ادا کریں تو مثل اور لوگوں کے ہیں، جن شرائط سے اوروں کی گواہی سُنی جاتی ہے اُن کی بھی گواہی قبول ہوگی، پھر اُن کا قابل شہادت ہونا جبھی ہے کہ ہیأت و نجوم کی خلافِ شرع باتوں پر اعتقاد نہ کرتے ہوں صرف صناعی طور پر آسمان کی گردشوں، ستاروں کی چالوں، طلوع وغروب، جوع واستقامت، بطؤ وسرعت، قرآن، تسدیس ترجیح، تثلیث، مقابلہ، اجتماع وغیرہ سے بحث کرتے ہوں، ورنہ مثلاً امورِ غیب پر احکام لگانا سعد و نحس کے خرخشے اٹھانا، زائچہ کے راہ پر چلنا چلانا، اوتاد اربع، طالع رابع، عاشر، سابع پر نظر رکھنا زائلہ مائلہ کو جانچنا پرکھنا، شرعًا ہجر ہے۔ اور اعتقاد کے ساتھ ہو تو قطعًا کفر، والعیاذ باللہ رب العالمین۔ اسی قبیل سے ہے ان کا کہنا کہ فلاں دن رؤیت واجب ہے فلاں دن محال۔ اگر وجوب واستحالہ عادی مراد لیتے ہیں تو خیر کہ سنۃ اللہ کیلئے تبدیل نہیں، ورنہ حقیقی و عقلی کا قصد معاذاللہ کُھلا ہوا کفر ہے۔ اعاذنا اللہ بمنہ العظیم، اٰمین (اللہ تعالٰی اپنے بڑے احسان پر ہمیں محفوظ رکھے، آمین۔ ت)

اہل تنجیم میں قرار پایا ہے کہ جب تک چاند آٹھ درجے آفتاب سے دور نہیں ہوتا ہرگز نظر نہیں آتا صرح بہ الفاضل الرومی (اس پر فاضل رومی نے تصریح کی ہے۔ ت) اور جب ۱۲ درجے جُدا ہوتا ہے ضرور نظر آتا ہے نص علیہ علامۃ الشریف (علامہ شریف نے اس پر نص کی ہے۔ ت) پھر وُہ ۲۹ تاریخ مغرب کی تقویم یعنی اُس وقت فلک بروج سے شمس و قمر کے مواضع نکال کر فصل دیکھتے ہیں اگر آٹھ درجے سے کم پایا حکم لگادیا کہ آج رؤیت ہرگز نہ ہوگی اور ۱۲ یا ۱۲ سے زائد دیکھا تو جزم کردیا کہ ضرور ہوگی، اور اس کے مابین معلوم ہوا تو رؤیت ہلال مشکوک رکھتے ہیں، پھر منجمان ہند کی ادا کچھ نرالی ہے۔ فقیر نے بارہا دیکھا کہ ۲۹ کی مغرب کو قمر ۱۲ درجے سے بہت زیادہ دُور ہے پھر بھی اُنہوں نے کل کی رؤیت رکھی۔ خیر یہاں یہ کہنا ہے کہ حکمائے یُونان اُن کے قواعد وضع کرچکے خود بھی ان پر مطمئن نہیں، تصریح کرتے ہیں کہ احوال قمر کا آج تک انضباط نہ ہُوا پھر ایسے شاک وشاک فی انہ شاک بات کا کیا اعتبار،

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾ [2] اقول: و	پاک ہے تیری ذات ہمیں علم نہیں مگر اتنا جو تُو نے ہمیں سکھایا، بلاشُبہ تُو ہی جاننے والا ہے اور حکمت والا ہے

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۰
[2] القرآن ۲/ ۳۲

وبھذا یردما اعتمدہ الامام السبکی من الشافعیة وصوبہ الزرکشی منھم وجنح الیه بعض منّا من جوزالاعتماد علٰی قولھم بناءً علی ان الحساب قطعی والشھادۃ ظنّی قلنا ھذا الحساب ایضا لیس من القطع فی شئی کما علمت واحتمال الغلط لیس باقل من احتماله فی خبر العدل والشارع صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قد الغی الحساب ونزل الشھادۃ بمنزلة الیقین وبالجملة فالمذھب عدم جواز الاعتماد علیھم اصلا ۱۲۔	اقول اس سے اس کا رَد ہو جاتا ہے جس پر شوافع میں سے امام سبکی نے اعتماد کیا ہے اور ان میں سے زرکشی نے اس کی تصویب کی۔ اور ہم احناف میں سے بعض نے ان کی طرف جھکاؤ کیا کہ ان کے قول پر اعتماد جائز ہے اس بناء پر کہ حساب قطعی ہوتا ہے اور شہادت ظنی۔ ہم کہتے ہیں کہ حساب بھی کسی معاملہ میں قطعی نہیں جیسا کہ آپ جان چکے، اور غلطی کا احتمال خبر عادل میں احتمال سے کم نہیں، اور شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حساب کو لغو قرار دیا اور شہادت کو بمنزل یقین فرمایا، الغرض مذہب صحیح یہی ہے کہ اہل، توقیت (نجومیوں) پر اعتماد جائز نہیں (ت)
(ح) ۱/ ۱۶: عــــہ۲ :قد رواہ البخاری فی کتاب الصوم وعقدله، باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لانکتب ولانحسب، فقصر الفاضل المرحوم عبدالحی اللکھنوی فی "القول المنشور" عزوہ علی مسلم تقصیر ۱۲۔	اسے بخاری نے کتاب الصوم میں روایت کیا ہے اور باب کا نام "حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ ہم نہ لکھیں اور نہ حساب کریں" فاضل مرحوم عبدالحی لکھنوی کا "القول المنشور" میں اسے صرف مسلم کی طرف منسوب کرنا قلّتِ مطالعہ ہے ۱۲ (ت)
(ح) ۱۶/۱: عــــہ۳: **اقول**: الاولٰی تاخیر الاستثناء بعد الشافعی لان من اصحابه ایضا من اعتمد علیھم کما سمعت ۱۲۔	**اقول**: یہاں حرف استثناء لفظ شافعی کے بعد ہونا چاہئے کیونکہ ان میں سے کچھ حضرات نے اہلِ ہیئت پر اعتماد کیا ہے جیسا کہ آپ سُن چکے ہیں۔ (ت)

(م) قمر ۲: اخیر میں دو ایک رات ضرور بیٹھتا ہے **نمبر ۱۷** پر شریعت میں اس پر مدارِ حکم نہیں۔

(ش) قمر ۱۷/۲: مہینہ انتیس کا ہوتا ہے تو ایک رات بیٹھتا ہے، تیس کا ہو تو دو رات، پھر آج صبح کو طلوعِ شمس سے پہلے چاند جانبِ شرق نظر آیا تھا اور آج شام کی نسبت شہادت شرعی رؤیت پر گزری، بلاشُبہ قبول کی جائے گی اور یہ لحاظ نہ ہوگا کہ آج صبح تک تو چاند موجود تھا بن ڈوبے کیونکر ہلال عــــہ ہو گیا۔

روی یوم التاسع والعشرین قبل الشمس	طلوع شمس سے پہلے انیتسویں دن کو چاند دیکھا گیا

ثم رؤی لیلة الثلاثین بعد الغروب و شھدت بینة شرعیة بذلك فان الحاکم یحکم برؤیته لیلا کما ھو نص الحدیث ولا یلتفت الی قول المنجّمین انه لا یمکن رؤیته صباحًا ثم مساء فی یوم واحد، کیف وقد صرحت ائمة المذاھب الاربعة بان الصحیح انه لا عبرة بقول المنجمین[1] ش ملخصا۔	طلوع شمس سے پہلے انیتسویں دن کو چاند دیکھا گیا پھر غروب کے بعد تیسویں رات کو دیکھا گیا اور اس پر شرعی گواہی بھی ہُوئی تو حاکم رات کی رؤیت پر فیصلہ دے جیسا کہ اس پر حدیث میں تصریح ہے اور اہل نجوم کے اس قول کی طرف توجہ نہ کرے کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ ایک ہی دن میں چاند صبح اور شام دکھائی دے، یہ کیوں نہ ہو، حالانکہ ائمہ مذاہب نے تصریح کی ہے کہ صحیح مذہب یہی ہے کہ اہلِ نجوم کے قول کا اعتبار نہیں، شامی ملخصًا (ت)

(ح) ۱۷/۲: عـــہ چاند سورج دونوں کی اپنی چال مغرب سے مشرق کو ہے، اور حرکتِ یومیہ جس کے بسبب طلوع و غروب روزانہ ہوتا ہے مشرق سے مغرب کو تو چاند صبح کے وقت جب ہی نظر آئیگا کہ سورج کے پیچھے ہو یعنی جانب مغرب ہٹا ہوا ہو کہ اگر جانبِ مشرق بڑھا ہو تو آفتاب اس سے پہلے طلوع کرے گا، صبح کے وقت چاند آفتاب سے بھی زیادہ زیرِ زمین اترا ہوگا نظر کیونکر آئے، اور جب پیچھے ہے توافقِ مشرقی پر سورج سے پہلے چمک آئیگا، آفتاب ہنوز زیرِ زمین ہوگا، تو نظر آسکتا ہے بشرطیکہ ۸ درجے سے کم نہ ہو، ورنہ اتنے قرب میں سورج کی شعاعیں اُسے چُھپالیں گی، نظر کام نہ کرسکے گی۔ اسی طرح شام کو مغرب میں جب ہی نظر آتا ہے کہ سورج کے آگے یعنی جانبِ مشرق بڑھا ہو کہ اگر جانبِ مغرب ہٹا ہوگا تو سورج سے پہلے ڈوب جائے گا، اور جب آگے ہے توافق غربی پر بعد غروب آفتاب باقی رہے تو نظر آنا ممکن بشرطیکہ آٹھ درجہ سے کم فصل نہ ہو۔ جب یہ بات سمجھ لی تو اگر آج صبح کو نظر بھی آئے پھر شام کو ہلال بھی ہو تو لازم ہے کہ صبح کو آٹھ درجے پیچھے تھا شام کو لااقل آٹھ درجے آگے ہوگیا، چار پہر میں سولہ درجے طے کرگیا، حالانکہ وہ کبھی آٹھ پہر کامل میں بھی اتنا نہیں چلتا اس وجہ سے ہیأت والے اجتماع رؤیتِ صبح و شام کو ناممکن کہتے ہیں، مگر جب ثبوت شرعی ہو تو انکار کا کیا یارا، اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (بلاشبہ اللہ تعالٰی ہر شیئ پر قادر ہے۔ ت)

(م) قمر ۳ نمبر ۱۸: انتیس ۲۹ رات کی صبح کو چاند نظر نہیں آتا، شرع اِسے بھی نہیں سنتی۔

(ش) ۱۸/۳: یہ دعوٰی دعوٰی اول سے اخصّ ہے وہاں دو ایک رات بیٹھنا تھا، عام ازیں کہ ۲۹ کو ڈوبے یا ۳۰ کو، یہاں خاص دعوٰی ہے کہ ۲۹ کو ضرور ڈوبتا ہے، شرع میں اس پر بھی لحاظ نہیں۔ مثلاً ۲۹ شعبان

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲ / ۱۰۴

روز یکشنبہ کو شام کے وقت ابر تھا، گواہانِ شرعی نے رؤیت بیان کی، صبح کو رمضان ٹھہرا، اب جو گنتی ہوئی آئی تو ۲۹ رمضان دو شنبہ کو طلوع شمس سے پیشتر چاند موجود تھا، اس پر کوئی خیال کرے دوشنبہ کی پہلی ہوئی تو آج ۲۹ کو چاند صبح کے وقت کیونکر نظر آتا، ضرور ہے کہ گواہوں نے غلطی کی شعبان ۳۰ کا ہُوا، آج ۲۸ ہے ابر ہُوا تو اسی حساب پر رمضان کے ۳۰ پُورے ہوں گے، تو یہ خیال محض غلط ہوگا بلکہ وہی دوشنبہ کی ۲۹ ٹھہرے گی او اسی پر بناء احکام رہے گی والدلیل علی ذلک مع السند قد انطوی فیما قدمنا (اور اس پر دلیل مع سند ہماری سابقہ گفتگو میں آچکی ہے۔ت)

(م) قمر۴ نمبر۱۹: دن کو دوپہر سے پہلے چاند جب ہی نظر آتا ہے کہ شبِ گزشتہ ہلال ہوچکا ہو، پر صحیح مذہب میں اس کا بھی لحاظ نہیں۔

(ش) ۱۹/۴: یعنی مثلاً پنجشنبہ ۲۹ شعبان یا ۲۹ رمضان کو ابر تھا رؤیت نہ ہوئی جمعہ کی دوپہر عہ سے پہلے چاند نظر آیا تو اگرچہ قیاس یہی چاہتا ہے کہ شبِ جمعہ میں ہلال ہوگیا، ورنہ دوپہر سے پہلے نظر نہ آتا۔ تو آج پہلی ہونی چاہئے۔ مگر صحیح مذہب میں اس کا کچھ لحاظ نہ ہوگا اور آج تیس ہی ٹھہرے گی۔

رؤیته بالنهار للیلة الاٰتیة مطلقا علی المذهب ذکره الحدادی(ای سواء روی قبل الزوال او بعده علی المذهب الذی هو قول ابی حنیفة و محمد[1] (ملخصا)(ش) اوجب الحدیث ای قوله علیه الصلٰوة والسلام صوموالرؤیته وافطر والرؤیته،فوجب فسبق الرؤیة علی الصوم و الفطر و المفهوم المتبادر منه الرؤیة عند عشیة اٰخرکل شهر عند الصحابة والتابعین ومن بعدهم بخلاف ماقبل الزوال من الثلثین و المختار	دن کو دیکھا جانے والا چاند مذہب صحیح کے مطابق ہر حال میں آئندہ رات کا شمار ہوگا۔ اسے حدادی نے ذکر کیا مذہب صحیح جو امام اعظم اور امام محمد کا مذہب ہے کے مطابق خواہ زوال سے پہلے دکھائی دے یا زوال کے بعد (شامی) یہ اس حدیث نبوی علٰی صاحبہا الصلٰوۃ والسلام سے ثابت ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو، تو اس سے چاند کی رؤیت کا روزے اور عید سے پہلے ہونا ضروری ہے، اس سے متبادر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ چاند کی رؤیت جو ہر ماہ کی آخری شام کی ہو، مراد ہے۔ یہی صحابہ، تابعین اور ان کے بعد آنے والے اہلِ علم نے کہا ہے، بخلاف تیسویں دن کے ما قبل الزوال دکھائی دینے کے، اور مختار امام اعظم

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۳

قولهما[1] (فت)(فتح القدیر) وکذاصرح باختیارہ فی ع وخز (خزانة المفتین) و ص (خلاصة) و ق(قاضی خان) ومروبز(بزازیة) وجو (جواهر الاخلاطی) ومج(مجمع الانهر) وب (بحرالرائق) والاختیار وجامع المضمرات والعنایة والغیاثیة والتتارخانیة والتجنیس وغیرها۔	اورامام محمد کا قول ہی ہے (فتح القدیر) اس کے مختار ہونے پرع، خزانۃ المفتین، خلاصہ، قاضی خاں، مر، بزازیہ، جواہرالاخلاطی، مجمع الانہر، بحرالرائق، اختیار، جامع المضمرات، عنایہ، غیاثیہ، تتارخانیہ اور تجنیس وغیرہ میں تصریح ہے۔(ت)

(ح) ۱۹/۴ عــــہ: دوپہر سے پہلے کی قید اس لئے لگائی کہ اگر بعد زوال نظر آیا تو عامہ کتب پر کسی کے نزدیک گزشتہ رات نہ ٹھہرے گا کہ تیس ۳۰ کا چاند بھی اکثر دن سے نظر آجاتا ہے مگر دوپہر ڈھلنے کے بعد،

هکذا فی عامة الکتب کالبدائع والایضاح والمنظومة والخانیة وطم وش والبزازیة والعتابیة والذخیرة والتتارخانیة وجامع الرموز وجواهر الاخلاطی والاختیار والبحرو التبیین والمجتبٰی والقنیة ومجمع البحرین و شرحه لابن ملك وشرح الکنز لملّامسکین و غیرها و وقع فی المجمع الانهر تبعالما فی الفتح من التحفة انه عند ابی یوسف اذارؤی قبل الزوال اوبعدہ الی وقت العصر فللما ضیة وبعدہ للمستقبل[2]	عام کتب میں اسی طرح ہے مثلاً بدائع، ایضاح، منظومہ، خانیہ، طم، شامی، بزازیہ، عتابیہ، ذخیرہ، تتارخانیہ، جامع الرموز، جواہرالاخلاطی، اختیار، بحر، تبیین، قنیہ، مجمع البحرین اور اس کی شرح لابن ملک، اور شرح کنز لملّا مسکین وغیرہ اور مجمع الانہر میں فتح کی اتباع میں اور وہاں تحفہ سے ہے کہ امام ابویوسف کا قول یہ ہے کہ جب چاند زوال سے پہلے یا اس کے بعد عصر تک دکھائی دے تو وہ گزشتہ رات کا ہوتا ہے اور اگر اس کے بعد نظر آئے تو وُہ آئندہ رات کا ہوگا۔(ت)

(م) **قمرہ ۵ نمبر ۲۰**: کے بڑے ہونے کا کچھ خیال نہ چاہئے۔

[1] کنزالعمال بحوالہ معجم الکبیر حدیث ۳۸۴۶۹ مکتبۃ التراث الاسلامی مصر ۱۴ /۲۲۰

[2] کنزالعمال بحوالہ معجم الاوسط حدیث ۳۸۴۷۰ مکتبۃ التراث الاسلامی مصر ۱۴ /۲۲۰

(ش)۲۰/۵: بہت لوگ چاند کو بڑا دیکھ کر کہنے لگتے ہیں کہ کل کا ہے یا آج ۲۹ نہ تھی ۳۰ تھی کہ ۲۹ کا چاند اتنا بڑا نہیں ہوتا، یہ اُن کی خام خیالی ہے، شرعی معاملے تو اوپر ہو چکے کہ وہاں قیاسی باتوں کا دخل نہیں اور بطور علم ہیأت ہی چلئے تو اِن شاء اللہ تعالٰی فقیر ثابت کر سکتا ہے کہ ۲۹ کا چاند بعض ۳۰ کے چاندوں سے بڑا ہونا ممکن۔ اور سب سے بڑھ کر دافع اوہام یہ ہے کہ طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ حضرت سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اقتراب الساعۃ انتفاخ الاھلۃ۔[1]	قربِ قیامت کا ایک اثر یہ ہے کہ ہلال بڑے نظر آئیں گے۔

اور معجم اوسط میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

مِن اقتراب الساعۃ ان یری الھلال قبلا فیقال ھو للیلتین[2] الحدیث۔	قُربِ قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ ہلال سامنے ہی نظر پڑے گا دیکھنے والا کہے گا کہ دو ۲ رات کا ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ابوالبختری سے مروی ہے کہ ہم عمرے کو نکلے بطنِ نخلہ میں ہلال دیکھا کسی نے کہا تین ۳ رات کا ہے، کسی نے کہا دو ۲ رات کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے حال عرض کیا، فرمایا: تم نے کس رات دیکھا؟ ہم نے کہا فلاں رات۔ کہا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انّ اللہ تعالٰی امدہ عہ۱ للرؤیۃ فھو للیلۃ عہ۲ رأیتموہ۔[3] (ح)۱۲/۵: عہ۱ ای جعل وقت الصوم ممتدّ الی زمان رؤیۃ الھلال ۱۲۔ عہ۲: وقع ھٰھنا فی القول المنشور للفاضل اللکھنوی لرؤیۃ رأیتموہ وھو تصحیف ۱۲	اللہ تعالٰی نے اُسے رؤیت پر موقوف فرمایا ہے تو جس رات تم نے دیکھا اُسی رات کا ہے۔ اللہ تعالٰی نے وقت صوم کو رؤیت کا چاند کے زمانہ تک طویل (ممتد) کیا ہے ۱۲ (ت) اور القول المنشور میں فاضل لکھنوی نے "لرؤیۃ رایتموہ" تحریر کیا ہے یہ تصحیف ہے ۱۲ (ت)

(م) قمر ٦: نہ اس نمبر ۲۱ کے اونچے ہونے پر نظر قمرے نہ اس کے دیر تک ٹھہرنے پر التفات۔

(ش) ۲۱/٦ بہت لوگ چاند عہ اونچا دیکھ کر بھی ایسی ہی اٹکلیں دوڑاتے ہیں، بعض کہتے ہیں اگر ۲۹ کا ہوتا تو اتنا

---

[1] کنزالعمال بحوالہ معجم الکبیر حدیث ۳۸۴۶۹ مکتبۃ التراث الاسلامی مصر ۱۴/ ۲۲۰

[2] کنزالعمال بحوالہ معجم الاوسط حدیث ۳۸۴۷۰ مکتبۃ التراث الاسلامی مصر ۱۴/ ۲۲۰

[3] صحیح مسلم کتاب الصیام قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۸

نہ ٹھہرتا۔ یہ سب بھی ویسے ہی اوہام ہیں جن پر شرع میں التفات نہیں، خصوصًا یہ باتیں توازرُوئے ہیأت بھی کلیہ نہیں ہوسکتیں، میں اِن شاء اللہ تعالٰی ثابت کرسکتا ہوں کہ کبھی ۲۹ کا ۳۰ کے بعض ہلالوں سے اونچا اور دیر پا ہونا متصور۔

(ح)۲۱/۶ عہ: اونچا ہونا اور دیر تک رہنا غالبًا زیادت فصل سے ہوتا ہے اور یہ ہم اوپر واضح کرچکے کہ کبھی ۲۹ کا بہ نسبت ۳۰ والے کے سورج سے دُور تر ہوتا ہے تو غالبًا اُتنا ہی اُونچا بھی ہوگا اور اتنا ہی دیر میں ڈوبے گا۔ علاوہ ازیں دقائق ہیأت پر نظر کیجئے تو باوجود استوائے فصل ایک حالت میں بلند تر و دیر پا تر ہونا ممکن وذلک یبتنی علی مقدمات طویلۃ لوتکلمنا علیہا لخرجنا عما نحن بصددہ ۱۲ (اور یہ طویل مقدمات پر مبنی ہے اگر ہم ان پر گفتگو شروع کردیں تو زیرِ نظر موضوع سے کہیں دُور نکل جائیں گے ۱۲۔ (ت)

(م) قمر۸: آج کا ہلال نمبر۲۲: شفق سے پہلے ڈوبتا ہے کل کا بعد کو، یہ بھی معتبر نہیں۔

(ش)۲۲/۸: شفق سے مراد شفقِ احمر ہے یعنی وُہ سرخی جو غروبِ آفتاب کے بعد جانبِ مغرب رہتی ہے۔ عادت یُوں ہے کہ جو ہلال اسی شب ہُوا وہ اس سُرخی کے غائب ہونے سے پہلے ڈوب جاتا ہے، اور جو کل ظاہر ہُوا تھا اس کے بعد غروب کرتا ہے۔ پھر یہ بھی تجربہ کی بات ہے، صحیح مذہب میں اس پر اعتماد نہیں

فی مختارات النوازل وقیل ان غاب بعد الشفق فھو للماضیۃ وان غاب قبل الشفق فھوللمستقبلۃ اھ[1] وھکذاذکرہ مضعفا مقابلا لمذھب الصحیح المختار اعنی کونہ للمستقبلۃ مطلقافی مج وفت وق وبزوغیرھا من اسفار کثیرۃ۔	مختار النوازل میں ہے بعض نے کہا کہ اگر شفق کے بعد چاند غروب ہوگیا تو وُہ گزشتہ رات کا ہوگا اور اگر شفق سے پہلے غروب ہوگیا تو وُہ آئندہ رات کا ہوگا اھ یُونہی یہ ضعیف قول مذہب صحیح اور مختار کے مقابل ذکر کیا ہے، اور مذہب صحیح یہ ہے کہ وہ چاند ہر حال میں آئندہ رات کا ہوگا مج، فتح القدیر، قنیہ، بزازیہ، اور دیگر کتبِ معتمدہ میں یُونہی ہے (ت)

(م) قمر۹: تیسری رات نمبر۲۳ عشاء سے پہلے چاند نہیں ڈوبتا، پر یہ بھی قابلِ لحاظ نہیں۔

(ش)۲۳/۹: عادت اکثری یُوں ہے کہ تیسری شب کا چاند غروب نہیں کرتا جب تک عشاء کا وقت نہ آجائے۔ حدیث شریف میں نمازِ عشاء کی نسبت ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلّیھا لسقوط القمر	حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ نماز اس وقت پڑھا کرتے جس وقت تیسری رات کا

[1] فتاوٰی بزازیہ علٰی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۹۶

لثالثۃ۔[1] رواہ ابوداؤد عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ نماز اس وقت پڑھا کرتے جس وقت تیسری رات کا چاند ڈوبتا ہے (اسے ابوداؤد نے نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

پر معاملہ ہلال میں شرعًا اس پر بھی التفات نہیں مثلًا گواہی گزری کہ آج چاند ہوا کل جمعہ کی یکم رمضان ہے اب شنبہ کے بعد جو شب یکشنبہ آئی کہ اس شہادت کی رُو سے تیسری شب تھی، اس میں دیکھا تو چاند مغرب ہی کے وقت عشاء کا وقت آنے سے پہلے ڈوب گیا جس کے سبب گمان ہوتا ہے کہ آج شبِ دوم ہے اس کا کچھ خیال نہ کریں گے اور تیسری ہی رات قرار دیں گے۔ تنبیہ: اقول: وباللہ التوفیق بے شک اِس شہادت پر عمل میں معاذاللہ حدیث کی کچھ مخالفت نہیں، بلکہ عین حکمِ حدیث پر چلنا ہے۔ حضور اقدس سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقتِ عشاء دیکھ کر نماز شروع فرماتے، وہ اس اکثری امر کے سبب غالبًا اس وقت سے موافق پڑتی، یایُوں سہی کہ زمانہ اقدس میں ہمیشہ ہی مطابق آئی، اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ حضور نے ایک وقت بھی اِس غروبِ قمر پر وقتِ نماز کی بنا رکھی ہو نہ کہ اُسے ابدی غیر ممکن الخلف جانتے نہ کہ اس کے سبب امر صوم میں شہادتِ شرعیہ جسے شرع نے مثلِ رؤیت عین قرار دیا رو کی جائے۔

سئل فیما غاب الھلال باللیلۃ الثالثۃ قبل دخول وقت العشاء ھل یعمل بالشھادۃ ام لا، اجاب، المعمول بہ ما شھدت البینۃ لان الشھادۃ نزلھا الشارع منزلۃ الیقین ولیس فی العمل بالبینۃ مخالفۃ لصلٰوتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2] (ش) عن فتاوی العلامۃ الشھاب الرملی الکبیر الشافعی ملخصاً وھذا واضح جدّا عہ وللہ الحمد ۱۲۔ (ح) ۲۳/۹: عہ **اقول**: وبتقریرنا ھذا	سوال کیا گیا کہ جب تیسری رات کا چاند دخولِ وقتِ عشا سے پہلے غائب ہوجائے تو کیا شہادت پر عمل کیا جائے گا یا نہیں؟ تو جواب یہ دیا کہ اس پر عمل کیا جائیگا جس پر گواہی ہُوئی کیونکہ گواہی کو شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام نے یقین کا مقام قرار دیا ہے اور گواہوں پر عمل کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مخالف نہیں یہ شامی نے علامہ شہاب رملی الکبیر الشافعی کے فتاوٰی سے ملخصًا نقل کیا ہے اور یہ نہایت ہی واضح ہے، حمد اللہ کے لیے ہے ۱۲ (ت) **اقول**: بحمد اللہ ہماری اس تقریر سے واضح

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۰
[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفٰی البابی مصر ۲/ ۱۰۰

ظهر بحمد الله انه لاحاجة الى ماتجشمه الفاضل عبدالحی اللكهنوی فی القول المنشور مجيبا عن هذاالاشكال انه ليس فی الحديث ما يدل على الدوام فقد يكون هكذاولا تغتربقوله"كان"فانه لايدل على الاستمراركما بسطه النووی فی شرح صحيح مسلم فی ابواب النوافل فتشكر انتهى، فقد علمت ان لااشكال بالحديث اصلا ولو"كان"للدوام دوامًا على ان هذه المسئلة كثيرة الخلاف وقد عقدنا لبيانها رسالتنا"التاج المكلل فی انارة مدلول كان يفعل"فبناء التفصی على امر مختلف فيه مع عدم الحاجة اليه ممالا معول عليه ۱۲	**اقول:** بحمدﷲ ہماری اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ اس کی ضرورت نہیں جو فاضل عبدالحی لکھنو نے القول المنشور میں اس اشکال کے جواب میں کہا کہ حدیث میں کوئی ایسی شیئ نہیں جو دوام پر دال ہو، ہاں کبھی ایسا ہوجاتا تھا اور لفظ "کان" سے بھی ضابطہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ دوام واستمرار پر دال نہیں ہوتا جیساکہ شرح صحیح مسلم کے ابواب النوافل میں امام نووی نے اس پر تفصیلاً گفتگو کی ہے۔ پس اللہ کا شکرادا کروانتہی یقیناآپنے جان لیا کہ حدیث کے ساتھ یہاں کوئی اشکال ہی نہیں اگرچہ کانَ ہمیشہ دوام پر دال ہو، علاوہ ازیں اس مسئلہ میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ ہم نے اس کے لیے ایک رسالہ لکھا جس کا نام "التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل" رکھا ہے، لہٰذا چھٹکارے کے لئے ایسے معاملہ پر بنیاد رکھنا جو مختلف فیہ ہو اور ضرورت بھی نہ ہو قابلِ اعتماد نہیں ہے ۱۲ (ت)

(م) قمر۱۰: چودھویں کا سُورج ڈوبنے سے پہلے نکلتا ہے **قمر۱۱** پندرھویں کا بیٹھ کر، یہ دونوں بھی نامعتبر ہیں۔

(ش) ۱۰-۲۴/۱۱: حاکم شرع یا عالمِ دین نے شہادتِ شرعیہ لے کر شعبان کا مہینہ ۲۹ کا ٹھہرایا اور کل بروز جمعہ رمضان کا حکم دیا، اب اس حساب سے شبِ جمعہ ۱۵ کو چاند غروب سے پہلے نکلا، توبہت جاہل اعتراض کرینگے کہ وُہ حکم غلط تھا بلکہ ۳۰ کا چاند ہوا، اور ہفتہ کی پہلی، جب توآج چاند بیٹھ کر نہ چمکا، یا حاکم وعالم نے گواہی ناکافی سمجھ کر شعبان کی گنتی ۳۰ پُوری کی، شنبہ سے یکم رمضان رکھی۔ شبِ جمعہ میں چاند بیٹھ کر نکلا، جاہل لوگ کہیں گے کیوں صاحب! ہفتہ کی پہلی سے توآج شبِ بدر ہوتی ہے یہ چاند بیٹھ کر کیوں نکلا، ضرور جمعہ کی پہلی تھی اور آج پندرھویں، یہ اور اس قسم کے سب خیالات محض مہمل وبیہودہ ہیں جن پر اصلاً مدارِ احکام نہیں، نہ حاکم وعالم پر شرع یہ لازم فرمائے کہ عنداللہ جو بات نفس الامر میں ہے اس پر مطلع ہوجائیں کہ یہ تکلیف مالا یطاق ہے، بلاکہ شرع ان پر یہی فرض کرتی ہے کہ دلیل شرعی سے جو بات ثابت ہواس پر عمل کرو۔ عام ازیں کہ عنداللہ کچھ ہو ، خود حضور اقدس عالم ماکان ومایکون صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

انكم تختصمون الى ولعل بعضكم ان	تم میرے حضور اپنے مقدمات پیش کرتے ہو اور شاید

يكون الحن بحجته من بعض فاقضى بنحو مما اسمع فمن قضيت له من حق اخيه شيأفلا ياخذه فانما اقطع له قطعة من نار۔[1] رواه احمد والستة عن ام المومنين ام سلمة رضی اللہ تعالٰی عنھا۔	تم میرے حضور اپنے مقدمات پیش کرتے ہو اور شاید تم پر ایک دوسرے سے زیادہ اپنی حجّت بیان کرنے میں تیز زبان ہوتو میں جو سنوں اس پر حکم فرماؤں پس جس کے لیے میں اُس کے بھائی کے حق سے کچھ حکم کروں وُہ اسے نہ لے کہ یہ تو ایک آگ کا ٹکڑا ہے اس کے لیے قطع کرتا ہوں (اسے امام احمد وائمہ ستّہ نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنھا سے روایت کیا ہے۔ت)

علاوہ بریں چاند کا چودھویں کو غروبِ شمس سے پہلے نکلنا اگرچہ اکثر ہے، اور اسی لئے اسے بدر کہتے ہیں مگر، بحساب ہیأت بھی اس کاخلاف ممکن، کما لایخفی علٰی من یعلمه (جیسا کہ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(م) قمر ۱۲: غلط ہے کہ ہمیشہ رجب **نمبر ۲۵** کی چوتھی رمضان کی پہلی ہو۔

(ش) ۲۵/۱۲: عوام میں مشہور ہے کہ سال میں جس دن رجب کی چوتھی اسی دن آکر رمضان کی پہلی پڑے گی۔ یہ بات محض بے اصل ہے، اس کا شرعی نہ ہونا تو خود ظاہر، تجربہ بھی خلاف پر شاہد۔ بعض دفعہ رجب کی تیسری اور رمضان کی پہلی مطابق ہوئی ہے۔

ماهو الرابع من رجب لا يلزم ان يكون غرة رمضان بل قد يتفق (بز)[2]	رجب کی چوتھی کا رمضان کی پہلی ہونا لازم نہیں بلکہ بعض دفعہ اتفاقًا ایسا ہو جاتا ہے (بزازیہ) (ت)

(م) قمر ۱۳: رمضان کی پہلی نمبر ۲۶ ذی الحجہ کی دسویں ہونا بھی ضروری نہیں۔

(ش) ۲۶/۱۳: کہیں مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بعض آثار میں آگیا کہ تمہارے روزہ کا دن وہی تمہاری قربانی کا دن ہے، یہ اُس سال کا ایک واقعی بیان تھا، نہ کہ ہمیشہ کے لیے حکم شرعی ہو۔ بارہا یکم رمضان ودہم ذی الحجہ مختلف پڑتی ہیں، مثلًا یکم رمضان جمعہ کی ہو اور رمضان شوال ذیقعدہ تینوں مہینے ۲۹ کے تو عیداضحٰی چہار شنبہ کی ہوگی اور دو ۲۹ کے تو پنجشنبہ کی، اور تینوں تیس ۳۰ کے تو شنبہ کی۔ ہاں دو ۲ تیس کے اور ایک ۲۹ کا، تو بے شک جمعہ کی پڑے گی۔ پھر یونہی ہونا کیا ضرور ہے!

---

[1] صحیح بخاری باب موعظۃالامام للخصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۶۲

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۹۶

شھر رمضان اذا جاء یوم الخمیس ویوم عرفۃ جاء یوم الخمیس ایضا کان ذٰلك یوم عرفۃ لایوم الضحٰی حتّٰی لا تجوز التضحیۃ فی ھذاالیوم ومایروی ان یوم نحرکم یوم صومکم کان وقع ذلك العام بعینہ دون الابدلان من اوّل یوم رمضان الی غرۃ ذی الحجۃ ثلثۃ اشھر لا یوافق یوم النحر یوم الصوم الا ان یتم شھران من الثلاثہ وینقص الواحد فاذا تمت الشھور الثلاثۃ تأخر عنہ واذا نقصت الشھور الثلاثۃ او شھران تقدم علیہ فلا یصح الاعتماد علٰی ھذا[1] (خذ) عن الفتاوی الکبری۔	جب رمضان المبارک جمعرات کو آیا اور یوم عرفہ بھی جمعرات ہی کو آیا تو اب یہ یومِ عرفہ تو ہوسکتا ہے یوم اضحٰی نہیں ہوسکتا حتی کہ اس دن قربانی جائزنہ ہوگی، اور جو یہ مروی ہے کہ تمہارا یوم نحر تمہارے روزہ کادن ہے یہ ایک معیّن سال میں اتفاق ہُوا تھا، نہ کہ دائمی ضابطہ ہے، کیونکہ رمضان کے پہلے دن سے لے کر ذوالحجہ کی ابتداء تک تین ماہ ہیں تو یومِ نحر یومِ صوم کے موافق تب ہی ہوگا جب ان تین ماہ میں سے دو۲ کامل اور ایک ناقص ہو، تو جب تینوں کامل واقع ہُوئے تو یومِ نحر اس سے مؤخر ہوجائے گا، اور اگر تینوں یا دو ناقص واقع ہُوئے تو یومِ نحر اس پر مقدم ہوگا لہٰذا اس پر اعتماد صحیح نہیں۔ یہ فتاوے الکبرٰی کے حوالے سے خزانۃ میں ہے (ت)

(م) قمر۱۴: اکثری کہ اگلے رمضان کی نمبر ۲۷ پانچویں اس رمضان کی پہلی ہوتی ہے، پر شرع میں اس پر اعتماد نہیں۔

(ش) ۲۷/۱۴: سیّدنا امام جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ:

خامس رمضان الماضی اوّل رمضان الاٰتی۔[2]	گزشتہ رمضان کی پانچویں آئندہ رمضان کی پہلی ہے۔(ت)

بعض علماء نے کہا اس کا پچاس برس تک تجربہ ہُوا، ٹھیک اُترا۔ بعض معاصرین نے لکھا، ۱۲برس سے میں بھی تجربہ کرتا اور درست پاتاہُوں۔

اقول: مگر فقیر نے ۱۲۹۷ھ سے اب تک کے ۹ رمضانوں میں خیال کیا چند ہی سال میں صاف فرق پڑ گیا۔ پانچ برس تک تو حساب ٹھیک تھااور اس قاعدے کے مطابق رمضان ۱۳۰۱ھ کی پنجم روز یکشنبہ

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الصوم قلمی نسخہ ۱/۶۰

[2] الاستبصار کتاب الصوم دارالکتب الاسلامیہ تہران ۲/۷۶ من لایحضرہ الفقیہ دارالکتب الاسلامیہ تہران ۲/۷۸

آئی مگر ۱۳۰۲ھ بحساب تقویم یکم اسی دن مظنون تھی، مگر فقیر ۲۹ شعبان روز پنجشنبہ کو دیہات میں تھا کشادہ جنگل، صاف مطلع، ابر، غبار، دُخان کسی علّت کا نام نہ نشان۔ میں اور میرے ساتھ اور مسلمان ہر چند غور کرتے رہے روّیت نہ ہُوئی، شب جمعہ کی خبر بھی نہ آئی، شنبہ کی عید قرار پائی۔ اب ۱۳۰۲ھ کا حساب تقویم اگر غلط بھی مانئے تو مطلع صاف نہ تھا اور بحکم ہیأت یکم یکشنبہ بھی ممکن تھی، تو تصحیح قاعدہ کو اسی دن یکم رکھئے تو پنجم پنجشنبہ کی ٹھہر یگی۔ ۱۳۰۳ھ میں یکم بھی جمعرات کو ہونی چاہئے حالانکہ وُہ بشہادت عین بھی غلط، اور بحکم ہیأت بھی ناممکن۔ لاجرم ماننا پڑے گا کہ ۱۳۰۳ھ میں ٹوٹ گیا۔ باایں ہمہ اگر دائمہ بھی ہو تو صرف ایک تجربہ ہے، نہ حکم شرعی جس پر احکامِ شرعیہ کی بناء ہوسکے۔

(م) قمر۱۵: برابر چار مہینے سے زیادہ ۲۹ کے نہیں ہوتے، پر اس پر بھی مدار نہیں۔

(ش) ۲۸/۱۵: امام قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

قد یقع النقص متوالیا شھرین او ثلثة ولایقع اکثر من اربعة اشھر۔[1]	دو ۲ یا تین ۳ ماہ مسلسل انتیس کے ہوسکتے ہیں، چار ماہ سے زائد ناقص نہیں ہوسکتے۔ (ت)

اسی طرح شرح صحیح مسلم میں ہے: **لکن مصدرا بلفظة قالوا**[2] (لیکن اسے لفظ "قالوا" سے تعبیر کیا ہے۔ت) پھر بھی یہ اسی قبیل سے تجربہ ہے، یا حساب جس پر شرع میں اعتماد نہیں۔ مثلاً ربیع الآخر سے رجب تک چار مہینے ۲۹ کے ہوتے آئے، اب شعبان کی ۲۹ کو شہادت رؤیت گزری، بلاشُبہ مقبول ہوگی، اور یہ خیال نہ کریں گے کہ ۵ برابر ۲۹ کے ہوئے جاتے ہیں۔

(م) قمر۱۶: ان امور میں خط کا اعتبار اجس طرح عوام میں رائج محض مردود ہے اگرچہ مہر شدہ ہو اور کاتب ثقہ اور خط معروف۔

(ش) ۲۹/۱۶ : جاہل لوگوں بلکہ بعض اُن مدعیان علم میں بھی جو بزعمِ خود فقیہ العصر وحید الدہر ہوں، اعتماد خط کا عجیب جوش ہے۔ اپنے کسی معتمد کا خط آگیا اور شہادت شرعی میں کچھ باقی نہ رہا، گویا خط کاہے کو ہے۔ خاص فلک قمر سے ان پر تفسیر ہلالین نازل ہُوئی، پھر کورے جُہّال کا تو کہنا ہی کیا ہے، وہاں خط سے گزر کر تاریخ خط سے استناد ہوتا ہے، حالانکہ علماء فرماتے ہیں خط پر اعتماد نہیں، نہ اس پر عمل ہو کہ خط خط کے

---

[1] ارشاد الساری شرح صحیح بخاری کتاب الصوم دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

[2] شرح نووی علی صحیح مسلم کتاب الصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۷

مشابہ ہوتا ہے اور مُہر مُہر کے مثل ہو سکتی ہے۔

المقرر عند علماء الحنفیة انه لا اعتبار بمجرد الخط والالتفات الیه خ[1] (خیریه) الخط لایعتمد علیه ولا یعمل به خ[2]۔لیس الموجودفیه سوی خط فی ورق لیس من حجج الشرع فی شئی خ عــہ۱ [3] مجرد الخط علامة لا تبنٰی علیها الاحکام خ[4]۔ صرّح علماؤنابعدم الاعتماد علی الخط وعدم العمل به خ[5]۔ملخصا، العبرۃ لما تقوم البینةالشرعیة علیه لالما یوجد من الخطوط والکواغذ خ[6]۔انما هو کاغذ به خط وهو لا یعتمد علیه ولایعمل به کما صرّح به کثیر من علمائنا خ[7]۔مجرد خط لا یعتمد علیه ولایعمل له شرعا خ عــہ۲ [8]۔لیس الورق والخط من حجج الشرع خ[9]۔	علمائے احناف کے ہاں یہ مسلم ہے کہ محض خط قابل توجّہ نہیں، خیریہ۔خط پر نہ تواعتماد کیا جائے نہ ہی عمل، خیریہ۔ اس میں ایک ورق پر خط کے علاوہ کچھ نہیں جو کوئی شرعی دلیل نہیں، خیریہ۔ محض خط علامت ہے اس پر احکام کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی خیریہ۔ ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ خط پر اعتماد اور عمل نہیں کیا جاسکتا خیریہ ملخصًا۔اعتبار اس کا ہے جس پر شرعی گواہی ہو، نہ کہ خطوط اور کاغذ موجود ہونے پر، خیریہ ۔کیونکہ وہ کاغذ ہی ہے جس پر تحریر ہے اور اس پر نہ اعتماد کیا جاسکتا ہے اور نہ عمل، جیسا کہ ہمارے اکثر علماء نے تصریح کی ہے خیریہ۔شرعی طور پر خط پر نہ اعتماد کیا جاسکتا ہے نہ عمل خیریہ۔کاغذ اور خط دلائلِ شرعی سے نہیں خیریہ۔

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الادب القاضی دارالمعرفۃ بیروت۔ ۲/ ۱۲
[2] فتاوٰی خیریۃ باب خلل المحاضر والسجلات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۹
[3] فتاوٰی خیریۃ باب خلل المحاضر والسجلات ۲/ ۲۴
[4] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۱۹
[5] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۱۸
[6] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۰۰
[7] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۰۳
[8] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دارالمرفۃ بیروت ۱/ ۲۰۹
[9] فتاوٰی خیریۃ کتاب البیوع دارالمرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۸

من کتاب البیوع لا یعتمد علی الخط ولا یعمل به ولاشك ان الخط اعم من ان یکون بالقلم اوبالطابع الذی هو الختم خ ملخصًا[1]۔	کتاب البیوع میں ہے کہ خط پر نہ اعتماد کیا جاسکتا ہے نہ عمل، اور اس میں شک نہیں کہ خط سے مراد عام ہے خواہ وہ قلم سے تحریر کیا ہُوا ہو یا اس پر مُہر مطبوع ہو خیریہ ملخصًا(ت)

ان کے سوا بے اعتباریٔ خط پندرہ کتابوں کی عبارتیں فقیر نے فتوٰی تار مندرجہ رسالہ ازکی الاہلال میں ذکر کیں وباللہ التوفیق۔ تنبیہ: خط بعض صورتوں میں مقبول ہوتا ہے، کتاب القاضی الی القاضی یعنی حاکم شرع کو خط لکھے تو بشرائط کثیرہ حجت ملزمہ ہے

(ح)۲۹/۱۶: عــہ[1]: الثلثة من کتاب الدعوی کالاخیرة ۱۲	آخری کی طرح یہ تینوں بھی کتاب الدعوی سے ہیں ۱۲(ت)

(م) قمر ۱۷: تار محض نمبر ۳۰ مہمل اور ناقابلِ التفات اگرچہ متعدد شہروں سے وارد ہو۔

(ش) ۳۰/۱۷ : فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اس بارے میں ایک مفصل فتوٰی لکھا اور علمائے بدایوں ورامپور وحیدرآباد ودہلی نے مُہریں کیں، وُہ فتوٰی آخر رسالہ ازکی الاہلال میں مذکور ہُوا، اور ہم ان شاء اللہ بحثِ استفاضہ میں یہ بھی ظاہر کریں گے کہ تار جیسا ایک جگہ ویسا ہی دس بیس مقام کا، سب نامعتبر ہیں، یعنی اگر کسی شہر میں متعدد تار مختلف امصار سے آئیں تو ان کی بھی کچھ وقعت نہ ہوگی کہ کثرتِ تار شرعی تواتر واشتہار سے اصلاً علاقہ نہیں۔

(م) قمر ۱۸ نمبر ۳۱: بازاری افواہ اصلاً کوئی چیز نہیں۔

(ش) ۱۸ /۳۱: اکثر دیکھا گیا ہے کہ خبر رؤیت میں شہر میں شہرہ اور عام عوام کی زبان پر چاند چاند کا چرچا ہو گیا، پھر تحقیق کیجئے تو کچھ اصل نہ تھی۔ اسے افواہ کہتے ہیں۔ شرع جس تواتر وشہرت کو قبول فرماتی ہے وہ اور چیز ہے۔

(م) قمر ۱۹ نمبر ۳۲: مجرد حکایت محض نامسموع۔

(ش) ۳۲/۱۹: گواہوں کا مجرد بیان کہ فلاں شہر میں چاند ہُوا، یا فلاں فلاں نے چاند دیکھا، یا فلاں روز سے روزہ رکھا۔ مجرد حکایت ہے جس پر اصلاً التفات نہیں، بلکہ یا تو اپنے معائنہ کی شہادت ہو، یا

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/۵۱

شہادت پر شہادت، یا شرعی شہرت۔ یہ مسئلہ بہت ضروری الحفظ ہے۔ یہ صرف عوام بلکہ آج کل کے بہت مدعیانِ علم، بلکہ بعض ذی علم بھی ناواقف پائے،

واللہ الھادی ھذہ الجماعۃ لم یشھد وابا لرؤیۃ ولا علی شھادۃ غیرھم وانما حکوا بالرؤیۃ غیرھم فلا یلتفت الی قولھم [1] خز، وقد نص علی المسئلۃ فی دط طم ش فت ع ب و غیرہا کما ذکرنا بعض نصوصھا فی ازکی الاھلال۔	اور اللہ ہی ہدایت عطا فرمانے والا ہے، اس جماعت نے چاند دیکھنے کی گواہی نہیں دی اور نہ ہی دُوسروں کی گواہی پر گواہی دی ہے انہوں نے صرف دُوسروں کی رؤیت کی حکایت کی ہے لہٰذا ان کا قول قابل توجہ نہیں ہوگا، خزانۃ۔ اور اس مسئلہ پر در، طحاوی، طم، ش، فتح القدیر، ع، ب وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ جیسا کہ ان میں سے بعض کو ہم نے ازکی الاھلال میں ذکر کردیا ہے (ت)

(م) قمر ۲۰ نمبر ۳۳: یقین عرفی کچھ بکار آمد نہیں، وصلی اللہ علٰی خیر خلقہ سیّدنا محمد واٰلہٖ وصحبہ اجمعین وَالحمد للہ ربّ العالمین۔

(ش) ۳۳/۲۰: اقول: یہ ایک نفیس مسئلہ ہے جس پر فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے تنبیہ کی، یقین دو [۲] طرح کا ہوتا ہے: ایک شرعی کہ طریقہ شرع سے حاصل ہو۔ دوسرا عرفی کہ باوجود عدم طریقہ شرعی صرف اپنے مقبولات و مسلّمات یا تجربیات، مشہورات اور قرائن خارجیہ کے لحاظ سے اطمینان حاصل ہوجائے۔ ناواقف لوگ مدرک عرفی و شرعی میں تفرقہ نہ جان کر اسے کافی ووافی ودلیل شرعی گمان کرتے ہیں حالانکہ یہ صریح خطا ہے، مثلاً جہاں شرع مطہر نے شہادت میں عدد شرط کیا دو [۲] مرد یا ایک مرد دو عورتیں ہوں، وہاں ہمارے اعظم کسی معتمد اجل مستند نے جسے افضل اولیاء عالم جانیں، اور وُہ واقع میں بھی غوثِ زمانہ ہی ہو۔ شہادت دی کہ میرے سامنے ایسا ہُوا اور میں نے بچشمِ خود دیکھا، ہمیں جو اعتبار اس کے فرمانے پر آئے گا ہرگز دو چار دس بیس کی بات پر بھی اس سے زیادہ نہ ہوگا مگر شرع دوسرا گواہ اور مانگے گی، اور معاملہ زنا میں تین۔ تو اگر ایسے ہی تین گواہی دیں جب بھی نامسموع کہ قرآن کریم نے بِاَرْبَعَةِشُهَدَآءَ [2] فرمایا، اگرچہ اس میں شک نہیں کہ سامع مطلع کو ان کے ارشاد میں اصلاً محلِ شک نہ ہوگا۔ اسی طرح ہزاروں نظیریں اس مسئلہ کی ہوں گی اور

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۱۰۲/۲، فتح القدیر کتاب الصوم نوریہ رضویہ سکھر ۲۴۳/۲

[2] القرآن ۴/۲۴

پھر قرائن بے چارے کس گنتی شمار میں ہیں۔ ذی علم کو بارہا واقع ہوتا ہے کہ بہت امور خارجہ کے لحاظ سے چاند ہونے میں اطمینان کامل رکھتا ہے، مگر جب تک ثبوت شرعی نہ ہو ہر گز حکمِ رؤیت نہیں کرتا۔ یُوں ہی جب ثبوت میزانِ شرع پر ٹھیک اُترے گا مجبورًا حکمِ رؤیت کرے گا، اگر چہ بنظر امور دیگر کسی طرح ہلال کا ہونا دل پر نہ جمے۔ ایسی ہی جگہ عالم و جاہل کا فرق کھلتا ہے، جب قرائن اس کے خلاف ظاہر ہوتے ہیں جہال حکم عالم پر اعتراض کرنے لگتے ہیں، حالانکہ وُہ جانتا ہے کہ جو میں نے کیا وہی رائے صائب تھی اور مجھ پر بہر حال مدرک شرعی کی پابندی واجب اس امر کی طرف اشارہ زیر یا زدہم بھی گزرا، اور ان یقینوں کی زیادہ توضیح رسالہ ازکی الاھلال میں مذکور ہُوئی، **وباللہ التوفیق وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمدٍ واٰلہ وصحبہ اجمعین۔**

فائدہ: صحیح حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

شهران لاینقصان شهراعید رمضان وذی الحجة[1]۔ رواه احمد والستة عن ابن ابی بكرة رضی الله تعالٰی عنه۔	عید کے دونوں مہینے ناقص نہیں ہوتے یعنی رمضان اور ذوالحجہ۔ (اسے امام احمد اور ائمہ ستہ نے حضرت ابنِ ابی بکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

بعض علماء نے اس کے یہ معنی لیے ہیں کہ یہ دونوں مہینے ایک سال میں ۲۹ کے نہیں ہوتے۔ صحیح بخاری میں ہے:

قال محمد لا یجتمعان كلاهما ناقص[2]۔	محمد بن سیرین کہتے یہ دو ۲ مہینے جمع نہیں ہوتے اس حال میں کہ دونوں ناقص (یعنی ۲۹ کے) ہوں۔ (ت)

امام سراف نے فرمایا: لاینقصان جمیعا فی سنة واحدةٍ[3] (ایک سال میں عید کے دو ۲ ماہ جمع نہیں ہوتے کہ دونوں ہی ناقص ہوں۔ ت)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

ان نقص رمضان تم ذوالحجة وان نقص ذو الحجة تم رمضان[4]۔	رمضان ۲۹ کا ہوگا تو ذوالحجہ ۳۰ کا، اور ذوالحجہ ۲۹ کا ہوگا رمضان ۳۰ کا۔ (ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی عن عبدالرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ دارالمعرفۃ بیروت ۵/ ۳۸، صحیح البخاری کتاب الصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۶

[2] صحیح البخاری کتاب الصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۶

[3] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الصوم دارالمعرفہ بیروت ۴/ ۱۰۷

[4] صحیح البخاری کتاب الصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۶

ف: فتح الباری میں امام سراء کی بجائے امام بزار سے یہ عبارت منقول ہے۔)

اور اس معنی کی مؤیّد وُہ حدیث ہے جو بطریق زید بن عقبہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی کہ **شھر اعید لایکونان ثمانیۃ وخمسین یوما**[1] عید کے دونوں مہینے ۵۸ دن کے نہیں ہوتے۔

بااینہمہ محققین کے نزدیک اس سے اکثری اغلبی حکم مراد ہے۔ نہ کہ دائمی ابدی۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: **قد وجدناھما ینقصان فی اعوامھم**[2] نے برسوں دیکھا کہ یہ دونوں مہینے سال میں ۲۹ کے ہوئے۔

اقول: معہذا حدیث اول کے تو عمدہ معانی علماء نے بیان فرمائے، اور تحقیق روشن یہی ہے کہ اس کا ثواب نہیں گھٹتا اگرچہ گنتی میں پُورے ہوں، اور حدیث دوم کی صحت معلوم نہیں، اگر صحیح ہو تو بعض رواۃ سے اپنی فہم کی بناء پر نقل بالمعنی محتمل، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

بالجملہ غرض یہ ہے کہ ایسے تجربیات کا دائمی ہونا ضرور نہیں، اور دائمی ہوں بھی تو احکامِ شرع کا اُن پر مدار نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔ واللہ الھادی وصلی اللہ تعالٰی علٰی سید المرسلین محمد واٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین** ط

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب الصوم دار المعرفۃ بیروت ۴/۱۰۷

[2] شرح معانی الآثار کتاب الصیام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۸۱

مفسداتِ صَوم

(روزہ توڑدینے والی اشیاء)

مسئلہ ۲۱۷تا۲۱۹: از علی گڑھ بوساطت رحیم اللہ خاں ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:

(۱) رمضان میں عورت کوئی دواخشک اپنے جسم میں رکھے توروزے میں کچھ فساد آئے گا یانہیں؟

(۲) عورت بتّی کسی دوا کی یا انگلی سے دوا اپنے جسم میں داخل کرے، یامرد انگلی کرے توروزہ ٹوٹے گا یانہیں؟

(۳) عورت کو لپٹا یا یا خیال باندھا، کچھ دیر بعد جس وقت کہ خواہش بالکل نہ رہی بُوندیں خارج ہوچکی ہیں، پیشاب کو جاتے وقت بعد پیشاب کے کچھ گاڑھا پانی سفید نکلے جس کی شکل منی کی سی ہو تواس کو منی کہا جائے گا یانہیں؟ اور روزہ اس سے ٹوٹے گا یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) اگر روزے کی حالت میں یعنی طلوعِ صبح صادق سے غروبِ شمس تک رمضان خواہ غیر رمضان میں دواخشک یاتر خواہ کوئی چیز فرج میں اس طرح رکھی گئی کہ فرج داخل کے اندر بالکل غائب کردی توروزہ جاتارہا، اور اگر مثلاً دوا کسی کپڑے میں باندھ کر فرج میں اس طرح رکھی کہ کپڑے کاسِرا فرج داخل سے باہر رہا اگرچہ فرج خارج میں غائب ہوجائے توروزہ نہ جائے گاجب تک دوا کا کوئی حصہ کپڑے سے چھین کر فرج داخل کے اندر نہ گرے یادوا ایسی تر ہو کہ کپڑے میں ٹپک کر فرج داخل میں لگے یا حرکت کے سبب کپڑا اچڑھ جائے کہ بالکل فرج داخل کے اندر غائب ہوجائے، ان صورتوں میں روزہ جاتا رہے گا۔

تنویرالابصار اور درمختار میں ہے: کسی نے عود (کی لکڑی وغیرہ کو) دبر میں اس طرح داخل کیا کہ ایک کنارہ اس کا باہر ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا، اور اگر سب اندر چڑھالے تو ٹوٹ جائے گا اور یہی حکم ہے اس کا جو کوئی لکڑی نگل لے یا دھاگہ اگرچہ اس میں لقمہ بندھا ہُوا ہو مگر اس صورت میں کہ جب لقمہ سے کچھ جُدا ہو کر اندر رہ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اس کا حاصل یہ ہے کہ پیٹ میں داخل ہونے والی چیز کا وہاں (پیٹ میں) استقرار (ٹھہرنا) فساد کے لیے شرط ہے بدائع، اگر عورت نے رُوئی داخل کی جو غائب ہو گئی تو روزہ فاسد ہو جائیگا، اور اگر اس کی کوئی طرف فرج خارج میں نکلی ہُوئی رہی تو روزہ فاسد نہ ہوگا (یعنی روزہ نہیں ٹوٹے گا) اھ اختصارًا۔ ردالمحتار میں ہے کہ جو کچھ جوف میں داخل ہُوا اگر وُہ غائب ہوگیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور استقرار سے یہی مراد ہے اور اگر غائب نہ ہو بلکہ اس کی کوئی جانب خارج باقی رہ گئی یا خارج شئی سے متصل رہی تو عدمِ استقرار کی وجہ سے روزہ فاسد نہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)	فی تنویر الابصار والدرالمختار (ادخل عودا ونحوہ (فی مقعدتہ وطرفہ خارج) وان غیبہ فسد وکذالوابتلع خشبۃ اوخیطا ولوفیہ لقمۃ مربوطۃ الاان ینفصل منھا شئی ومفادہ ان استقرارالداخل فی الجوف شرط للفساد، بدائع، ولوادخلت قطنۃ ان غابت فسد وان بقی طرفھا فی فرجھا الخارج لا (لم یفطر) اھ[1] ملتقطا وفی ردالمحتار مادخل فی الجوف ان غاب فیہ فسد وھو المراد بالاستقرار وان لم یغب بل بقی طرف منہ فی الخارج اوکان متصلا بشئی خارج لایفسد لعدم استقرارہ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) بتّی اور دوا کا حکم مسئلہ سابقہ میں گزرا، اور انگلی فرج میں داخل کرنے سے عورت کا روزہ صرف چار صورت میں فاسد ہوگا: ایک یہ کہ انگلی داخل کرنے سے اُسی حالت میں کہ انگلی فرج کو مَس کر رہی ہے عورت کو انزال ہو جائے **لوجود معنی الفطر وھو الامناء عن مباشرۃ**[3] **کما فی الھدایۃ وغیرھا** (اس صورت میں معنی افطار پایا گیا اور وُہ مباشرت کی وجہ سے منی کا خروج ہے، ہدایہ وغیرہ۔ت) دوسرے یہ کہ انگلی پانی یا روغن کی مانند کسی شے سے ایسی تر ہو کہ اُس کی تری چھُوٹ کر فرج داخل میں لگے۔ تیسرے یہ کہ خشک انگلی داخل کی وُہ فرج کی رطوبت سے ایسی تر ہو گئی کہ اب اس سے چھوٹ کر دوسری چیز میں لگے، بعدہ انگلی باہر کرکے ایسی ہی

---

[1] درمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[2] ردالمحتار باب مایفسد الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۷

[3] ردالمحتار باب مایفسد الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۹

تری کی حالت میں پھر اندر کی کہ تری چھُوٹ کر فرج داخل میں لگی۔ چوتھے یہ کہ انگلی کٹی ہوئی جسم سے جُدا تھی وہ فرج داخل کے اندر غائب کردی گئی کہ سرا باہر نہ رہا، یہ احکام بھی اُسی مسئلہ سے ظاہر ہیں ان میں برابر ہے خواہ انگلی مرد کی ہو یا عورت خود اپنی

ادخل اصبعه الیابسة فی دبره اوفرجها لم یفطر ولو مبتلة فسد اھ[1] ملتقطاً	اگر کسی نے انگلی دُبر میں دی یا عورت نے اپنی فرج میں داخل کی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر انگلی تر تھی تو روزہ ٹوٹ جائے گا اھ اختصارًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله ولو مبتلة فسد لبقاء شئی من البلة فی الداخل۔[2]	قولہ اگر (انگلی) تر ہُوئی تو ٹوٹ جائے گا، یہ اس لیے ہے کہ اس صورت میں داخل دبر وفرج میں کچھ تری باقی رہ جائے گی۔ (ت)

حاشیہ طحطاوی میں ہے:

ظاہر کلامه یقتضی ان الذی ادخل فی فرجها الرجل والحکم واحد۔[3]	ظاہر کلام کا تقاضا یہ ہے کہ فرج عورت میں انگلی داخل کرنے والا مرد ہو، حالانکہ (دونوں صورتوں میں خواہ مرد ہو یا عورت) حکم ایک ہے (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لو ادخل الاصبع فی دبره اوفرجها الداخل لا یفسد الصوم الاان تکون مبلولة بماء اودھن علی المختار وقیل یجب علیه القضاء والغسل۔[4]	اگر کسی نے مرد کی دبر یا عورت کی فرج داخل میں انگلی داخل کی تو مختار قول پر روزہ فاسد نہ ہوگا مگر اس صورت کہ جب وُہ پانی یا تیل کے ساتھ تر ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ ایسی صورت میں روزہ کی قضاء اور غسل لازم ہوجائے گا۔ (ت)

---

[1] درمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[2] ردالمحتار، باب مایفسد الصوم، مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۸

[3] حاشیہ طحطاوی علی الدرالمختار باب مایفسد الصوم دارالمعرفۃ بیروت ۱/۴۵۱

[4] فتح القدیر باب مایوجب القضاء والکفارۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۶۷

تنبیہ: فتح القدیر ومراقی الفلاح وفتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی ہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں جو انگلی کی تری میں آب وروغن کا ذکر ہے محض تمثیل وتصویر ہے، نہ تخصیص وتقیید کہ اگر دودھ یا گھی لعاب دہن میں تر ہو جب بھی بداہۃً حکم یہی ہے کہ مدار صرف کسی تری کا خارج سے جوف میں جاکر رہ جانا ہے **کما افادہ فی ردالمحتار** (جیسا کہ ردالمحتار میں بیان ہُوا۔ت) ولہٰذا درمختار میں **مطلق مبتلۃ** (تر ہوئی۔ت) فرمایا، اور شک نہیں کہ فرج کی رطوبت جب انگلی سے لگ کر باہر آئی اب وُہ بھی رطوبتِ خارجہ ہوگئی، اب دوبارہ جو باہر سے جاکر فرج داخل کے اندر رہ جائے گی ضرور فسادِ صوم لائے گی جس طرح لعابِ دہن اگر قبل خروج اُسے نگل جائے روزہ میں خلل نہیں، اور اگر دہن سے جُدا کردینے کے بعد کھائے گا روزہ جائے گا **کمافی ردالمحتار عن البدائع ومثلہ فی کثیر من الکتب** (جیسا کہ بدائع سے ردالمحتار میں اور اسی طرح اکثر کتب میں ہے۔ت) رہا علماء کا فرمانا کہ اگر کان سے میل نکالا اور میل لگی ہوئی سلائی دوبارہ سہ بارہ کان میں کی تو بالاجماع روزہ نہ جائے گا۔ بزازیہ ونورالایضاح ودرمختار وغیرہا میں ہے:

واللفظ للوجیز، اجمعوا انہ لو حك اذنہ بعود فاخرج العود وعلٰی راسہ درن ثم ادخلہ ثانیا وثالثا کذٰلك انہ لایفسد۔[1]	وجیز کی عبارت یہ ہے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی نے عود (لکڑی) کے ساتھ اپنا کان کُھرچا پھر لکڑی جب باہر نکالی تو اس کے سرے پر میل تھی اب اسی لکڑی کو دوبارہ یا سہ بارہ اسی طرح (کان میں) داخل کیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ (ت)

وہ اس مسئلہ سے جُدا ہے وہاں روزہ نہ ٹوٹنے کی وجہ یہ ہے کہ کان کریدنے میں سلائی دماغ تک نہیں جاتی تو میل جوف میں داخل نہ ہُوا بخلاف یہاں کے کہ فرج داخل خود جوف ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے:

حك اذنہ بعود فخرج علیہ درن مما فی الصماخ ثم ادخلہ ای العود مرارا الی اذنہ لایفسد صومہ بالاجماع، کما فی البزازیۃ جلعدم وصول المفطر الی الدماغ[2]**، واللہ تعالٰی اعلم۔**	اگر کان کو لکڑی کے ساتھ کُھرچا پھر جب لکڑی واپس نکالی تو اس پر کان کے اندر سے میل آئی پھر اس لکڑی کو کئی دفعہ کان میں داخل کیا تو بالاتفاق روزہ فاسد نہ ہوگا، جیسا کہ بزازیہ میں ہے کیونکہ کوئی چیز روزہ توڑنے والی دماغ تک نہیں پہنچی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیہ فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۹۸

[2] مراقی الفلاح معہ حاشیہ طحطاوی باب فی مالایفسد الصوم، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ص ۳۶۲

(۳) منی اپنی رنگت اور بُو اور قوام وغیرہا کے باعث اور پانیوں سے ممتاز ہوجاتی ہے بہر حال صورت مستفسرہ میں جو کچھ نکلا اگرچہ منی ہی ہو جبکہ بالکل شہوت ساکن ہوجانے کے بعد بلاشہوت بعد پیشاب نکلا تو اس سے نہ غسل واجب ہو نہ روزے میں کچھ خلل آیا اور مجرد خیال باندھنے سے تو روزہ اصلًا نہیں جاتا اگرچہ اسی حالت تصوّر ہی میں شہوت کے ساتھ انزال ہوجائے، ہاں لپٹانے یا بوسہ لینے یا ہاتھ لگانے کی حالت میں اگر انزال ہو تو روزہ فاسد ہو کر قضا لازم آئے گی اور ان افعال کے ختم کے بعد شہوت ہنوز باقی رہی اور اس حالت میں کہ یہ عورت کے جسم سے جدا ہے منی اُتری اور بشہوت نکل گئی تو اگرچہ غسل واجب ہوگا مگر روزہ نہ جائے گا کہ یہ انزال اُن افعال سے نہ ہوا بلکہ مجرد تصوّر ہُوا،

فی الدرالمختار انزل بفکر وان طال او نزع المجامع حال کونه ناسیافی الحال عند ذکرہ وکذاعند طلوع الفجر وان امنی بعد النزع لانه کالاحتلام لم یفطراھ[1] ملتقطا وبه یعلم ماذکرنا بالاولی کما لایخفی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ اگر سوچنے سے انزال ہوگیا اگرچہ وُہ سوچ طویل تھی یا نسیانًا جماع شروع کیا تھا، روزہ یاد آنے پر فورًا چھوڑ دیا، اسی طرح حکم ہے اگر اس نے طلوعِ فجر ہوتے ہی جماع چھوڑ دیا، اگر چھوڑنے کے بعد منی کا خروج ہوا اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ یہ احتلام کی طرح ہے اھ مختصرًا۔ اس سے زیرِ بحث مسئلہ کا حکم بطریق اولٰی معلوم ہوگیا جو نہایت ہی واضح ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۰تا۲۲۱: ۲۶ صفر ۱۳۱۷ھ

(۱) ایک شخص پان کھاکے اوّل شب میں سویا، صبح کو اُٹھ کر نیت روزہ کرتا ہے، روزہ درست ہوگا یا نہیں؟

(۲) حالتِ روزہ میں اگر کوئی پانی سے استنجا کرے اور بائی اخراج ہو اور بدستور استنجا کرنے میں مشغول رہے تو روزہ رہا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) اگر پان کھالیا تھا مُنہ میں صرف چند دانے چھالیا کے دانتوں میں لگے رہ گئے تو روزہ صحیح ہوجائے گا اور اگر صبح کے بعد بھی ایسا اُگال کثیر منہ میں تھا جس کا جرم خواہ عرق لعاب کے ساتھ حلق میں جانا مظنون ہے تو روزہ نہ ہوگا۔

---

[1] درمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۵۰-۱۴۹

(۲) اس سے روزہ میں کوئی خلل نہیں آتا لعدم المفطر۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۲: مسئولہ عبدالرحمان صاحب جونپوری از گولڑہ ضلع راولپنڈی ۲۶صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو لوگ پان یا تمباکو یا نسوار کے عادی ہیں وہ اگر روزہ کی حالت میں پان تمباکو نسوار منہ میں رکھ لیں اور اس کا جرم حلق کے اندر نہ جانے دیں تو روزہ ٹوٹ جائیگا یا نہیں؟ اور بصورت ٹوٹ جانے کے قضالازم آئے گی یا کفارہ؟ مدلل بیان کیجئے، **بینوا توجروا**

الجواب:

پان جب مُنہ میں رکھا جائے گا اُس کا عرق ضرور حلق میں جائیگا، اور تمباکو جیسی کھائی جاتی ہے وہ اگر منہ میں ڈالی جائیگی تو یقینا اس کا جرم لعاب کے ساتھ حلق میں جائے گا اور نسوار تو بہت باریک چیز ہے جب اوپر کو سُونگی جائے گی ضرور دماغ کو پہنچے گی اور ان طلب والوں کے مقاصد بھی یونہی بر آئیں گے اور فقہیات میں ایسا مظنون مثل متیقن ہے، یہ سب شیطانی وسوسے ہیں، ان چیزوں کے استعمال سے جو روزہ جائے اس کی فقط قضا نہیں بلکہ کفارہ بھی ضرور ہوگا کہ ان میں صلاح بدن وقضائے شہوت ہے اور اگر بالفرض ان میں احتیاط یقینی کی صورت متصور بھی ہوتی جب بھی ممانعت میں شک نہ تھا جیسے مباشرتِ فاحشہ کہ بے انزال ناقص نہیں مگر ممنوع ضرور ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وقع فی الشبھات فی الحرام کالراعی یرعی حول الحمی یوشك ان یرتع فیه[1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جو شبہات میں داخل ہوتا ہے وہ حرام میں داخل ہوجائے گا جیسا کہ محفوظ جگہ کے قریب بکریاں چرانے والا قریب ہے کہ وُہ حرام میں واقع ہوجائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۳: از کلکتہ پور نزدیک اسپتال ای، بی، ایس، آر، یکم ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روزہ کس کس حالت میں نہیں ہوتا؟ مثلاً اگر کوئی شخص پچھلے کو اتنا زیادہ کھالے کہ صبح کو اُسے کھٹّی ڈکاریں آئیں تو روزہ ہُوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہُوا تو کیا خرابی واقع ہوئی؟ دوسری یہ بات کہ روزہ کس کس حالت میں درست نہیں رہتا؟

الجواب:

کھٹّی ڈکار سے روزہ نہیں جاتا، یہ کسی کتاب میں نہیں لکھا۔ روزہ تین باتوں سے جاتا ہے 'جماع اگرچہ

[1] صحیح مسلم، باب اخذ الحلال وترک الشبہات، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۲/ ۲۸

انزال نہ ہو، اور [۲] مس جبکہ انزال ہو، اور [۳] باہر سے کوئی چیز جوف میں اس طرح داخل ہو کہ باہر اُس کا علاقہ نہ رہے مثلاً ڈورے میں بوٹی باندھ کر نگل لی اور ڈور باہر ہے تو اگر اسے نکال لے گا روزہ نہ جائے گا اور اگر ڈور باہر نہ رہی یا نکالنے میں بوٹی یا اس کا کچھ حصہ جوف میں رہ گیا تو روزہ جاتا رہا،

كل ذٰلك منصوص عليه في الدر المختار [1] وغيره من الاسفار۔ والله تعالٰی اعلم۔	اس تمام پر در مختار اور دیگر کتب میں تصریح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۴: مرسلہ قاری عبدالنبی طالب علم ۲ رجب المرجب ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ روزہ دار کو فصد کھلوانا اور سوزاک میں پچکاری لگوانا جائز ہے یا نہیں؟ اور فصد یا پچکاری لگوایا تو روزہ باطل ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:

فصد سے روزہ نہ جائے گا، ہاں ضعف کے خیال سے بچے تو مناسب، اور پچکاری سے مرد کا روزہ نہ جائے گا عورت کا جاتا رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] در مختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۵۰

الاعلام بحال البخور فی الصّیام ۱۳۱۵ھ

(حالتِ روزہ میں دُھونی لینے کے بارے میں اطلاع)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلما

مسئلہ ۲۲۵: از جونا گڑھ کاٹھیاواڑ سرکل مدار المہام مرسلہ مولوی امیر الدین صاحب ۵ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کامل عارف باللہ کے مقبرہ میں بارہ بارہ چند حضرات مل کر بعد ۴ بجے دن کے فاتحہ کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور بوقتِ فاتحہ ہمیشہ مزار شریف سے کچھ فاصلہ پر لوبان جلایا جاتا ہے اور حاضرین مزار شریف کے قریب کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھتے ہیں مگر حضار میں سے کسی شخص کا ارادہ خوشبو یا دُھواں لینے کا ہرگز نہیں ہوتا، اگر بغیر قصد وارادے کے دُھواں ناک و حلق وغیرہ میں چلا جائے تو کیا روزہ فاسد ہو جائے گا؟ ماہِ رمضان المبارک میں ایک شخص نے بیان کیا کہ اس خفیف دُھوئیں سے روزہ جاتا رہا اور کفارہ لازم آیا، اور جہاں لوبان جلتا ہے روزہ دار وہاں سے علیحدہ کھڑے ہوتے ہیں اگرچہ مکان ایک ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

الحمد لله الذی فرض علینا الصیام طھرا وجعل ھذاالدین یسراوالصلوۃ والسلام علی اطیب ریحان الرحمان طیبا ونشرا وعلٰی اٰلہ وصحبہ الذین من اقتفاھم لایصل الیہ دخان الضلال ورداولاصدرا۔	تمام تعریف اللہ عزوجل کی جس نے طہارت کے لیے ہم پر روزے فرض فرمائے اور اس دین کو آسان بنایا، اور صلٰوۃ وسلام ہو اس ذات اقدس پر جو خوشبو کے لحاظ سے رحمان کے تمام گلستان میں اعلٰی ہیں، اور آپ کے آل واصحاب پر جنہوں نے آپ کی اس طرح اتباع کی کہ انہیں کسی بھی طرف سے گمراہی کی کوئی غبار لاحق نہ ہوسکے۔(ت)

متون وشروح وفتاوٰی عامہ کتب مذہب میں جن پر مدارِ مذہب ہے علی الاطلاق تصریحات روشن ہیں کہ دُھواں یا غبار حلق یا دماغ میں آپ چلا جائے کہ روزہ دار نے بالقصد اسے داخل نہ کیا ہو تو روزہ نہ جائے گا اگرچہ اس وقت روزہ ہونا یاد تھا۔[1] وقایہ و[2] نقایہ و[3] اصلاح و[4] ملتقی و[5] تنویر وغیرہا میں ہے:

واللفظ للاصلاح دخل غبار اودخان او ذباب حلقہ لم یفطر[1]۔	اصلاح کے الفاظ یہ ہیں: حلق میں اگر غبار، دُھواں یا مکھی داخل ہوگئی تو روزہ نہ ٹوٹے گا(ت)

[6] غرر متن درر میں ہے:

دخل حلقہ غباراودخان او ذباب ولو ذاکرالم یفسد[2]۔	روزہ دار کے حلق میں غبار، دُھواں یا مکھی چلی گئی حالانکہ اسے روزہ یاد تھا تو روزہ فاسد نہ ہوگا(ت)

[7] بدایہ و[8] ہدایہ و[9] وافی و[10] کافی میں ہے:

واللفظ للکافی، لودخل حلقہ ذباب وھو ذاکر لصومہ یفسد قیاسالوصول المفطر الی جوفہ وکونہ ممالایتغذی لاینافی الفساد کالتراب وفی الاستحسان لایفسد لانہ لایمکن التحرزعنہ فان	کافی کی عبارت یہ ہے روزہ دار کے حلق میں مکھی چلی گئی حالانکہ اسے روزہ یاد تھا روزہ قیاسًا فاسد ہوجائے گا___اس لئے کہ روزہ توڑنے والی چیز اس کے حلق میں چلی گئی اور اس کا غذا والی چیز نہ ہونا فساد کے منافی نہیں جیسا کہ مٹی کا حکم ہے اور استحسانًا روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے

---

[1] درمختار، باب یفسد الصوم، مجتبائی دہلی، ۱/۱۴۹

[2] غرر مع درر الحکام باب موجب الافساد احمد کامل الکائنہ دارالسعادۃ بیروت ۱/۲۰۲

الصائم لا یجد بدامن ان یفتح فمه لیتکلم فصار کالغبار والدخان[1]۔	کیونکہ روزہ دار کو بات کرنے کے لئے مُنہ کھولنا پڑتا ہے تو مکھی کا حکم غبار اور دُھوئیں کی طرح ہے۔(ت)

[11] فتح القدیر میں ہے:

قوله فاشبه الغبار والدخان اذا دخلا فی الحلق فانه لایستطاع الاحتراز عن دخولهما لدخولهما من الانف اذا طبق الفم وصار ایضا کبلل یبقی فی فیه بعد المضمضة۔[2]	مصنف کا قول مکھی کا داخل ہونا غبار اور دھوئیں کی طرح ہے کیونکہ جب وہ حلق میں داخل ہوجائیں توان کے دخول سے بچنا ممکن نہیں ہوتا، منہ اگر بند بھی ہو تو وہ ناک کے ذریعے داخل ہوجائیں گے اور یہ اس تری کی مانند بھی ہے جو کُلی کے بعد منہ میں رہ جاتی ہے۔(ت)

[12] نور الایضاح متن امداد الفتاح میں ہے:

لایفسد الصوم لودخل حلقه دخان بلاصنعه او غبار ولو غبار الطاحون او ذباب او اثر طعم الادویة وهو ذاکر لصومه[3]۔	ان صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا جب حلق میں بلاقصد دُھواں داخل ہوجائے یا غبار خواہ وہ آٹے کی چکی کا ہو یا مکھی یا دوائیوں کے ذائقے کا اثر منہ میں داخل ہوجائے اگرچہ روزہ دار کو روزہ دار ہونا یاد ہو۔(ت)

[13] خانیہ و[14] خلاصہ و[15] خزانۃ المفتین میں ہے:

واللفظ للخانیة اذا دخل الدخان او الغبار او ریح العطر اوالذباب حلقه لایفسد صومه[4]۔	خانیہ کی عبارت یہ ہے: حلق میں دھواں، غبار، عطر کی خوشبو یا مکھی داخل ہوجائے توروزہ فاسد نہیں ہوگا۔(ت)

[16] سراج الوہاج و[17] ہندیہ میں ہے:

---

[1] ہدایۃ باب مایوجب القضاء والکفارۃ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۱۹۸

[2] فتح القدیر باب مایوجب القضاء والکفارۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۵۸

[3] نور الایضاح مالایفسد الصوم مطبع علیمی لاہور ص ۶۴

[4] فتاوٰی قاضی خان الفصل فیمالایفسد الصوم منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۹۸

لودخل حلقه غبارالطاحونة اوطعم الادوية اوغبار الهرس واشباهه. او الدخان او ماسطح من غبارالتراب بالريح او بحوافر الدواب واشباه ذلك لم يفطره[1]۔	اگر روزہ دار کے حلق میں چکّی کا غبار، ادویات کا ذائقہ، گھوڑے کے دوڑنے یا اس کی ہم مثل کی غبار، دُھواں، ہوا کے ذریعے اڑنے والی، چوپایوں اور اس کے ہم مثل کی وجہ سے اڑنے والی غبار چلی جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔(ت)

۱۸وجیز و ۱۹انقرو ی و ۲۰واقعات المفتین میں ہے:

دخل الذباب اوالدخان اوالغبار حلقه او بقی بلل بعد المضمضة فابتلعه مع البزاق لم یفطر[2]۔	روزہ دار کے حلق میں مکھی، دُھواں یا غبار چلی گئی یا کُلّی کے بعد تری منہ میں رہ گئی اور اسے وہ تھوک کے ساتھ نگل گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ت

ہاں اگر صائم اپنے قصد وارادہ سے اگر یا لوبان خواہ کسی شَے کا دُھواں یا غبار اپنے حلق یا دماغ میں عمداً بے حالت نسیان صوم داخل کرے، مثلاً بخور سلگائے اور اسے اپنے جسم سے متصل کرکے دُھواں سُونگھے کہ دماغ یا حلق میں جائے تو اس صورت میں روزہ فاسد ہوگا۔ ۲۱درمختار میں ہے:

مفاده انه لوادخل حلقه الدخان افطرایّ دخان کان ولو عودا اوعنبرالوذاکرا لامکان التحرز عنه فلیتنبه له کما بسطه الشرنبلالی[3]۔	اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی روزہ دار نے بقصد اپنے حلق میں دُھواں داخل کیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا خواہ وُہ دُھواں عود یا عنبر کا ہو، اگر اسے روزہ یاد ہو کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے اس پر متنبہ رہنا چاہئے، جیسا کہ اس پر شرنبلالی سے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ت

علامہ شرنبلالی نے ۲۲غنیہ ذوی الاحکام و ۲۳امداد الفتاح و ۲۴مراقی الفلاح تینوں کتابوں میں فرمایا:

وهذالفظ المراقی وفیماذکرنا اشارة الی انه من ادخل بصنعه دخانا حلقه بای صورة کان الادخال، فسد صومه	مراقی الفلاح کی عبارت یہ ہے جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر کسی نے ارادۃً حلق میں دُھواں داخل کیا خواہ ادخال کی کوئی صورت

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع فیما یفسد الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۰۳
[2] فتاوٰی انقرویۃ کتاب الصوم دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۱۵
[3] درمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

سواء کان دخان عنبراوعود اوغیرھما حتی من تبخر ببخور فآواہ الٰی نفسه واشتم دخانا ذاکرا لصومه افطر لامکان التحرز عن ادخال المفطر جوفه ودماغه وھذا مما یغفل عنه کثیرمن الناس فلیتنبّه له ولا یتوھم انه کشم الورد ومائه والمسك لوضوح الفرق بین ھواء تطیب بریح المسك وشبهه وبین جوھر دخان وصل الٰی جوفه بفعله[1]۔	ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا خواہ وہ دُھواں عنبر، عود یا ان کے ہم مثل کسی کا ہو حتّٰی کہ جس نے دُھونی سلگائی اور اپنے قریب کرکے اس کا دُھواں سُونگھا حالانکہ روزہ یاد تھا روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ اس صورت میں پیٹ اور دماغ کو روزہ توڑنے والی شے سے محفوظ رکھنا ممکن ہے، یہ ان چیزوں میں سے ہیں جن سے اکثر لوگ غافل ہیں، لہٰذا اس پر خصوصی توجہ دیجئے، یہ وہم نہ کیا جائے کہ یہ تو پھول اور کستوری سُونگھنے کی طرح ہی ہے کیونکہ خوشبو کی مہک اور جوہر دخان میں جو ارادۃً جوف میں جائے بڑا واضح فرق ہے (ت)

اسی طرح ۲۵ ردالمحتار میں امداد الفتاح اور ۲۶ طحطاویہ میں غنیہ سے نقل فرماکر مقرر رکھا۔ ۲۷ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

علی ھذالوادخل حلقه فسد صومه حتی ان من تبخر ببخور فاستشم دخانه فادخله حلقه ذاکرا لصومه افطر لانھم فرقوا بین الدخول و الادخال فی مواضع عدیدة لان الادخال عمله والتحرز ممکن ویؤیده قول صاحب النھایة اذا دخل الذباب جوفه لایفسد صومه لم یوجد ماھو ضد الصوم وھوادخال الشیئ من الخارج الی الباطن وھذا مما یغفل عنه کثیر فلیتنبه له[2]۔	اس بناء پر اگر کسی روزہ دار نے مذکورہ اشیاء میں سے کسی چیز کو اپنے حلق میں داخل کیا تو اس کا روزہ فاسد ہوجائیگا حتی کہ جس نے بخور کے ساتھ دُھونی دی اور اس کا دُھواں سُونگھا اور روزہ یاد ہوتے ہوئے حلق میں داخل کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ فقہاء نے متعدد جگہ پر دخول اور ادخال میں فرق کیا ہے کیونکہ ادخال صائم کا اپنا عمل ہے جس سے بچنا ممکن ہے اس کی تائید صاحبِ نہایہ کا یہ قول کرتا ہے کہ جب مکھی پیٹ میں داخل ہوگئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ کوئی ایسی چیز نہیں پائی گئی جو روزہ کی ضد ہو اور وُہ خارج سے کسی شے کا باطن میں داخل کرنا ہے، اس سے بہت سے لوگ غافل ہیں لہٰذا اس پر توجہ چاہئے۔ (ت)

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب فی بیان مالایفسد الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۶۱-۳۶۲

[2] مجمع الانہر، باب موجب الفساد، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱/۲۴۵

۲۸حاشیہ الکنز للعلّامۃ السیّد ابی السعود الازہری پھر طحطاوی علی المراقی میں ہے:

واللفظ للاول قولہ اودخل حلقہ غبار والتقیید بالدخول للاحتراز عن الادخال ولھذا صرحوا بان الاحتواء علی المبخرۃ مفسد[1]۔	قولہ"دخل حلقہ غبار"دخول کی قید ادخال سے احتراز کے لئے اسی لئے فقہاء نے تصریح کی کہ بخوردان پر محتوی ہونا مفسد روزہ ہے۔(ت)

بداہۃً واضح کی صورت مذکورہ سوال صورتِ دخول ہے نہ کہ شکلِ ادخال، تو اس میں انتقاضِ صوم کا حکم محض بے سند و بے اصل خیال۔

اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق تحقیق مقام وتنقیح مرام بتوفیق الملک العلام یہ ہے کہ حقیقت صوم امساک عن المفطرات الشرعیہ میں محصور، اور تکالیفِ شرعیہ قدر وسع پر مقصور، اور انتفائے حقیقت کو انتفائے شیئ قطعًا لازم وضرور، جس میں ضرورت و عدم ضرورت کا تفرقہ عقلًا و نقلًا باطل و مہجور، مثلًا حقیقتِ نکاح ایجاب وقبول ہے اگرچہ جانب ولی سے، اب اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو جہاں نہ کوئی ولی نہ حاکمِ اسلام اور بوجہ شدتِ احتیاج زن حالت تا بجنون حقیقی پہنچے کہ اہلیت تصرف سے خارج ہوجائے تو اس ضرورتِ شدیدہ کے لحاظ سے ہرگز روانہ ہوگا کہ کوئی عورت بمجرد ایجاب بے قبول اس کی زوجہ بن جائے یا حقیقت زکٰوۃ کہ تملیک فقیر الخ ہے، اگر کہیں ایسا ہو کہ مصرف کوئی نہ ملے جیسا کہ زمان برکت نشان سیدنا مسیح کلمۃ اللہ صلوٰۃ اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ میں ہونے والا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ براہِ ضرورت زکٰوۃ اپنی حقیقت سے منسلخ ہوکر کسی غنی کو دینا زکٰوۃ قرار پائے، ارکان ساقط بضرورت، حقیقت ارکان سعت ہوتے ہیں نہ ارکان اصل حقیقت، ورنہ تحقق شیئے بے حقیقت شیئ محال عقلی ہے تو منافیات سنخ ذات میں ضرورت و بے ضرورت سے تفرقہ نہیں کرسکتے، اب ہم ان اشیاء کو جو خارج سے جوف صائم میں داخل ہوں نظر کریں تو انحائے مختلفہ کو پاتے ہیں ان میں بعض وُہ ہیں جن سے کسی وقت صائم کو احتراز ممکن نہیں، جیسے ہوا، بعض وُہ جن سے احیانًا تلبس ہر شخص کو ضرور، اور ان سے تحرز کلی نا مقدور، جیسے دخول غبار ودخان کہ کسی نہ کسی طرح انسان کو ان سے قرب کی حاجت ضروری ہے اور وُہ اپنی حد ذات میں ممکن الاحتراز نہیں، آدمی کو کلام سے چارہ نہیں، اور کلام نہ بھی کرے تو بے تنفس کیونکر گزرے، اور ہوا کہ ان کی حامل ہوتی ہے اور تمام

[1] فتح المعین حاشیہ علی شرح ملا مسکین باب مایفسد الصوم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۳۱، طحطاوی علٰی مراقی الفلاح باب فی بیان مالایفسد الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۶۲

فضامیں بھری اور متحرک رہتی، جابجالیے پھرتی ہے، آدمی مُنہ بند بھی رکھے تو یہ ناک کی راہ سے داخل ہوسکتے ہیں اور بعض وُہ جن سے ہمیشہ تحرز کرسکتا ہے اگرچہ نادرًا بعض اشخاص کو بعض حالات ایسے پیش آئیں کہ تلبس پر مجبور کریں، جیسے طعام و شراب، اور انہیں دخان وغبار کا بالقصد ادخال کہ یہ تو اپنا فعل ہے انسان اس میں مجبور محض نہیں، شرع مطہر نے کہ حکیم ورحیم ہے جس طرح قسم اوّل کو مفطرات سے خارج فرمایا کہ اگر اسے ملحوظ رکھیں تو صوم ممتنع اور تکلیف روزہ تکلیف بالمحال ٹھہرے، اسی قسم ثانی کو مطلّقا شمار مفطرات میں نہ رکھا اگر مفطر مانیں تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو حکمِ فطر ہمیشہ ثابت رکھیں تو وہی تکلیف مالایطاق ہوتی ہے یا وقتِ ضرورت باوصف حصول مفطر روزہ باقی جانیں تو بقائے شے مع انتفائے حقیقت یا اجتماعِ ذات ومنافی ذات لازم آئے اور یہ باطل ہے، ہم ابھی کہہ آئے ہیں کہ دربارہ حقائق ضرورت کارگر نہیں ہوتی ولہٰذا شرع مطہر سے ہر گز معہود نہیں کہ کسی شے کو بخصوصہ مفطر قرار دے کر بعض جگہ بنظرِ ضرورت حکمِ افطار ساقط فرمایا مثلًا کتبِ فقہیہ پر نظر ڈالے،

اوّلًا: بیمار قریبِ مرگ ہو گیا مجبورًا دواپی ضرورت کیسی شدید تھی جس نے روزہ توڑنا جائز کردیا مگر روزہ ٹوٹنے کا حکم مرتفع نہ ہُوا۔

ثانیًا: تلوار سرپر لئے کھڑا ہے کہ نہیں کھاتا تو قتل کردے گا کیسی سخت ضرورت ہے حکم ہوگا کھالے مگر یہ نہ ہوگا کہ روزہ نہ جائے۔

ثالثًا: مخمصہ والے مضطر کی ضرورت سے زیادہ کس کی ضرورت ہے، جس کے لئے مردار سے مردار حرام سے حرام میں اثم زائل، اور بقدر حفظ رمق، تناول فرض ہُوا مگر یہ نہیں کہ یہ حالت بصورت صوم واقع ہو تو ضرورت کے لحاظ سے روزہ نہ ٹوٹے۔

رابعًا: سوتا مرا برابر ہوتا ہے **النوم اخو الموت** (نیند موت کی بہن ہے۔ت) سوتے کے پاس بچنے کا کیا حیلہ، احتراز کا کیا چارہ، مگر یہ ناممکن الاحترازی، بقائے صوم کا حکم نہ لائی، سوتے میں حلق میں کچھ چلا جائے تو روزے پر وہی فساد کا حکم آئے گا، غرض خادم فقہ کے نزدیک بدیہیات سے ہے کہ شرع مطہر کبھی کسی چیز کو مفطر مان کر ضرورت وعدمِ ضرورت کا فرق نہیں فرماتی، لحاظِ ضرورت صرف اس قدر ہوتا ہے کہ افطار جائز بلکہ کبھی فرض ہو جائے مگر مفطر مفطر نہ رہے یہ ناممکن، تو ثابت ہُوا کہ اس اصل اجماعی عقل ونقل وقاعدہ شرعیہ آیہ **لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا**[1] (اللہ تعالٰی کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر کلّف نہیں ٹھہراتا۔ت) نے واجب کیا کہ قسم ثانی بھی راسًا عداد مفطرات سے مہجور اور مفطر شرعی صرف قسم ثالث میں محصور ہو۔ **بحمد اللہ تعالٰی** اس تقریر منیر سے روشن ہُوا کہ مفطر نہ ہونے کے لئے جس طرح قسم سوم کی ضرورت نادرہ

---
[1] القرآن ۲ /۲۸۶

کہ اتفاقاً بعض صائمین کو بعض احوال میں لاحق ہو جیسے مفطر و مکروہ ونائم و مریض کی مجبوری کافی نہیں ہو سکتی، یونہی قسم اول کی ضرورت دائمہ لازمہ غیر منفطر بھی درکار نہیں بلکہ صرف قسم دوم کی ضرورت عامہ فعلیہ بس ہے اور جب اس کی بناء پر وُہ شے شمار مفطر سے خارج رہی تو اب تفصیل و تفریق اوقات وحالاتِ ضرورت، نہیں کر سکتے ورنہ وہی استحالہ لازم آئے گا جسے ہم ابھی عقلاً ونقلاً باطل کر چکے بس دخولِ دخان و غبار بے قصد واختیار کبھی کہیں پایا جائے اصلاً مفسدِ صوم نہیں ہو سکتا، نہ اس کہنے کی گنجائش کہ فلاں جگہ اتفاق دخول وہاں جانے سے ہوانہ جاتا نہ ہوتا، اور جانا قصداً تھا تو ممکن الاحتراز ہُوا۔امام ۲۹ کردری وجیز میں فرماتے ہیں:

اذا بقی بعد المضمضة ماء فابتلعه بالبزاق ثم لم یفطر لتعذر الاحتراز[1]۔	اگر کُلی کے بعد منہ میں کچھ پانی باقی رہ جائے اور روزہ دار اسے تھوک کے ساتھ نگل جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں (ت)

فتح سے اسی مسئلہ میں گزرا:

صار کبلل یبقی فی فیه بعد المضمضة[2]	یہ اس تری کی طرح ہے جو کلی کے بعد منہ میں باقی رہ جاتی ہے۔(ت)

شرنبلالیہ میں امام زیلعی سے ہے:

اذادخل حلقه غبار او ذباب وهو ذا کر لصومه لا یفطر لانه لا یقدر علی الامتناع عنه فصار کبلل یبقی فی فیه بعد المضمضة[3]۔	جب روزہ دار کے حلق میں غبار یا مکھی داخل ہوجائے اگرچہ اسے روزہ یاد ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ اس سے بچنے پر قادر نہیں یہ اس تری کی طرح ہے جو کُلی کے بعد اس کے منہ میں باقی رہتی ہے(ت)

شرح الملتقی للعلامہ عبدالرحمٰن الرومی میں ہے:

انه لایقدر علی الامتناع عنه فانه اذا اطبق الفم لایستطاع الاحتراز عن الدخول من الانف فصار کبلل یبقی فی	روزہ دار اسے روکنے پر قادر نہیں کیونکہ اگر منہ بند بھی رکھے پھر بھی ناک کے ذریعے غبار کے دخول سے احتراز کی طاقت نہیں رکھتا تو یہ یُونہی جیسے کہ وُہ

[1] بزازیہ برحاشیہ فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۰
[2] فتح القدیر باب مایوجب القضاۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۵۸
[3] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ درر الحکام باب موجب الافساد مطبعہ احمد کامل الکائنۃ دار سعادت ۱/ ۲۰۲

فیہ بعد المضمضۃ[1]۔	تری جو کُلی کے بعد منہ میں باقی رہ جاتی ہے(ت)

دیکھو کُلی کے بعد جو تری منہ میں باقی رہتی ہے اُسے بھی شرع نے اسی تعذر تحرز کی بنا پر مفطر نہ ٹھہرایا اب وہاں یہ لحاظ ہر گز نہیں کہ یہ کُلی خود بھی ممکن الاحتراز تھی یا نہیں، اگر محض بے ضرورت کُلی کی جب بھی وُہ تری ناقضِ صوم نہ ہوگی حالانکہ ضرور کہہ سکتے تھے کہ یہ اس کا دخول اس کُلی کرنے سے ہوا، نہ کرتا نہ ہوتا، اور کُلی بے ضرورت تھی تو ممکن الاحتراز ہُوا۔[۳۱] بزازیہ میں ہے:

یکرہ ادخال الماء فی الفم بلاضرورۃ وفی ظاہر الروایۃ لاباس لان المقصود التطھیر فکان کالمضمضۃ[2]۔	بلا ضرورت پانی کا منہ میں داخل کرنا مکروہ ہے اور ظاہر روایت کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مقصود تطہیر ہے لہٰذا یہ کُلی کی طرح ہے(ت)

حدیہ کہ بے ضرورت کُلی کرنی ظاہر الروایۃ میں مکروہ بھی نہیں حالانکہ عنقریب آتا ہے کہ بے ضرورت نمک دیکھنے کے لئے شوربا چکھنا مکروہ و ناجائز ہے، تو وجہ وہی کہ شرع مطہر اسے شمار مفطرات سے خارج فرماچکی تو اب ضرورت و عدمِ ضرورت پر نظر نہ ہوگی نہ اس میں کسی مفطر کا احتمال پیدا ہوگا کہ کراہت آئے۔

ثم اقول: وباللہ التوفیق اس پر تو عرشِ تحقیق مستقر ہُوا کہ **دخول بلا صنعہ کیف ما کان** (بلا قصد دخول جیسے بھی ہو۔ت) اصلا صالح افطار نہیں، ولہٰذا علمائے کرام نے مدار فرق صرف دخول وادخال پر رکھا، دخول کا کوئی فرد مفطر میں داخل نہ کیا **کما سمعت من نصوصھم** (جیسا کہ ان کی تصریحات آپ سُن چکے۔ت) مگر یہاں ایک نکتہ دقیقہ اور ہے سبب شئی **مفضی الی الشئی** (شئی کا سبب شئی تک پہنچانے والا ہوتا ہے۔ت) دو[۲] قسم ہے: ایک مفضی کلیۃً یا غالبًا جس کے بعد وقوع مسبّب عادت متیقن یا مظنون بظن غالب ہو کہ فقہیات میں وُہ بھی ملتحق بالیقین۔

دوسرا مفضی نادرًا جس کے بعد مسبّب کبھی واقع ہو جائے قسم اوّل کے قصد کو قصدِ مسبّب کہنا مستبعد نہیں کہ جب صاحب قصد کو معلوم کہ اس کے بعد مسبّب ضرور یا اکثر واقع ہی ہوتا ہے اور اس نے سبب کا ارتکاب بالقصد کیا تو گویا وقوع سبب کا التزام کرچکا بایں معنی خیال کر سکتے ہیں کہ ایسا دخول داخل شق ادخال ہوگا، مگر قسم دوم ہر گز اس قابل نہیں، پُر ظاہر کہ یہ سبب سببِ کافی نہ ہوگا۔ اور اس کے بعد وقوع مسبّب

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب موجب الفساد داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۲۴۵

[2] بزازیہ برحاشیہ فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۰۵

حالت شک واحتمال ہی میں آئے گااس کے قصد کو مجازًا بھی قصد نہیں کہہ سکتے **وھذا لایذھب عن عقل عاقل نبیه، فضلا عن فاضل فقیه** (یہ تو کسی عقل عاقل سے مخفی نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل فقیہ کے علم سے مخفی ہو۔ت)

حجتِ ساطعہ لیجئے کان میں بالقصد پانی کا ادخال اصح الاقوال پر مفسد صوم ہے مگر یہی ائمہ کرام جو بحالتِ قصد ادخال افساد وابطال کی تصحیح فرماتے ہیں نہانے یادریا کے اندر جانے میں اگر پانی کان میں چلا جائے تو روزہ نہ جانے کی تصریح فرماتے ہیں ائمہ نے اصلًا اس کا اعتبار نہ فرمایا کہ اس دخولِ آب کا سبب نہانا یا غوطہ لگانا ہُوا اور یہ افعال اس نے بالقصد کئے تو گویا بالقصد پانی کان میں پہنچایا وجہ وہی ہے کہ یہ افعال غالبًا دخولِ آب کے موجب نہیں ہوتے اگرچہ کبھی واقع ہوتا بھی ہے تو اُن کا قصد اس کا قصد نہیں ہوسکتا۔ خانیہ میں ہے:

لوخاض الماء فدخل الماء فی اذنه لایفسد صومه وان صب الماء فی اذنه اختلفوا فیه والصحیح هو الفساد لانه وصل الی الجوف بفعله فلا یعتبر فیه صلاح البدن[1]۔	اگر پانی میں غوطہ لگایا اور پانی کانوں میں داخل ہوگیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر کان میں پانی خود ڈالا اس بارے میں اختلاف ہے، مذہب صحیح یہی ہے کہ روزہ فاسد ہوجائے گا کیونکہ اس صورت میں پانی پیٹ تک اس کے عمل سے پہنچا ہے لہٰذا اس میں اصلاح بدن کا اعتبار نہیں ہوگا۔(ت)

فتاوٰی امام بزازی میں ہے:

خاض الماء فدخل اذنه لایفسد بخلاف دخول الدھن وان صب الماء فی اذنه افسده فی الصحیح لوجود الفعل لایعتبر فیه صلاح البدن[2]۔	روزہ دار پانی میں غوطہ زن ہُوا، اس کے کان میں پانی داخل ہوگیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا بخلاف تیل کے دخول کے، اور اگر پانی کان میں ڈالا تو یہ صحیح قول کے مطابق روزہ کو فاسد کردے گا کیونکہ یہ اس کے اپنے عمل سے ہوا ہے، پس اس صورت میں اصلاح بدن کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔(ت)

[۳۴] جواہر الاخلاطی میں ہے:

لو اغتسل اوخاض فی الماء فدخل الماء اذنه لا یفسد صومه بلاخلاف ولو ادخل الماء فی اذنه ففیه الاختلاف	اگر غسل کیا یا پانی میں غوطہ زن ہُوا تو پانی کان میں داخل ہوگیا بالاتفاق روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر پانی کان میں داخل کیا تو اس میں اختلاف ہے

---

1 فتاوٰی قاضیخان الفصل الخامس فیما لایفسد الصوم منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹۹

2 بزازیہ برحاشیہ فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۸

والاصح ھو الفساد دلوصولہ الی الراس و وصول مالافیہ صلاح البدن غیرمعتبر کمالوادخل خشبۃ فی دبرہ وغیبھا[1]۔	اگر غسل کیا یا پانی میں غوطہ زن ہُوا تو پانی کان میں داخل ہوگیا بالاتفاق روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر پانی کان میں داخل کیا تو اس میں اختلاف ہے اصح قول یہ ہے کہ روزہ فاسد ہوجائے گا کیونکہ یہ دماغ تک پہنچ جاتا ہے اور دماغ تک ایسی چیز کا پہنچنا جس میں اصلاح بدن نہ ہو غیر معتبر ہے، جیسا کہ اگر کسی نے اپنی دبر میں لکڑی داخل کی اور وُہ غائب ہوگئی (ت)

فتح القدیر میں ہے:

الفساد اذاأدخل الماء أذنہ لااذا دخل بغیرصنعہ کما اذا خاض نھرا[2]۔	روزے کا فساد تب ہوگا جب خود اپنے کان میں پانی داخل کرے، اپنے عمل کے بغیر پانی داخل ہونے سے فاسد نہ ہوگا جیسا کہ نہر میں غوطہ زن ہُوا۔ (ت)

دیکھو کیسی صریح تصریحیں ہیں کہ ایسے سبب کا قصد قصدِ مسبّب نہیں، یہاں تک کہ اس صورت میں باوصف فعل سبب و قوعِ مسبّب کو **بغیر صنعہ** (اپنے عمل کے بغیر۔ت) فرماتے ہیں۔ اب ہم اپنے مسئلہ دائرہ کو دیکھیں تو کسی مکان میں جہاں بخور سلگتا ہو موضع بخور سے جدا دُور جا کھڑا ہونا کہ دُھواں لینے کا قصد درکنار دُھوئیں کے پاس تک نہ ہو، ہر گز کسی عاقل کے نزدیک دخولِ دخان کا سبب غالب نہیں ہوسکتا ورنہ واجب تھا کہ رمضان المبارک میں دن کو آگ روشن ہونا، شام کے لئے کچھ کھانا پکنا حرام و باعثِ افطار صیام ہوتا اس میں تو شاید خود یہ معترضین بھی شامل ہوں اور امکان احتراز ہی کی ہوس ہوا گرچہ عندالتحقیق مفطرات میں اس کو دخل نہیں **کما بیّناہ بابین وجہ لا یحوم حوم حماہ شبھۃ** (ہم نے اسے ایسی واضح وجہ کے ساتھ بیان کیا جسے شبہ کا کوئی جالا ڈھانپ نہیں سکتا۔ت) تو وُہ بداہۃً حاصل، کیا ممکن نہ تھا کہ جو کچھ پکانا ہو سحری تک پکار کھیں یا شام کے وقت بازاری اشیاء پر قناعت کریں خصوصًا اہلِ عرب کہ ویسے بھی کھجوروں پر قناعت کے عادی تھے، ہاں سحر کا پکا سرد ہوجاتا یا بازاری اشیا میں مزہ نہ آتا، یہ عدم امکان تحرز نہ ہوا زبان کا مزہ ٹھہرا، کیا اس کے لئے روز روزے رکھ کر باطل کر دینا حلال ہوجاتا، جس گھر میں دُھواں ہو وہاں موجود ہونا درکنار، نصوصِ علماء شاہدِ عدل، کہ خود کھانا پکانا، صبح سے شام تک روٹی لگانا بھی دخولِ دخان کا سبب غالب نہیں،

اوّلًا: ۳۵قنیہ و ۳۶تاتارخانیہ و ۳۷بحر الرائق و در مختار و ردالمحتار وغیرہا میں ہے:

---

[1] جواہر الاخلاطی کتاب الصوم قلمی نسخہ ص ۴۷

[2] فتح القدیر باب مایوجب القضاء نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۶۷

والنظم للدر، لا یجوزان یعمل عملا یصل بہ الی الضعف فیخبز نصف النھار ویستریح الباقی فان قال لا یکفینی کذب باقصر ایام الشتاء[1]۔	در کے الفاظ میں کوئی ایسا عمل جائز نہیں جو کمزور کردے تو نانبائی مثلاًیوں کرے کہ نصف دن روٹی پکائے اور باقی دن آرام کرے، پس اگر وہ شخص کہے کہ اس قدر عمل مجھے کفایت نہیں کرتا تو اس کی تکذیب کی جائے سردیوں کے سب سے چھوٹے دن ہیں (ت)

دیکھو نان پز کو فرماتے ہیں اگر گرمی کے دنوں میں سارے دن روٹی لگانے سے وہ ضعف پیدا ہو کہ ادائے صیام میں خلل انداز ہو تو آدھے دن پکائے کہ چھوٹے دنوں میں دن بھر پکاتا تھا، نمازوں وغیرہ کے وقت نکال کر گرمیوں کا نصف دن اسی کے قریب قریب ہو جائے گا، یہ نہیں فرماتے کہ ضعف توجب آئے گا آئے گا اور چوتھائی دن درکنار روٹی پکانے سے دُھواں جو حلق و دماغ میں جاکر روزہ ہی کھودے گا۔ **ثانیاً**: [۳۸] سراجیہ وغیرہا میں ہے:

امۃ افطرت فی رمضان متعمدۃ لضعف اصابھا من عمال السید من طبخ او غیرہ کان واسعا وقضیۃ للمملوك ان یمتنع عما یعجزہ عن اداء الفرائض[2]۔	وہ لونڈی جس نے اپنے مالک کی خدمت مثلاً کھانا پکانا وغیرہ پیدا ہونے والے ضعف کے پیش نظر مجبوراً روزہ توڑ دیا تو جائز ہے اور غلام کو یہ حکم ہے کہ وہ ایسے کاموں سے رُک جائے جو ادائے فرائض سے عاجز کردینے والے ہوں (ت)

یہ فرمایا کہ کنیز کو پکانے کی محنت سے ضعف ایسا لاحق ہوا کہ مجبوراً روزہ توڑنا پڑا، جائز ہے اور قضا رکھے، یہ کیوں نہیں فرماتے کہ سرے سے پکانا ہی سببِ افطار ہے، اور کنیز کو جائز نہیں کہ اس میں مولیٰ کی اطاعت کرے۔ [۳۹] ظہیریہ و [۴۰] ولوالجیہ و بحرالرائق وغیرہا میں ہے:

للامۃ ان تمتنع من امتثال امر المولی اذا کان ذلك یعجزھا عن اقامۃ الفرائض لانھا مبقاۃ علی اصل الحریۃ فی حق الفرائض[3]۔	لونڈی کے لئے مولی کے ایسے احکام سے رک جانا ہے جس سے وہ ادائے فرض سے عاجز آجائے گی کیونکہ ادائے فرض کے اعتبار سے وہ اصلاً آزاد ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵۲

[2] فتاوٰی سراجیہ کتاب الصوم منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۹

[3] بحر الرائق فصل فی العوارض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۸۲-۲۸۱

ثالثاً: نورالایضاح ومراقی الفلاح میں ہے:

کرہ للصائم ذوق شئی لمافیہ من تعرض الصوم للفسادوکرہ مضغہ بلا عذر کالمراۃ اذاوجدت من یمضغ الطعام لصبیہا کمفطرۃ لحیض، اما اذا لم تجدبدامنہ فلا باس بمضغہا لصیانۃ الولد وللمرأۃ ذوق الطعام اذاکان زوجہا سئی الخلق لتعلم ملوحتہ وان کان حسن الخلق فلایحل لہا وکذا لامۃ قلت کذاالاجیر[1]۔	روزہ دار کے لئے کسی شیئ کا چکھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ روزہ کو فاسد کرنے کے درپے ہونا ہے۔اسی طرح طعام کا چبانا بھی بلاعذر مکروہ ہے جیسے خاتون بچّہ کے لئے کسی دوسرے کو چبانے والا پالے (مثلاً حائضہ عورت کو پائے تو چبانا مکروہ ہے) عورت کو اگر چبانے کے سوا چارہ نہ ہو تو بچّہ کی حفاظت کے لئے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور خاتون کے لئے طعام کا چکھنا بھی جائز ہے جبکہ خاوند بد خلق ہو تاکہ وہ نمک وغیرہ چکھ سکے اور شوہر حسن اخلاق والا ہے تو پھر چکھنا جائز نہیں۔ اور لونڈی کا حکم اسی طرح ہے۔ میں کہتا ہوں اجیر بھی اسی حکم میں ہے (ت)

حاشیہ طحطاوی میں ہے:

قولہ کذاالاجیر ای للطبخ[2]۔	قولہ "کذاالاجیر" یعنی کھانے پکانے کا مزدور۔(ت)

کنزوبحرونہروہندیہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ للاولین کرہ ذوق شئی و مضغہ بلا عذر لما فیہ من تعریض الصوم للفسادولایفسد صومہ لعدم الفطر صورۃ ومعنی قید بقولہ بلا عذر لان الذوق بعذر لا یکرہ کما قال فی الخانیۃ، فیمن کان زوجہا سئی الخلق او سیدھا، لا باس بان تذوق بلسانہاوالمضغ بعذربان لم تجدالمرأۃ من یمضغ لصبیہا الطعام من حائض او نفساء اوغیرھما	پہلی دونوں کتب کی عبارت یہ ہے بلاعذر شئی کا چکھنا اور چبانا مکروہ ہے کیونکہ یہ فسادِ صوم کے درپے ہونا ہے، اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ صورۃً و معنیً افطار نہیں پایا گیا" بلا عذر" کی قید اس لئے لگائی کہ عذر کی صورت میں چکھنا مکروہ نہیں، جیسا کہ خانیہ میں اس عورت و لونڈی کے بارے میں ہے جس کا خاوند یا مولیٰ بد خلق ہو، اگر ایسا عذر ہو تو زبان کے ساتھ چکھنے میں حرج نہیں اور چبانے میں عذر یہ ہے مثلاً کوئی خاتون نہیں جو بچے کے لئے

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فیما یکرہ للصائم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۷۱
[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فیما یکرہ للصائم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۷۱

من لایصوم ولم تجد طبیخا ولا لبنا حلیبا لاباس به للضرورة، الاتری انه یجوز لها الافطار اذا خافت علی الولد فالمضغ اولی[1]۔(ملخصًا)	طعام چبادے مثلًا حائضہ یا نفاس والی کوئی عورت یا جو روزہ دار نہ ہوں، اور نہ روٹی پکی ہُوئی اور نہ دودھ میسر ہو تو اب ضرورت کے پیشِ نظر کوئی حرج نہیں، کیا آپ نہیں جانتے کہ جب کسی خاتون کو بچّے کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو روزہ چھوڑ سکتی ہے، تو چبانا تو بطریقِ اولٰی جائز ہوگا۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

الذوق لیس بافطار بل یحتمل ان یصیر ایاہ اذقد یسبق شیئ منه الی الخلق فان من حام حول الحمی یوشك ان یقع فیه انتھت،[2]	مختصرات۔ چکھنا افطار نہیں بلکہ اس میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ کہیں کوئی شیئ حلق میں چلی جائے (یعنی افطار کا سبب ہے) کیونکہ جو محفوظ جگہ کے قریب جاتا ہے قریب ہے کہ اس میں داخل ہو جائے۔ گزشتہ عبارتیں اختصار کے ساتھ ختم ہو گئیں۔(ت)

دیکھو کنیز مولٰی یا عورت شوہر کے لئے یا نان بز مزدوری پر روزے میں کھانا پکائے تو اسے نمک چکھنا جائز نہیں بتاتے جبکہ مولٰی و شوہر و مستاجر خوش خلق و حلیم ہوں کہ نمک کی کمی بیشی پر سختی نہ کریں گے اور کج خلق و بدمزاج ہوں تو روا رکھتے ہیں، اور بچّے کو کوئی چیز چبا کر دینے میں شرط لگاتے ہیں کہ جب کوئی حیض یا نفاس والی عورت خواہ کوئی بے روزہ دار ایسا نہ ملے جو چبا سکے، نہ بچّہ کو دودھ وغیرہ اشیاء جن میں چبانے کی حاجت نہ ہو دے سکے اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہی کہ چکھنے چبانے سے روزہ جاتا نہیں بلکہ احتمال ہے کہ شاید حلق میں چلا جائے، لہٰذا بے ضرورت ناجائز ہوا مگر یہ نہیں فرماتے کہ سرے سے پکانا ہی حلال نہیں۔ ابھی گزر چکا کہ غلام و کنیز ایسے احکام میں اطاعت مولٰی نہ کریں، پھر زن و اجیر تو دوسرے درجے میں ہیں، اور پُر ظاہر کہ نمک ہرگز حلق میں چلے جانے کا سبب کُلّی یا اغلبی کیسا، سبب مساوی بھی نہیں، ہاں احتمال قریب ہے۔ ولہٰذا محقق علی الاطلاق نے بلفظِ احتمال ہی تعبیر فرمایا، اب پکانے کی ان اجازتوں کا منشا دو ۲ حال سے خالی نہیں یا تو امر وہی ہے کہ دخولِ دخان جبکہ شرعًا دائرہ مفطرات سے خارج ہو چکا مدار کار حقیقۃً قصدِ ادخال پر رہا، بغیر اس کے جب افطار ہی نہیں تو اس کے قرب و تعریض میں کراہت کیوں ہو، یا اگر قصد سبب اغلب قصد مسبّب ٹھہراؤ تو واجب

---

[1] بحر الرائق باب مایفسد الصوم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۸۰-۲۷۹

[2] فتح القدیر باب مایوجب القضاء والکفارۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۶۸

کہ دخول دخان کے لئے طبخ وغیرہ کی سببیت اُس سے بھی اضعف و نادر تر ہو جو دخول شور با کے لئے ذوق کی اور فی الواقع تجربہ بھی اس کی ندرت کا گواہ، دھواں جب حلق میں جاتا ہے اس کی تلخی محسوس ہوتی اور طبیعت کی دافعہ فوراً دفع کرتی ہے، اور جب دماغ میں جاتا اس کی سوزش معلوم ہوتی اور دماغ کو اذیت دیتی ہے، یہ حالت کھانا پکانے والوں کو شاذ و نادر واقع ہوتی ہے نہ کہ ہر وقت یا ہر روز، تو دُھوئیں سے دُور جُدا کھڑا ہونا اور بھی زیادہ سبب شاذ تر ہوگا، اُسکے قصد کو قصدِ مسبّب کہنا کیونکر ممکن، لاجرم یہاں اگر ہوگا تو وہی محض دخول جسے تمام کُتب میں تصریحاً فرمایا کہ ہرگز مفسدِ صوم نہیں، بالجملہ اصول و فروعِ شرعیہ پر نظر ظاہر اسی طرف منجر کہ اسباب علی الاطلاق ساقط النظر، ولہٰذا جس طرح رمضان مبارک میں [۱]نہانا، [۲]دریا میں جانا حرام نہ ہُوا حالانکہ اس کے سبب کان میں پانی بھی چلاجاتا ہے۔ [۳]دن کو کھانا پکانا اور [۴]کاموں کے لیے آگ جلا نا حرام نہ ہوا۔ مسلمان [۵]نانبائیوں، [۶]حلوائیوں، [۷]لوہاروں، [۸]سناروں وغیرہم کی دُکانیں قطعاً معطل کردینا واجب نہ ہو حالانکہ ان میں دُھوئیں سے ملاسبت ہے۔ [۹]جرّاروں، [۱۰]قصابوں، [۱۱]شکّرسازوں، حلوائیوں کا بازار ہڑتال کردینا لازم نہ ہوا کہ کثرتِ مگس کا موجب ہے۔ دن کو [۱۲]چکّی پیسنا، [۱۳]غلّہ پھٹکنا، [۱۴]باہر نکلنا گلیوں میں چلنا حرام نہ ہوا۔ حالانکہ وہ غالبًا غبار سے خالی نہیں ہوتیں۔ یونہی [۱۵]کو مساجد بلکہ گھروں میں بھی جھاڑوں دینا خصوصًا صدرِ اوّل میں فرش کچّے ہوتے تھے۔ [۱۶]عطاروں کا دوائیں کُوٹنا، [۱۷]مزارعوں کا غلّہ ہوا پر اڑا کر صاف کرنا۔ [۱۸]معماروں کا مٹی کی دیوار گرانا۔ [۱۹]مسافروں کا خوب چلتی ہوئی ریگستان میں سفر کرنا۔ [۲۰]فوج صائمین کا گھوڑوں پر سوار نرم زمینوں سے گزرنا کہ غالبًا دخول غبار کے اسباب ہیں ان کی حرمت بھی کہیں مذکور نہیں بلکہ فوجی مجاہدوں کا روزہ احادیث سے ثابت اور بے ضرورت کُلی کا جواز تو صراحتًا منصوص، بہر حال اس قدر تو قطعی یقینی اسباب غیر غالبہ کلیۃً نا ملحوظ، لہٰذا علمائے کرام نے بخور کے سبب فساد صوم ہونے کی یہی تصویر فرمائی کہ اگر دان پر محتوی ہو جائے یعنی ایسا جھک جائے کہ گویا وُہ اس کے جسم کے اندر اور اس کا بدن اُس پر مشتمل ہے اور شرنبلالیہ و امداد و مراقی و طحطاوی و شامی و مجمع الانہر میں تو اس پر بھی قناعت نہ فرمائی کہ **فآواہ الی نفسہ**[1] بخوردان کو اپنے بدن کے متصل کرلیا بلکہ صراحتًا اس پر زیادت کی **واشتم دخانہ**[2] قریب کرکے اس کا دھواں اُوپر کو سونگھا، یہ خاص قصد ادخال اور اس کا مفطر ہونا بے مقال اور صورتِ سوال پر حکمِ افطار باطل خیال **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ سبحانہ ولی التوفیق والحمد للہ رب العالمین**

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیہ طحطاوی باب فی بیان مالایفسد الصو،نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی،ص ۳۶۱

[2] غنیہ ذوی الاحکام حاشیہ درر الحکام باب موجب الافساد مطبعہ کامل الکائنہ دار سعادت مصر ۱ /۲۰۲

(تحقیق کا حق یہی تھا اللہ سبحانہ ہی توفیق کا مالک ہے والحمد للہ رب العالمین ۔ت) اور اس پر ایجاب کفارہ تو صریح بہتان۔ کفارہ کے لئے جنایت کاملہ چاہئے اور بے قصد وبے ارادہ کون سی جنایت کاملہ ہو سکتی ہے، اگر بفرضِ غلط اس صورت میں روزہ جانا بھی ٹھہرالیتے تو کیا شرع سے کوئی اس کی نظیر بتاسکتا ہے کہ بلا قصد جو افطار واقع ہو اس میں حکمِ کفارہ دیا گیا ہو، بھلا یہ تو بلاارادہ حلق یا دماغ میں دُھواں جاتا ہے، بلاتعمّد جماع بھی تو موجب کفارہ نہیں جو اکبر واشنع مفطرات ہے۔ تنویرالابصار میں ہے:

ان جامع فی رمضان اداء اوکل اوشرب عمدا، قضی وکفر[1]۔	اگر ادائے رمضان عمداً جماع کیا یا کھاپی لیا تو قضاء و کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔(ت)

درمختار میں ہے: عمدا راجع للکل[2] (قصداً کی قید ہر ایک سے متعلق ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

المراد تعمد الافطار والناس وان تعمد استعمال المفطر لم یتعمد الافطار[3]۔	یہاں ارادۃً افطار مراد ہے، بھول جانے والا اگرچہ کھانے پینے کا قصد تو کرتا ہے مگر اس کا افطار کا ارادہ نہیں ہوتا۔(ت)

یہ مسئلہ بدیہیاتِ فقہیہ سے ہے حاجتِ ایضاح سے غنی۔

قلت: وانما اطنبنا الکلام فی ھذا المقام حرصا علی احکام الاحکام وادغام الاوھام احتراسا ان لایعثر عاثر حین یعثر علی بحث للعلامۃ الشرنبلالی فی ھذا المرام حیث قال رحمہ اللہ تعالٰی فی غنیۃ ذوی الاحکام قولہ اودخل حلقہ غبارا واثر طعم الادویۃ فیہ لانہ لایمکن الاحتراز منھا اھ لدخولہ من الانف اذا اطبق الفم کما فی الفتح قلت فھذا یفید	**قلت:** ہم نے اس مقام پر اتنی طویل گفتگو اس لئے کی ہے کہ احکام میں استحکام اور اوہام کا ازالہ ہو اور اگر آپ علامہ شرنبلالیہ کی بحث پر مطلع ہوں تو وہاں ہر کسی کے اعتراض سے محفوظ ہو جائیں انہوں (رحمہ اللہ تعالٰی) نے غنیہ ذوی الاحکام میں فرمایا قولہ یا روزہ دار کے حلق میں غبار یا ادویات کا ذائقہ داخل ہو جائے کیونکہ اس سے احتراز ممکن نہیں اھ کیونکہ اگر منہ بند بھی ہو تو ناک کے ذریعے دخول ہو جائیگا، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے، **قلت** یہ عبارت بتارہی ہے

[1] تنویر الابصار متن درمختار باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ مجتبائی دہلی ۱/۱۵۱

[2] درمختار باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ مجتبائی دہلی ۱/۱۵۱

[3] ردالمحتار باب مایفسد الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۱۸

انه اذاوجدبدامن تعاطی مایدخل غبارہ فی حلقه افسد لوفعل اھ [1] وقال السیّد الطحطاوی فی حاشیة علی المراقی وعلی الدر واللفظ للاولی قوله اودخل حلقه غبارالخ به عرف حکم من صناعته الغربلة اوالاشیاء التی یلزمها الغبار وھو عدم الصوم وفی سکب الانھرعن المؤلف ولووجدبدامن تعاطی مایدخل الخ ویدل علیه التعلیل بعدم امکان التحرز [2] اھوقال السید الشامی فی ردالمحتار قوله لعدم امکان التحرز عنه ھذایفید انه اذاوجدبدامن تعاطی الخ شرنبلالیه [3] اھ ملخصًا فیظن ان مانحن فیه من باب تعاطی سبب ممکن التحرز عنه، وحقیقة الامر ان العلامة الباحث رحمه اللہتعالٰی لاینکر ان مدارالاحکام ھٰھنا علی التفرقةبین الدخول والادخال، فحسب اما سمعت الی مامر من قوله فی متنه لایفسد الصوم۔	اگر ایسے کام میں مشغولیت سے چارہ ہو جس سے غبار حلق میں داخل ہوجاتی ہے تو اب اگر عمل کیا تو روزہ فاسد ہوجائے گا اھ سید طحطاوی نے حاشیہ مراقی اور حاشیہ در میں کہا ہے اور یہ عبارت پہلی کتاب کی ہے قولہ یا غبار روزہ دار کے حلق میں داخل ہوگئی الخ اس سے ان لوگوں کا حکم معلوم ہوگیا جو گیہوں چھانتے یا ایسے کام کرتے ہیں جن کے ساتھ غبار لازمی ہے اور وہ ہے روزہ کا نہ ہونا، سکب الانہر میں مؤلف سے ہے اگر ایسے کام سے بچنے کا چارہ ہو جس سے دخولِ غبار ہوتا ہے اب اگر ایسا عمل کیا تو روزہ فاسد ہوجائے گا، دلیل یہ علت ہے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں اھ سیّد شامی نے ردالمحتار میں فرمایا قولہ "اس سے بچنا ممکن ہو تو الخ شرنبلالیہ اھ تو اس سے گمان کرلیا گیا ہے کہ زیرِ بحث مسئلہ ان میں سے ہے یہاں غبار والے سبب میں مشغول ہونے سے بچنا ممکن ہے اور حقیقت امر یہ ہے کہ علّامہ رحمہ اللہ تعالٰی اس بات کے منکر نہیں کہ احکام کا مدار یہاں فقط دخول اور ادخال کے فرق پر ہے کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ متن کے حوالے سے پیچھے گزرا کہ روزہ اس صورت میں فاسد نہ ہوگا

---

[1] غنیہ ذوی الاحکام حاشیہ درر الحکام باب موجب الفساد احمد کامل الکائنۃ دار سعادت مصر ۱/۲۰۲

[2] طحطاوی علٰی مراقی الفلاح باب بیان مالایفسد الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۶۲

[3] ردالمحتار باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ مصطفٰی البابی مصر ۲/۱۰۶

ولودخل حلقه دخان بلا صنعه [1] وشرحيه له وحاشيته على الدررمن قوله فيما ذكرنا اشارة انه من ادخل بصنعه فسد صومه [2] وقوله لامكان التحرزعن ادخال المفطر [3] ولذالماٰتى العلامة المدقق العلائى فى الدرعلىٰ تلخيص كلام الشرنبلالى لم يلخص الاحر فا واحدا وهو التفرقة بالدخول والادخال كما اسمعناك نصه وانما مطمح نظره وملمح بصره رحمه الله تعالٰى ما القينا عليك ان السبب اذاكان مفضيا ولابد كان قصده قصدالمسبب فكان من باب الادخال بصنعه، وانما يستقيم ان استقام فيما يفضى قطعا اوظنًا غالبًا ومن الدليل عليه نوطه فى الكتب الثلثة حكم الفساد بمجردتعاطى تلك الاسباب حيث قال"افسد لوفعل"ولم يقل"لو فعل ودخل"فانما ينظر الى ان فعله يوجب الدخول فاجتزأبذكره عنه والافلايتوهم عاقل فضلا عن فاضل فضلا عن مثل هذاالفاضل ان	جب دُھواں حلق میں بلا قصد و عمل داخل ہُوا، اس کی دونوں شروحات اور حاشیہ درر کے حوالے سے یہ قول بھی گزرچکا کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روزہ دار نے اگر خود دُھوئیں کو داخل کیا توروزہ ٹوٹ جائے گا، قولہ کیونکہ اس صورت میں روزہ توڑنے والی اشیاء کے ادخال سے احتراز ممکن ہے اس لئے در میں علامہ مدقق علائی نے شرنبلالی کے کلام کی تلخیص کرتے ہُوئے صرف ایک حرف کی تلخیص کی ہے اور وہ دخول اور ادخال میں فرق ہے جیساکہ پیچھے ہم نے ان کے الفاظ آپ کے سامنے رکھے، جو ہم نے بیان کیا اس سے علامہ رحمہ اللہ تعالٰی کا مطمح نظر یہ ہے کہ سبب اگر لازمی طور پر مفضی ہے تو اس سبب کا قصد مسبّب کا ہی قصد ہوگا تو یہ ادخال بالقصد کے باب سے ہوگا، اگر یہ درست ہے تو یہ صرف وہاں ہی ہوگا جہاں سبب قطعی یا ظن غالب کے طور پر مفضی ہوگا اس پر دلیل یہ ہے کہ تینوں کتب میں حکم فساد کا مدار محض ان اسباب میں مشغول ہونے کو قرار دیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں "اگر اس نے ایسا کیا توروزہ ٹوٹ جائے گا"، یہ نہیں کہا "اگر کیا اور داخل ہوگیا"، کیونکہ ان کی نظر اس پر تھی کہ ایسے اسباب کا کرنا ہی دخول کا موجب ہے لہٰذا اس کے ذکر پر اکتفاء فرمایا ورنہ کوئی عاقل چہ جائیکہ ایسا فاضل یہ بات کہے کہ محض ان کاموں

[1] نورالایضاح باب مایفسد الصوم مطبع علیمی لاہور ص ۶۴

[2] مراقی الفلاح مع حاشیہ طحطاوی باب فی بیان مالایفسد الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۶۱

[3] غنیہ ذوی الاحکام مع حاشیہ درر باب موجب الافساد مطبعہ احمد کامل الکائنہ دار سعادۃ مصر ۱ /۲۰۲

مجرد تعاطی تلك الافعال یفسد الصوم وان لم یدخل شئی ثم ھو رحمہ اللہ تعالٰی داریقیقنًا ان الکینونة فی بیت فیه بخور لیس سببا غالبا لدخول الدخان ولذا علق الفساد فی کتبه الثلثة "بایوائه الٰی نفسه" بل ولم یقنع به حتی زاد "واشتم دخانه" فقد وضح اتضاح الشمس فی رابعة النهاران لامساس بمسألتنا لما بحث العلامة الفاضل ھنا۔

میں مشغول ہونا روزہ توڑدیتا ہے اگرچہ کوئی شئی داخل نہ ہوتی ہو، پھر علّامہ رحمہ اللہ تعالٰی یہ بھی یقینا جانتے ہیں کہ جس گھر میں بخور ہو وہاں موجود ہونا دھوئیں کے دخول کا سبب غالب نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ تینوں کتب میں یہ قید لگائی ہے کہ اسے اپنے قریب کرے بلکہ اس پر بھی اکتفانہ کیا حتی کہ یہ زائد کیا کہ اس کا دھواں سُونگھے، اب تو روشن دن کی طرح واضح ہوگیا کہ علامہ فاضل نے جو یہاں کہا ہے اس کا تعلق ہمارے زیر بحث مسئلہ سے نہیں ہے۔

ثمّ اقول: وبه ظهر وللہ الحمد انه لایرد علی بحثه ماقد منا من مسائل الطبخ والذوق و الاغتسال وخوض الماء والطحن والسف و دخول الطرقات وامثالها. فهذا غایة ماوصل الیه ذهنی القاصر فی تصحیح بحثه لکن یرد علیه من المنصوصات مسألة المضمضة ورودًا لامردله فانها سبب اغلبی بل کلی لدخول البلل ولم یکن تعاطیها ولو بلا ضرورة بل بلا حاجة لیفسد الصوم بالاجماع وان قیل فی النوادر بکراهتها ولعل مجیبا یجیب بان لیس الحامل فیه علی الحکم بعدم الفطر مجرد امتناع التحرز بل وشئی اٰخر وهو کونه قلیلا تابعا للریق کما قالوا فی لحم بین اسنانه قال فی الهدایة لو

ثمّ اقول: بحمد اللہ اس سے واضح ہوگیا کہ جو ہم نے پیچھے مسائل بیان کئے مثلًا کھانا پکانا، چکھنا، غسل کرنا، پانی میں غوطہ لگانا، چکّی پیسنا، غلّہ پھٹکنا اور گلیوں میں چلنا وغیرہ، یہ سب علامہ کی بحث کارد نہیں کرتے۔ علّامہ کی بحث کی تصحیح میں بندہ کا ذہن قاصر اسی انتہائی مقام پر پہنچاہے، لیکن اس پر منصوصات میں سے مسئلہ کلی کرنا ایسا وارد ہوتا ہے جس کا جواب نہیں کیونکہ وہاں تری کا دخول سبب اغلب ہی تک نہیں بلکہ کلی سبب ہے اور روزہ دار کا اس میں مشغول ہونا اگرچہ بلا ضرورت بلکہ بلاحاجت ہو حالانکہ اس صورت میں روزہ بالاتفاق نہیں ٹوٹتا، اگر یہ کہا جائے کہ نوادر میں ہے کہ اس میں کراہت تو ہے تو شاید جواب دینے والا یہ کہے کہ کُلی میں عدم فطر کے حکم کا باعث محض احتراز کا امتناع ہی نہیں بلکہ ایک اور شئی بھی ہے اور وہ اس کا قلیل اور تھوک کے تابع ہونا ہے جیساکہ فقہاء نے اس گوشت کے بارے میں کہا ہے جو

اکل لحما بین اسنانه فان کان قلیلا لم یفطر لان القلیل تابع لاسنانه بمنزلة ریقه، بخلاف الکثیر لانه لایبقی فیما بین الاسنان والفاصل مقدار الحمصة ومادونها قلیل[1] اھ۔

اقول: ولا یجدی فان عدم الافطار ھٰھنا ایضا انما ھو معلل بعدم امکان التحرز، فرجع الامر الی ماوقع، قال فی الفتح وانما اعتبر تابعا لانه لایمکن الامتناع عن بقاء اثر مامن المآکل حوالی الاسنان وان قل ثم یجری مع الریق التابع من محله الی الحق فامتنع تعلیق الفطار بعینه فیعلق بالکثیر وھو ما یفسد الصلٰوۃ لانه اعتبر کثیرا فی فصل الصلوۃ ومن المشائخ من جعل الفاصل کون ذٰلك ممایحتاج فی ابتلاعه الی الاستعانة بالریق او لا الاول قلیل والثانی کثیر وھو حسن لان المانع من الحکم بالافطار بعد تحقق الوصول کونه لا یسھل الاحتراز عنه وذٰلك فیما

دانتوں میں پھنس جاتا ہے۔ ہدایہ میں ہے کسی نے دانتوں کے درمیان پھنسا ہوا گوشت کھالیا اگر وُہ تھوڑا تھا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ قلیل دانتوں کے تابع ہونے کی وجہ سے بمنزل تھوک ہوگا بخلاف کثیر کے، کیونکہ وُہ دانتوں کے درمیان باقی نہیں رہ سکتا اور قلیل و کثیر میں فرق یُوں ہے کہ اگر چنے کی مقدار ہو تو کثیر اور اس سے کم ہو تو قلیل اھ۔

اقول: یہاں یہ بات بھی مفید نہیں کیونکہ روزہ نہ ٹوٹنے کی وجہ یہی بیان کی گئی کہ تری سے بچنا ممکن نہیں تو معاملہ پھر اسی طرف لوٹ آیا جہاں تھا، فتح میں ہے تابع اس لیے قرار دیا کہ کھانے کے بعد دانتوں کے ارد گرد پر اثر کا باقی نہ رہنا ناممکن ہے اگرچہ وہ اثر بہت قلیل ہو پھر وُہ تھوک کے ساتھ اپنی جگہ سے حلق کی طرف چلا جاتا ہے تو اب روزہ ٹوٹ جانے کو بعینہٖ اس اثر کے ساتھ متعلق کرنا ممکن نہ رہا، ہاں کثیر سے متعلق ہوگا اور وُہ اتنی مقدار ہے جو نماز کو فاسد کردے کیونکہ اسے نماز کے معاملہ میں کثیر اعتبار کیا گیا ہے، مشائخ میں سے بعض نے قلیل و کثیر میں یُوں فرق کیا کہ اس شیئ کو نگلنے کے لئے تھوک کی مدد کی ضرورت ہے یا نہیں، اگر مدد درکار ہے تو قلیل ورنہ کثیر، اور یہ بہت خوب فرق ہے کیونکہ جوف میں وصول کے بعد روزہ نہ ٹوٹنے کے حکم میں مانع صرف یہ ہے کہ اس سے احتراز آسان نہ تھا اور یہ بات اس میں

[1] الہدایۃ باب مایوجب القضاء والکفارۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۹۸

یجری بنفسه مع الریق الی الجوف لافیما یتعمد فی ادخاله لانه غیر مضطر فیه اھ وقد نقل کلامه العلامة الشرنبلالی نفسه فی المراقی تصریحا وفی الغنیة تلویحامقرا علیه، وھذاایضا بحمداللّٰہتعالٰی مشید ارکان مانحونا الیه من ان المناط ھو الفرق بالدخول والادخال لاغیر وان لا نظر فی الدخول الی کون سببه ممایستھل التحرز عنه، الاتری ان الانسان غیر مضطرالی اکل مایبقی شئی منه فی اسنانه کاللحم وامثاله، بل یمکن الاجتزاء بمثل اللبن ثم ان سلم له ان تعاطی الاسباب الغالبة من باب الادخال المفطر لوجب ان یکون مفطرا مطلقا وان احتاج الیھا کما قد منا بحقیقته فلیس من لم یکن عندہ ما یغنیه یومه ولم یقدر علی الاکتساب الابحرفة غر بلة وھرس وخبز وطبخ ونحوھا ممایدخل فیه الغبار و الدخان باجلّ ضرورة واقل حیلة من مریض اونائم اومکرہ او ذی مخمصة فاذالم یستحق اولٰئك اسقاط

جاری ہوسکتی ہے جو تھوک کے ساتھ جوف میں جائے، لیکن اس میں جاری نہیں ہوسکتی جس کا ادخال عمدًا ہو کیونکہ اس میں روزہ دار مجبور نہیں اھ علامہ شرنبلالی نے یہ کلام مراقی میں تصریحًا اور غنیہ میں اختصار کے ساتھ اسے ثابت رکھتے ہُوئے نقل کیا ہے، بحمد اللہ یہ بھی ہماری اس گفتگو کی بنیادوں کو مستحکم کرتا ہے کہ فرق کامدار دخول اور ادخال پر ہے، اس کے علاوہ کوئی فرق نہیں اور دخول میں اس طرف نظر کرنا بھی مناسب نہیں کہ اس کا سبب ہونا ایسا تھا جس سے بچنا آسان تھا، کیاآپ ملاحظہ نہیں کرتے کہ دانتوں میں جو بچ جاتا ہے مثلًا گوشت وغیرہ تو انسان اس کے کھانے پر مجبور نہیں بلکہ انسان کااس سے محفوظ رہنا ممکن بھی ہے، مثلًا دودھ وغیرہ کے ذریعے، پھر اگر یہ تسلیم کرلیا جائے ایسے اسباب میں مشغول ہونا جن سے غالبًا دخولِ غبار ہوجاتا ہے اور روزہ ٹوٹ جاتا ہے، تو ضروری ہوگا کہ یہ ہر حال میں روزہ ٹوٹنے کا سبب بنے اگرچہ آدمی ان کا محتاج ہو، جیسا کہ ہم پیچھے اس کی حقیقت بیان کرآئے، تو وہ شخص جس کے پاس دن گزارنے کے لیے کوئی چیز نہ ہو اور وُہ آٹا چھاننے، گھوڑا دوڑانے، روٹی کھانے اور پکانے وغیرہ جو دخولِ غبار کا سبب ہیں ان کے علاوہ کسی کاروبار پر قادر بھی نہ ہو تو ایسا شخص مریض، سونے والے، مکرہ اور صاحبِ اضطرار سے ضرورت

حکم الفطر فانّٰی یستحقه من هو دونهم وقد جری هو بنفسه فی متنه علی تعمیم الغبار غبار الطاحونة فالاوفق الارفق الالصق بالاصول بالقبول عندی هوالاطلاق الذی جرت علیه المتون والشروح و الفتاوی قاطبة الی اواسط القرن الحادی عشر حتی جاء العلامة الشرنبلالی فنظر مانظر ولقد احسن واجاد فی کتبه الثلثة اذا علق الفساد بالبخور علی اشتمام الدخان والعلم بالحق عند الملك المنّان۔	میں زیادہ اور حیلہ میں کم نہیں ہوتا، توجب مذکورہ لوگ اسقاط حکم افطار کے مستحق نہیں تو جوان سے کم درجہ کا معذور ہے وہ اسقاط کا کیسے مستحق ہوگا، علامہ نے خود متن میں عام غبار کا اعتبار کیا ہے جیسے چکّی کی غبار، تو اصول کے زیادہ موافق و مناسب ہوگی اور قبول کے زیادہ لائق۔ میرے نزدیک وہ اطلاق ہے جس پر گیارہویں صدی کے وسط تک تمام متون وشروحات اور فتاوٰی کی نقل جاری رہی حتی کہ علّامہ شرنبلالی کا دور آیا تو اُنھوں نے اس پر غور و فکر کیا جو اُن کی شان کے لائق تھا، اُنھوں نے اپنی تینوں کُتب میں یہ لکھ کر بہت ہی خُوب کیا کہ بخور کا دُھواں قصداً سُونگھنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ حق کا علم مالک اور احسان فرمانے والے اللہ تعالٰی کے لئے ہے۔ (ت)

الحمدللہ یہ جواب عجاب، کاشف صواب، ورافع حجاب اوائل ذی القعدۃ الحرام کے چند جلسوں میں تمام اور بلحاظ تاریخ "الاعلام بحال البخور فی الصیام" نام ہوا، وصلی اللہ تعالٰی علی سیّدنا ومولانا محمد واٰله وصحبه وبارك وسلم، واللہ وسبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۲۶: مسئولہ امانت علی شاہ ساکن قصبہ نواب گنج ضلع بریلی ۱۷ رمضان ۱۳۳۱ھ

اس سے پہلے میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ روزہ دار کو غوطہ لگانا چاہئے یا نہیں؟ اور سُرمہ لگانا چاہئے یا نہیں؟ تو ایک شخص کہتا ہے کہ غوطہ لگانا کیا بلکہ ناف کے اُوپر پانی پہنچ جائے گا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور سُرمہ بعد عصر کے لگانا چاہئے۔ اور ایک شخص نے یہ بھی کہا کہ سُرمہ لگا کر سونا نہ چاہئے، اور روزہ دار کو خوشبو سُونگھنا چاہئے یا نہیں؟ اور سر میں تیل ڈالنا چاہئے یا نہیں؟ اور بدن پر روغن ملنا چاہئے یا نہیں؟ اور ہلاس سُونگھنا چاہئے یا نہیں؟ اور مسواک کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور مسواک کی لکڑی چبانا چاہئے یا نہیں؟ اور دانتوں میں خلال کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور منجن ملنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

وہ شخص غلط کہتا ہے، پانی بدن کے اُوپر ہونے سے روزہ جائے تو نہانے سے بھی جائے، وضو سے بھی جائے۔ہاں جوف کے اندر مسام کے سوامنافذ سے پہنچے تو روزہ جائے گا مگر غوطے میں ایسا نہیں، غوطہ لگا کر کھلے ہُوئے منفذ نتھنوں کو دیکھئے کہ ان میں بھی پانی نہیں پہنچتااور سُرمہ بھی ہر وقت لگانے کی اجازت ہے اور لگا کر سو بھی سکتا ہے اور سونے سے بھی کھکھار میں سُرمہ کی رنگت آجائے تو کچھ حرج نہیں کہ یہ مسام سے پہنچااور آنکھوں میں معاذاللہ کان یا ناک کے سوراخ نہیں کہ اُن میں داخل روزہ کو مضر ہو۔روزہ دار خوشبُو سُونگھ سکتاہے، سُونگھنے سے جس کے اجزاء دماغ میں نہ چڑھیں بہ خلاف اگر لوبان کے دُھوئیں کے کہ اسے سونگھ کر دماغ کو چڑھ جائے گاتو روزہ جاتا رہے گا۔روزہ دار سر میں روغن ڈال سکتاہے،کہ یہ بھی مسام میں کوئی منفذ نہیں ۔بدن پر بھی روغن مل سکتاہے مل کر خوب جذب کر سکتاہے،ہاں مثلاً کان میں نہیں ڈال سکتا،اگر ڈالے گا روزہ جاتا رہے گا۔ روزہ دار کو ناس لینا حرام ہے اُس کا کوئی ذرّہ دماغ کو پہنچا تو روزہ جاتا رہے گا۔ مسواک کرنا سنّت ہے، ہر وقت کر سکتا ہے، اگرچہ تیسرے پہر یا عصر کو چبانے سے لکڑی کے ریزے چھوٹیں یا مزہ محسوس ہو تو نہ چاہیے۔خلال کرنے میں تو کوئی مضائقہ نہیں مگر رات کا دانتوں میں کچھ بچار کھنا نہ چاہیئے جسے دن کو خلال سے نکالے، ہاں سحری کھا کر فارغ ہُوا تھا کہ صبح ہو گئی تو اب ہی خلال کرے گااس کا حرج نہیں، روزہ میں منجن ملنا نہ چاہیئے۔

باب القضاوالکفارة

مسئلہ ۲۲۷: از بنگال ضلع کمرلاپرگنہ سرائل ڈاک خانہ ہرن بیڑ موضع بھوپن مرسلہ عاصم علی صاحب ۲۰رمضان المبارک ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میّت کے نماز وروزہ وغیرہ کے کفارے کے عوض میں قرآن شریف کو حیلہ کرنا جائز ہے یانہیں؟ مع دلائل قویہ وحوالہ کتب معتبرہ ارشاد فرمایا جائے کیونکہ اس ملک بنگالہ میں اکثر علماء حیلہ مذکورہ کو جائز رکھتے ہیں اور جو ناجائز کہتا ہے اُس کے ساتھ جھگڑنے پر آمادہ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دلیل بیان کرو، اس لیے حضور پُرنور کو تکلیف دی جاتی ہے۔ بیّنوا بالدلیل توجروا عند الجلیل (دلیل کے ساتھ بیان کرو اور اللہ تعالٰی سے اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

یہ حیلہ دو[۲] طور پر ہے:

اوّل: یہ کہ نماز روزے وغیرہ جس قدر ذمہ میّت ہوں سب کے کفارے میں خود قرآن مجید ہی مسکین کو دے دیا جائے یعنی مصحف مبارک ہی کو اُن فرائض کا معاوضہ و کفارہ بنالیا جائے، یہاں جہاں اسی طرح کرتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ قرآن بے بہا چیز ہے اُس کی قیمت کا کون اندازہ کرسکتا ہے تو اگر لاکھوں کفارے ہوں ایک مصحف میں سب ادا ہوجائیں گے، ولہذا انہیں میّت کی عمر اور اس کی قضا

نمازوں روزوں کاحساب کرنے کی بھی حاجت نہیں ہوتی کہ حساب تو جب کیجئے کہ کچھ کمی کااحتمال ہو اور جہاں ہر طرح یقینا زیادہ ہی چیز جارہی ہے وہاں حساب کس لئے۔ یہ طریقہ یقینا قطعًا باطل و مہمل ہے شرع مطہر نے کفارے میں مال معین فرمایا ہے کہ ہر نماز ہر روزے کے عوض نیم صاع گندم یاایک صاع جَو یا اُن کی قیمت۔ اوراس سے مقصود شرع اِدھر نفع رسانی مساکین ہے اُدھر اپنی رحمتِ کاملہ سے ترک فرائض پر مالِ جرمانہ لے کراِن شاء اللہ بندہ تارک کو مطالبہ سے سبکدوش فرمانا، ولہٰذا ہر نماز روزہ کے ایک مقدارِ مال معیّن فرمائی کہ جرم کم وزائد میں امتیاز رہے، جس نے تھوڑے چھوڑے ہیں تھوڑا مال دے کر پاک ہوجائے، جس نے زیادہ چھوڑے اس پر اُسی حساب سے جرمانہ بڑھتا جائے، مصحف شریف میں دو۲ لحاظ ہیں: ایک کاغذ و سیاہی وجلد کااعتبار، اس لحاظ سے وہ ایک مال ہے اسی لحاظ سے اس کی بیع وشرا ہوتی ہے، بایں معنی اس کی قیمت وہی ہے جتنے پر بازار میں ہدیہ ہو، روپیہ دوروپیہ یادس پندرہ جو حیثیت ہو اسی لحاظ سے وہ کفارے میں دیا جاسکتا ہے تو بازار کے بھاؤ سے جتنے داموں پر ہدیہ ہو اُسی قدر مال دینا ٹھہرے گا، اور کفارہ ادا ہوا تو صرف اُتنے ہی نماز روزوں کا ادا ہوگا جوان داموں کے مقابل ہوں مثلًا روپے کے پانچ صاع گیہوں آتے ہیں اور یہ مصحف شریف کہ دیا گیادو۲ روپے ہدیہ کا تھاتو گویادس۱۰ صاع گیہوں دیئے گئے صرف بیس۲۰ نمازوں یا بیس۲۰ روزوں کا عوض ہُوئے، دوچار روپے مالیت کی چیز سے عمر بھر کی نمازوں کا کفارہ کیونکر ادا ہوسکتا ہے۔ دوسرا لحاظ اُس کلام کریم کا اعتبار ہے جو اُس میں لکھا ہے اصلًا مال نہیں بلکہ وُہ اس احد صمد جل وعلا کی صفت قدیمہ کریمہ اُس کی ذات پاک سے قائم اور اُس کے کرم سے ہمارے ورقوں، ہمارے سینوں، ہماری زبانوں، ہماری آنکھوں، ہمارے کانوں، ہمارے دلوں پر کتابت و حفظ وتلاوت و نظر وسماعت و فہم میں متجلی ہے، **فلوجهه الكريم الحمد كما ينبغی لجلاله وعظم جوده وافضاله**، عوام نے سچ کہا کہ وُہ بے بہا ہے اور غلط سمجھا کہ اُس کہ قیمت حد سے سوا ہے بلکہ وُہ بے بہا بایں معنٰی ہے کہ تقویم ومالیت سے پاک وورا ہے بایں معنٰی وہ کفارہ نہیں ہوسکتا کہ کفارہ مال سے ہوتا ہے اور وہ مال نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

لاقطع فی سرقة المصحف لانه لامالية له علی اعتبار المکتوب واحرازه لاجله لا للجلد والاوراق[1]۔	چوری مصحف میں قطع ید نہیں کیونکہ مکتوب کے اعتبار سے یہ مالیت سے بالاتر ہے باقی اس کی حفاظت مکتوب کی وجہ سے ہوئی ہے نہ کہ جلد اور اوراق کی وجہ سے۔ (ت)

[1] ہدایہ باب مایقطع فیہ ومالایقطع المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۵۲

فتح القدیر میں ہے:

لافی سرقة المصحف وقال الشافعی یقطع وھو روایة عن ابی یوسف لانه مال محرز یباع ویشتری ولان ورقه مال وبما کتب فیه ازدادبه ولم ینتقص وجه الظاھران المالیة للتبع وھی الاوراق المتبوع وھوالمکتوب[1]۔	مصحف کی چوری میں قطع ید نہیں اور امام شافعی نے کہا قطع ید ہے۔امام ابویوسف سے بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ یہ مال محفوظ ہے، بیچا اور خریدا جاتا ہے، اور اس لیے بھی کہ اس کے اوراق مال ہیں اور جو کچھ اس میں تحریر ہے اس سے مالیت میں اضافہ ہوگا نہ کہ کمی۔ظاہر مذہب کی دلیل یہ ہے ہے کہ مالیت تابع یعنی اوراق کی ہیں نہ کہ متبوع کی جو کہ مکتوب ہے(ت)

اسی طرح کافی شرح وافی و تبیین الحقائق و بحرالرائق وردالمحتار وغیرہا معتمدات اسفار میں ہے۔ بالجملہ مصحف میں جو چیز بے بہا ہے یعنی قرآن وُہ مال نہیں کہ کفارہ بن سکے، اور جو مال ہے یعنی کاغذ و جلد، وُہ بے بہا نہیں کہ عمر بھر کی نمازروزوں کا بدلہ ہوسکے،کاغذ کے اعتبار سے مال ٹھہرانا اور مکتوب کے لحاظ سے بیحد قیمت سمجھ کر میت کی تمام عمر بلکہ ہفت پشت کا کفارہ کرنا ایسا ہے جیسے زید پر کسی کے لاکھ روپے آتے ہوں وہ اس کے بدلے ایک روپے کا مصحف شریف بلکہ ایک آنے کا کوئی پارہ دے کر ادا ہوجانا چاہئے کہ یہ لاکھوں کروڑوں روپے کا ہے بے بہا ہےیُوں تو ایک آیت بلکہ ناخن برابر کاغذ پر ایک اسم اللہ لکھ کر دے دیجئے اور کروڑوں روپے کا قرضہ اتار دیجئے کہ دُنیا ومافیہا ایک اسمِ جلالت کی قیمت نہیں ہوسکتی جیسے بندوں کے دین میں یہ حیلہ پیش نہیں کیا جاتا ویسے ہی رب العزّت عزّجلالہ کے دین میں۔ حدیث میں ارشاد ہُوا: **فدین اللہاحق ان یقضی**[2] (اللہ تعالٰی کا دین زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے پورا کیا جائے۔ت)

دوسرا طریقہ: یہ کہ میّت پر جس قدر نماز روزے وغیرہا قضاہوں سب کا حساب لگائیں اور اس کا کفارہ معین کریں کہ مثلاً ہزار من گندم ہوئے مصحف شریف اُتنے گیہوں یا اُن کی قیمت کے عوض مسکین کے ہاتھ بیع کریں وُہ قبول کرلے مصحف تو اس نے پایا اور اس پر ہزار من گندم یا مثلاً تین ہزار روپے ثمن مصحف کے دین ہوگئے، اب اس سے کہیں کہ اتنے گیہوں یا روپے جو ہمارے تجھ پر واجب الادا ہیں وہ ہم نے فلاں میّت کے کفارہ میں تجھے دیئے، فقیر کہے میں نے قبول کئے۔ یہ حیلہ قرآن عظیم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر کتاب یا کپڑے یا

[1] فتح القدیر باب مایقطع فیہ ومالایقطع المکتبۃ العربیۃ کراچی ۵/ ۱۳۲
[2] صحیح بخاری باب من مات وعلیہ صوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۶۲

برتن وامثالہا سے ہوسکتا ہے، دہلی کے متاخرین علماء نے یہ حیلہ لکھا مگر نظرِ فقہی میں یہ بھی صحیح نہیں آتا، فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس کی تحقیق منیر اپنے فتاوٰی میں ذکر کی یہاں اسی قدر کافی کہ کفارے میں مال دینا چاہئے اور دین کہ ساقط کردیا مال نہیں۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لوکان له دین علی فقیر فابرأه منه سقط زکٰوته عنه لانه کالهلاك فلو ابرأه عن البعض سقط زکٰوة ذٰلك البعض لما قلنا وزکٰوة الباقی لاتسقط عنه ولو نوٰی به الاداء عن الباقی لان الساقط لیس بمال والباقی یجوز ان یکون مالافکان الباقی خیرامنه فلایجوز الساقط عنه[1]۔	اگر کسی کا فقیر پر قرض تھا معاف کرکے قرض سے اسے بری کردیا تو اس قرض کی زکٰوۃ ساقط ہوجائے گی کیونکہ ہلاک ہونے والے مال کی طرح ہے اور اگر کچھ معاف کیا تومذکورہ دلیل کی بناپر اتنے حصّہ کی زکٰوۃ ساقط ہوجائے گی لیکن باقی حصّہ کی زکوۃ ساقط نہ ہوگی اگرچہ وُہ ساقط ہونیوالے حصہ کو باقی کی زکوۃ میں شمار کرے کیونکہ ساقط ہونے والا مال نہیں اور باقی رہنے والے کا مال ہونا ممکن ہے اوربقیہ حصہ اس سے بہتر ہے لہذا اس سے اسقاط جائز نہ ہوگا۔ (ت)

بلکہ ضرور ہے کہ وہ دین اس سے وصول کرکے قبضہ میں لاکر کفارے میں دیں۔ درمختار میں ہے:

اوصی لصلواته وثلث ماله دیون علی المعسرین فترکها الوصی لهم عن الفدیة لم تجزه ولابد من القبض ثم التصدق علیهم[2] اھ وتمام الکلام علی ازالة الاوهام فی فتاوٰنا فلیرا جعها من یتخالج فی صدره شئی ولایعجل. واللہ تعالٰی اعلم۔	کسی نے اپنی نمازوں کے لئے وصیت کی اس حال میں کہ اس کا ثلث مال تنگ دستوں پر قرض تھا تو وصی نے نمازوں کے فدیہ کے طور پر ان تنگ دستوں کا قرض چھوڑ دیا تو یہ کافی نہ ہوگا کیونکہ پہلے اس مال پر قبضہ ضروری ہے اس کے بعد ان پر صدقہ کرنا جائز ہوگا اھ ازالہ اوہام کے لئے تفصیلی گفتگو ہمارے فتاوٰی میں ہے، جس کے سینے میں کوئی شے کھٹک رہی ہو وہ اس کا مطالعہ کرے اور جلد بازی سے کام نہ لے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۸: از بلگرام ضلع ہردوئی محلّہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم میاں صاحب ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

شبِ سہ شنبہ ۱۲ رمضان المبارک کو ہم لوگوں کی آنکھ قریب ساڑھے چار بجے کھلی، جلد جلد ہم لوگوں نے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الزکٰوۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ مصر ۱/۲۵۸

[2] درمختار فصل فی وصایا الذمی وغیرہ مجتبائی دہلی ۲/۳۳۴

یعنی سحری کھا کر حقّہ پی رہے تھے کہ یکایک اذان ہو گئی فورًا کُلی کرکے اور کاموں میں مصروف ہوگئے، صبح کو ایک بزرگ سے سب حال کہا گیا انہوں نے اس قسم کے کلمات کہے جس سے ابطالِ صیام معلوم ہوا نہایت تشویش ہُوئی، جب ہم لوگوں نے جان لیا کہ روزہ یقینا نہیں ہے تب ہم چند آدمیوں نے دن کو یعنی ۱۲ بجے اسی ماہ کھالیا اور یہ امر تخمینًا دس آدمیوں سے واقع ہُوا اعنی روزہ کھول لینا، بعد کو اور لوگوں سے ذکر ہُوا تو اُن لوگوں نے تنبیہ کی اور کہا کہ کھانا کھانا مناسب نہ تھا استطاعتِ کفارہ نہیں حتی کہ دوماہ متواتر روزے رکھنے کی بھی بظاہر قدرت نہیں، اب جیسی رائے ہو مطلع فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

آج کل کہ آفتاب اوائل بُرج حمل میں ہے۔ بریلی. بلگرام کے قریب قریب عرض کے شہروں میں سحری چار بجے تک کھانی چاہئے، ساڑھے چار بجے کب کی صبح ہو چکتی ہے، اس وقت کچھ کھانے پینے کے معنی ہی نہ تھے، وہ روزہ یقینا نہ ہوا اُس کی قضا فرض ہے مگر غیر مریض ومسافر کو روزہ جاتے رہنے کی بھی حالت میں بوجہ ادب وحُرمت ماہ مبارک دن بھر مثل روزہ رہنا واجب تھا، دن کو پھر جو قصدًا کھایا حرام تھا گناہ ہُوا، توبہ کی جائے، مگر روزہ تو تھا ہی نہیں جسے اس کھانے نے توڑا ہو، لہٰذا کفارے سے کچھ علاقہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۹: از خورجہ ضلع بلند شہر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید رمضان شریف میں روزہ سے تھے اخیر رمضان المبارک میں جبکہ وُہ روزہ سے تھے ان کے درد صدر میں ہو اور دست آئے اور استفراغ کئی بار ہُوا، درد کی بہت سخت تکلیف تھی، بالآخر ۴ بجے بخوف ترقی مرض بعد ظہر ڈاکٹری دوا حالتِ صوم میں پلادی گئی، روزہ تڑوادیا گیا، ایسی حالت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ روزہ توڑنے کی وجہ سے آیا ساٹھ روزے رکھے جائیں یا ساٹھ مسکین کھلائے جائیں یا کچھ نہ کیا جائے؟ درد سے آرام ہونے کے بعد جو آٹھ سات روزے باقی تھے وہ بوجہ ضعف وناطاقتی کے نہیں رکھے گئے تا عید الفطر۔ ایسی صورت میں شارع کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس صورت میں نہ ساٹھ روزے ہیں نہ ساٹھ مسکین غرض کفارہ نہیں صرف اُس روزہ کی جو توڑا اور ان روزوں کی جو نہ رکھے قضا ہے ہر روزہ کے بدلے ایک روزہ وبس۔

فی الدرالمختار من مبیحات الفطر خوف ھلاك اونقصان عقل ولو بعطش اوجوع	درمختار میں عوارض مبیحہ سے ہے یعنی روزہ نہ رکھنے کو مباح کرنے والی چیزوں میں سے یہ ہیں ہلاکت کا خوف یا نقصانِ عقل کا خوف، یہ خوف خواہ پیاس سے ہو

شدید اولسعة حیّة[1]۔	سخت بھوک کی وجہ سے یا سانپ کے کاٹنے سے ہو (ان صورتوں میں روزے کا ترک جائز ہے) (ت)

شامی میں ہے:

فله شرب دواء ینفعه[2]۔	روزہ دار کے لیے ایسی دوا کا پینا جائز ہے جو اسے نفع دے۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۰: از بہرائچ چوک بازار مرسلہ حافظ محمد شفیع صاحب ۲۶ ماہ مبارک ۱۳۳۳ھ

اگر رمضان شریف کا چاند مکہ معظّمہ یا ہندوستان سے دُور دراز ملکوں میں ۲۹ شعبان کو ہُوا اور مثلاً بہرائچ میں اُس تاریخ کو چاند نہیں نظر آیا بلکہ ۳۰ شعبان کو چاند ہُوا کیا اس صورت میں بہرائچ کے باشندوں کو ایک روزہ کی قضا علم و واقفیت قطعی ہونے پر لازم آتی ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے صورت مذکورہ میں قضا ایک روزہ کی لازم نہیں اس لیے کہ جب قریب ملک میں چاند نظر آئے تو اُس کا اعتبار ہے دُور ملک کا اس بارے میں اعتبار نہیں، عمرو کا قول اُس کے برخلاف ہے یعنی وُہ قضا لازم ہونے کا التزام کرتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب:

عمرو کا قول صحیح ہے، ہمارے ائمہ کرام کا مذہب صحیح و معتمد یہی ہے کہ در بارہ ہلالِ رمضان و عید اختلاف مطالع کا کچھ اعتبار نہیں، اگر مشرق میں رؤیت ہو مغرب پر حجت ہے، اور مغرب میں تو مشرق پر، مگر ثبوت بروجہ شرعی چاہئے، خط یا تار یا تحریرِ اخبار یا افواہ بازار یا حکایتِ امصار محض بے اعتبار۔ کما فصلناہ فی فتاوٰنا بما لا مزید علیه (جیسا کہ اس کی ایسی تفصیل اپنے فتاوٰی میں تحریر کی ہے جس پر اضافہ دشوار ہے۔ت) در مختار میں ہے:

اختلاف المطالع غیر معتبر علی المذهب وعلیه اکثر المشائخ وعلیه الفتوی فیلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤیة اولئك بطریق موجب[3] (ملخصاً) واللہ تعالٰی اعلم۔	مذہب صحیح کے مطابق مطالع کے اختلاف کا اعتبار نہیں، اس پر اکثر مشائخ ہیں اور فتوٰی اسی قول پر ہے، لہٰذا اہلِ مشرق پر اہلِ مغرب کی رؤیت کی بنا پر روزہ رکھنا لازم ہوگا بشرطیکہ ان کے ہاں ثبوت چاند موجب شرعی سے ثابت ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] در مختار، فصل فی العوارض، مجتبائی دہلی، ۱/۱۵۲
[2] ردالمحتار فصل فی العوارض مصطفی البابی مصر ۲/۱۲۶
[3] در مختار کتاب الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

مسئلہ ۲۳۱: از موضع درؤ ضلع نینی تال مسئولہ عبدالجلیل خاں ۱۳صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے طعام سحری ساڑھے چار بجے سے پانچ بجے تک کھانا باہر صحنِ مکان میں نکلنے سے کچھ سفیدی شرق میں آسمان پر معلوم ہوئی اور اذانِ صبح بھی ہو گئی چونکہ تین روزے ہو چکے تھے روزہ رکھ لیا گیا دن میں کچھ اشخاص نے کہا یہ روزہ نہیں ہوا اس واسطے ایک بجے دن کو توڑ ڈالا، پس اندریں صورت ایک روزہ قضا واجب ہوا یا ساٹھ؟ دیگر یہ کہ ماہ صیام میں جو روزے قضا ہوگئے ہوں اور وُہ قضا بھی ادا نہ ہُوئے تو بقول بعض بالعوض ایک قضا کے کیا ساٹھ کا حکم ہے یا ہر وقت میں ایک ہی رکھنا ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس رمضان شریف میں پانچ بجے تک کسی طرح وقت نہ تھا جبکہ پانچ بجے تک سحری کھائی تو روزہ بلاشبہ ہوا ہی نہیں کہ توڑنا صادق آئے قضا لازم ہے اور کفارہ نہیں، ہاں رمضان مبارک میں اگر کسی وجہ سے روزہ نہ ہو تو غیر معذور شرعی کو دن بھر روزہ کی طرح رہنا واجب اور کھانا پینا حرام، ایک بجے کھانا کھالیا یہ دوسرا گناہ ہوا، توبہ فرض ہے **واللہ تعالٰی اعلم** ایک روزہ کی قضا ایک ہی ہے ساٹھ کا حکم کفارہ میں ہے کہ کسی نے بلاعذر شرعی رمضان المبارک کا ادا روزہ جس کی نیت رات سے کی تھی بالقصد کسی غذا یا دوا یا نفع رساں شیئ سے توڑ ڈالا اور شام تک کوئی ایسا عارضہ لاحق نہ ہوا جس کے باعث شرعًا آج روزہ رکھنا ضرورت نہ ہوتا تو اُس جُرم کے جرمانہ میں ساٹھ روزے پے درپے رکھنے ہوتے ہیں ویسے جو روزہ نہ رکھا ہو اس کی قضا صرف ایک روزہ ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۲: از گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ مسئولہ عبدالستار بن محمد اسمٰعیل ۱۴رجب ۱۳۳۴ھ

ماہ رمضان المبارک میں ایک شخص نے قبل صبح صادق سحری کا کھانا کھا کر روزے کی نیت کرکے کھانا پینا بند کیا، بعد اس کے اپنی منکوحہ سے خوش طبعی کرتے ہوئے بلاجماع منزّل ہوا اور یہ امر قبل صبح صادق یا بعد صبح صادق ہوا اب اس کا روزہ رہا یا قضا کرے یا کفارہ دے؟ اور عورت کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب:

عورت کے لئے کچھ حکم نہیں اور مرد پر بھی کفارہ نہیں، اور اگر انزال قبل صادق ہُوا تو قضا بھی نہیں، اور بعد صبح صادق ہوا اور اس وقت مس وغیرہ نہیں کر رہا تھا اُس کے بعد مجرد بقائے تصور سے واقع ہُوا جب بھی قضا نہیں، ورنہ اس روزہ کو پُورا کرے اور ایک روزہ اس کے عوض رکھے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۳:
کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر دو صاحب کسی شخص کا روزہ زبردستی تڑوادیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟ اور جو صاحب روزہ توڑیں وہ کیا کریں اور اُن کے لیے کیا حکم ہے؟ دوسرے کسی صاحب کے بار ڈالنے سے روزہ توڑا جائے تو ہر دو صاحبان کے لئے کیا حکم ہوگا؟

الجواب:
بلاضرورت و مجبوری شرعی فرض روزہ زبردستی تڑوانے والا شیطانِ مجسم و مستحقِ نارِ جہنم ہے اور بغیر سچی مجبوری کے فقط کسی کے بار ڈالنے یازیر کرنے سے فرض روزہ توڑ دینے والے پر عذاب ہے، اور روزہ ادائے رمضان تھاتو حسبِ شرائط اس پر کفارہ واجب جس میں ساٹھ روزے لگاتار رکھنے ہوتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۴: ازلاہور مسئولہ گلاب خلیفہ ۱۱صفر المظفر ۱۳۳۴ھ
بخدمت شریف جناب عالی خاندان دام اقبالکم بعدادائے آداب کے عرض کمترین کی یہ ہے کہ جو شخص اس ماہِ رمضان میں روزہ نہ رکھے اور بعد میں پورا روزہ رکھے جس طرح حکمِ رسول ہو تحریر فرمائیں کیونکہ اس ماہ میں طاقت نہیں ہے رکھنے کی، کمزوری ناطاقتی بدن میں ہے۔ جناب کو اس وجہ پر تکلیف دیتاہُوں صاف تحریر فرمائیں، اور ایک شخص روزہ نہیں رکھتا ہے اپنے عوض ایک عورت کو روزہ رکھاتا ہے، آپ فرمائیں مرد کا مرد کو لازم ہے یا عورت کا عورت کو؟ غیر عورت ہے جس کو روزہ رکھاتا ہے۔ فقط

الجواب:
جو ایسا مریض ہے کہ روزہ نہیں رکھ سکتا روزہ سے اُسے ضرر ہوگا، مرض بڑھے گا یا دن کھِنچیں گے، اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہو یا مسلم طبیب حاذق کے بیان سے جو فاسق نہ ہو تو جتنے دنوں یہ حالت رہے اگرچہ پُورا مہینہ وہ روزہ ناغہ کرسکتا ہے اور بعد صحت اس کی قضا رکھے، جتنے روزے چُھوٹے ہوں ایک سے تیس تک۔ اپنے بدلے دوسرے کو روزہ رکھوانا محض باطل و بے معنی ہے، بدنی عبادت ایک کے کئے دوسرے پر سے نہیں اُتر سکتی، نہ مرد کے بدلے مرد کے رکھے سے نہ عورت کے۔ واللہ تعالٰی اعلم

باب الفدیۃ

مسئلہ ۲۳۵: مسئولہ قاضی عبدالحمید صاحب پیش امام از قصبہ ککڑی ۲۸ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام اگر عذر سے روزہ نہیں رکھتا ہے پر اعادہ روزہ کا یقینی ایک مسکین کو ہمیشہ کھانا کھلادیتا ہے مگر نمازِ تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ اور تراویح کے پڑھانے میں حرج تو نہیں ہے؟ جواب دو

الجواب:

بعض جاہلوں نے یہ خیال کرلیا ہے کہ روزہ کا فدیہ ہر شخص کے لئے جائز ہے جبکہ روزے میں اسے کچھ تکلیف ہو، ایسا ہر گز نہیں، فدیہ صرف شیخ فانی کے لیے رکھا ہے جو بہ سبب پیرانہ سالی حقیقۃً روزہ کی قدرت نہ رکھتا ہو، نہ آئندہ طاقت کی امید کہ عمر جتنی بڑھے گی ضُعف بڑھے گا اُس کے لیے فدیہ کا حکم ہے، اور جو شخص روزہ خود رکھ سکتا ہو اور ایسا مریض نہیں جس کے مرض کو روزہ مضر ہو، اس پر خود روزہ رکھنا فرض ہے اگرچہ تکلیف ہو۔ بھوک پیاس گرمی خشکی کی تکلیف تو گویا لازم روزہ ہے اور اسی حکمت کے لیے روزہ کا حکم فرمایا گیا ہے، اس کے ڈر سے اگر روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہو تو معاذاللہ روزے کا حکم ہی بیکار ومعطل ہوجائے، امام مذکور اگر واقعی کسی ایسے مرض میں مبتلا ہے جسے روزہ سے ضرر پہنچتا ہے تو تا حصولِ صحت اُسے روزہ قضا کرنے کی اجازت ہے اُس کے بدلے اگر مسکین کو کھانا دے تو مستحب ہے ثواب ہے جبکہ اُسے روزہ کا بدلہ نہ سمجھے اور سچے دل سے نیت رکھے کہ جب صحت پائے گا جتنے روزے قضا ہُوئے ہیں ادا کرے گا۔ اس صورت میں وہ امامت کرسکتا ہے اور اگر ویسا مریض نہیں اور کم ہمتی کے سبب روزے قضا کرتا ہے تو سخت فاسق ہے اور اسے امام بنانا گناہ، اور اس کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی۔ واللہ تعالٰی اعلم

تفاسیر الاحکام لفدیۃ الصّلوٰۃ والصّیام ۱۳۱۶ھ

(بعد از موت نماز وروزہ کے فدیہ کے تفصیلی احکام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلما

مسئلہ ۲۳۶تا ۲۴۷: از پٹنہ محلّہ لودی کٹرہ مرسلہ قاضی محمد عبدالوحید صاحب فردوسی ۱۰صفر۱۳۱۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

(۱) موتی کے روزہ کافدیہ جو فقہ کی کتابوں میں نصف صاع گیہوں یاایک صاع جَو لکھا ہے، اس وزن کی تطبیق اس ہندوستان کے کس وزن کے برابر کی گئی ہے، کتبِ فقہ میں جوفی روزہ دوسیر گیہوں یا چار سیر جَو لکھا ہے وہ بیس ۲۰ گنڈے کے حساب سے ہے یا انیس ۱۹ گنڈے کے؟ غرض پٹنہ ضلع میں اگر کوئی شخص فدیہ دینا چاہے تو وہ کس وزن سے فی روزہ دے گا؟

(۲) چاول کا حساب کس چیز میں ہوگا گیہوں یا جَو میں؟ یعنی فی روزہ چاول مثل گیہوں کے ۲ ثار یا مثل جَو کے ۴ ثار دیا جائے گا؟ اور اگر چاول دیا جاسکتا ہے تو کل اقسام کے چاول ایک ہی حساب میں ہیں یا باسمتی، سلیہا، جوشاندہ مثل گیہوں کے اور موٹا چاول مثل جَو کے ہے؟

(۳) دھان مثل جَو کے فی روزہ چار ۴ ثار دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۴) فدیہ روزہ کا اگر کسی کے ذمہ بہت سا باقی ہے تو وہ کل بیک دفعہ بیک وقت ادا کرے یا بدفعات جزو جزو کرکے دے سکتا ہے مثلاً زید متوفی کے ذمہ ۳۰ روزوں کا فدیہ باقی ہے تو یہ ۶۰ ثار گیہوں بیک دفعہ بیک وقت دینا چاہئے یا ایک ایک دودو کرکے ادا کردینے کا مجاز ہے کہ نہیں؟ اس میں ایک صورت یہ بھی نکلتی ہے کہ اگر زید کے ذمّہ ایک ہی روزہ کا فدیہ باقی رہے تو وہ اس دوسیر گیہوں کو پاؤ پاؤ کرکے ۸ دفعہ یا آدھ آدھ سیر کرکے ۴ دفعہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

(۵) متعدد روزوں کا فدیہ کل ایک ہی دن ایک شخص کو دے سکتے ہیں یا روز روز دوسرے دوسرے کو دینا چاہئے؟ مثلاً زید متوفی کے ذمہ دس روزوں کا فدیہ چاہئے تھا اگر یہ ادا کیا جائے تو کل ایک ہی شخص کو ایک ہی دن بیک وقت بیک دفعہ دے دے یا ایک ہی آدمی کو دس روز پیہم دے یا ایک ہی دن میں دس آدمیوں کے دے دے یا دس روز کرکے دوسرے دوسرے کو دے، اس کی چار ۴ شکلیں نکلیں، **وھو ھذا**:

شکل اوّل: ایک ہی دن ایک شخص کو کل دسوں روزوں کا بیک دفعہ بیک وقت دیا جائے۔

شکل دوم: ایک ہی آدمی کو دس روزوں تک برابر دیا جائے۔

شکل سوم: ایک ہی دن میں دس آدمیوں کو دیا جائے۔

شکل چہارم: دس روز کرکے دس آدمیوں کو دیا جائے ــــ یہ چاروں شکلیں جائز ہیں یا نہیں؟

(۶) اس کے مستحق کون کون اشخاص ہیں؟ سیّد کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اقربا میں جو لوگ غریب ہیں ان کو دینے کا حکم ہے یا نہیں؟ گھر کے نوکر چاکر کو اگر دیں اور مشاہرہ یا کھانے میں وضع نہ کریں تو جائز ہے یا نہیں؟

(۷) غلّہ دینا بہتر ہے یا اس کی قیمت باندھ کر جو اُس زمانہ میں نرخ بازار ہو، کون زیادہ مناسب ہے؟ اور نقد روپیہ کا بھی کل وہی حکم ہے جو غلّہ کا ہے یا فرق ہے؟

(۸) اگر کسی غریب کے ذمّہ روپیہ قرض کا باقی ہے اور فدیہ پانے کا مستحق ہے تو روپیہ فدیہ میں روزے کے دے سکتا ہے یا نہیں؟

(۹) فدیہ ادا کرتے وقت یہ لفظ کہنا چاہئے کہ یہ غلّہ یا نقد فلاں کے روزہ کا فدیہ ہے یا **انما الاعمال بالنیات**[1] (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ت) کافی ہے؟

---

[1] صحیح بخاری باب کیف کان بدؤ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

(۱۰) شیخ فانی اور موتٰی کے فدیہ کے احکام میں کوئی فرق ہے یا دونوں کا ایک حکم ہے، اور اگر فرق ہے تو وہ کونسا فرق ہے؟

(۱۱) اگر اپنی زندگی میں ہی روزہ قضا شدہ کا فدیہ کوئی شخص دے دے حالانکہ وہ شیخ فانی نہیں ہے تو وہ روزہ اس سے ساقط ہوگا یا نہیں؟

(۱۲) اگر زید نے انتقال کیا اور اس کے ذمّہ روزہ فرض باقی رہ گیا ہے تو اس کے وارث یا اقربا اُس روزہ کے بدلے میں روزہ رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) وزن بلاد میں مختلف ہوتے ہیں لہٰذا ہم تولوں اور انگریزی روپوں کا حساب بتاتے ہیں کہ ہر شخص اپنے یہاں کے وزن رائج کو بآسانی اس سے تطبیق دے سکے، ایک روزہ یا ایک نماز کا فدیہ یا کفارہ میں ایک مسکین کی خوراک یا ایک شخص کا صدقہ فطریہ سب گیہوں سے نیم صاع اور جَو سے ایک صاع ہے۔ صاع دو سو ستر ۲۷۰ تولے ہے، نیم صاع ایک سو پینتیس ۱۳۵ تولے۔ تولہ بارہ ۱۲ ماشہ، ماشہ آٹھ ۸ رتی، رتی آٹھ چاول۔ انگریزی روپیہ سکّہ رائجہ سوگیارہ ماشے ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

اعلم ان الصاع اربعة امداد والمد بالاستار اربعون والاستار بکسر الھمزة بالمثاقیل اربعة ونصف کذافی شرح درر البحار اھ[1] ملخصاً۔	معلوم ہونا چاہئے کہ صاع چار مُد اور مُد چالیس استار اور استار (ہمزہ پر کسرہ کے ساتھ) ساڑھے چار مثقال ہے، جیسا کہ شرح درر البحار میں ہے اھ ملخصًا (ت)

صاع چار مُد ہے اور ہر مُد چالیس استار اور ہر استار ساڑھے چار مثقال، تو ہر مُد ایک سو اسی ۱۸۰ مثقال ہُوا اور مثقال ساڑھے چار ماشہ ہے ولہٰذا درہم شرعی کہ مثقال کا ۱۰/۷ سات عشر ہے۔

فی الدرالمختار کل عشرة دراھم وزن سبعة مثاقیل[2]۔	درمختار میں ہے ہر دس درہم بوزن سات مثقال کے ہے۔ (ت)

پچیس رتی اور پانچواں حصّہ رتی کا ہُوا یعنی ۳ ماشہ ۱-۱/۵ سرخ۔ جواہر الاخلاطی میں ہے:

الدرھم الشرعی وعشرون حبّة و خمس حبّة[3]۔	درہم شرعی پچیس رتّیاں اور رتی کا پانچواں حصّہ ہے (ت)

---

[1] ردالمحتار باب صدقۃ الفطر مصطفی البابی مصر ۲/ ۸۳

[2] الدرالمختار باب زکوۃ المال مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۴

[3] الجواہر الاخلاطی (قلمی نسخہ) کتاب الزکوۃ ص ۲۲

کشف الغطاء میں ہے:

بدانکہ معتبر نزد ماصاع عراقی ست وآں ہشت رطل ست، ورطل بیست استار، واستار چارو نیم مثقال، ومثقال بیست قیراط، وقیراط یک حبّہ وچہار خمس حبہ، وحبہ کہ آنرا بفارسی سُرخ گویند ہشتم حصہ ماشہ است، پس مثقال چہار ونیم ماشہ باشد[1]۔	واضح رہے ہمارے نزدیک عراقی صاع معتبر ہے اور وُہ آٹھ رطل ہے، رطل بیس استار کا ہوتا ہے اور استار ساڑھے چار مثقال کا، مثقال بیس قیراط کا اور قیراط ایک اور حبہ کے چار خمس کا ہوتا ہے، اور حبہ جسے فارسی میں سُرخ کہا جاتا ہے وہ ماشہ کا آٹھواں حصّہ ہوتا ہے، لہٰذا اب مثقال ساڑھے چار ماشے قرار پایا۔(ت)

اسی حساب سے دوسو ۲۰۰ درہم نصاب فضّہ کے ساڑھے باون تولہ اور بیس ۲۰ مثقال نصاب ذہب کے ساڑھے سات تولے ہوتے ہیں، پس چہارم صاع کی مقدار آٹھ سودس ماشے یعنی ساڑھے سڑسٹھ (۶۷-۱/۲) تولے ہوئے اور نیم صاع ۱۳۵ تولے اور اس انگریزی روپیہ سے ایک سو چالیس روپیہ بھر جہاں سیر سو روپے بھر یعنی ترانوے تولے نوماشے کا ہو جیسے بریلی، وہاں نیم صاع کے کچھ کم ڈیڑھ سیر یعنی ایک سیر سات چھٹانک دوماشے ساڑھے چھ رتی ہوئے، اور ایک صاع کے آدھ پاؤ کم تین سیر اور پانچ ماشے رتی، اور انگریزی سیر سے کہ اسّی روپے بھر یعنی پورے بچھتّر تولے کا ہے، اور دہلی ولکھنؤ میں وہی رائج ہے، ساڑھے تین سیر اور ڈیڑھ چھٹانک اور دسواں حصہ چھٹانک کا ریاست رام پور کا سیر چھیانوے روپے یعنی پورے نوّے تولے کا ہے وہاں تین سیر کامل کا ایک صاع وعلی ھٰذا القیاس فی سائر البقاع (اسی قاعدے پر باقی علاقوں کو قیاس کیا جائے۔ت)

(۲و۳) گندم وجَو کے سوا چاول دھان وغیرہ کوئی غلّہ کسی قسم کا دیا جائے اُس میں وزن کا کچھ لحاظ نہ ہوگا بلکہ اُسی ایک صاع جَو یا نیم صاع گندم کی قیمت ملحوظ رہے گی اگر اس کی قیمت کے قدر ہے توکافی مثلاً نیم صاع گیہوں کی قیمت دو ۲ آنے ہے تو روپے کے چار سیر والے چاول سے صرف آدھ سیر کافی ہوں گے، اور چالیس سیر والے دھان سے پانسیر دینے ہوں گے، درمختار میں ہے:

مالم ینص علیہ کذرۃ وخبز یعتبر فیہ القیمۃ[2]۔	وُہ چیزیں جن پر نص مذکورہ نہیں مثلاً باجرہ اور روٹی، توان میں قیمت کا اعتبار ہے(ت)

[1] کشف الغطاء فصل دراحکام دعاوصدقہ ونحوان ازاعمال خیر برائے میت مطبع احمدی، دہلی ص ۶۸

[2] الدرالمختار، باب صدقۃ الفطر، مجتبائی دہلی، ۱/۱۴۵

ہندیہ میں ہے:

انما تجب من اربعة اشیاء من الحنطة والشعیر والتمر والزبیب وما سواہ من الحبوب لایجوز الا بالقیمة اھ[1] ملتقطا۔	یہ صرف ان چار چیزوں میں لازم ہے گندم، جَو، کھجور، اور منقہ۔ اور جوان کے سوا غلہ جات ہیں ان میں فقط قیمت کا ہی اعتبار ہوگا اھ ملتقطا (ت)

لباب میں ہے:

ھذہ اربعة انواع لاخامس لها واما غیرها من انواع الحبوب فلا یجوز الا باعتبار القیمة کالارزوالذرة والماشی والعدس والحمص وغیر ذٰلک[2]۔	ان کی چار ہی اقسام ہیں پانچویں کوئی نہیں، لہٰذا ان کے علاوہ غلّہ جات میں قیمت ہی کا اعتبار ہوگا مثلاً چاول، باجرہ، ماش، مسور اور چنے وغیرہ (ت)

(۴و۵) فدیہ نماز وروزہ میں سوال پنجم کی چاروں صورتیں تو بلا شبہ جائز ہیں اور سوال چہارم کی بھی سب صورتیں روا، مگر جس میں فقیر کو نصف صاع سے کم دینا ہو اس میں قول راجح عدم جواز ہے، سراجیہ، ودر مختار و ہندیہ وغیرہا میں اسی پر جزم کیا اور یہی مختار امام ابواللیث ہے۔

فی السراجیة لایجوزان یؤدی عن صلٰوة لفقیرین اھ[3] وفی الدرلوادی للفقیر اقل من نصف صاع لم یجز ولو اعطاہ الکل جاز[4] اھ وفی الھندیة عن التتارخانیة عن الوالجیة لودفع عن خمس صلوات تسع امنان لفقیر واحد ومنا لفقیر واحد اختار الفقیہ انہ یجوز عن اربع صلوات ولا یجوز عن	سراجیہ میں ہے کہ ایک نماز کا فدیہ دو فقراء کو دینا جائز نہیں اھ اور در میں ہے اگر کسی فقیر کو نصف صاع سے کم دیا تو جائز نہ ہوگا، ہاں اگر اسے تمام دے دیا تو جائز ہے اھ اور ھندیہ میں تاتارخانیہ سے وہاں ولوالجیہ سے ہے کہ اگر کسی نے پانچ نمازوں کا فدیہ نو مد ایک فقیر کو دیا اور ایک مد ایک فقیر کو، تو فقیہ ابواللیث کہتے ہیں کہ وہ فدیہ چار نمازوں کا ادا ہو جائے گا پانچویں

---

[1] الفتاوی الھندیۃ الباب الثامن فی صدقۃ الفطر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۹۱
[2] اللباب المناسک مع ارشاد الساری فصل فی احکام الصدقہ دار الکتاب العربی بیروت ص ۶۴
[3] فتاوٰی سراجیہ باب قضاء الفوائت نولکشور لکھنؤ ص ۱۷
[4] در مختار، باب قضاء الفوائت مجتبائی دہلی، ۱/۱۰۱

الصلٰوۃ الخامسۃ اھ[1] وفی البحر قال ابوبکر الاسکاف یجوز ذٰلك کلہ وقال ابوالقاسم وھو اختیار الفقیہ ابی اللیث یجوز عن اربع صلوات دون الخامسۃ لانہ متفرق ولایجوز ان یعطی کل مسکین اقل من نصف صاع فی کفارۃ الیمین فکذٰلك ھذا فالحاصل ان کفارۃ الصلٰوۃ تفارق کفارۃ الیمین فی حق انہ لا یشترط فیھا العدد وتوافقھا من حیث انہ لوادی اقل من نصف صاع الی فقیر واحد لایجوز اھ[2]۔ وفی ظھار التنویر جاز لواطعم واحد استین یوما اھ[3] **قلت** فاذا جاز ھذا فیما یشترط فیہ التعدد فما لا یشترط فیہ اولٰی بالجواز۔	کانہیں اھ۔ بحر میں ہے کہ شیخ ابوبکر اسکاف نے کہا کہ وُہ تمام نمازوں کا فدیہ ہوگا، ابوالقاسم کہتے ہیں اور یہی فقیہ ابواللیث کا مختار ہے کہ یہ چار نمازوں کا فدیہ ہوگا پانچویں کا نہیں کیونکہ اس سے تفریق ہوگئی، اور کفارہ قسم میں ہر مسکین کو نصف صاع سے کم نہیں دیا جاسکتا، یہاں بھی حکم اسی طرح ہے، تو حاصل یہ ہوا کہ نماز کا کفارہ اس لحاظ سے کفارہ قسم سے الگ ہے کہ اس میں تعداد شرط نہیں، اور اس لحاظ سے موافق ہے کہ اگر ایک فقیر کو نصف صاع سے کم دیا جائے تو جائز نہیں اھ تنویر کے مسئلہ ظہار میں ہے کہ اگر ایک ہی فقیر کو ساٹھ دن کھانا کھلایا تو یہ جائز ہوگا اھ **قلت** جب یہ وہاں جائز یہاں تعدد شرط ہے تو وہاں بطریق اولٰی جائز ہونا چاہئے جہاں تعدد شرط نہیں ہے۔(ت)

(۶) مصرف اس کا مثل مصرفِ صدقہ فطر و کفارہ یمین وسائر کفارات و صدقات واجبہ ہے بلکہ کسی ہاشمی مثلاً شیخ علوی یا عباسی کو بھی نہیں دے سکتے۔ غنی یا غنی مرد کے نابالغ فقیر بچے کو نہیں دے سکتے کافر کو نہیں دے سکتے، جو صاحبِ فدیہ کی اولاد میں ہے جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، یا صاحبِ فدیہ جس کی اولاد میں جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، انہیں نہیں دے سکتے، اور اقربا مثلاً بہن بھائی، چچا، ماموں خالہ، پھوپھی، بھتیجا، بھتیجی، بھانجا، بھانجی، ان کو دے سکتے ہیں جبکہ اور موانع نہ ہوں، یونہی نوکروں کو جبکہ اجرت میں محسوب نہ کریں۔

فی ردالمحتار مصرف الزکٰوۃ ھو مصرف	ردالمحتار میں ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے صدقۃ الفطر،

[1] الفتاوی الہندیۃ باب قضاء الفوائت نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۲۵
[2] البحرالرائق باب قضاء الفوائت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۹۱
[3] تنویر الابصار متن در مختار باب الکفارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۱

ایضاً لصدقة الفطر والکفارة والنذر وغیرذلك من الصدقات الواجبة کما فی القهستانی [1] ـ **اقول**: وهو متمش علی تصحیح ما عن ابی یوسف من عدم جواز شئی من الصدقات الواجبة لکافر ذمی قال فی الدرلاتدفع (ای الزکوٰة) الی ذمی وجاز دفع غیرها وغیرالعشر والخراج الیه ای الذمی ولو واجباً کنذروکفارة وفطرة خلافاً للثانی وبقوله یفتی حاوی القدسی اھ [2] وفیه لو دفعها المعلم لخلیفة ان کان بحیث یعمل له لولم یعطه، صح والالا اھ [3] وفی معراج الدرایة ثم الهندیة وکذا مایدفعه الی الخدم من الرجال والنساء فی الاعیاد وغیرها بنیة الزکوٰة [4]ـ	کفارہ ، نذر اور دیگر صدقاتِ واجبہ کا بھی وہی مصرف ہے قہستانی۔**اقول**: (میں کہتا ہوں۔ت) یہ اس راہ کو اختیار کیا گیا جو امام ابویوسف سے مروی قول کی تصحیح کے مطابق ہے کہ صدقاتِ واجبہ کسی کافر ذمی کو دینا ناجائز ہے۔ در میں ہے ذمی کو (زکوٰۃ) نہیں دی جاسکتی البتہ زکوٰۃ، عشر اور خراج کے علاوہ صدقات ذمی کو دئے جاسکتے خواہ وہ صدقہ واجبہ ہی ہوں مثلاً نذر، کفارہ اور صدقہ فطر، اس میں امام ابویوسف کا اختلاف ہے، امام مذکور کے قول پر حاوی مقدسی نے فتوٰی دیا ہے اھ اور اسی میں ہے اگر معلم نے اپنے خلیفہ کو زکوٰۃ دی اگر وہ اس طرح کام کرتا ہے کہ اگر معلم نہ دیتا تب بھی وہ اس کا کام کرتا ایسی صورت میں دینا درست ہے ورنہ نہیں اھ اور معراج الدرایہ اور ہندیہ میں ہے اسی طرح حکم ہے اس رقم کا جو بہ نیتِ زکوٰۃ عید وغیرہ کے موقعہ پر خدام مردوں یا عورتوں کو دی جاتی ہے (ت)

صدقاتِ واجبہ زوجین کو بھی نہیں دے سکتے۔**اقول**: فدیہ نماز و روزہ جب بعد مرگ دیا جائے تو مقتضائے نظر فقہی یہ ہے کہ زوجہ کا فدیہ شوہر فقیر کو فوراً اور شوہر کا زوجہ فقیرہ کو بعد عدت گزرنے کے دینا جائز ہو کہ اب زوجیت نہ رہی اور شوہر زوجہ کے مرتے ہی اجنبی ہو جاتا ہے ولہٰذا اسے مَس جائز نہیں۔

فی الدرالمختار لایصرف الی من بینهما زوجیة ولومبانة [5] قال الشامی ای	درمختار میں ہے کہ زکوٰۃ ان کو نہ دی جائے جن کے درمیان زوجیت کا تعلق ہو خواہ خاتون کو طلاق بائنہ

[1] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۴
[2] درمختار باب المصرف مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱
[3] درمختار باب المصرف مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۲
[4] الفتاوی الہندیۃ الباب السابع فی المصارف نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۹۰
[5] درمختار باب المصرف مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱

فی العدۃ ولو بثلاث نھر معراج الدرایہ اھ[1] وفی ردالمحتار عن بدائع الامام ملك العلماء المرأۃ تغسل زوجھا لان اباحۃ الغسل مستفادۃ بالنکاح فتبقی مابقی النکاح والنکاح بعدالموت باق الی ان تنقضی العدۃ بخلاف مااذا ماتت فلا یغسلھا لانتھاء ملك النکاح لعدم المحل فصار اجنبیا[2]. واللہ تعالٰی اعلم۔	ہوچکی ہو اھ۔علامہ شامی نے فرمایا یعنی وہ عدت میں ہو اگر چہ تین طلاقیں ہوچکی ہوں یہ نہر میں معراج الدرایہ سے ہے اھ ردالمحتار میں امام ملک العلماء کی بدائع سے ہے کہ خاتون اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ غسل کی اباحت نکاح کی وجہ سے حاصل ہُوئی تو جب تک نکاح باقی ہے اباحت بھی باقی رہے اور نکاح تو خاوند کی موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے یہاں تک کہ عدت گزر جائے۔بخلاف اس صورت کہ جب بیوی فوت ہوجائے تو خاوند اسے غسل نہیں دے سکتا کیونکہ محل نہ رکھنے کی وجہ سے نکاح ختم ہوگیا لہذا اب خاوند اجنبی قرار پائے گاواللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۷) قیمت افضل ہے مگر قحط میں کھانا دینا بہتر،

فی الدرالمختار دفع القیمۃ ای الدراھم افضل من دفع العین علی المذھب المفتی بہ.جوھرۃ بحرعن الظھیریۃ وھذا فی السعۃ امام فی الشدۃ فدفع العین افضل[3]۔	درمختار میں ہے مفتی بہ مذہب کے مطابق قیمت یعنی دراھم کاادا کرنا عین شے سے افضل ہے جوہرہ۔اور بحر میں ظہیریہ سے ہے کہ یہ عام حالات یعنی آسانی کے وقت ہے اگر کسی وقت شدت اور قحط ہو تو عین شیئ کادینا افضل ہوگا۔(ت)

باقی احکام نقد وغلّہ یکساں ہیں مگر وُہ تفاوت جو خاص گندم وجو میں بسبب اعتبار وزن معتبر، شرعی اسقاط میں لحاظ مالیت کا ہے مثلاً فرض کیجئے کہ نیم صاع گندم کی قیمت دوآنہ ہے اور ایک صاع جو کی ایک آنہ تو ایک آنہ کی قیمت کی کوئی چیز کپڑا،کتاب، چاول، باجرا وغیرہا بلحاظ قیمت جو دے سکتے ہیں اگرچہ گندم کی قیمت نہ ہُوئی مگر چہارم صاع گندم کافی نہیں اگرچہ قیمت اُن کی بھی ایک صاع جَو کے برابر ہوگئی کہ چار چیزیں جن پر نص شرعی وارد ہوچکی ہے یعنی گندم، جَو، خُرما، کشمش ان میں قیمت کااعتبار نہیں، جتناوزن شرعًا واجب ہے اُس قدر دینا ہوگا۔

[1] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۶۹/۲
[2] ردالمحتار باب الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۵۷۶/۱
[3] الدرالمختار باب الصدقۃ الفطر مجتبائی دہلی ۱۴۵/۱

فی محیط الامام السرخسی ثم الهندیة، لوادی ربع صاع من حنطة جیدة تبلغ قیمته قیمة نصف صاع من شعیر لا یجوز عن الکل، بل یقع عن نفسه وعلیه تکمیل الباقی وکذا لا یجوز ربع صاع من حنطة عن صاع من شعیر اھ [1] ملخصًا۔ فی البدائع لان القیمة انما تعتبر فی غیر المنصوص علیه[2]	محیطِ امام سرخسی پھر ہندیہ میں ہے کہ اگر کسی نے ایسی جید گندم کا چوتھائی صاع ادا کیا جس کی قیمت جَو کے نصف صاع کو پہنچ جاتی ہے تو یہ کل کی طرف سے جائز نہیں بلکہ یہ اپنی طرف سے عطیہ ہے، باقی کی تکمیل کرنا اس پر لازم ہوگا، اور اسی طرح گندم کا چوتھائی صاع جو جَو کے صاع کی قیمت کو پہنچ جائے دینا جائز نہیں اھ بدائع میں ہے کیونکہ قیمت کا اعتبار وہاں ہے جہاں نص میں عین کی تصریح نہیں (ت)۔

قیمت میں نرخ بازار آج کا معتبر نہ ہوگا جس دن ادا کر رہے ہیں بلکہ روز وجوب کا مثلاً اُس دن نیم صاع گندم کی قیمت دو آنے تھی آج ایک آنہ ہے تو ایک آنہ کافی نہ ہوگا۔ دو ۲ آنے دینا لازم، اور ایک آنہ تھی اب دو ۲ آنے ہوگئی تو دو آنے ضرور نہیں ایک آنہ کافی۔

فی الدرالمختار جاز دفع القیمه فی زکوٰة وعشر وخراج وفطرة ونذروکفارة غیرالعتاق وتعتبر القیمة یوم الوجوب وقالایوم الاداء[3]	درمختار میں ہے کہ زکوٰۃ، عشر، خراج، صدقہ فطر، نذر، عتاق کے علاوہ کفارہ میں قیمت کا دینا جائز ہے اور قیمت یوم وجوب کے اعتبار سے ہوگی اور صاحبین کی رائے کے مطابق یومِ ادا کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا (ت)

(۸) یہاں صُورتیں متعدد ہیں، فدیہ والا اپنی حیات میں فدیہ ادا کرتا ہے جیسے شیخ فانی روزے کا یا اُس کے بعد وارث بلاوصیت بطور خود دیتا ہے یا بحکم وصیت ادا کیا جاتا ہے اور درصورت وصیت مدیون پر یہ دین بعد موت مورث، حادث ہوا ہے جیسے کسی نے ترکہ سے کوئی چیز غصب کرکے صرف کرڈالی کہ اس کے تاوان کا اس پر دین آیا یا دین حیات مورث کا ہے تو یہ چار صورتیں ہیں۔ صورت اخیر میں عدمِ صحت کا حکم درمختار وغیرہ میں مصرح ہے یعنی زید پر نماز روزے وغیرہما کا فدیہ تھا اس نے وصیّت کی کہ میرے مال

[1] الفتاوی الہندیۃ الباب الثامن فی صدقۃ الفطر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۹۲
[2] بدائع الصنائع کتاب الزکوٰۃ ایچ ایم سعید کراچی ۲ / ۷۳
[3] الدرالمختار باب زکوٰۃ الغنم مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۳

سے ادا کرنا عمرو فقیر حیات زید سے زید کا مدیون تھا، وصی نے وُہ دین فدیہ میں عمرو کو چھوڑ دیا فدیہ ادا نہ ہوا

قال قبیل باب الوصی، اوصی لصلواته و ثلث ماله دیون علی المعسرین فترکها الوصی لهم عن الفدیة لم تجزه ولا بد من القبض ثم التصدق علیهم ولو امران یتصدق بالثلث فمات فغصب غاصب ثلثها مثلاً واستهلکه فترکه صدقة علیه وهو معسر یجزیه لحصول قبضه بعد الموت بخلاف الدین، الکل من القنیة اھ[1]	باب الوصی سے تھوڑا پہلے ہے کسی نے اپنی نمازوں پر فدیہ کی وصیّت کی اور اس کے مال کا تہائی حصہ تنگ دست لوگوں پر دین تھا وصی نے وہ حصہ ان تنگ دستوں پر نمازوں کے فدیہ کے طور پر چھوڑ دیا تو کافی نہ ہوگا کیونکہ پہلے قبضہ ضروری ہے اور اس کے بعد ان پر صدقہ کرے تو تب درست ہوگا، اگر اس نے کہا میرا تہائی مال صدقہ کردیا جائے پھر وُہ فوت ہوگیا اور کسی غاصب نے مثلاً تہائی مال غصب کرلیا اور اسے ہلاک کردیا (حالانکہ وُہ غریب تھا) وصی نے بطور صدقہ وہ مال اس سے نہ لیا تو جائز ہوگا کیونکہ موت کے بعد وصی کو قبضہ حاصل تھا بخلاف اس صورت کے جب مال کسی پر قرض ہو، یہ مسائل قنیہ سے مروی ہیں اھ
فی ردالمحتار قوله اوصی لصلواته او صیاماته، منح، قوله لم تجزه وقیل تجزه قال فی القنیة قال استاذنا والاول احب الی حتی توجد الروایة، قوله بخلاف الدین ای فی المسألة السابقة فانه مقبوض قبل الموت، بقی لو اوصی بکفارة صلواته والمسألة بحالها هل یجزیه لحصول قبضه بعد الموت اولا، یراجع اھ[2]	ردالمحتار میں ہے قولہ "فوت ہونے والے نے اپنی نمازوں یا روزوں کے بارے میں وصیت کی"، منح۔ قولہ "یہ کفایت نہیں کرے گا" لیکن بعض کے نزدیک یہ کافی ہے۔ قنیہ میں ہے کہ ہمارے استاذ نے فرمایا مجھے پہلا قول بہت محبوب ہے حتی کہ کوئی دوسری روایت آجائے۔ قولہ "بخلاف قرض" یعنی گزشتہ مسئلہ میں کیونکہ مال موت سے پہلے قبضہ میں نہیں ہوگا۔ باقی رہا یہ معاملہ کہ اگر کسی نے

[1] الدرالمختار، فصل فی وصایا الذمی، مجتبائی دہلی، ۲/ ۳۳۴

[2] ردالمحتار فصل فی وصایا الذمی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴۷

ارادبقوله والمسألة بحالها مسألة الغصب، ورأيتنى كتبت عليه مانصه

اقول:وبالله التوفيق وله الحمد تبتنى عندى مسألتا الفديه والغصب على ان الوصية بالمال لاتتناول الدين ماكان دينا فاذاصار عينا بالقبض تناولته كما صرح به فى الظهيرية حيث قال اذا كان مائة عين ومائة درهم على اجنبى دين فاوصى لرجل بثلث ماله فانه يا خذ ثلث العين دون الدين الاترى ان حلف ان لامال له وله ديون على الناس لم يحنث ثم ماخرج من الدين اخذ منه ثلثه حتى يخرج الدين كله لانه لما تعين الخارج مالا، التحق بماكان عينًا فى الابتداء، ولا يقال لما لم يثبت حقه فى الدين قبل ان يتعين كيف يثبت حقه فيه اذا تعين لانا نقول مثل هذا غير ممتنع الاترى

نمازوں کے کفارہ کی وصیّت کی اور صورت مذکورہ ہی ہو تو موت کے بعد حصول قبضہ کی وجہ سے یہ کافی ہوگا یا نہیں اس پر غور کیا جائے اھ **والمسئلة بحالها** سے مراد مسئلہ غصب ہے ردالمحتار کے حاشیہ پر بندہ نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ یہ ہے۔ **اقول:** اللہ کی توفیق اور اسی کے لیے حمد ہے، سے کہتا ہوں میرے نزدیک فدیہ اور غصب کا مسئلہ اس پر مبنی ہے کہ وصیت بالمال دین کو شامل ہی نہیں جب تک وہ دین رہے، ہاں جب وہ دین قبضہ کی وجہ سے عین ہو جائے تو پھر وصیت اسے شامل ہوگی جیسا کہ ظہیریہ میں ان الفاظ سے صراحت کی ہے کہ جب ایک سو درہم عین اور ایک سو درہم کسی اجنبی پر دین تھے تو فوت ہونے والے نے تہائی مال کی وصیت کی تو اب عین کی تہائی سے وُہ مال لیا جائے گا نہ کہ دین سے کیا آپ کے علم میں نہیں اگر کوئی آدمی حلف اٹھاتا ہے کہ اس کے پاس مال نہیں حالانکہ اس نے لوگوں سے قرض لینا ہے تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، پھر دین میں جو حصّہ خارج ہوگا اس سے تہائی لیا جائے یہاں تک کہ سارا دین خارج ہو جائے کہ جب خارج ہونے والا مال متعین ہو جائے تو اس مال کے ساتھ لاحق ہو جائے گا جو ابتدائی طور پر عین تھا یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ جب متعین ہونے سے پہلے دین میں مالک کا حق ثابت نہیں ہوا تو متعین ہو جانے کے بعد حق کیسے ثابت ہوگا کیونکہ ہم کہتے ہیں اس طرح کا معاملہ ممتنع نہیں ہوتا، کیا آپ نہیں جانتے کہ جس کے حق میں تہائی

ان الموصی له بثلث المال لایثبت حقه فی القصاص ومتی انقلب مالا یثبت حقه فیه اھ۔ وبه یحصل التوفیق بین قولی الخانیة لا تدخل الدیون ای فی الوصیة بالمال والوھبانیة ان الدخول اجدر کما جنح الیه فی منحة الخالق فراجعها من شئی القضاء، ففی مسألة الفدیة لما کان الدین سابقا علی الموت وقد ارادالوصی اسقاطه قبل القبض فیکون انفاذ اللوصیة فیما لم تتناوله فلا یجوز مالم یقبض فیتصدق و فی مسألة الغصب لما کان المال عینا عندالوفاة وانما حصل قبض الغاصب واستھلا که وصیر ورته دینا بعد الموت فقد تناولته الوصیة فجاز ھذا ماظھر لی وبه یظھر الجواب عما توقف فیه العلامة المحشی بقوله یراجع فانه لاغبار علیه من ھذه الجھة الا ان یثبت ان اداء الکفارات بترك الدین لایجوز اصلا وفیه وقفة فلیراجع ولیحرر اھ ما کتبت علیه۔

مال کی وصیّت کی گئی اس کا حق قصاص میں ثابت نہیں ہوتا وہ جب تبدیل ہو کر مال بن جائے تو اس میں اس کا حق ثابت ہو جائے گا اھ۔ اس سے خانیہ اور وہبانیہ کے دونوں اقوال میں تطبیق ہو جائے گی۔ خانیہ میں ہے کہ دیون وصیت بالمال میں داخل نہیں ہوتے۔ وہبانیہ میں ہے کہ دیون کا اس میں دخول زیادہ مناسب ہے جیسا کہ منحۃ الخالق میں اسی طرف میلان ہے تو اس کے لیے منحۃ الخالق میں قضا کے متفرق مسائل کی طرف رجوع کرو۔ رہا مسئلہ فدیہ کا معاملہ تو دَین موت سے پہلے تھا اور وصی نے قبضہ سے پہلے ہی اس کے اسقاط کا ارادہ کیا تو یہ وصیّت کا ایسی چیز میں اجرا ہوگا جس کو یہ شامل ہی نہیں، تو جب تک قبضہ نہ ہو اور صدقہ نہ کیا جائے یہ جائز نہ ہوگا اور مسئلہ غصب میں وفات کے وقت مال عین تھا، پھر غاصب کا قبضہ، اس کا اسے ہلاک کرنا اور اس کا دَین بننا یہ سب موت کے بعد ہوا ہے تو اسے وصیت شامل ہوگی تو اس طرح یہ جائز ہے، یہ وُہ تھا جو مجھ پر واضح ہوا۔ اور اس سے اس چیز کا جواب بھی آگیا جس میں علامہ محشیٰ نے لفظ "یراجع" سے توقف کیا کیونکہ اس اعتبار سے اس پر کوئی غبار نہیں، مگر جب یہ ثابت ہو جائے کہ کفارات کی ادائیگی ترک دین سے اصلاً جائز ہی نہیں اور اس میں توقف ہے، چاہئے یہ کہ جو ہم نے تحریر کیا ہے اس تمام کا مطالعہ کیا جائے اھ میرا حاشیہ ختم ہوا۔ (ت)

باقی صور کا حکم قابل تفتیش و مراجعت ہے۔ **اقول:** وباللہ التوفیق امر متحمل ہے اور قائل کہہ سکتا ہے کہ قاعدہ شرعیہ ادائے کامل بہ کامل ہے، نہ کامل بناقص۔ ولہٰذا اوقات ثلٰثہ میں کوئی نماز ادا و قضا جائز نہیں، مگر آج کی عصر یا اُس جنازے کی نماز جو انہیں اوقات میں لایا گیا لتأدیھما حینئذ کما وجبتا

والمسائل بتعلیلا تہا مذکورۃ متونا وشروحا (کیونکہ ان کی ادائیگی اس طرح ہو رہی ہے جس طرح وہ واجب ہوئے تھے اور یہ تمام مسائل اپنی تعلیلات کے ساتھ متون اور شروحات میں مذکور ہیں۔ت) روزوں میں کوئی ناقص نہیں اور قضا نمازیں عموماً کامل ہیں ولہذا کل کی عصر آج آفتاب ڈوبتے قضا نہیں کی جاسکتی اور جو مال کسی پر دین ہو جب تک وصول نہ ہو مال کامل نہیں ناقص ہے خصوصاً جبکہ کسی مفلس پر ہو کہ وہ تو گویا مردہ مال ہے ولہذا حاصل ملک مال کہ تمول وغنا نہیں ہوتا زید کے لاکھ روپے کسی مفلس پر قرض آتے ہوں جب تک پاس نصاب نہ ہو فقیر ہے خود زکوۃ لے سکتا ہے۔

فی الاشباہ من لہ دین علی مفلس مقر، فقیر علی المختار [1]۔	اشباہ میں ہے جس کا کسی ایسے شخص پر قرض ہو جو مفلس اقرار کرنے والا ہو تو مختار قول پر وہ فقیر ہے۔(ت)

بلکہ عرفاً دین کو مال ہی نہیں کہتے اگر لاکھوں قرض میں پھیلے ہوں اور پاس کچھ نہیں تو قسم کھا سکتا ہے کہ میرا کچھ مال نہیں کما تقدم عن الظھیریۃ ومثلہ فی البحر والتنویر وغیرھما (جیسا کہ ظہیریہ کے حوالے سے پہلے گزرا، اس کی مثل بحر، تنویر، اور دیگر کتب میں ہے۔ت) ولہذا کسی عین یعنی نصاب موجود کی زکٰوۃ، دین بہ نیت زکٰوۃ معاف کر دینے سے ادا نہیں ہوسکتی کہ نصاب موجود مال کامل ہے تو مال ناقص اس کی زکوۃ نہیں ہوسکتا بلکہ جو دین آئندہ ملنے کا ہے اس کی زکوۃ بھی معافی دین سے ادا نہ ہوگی کہ دین باقی، دین ساقط سے بہتر ہے، دین ساقط اب کبھی مال نہیں ہوسکتا اور دین باقی میں احتمال ہے شاید وصول ہو کر مال ہوجائے، ہاں جو نصاب کسی فقیر پر دین تھی وُہ کُل یا بعض اسے معاف کر دے تو قدر معاف شدہ کی زکوۃ ساقط ہوگئی کہ ناقص ناقص سے ادا ہوسکتا ہے۔

فی الدرالمختار، لوابرأالفقیر عن النصاب صح و سقط عنہ، واعلم ان اداء الدین عن الدین و العین عن العین وعن الدین یجوز واداء الدین عن العین وعن دین سیقبض لا یجوز اھ [2] فی تبیین الحقائق لو کان لہ	درمختار میں ہے: اگر کسی نے فقیر کو نصاب سے بری کر دیا تو صحیح ہوگا اور اس سے زکوۃ ساقط ہوجائیگی۔ واضح رہے کہ دین کی ادائیگی دین سے اور عین کی ادائیگی عین سے، اور دین دونوں سے جائز ہے لیکن دین کی ادائیگی عین سے اور اس دین سے جو عنقریب مقبوض ہوگا ان دونوں سے جائز نہیں اھ تبیین الحقائق میں ہے اگر کسی کا فقیر پر

[1] الاشباہ والنظائر، تاب الزکوۃ، دارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، ۲۲۰/۱
[2] درمختار کتاب الزکوۃ مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

دین علی فقیر فابرأہ عنہ سقط منہ زکٰوۃ نوی بہ عن الزکٰوۃ او لا لانہ کالھلاك ولوابرأہ عن البعض سقط زکٰوۃ ذلك البعض لما قلنا وزکٰوۃ الباقی لاتسقط ولو نوٰی بہ الاداء عن الباقی لان الساقط لیس بمال والباقی یجوز ان یکون مالافکان خیرامنہ فلایجوز الساقط عنہ اھ[1]۔	دین تھا اس نے فقیر کو قرض سے بری کردیا تو اس سے زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی خواہ اس سے زکوٰۃ کی اس نے نیت کی ہو یا نہ، اس لیے کہ یہ ہلاک ہونیوالے مال کی طرح ہے اور اگر بعض نے ساقط کیا تو سابقہ دلیل کی بناپر بعض سے ساقط ہوجائیگی لیکن باقی سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی اگرچہ باقی سے ادائیگی کی نیت کی گئی ہو کیونکہ جو ساقط ہے مال نہیں اور جو باقی ہے اس کا مال ہونا ممکن ہے تو باقی ساقط سے بہتر ٹھہرا لہذا اس سے سقوط نہیں ہوگا اھ (ت)

یہ تقریر منیر بتوفیق القدیر اقتضاء کرتی ہے کہ دین معاف کرنے سے فدیہ مطلقًا ادانہ ہو جب تک وصول کرکے فدیہ میں نہ دی، اس تقدیر پر وُہ حیلہ ہند والوں میں متعارف ہے اور بعض متاخرین فضلائے ہند نے اسے کشف الغطامیں ذکر کیا کہ:

متعارف چنان ست کہ حساب کنند سالہائے میّت را داد نی مدت بلوغ کہ در مرد دوازدہ سال و در زن نہ سال ست وضع کنند باقی را مقابل ہر شش نماز واجب شبانہ روز سہ صاع کامل گیرند و ماہ کامل سی روز اعتبار کنند تا فدیہ نماز ہائے یک سال کہ سی صد و شصت روز ست یک ہزار وہشتاد صاع حاصل آید و پانزدہ صاع فدیہ رمضان افزایند ہمگی فدیہ تمام سال یک ہزار ونود وپنج صاع شود ہمیں طریق سالہائے تمام عمر را حساب کنند وحاصل آن را موافق قیمت مبلغ شخص نمایند وبنا بر ضرورت عسرت	معروف یہ ہے کہ میّت کی عمر کے تمام سالوں کا حساب لگاتے ہیں، کم از کم مدتِ بلوغ جو مرد میں بارہ سال اور عورت میں نو سال ہے نکال کر باقی عمر ہر دن رات کی چھ نمازوں کے مقابل (اعتبار سے) تین صاع لیتے ہیں اور ہر ماہ کے تیس دن شمار کئے جاتے ہیں حتی کہ ایک سال (جو تین سوساٹھ دنوں کا ہے) کی نمازوں کا فدیہ ایک ہزار اسّی صاع بنتا ہے اور ۱۵ صاع رمضان کا فدیہ زیادہ کرتے ہیں تو تمام سال کا فدیہ ایک ہزار پچانوے (۱۰۹۵) صاع ٹھہرا، پس اسی طریقے سے تمام سالوں کا حساب کرلیا جائے اور اس کے حاصل کے مطابق اس کی قیمت

[1] تبیین الحقائق کتاب الزکوٰۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۱/۲۵۸

مصحفے را بمثل آنقدر زر بدست فقیرے فروشند و تسلیم نمایند تا آنقدر زر بر ذمہ اش دین شود پس بگویند کہ ایں قدر زر را کہ بر ذمہ تو دین ست عوض فدیہ نماز وروزہ ہائے فلاں میّت کہ بایں قدر می رسد ترا دادیم وبگوید فلاں کردیم واگر مبلغ حساب بکنند وقرآن را بمثل آں را عوض فدیہ بوے بخشند داد قبول نماید نیز کفایت می کنند[1]۔	دے دی جائے، اگر تنگ دستی ہو تو ایک مصحف کو اس مقدار کے زر پر کسی فقیر کو فروخت کردیں اور یہ اس کے ذمّہ دین کردیں اس کے بعد اسے کہیں کہ تیرے ذمّہ جو دین آیا ہے یہ فلاں کی نماز اور روزوں کا فدیہ میں نے تجھے دیا ہے وہ فقیر کہ اسے قبول کرتا ہو، اگر قیمت کا حساب نہ کریں اور قرآن کو اس کی مقدار جنس کے ساتھ ہدیہ کریں تاکہ یہ جنس اس کے ذمّہ ہوجائے اور اسے فدیہ کے عوض بخش دیں اور وُہ قبول کرے تو یہ بھی کفایت کرجائے گا (ت)

امرًا محض ناتمام وناکافی ہے اور اس پر ایک قرینہ واضحہ یہ بھی ہے کہ عامہ کتب معتمدہ مذہب میں ضرور تمند کے لیے جو حیلہ اس کا ارشاد فرمایا سخت دقت طلب اور بہت طول عمل ہے جس کا خود ان فاضل کو اعتراف ہے، یہ متعارف طریقہ ذکر کرکے لکھا:

ومشہور ومنقول در اکثر کتب چنانست کہ قدرے گندم کہ میسر شود منجملہ فدیہ بایں نام بہ فقیر دہند واو قبول کند پس از وے طلب نمایند وبستانند باز بوے بدہمان نام دہند وہمچنیں مکرر کنند تاآنکہ فدیہ نماز وروزہ در فدیہ باتمام ادا شود وایں حیلہ خالی از تکلف نیست[2]۔	مشہور اور اکثر کتب میں منقول یہ ہے کہ جو بھی گندم میسر ہو نماز روزہ کے فدیہ کے طور پر اسے فقیر کو دیا جائے وہ قبول کرے اس کے بعد اس سے بطور ہبہ لے لیں پھر اسے بطور فدیہ دے دیں اسی طرح بار بار کریں حتی کہ نماز وروزہ کا فدیہ مکمل ہوجائے اور یہ حیلہ تکلّف سے خالی نہیں۔ (ت)

اقول: اسی حیلہ جمیلہ کی تصریح فرمائی در مختار وبزازیہ وخلاصہ وعالمگیریہ وبحرالرائق وغنیہ وصغیری شروح منیہ وفتح اللہ المعین حاشیہ کنز ومنحۃ الخالق وطحطاوی علی الدر المختار وردالمحتار میں زائدین علی مافی الشرح کلھم فی باب قضاء الفوات (جو شرح میں ہے اس پر اضافہ کرتے ہوئے ان سب نے یہ مسئلہ باب قضاء الفوات میں ذکر کیاہے۔ت) اور جامع الرموز وبرجندی شروح نقایہ و

---

[1] کشف الغطا فصل دراحکام دعا وصدقہ ونحوان از اعمال خیر برائے میت مطبع احمدی دہلی ص ٦٧
[2] کشف الغطا فصل دراحکام دعا وصدقہ ونحوان از اعمال خیر برائے میت مطبع احمدی دہلی ص ٦٨

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں **کلھم فی الصوم** (ان سب نے کتاب الصوم میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے۔ت) اسی کو علامہ عبد الغنی بن اسمٰعیل نابلسی قدس سرہ القدسی نے شرح ہدایہ ابن العماد میں اپنے والد ماجد علّامہ اسمٰعیل بن عبد الغنی نابلسی محشیٔ درر وغرر انہوں نے احکام الجنائز سے نقل فرمایا **کما فی منحۃ الخالق** (جیساکہ منحۃ الخالق میں ہے۔ت) اسی پر امام اجل ناصر الدین ابو القاسم محمد بن یوسف حسینی سمرقندی نے ملتقط میں نص فرمایا **کما فی شرح مختصر الوقایۃ عبد العلی** (جیساکہ شرح مختصر الوقایہ عبد العلی میں ہے۔ت) اسی طرح علّامہ مدقق علائی نے در منتقی شرح ملتقی اور علّامہ شریف ابو السعود ازہری نے شرح نور الایضاح میں تصریح فرمائی **کما فی شرحہ للسّید احمد المصری** (جیساکہ سیّد احمد مصری کی شرح میں ہے۔ت) یہی تبیین المحارم، علامہ سنان الدین یوسف مکی میں مذکور **کما فی شفاء العلیل و بل العلیل للعلامۃ الشامی** (جیساکہ شفاء العلیل وبل العلیل للعلامۃ الشامی میں ہے۔ت) یہ سب عبارات اور ان سے زائد اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں بلکہ شفاء العلیل سے ہمارے ائمہ کی کتبِ فروع واصول کی طرف اس کی نسبت ظاہر۔

حیث قال اعلم المذکور فیما رأیتہ من کتب ائمتنا فروعا واصولا انہ اذالم یوص بفدیۃ الصوم یجوز ان یتبرع منہ ولیہ وھو من لہ التصرف فی مالہ بوراثۃ او وصایۃ قالو اولولم یملك شیأ ایستقرض الولی شئیا فید فعہ للفقیر ثم یستو ھبہ منہ ثم یدفعہ لاخروھکذا حتی یتم[1]۔	اس کے الفاظ یہ ہیں میرے مطالعہ کے مطابق ہمارے ائمہ کی کتب خواہ فروع یا اصول میں ہوں یہ مذکور ہے کہ جب میت نے فدیہ صوم کی وصیت نہ کی ہو تو اس کا ولی بطور نفل فدیہ دے سکتا ہے، اور ولی سے مراد وہ شخص ہے جو اس کے مال میں بطور وارث یا وصی ہونے کے ناطہ سے تصرف کر سکتا ہو، فقہاء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر ولی کسی شئے کا مالک نہ ہو تو کسی سے قرض لے کر فقیر کو دے اس سے بطور ہبہ واپس لے پھر فقیر کو دے، اسی طرح بار بار کیا جائے حتی کہ فدیہ پُورا ہو جائے۔(ت)

اور فاصل سیّد علاءُ الدین شامی نے منۃ الجلیل میں اسے متون وشروح وحواشی کی طرف نسبت کیا

حیث قال والمنصوص فی کلامھم متونا و شروحا وحواشی ان الذی یتولی	اس کی عبارت یہ ہے متون، شروح اور حواشی میں یہ منصوص ہے یہ سارا کچھ ولی کر سکتا ہے، اور ولی

[1] شفاء العلیل، رسالہ من رسائل ابن عابدین، الرسالۃ السابعۃ، سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۱۹۶

ذٰلك انما ھو الولی وان المراد بالولی من له ولایة التصرف فی ماله بوصایة اووراثة وان المیّت لولم یملك شیأ یفعل له ذٰلك الوارث من ماله ان شاء فان لم یکن للوارث مال یستوھب من الغیر اویستقرض بیلید فعه للفقیر ثم یستوھبه من الفقیر وھکذا الی ان یتم المقصود[1]۔	سے مراد وہ شخص ہے جو میت کے مال میں اس کی وصیت یا وارث ہونے کی حیثیت سے تصرف کرسکتا ہو اور میت اگر کسی شے کا مالک نہ ہو تو وارث اپنے مال سے بھی یہ حیلہ کرسکتا ہے تاکہ کسی فقیر کو دے پھر فقیر سے بطور ہبہ واپس لے اسی طرح کرے یہاں تک کہ مقصود ہوجائے۔(ت)

یہ ائمہ متقدمین سے لے کر ہمارے زمانے تک کے علمائے متاخرین کے نصوص ہیں جن میں سوااُس طریقہ دور کے طریقہ دین کااصلاً پتانہ دیااور طریقہ دور میں جو سخت تکلیف ہے مخفی نہیں۔ وجیزامام کردری میں ہے:

ان لم یکن له مال یستقرض نصف صاع و یعطیه المسکین ثم یتصدق به المسکین علی الوارث الی المسکین ثم الوارث الی المسکین ثم وثم حتی یتم لکل صلٰوۃ نصف صاع کما ذکرنا[2]۔	اگر وارث کے پاس مال نہ ہو تو وارث نصف صاع قرض لے اور کسی مسکین کو دے پھر وہ مسکین اس وارث پر صدقہ کرے پھر وارث، مسکین پر صدقہ کرے اسی طرح بار بار کیا جائے حتی کہ ہر ہر نماز کا فدیہ نصف صاع ہوجائے جیسے ہم ذکر کرآئے(ت)

بعینہٖ اسی طرح نیم صاع، بحرالرائق وخلاصہ وہندیہ وطحطاوی علی نورالایضاح وابی السعود علی مسکین وملتقط وبرجندی ودرمختار و غیرہا معتمدات اسفار میں ہے۔ اب فرض کیجئے کہ زید نے بہتّر ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی، بارہ برس نکال کر ساٹھ ۶۰ رہے۔ ہر سال کے دن تین سو ساٹھ ۳۶۰ نہ رکھئے جس طرح کشف الغطاء میں اختیار کیا ہر سال قمری کبھی تین سو پچپن ۳۵۵ دن سے زائد نہیں ہوتا۔

ھذاالعرفی الماخوذ بالاھلة اماالحقیقی فیکون اقل منھا بساعات کما فصل فی محله، اقول وکذا لاحاجة بنا الی اخذ الشمسیة ثلثمائة و	یہ عرفی سال ہے جو چاند کی بنا پر ہوتا ہے، رہا حقیقی سال تو وُہ اس سے کچھ ساعتیں کم ہوتا ہے جیساکہ اس کی تفصیل اپنے مقام پر کی گئی ہے اقول اسی طرح ہمیں شمسی سال تین سو پینسٹھ دن کالینے کی ضرورت

[1] منة الجلیل، رسالہ من رسائل ابن عابدین، الرسالة الثامنة، سہیل اکیڈمی لاہور، ۱/۲۱۲
[2] الفتاوی البزازیة علی حاشیہ فتاوٰی ہندیة التاسع عشر فی الفوائد نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۶۹

خمسة وستین یوما کما فعل فی احکام الجنائز قائلا ینبغی ان تحسب فدیة الصلٰوۃ بالسنة الشمسیة اخذا باحتیاط من غیر اعتبار ربع الیوم اھ[1] فان سن العمر اذا حسبت بالقمر یات علمنا قطعا ان الایام لاتزید علی مانحسب، والمقطوع به لا یحتاج الی الاحتیاط فان قیل لعلھم اخذ واالزائد لیقع عمایؤد عنه من الصلوات التی عسٰی ان یکون المیت فرط فیھا قلت قالوا بعد ذٰلك ثم یحسب سن المیت فیطرح منه اثنا عشرة سنة لمدة ببلوغه ان کان المیت ذکراوتسع سنین ان کانت انثی الخ[2] کمافی احکام الجنائز ایضافا ذا اتواعلی جمیع العمر فماذاعسٰی ان یکون شاذا یحتاط له۔	نہیں جیسا کہ احکام جنائز میں یہ کہتے ہوئے لیا گیا ہے کہ فدیہ نماز میں احتیاطًا شمسی سال کا اعتبار کرنا چاہئے ماسوائے دن کے چوتھائی حصّہ کے اھ۔ کیونکہ جب عمر کے سالوں کا اعتبار چاند کے اعتبار سے ہے تو یقینا دن ہمارے حساب سے زائد نہ ہوں گے اور یقینی بات میں احتیاط کی محتاجی نہیں ہوتی، اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے زائد دن اس لیے لئے ہیں شاید میّت نے بعض نمازوں میں کوتاہی کی ہو تو اس کا فدیہ ہو جائے قلّت اس کے بعد فقہاء نے فرمایا ہے پھر میّت کی عمر شمار کی جائے اس سے ببلوغ کی مدّت بارہ سال خارج کردی جائے اگر وہ مذکر ہو، اور اگر مؤنث ہے تو نو سال خارج کی جائے الخ جیسا کہ احکامِ جنائز میں بھی ہے تو جب وہ ساری عمر کی بات کررہے ہیں تو اس سے خارج کوئی نہیں رہا جس کے لیے احتیاط کی ضرورت ہو۔(ت)

تو یہی تین سو پچپن کافی ہیں پس ایک سال کی نمازوں کے دوہزار ایک سو تیس (۲۱۳۰) فدیے ہُوئے، اور تیس ۳۰ فدیے یعنی فدیے رمضان المبارک کے ملا کر دوہزار ایک سو ساٹھ ۲۱۶۰، انہیں ساٹھ میں ضرب دینے سے ایک لاکھ انتیس ہزار چھ سو (۱۲۹۶۰۰) ہوتے ہیں، اتنی بار وارث و فقیر میں تصدّق و ہبہ کی اُلٹ پھیر ہونی چاہئے تو فدیہ ادا ہو، یہ صرف صوم و صلٰوۃ کا فدیہ ہُوا اور ہنوز اور بہت فدیے و کفارے باقی ہیں مثلاً (۳) زکوۃ فرض کیجئے ہزاروں روپے زکوۃ کے اس پر مجتمع ہوگئے تھے اور نیم صاع کی قیمت دو آنے ہے تو آٹھ ہزار دور بہ نیت زکوۃ دینے لینے کو درکار ہیں (۴) قربانیاں، اگر فی قربانی ایک ہی روپیہ قیمت رکھئے تو ساٹھ ۶۰ قربانیوں کے لیے چار سو اسی ۴۸۰ دور ہوں۔ (۵) قسموں کے کفارے، ہر قسم کے لیے دس مسکین جداجدا درکار ہیں ایک کو دس بار دینا کافی نہ ہوگا (۶) ہر سجدہ تلاوت کے لیے بھی احتیاطًا ایک فدیہ مثل ایک نماز کے ادا چاہئے وان لم یجب علی الصحیح کما

---

[1] منحۃ الخالق بحوالہ احکام الجنائز حاشیہ بحر الرائق باب قضاء الفوائت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۹۰/۲

[2] منحۃ الخالق بحوالہ احکام الجنائز، حاشیہ بحر الرائق، باب قضاء الفوائت، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۹۰/۲

فی التاتارخانیة (اگرچہ صحیح قول کے مطابق واجب نہیں جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے۔ت) (۷) صدقاتِ فطر اپنے اور اپنے اہلِ وعیال کے جس قدر ادا نہ ہوئے ہوں (۸) جتنے نوافل فاسد ہُوئے اور ان کی قضا نہ کی (۹) جو جو منّتیں مانیں اور ادا نہ کیں (۱۰) زمین کا عشر یا خراج جو ادا سے رہ گیا وغیرہ وغیرہ اشیائے کثیرہ،

علی ماذکر بعضها فی ردالمحتار وزادکثیرا فی شفاء العلیل وفصل جلها فی منة الجلیل فراجعها ان اردت التفصیل وافاد فی الدرالمختار ضابطة کلیة ان ماکان عبادة بدنیة فان الوصی یطعم عنه بعد موته عن کل واجب کالفطرة والمالیة کالزکوٰة یخرج عنه القدر الواجب والمرکب کالحج یحج عنه رجلا من مال المیت بحر اھ[1] **قلت** وکلام البحر اجمع وانفع حیث قال الصلوٰة کالصوم، ویؤدی عن کل وتر نصف صاع، وسائر حقوقه تعالٰی کذٰلك مالیا کان أوبدنیا عبادة محضة اوفیه معنی المؤنة کصدقة الفطر او عکسه کالعشر اومؤنة محضة کالنفقات او فیه معنی العقوبة کالکفارات اھ[2] (ملخصًا)	ان میں سے بعض کا تذکرہ ردالمحتار میں ہے اس پر بہت سا اضافہ شفاء العلیل میں کیا اور منۃ الجلیل میں ان میں سے بڑی بڑی کی تفصیل ہے اگر تفصیل چاہتے ہو تو اس کی طرف رجوع کرو۔ درمختار میں یہ ضابطہ کلیہ بیان کیا جس کا حاصل یہ ہے ہر وہ عبادت جو بدنی ہو (جیسے نماز) تو وصی اس کے مرنے کے بعد میّت کی طرف سے ہر واجب کے عوض صدقۃ الفطر کی مقدار فدیہ دے، اگر عبادت مالی ہو مثلاً زکوٰۃ تو وصی مقدار واجب میّت کی طرف سے ادا کرے اور اگر مالی اور بدنی کا مرکب ہو جیسے حج تو کسی شخص کو بھیج کر میّت کے مال سے حج کرائے کذا فی البحر اھ۔ **قلت** بحر کا کلام بہت جامع اور نافع ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ نماز، روزے کی طرح ہے اور ہر وتر کے عوض نصف صاع ادا کیا جائے اور اللہ تعالٰی کے بقیہ حقوق کا معاملہ بھی اسی طرح ہے خواہ وُہ مالی ہوں یا بدنی، عبادت محضہ ہوں یا اس میں ذمہ داری کا پہلو بھی ہو مثلاً صدقۃ الفطر یا اس کا عکس ہو مثلاً عشر یا اس میں محض ذمّہ داری ہو مثلاً نفقات یا اس میں معنی عقوبت ہو مثلاً کفارات اھ (ملخصًا) (ت)

ان کے لیے کوئی حد معین نہیں کر سکتے اس قدر ہونا چاہئے کہ براءت ذمہ پر ظن حاصل ہو واللہ تعالٰی یقبل الحسنات ویقیل السیئات (اللہ تعالٰی حسنات کو قبول کرے اور برائیوں کو ختم کرے۔ت)

[1] الدرالمختار کتاب الصوم فصل فی العوارض مجتبائی دہلی ۱/۱۵۳
[2] البحرالرائق فصل فی العوارض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۸۵

ان ہزاروں لاکھوں بار کے ہیر پھیر کی دقّت دیکھئے اور اس ہندی طریقہ کی سہولت کہ ایک ہی دفعہ میں اُس کے اور اس کی سات ے پشت کے تمام انواع واقسام کے فدیے، کفارے، مواخذے دو حرف کہنے میں معًا ادا ہو سکتے ہیں تو اوّل تا آخر تمام علمائے مذہب کا اس کلفت کے اختیار اور اس سہولت کے ترک پر اتفاق قرینہ واضحہ ہے کہ اُن کے نزدیک اُس آسانی کی طرف راہ نہ تھی ورنہ اسے چھوڑ کر اس مشقت پر اطباق نہ ہوتا بالجملہ دین سے فدیہ ادا کرنے کی دو۲ صورتیں ہیں:

ایک وہ کہ درمختار کتاب الوصایا عبارت مذکورہ سابقًا میں ذکر فرمائی کہ مدیون سے دین وصول کرکے بعد قبضہ پھر اسے فدیہ میں دے دے۔

دوسری وُہ کہ درمختار کتاب الزکوۃ میں مذکور ہُوئی کہ مال فدیہ میں دے کر آتے میں واپس کرے اگر مدیون نہ دینا چاہے ہاتھ بڑھا کر لے لے کہ اپنا عین حق لیتا ہے،

حیث قال وحیلة الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکوٰتہ ثم یاخذھا عن دینہ ولو امتنع المدیون مدیدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ فان مانعہ رفعہ للقاضی[1]۔	اس کے الفاظ یہ ہیں مال موجود کی زکوۃ دَین سے ادا کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ فقیر مقروض کو اپنی زکوۃ حوالہ کردے پھر اس سے دَین کے عوض زکوۃ کی رقم واپس لے لے، اگر مقروض نہ دے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر چھین لے کیونکہ یہ اسے اس کے حق کی جنس ملی ہے پھر اگر مدیون فقیر مزاحمت کرے تو اس کو قاضی کے پاس لے جائے کہ وہ اس سے دِلوادے گا۔(ت)

اسی طرح ذخیرہ وہندیہ واشباہ وغیرہا میں ہے باقی یہ صورت کہ جو دَین فقیر پر آتا تھا اب اس کے ہاتھ کچھ بیچ کر مدیون کرلیا یہ فدیہ میں چھوڑ دیا جائے اس کے جواز کا پتا کلماتِ علماء سے اصلاً نہیں چلتا بلکہ ظاہر عدم جواز مفہوم ہوتا ہے تو احتیاط اس میں ہے کہ جب تک مشائخ مذہب سے اُس کے جواز کے پتے کی تصریح نہ ملے ایسے امر پر اقدام نہ کیا جائے **ھذا ماظھر لی والعلم بالحق عند ربی** (یہ مجھ پر ظاہر ہُوا ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ت)

فائدہ: علماء نے حتی الامکان تقلیل دور پر نظر فرمائی ہے، علامہ شمس قہستانی نے تین صاع سے دَور فرض کیا کہ ہر بار میں ایک دن کامل کی نماز ادا ہو۔ احکام الجنائز میں چار ہزار بہتّر ۴۰۷۲ درہم سے دَور رکھا کہ اُن اعصار وامصار کے حساب سے ہر دَور میں ایک سال کی نماز کا فدیہ ہو۔ ردالمحتار میں دَور یک سالہ

[1] الدرالمختار کتاب الزکوۃ مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

ذکر کرکے کہا اس سے زیادہ قرض لے تو ہر بار میں زیادہ ساقط ہو،

ویشمل کل ذلك وما سواہ مافی منة الجلیل ومماتعارفه الناس ونص علیه اھل المذھب ان الواجب اذاکثر اداروا صرة مشتملة علی نقودا وغیرھا کجواھر اوحلی اوساعة وبنواالامر علی اعتبار القیمة الخ[1]۔	یہ تمام کو شامل ہے، اس کے علاوہ جو منۃ الجلیل میں ہے کہ جو لوگوں کے ہاں معروف ہے اسی پر اہلِ مذہب نے تصریح کی کہ جب واجب کثیر ہوں تو ایک تھیلی میں نقدی وغیرہ مثلاً جواہر، ہار، زیور ڈال کر دَور کریں تو فقہاء نے قیمت کا اعتبار کیا ہے الخ (ت)

یہ سب واضحات ہیں اور ہر فہیم بعد ادراک حساب حتی المقدور تخفیف دَور کرسکتا ہے یہاں تک کہ اگر ممکن ہو کہ جس قدر اموال تمام فدیوں، کفاروں، مطالبوں کی بابت محسوب ہوئے سب دفعۃً تھوڑی دیر کے لیے کسی سے قرض مل سکیں تو دَور کی حاجت ہی نہ رہے گی کہ کوئی شے اُتنے اموال کے عوض فقیر کے ہاتھ بیچے، اور اگر کفارہ قسم بھی شامل ہے تو دس کے ہاتھ۔ پھر وُہ اموال قرضہ گرفتہ فدیہ میں دے کر شئی مبیع کو ثمن میں لے لے اور حسبِ مقدرت فقراء کو کچھ دے کر اُن کا دل خوش کردے، ہنوز اس مسئلہ میں بہت تفاصیل باقی ہیں کہ بخیال طول ان کے ذکر سے عنان کشی ہوئی۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۹) دینے والے کی نیت کافی ہے لفظ کی حاجت نہیں،

کما صرحوابه فی الزکٰوة وقال العلامة السید الحموی فی شرح الاشباہ والنظائر العبرة لنیة الدافع لالعلم المدفوع الیه اھ[2] وفی ردالمحتار لا اعتبار للتسمیة الخ[3] وقد فصلناہ فی زکٰوة فتاوٰنا۔	جیسا کہ مسئلہ زکوٰۃ میں اس کی تصریح موجود ہے علامہ سیّد حموی نے شرح الاشباہ والنظائر میں فرمایا دینے والے کی نیت کا اعتبار ہے، اسے معلوم ہونا ضروری نہیں جسے دی جارہی ہو اھ ردالمحتار میں ہے زبان سے نام لینے کا اعتبار نہیں الخ ہم نے اس کی پُوری تفصیل اپنے فتاوٰی کے کتاب الزکوٰۃ میں دی ہے۔ (ت)

مگر زبان سے بھی کہہ دینے کو علماء مناسب بتاتے ہیں یہاں تک کہ طریقہ ادا میں میّت کے باپ دادا تک کا نام لینا فرماتے ہیں کہ مسکین سے کہا جائے یہ مال تجھے فلاں بن فلاں کے اتنے روزوں یا اتنی

[1] منۃ الجلیل، رسالہ من رسائل ابن عابدین، الرسالۃ الثامنۃ، سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۱۲
[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب الزکوٰۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۲۲۱
[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۱

نمازوں کے فدیہ میں دیا، وہ کہے میں نے قبول کیا، شرح نقایہ علامہ قہستانی میں ہے:

ینبغی ان یقول الدافع للمسکین فی کل مرۃ انی ادفعك مال کذافدیہ صوم کذا لفلان بن فلان المتوفی ویقول المسکین قبلتہ[1]۔	مسکین کو دینے والا ہر دفعہ کہے میں تجھے فلاں بن فلاں میت کی طرف سے فدیہ صوم کے طور پر مال دے رہا ہُوں اور مسکین کہے میں نے اسے قبول کیا۔ (ت)

منحۃ الخالق وشرح ہدایۃ ابن عمار واحکام الجنائز میں ہے:

یقول المسقط لواحد من الفقرأ ھکذا افلان بن فلاں ویذکر اسمہ و ابیہ. فاتتہ صلوات سنۃ ، ھذہ فدیتھا من مالہ.نملکك ایاھا ویعلم ان المال المدفوع الیہ صار ملکًا لہ ثم یقول الفقیر ھکذا وانا قبلتھا وتملکتھا منک[2]۔	وارث فقراء میں سے کسی ایک کو یُوں کہے کہ یہ فلاں بن فلاں ہے، میت کا نام اس کے والد کا نام ذکر کرکے کہے اس کی سال کی نمازیں فوت ہو گئی تھیں ہم ان کے فدیہ کے طور پر اس مال کا تجھے مالک بنارہے ہیں، اور وُہ مال فقیر کی ملک میں چلانا معلوم کرے، پھر فقیر یُوں کہے میں نے قبول کیا اور تجھ سے اسے اپنی مِلک میں لیا۔ (ت)

پُر ظاہر کہ یہ سب اولویتیں ہیں جن پر توقف ادا نہیں،

کما علمت فلا نظرلما یوھمہ کلام الفاضل المعاصر فی منۃ الجلیل حیث قال و یدفع عن الجنایۃ علی الحرم والاحرام مما یوجب دما او صدقۃ نصف صاع اودون ذٰلك فلابد من التعرض لاخراجھا بان یقال خذھذا عن جنایۃ علی حرم او احرام اھ[3] وانما الواجب التعرض فی النیۃ والقول یعم النفسی	جیسا کہ آپ جان چکے، اس کی طرف توجہ نہ کی جائے جس کا وہم فاضل معاصر کے رسالہ منۃ الجلیل میں کلام سے پیدا ہورہا ہے انہوں نے کہا حرم اور احرام میں جس جنایت کی وجہ سے دم لازم آیا ہو یا نصف صاع صدقہ یا اس سے کم صدقہ لازم آیا ہو تو اس کے نکالتے وقت یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ حرم یا احرام میں جنایت کا فدیہ ہے تو اُسے وصول کر اھ کیونکہ تعرض نیت میں ضروری ہے اور قول کلامِ نفسی

---

[1] جامع الرموز فصل موجب الافساد مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۷۰-۷۱
[2] منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق باب قضاء الفوائت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۹۰
[3] منۃ الجلیل رسالہ من رسائل ابن عابدین الرسالۃ الثامنۃ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۲۴

فافھم. واللہ تعالٰی اعلم۔	کو شامل ہوتا ہے، فافہم واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۱۰) متعدد فرق ہیں:

(۱) شیخ فانی اپنی حیات میں روزہ کا فدیہ دے گا اور وُہ کافی ہوگا۔ اگر زندگی میں عجز زائل ہو کر قوت نہ آجائے مگر نماز کا فدیہ نہیں دے سکتا کہ اس سے عجز مستمر متحقق نہیں ہوتا مگر دمِ واپسیں کھڑے ہو کر نہ ہوسکے بیٹھ کر پڑھے، بیٹھ کر نہ ہوسکے لیٹ کر اشارہ سے پڑھے۔

(۲) شیخ فانی پر روزہ کا فدیہ حیات میں دینا واجب ہے اگر قادر ہو، بعد مرگ وجوب نہیں جب تک اپنے مال میں وصیت نہ کرے۔

(۳) شیخ فانی کہ زندگی میں روزہ کا فدیہ دے اس کے کافی ہونے پر یقین کیا جائے گا کہ اس میں صراحۃً نص وارد، یونہی اگر فدیہ روزہ کی وصیت کرے اور فدیہ روزہ بے وصیت اور فدیہ نماز بوصیت میں شبہ ہے اور فدیہ نماز بے وصیت میں شبہ اقوی، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

(۴) زندگی میں فدیہ صوم شیخ فانی پر اس کے کل مال میں ہے اور بعد مرگ بے وصیت، بے اجازت ورثہ ثلث سے زائد میں نافذ نہ ہوگی۔

فی تنویر الابصار والدرالمختار، لومات و علیه صلوات فائتة واوصی بالکفارة یعطی لکل صلوٰة کالفطرة وکذاالوتر والصوم وانما یعطی من ثلث ماله ولو فدی عن صلوته فی مرضه لایصح بخلاف الصوم اھ[1] ملخصاً، وفی ردالمحتار اذا اوصی بفدیة الصوم یحکم بالجواز قطعاً، واذالم یوص فتطوع بها الوارث فقال محمد فی الزیادات یجزیه	تنویرالابصار اور درمختار میں ہے اگر کوئی فوت ہُوا اور اس کی نمازیں رہ گئی تھیں اور اس نے کفارہ کی وصیت کی تو ہر نماز کے عوض صدقہ فطر کے برابر فدیہ دیا جائے، اسی طرح وتر اور روزے کا حکم ہے، باقی یہ فدیہ صرف اس کے تہائی مال سے ادا کیا جائیگا، اگر کسی نے اپنی نماز کا فدیہ مرضِ موت میں دیا تو صحیح نہیں بخلاف روزہ کے کہ اس کا فدیہ مرض موت میں دینا جائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے جب کسی نے فدیہ صوم کی وصیت کی تو قطعاً جواز کا حکم دیا جائے، اور اگر اس نے وصیت نہ کی مگر وارث نے بطور نفل فدیۃً ادا کر دیا تو امام محمد نے زیادات میں فرمایا اگر

[1] درمختار باب قضاء الفوائت مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۱

ان شاء اللہ تعالٰی وکذا علقه بالمشئیة فیما اذااوصی بفدیة الصلٰوۃ فاذالم یوص فالشبهة اقوی[1] وفی التنویروالدر فدی لزوما عن المیت ولیه بوصیة وان تبرع ولیه جاز ان شاء اللہ تعالٰی والشیخ الفانی یفدی وجوبالو موسرا ومتی قدر قضی لان استمرار العجز شرط الخلیفه اھ[2] (الکل بالا لتقاط) وفی صوم البحر الرائق وقید بالوصیة لانه لولم یأمر لایلزم الورثة شئی کالزکوٰۃ۔[3]	اللہ تعالٰی نے چاہاتو یہ فدیۃً کفایت کرجائے گا،اسی طرح انہوں نے اسے مشیتِ باری تعالٰی سے معلق فرمایا، جب کسی نے نماز کے فدیہ کی وصیت کی توجب اس نے وصیت نہ کی ہوتو شبہ بہت قوی ہوگا۔ نیز تنویر اور در میں ہے وصیت کی بنا پر وارث کو میّت کی طرف سے فدیہ دینالازم ہے اور اگر وارث نے بطوراحسان فدیہ دے دیا تب بھی ان شاء اللہ یہ فدیہ دینا جائز ہے، اور شیخ فانی اگر امیر ہوتواس پر فدیہ دینالازم ہے اور اگر روزہ رکھنے پر قادر ہوگیاتو قضا کرے کیونکہ دوام عجز کاشرط ہے یعنی فدیہ کے روزے کا خلیفہ ہونے کے لیے دوام عجز شرط ہے، یہ تمام عبارتیں اختصارًا ذکر کی گئی ہیں۔بحرالرائق کے باب الصوم میں ہے وصیت کے ساتھ مقیداس لئے کیاکہ اگر میت وصیت نہ کرے تو ورثاء پر کوئی شیئ لازم نہ ہوگی، جیساکہ زکوٰۃ کامعاملہ ہے۔(ت)

ان کے سوااور فرق ہیں کہ مطالعہ بحرالرائق وغیرہ سے ظاہر مگر مقدار فدیہ وغیرہ جس قدر احکام نو مسائل سابقہ میں مذکور ہُوئے اُن میں فدیہ حیات وممات یکساں ہے،واللہ تعالٰی اعلم

(۱۱) نہ کنز میں ہے للشیخ الفانی وھو یفدی[4] (شیخ فانی فدیہ ادا کرے۔ت) فقط غیر فانی پر قضافرض ہے پیش از قضا قضاآجائے تو فدیہ کی وصیت واجب، کمافی ردالمحتار وغیرہ من الاسفار (جیساکہ ردالمحتاراور دیگر کتب میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۱۲) انه،فی البحرا الرائق، الولی لایصوم عنه ولا یصلی لحدیث النسائی عـــہ لایصوم	بحرالرائق میں ہے ولی میت کی طرف سے نہ روزہ رکھے نہ نماز پڑھے کیونکہ حدیث نسائی میں ہے کوئی

عـــہ: ای فی سننه الکبری عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما(م)

[1] ردالمحتار باب قضاء الفوائت مصطفی البابی مصر ۱/۵۴۱
[2] درمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۵۳
[3] البحرالرائق فصل فی العوارض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۸۴
[4] کنزالدقائق فصل فی العوارض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷۰

احد عن احد ولا یصلی احد عن احد اھ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	شخص کسی کی طرف سے نہ روزہ رکھے اور نہ نماز پڑھے۔اھ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۸: از شہر کہنہ بریلی مسئولہ محمد شفیع علی خاں مرحوم ۲۴شعبان ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی عمر ۷۵ سال کی ہے اور بوجہ کمزوری کے برداشت اور طاقت روزہ رکھنے کی نہ ہوایسی صورت میں اس کو کیا کرنا چاہئے اور کفارہ روزوں کا کس طرح ہو اور کفارہ ہر روز دیا جائے۔**بینوا توجروا**

الجواب:

طاقت نہ ہونا ایک تو واقعی ہوتا ہے اور ایک کم ہمتی سے ہوتا ہے کم ہمتی کا کچھ اعتبار نہیں، اکثر اوقات شیطان دل میں ڈالتا ہے کہ ہم سے یہ کام ہر گز نہ ہوسکے اور کریں گے تو مر جائیں گے، بیمار پڑ جائیں گے، پھر جب خدا پر بھروسہ کرکے کیا جاتا ہے تو اللہ تعالٰی ادا کرادیتا ہے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچتا، معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیطان کا دھوکا تھا ۷۵ برس عمر میں بہت لوگ روزے رکھتے ہیں، ہاں ایسے کمزور بھی ہوسکتے ہیں کہ ستّر ہی برس کی عمر میں نہ رکھ سکیں تو شیطان کے وسوسوں سے بچ کر خوب صحیح طور پر جانچ چاہئے، ایک بات تو یہ ہُوئی، دوسری یہ کہ ان میں بعض کو گرمیوں میں روزہ کی طاقت واقعی نہیں ہوتی مگر جاڑوں میں رکھ سکتے ہیں یہ بھی کفارہ نہیں دے سکتے بلکہ گرمیوں میں قضا کرکے جاڑوں میں روزے رکھنا ان پر فرض ہے، تیسری بات یہ ہے کہ ان میں بعض لگاتار مہینہ بھر کے روزے نہیں رکھ سکتے مگر ایک دو دن بیچ کرکے رکھ سکتے ہیں تو جتنے رکھ سکیں اُتنے رکھنا فرض ہے جتنے قضا ہو جائیں جاڑوں میں رکھ لیں، چوتھی بات یہ ہے کہ جس جوان یا بوڑھے کو کسی بیماری کے سبب ایسا ضعف ہو کہ روزہ نہیں رکھ سکتے انہیں بھی کفارہ دینے کی اجازت نہیں بلکہ بیماری جانے کا انتظار کریں، اگر قبل شفا موت آجائے تو اس وقت کفارہ کی وصیت کردیں، غرض یہ ہے کہ کفارہ اس وقت ہے کہ روزہ نہ گرمی میں رکھ سکیں نہ جاڑے میں، نہ لگاتار نہ متفرق، اور جس عذر کے سبب طاقت نہ ہو اُس عذر کے جانے کی امید نہ ہو، جیسے وہ بوڑھا کہ بڑھاپے نے اُسے ایسا ضعیف کر دیا کہ گنڈے دار روزے متفرق کرکے جاڑے میں بھی نہیں رکھ سکتا تو بڑھاپا تو جانے کی چیز نہیں ایسے شخص کو کفارہ کا حکم ہے، ہر روزے کے بدلے پونے دو سیر گیہوں اٹھنی اُوپر بریلی کی تول سے، یا ساڑھے تین سیر جو ایک روپیہ بھر اُوپر۔ واللہ تعالٰی اعلم، اسے کفارہ کا اختیار ہے کہ روز کا روز دے دے یا مہینہ بھر کا پہلے ہی ادا کردے یا ختمِ ماہ کے بعد کئی فقیروں کو دے یا سب ایک ہی فقیر کو دے سب جائز ہے۔

---

[1] البحرالرائق، فصل فی العوارض، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۲/ ۲۸۵

مسئلہ ۲۴۹: ازمدرسہ اہلسنّت وجماعت بریلی، مسئولہ مولوی اشرف علی صاحب طالبعلم ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

ایک شخص نے انتقال کیااور اس کے ذمّہ کچھ روزہ فرض اور کچھ وقتوں کی نماز رہ گئی اب اس کی نماز روزہ کافدیہ ادا کرنا چاہتے ہیں تو اس فدیہ کا کون مستحق ہے، کس قسم کے لوگوں کو دیا جائے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس کے وہی مستحق ہیں جو زکوۃ کے مستحق ہیں، فقیر محتاج مسلمان کہ نہ ہاشمی ہوں، نہ اس کی اولاد، نہ یہ اُن کی اولاد۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۰: از مارہرہ شریف ضلع ایٹہ سرکار کلاں، مرسلہ حضرت سید محمد میاں صاحب دامت برکاتہم ۷ شعبان ۱۳۳۱ھ

فدیہ صوم جو شخصِ فانی کے لیے ہو اس کی مقدار بحساب انگریزی اسّی تولہ کے سیر سے کیا ہے اُس سے مطلع فرمایا جاؤں فتوی رضویہ میں فتوی بارق النور میں ایک صاع کی مقدار آٹھ رطل اور ہر رطل کی مقدار ۳۶ روپے بھر ہے اس حساب سے ایک صاع دوسو اٹھاسی روپیہ بھر ہوا مگر اس میں ایک سو اٹھاسی بھر لکھا ہے شاید غلطی سے لکھا گیا ہو مجھے خیال پڑتا ہے کہ سال گزشتہ کے اشتہار افطار وسحر میں صدقہ فطر کی مقدار سوا دو سیر اور ایک اٹھنی انگریزی بھر لکھی ہُوئی تھی یہ اس فتاوٰی کے مقدار صاع سے جو دوسو اٹھاسی ہو یا ایک سو اٹھاسی ہو بہرحال مختلف رہتی ہے میں صرف بحساب اسّی تولہ سیر کے مقدار صدقہ فطر وفدیہ دریافت کرنا چاہتاہُوں فقط۔

الجواب:

صاع وہی دوسوسترّ تولے ہے جس کا سکہ رائجہ ہند سے دوسو اٹھاسی روپے بھر وزن ہوا کہ یہ روپیہ سوا گیارہ ماشے ہے مگر احسن واحوط یہ ہے کہ گیہوں کا صدقہ جو کی صاع سے ادا کیا جائے یعنی جس پیانہ میں ایک سو چوالیس ۱۴۴ روپے بھر جو آئیں اُس بھر گیہوں دئے جائیں ظاہر ہے کہ گیہوں وزن میں زیادہ آئیں گے جَو سے بھاری ہیں فقیر نے صاع شعیری حاصل کیا اور اس میں گیہوں بلا تکویم وتقعیر بھر کر تولے تو پُورے تین سو اکاون ۳۵۱ روپے بھر ہُوئے تو صدقہ فطر فدیہ صوم وغیرہا میں نیم صاع گندم کے اٹھنی اُوپر پونے دو سو روپے بھر گیہوں دینا احوط ہے جس کے بریلی کے سیر سے اٹھنی بھر اوپر پونے دو سیر ہُوئے اور اسّی روپے بھر کے سیر سے اٹھنی بھر اور تین چھٹانک دو سیر ہُوئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۵۱: از گونڈہ محلّہ نبی گنج مکان مولوی نوازش احمد مسئولہ حافظ محمد اسحٰق ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

شیخ فانی کی تعریف کیا ہے اور اُس کی عمر کی کچھ تعداد بھی معیّن ہے یا نہیں، احکامِ شرعیہ مثل نماز روزہ، وضو وغسل کے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شیخ فانی کی عمر اسّی یا نوّے سال لکھی ہے اور حقیقۃً بنائے حکم اس کی حالت پر ہے اگر سَو برس کا بوڑھا روزہ پر قادر رہے شیخ فانی نہیں اور اگر وہ ستّر برس میں بوجہ ضعف بیّنہ بڑھاپے سے ایسا زار ونزار ہو جائے کہ روزہ کی طاقت نہ رہے تو شیخ فانی ہے۔ غرض شیخ فانی وُہ ہے جسے بڑھاپے نے ایسا ضعیف کر دیا ہو، اور جب اُس ضعف کی علّت بڑھاپا ہوگا تو اُس کے زوال کی اُمید نہیں اُسے روزے کے عوض فدیہ کا حکم ہے باقی نماز وطہارت کے بارہ میں پیر جوان سب کا ایک حکم ہے، جو جس وقت جس حالت میں جتنی بات سے معذور ہوگا بقدر ضرورت تا وقت اُسے تخفیف دی جائے گی **قال تعالٰی** **لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا**[1] (اللہ تعالٰی کا مبارک فرمان ہے اللہ ہر کسی کو اس کی طاقت کے مطابق ہی حکم دیتا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن ۲/۲۸۶

مکروہاتِ صوم

مسئلہ ۲۵۲: از بلگرام شریف محلّہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سیّد ابراہیم صاحب ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روزے میں منجن جو بادام، کوئلہ، سپاری و گل وغیرہ کا بنتا ہے اُس کا استعمال کرنا کیسا ہے اور دربارہ مسواک کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مسواک مطلقًا جائز ہے اگرچہ بعد زوال، اور منجن ناجائز وحرام نہیں بلکہ اطمینان کافی ہو کہ اس کا کوئی جزو حلق میں نہ جائے گا، مگر بے ضرورتِ صحیحہ کراہت ضرور ہے۔ درمختار میں ہے: **کرہ لہ ذوق شئی**[1] (روزہ دار کو شَے کا چکھنا مکروہ ہے۔ ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۳ تا ۲۵۴: از علی گڑھ بوساطت رحیم اللہ خاں ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، **بینوا توجروا**:

(۱) روزے میں اپنی عورت کو لپٹانا یا پاس لیٹنا جس سے خواہش غالب ہو اور مذی نکلے تو روزہ مکروہ ہوگا یا جاتا رہے گا؟

---

[1] الدرالمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۵۲

(۲) عورت کی شرمگاہ دیکھنا روزے کو توڑے گا یا نہیں؟

الجواب:

(۱) ان افعال سے روزہ جانے کی تو کوئی صورت ہی نہیں جب تک انزال نہ ہو اور خالی پاس لیٹنا جس میں بدن چُھونا یا بوسہ لینا کچھ نہ ہو مکروہ بھی نہیں رہا، لپٹانا یا بوسہ لینا یا بدن چُھونا ان میں اگر بہ سبب غلبہ شہوت فساد صوم کا اندیشہ ہو یعنی خوف ہے کہ صبر نہ کرسکے گا اور **معاذ اللہ** جماع میں مبتلا ہو جائے گا یا بلا جماع ہی ان افعال کی حالت میں انزال ہو جائے گا تو یہ سب فعل مکروہ ممنوع ہیں اور اگر یہ اندیشہ نہ ہو تو کچھ حرج نہیں، مگر مباشرتِ فاحشہ یعنی ننگے بدن لپٹانا کہ ذکر فرج کو مس کرے روزے میں مطلقاً مکروہ ہے۔ اسی طرح سراج وہاج میں بوسہ فاحشہ کو بھی مطلقاً مکروہ فرمایا، بوسہ فاحشہ عورت کے لب اپنے لبوں میں لے کر چبائے، اور زبان چوُسنا بدرجہ اولٰی مکروہ جبکہ عورت کا لعابِ دہن جو اس کی زبان چوُسنے سے اُس کے مُنہ میں آئے تھوک دے، اور اگر حلق میں اُتر گیا تو کراہت در کنار روزہ ہی جاتا رہے گا، اور اگر قصداً بحالتِ لذّت پی لیا تو کفارہ بھی لازم آئے گا۔

فی الدرالمختار کرہ قبلۃ ومس و معانقۃ ان لم یأمن المفسد وان امن لاباس[1] ملخصًاوفی رد المختار جزم فی السراج بان القبلۃ الفاحشۃ بان یمضغ شفتیھا تکرہ علی الاطلاق ای سواء أمن اولا، قال فی النھر، والمعانقۃ علی التفصیل فی المشھور وکذا المباشرۃ الفاحشۃ فی ظاھر الروایۃ وعن محمد کراھتھا مطلقا وھو روایۃ الحسن، قیل وھو الصحیح اھ واختار الکراھۃ فی الفتح وجزم بھا فی الولوالجیۃ بلاذکر خلاف، وھی ان یعانقھا وھما	درمختار میں ہے: بوسہ لینا، چھونا اور معانقہ کرنا مکروہ ہے اگر جماع یا انزال مفسد روزہ کا خوف ہو، اور اگر مفسدِ روزہ کا خوف نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ ردالمحتار میں ہے: سراج میں اس پر جزم کیا ہے کہ بوسہ فاحشہ یہ ہے کہ اس کے دونوں ہونٹ اپنے منہ میں لے کر دبانا مطلقاً مکروہ ہے خواہ فسادِ روزہ سے خوف ہو یا نہ ہو۔ نہر میں ہے مشہور روایت کے مطابق بوسہ میں تفصیل ہے ظاہر الروایۃ میں مباشرت فاحشہ کا بھی یہی حکم ہے اور امام محمد سے مطلق اس کی کراہت مروی ہے اور یہ روایت حسن سے ہے، بعض نے کہا یہی ہے اھ ذکر اختلاف کے بغیر فتح میں کراہت کو مختار قرار دیا ہے، اور ولوالجیہ میں کراہت پر جزم کا اظہار ہے۔ اور مباشرت فاحشہ سے مراد یہ ہے

[1] الدرالمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۵۲

متجردان ویمس فرجه فرجها بل قال فی الذخیرة ان هذا مکروه بلا خلاف لانه یفضی الی الجماع غالبا اھ وبه علم ان روایة محمد بیان لکون مافی ظاهر الروایة ومامر عن النهر لیس مما ینبغی ثم رأیت فی التتار خانیة عن المحیط، التصریح بما ذکرته من التوفیق بین الروایتین وانه لافرق بینهما ولله الحمد اھ[1] باختصار وفی الدر، الضابط وصول مافیه صلاح بدنه لجوفه ومنه ریق حبیبه فیکفرلوجود معنی صلاح البدن فیه، درایة، وغیرها [2] والله تعالٰی اعلم۔	کہ مرد عورت دونوں معانقہ کریں اس حال میں کہ دونوں ننگے ہوں اور مرد کا فرج خاتون کی شرمگاہ کو مس کر رہا ہو، بلکہ ذخیرہ میں یہ کہا ہے کہ ایسا عمل بالاتفاق مکروہ ہے کیونکہ یہ غالبًا جماع کا سبب بن جاتا ہے اھ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ امام محمد کی روایت ظاہر روایت کا بیان ہے اور جو کچھ نہر کے حوالے سے گزراوُہ مناسب نہیں، پھر میں نے تتارخانیہ میں محیط سے اس پر تصریح دیکھی جو میں نے دونوں روایات میں مطابقت دیتے ہوئے ذکر کی ہے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں وللہ الحمد اھ اختصارًا در میں ہے غذا اور دوا کی شناخت کا ضابطہ یہ ہے پیٹ میں ایسی شیئ کا پہنچ جانا جو بدن کی اصلاح کا سبب ہو (وہ غذا یا دوا کہلاتی ہے) محبوب کا لعابِ دہن اسی قبیل سے ہے، اگر کوئی نگل جائے تو ایسی صورت میں چونکہ اصلاح بدن موجود ہے لہٰذا وہ کفارہ ادا کرے جیسا کہ درایۃ وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲) نہ۔ اگرچہ باربار بتکرار دیکھے، یہاں تک کہ دیکھنے ہی کی حالت میں بے چُھوئے انزال ہوجائے، ہاں اس صورت میں کراہت ضرور ہے،

فی الدرالمختار انزل بنظر ولوالی فرجها مرارا لم یفطر[3]۔ والله تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اگر انزال ہوجائے نظر کرنے سے اگرچہ عورت کی شرمگاہ کی طرف نظر مکرر ہو روزہ نہ ٹوٹے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصوم الخ مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۳-۱۲۲
[2] درمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵۱
[3] درمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

مسئلہ ۲۵۵: از فرید پور ضلع بریلی مرسلہ قاضی محمد نبی جان صاحب ۲۷ رمضان مبارک ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں ایک شخص ہے اس کو حاجت غسل کی ہے مگر روزہ اس نے رکھا مگر قصداً بوقت ظہر تک اُس نے غسل نہ کیا، وقت نماز ظہر کے غسل کیا، کیا روزہ اُس کا رہا یا گیا؟

الجواب:

روزہ ہوجائے گا اگرچہ شام تک نہ نہائے، ہاں ترک نماز کے سبب سخت اشد کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۵۶: از بانکی پور پٹنہ محلّہ مراد پور مرسلہ علی حسن صاحب تاجر ۲۳ محرم شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے رمضان شریف کا روزہ جنابت کی حالت میں رکھا اور قصداً دن بھر افطار کے وقت تک غسل نہیں کیا تو کیا یہ روزہ اُس کا بغیر کسی نقص کے درست ہوگا یا نہیں؟ اور روزے کے لیے طہارت شرط ہے یا نہیں؟ اور کیا کوئی ایسی عبادت بدنی بھی ہے جو بے طہارت صحیح ہو؟

الجواب:

وہ شخص نمازیں عمداً کھونے کے سبب سخت کبائر کا مرتکب اور عذابِ جہنم کا مستوجب ہُوا مگر اس سے روزے میں کوئی نقص و خلل نہ آیا طہارت باجماعِ ائمہ اربعہ شرطِ صوم نہیں۔ رب عزوجل فرماتا ہے:

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ط [1]	روزے کی راتوں میں تمھارے لئے بیویوں سے جماع حلال کیا گیا ہے۔ (ت)

آیہ کریمہ نے ہر جزو شب میں جماع و تلبیس بالجماع حلال فرمایا اور محض تحلیل ہی نہیں بلکہ بصیغہ امر ارشادی ارشاد ہوا۔

فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ص [2]	اور اب ان سے مباشرت کرو اور تلاش کرو جو اللہ تعالٰی نے تمہارے لیے لکھ رکھا ہے (ت)

اور ظاہر ہے کہ جزو اخیر شب کو بھی **لیلۃ الصیام** شامل، اور وہ بھی اس **احل لکم** اور **باشروھن** کے امر میں داخل، اور اسے بحالتِ جنابت صبح کرنا اور تاتمامی غسل، روزے میں جنب رہنا بداہۃً لازم، تو قرآن عظیم اس کی حلّت ودخول زیر امر ارشادی پر حاکم۔ اگر اس سے روزے میں کوئی نقص و خلل

---

[1] القرآن ۲/۱۸۷

[2] القرآن ۲/۱۸۷

آتا ضرور اتنے حصے کا استثناء فرمادیتا، پھر صاحبِ شرع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عملاً اُس کا بے نقص وبے خلل ہونا فرمادیا۔
صحیحین میں ام المومنین عائشہ صدیقہ وام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یدرکہ الفجر وھو جنب من اھلہ ثم یغتسل و یصوم[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات سے قربت فرماتے اور صبح ہوجاتی جب تک نہ نہاتے اس کے بعد غسل فرماتے اور روزہ رکھتے۔

صحیح مسلم ومؤطا مالک وسُنن ابی داؤد ونسائی میں اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

ان رجلا قال لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو واقف علی الباب وانا اسمع یا رسول اللہ انی اصبح جنبا وانا ارید الصیام فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانا اصبح جنبا وانا ارید الصیام فاغتسل واصوم فقال الرجل یا رسول اللہ انک لست مثلنا قد غفراللہ لک ما تقدم وماتا خرفغضب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقال انی ارجوان اکون اخشٰیکم للہ اعلمکم بما اتقی[2]۔	یعنی حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے دراوزہ اقدس کے پاس کھڑے تھے ایک شخص نے حضور سے عرض کی اور میں سُن رہی تھی کہ یارسول اللہ! میں صبح کو جنب اٹھتا ہوں اور نیت روزے کی ہوتی ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا میں خود ایسا کرتا ہُوں اُس نے عرض کی حضور کی ہماری کیا برابری، حضور کو تو اللہ عزوجل نے ہمیشہ کے لیے پُوری معافی عطا فرمادی ہے۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غضب ناک ہُوئے اور فرمایا: بیشک میں امید رکھتا ہوں کہ مجھے تم سب سے زیادہ اللہ عزوجل کا خوف ہے اور میں تم سب سے زیادہ جانتا ہوں جن جن باتوں سے مجھے بچنا چاہئے۔

اس حدیث صحیح نے خوب واضح فرمادیا کہ اس سے روزہ میں کوئی نقص نہیں آتا ورنہ وہ صاحب سائل تھے محل بیان میں سکوت نہ فرمایا جاتا، سکوت کیسا اخیر کے ارشاد نے اور بھی روشن فرمادیا کہ اس میں کوئی بات خوف کی نہیں، نہ یہ اس میں داخل جس سے بچنا چاہئے۔ اور پُر ظاہر کہ روزہ غیر متجزی ہے جو چیز اس میں نقص پیدا کرے گی اگر سارے روزے میں ہُوئی تو موجبِ نقص ہوگی اور اس کے اوّل یا آخر کسی لطیف حصہ میں ہوئی تو ضرر دے گی،

[1] الصحیح البخاری باب الصائم یصبح جنبا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۸
[2] سنن ابی داؤد کتاب الصائم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۲۵

ولہذا ہمارے علمائے کرام نے انہیں آیات واحادیث سے ثابت فرمایا کہ اگر تمام دن جنب رہاجب بھی روزہ کو کچھ مضر نہیں۔

مراقی الفلاح میں ہے:

اواصبح جنبا ولواستمر علی حالته یوما او ایاما لقوله تعالٰی فالئن باشروھن لاستلزام جواز المباشرة الی قبیل الفجر وقوع الغسل بعد ضرورة وقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وانا اصبح جنباوانا اریدالصیام واغتسل واصوم[1]۔	یا کسی نے حالتِ جنب میں صبح کی اگرچہ وُہ اسی حالت میں ایک دن یا کئی دن رہا، کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی "اب تم مباشرت کرسکتے ہو" اس بات کا متقضی ہے کہ فجر سے تھوڑا ساپہلے تک مباشرت جائز ہو اور اس کے بعد غسل لازم ہو، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی "میں نے حالتِ جنابت میں صبح کی ہے اور میں روزے کا ارادہ رکھتا ہوں میں غسل کروں گااور روزہ رکھوں گا۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

لو اصبح جنبالا یضرہ کذافی المحیط[2]۔	اگر کسی نے حالتِ جنب میں صبح کی تو نقصان دہ نہیں، محیط میں اسی طرح ہے۔(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

ومن اصبح جنبااواحتلم فی النهار لم یضرہ کذا فی محیط السرخسی[3]۔	جس نے بحالتِ جنابت صبح کی یادن کو احتلام ہوگیا تو یہ اسے نقصان دہ نہیں۔ محیط سرخسی میں اسی طرح ہے(ت)

ہاں بوجہ ارتکاب کبیرہ اس کی نورانیت بالصوم میں فرق آئے گا، نہ اس لیے کہ جنب تھاکہ جنابت سے نورانیت میں تفاوت آتا تو بحالِ جنابت صبح کرنے سے بھی آتا بلکہ اس لیے کہ نماز فوت کی، یہاں تک کہ اگر نماز بحالِ جنابت ہوسکتی تو دن بھر بلکہ مہینہ بھر جنب رہنے سے بھی حصول نورانیت بصوم میں فرق نہ ہوتا، یہ فرق بوجہ فوت نماز ایسا ہوگا جیسے روزہ میں کسی کو ظلماً مارنے سے، مگراس سے کوئی نہ کہے گا کہ نفسِ صوم میں کوئی نقص آگیا، گناہ کے سبب روزے میں خلل آناظاہر یہ کامذہب فاسد ہے، اس کی نظیر ایسی ہے کہ کوئی ریشمیں

---

[1] مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی باب فی بیان مالایفسد الصوم نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۳۶۲

[2] البحرالرائق، باب فی بیان مالایفسد الصوم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷۳

[3] الفتاوی الہندیۃ الباب الثامن مایفسد الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۰۰

کپڑے پہن کر قرآن عظیم کی تلاوت کرے اس سے نہ تلاوت میں کوئی نقص ہُوا نہ اُس کے ثواب میں کمی، ہاں ظلمتِ گناہ ملنے کے باعث اُس کے لیے نورانیتِ خالصہ نہ رہی۔ یہ ان میں داخل ہوا جن کو فرماتا ہے:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا[1]	اور کچھ اور ہیں جو اپنے گناہوں کے مقر ہوئے اور ملایا ایک کام اچھا اور دُوسرا بُرا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

قرأالقراٰن ولم یعمل بموجبه یثاب علی قرأته کمن یصلی ویعصی[2]۔	کسی نے قرآن حکیم پڑھا لیکن اس کے احکام پر عمل نہ کیا تو تلاوت پر ثواب ملے گا، جیسا کہ کوئی نماز پڑھے اور گناہ کرے۔ (ت)

طحاوی وردالمحتار میں ہے:

یثاب علٰی قرأته وان کان یأثم بترك العمل فالثواب من جهة والاثم من اخری[3]۔	قراءتِ قرآن پر ثواب ملے گا اگرچہ ترک عمل کی وجہ سے گناہ گار ہوگا، توثواب ایک جہت سے اور گناہ دوسری جہت سے ہے۔ (ت)

بہت عبادات بدنیہ ہیں جن میں طہارت شرط نہیں، جیسے یاد پر تلاوت اور مسجد میں اعتکاف کہ ان دونوں میں وضو ضرور نہیں اور قرآن عظیم کو بے چُھوئے دیکھنا، کعبہ معظّمہ پر بیرون مسجد سے نظر کرنا، عالم کو بنگاہِ تعظیم دیکھنا، ماں باپ کو بنظرِ محبت دیکھنا، عالم سے مصافحہ کرنا، یہ سب عباداتِ بدنیہ ہیں اور سب بحالِ جنابت بھی روا ہیں۔ حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خمس من العبادة قلة الطعم والقعود فی المساجد والنظر الی الکعبة والنظر الی المصحف والنظر الی وجه العالم[4]۔ رواہ فی مسند الفردوس عن ابی هریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه۔	پانچ چیزیں عبادت سے ہیں کم کھانا اور مسجد میں بیٹھنا اور کعبہ کو دیکھنا اور مصحف کو دیکھنا اور عالم کا چہرہ دیکھنا۔ (اسے مسند فردوس میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ت)

---
[1] القرآن ۱۰۲/۹

[2] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ مجتبائی دہلی ۲۴۸/۲

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ مصطفٰی البابی مصر ۲۸۱/۵

[4] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۲۹۶۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۵/۲

دارقطنی وغیرہ کی روایت یُوں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

خمس من العبادۃ النظر الی المصحف والنظر الی الکعبۃ والنظر الی الوالدین والنظر فی زمزم وھی تحط الخطایا والنظر فی وجہ العالم[1]۔	پانچ چیزیں عبادت سے ہیں مصحف کو دیکھنا اور ماں باپ کو دیکھنا اور زمزم کے اندر نظر کرنا اور اس سے گناہ اُترتے ہیں اور عالم کا چہرہ دیکھنا۔

صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

لقینی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانا جنب فاخذ بیدی فمشیت معہ حتی قعد فانسللت فاتیت الرحل فاغتسلت ثم جئت وھو قاعد فقال این کنت یا ابا ھریرۃ فقلت لہ فقال سبحان اللہ یا ابا ھریرۃ ان المؤمن لاینتجس[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اچانک ملاقات ہوگئی حالانکہ میں حالتِ جنابت میں تھا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑلیا مَیں آپ کے ساتھ چلتا رہا حتی کہ آپ تشریف فرما ہُوئے تو میں چپکے سے نکل گیا رہائش گاہ میں جاکر غسل کیا پھر واپس آیا تو آپ تشریف فرما تھے، فرمایا: اے ابوھریرہ! کہاں چلے گئے تھے؟ میں نے ساری بات عرض کی۔ تو آپ نے فرمایا: سبحان اللہ، ابوھریرہ! مومن ناپاک نہیں ہوتا۔ (ت)

اور افضل واعلٰی تمام عباداتِ بدنیہ جن کے لیے طہارت صغری، نہ کبری، کچھ شرط نہیں، ذکرالٰہی ہے اور دعاوذکر کا عبادت ہونا بدیہی ہے بلکہ ذکر ہی اصل جملہ عبادات ہے قال تعالٰی اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ﴿۱۴﴾[3] (میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ۔ ت) اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حدیث ہے:

الدعاء مخ العبادۃ[4]۔ رواہ الترمذی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	دعا مغزِ عبادت ہے (اسے ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

اور ان کے لیے طہارت شرط نہ ہونا ظاہر، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرتی ہیں:

---

[1] کنزالعمال بحوالہ دارقطنی حدیث ۴۳۴۹۴ التراث الاسلامی مصر ۵/ ۸۸۰

[2] الصحیح للبخاری کتاب الغسل باب الجنب یخرج ویمشی فی السوق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲

[3] القرآن ۲۰/ ۱۴

[4] جامع للترمذی ابواب الدعوات ماجاء فی فضل الدعاء امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۷۳

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یذکر اللہ علٰی کل احیانہ[1]۔ رواہ مسلم وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے جمیع اوقات میں ذکرِ الٰہی فرماتے تھے(اسے مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ت)

جنب کو بہ نیتِ دُعا وثنا الحمد وآیۃ الکرسی پڑھنے کی اجازت ہے **والمسئلۃ مشھورۃ وفی الکتب مزبورۃ**(یہ مسئلہ نہایت مشہور ہے اور کتب میں مسطور ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۷: ۲۶رجب ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کا روزہ نفل رکھنا کیسا ہے۔ ایک شخص نے جمعہ کا روزہ رکھا دوسرے نے اُس سے کہا جمعہ عید المومنین ہے روزہ رکھنا اس دن میں مکروہ ہے اور باصرار بعد دوپہر کے روزہ تُڑوادیا اور کتاب سرالقلوب میں مکروہ ہونا لکھا ہے دکھلادیا ایسی صورت میں روزہ توڑنے والے کے ذمّے کفارہ ہے یا نہیں؟ اور تُڑوانے والے کو کوئی الزام ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جمعہ کا روزہ خاص اس نیت سے کہ آج جمعہ ہے اس کا روزہ بالتخصیص چاہئے مکروہ ہے مگر نہ وہ کراہت کہ توڑنا لازم ہُوا، اور اگر خاص بہ نیتِ تخصیص نہ تھی تو اصلاً کراہت بھی نہیں، اُس دوسرے شخص کو اگر نیتِ مکروہہ پر اطلاع نہ تھی جب تو اعتراض ہی سرے سے حماقت ہوا، اور روزہ توڑ دینا شرع پر سخت جرات، اور اگر اطلاع بھی ہوئی جب بھی مسئلہ بتادینا کافی نہ تھا نہ کہ روزہ تڑوانا، اور وُہ بھی بعد دوپہر کے، جس کا اختیار نفل روزے میں والدین کے سوا کسی کو نہیں، توڑنے والا اور تڑوانے والا دونوں گنہ گار ہوئے، توڑنے والے پر قضا لازم ہے کفارہ اصلاً نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] سُنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶

سحروافطار کا بیان

مسئلہ ۲۵۸تا۲۶۰: از پنڈرارو ڈضلع بلاسپور ملک متوسط مرسلہ منشی عتیق احمد صاحب ۱۳ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَى الَّیْلِۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ[1]۔	اب تم مباشرت کر سکتے ہو، کھاؤ پیو، یہاں تک، پھر روزہ کو رات تک پُورا کرو، اور نہ مباشرت کرو جبکہ تم۔(ت)

ان چاروں اوامر مشروط، ونہی ظاہر آیہ آخر، آیہ کریمہ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا[2] (یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے قریب نہ جاؤ۔ ت) سے متعلق ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو جمع کا صیغہ کیوں فرمایا گیا، اگر صرف نہی آخر سے متعلق ہے تو حدود اللہ کس طرح ایک پر عائد۔

(۲) جیسا کہ اَلْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ[3] (سفید دھاگا کالے دھاگے سے واضح ہو جائے۔ت)

---

[1] القرآن ۲/۱۸۷

[2] القرآن ۲/۱۸۷

[3] القرآن ۲/۱۸۷

میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے حقیقی تاگے کو سمجھا تو **من الفجر** (فطر ہونے تک۔ت) نازل ہوا۔ **تلك حدود الله** (یہ اللہ کی حدود ہیں۔ت) کا نزول بھی کیا اسی طرح ہُوا ہے جبکہ بعض نے سفیدہ صبح تک کھایا ہو جس سے اندیشہ روزے میں خلل ہونے کے باعث ان احکامِ اربعہ کے بعد **تلك حدود الله** نازل ہُوئی ہو یا یہ آیت نازل ہونے پر بھی صبح ظاہر ہونے تک کھانے کا معمول برابر جاری رہا عموماً ہر ایک سحری کھاتا رہا۔

(۳) حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سحری کھانا بالکل قریب صبح کے دوامی تھا یا اتفاقی، جیسا کہ بعض حدیثوں میں مروی ہے اور اگر معمول دوامی تھا تو کیا آخر تک رہا اور اسی طرح عموماً سب کو اجازت تا آخر وقت بالقصد ہے یا اس حالت میں کہ آخر وقت ہی اس کو ملا ہو تب۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) سب احکام مذکورہ کی طرف اشارہ ہے، معالم میں ہے:

تلك حدود الله يعنى تلك الاحكام التى ذكرها فى الصيام والاعتكاف[1]۔	یہ اللہ کی حدود ہیں یعنی یہ وہ احکام ہیں جن کا ذکر اس نے روزے اور اعتکاف کے بارے میں فرمایا ہے (ت)

بیضاوی میں ہے: **اى الاحكام التى ذكرت**[2] (یعنی وُہ احکام جو پیچھے ذکر ہُوئے ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) اس آیت کا نزول **مِنَ الْفَجْرِ**[3] کے طور پر نہیں سحری کی تاخیر مستحب ومسنون ہے، احادیثِ صحیحہ میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تعجیلِ افطار و تاخیرِ سحور کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا: "میری اُمت ہمیشہ خیر سے رہے گی جب تک افطار میں جلدی اور سحری میں دیر کرے گی۔"[4] مگر تعجیلِ افطار کے معنی یہ ہیں کہ جب غروبِ آفتاب پر یقین ہو جائے فوراً افطار کرلے وہم ووسوسہ کو دخل نہ دے نہ بلاوجہ رافضیوں کی طرح شب کا ایک حصہ داخل ہونے کا انتظار کرے، ایسی جلدی کہ ہنوز غروب میں شک ہو حرام ومفسدِ صوم۔ اور تاخیر سحری کے معنی یہ ہیں کہ اُس وقت تک کھائے جب تک طلوعِ فجر

---

[1] معالم التنزیل مع الخازن تحت آیت تلک حدود اللہ الخ مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۵
[2] بیضاوی (انوار التنزیل) علی حاشیۃ القرآن الکریم مصطفی البابی مصر ۱/۴۱
[3] القرآن ۲/۱۸۷
[4] صحیح بخاری باب تعجیل الافطار قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۶۳، مسند احمد بن حنبل مروی از ابوذر دار الفکر بیروت ۵/۱۴۷

کا ظن غالب نہ ہو بخلاف افطار کے کہ وہاں بحالتِ شک روزہ جاتا رہتا ہے، وجہِ فرق یہ ہے کہ شرعِ مطہر کا قاعدہ کلیہ ہے کہ **الیقین لایزول بالشك** یعنی شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔ رات میں طلوعِ فجر کا جب تک شک نہ ہوا تھا بقائے لیل پر یقین تھا وقوعِ شک سے بھی یہ یقین زائل نہ ہوگا اور رات ہی کا حکم رہے گا جب تک طلوعِ فجر کا ظن غالب نہ ہو۔ ولہٰذا ارشاد فرمایا: **حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ** یہاں تک کہ سفید ڈورا تمہارے لیے خوب ظاہر ہو جائے۔ اور افطار میں غروبِ شمس جب تک مشکوک نہ ہوا تھا دن پر یقین تھا تو حالتِ شک میں بھی وہی یقین حاصل، اور دن باقی سمجھا جائے گا اور اُس وقت روزہ کھولنا دن میں کھولنا ٹھہرے گا، زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اب تک انہیں قواعد پر عمل رہا ہے۔

(۳) تاخیرِ سحور بمعنی مذکور مطلقًا مستحب و مسنون ہے' صرف اسی حالت کی خصوصیت نہیں کہ اخیری وقت آنکھ کُھلی ہو، عادتِ مستمرہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہی تاخیر تھی ہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے برابر کسی کا علم نہیں ہوسکتا، حضور صاحبِ وحی، صاحبِ **علمته علم الاولین والاٰخرین** (تمام اولین وآخرین کے علوم کے جامع۔ت) وصاحبِ **عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا** ﴿۱۱۳﴾[1] (اللہ نے تعلیم دی ہر اس کی جو آپ نہ جانتے تھے اور اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔ت) ہیں اوقات حقیقۃً جن میں حدِ مشترک صرف ایک آن ہوتی ہے، اُن کا امتیاز حقیقی طاقتِ بشری سے خارج ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُس پر مطلع تھے، لہٰذا احیانًا ایسی تاخیر واقع ہُوئی کہ دوسرا اس پر قادر نہیں، ایک شب سحری تناول فرمانے کے بعد صرف اتنے وقفہ پر کہ آدمی پچاس آیات پڑھ لے نمازِ صبح شروع فرمادی۔ ایسے امور میں اتباع کی قدرت نہیں، ہمارے لیے وہی حکم ہے جو جوابِ سوالِ ثانی میں مذکور ہوا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۱: از شہر کہنہ بریلی ۲۷رجب ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ مسئلہ جو مشہور ہے کہ رمضان شریف میں رات کے سات حصے کئے جائیں، جب ایک حصّہ رات کا باقی رہے کھانا پینا ترک کردے، آیا یہ مسئلہ صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ قاعدہ ہرگز صحیح نہیں بلکہ کبھی رات کا ہنوز حصّہ باقی رہتا ہے کہ صبح ہو جاتی ہے اور کبھی ساتواں

[1] القرآن ۴/۱۱۳

آٹھواں، نواں، یہاں تک کہ کبھی صرف دسواں حصہ تقریبًا رہتا ہے اُس وقت صبح ہوتی ہے ہم رؤس بروج کے لیے بریلی اور اس کے موافق العرض شہروں میں ایک تقریبی نقشہ دیتے ہیں جس سے اس اجمال کی تفصیل ظاہر ہوگی، افقِ حقیقی پر انطباق مرکز شمس، جانبِ مغرب سے، اُسی پر انطباق مرکز، جانب شرق تک شب نجومی ہے اور افق حسی بالمعنی الثانی سے تجاوز کنارہ آخرین شمس، جانب غرب سے اُسی افق سے ارتفاع کنارہ اولین شمس، جانب شرق تک شب عرفی ہے اس کی تحصیل میں دونوں جانب کے دقائق انکسار بھی شب نجومی سے ساقط کئے جاتے ہیں اور افق حسی مذکور بے تجاوز کنارہ آفریں شمس سے طلوعِ فجر صادق تک شب شرعی ہے تحصیلِ فجر میں بھی جانب طلوع شمس کہ دقائق انکسار وقت باقی سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ نقشہ خود فقیر کا ایجاد ہے جس کا اجمالی بیان یہ ہُوا اور جو شخص اس فن میں کچھ ادراک رکھتا ہو اُسے تفصیل بھی بتائی جاسکتی ہے، وباللہ التوفیق وللہ الحمد والمنة واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

تاریخ شمسی	راس برج	نصف قوس شب نجومی		نصف قوس شب عرفی		مقدار صبح		نصف قوس شب شرعی		شب شرعی کے منٹ	صبح کے منٹ	نسبت صبح بشب شرعی	تخمینی نسبت
		گھنٹے	منٹ	گھنٹے	منٹ	گھنٹے	منٹ	گھنٹے	منٹ				
۲۰ مارچ	حمل	۱۲	۰	۱۱	۵۴	۱	۲۰	۱۰	۳۴	۷۱۴	۸۰	۴۰/۳۵۷	نواں حصہ
۲۲ اپریل	ثور	۱۱	۱۰	۱۱	۵۴	۱	۲۴	۹	۴۰	۶۶۴	۸۴	۲۱/۱۶۶	آٹھواں حصہ
۲۲ مئی	جوزا	۱۰	۲۸	۱۰	۲۲	۱	۳۱	۸	۵۱	۶۲۲	۹۱	۹۱/۶۲۲	ساتواں حصہ
۲۲ جون	سرطان	۱۰	۱۲	۱۰	۶	۱	۳۶	۸	۳۰	۶۰۶	۹۶	۱۶/۱۰۱	چھٹا حصہ قدرے کم
۲۲ جولائی	اسد	۱۰	۲۸	۱۰	۲۲	۱	۳۱	۸	۵۱	۶۲۲	۹۱	۹۱/۶۲۲	ساتواں حصہ
۲۲ اگست	سنبلہ	۱۱	۱۰	۱۱	۵۲	۱	۲۳	۹	۲۹	۶۶۲	۸۲	۸۳/۶۶۲	آٹھواں حصہ
۲۳ ستمبر	میزان	۱۲	۰	۱۱	۵۲	۱	۱۹	۱۰	۳۳	۷۱۲	۷۹	۷۹/۷۱۲	نواں حصہ
۲۲ اکتوبر	عقرب	۱۲	۵۰	۱۲	۴۲	۱	۱۹	۱۱	۲۳	۷۶۲	۷۹	۷۹/۷۶۲	انیس[عہ] حصوں سے دو حصے
۲۲ نومبر	قوس	۱۳	۳۲	۱۳	۲۲	۱	۲۲	۱۲	۰	۸۰۲	۸۲	۴۱/۴۰۱	دسواں حصہ
۲۲ دسمبر	جدی	۱۳	۴۸	۱۳	۴۰	۱	۲۵	۱۲	۱۵	۸۲۰	۸۵	۱۷/۱۶۴	دسواں حصہ
۲۲ جنوری	دلو	۱۳	۳۲	۱۳	۲۲	۱	۲۲	۱۲	۰	۸۰۲	۸۲	۴۱/۴۰۱	دسواں حصہ
۲۱ فروری	حوت	۱۲	۵۰	۱۲	۴۲	۱	۱۹	۱۱	۲۳	۷۶۲	۷۹	۷۹/۷۶۲	انیس[عہ] حصوں سے دو حصے

عـــہ: یعنی نواں حصہ قدرے کم

مختصر جدول یہ ہے

تاریخ	برج	نسبت صبح وشب عرفی	برج	تاریخ
۲۲ جون	سرطان	چھٹا حصہ کچھ کم	سرطان	۲۲ جون
۲۳ جولائی	اسد	ساتواں حصہ کچھ زیادہ	جوزا	۲۲ مئی
۲۴ اگست	سنبلہ	آٹھواں حصہ	ثور	۲۱ اپریل
۲۴ ستمبر	میزان	نواں حصہ	حمل	۲۰ مارچ
۲۴ اکتوبر	عقرب	نواں حصہ قدرے کم	حوت	۲۰ فروری
۲۳ نومبر	قوس	دسواں حصہ کچھ زیادہ	دلو	۲۱ جنوری
۲۲ دسمبر	جدی	دسواں حصہ اس سے کچھ کم	جدی	۲۲ دسمبر

ان بیانوں سے واضح ہوا کہ راس السرطان کی صبح جس طرح تمام سال میں سب صبحوں سے باعتبار نسبت بڑی ہے کہ کوئی صبح اپنی رات کا اتنا بڑا حصہ نہیں ہوتی یُونہی وہ مقدار میں بھی جمیع صبحوں سے زائد ہے کہ اتنی مدت کوئی صبح نہیں پاتی مگر اس کے خلاف راس الجدی کی صبح باآنکہ نسبت میں تمام صبحوں سے کم ہے کہ کوئی صبح اپنی رات کا اتنا چھوٹا حصّہ نہیں ہوتی لیکن وُہ مقدار میں سب سے کم نہیں بلکہ نصف جنوبی میں سب سے زائد مقدار کی فجر ہے، سال میں سب سے چھوٹی فجر فجر اعتدالین ہے مگر وُہ نسبت میں سب سے کم نہیں بلکہ نصف جنوبی میں سب نسبتوں سے زائد ہے، نیز روشن ہُوا کہ صبح کا اپنی مقدار چھوٹی بڑی ہونے میں مطلقًا تابع روز ہونا کہ جتنا دن گھٹے صبح چھوٹی ہوتی جائے اور جتنا بڑھے ترقی پائے، یا مطلقًا تابع شب ہونا کہ ہمیشہ اس کی کمی فزونی رات کی کاہش وبیشی پر رہے جیسا کہ آج کل کے ناواقف محاسبوں میں کسی نے اسے نہار کسی نے لیل کا ٹکڑا سمجھ کر گمان کیا ہے محض غلط ہے بلکہ صبح اپنی کمی بیشی میں میل شمسی کی تابع ہے اعتدالین پر کہ میل منتفی ہوتا ہے صبح سب سے چھوٹی مقدار پر ہوتی ہے پھر جتنا میل بڑھتا جاتا ہے صبح کی مقدار زیادہ ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ انقلاب پر اپنی اعظم مقادیر پر آتی ہے، پھر جس قدر میل گھٹتا ہے صبح چھوٹی ہوتی جاتی ہے حتی کہ اعتدال پر پھر اپنی انقص مقادیر پر آتی ہے اور انقلاب قطب ظاہر کے اعظم مقادیر، انقلاب قطب خفی کے اعظم مقادیر، سے بھی اعظم ہوتی ہے، یا عام فہمی کے لیے یُوں کہئے کہ صبح ہر دو نصف شمالی وجنوبی میں بڑے کی تابع ہے نصف شمالی میں دن، رات سے بڑا ہوتا ہے صبح اس کی زیادت وقلّت کے ساتھ بڑھتی گھٹتی ہے اور نصف جنوبی میں رات، دن سے بڑی ہوتی ہے، صبح افزائش وکاہش میں اُس کے ساتھ چلتی ہے، **راس الحمل** پر اپنی اقل مقدار تک پہنچ کر دن کے ساتھ بڑھنی شروع ہوئی، جب انقلاب صیفی میں دن اپنی نہایت زیادت پر آیا، صبح بھی غایت ازدیاد پر پہنچی، پھر دن گھٹنا شروع ہُوا، صبح بھی انہیں قدموں پر رجعت قہقری کرتی ہوئی گھٹتی چلی یہاں تک کہ اعتدال خریفی پر پھر اسی اقل مقادیر پر آگئی، اب رات کے ساتھ فزونی کرنے لگی جب انقلاب شتوی نے شبِ یلدا (اندھیری اور طویل رات) دکھائی صبح بھی اس نصف میں اپنی اعظم مقادیر پر آئی، آگے رات

کم ہوتی چلی، صبح بھی بدستور اُلٹے پاؤں کمی پر پلٹی، حتی کہ اعتدال ربیعی پر پھر انقص مقدار ہوئی، وھٰکذا الٰی ماشاء اللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

ھدایۃ الجنان باحکام رمضان ۱۳۲۳ھ

(رمضان کے احکام میں جنت کی راہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۲۶۲: از شاہجہان پور محلّہ جگدل نگر متصل اسٹیشن ریلوے مرسلہ محمد فصاحت اللہ خاں ۷ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ

بعد ادائے آداب کے عرض پرداز ہُوں کہ ایک اشتہار مولوی اعظم شاہ صاحب نے بابت افطار و سحری رمضان المبارک و نیز چند مسائل روزے کے جو اوپر نقشہ اور پشت پر نقشہ لکھے ہیں، شائع کرکے تقسیم کرائے ہیں جو کہ شاہجہان پور میں سال گزشتہ میں بابت چاند عید اضحیٰ نزاع ہو چکا ہے اس خیال سے اس نقشہ کی بابت تحقیقات کرنا ضروری ہے۔ آج کے روزے کا نقشہ دیا ہُوا بابت افطار و سحری اور نقشہ مولوی اعظم شاہ اور نقشہ مولوی ریاست علی خان صاحب کا مقابلہ کیا گیا جو اعظم شاہ کے نقشہ اور آپ کے نقشہ سے بہت فرق آیا بابت سحری کے، اور آپ کا نقشہ اور مولوی ریاست علی خاں کا نقشہ قریب قریب ہے جو کہ اب ایسی حالت میں بڑا نقصان کم علموں کا ہو رہا ہے اور ہوگا کیونکہ کل کے روز ایک عورت نے چار بج کر چالیس منٹ پر سحری کھائی، اور جب اُس کی حالت مولوی اعظم کو معلوم ہُوئی تو اُنہوں نے فرمایا کہ روزہ جاتا رہا اس پر اس نے روزہ توڑ ڈالا

جب مولوی ریاست علی خاں صاحب سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ اُس کا روزہ تھا کیونکہ وُہ وقت سحری کھانے کا تھا اور نیز اس اشتہار میں جو مسائل بابت رمضان المبارک اور وقت افطار اور وقت سحری اور مسائل تراویح کے لکھے ہیں وہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ صحیح لکھے ہیں یا نہیں، بندہ اشتہار مذکور روانہ خدمت عالی کرتا ہے اور بعد ملاحظہ جملہ اشتہار کے اس کے صحیح اور غیر صحیح پر توجہ فرمائی جائے، اور اگر غلط ہے تو جس جس مسئلہ میں غلطی ہو اُس کا جواب بحوالہ کتاب ارقام فرمادیجئے، اگر نقشہ غلط ہو تو بابت نقشہ کے اسی قدر کافی ہے کہ نقشہ غلط ہے اور اس اشتہار کے بھیجنے کی بابت جناب مخدوم و مکرم مولوی ریاست علی خان صاحب نے بھی تاکید فرمائی تھی جب میں نے عرض کیا تھا کہ اس اشتہار کو بریلی روانہ کروں گا تو فرمایا کہ ضرور بھیج دو تاکہ وہاں سے جواب آنے کے بعد اُس اشتہار کی صحت اور غلطی کا اعلان کرادیا جائے۔ فقط۔

الجواب:

بعد مراسم سنت ملتمس، بعد سوال، جواب واجب اور وقتِ وجوب اظہارِ صواب لازم، اوقاتِ صحیح نکالنے کا فن جسے علمِ توقیت کہتے ہیں، ہندوستان کے طلبہ تو طلبہ اکثر علماء اس سے غافل ہیں، نہ وہ درس میں رکھا گیا ہے نہ ہیأت کی درسی کتابوں سے آسکتا ہے اور جو کچھ مسالہ مولوی مسیح الدین خاں کا کوروی وغیرہ بناگئے وہ فقط ناکافی ہی نہیں بلکہ سخت اغلاط میں ڈالنے والا ہے، یونہی مرزا خیر اللہ منجم کی دو حرفی جدول سے کوئی ناواقف فن نفع نہیں پاسکتا، اگر کسی نے بڑی تحقیقات چاہی تو زیچ بہادر خانی کی جد اول تعدیل النہار سے کام لیا سحری کو تو اُن سے کچھ تعلق ہی نہیں اور افطار میں بھی ناقص ہے جب تک متعدد ضروری اصلاحیں اُس کے ساتھ شریک نہ ہوں، پھر جسے وُہ اصلاحیں آتی ہیں اُسے اُن جدول کی کیا حاجت، فقیر نے اس فن میں نہ نری کتابی باتوں پر اعتماد کیا، نہ خالی دلائل ہندسہ پر، نہ تنہا تجربہ و مشاہدہ پر، بلکہ سب کو جمع کیا اور بتوفیق الٰہی اپنی ذہنی جدّتوں سے بہت کچھ کام لیا یہاں تک بفضلہٖ تعالٰی برہان و عیان کو مطابق کردیا، میرا نقشہ **بفضلہ تعالٰی** جزاف نہیں ہوتا جو ہیأت و ہندسہ جانتا ہو وُہ اُسے براہین کے مطابق پائے گا، اور جو نگاہ رکھتا ہو صبح صادق و کاذب کو دیکھ کر پہچان سکتا ہو وُہ اسے مشاہدہ سے موافق پائے گا، میرے نقشوں میں بریلی کی سی سحری و افطار میں پانچ پانچ منٹ کی احتیاط ہوتی ہے اور دوسرے شہروں کا تقریبی وقت بھی اُسی صحت کے ساتھ دیا جاتا ہے کہ کم و بیش چار پانچ منٹ احتیاطی رہیں۔ جو نقشہ میرے بتائے ہوئے وقت سے جتنا مخالف ہو یقین جانئے کہ وہ اتنا ہی غلط ہے اگرچہ کسی کا بنایا ہوا ہو، دو ۲ نقشے اگر صحیح باقاعدہ دیئے ہوں تو صرف اس قدر فرق کرسکتے ہیں کہ احتیاطی منٹ کسی نے دو ایک کم رکھے کسی نے زائد، یا ایک منٹ کی تحتانی کسروں میں کسی نے زیادہ تعمق کیا کسی نے بے ضرورت سمجھ کر مساہلت سے کام لیا و بس۔ اب آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ

ان مولوی صاحب کے نقشے میں کتنا فرق ہے، شاہجہان پور، بریلی، بدایوں، پیلی بھیت، دہلی، رامپور، لکھنؤ، مرادآباد کے وقت یہاں اور شاہجہان پور والے دونوں نقشوں میں دئے ہیں ان میں ہر شہر کے لیے سحری کے اوقات میں بیس بائیس منٹ تک کا فرق ہے اور دہلی کے لیے تو ۲۸ منٹ تک ہے کہ دو منٹ کم آدھا گھنٹا ہوا مگر پیلی بھیت کے لیے اللہ اعلم کس وجہ سے اس قدر ترقی واقع ہُوئی کہ ابتداء میں وقت ٹھیک آیا اور آخر ماہ میں بڑھتے بڑھتے احتیاطی منٹ کا بھی اصلاً نشان نہ رہا کنارے ہی پر آلگا بلکہ تدقیق کی جائے تو عجب نہیں کہ کچھ حصہ صبح کا آجائے۔ بات یہ ہے کہ مولوی صاحب نے شاہجہان پور کے وقت بطورِ خود تجویز کرکے باقی شہروں کے لیے صرف اُن کا تفاوت طول جو اُن کے خیال میں تھا گھٹا بڑھا لیا حالانکہ تبدلِ اوقات میں بڑا حصہ تفاوت عرض کا ہے دو شہروں میں تفاوت طول اصلاً نہ ہو صرف اختلاف عرض سے طلوع و غروب و صبح و عشا میں گھنٹوں کا فرق پڑجاتا ہے شاہجہان پور و پیلی بھیت میں اکیس منٹ کا تفاوت کسی طرح نہیں بنتا، یہی حال کلکتے کا ہے کہ اخیر کی تاریخوں میں کچھ ہی خفیف نام احتیاط کا رہ گیا ہے دو ۲ سال ہوئے کہ خاص کلکتے کے اوقات یہاں سے شائع ہوئے تھے ۲۱ نومبر سے ۲۸ تک تاریخیں اس سال بھی پڑی ہیں ان سے ملا کر دیکھ سکتے ہیں پرچہ مرسل ہے افطار کے اوقات میں اتنا زیادہ تفاوت نہیں مگر اس کا تھوڑا بھی بہت ہے، مثلاً شاہجہان پور میں احتیاطی منٹ گھٹتے گھٹتے آخر میں صرف ایک ہی رہ گیا مگر دہلی پر آفت پوری ہے اول سے آخر تک غروب سے پہلے افطار لکھا خصوصاً آخر میں تو پانچ منٹ پیش از غروب افطار ہوئی ہے، شاہجہان پور میں جس نے ۴ بج کر ۴۰ منٹ تک سحری کھائی اس کا روزہ یقینا صحیح ہوا، وہ عورت توڑنے سے سخت گنہگار ہوئی اس کا روزہ نہ ہونے کا حکم محض غلط تھا۔ ابوداؤد، دارمی ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من افتی بغیر علم کان اثمه علی من افتاه[1]۔	جس نے بے علم فتوٰی دیا اس کا وبال فتوٰی دینے والے پر ہے۔ (ت)

اگر گھڑی صحیح تھی تو یقینا پاؤ گھنٹے سے زیادہ وقت باقی تھا۔ مسلمانو! یہ دین ہے، جس پر خدا کی دین ہے وُہ جانتا ہے کہ اس کا سیکھنا مجھ پر دَین ہے قواعد و براہین ہیأت و ہندسہ بالائے طاق سہی، وقت پہچاننا تو ہر مسلمان پر فرض عین ہے، افسوس کہ ہزاروں آدمی حتی کہ بہت ذی علم بھی صبح صادق و کاذب کی ٹھیک تمیز دیکھ کر نہیں بتاسکتے اور اس پر کتب ہیئت وغیرہ کی پریشان بیانوں نے انہیں اور دھوکے میں ڈالا ہے، سچ

[1] سنن ابی داؤد باب التوقی فی الفتیا ای الفتوی آفتاب عالم پریس لاہور ۱۵۹/۲

فرمایا امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی نے کہ ابتداء میں انسان کو ان دونوں صبح میں امتیاز مشکل ہوتا ہے بکثرت بار بار بغور مشاہدہ کرتا رہے تو بعنایت الٰہی دونوں صبحیں خوب نگاہ میں بچ جاتی ہیں کہ بہ نگاہِ اولیں دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ ابھی صبح صادق ہوئی یا نہ ہوئی، یہاں متعدد وجوہ سے لوگ اشتباہ میں ہیں اُن کا بیان کردینا ضرور ہے کہ مسلمان سمجھ لیں اور اغلاط سے بچیں۔

فاقول: وباﷲ التوفیق (پس میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) **اولًا** صبح کاذب کو حدیث میں مستطیل یعنی لمبی اور صادق کو مستطیر پھیلی ہوئی فرمایا ہے، ناواقف گمان کرتے ہیں کہ صبح کاذب کوئی ڈورے کی مثل باریک سفید ہے اور جہاں ذرا چوڑی سفیدی ہُوئی تو صبح صادق ہوگئی یہ محض غلط وہم ہے، رات کی چھائی ہوئی اندھیری میں باریک ڈورا کیا نظر آسکتا صبح کاذب بھی ضرور عرض رکھتی ہے اور نگاہ میں دو تین گز بلکہ اس سے زیادہ تک چوڑی ہوتی ہے بلکہ حدیث کی مراد وہ ہے جو خود حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دستِ اقدس کے اشارے سے تعلیم فرمائی کہ شرقاً غرباً جو سفیدی پھیلی ہوتی ہے وُہ صبح کاذب ہے اور دونوں دست مبارک کی کلمے کی انگلیاں ملا کر ہاتھ پھیلائے یعنی جنوباً شمالاً افق میں پھیلنے والی سپیدی پھیلی صبحِ صادق ہے۔

ثانیًا: بعض کتب میں صبح کاذب کی وجہ تسمیہ یہ لکھی کہ **یعقبہ ظلمۃ فالافق یکذبہ** یعنی اس کے عقب میں ظلمت ہوتی ہے، یہ سپیدی تو کہہ رہی ہے صبح ہوگئی، افق اسکی تکذیب کرتی ہے لہٰذا اسے صبح کاذب کہتے ہیں۔ اس کے معنے علمائے[عـہ] زمانہ قریب نے یہ سمجھ لیے کہ صبح کاذب کی سپیدی جا کر اُس کے بعد اندھیرا ہوجاتا ہے پھر صبح صادق نکلتی ہے حالانکہ یہ محض باطل ہے، صبح کاذب کی سپیدی جہاں شروع ہوتی ہے وہ اخیر تک بڑھتی ہی جاتی ہے ہرگز غروبِ آفتاب تک وہاں تاریکی نہیں آتی بلکہ اس کے معنٰی یہ ہیں کہ صبح کاذب کی سپیدی افق سے بہت اونچی ظاہر ہوتی ہے اور اس کے عقب میں اس کے پیچھے یعنی افق میں اس کے نیچے بالکل اندھیرا ہوتا ہے، جب صبح صادق پھیلتی ہے یہ تاریکی بھی روشنی سے بدل جاتی ہے۔

ثالثًا: بعض کتب ہیئت اور ان کے اتباع سے بعض کتب فقہ مثل ردالمحتار میں لکھ دیا کہ جب آفتاب افق سے ۱۵ درجے نیچے رہتا ہے وقت صبح صادق ہوتی ہے اور صبح کاذب اس سے صرف تین درجے پہلے یعنی ۱۸ درجے کے انحطاط پر ہوتی ہے مگر ہزاروں بار کا مشاہدہ شاہد ہے کہ یہ بھی محض غلط ہے بلکہ جب آفتاب کا انحطاط قریب ۱۸ درجے کے رَہ جاتا ہے اس وقت یقینا صبح صادق ہوجاتی ہے، صبح کاذب اس سے بہت درجوں پہلے ہوچکتی ہے، میں نے آج ہی رات کہ شب ہشتم ماہ مبارک ہے بچشم خود معائنہ کیا کہ آفتاب ہنوز تینتیس درجے سے زیادہ افق سے نیچا تھا کہ صبح کاذب اپنی جھلک دکھارہی تھی، صبح صادق ہونے کو ایک گھنٹے کامل سے بھی زیادہ وقت باقی تھا۔

عـہ: یعنی سعد اللہ صاحب رام پوری ۱۲

رابعًا: عوام صبح کا طلوع ہونا سُنتے ہیں تو اپنے زعم میں یہ گمان کرتے ہیں کہ افق یعنی زمین کے کنارہ سے یہ سپیدی اُٹھتی ہوئی جب بلندی پر آتی ہے تو ہمیں مکانوں میں یا چھت پر دکھائی دیتی ہے جیسے آفتاب وغیرہ ستارے شہر میں اپنے طلوع سے دیر کے بعد نظر آتے ہیں اس بناپر وہ صبح ہوتی دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ بہت پہلے ہوچکی ہے جب تو اتنی بلندی آگئی ہے حالانکہ یہ بھی ان کا محض وہم ہے بلکہ یہ سفیدی افق سے بہت اونچی ہی ہماری نظروں میں پیدا ہوتی ہے۔ فرض کیجئے کہ آدمی جنگل بلکہ سمندر میں ہو کہ نگاہ کے سامنے درخت، غبار، ابر وغیرہ کوئی شے اصلًا حائل نہ ہو تو وہاں بھی یہ بیاض افق سے بہت اوپر ہی حادث ہوگی اور اس کے نیچے تمام کنارہ آسمان تاریک ہوگا، اسی کو تو **یعقبہ ظلمۃ** (اس عقب میں ظلمت ہوتی ہے۔ت) کہا گیا، اپنی ہی سمجھ کے قابل یوں سمجھیں کہ نظر بواقع ضرور رہے کہ آفتاب کی کرنیں پہلے اُس حصّے میں سپیدی لاتی ہوں گی جو کنارہ زمین کے متصل ہے مگر وہ نہ کبھی محسوس ہوئی، نہ ہو، افق میں بخارات کا ازدحام اور خطوط نظر کا صدہا مَیل بخار وغیرہ کثافات کو طے کرکے اُفق تک جانا، آفتاب کی دھوپ جیسی روشن چیز کو کتنا میلا کرکے دکھاتا ہے کہ سپیدی کی جگہ سرخی معلوم ہوتی ہے اور تیزی نام کو نہیں ہوتی پھر یہ خفیف ضعیف سپیدی کیا اس قابل ہے کہ افق میں نظر آسکے جو صاف بھی کم ہے اور نظر سے دُور بھی بہت ہے یہ تو ہمیشہ اوپر چمکے گی جہاں نظر سے قُرب بھی ہے اور جگہ بہ نسبت افق صاف تر ہے۔

خامسًا: بعض کتب میں واقع ہُوا کہ صبح رات کا ساتواں حصّہ ہے، اسے لوگ ہر موسم میں وہر مقام کے لیے عام سمجھ لیے، حالانکہ جن عالم نے ایسا فرمایا وہ اُس موسم اور اُس عرض بلد کے لیے خاص تھا ورنہ یقینًا صبح ہمارے بلاد میں رات کے چھٹے حصّے سے دسویں حصے تک ہوتی جس کی مفصل جدول فقیر نے اپنے فتاوٰی میں لکھی ہے اس ماہِ مبارک میں بھی صبح رات کے نویں حصے سے دسویں حصے تک ہے، جو لوگ ساتواں حصہ لگائیں گے وُہ آپ ہی رات کو دن بنائیں گے، اب ہم بتوفیق اللہ تعالٰی صبح کاذب کے شروع سے صبح صادق کے انتشار تک جو صُورتیں اس سپیدی کی پیش آتی ہیں اُن کا واضح بیان کرتے ہیں جو آج تک کسی کتاب میں نہ لکھا گیا جو ہمارا برسوں کا مشاہدہ ہے اور جسے بغور سمجھ لینے والا اِن شاء اللہ تعالٰی بہت جلد صبح کاذب و صادق میں امتیاز کا ملکہ پیدا کرسکتا ہے:

(۱) اُفق سے کئی نیزے بلندی پر جانب مشرق آج جہاں سے آفتاب نکلنے کو ہو، اس کی سیدھ میں یعنی دائرہ منطقۃ البروج کی سطح کرہ بخار پر رات کی اندھیری میں ایک خفیف سپیدی کا دھبّہ پیدا ہوتا ہے جسے چاروں طرف سے رات کی اندھیری گھیرے ہوئے ہے اس انداز پر ا یہ صبح کاذب کی بنیاد پڑتی ہے۔

(۲) جُوں جوں آفتاب افق کے نزدیک آتا جاتا ہے یہ سپیدی ترقی کرتی ہے مگر ترقی معکوس یعنی اوپر سے

نیچے کو بڑھتی جاتی ہے، افق سے بہت اُونچی چمکی تھی اور نیچے دُور تک اندھیرا تھا اب وُہ اونچی سپیدی تو اپنی جگہ رہتی ہے اور اس کے نیچے سپیدی اور اس میں ملتی جاتی ہے یہاں کہ شدہ شدہ افق کے قریب تک آنے کو ہوتی ہے مگر ان سب حالتوں میں وُہ ایک طولانی ستون کی حالت میں ہوتی ہے گویا ایک سفید چادر اوپر سے نیچے لٹکائی گئی ہے کہ اسی حد تک سپیدی ہے اور آس پاس بالکل اندھیرا ان شکلوں پر

یہاں امیج کی شکل میں ڈبے بنانے ہیں جلد ۱۰ ص ۵۷۲

(۳) ان تمام اشکال کے بعد اس عمود کے حصّہ زیریں کے دونوں پہلوؤں پر نہایت تھوڑی دُور تک ایک خفیف بھوراپن خاکستری رنگ پیدا ہوتا ہے کہ کبھی تمیز میں آتا ہے اور معًا نگاہ کے نیچے سے نکل جاتا ہے اس طرز پر اب یہ وہ وقت کہ صبح صادق اپنے رُخ روشن سے نقاب اُٹھایا چاہتی ہے مگر ہنوز صبح نہیں کہ اُس کے لے تبیُّن شرط ہے اور یہ متبیّن نہیں:

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ [1]	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: یہاں تک کہ تمہارے لئے ظاہر ہوجائے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے پَو پھٹ کر۔ (ت)

ان تمام حالتوں تک صبح کاذب ہی ہے اور نمازِ عشاء اور سحری کھانے کا وقت بالاتفاق باقی ہے۔

(۴) اس کے بعد وہ دونوں پہلو سپید ہوجاتے ہیں اگرچہ ان کی سپیدی مائل بہ تیرگی ہوتی ہے اور جنوبًا شمالًا اس کا عرض بہت خفیف ہوتا ہے، اس وضع پر یہ ابتدائے صبح ہے اور اس وقت میں ہمارے مشائخ کرام کو اختلاف ہے: بعض نے اُسے صبح قرار دیا اور یہی احوط ہے، بعض نے بلحاظ شرط استطارہ وانتشار اسے بھی صبح کاذب کے حکم میں رکھا اور یہی اوسع ہے۔ ان جمیع حالتوں میں عمود کے تمام بالائی حصے کے آس پاس نری سیاہی ہوتی ہے۔

(۵) اس کے بعد دونوں پہلوؤں کی یہ سپیدی آنًا فانًا جنوبًا شمالًا پھیلنا شروع ہوتی ہے اور ایک خفیف دیر میں پھیل جاتی ہے۔ اس طور پر یہ یقینی اجماعی صبح صادق ہے اور ہنوز وہ عمود بدستور باقی، اور اس کے تین طرف سیاہی ہوتی ہے مگر یہ سچی سپیدی جیسی جیسی جنوب شمال میں پھیلتی ہے ساتھ ہی نیچے سے اوپر چڑھتی جاتی ہے، برعکس سپیدی کاذب کے کہ اوپر سے نیچے بڑھتی آتی تھی یہاں تک کہ اب وہ عمود سپید رفتہ رفتہ اس منتشر سپیدی میں گم ہوتے ہوتے فنا ہوجاتا ہے یعنی اُس کے اطراف کی

---

[1] القرآن ۲/۱۸۷

ساری سیاہی کو سپیدی گھیر لیتی ہے اور اب اس عمود کی صورت متمیز نہیں رہتی ان صورتوں پر

مثال ۱ ۲ مثال ۳ مثال

(۶) اب یہ سپیدی جس طرح آسمان پر بڑھی زمین کی جانب بھی متوجہ ہوتی اور صحن و بام کو روشن کر دیتی ہے یہ وقت اسفار ہے کہ نماز صبح کا مستحب وقت ہے اور اس پہلے اندھیرے میں پڑھنی خلافِ مستحب۔

(۷) جب آفتاب اور زیادہ قریبِ افق آتا ہے یہ سپیدی سُرخی لاتی ہے پھر سنہراپن پھر چمکدار سپیدی اُس کے متصل طلوعِ آفتاب ہے، پانچویں شکل جو اجماعی صبح ہے اسے جانے دیجئے، تو چوتھی شکل بھی اس رمضان مبارک اور اس سے پہلے کے متعدد رمضانوں میں بریلی وشاہجہان پور میں تیسری شب کی صبح اُن گھڑیوں سے بھی جو پارسال تک حال کی گھڑیوں سے نو منٹ کم تھیں کبھی کسی دن ٹھیک پانچ بجے بھی نہ ہُوئی اور اخیر تاریخوں میں جو چاہے آزما کر دیکھ لے، سوا پانچ بجے تک بھی ہر گز نہ ہو گی تو چار بج کر ۴۰ منٹ پر روزہ نہ ہونے کا حکم کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے تمیز کے لیے ایک اور پہچان گزارش کروں، آسمان پر چند کواکب سے ایک شکل حرف کاف بنتی ہے اس وضع پر یہ کاف آج کل پچھلی رات کو طالع ہوتا ہے اس سے ایک نیزے کے فاصلے پر ان دنوں بڑا روشن ستارہ زہرہ ہے، بریلی میں صبح کاذب کا عمود آج کل اس کاف کے الف یعنی حصہ وسطانی کے گرد ہوتا ہے اور زہرہ تک پھیلتا ہے پھر زہرہ کے دونوں پہلوؤں سے جنوب و شمال کو صبح صادق تجلی کرتی ہے اس شکل پر، اوقات کے متعلق تجلی کرتی ہے اس شکل پر،
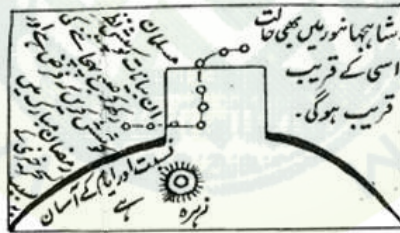
اوقات کے متعلق بیان سے فراغ ہوا۔ رہے مسائل مذکورہ اشتہار، ان میں بھی سخت اغلاط بشدت ہیں، مثلاً: اول ہلالِ رمضان بحال ابر و غبار ایک ثقہ کی گواہی شرط کرنی اس مذہب معتمد وظاہر الروایۃ مصححہ کے خلاف ہے کہ اجلہ ائمہ مثل امام شمس الائمہ حلوانی وامام برہان الدین فرغانی وامام بزازی وغیرہم نے جس کی تصحیح فرمائی اور نظر بحال زمانہ اس پر اعتماد واجب ہے کہ یہاں شہادت مستور بھی مقبول ہے یعنی جس کا فسق معلوم نہیں اور اس کا ظاہر حال صلاح ہے محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تصریح فرمائی کہ ہلالِ رمضان میں ثقہ وغیر ثقہ دونوں کی شہادت مقبول ہے غیر ثقہ سے وہی مستور مراد جس کی عدالت باطنی مجہول ہے آج کل ثقہ کی کمیابی ظاہر ہے تو اس ظاہر الروایۃ

مصححہ بالتصریح سے عدول صریح جہل نامقبول، کافی امام حاکم شہید میں ہے:

تقبل شهادة المسلم والمسلمة عدلاكان الشاهد او غير عدل[1]۔	مسلمان مرد اور عورت کی شہادت مقبول ہوگی خواہ شاہد عادل ہو یا نہ ہو۔(ت)

درمختار میں ہے: صححه البزازی[2] (اس کو بزازی نے صحیح قرار دیا ہے۔ت) فتح القدیر میں ہے: وبه اخذ الحلوانی[3] (اسے حلوانی نے اختیار کیا ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

وكذاصححه فی المعراج والتجنيس ومشى عليه فی نورالايضاح وانه ظاهر الرواية ايضا فا لحاكم الشهيد فی الكافی جمع كلام محمد فی كتبه التی هی ظاهر الرواية والمراد بغير العدل المستور[4]۔ملخصًا	معراج اور تجنیس میں اسے صحیح کہا، نورالایضاح نے بھی اسی کو اختیار کیا، اور ظاہر روایت بھی یہی ہے تو حاکم شہید نے الکافی میں امام محمد کا وہ کلام جمع کیا ہے جو ان کی کتب میں مذکور ہے اور یہی ظاہر الروایۃ ہے اور غیر عادل سے مراد مستور الحال ہونا ہے(ت)

دوم: قبول شہادت کے لیے مطابقت قواعد شرعیہ کے ساتھ مطابقت قواعد عقلیہ کی قید بڑھانی بھی خلافِ مذہب معتمد ہے، رؤیت ہلال میں جس قدر عقلی بات کہ شرع مطہر نے بھی قبول فرمائی ہے مثلاً اٹھائیس کو چاند نہیں ہوسکتا اُتنی قواعد شرعیہ میں آگئی اس سے زائد جو قواعد اہلِ ہیئت نے دربارہ ہلال اپنے ظنون و تخمینات سے گھڑے ہیں شرع نے اصلاً اُن کی طرف التفات نہ فرمایا اور صراحتًا ارشاد فرمایا:

انا امة امية لانكتب ولا نحسب الشهر هكذا وهكذا وهكذا[5] الحديث	ہم اُمّی امت ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ ہی حساب جانتے ہیں مہینہ اس طرح، اس طرح، اس طرح ہے، الحدیث۔(ت)

درمختار میں ہے:

لاعبرة بقول الموقتين ولوعد ولا	مذہب کے مطابق نجومیوں کا قول مقبول نہیں اگرچہ

---

[1] ردالمحتار بحوالہ کافی للحاکم کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۹۹-۹۸

[2] درمختار، کتاب الصوم مجتبائی دہلی، ۱/۱۴۸

[3] فتح القدیر، کتاب الصوم، نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۵۰

[4] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۹۹-۹۸

[5] سنن ابی داؤد کتاب الصوم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۱۷

علی المذھب[1]۔	وُہ عادل ہوں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

بل فی المعراج لایعتبر قولھم بالاجماع ولا یجوز للمنجم ان یعمل بحساب نفسہ[2]۔	بلکہ معراج میں ہے کہ نجومیوں کا قول بالاتفاق معتبر نہیں، اور منجم کے لیے اپنے حساب پر بھی عمل کرنا جائز نہیں۔ (ت)

اقول: یہ شرع مطہر عالمِ ماکان ومایکون کے ارشادات ہیں عالم امّی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ سیر نیرین ضرور اُس عزیز علیم کے حساب مقدر پر ہے ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ[3] (یہ سادھا ہے زبردست جاننے والے کا۔ت) اور کیوں نہ معلوم ہوتا حالانکہ انہیں پر نازل ہوا کہ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ[4] (سورج اور چاند حساب سے ہیں۔ت) بااینہمہ اس عالم حقائق عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے درباب رؤیت ہلال حساب کو یک لخت ابطال واہمال فرمایا کہ حضور جانتے تھے کہ یہ اُن محاسبات قطعیہ سے نہیں جن کا ذکر کریمہ بحسبان میں ہے بلکہ ناقص ونامنضبط متاخرین اہل ہیئت کے تخمینات ہیں جن کا تخلف دشوار نہیں، ولہٰذا امام اہلِ ہیئت بطلیموس نے مجسطی میں باآنکہ ثوابت تک کے ظہور واخفاء کے لیے فصل جداگانہ وضع کی، رؤیت ہلال کا اصلاً ذکر نہ کیا کہ وُہ اصلاً اس کے انضباط پر قادر نہ ہوا اور متاخرین نے جو کچھ لکھا اُن شدید باہمی اختلافات کے بعد (جو مطالعہ شرح مواقف وشرح زیج سلطان وغیرہ سے ظاہر ہیں) خود بھی کوئی ضابطہ صحیحہ نہ بتاسکے اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ[5] (وُہ پیچھے نہیں جاتے مگر گمان کے اور وُہ تو نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔ت) کے مصداق رہے، ولہٰذا منجمین کے ان حسابات میں اکثر خطا پڑی ہے، ابھی چند سال کا ذکر ہے کہ رمضان مبارک جنتریوں میں بلااشتباہ ۳۰ روز کا لکھا تھا اور یہاں سے نقشہ سحری وافطار میں ۲۹ دن کا مہینہ شائع ہوا بالفضلہٖ تعالٰی ایسی صاف عام رؤیت ۲۹ کی ہوئی جس میں اصلاً اختلاف نہ ہوا، مخالفین میں سے ایک صاحب نے بعض خاص احباب سے کہا میں ۲۹ کو نقشہ ہاتھ میں لیے منتظر رہا

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۸
[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۰
[3] القرآن ۶/ ۹۶
[4] القرآن ۵۵/۵
[5] القرآن ۱۰/۶۶

کہ آج رؤیت نہ ہو اور فوراً نقشہ لے کر پہنچوں کہ ۲۹ کا مہینہ کب ہُوا، حالانکہ یہ اُن کی خام خیالی تھی، یہاں نقشوں میں تصریح کردی جاتی ہے کہ بر بنائے قواعد علم ہیئت ہے، شرع مطہر میں رؤیت پر مدار ہے، اگر رؤیت اس کے خلاف ہو نقشہ پر لحاظ نہ ہوگا، بالجملہ ایسے قواعد عقلیہ کیا قابلِ لحاظ ہو سکتے ہیں جن کے سبب ثقہ عادل کی شہادتِ شرعیہ رَد کی جائے۔

وبه ظهر الجواب عما ذكرهنا الامام السبكى الشافعى ان الشهادة ظنية والحساب قطعى فانه رحمه الله تعالٰى ظن انه كسائر حسابات الهيئة من الطلوع والغرب والتحويل والتقويم والخسوف وليس كذلك بل هو مثل حساب وقت الكسوف بداية ونهاية بل ادون رتبة فانه يتم بعد تكرار الاعمال الطوال مرة بعد اخرى بخلاف هذاومن جرب تجربتى عرف معرفتى لا جرم رده كل من جاء بعده من محققى الشافعية ايضاو حققوا ان العبرة بالشهادة الشرعية وان خالفت تلك القواعد العقلية كما فصله فى رد المحتار۔	اس سے امام سبکی شافعی کی گفتگو کا جواب بھی آگیا کہ شہادت ظنی ہے اور حساب قطعی، کیونکہ انہوں نے اسے باقی حسابات مثلاً طلوع، غروب، تحویل، تقویم اور خسوف کی حالت پر قیاس کیا ہے حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ تو ابتداء و انتہا کے اعتبار سے کسوف بلکہ رتبہ کے اعتبار سے اس سے بھی کم درجہ پر ہے کیونکہ یہ یکے بعد دیگرے تکرار عمل سے تام ہو جاتا ہے بخلاف مذکورہ کے، جو بھی مجھ جیسا تجربہ کرے گا اسے ہماری طرح ہی معرفت ہو گی، یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد آنے والے محققین شوافع نے بھی ان کا رَد کیا ہے اور یہی ثابت کیا کہ اعتبار شہادت شرعیہ کا ہے اگرچہ وُہ قواعد عقلیہ کے مخالف ہو، جیسا کہ اس کی تفصیل ردالمحتار میں ہے۔(ت)

سوم: رمضان مبارک میں بحال صفائی مطلع ایک ثقہ کی گواہی مطلقاً رَد کر دینا مذہب منقح کے خلاف ہے بلکہ وہ بتصریح محرر مذہب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی اس حالت سے مقید ہے جبکہ اس اکیلے کا رؤیت سے تفرد خلاف ظاہر ہو ورنہ اگر بیرون شہر سے آیا اور اہلِ شہر نے نہ دیکھا یا یہ بلندی پر تھا اور لوگ زمین پر، یا لوگوں نے تلاشِ ہلال میں کوشش نہ کی تو صفائے مطلع میں بھی ایک کی شہادت ظاہر الروایۃ مصححہ معتمدہ منقحہ پر مقبول ہے۔ درمختار میں ہے:

صحح فى الاقضيه، الاكتفاء بواحد، ان جاء بخارج البلد اوكان على	کتاب الاقضیہ میں اس بات کی تصحیح ہے کہ ایک گواہ پر اکتفاء درست ہے جبکہ وہ بیرون شہر سے

مکان مرتفع واختارہ ظھیرالدین[1]۔	کتاب الاقضیہ میں اس بات کی تصحیح ہے کہ ایک گواہ پر اکتفاء درست ہے جبکہ وہ بیرون شہر سے آیا ہو یا وُہ کسی جگہ بلند پر ہو، اور ظہیرالدین نے اسی کو مختار کہا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

واعتمدہ فی الفتاوی الصغری ایضا وھو قول الطحاوی واشارالیه الامام محمد فی کتاب الاستحسان من الاصل قال فی النھایۃ اذاجاء من خارج المصر اوکان فی موضع مرتفع فانه یقبل عندنا اھ فقوله عندنا یدل علٰی انه قول ائمتناالثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم وقد جزم به فی المحیط وعبر عن مقابله بقیل ففیه التصریح بانه ظاھرالروایۃ وھو کذلک، ویظھر لی ان لامنافاۃ بینھما لان روایۃ اشتراط الجمع العظیم محمولۃ علٰی مااذاکان الشاھد من المصرفی مکان غیر مرتفع فتکون الروایۃ الثانیۃ مقیدۃ لاطلاق الروایۃ الاولٰی الخ اھ باختصار[2]۔	فتاوٰی صغرٰی میں بھی اسی پر اعتماد کیا ہے اور یہی امام طحاوی کا قول ہے، امام محمد کی اصل کتاب الاستحسان میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، فرمایا: نہایہ میں ہے جب گواہ بیرونِ شہر سے آیا ہو وہ کسی بلند جگہ پر ہو تو ہمارے نزدیک اس کی گواہی مقبول ہوگی اھ نہایہ کا عندنا یہ واضح کررہا ہے کہ یہ تینوں ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا قول ہے۔ محیط میں اس پر جزم ہے اور اس کے مقابل قول "قیل" سے ذکر کیا اور اس میں تصریح ہے کہ یہ ظاہر الروایت ہے، اور وُہ اسی طرح ہے، میرے نزدیک ان روایات میں کوئی منافات نہیں کیونکہ یہ روایت کہ جم عظیم کا ہونا ضروری ہے، یہ اس صورت پر محمول ہے جب گواہ شہری بلند جگہ والا نہ ہو، تواب دوسری روایت پہلی مطلق روایت کے لیے مقید بن جائے گی الخ اھ اختصارًا(ت)

یہاں تین ۳ روایتیں ہیں اور تینوں مصحح، اور تینوں ظاہر الروایۃ ہیں، اور فقیر نے اپنی تعلیقات حاشیہ شامی میں بیان کیا ہے کہ وُہ سب اپنے اپنے محامل پر مقبولہ معمولہ ہیں، اور فقہ میں بڑا کام یہی قول منقح کا ادراک ہے **وباللہ التوفیق**۔

چہارم: جب رمضان دو ۲ عادلوں کی شہادت سے ثابت ہُوا ہو اور ۳۰ روزوں کے بعد اکتیسویں شب

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۸

[2] درمختار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۱

باوصف صفائے مطلع ہلال نظر نہ آئے تو علماء کو اختلافِ شدید ہے ایسی نادر صورت کے ذکر کی اشتہار میں حاجت نہ تھی، اور ذکر ہوا تومذہب مفتی بہ کا اتباع ضرور تھا اور یہاں مفتی بہ یہی ہے جس کے ضعف کی طرف اشتہار میں اشعار کیا یعنی عید کرلی جائے اگرچہ چاند نظر نہ آئے، بلکہ علامہ نوح نے فرمایا کہ یہی مذہب ہمارے ائمہ ثلاثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ہے، اور دوسرا قول کہ ۳۱ روزے رکھے جائیں صرف بعض مشائخ کا ہے تواس تقدیر پر تو وُہ اصلاً قابلِ لحاظ نہ رہا۔ تنویر الابصار میں ہے:

بعد صوم ثلثین عدلین حل الفطر[1]۔	تیس روزوں کے بعد دو ۲ عادل گواہوں کی شہادت پر عید الفطر جائز ہوتی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای اتفاقاان کانت لیلة حادی والثلثین متغیمة وکذا لومصحیة علی ماصححه فی الدرایة والخلاصة والبزازیة[2]۔	یعنی یہ جواز بالاتفاق ہے جب اکتیسویں رات مطلع ابر آلود ہو اور درایہ، خلاصہ اور بزازیہ کی تصحیح کے مطابق اگر مطلع ابر آلود نہ بھی ہو تب بھی یہی حکم ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

ونقل العلامة نوح الاتفاق علی حل الفطر فی الثانیة ایضاعن البدائع والسراج والجوهرة قال والمراد اتفاق ائمتنا الثلثة وما حکی فیها من الخلاف انما هو لبعض المشائخ، قلت وفی الفیض، الفتوی علی حل الفطر[3]۔	علامہ نوح نے بدائع، سراج اور جوہرہ سے نقل کیا کہ دوسری صورت (جب اکتیسویں رات مطلع ابر آلود نہ ہو) میں بھی جواز عید الفطر پر بھی اتفاق ہے اور پھر کہا یہاں اتفاق سے مراد ہمارے تینوں ائمہ کا اتفاق ہے اور اس میں جو اختلاف منقول ہے وُہ بعض مشائخ کا ہے۔ میں کہتاہُوں فیض میں ہے فتوی جواز فطر پر ہے (ت)

مذہب مفتی بہ بلکہ اپنے تمام ائمہ کے مذہب صحیح و معتمد کو ضعیف بتانا اور اُس کے مقابل بعض مشائخ کے قول

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۲

[3] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۲

پر اعتماد کرنا بحکم در مختار و تصحیح القدوری وغیرہما جہل وخرقِ اجماع ہے۔

پنجم: ۳۰ شعبان کو مطلع صاف ہونے کے ساتھ یومِ شک کی تخصیص محض باطل ہے بلکہ مطلع صاف نہ ہو تو ۲۹ شعبان کے بعد کا دن بالاتفاق یوم الشک ہے اور بہ نیتِ رمضان اس کا روزہ رکھنا ممنوع، اختلاف اگر ہے تو اس میں ہے کہ بحال صفائے مطلع بھی ۳۰ شعبان یوم الشک ہے یا نہیں، معراج الدرایہ شرح ہدایہ و مجتبٰی شرح قدوری و جامع الرموز شرح نقایہ میں تصریح کی کہ وہ اصلاً یوم الشک نہیں، اور در مختار میں بحوالہ شرح مجمع العینی زاہدی سے نقل کیا کہ بربنائے عدمِ اعتبار اختلاف مطالع وہ بھی یوم الشک ہے کہ شاید کہیں اور رؤیت ہوئی ہو، ردالمحتار میں ہے:

القهستانی قیده بما اذا غم فلو مصحیة ولم یر احد فلیس بیوم شك اه ومثله فی المعراج عن المجتبٰی[1]۔	قہستانی نے اسے اس صورت کے ساتھ مقید کیا جب مطلع ابر آلود ہو، اگر مطلع ابر آلود نہ ہوا اور کسی نے چاند بھی نہ دیکھا ہو تو یہ یومِ شک نہ ہوگا اھ معراج میں مجتبٰی کے حوالے سے اسی طرح منقول ہے۔(ت)

در مختار میں ہے:

هو یوم الثلثین من شعبان وان لم یکن علة ای علی القول لعدم اعتبار اختلاف المطالع لجواز تحقق الرؤیة فی بلدة اخری، شرح المجمع للعینی عن الزاهدی[2]۔	یومِ شک شعبان کا تیسواں دن ہوگا اگرچہ علّت نہ ہو (یعنی مطلع صاف ہو) یعنی اس قول پر جس میں اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں کیونکہ کسی دوسرے شہر میں رؤیت کا ثبوت ہوسکتا ہے۔ یہ امام عینی کی شرح المجمع میں زاہدی کے حوالے سے منقول ہے۔(ت)

اقول: تو کلام زاہدی مضطرب ہوا اور کلام معراج معارض سے سالم رہا اور اُسی کے مثل تبیین الحقائق وغیرہ معتمدات میں ہے اور وہی اظہر وازہر ہے کہ شک استوائے طرفین کی حالت ہے۔یہی بحر الرائق میں ہے:

هو استوا طرفی الادراك من النفی والاثبات[3]۔	نفی واثبات کے ادراک کی دونوں اطراف کے برابر ہونے میں شک ہے(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۹۵

[2] در مختار کتاب الصوم مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۷

[3] بحر الرائق کتاب الصوم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۴۶

اور جبکہ مطلع صاف ہو اور چاند اصلاً نظر نہ آئے تو صرف اس احتمال بعید پر کہ شاید کہیں اور سے رؤیت کا ثبوت آجائے شک متحقق ہونا کس درجہ بعید ہے۔

فان مجرد الرؤیة بلدة اخری لا یلزمنا مالم تثبت بطریق شرعی وھو احتمال لاعن دلیل فلا یعارض الظن الحاصل من استقراء الحس الصحیح فی المرای الصریح فافھم۔	محض دوسرے شہر میں دیکھ لینا ہمارے لیے لزوم کو کافی نہیں جب تک طریقِ شرعی سے اس کا ثبوت نہ ہو، یہ تو بغیر دلیل محض احتمال ہے، اب یہ اس ظن کے مقابل و معارض کیسے ہوسکتا ہے جو حس صحیحہ سے رؤیت صحیحہ میں حاصل ہوتا ہے غور کرو(ت)

ششم: یہ کہنا کہ جو لوگ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کرتے اُن کے قول پر روزہ شک کا جائز ہونا چاہئے سخت عجیب، اور دونوں قول سے مخالف و غیر مصیب ہے ۳۰ شعبان کو جب رؤیت نہ ہو تو اس میں ہر گز اختلاف قولین نہیں کہ اُس دن روزہ رمضان رکھنا گناہ ہے، اختلاف علت حکم میں ہے، جو بحال صفائے مطلع اُسے یوم الشك نہ قرار دیں، اُن کے نزدیک اس لیے کہ لاتقدموا رمضان بصوم یوم ولا یومین (رمضان سے پہلے ایک یا دو دن روزہ نہ رکھو۔ت)، خود اشتہار میں در مختار سے نقل کیا:

اما علی مقابله فلیس بشك ولا یصام اصلا[1]۔	اسکے مخالف قول پر یوم شک نہیں تو اب ہر گز روزہ نہ رکھا جائے گا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ولا یجوز صومه ابتداء لا فرضا ولا نفلا[2]۔	رمضان سے پہلے نہ فرضی روزہ رکھا جائے اور نہ نفلی(ت)

اسی میں ہے:

لانه احتیاط فی صومه للخواص بخلاف یوم الشک[3]۔	اس لیے کہ اس روزہ کے رکھنے میں خواص کے لیے کچھ احتیاط نہیں بخلاف یومِ شک کے۔(ت)

[1] در مختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۷
[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۹۵
[3] ردالمحتار کتاب الصوم ۲/ ۹۶-۹۵

اور جو اس حال میں بھی یوم الشك کہیں ان کے نزدیک اس لیے کہ:

من صام یوم الشك فقد عصی اباالقاسم صلی الله تعالٰی علیه وسلم[1]۔	جس نے یومِ شک کا روزہ رکھا اس نے حضور ابوالقاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔(ت)

در مختار میں ہے:

لایصام یوم الشك هو یوم الثلثین من شعبان وان لم یکن علة الاتطوعا ویکرہ غیرہ[2]۔(ملخصا)	یومِ شک میں روزہ نہ رکھا جائے اور یہ شعبان کا تیسواں دن ہوسکتا ہے اگرچہ کوئی علت نہ ہو، ہاں نفلی روزہ رکھا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ مکروہ ہے (ت)

ہفتم: اس ایجادی اختراعی حکم کی یہ تعلیل" کیونکہ بالضرور دنیا میں اس روز چاند ہوا ہوگا"اس بالضرور پر کیا دلیل، خود ہی اشتہار میں در مختار و شرح مجمع عینی سے اتنا نقل کیا کہ: لجواز تحقق الرؤیة فی بلدة اخری[3] (کیونکہ دوسرے شہر میں رؤیت کا ثبوت ہوسکتا ہے۔ت) نہ کہ لوجوب وقوع الرؤیة فی مکان من الدنیا (دنیاکے کسی گوشے میں رؤیت کا وقوع واجب ولازم۔ت)

ہشتم: اگر ہر ۲۹ کو کہیں نہ کہیں رؤیت ہونی ضرور ہو تو عدم اعتبار اختلاف مطالع پر کہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا وہی مذہب ہے اور اسی پر فتوی اور اسی پر اعتماد ہے ہمیشہ رمضان ۲۹ ہی دن کا ہونا لازم ہو کہ بالضرور دنیا میں چاند ہوا ہوگا اور اختلافِ مطالع معتبر نہیں حالانکہ یہ اجماعِ اُمّت و نصوص صریحہ کے خلاف ہے۔

نہم: جب بالضرورۃ کہیں نہ کہیں رؤیت ہونی معلوم، تو ائمہ کا ارشاد کہ ثبوتِ شرعی مثل شہادت و استفاضہ شرعیہ سے دوسری جگہ رؤیت ہونی ثابت ہو تو ہم پر لازم ہوگا ورنہ نہیں کما نص علیه فی الدر المختار وسائر الاسفار (جیسا کہ در مختار اور دیگر کتب میں اس پر تصریح ہے۔ت) محض لغو و مہمل بلکہ غلط و باطل ہو، کہ جب یقینا دوسری جگہ وقوعِ رؤیت معلوم ہے تو یقین سے زیادہ اور کون سا ثبوت چاہئے، کیا ضروریات کے لیے بھی گواہی کی حاجت ہے افسوس کہ علماء نے طریق موجب شرعی سے

---

[1] سنن ابی داؤد باب کراہیۃ صوم یوم الشک آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۱۷ (۹۵-۹۶/۲)
[2] در مختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۷
[3] در مختار، کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۷

مقید کیا، اشتہاری فتوی دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ خود ہی بالضرور ثابت ہے **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

دہم: اب یہ تعلیل عجب ہوگی کہ خود مدعا کا ابطال محض کرے گی، جب بالضرورت رؤیت معلوم تو جو لوگ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں کرتے ان کے نزدیک یہ **یوم الشك** کدھر سے آیا بلکہ یقین یوم الیقین ہے اور روزہ جائز ہونا کیا معنی، بلکہ فرض ہونا چاہئے کہ یقینا رمضان ہے، بالجملہ ہر ۲۹ کو کہیں نہ کہیں رؤیت ضروری و لازم مان لینا معاذاللہ ائمہ کرام کو مخالفِ اجماعِ مسلمین و مخالفِ نصوص قاطعہ و مجانین قرار دینا ہے جس پر راضی نہ ہوگا مگر بد دین یا مجنون، ہاں احتمال کہئے، پھر اگر ہوا تو **یوم الشك** ہوا اور **یوم الشك** کا روزہ جائز نہیں، پھر جواز کدھر سے آیا۔

یازدہم: رمضان و فطر میں اعتبار اختلاف مطالع کو قول محققین حنفیّہ و محدثین مذہب و مجتہدین روایات فقہیہ قرار دینا محض غلط تہمت ہے بلکہ اُس کا عدمِ اعتبار ہی ہمارے ائمہ کرام و مجتہدینِ عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مذہب ہے اور اسی پر فتوی ہے، اور اسی پر جمہور، اور یہی احوط واقوی من حیث الدلیل، تو بوجوہ کثیرہ اسی پر عمل واجب، اور اس سے عدول ہر گز جائز نہیں۔ تنویرالابصار و در مختار و بحرالرائق و فتاوٰی خلاصہ وغیرہ میں ہے:

اختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاھر المذھب و علیه اکثر المشائخ وعلیه الفتوی[1]۔	ظاہر مذہب پر اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، اکثر مشائخ کی یہی رائے ہے اور اسی پر فتوی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھو المعتمد عندنا عند المالکیة والحنابلة[2]۔	ہمارے، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں یہی معتمد ہے (ت)

فتح القدیر میں ہے: **الاخذ بظاھر الروایة احوط**[3] (ظاہر الروایۃ پر عمل احوط ہے۔ت) بحرالرائق میں ہے: **الاحتیاط، العمل باقوی الدلیلین**[4] (دونوں دلیلوں سے قوی پر عمل بہتر ہے۔ت)

---

[1] در مختار، کتاب الصوم، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۴۹
[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۵
[3] فتح القدیر، کتاب الصوم، نوریہ رضویہ سکھر، ۲/۲۴۳
[4] ردالمحتار بحوالہ النہر خطبہ کتاب مصطفی البابی مصر ۱/۵۴

عقود الدریہ میں ہے: العمل بما علیه الاکثر [1] (عمل اس پر کیا جائے جس پر اکثر ہوں۔ت) فتاوٰی خیریہ میں ہے:

صرحو ابه ان ماخرج عن ظاهر الروایة لیس مذهبا لابی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه ولاقولا له [2]۔	فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ ظاہر الروایۃ سے جو خارج ہے وُہ نہ تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہوتا ہے اور نہ ہی قول (ت)

بحر میں ہے:

ما خرج عن ظاهر الروایة فهو مرجوع عنه و المرجوع عنه لم یبق قولاله [3]۔(ملخصًا)	جو ظاہر الروایۃ سے خارج ہو وہ قول مرجوع عنہ ہوتا ہے اور مرجوع عنہ آپ (امام اعظم) کا قول نہیں ہوتا۔(ت)

شامی میں ہے:

ماخالف ظاهر الروایة لیس مذهبا لاصحابنا [4]۔	جو قول ظاہر الروایۃ کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں ہوتا (ت)

اسی میں ہے: العمل بما علیه الفتوی [5] (جس پر فتوی ہو اس پر عمل کیا جائے۔ت) تو ان تمام عظیم قولوں کے خلاف دو ایک متاخرین علماء کا قول خلاف کو اشبہ کہہ دینا کیا شبہ ڈال سکتا یا کیا قابلِ التفات ہوسکتا ہے، در مختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع [6]۔	قول مرجوح پر فیصلہ اور فتوی محض جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے۔

---

[1] عقود الدریۃ، مسائل وفوائد شتّٰی من الحظر والاباحۃ حاجی عبدالغفار و پسران قندھار افغانستان ۳۵۶/۲
[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۵۲/۱
[3] بحر الرائق کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۷۰/۶
[4] ردالمحتار کتاب احیاء الموات، داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۷۸/۵
[5] ردالمحتار باب صدقۃ الفطر داراحیاء التراث العربی بیروت ۷۸/۲
[6] در مختار مقدمہ کتاب، مجتبائی دہلی، ۱۵/۱

کقول محمد مع وجود قول ابی یوسف اذا لم یصحح او یقووجھه واولی من ھذا بالبطلان ،الافتاء بخلاف ظاھر الروایة اذا لم یصحح والافتاء با لقول المرجوع عنه[1] اھ۔	جیسا کہ امام محمد کا قول امام ابو یوسف کا قول کی موجودگی میں جبکہ اس کی تصحیح نہ کی گئی ہو یا اس کی دلیل قوی نہ ہو اور اولٰی بالبطلان ہے ظاہر الروایۃ کے مخالف پر فتوٰی دینا جبکہ اس کی تصحیح نہ کی گئی ہو اور اسی طرح قول مرجوع عنہ پر فتوٰی دینا ہے اھ (ت)

دوازدہم اقول: وباﷲ التوفیق ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم جس پر عرش تحقیق مستقر فرمائیں وُہ ایسا نہیں ہوتا کہ اس کے ارکان کسی کے متزلزل کئے متزلزل ہوجائیں، رؤیت ہلال میں اختلافِ مطالع معتبر ماننے والے ذرا سمجھ کر بتائیں کہ اس اعتبار سے کیا مراد، اور وہ کتنی مسافت ہے جس میں اختلافِ مطالع معتبر ہوگا:

اوّلاً اس کے قائلین اس بارے میں خود مختلف ہیں اور مختلف بھی اتنے کہ آٹھ گنے کا فرق، جواہر ولباب وغیرہما میں اُسے ایک مہینہ کی راہ سے مقدر کیا، روزانہ بارہ کوس کی منزل معتاد کے لحاظ سے ازانجا کہ میل یہاں کے کوسوں کا ۸/۵ ہے ۲ء۱۹ میل مسافت یکروزہ ہوئی اور مہینہ بھر کی راہ ۵۷۶ میل جس کے ۱۹۲ فرسخ ہُوئے، جواہر میں اس تحدید پر قصہ سیدنا سلیمان علیہ الصّلوٰۃ والسلام سے استدلال کیا:

غُدُوُّھَاشَھْرٌوَّرَوَاحُھَاشَھْرٌ ج[2] قال فانه قد انتقل کل غدوورواح من اقلیم الی اقلیم وبین کل منھما مسیرة شھر[3]۔	اس کی صبح کی منزل ایک مہینہ کی راہ اور شام کی منزل ایک مہینہ کی راہ۔ فرمایا وہ ہر صبح وشام ایک اقلیم سے دوسرے اقلیم کی طرف تشریف لے جاتے اور ان کے درمیان ایک ماہ کی مسافت ہوتی۔ (ت)

یہ دلیل جیسی ہے رُویش بیبیں وحالت بپرس (اس کا چہرہ دیکھو اور اس کا حال پوچھو۔ت) ولہذا ایقاظ الوسنان میں اسے نقل کرکے کہا: فی دلالة القصة علٰی ذٰلك نظر[4] (اس مسئلہ پر واقعہ کی دلالت محلِ نظر ہے۔ت)

---

[1] ردالمحتار مقدمہ کتاب مطلب لایجوز العمل بالضعیف حتی لنفسہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵

[2] القرآن ۳۴/۱۲

[3] تنبیہ الغافل والوسنان عن رسائل ابن عابدین بحوالہ القہستانی عن الجواہر سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۵۰

[4] تنبیہ الغافل والوسنان عن رسائل ابن عابدین بحوالہ القہستانی عن الجواہر، سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۵۰

ردالمحتار میں فرمایا: لایخفی مافی ھذاالاستدلال[1] (اس استدلال میں جو نظر ہے ہو مخفی نہیں۔ت) تاج تبریزی نے کہا: بہتّر میل سے کم میں اختلاف مطالع ممکن نہیں۔ علامہ رملی شافعی نے شرح منہاج میں اسی کو اختیار کیا اور اسی پر اپنے والد کا فتوٰی بتایا۔ ایقاظ الوسنان میں اسی کو اولٰی کہا،

حیث قال فالاول ای ماذکر التاج من ان اختلاف المطالع لایمکن فی اقل من اربعۃ و عشرین فرسخا اولی لان الظاھر من قولہ لایمکن الخ انہ قدرہ بالقواعد الفلکیۃ ولا مانع من اعتبارھا ھٰھنا کاعتبارھا فی اوقات الصلٰوۃ[2]۔	الفاظ یہ ہیں کہ پہلا قول کہ تاج تبریزی نے جو ذکر کیا کہ اختلاف مطالع چوبیس فرسخ سے کم ممکن نہیں اولٰی ہے کیونکہ یہ ان کے قول لایمکن الخ سے ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے قواعد فلکیہ سے اندازہ لگایا ہے اور اس مقام پر ان کا اعتبار کرنے میں کوئی مانع نہیں جیسا کہ اوقاتِ نماز میں ان کا اعتبار ہے۔(ت)

کہاں چوبیس ۲۴ کہاں ایک سو بانوے ۱۹۲، پُورے آٹھ گُنے کا فرق ہے، اور ضرور ہونا تھا کہ ائمہ مجتہدین کا نورِ علم اس کے ساتھ نہیں،

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾[3]۔	اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔(ت)

ثانیًا سب حضرات نے مطلق فرمایا کوئی تخصیص سمت وجانب کی نہ رکھی حالانکہ معظم معمورہ خصوصًا بلاد ہندوستان اور اُن کے امثال کثیرہ مثل خطہ مقدسہ عرب وغیرہ میں جہاں عرض میل کلی کے اندر ہے یا اُس سے بہت متفاوت نہیں، یہ اختلاف معتبر ہو تو یونہی کہ غربی شہر کی رؤیت شرقی پر حجت نہ ہو کہ ممکن کہ شرقی میں وقت غروب شمس فصل نیرین کم تھا قمر کا شعاع شمس سے انفصال قابل رؤیت ہلال نہ ہوا تھا جب حرکت فلکیہ نیریں کو بلد غربی کی افق پر لے گئے اتنی دیر میں انفصال بقدر استہلال ہوگیا مگر غربی میں شرقی کی رؤیت مطلقًا کیوں نامعتبر ہو خصوصًا جب کہ عرض متحد یا متقارب ہو کہ اضطجاع وانتصاب افق یکساں ہو، پُرظاہر کہ جب مشرق میں بعد قابلِ رؤیت ہو چکا تھا تو غربی میں تو اور زیادہ فصل و ظہور ہو جائے گا، اور جنوب و

---

[1] ردالمحتار مطلب فی اختلاف المطالع مصطفی البابی مصر ۱۰۵/۲

[2] تنبیہ الغافل والوسنان من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲۵۰/۱

[3] القرآن ۸۲/۴

شمال میں ۲۴فرسخ درکنار ۱۹۲ کا فصل ہونا ضرور نہیں، فرض کیجئے آفتاب شمالی ہے اور قمر وقت استہلال عدیم المیل اور ایک شہر خطِ استواء سے ۸ درجہ شمال کو ہے کہ ایک مہینہ کی راہ سے کم، فاصلہ ہوا، اور دوسرا سترہ ۱۷ درجے کہ دو مہینے سے بھی زیادہ فصل ہُوا اس لئے کہ غایت تدقیق کے بعد ثابت ہوا ہے کہ زمین [عہ] کا ایک درجہ ۳۶۵۱۵۵ قدم ہے اور قدم ۱/۳ گز اور میل ۱۷۶۰ گز، تو ایک درجہ ارضیہ ۶۹،۱۲۹ میل ہوا، راہ ایک ماہ، ۵۷۶ کو اس پر تقسیم کئے سے ۸،۳۰۳۰۲۷۷ ہوتے ہیں یعنی ۵۴ً ۱۸َ ۱۰َ ۸ُ ح لح ی ند اور تینوں شہر ایک ہی نصف النہار کے نیچے ہیں۔ اب فرض کیجئے کہ صورتِ مذکورہ میں خطِ استوا میں رؤیتِ ہلال ہوئی تو شہر ابعد درکنار شہر وسطانی میں بھی رؤیت ضرور نہیں، حالانکہ یک ماہہ راہ سے کم فاصلہ ہے، اس لیے کہ خطِ استوا میں ادھر تو آفتاب جلد ڈوبے گا تو اندھیرا جلد ہو کر رؤیت کا معین ہوگا، ادھر افق منتصب ہے تو آفتاب بعد غروب جلد افق سے دُور ہو کر نورِ شفق کہ عائق رؤیت ہوتا جلد کم ہو جائے گا، اُدھر قمر کا ارتفاع زائد ہے تو دیر تک بالائے اُفق رہے گا اور یہ بھی مؤید رؤیت ہوگا، بخلاف بلد شمالی کہ وہاں سب امور بالعکس ہیں، اور اسی صورت میں فرض کیجئے کہ شہر ابعد میں رؤیت ہوئی تو شہر وسطانی درکنار خط استوا میں بھی بدرجہ اولٰی رؤیت ہوگی کہ مؤیدات رؤیت وہاں بافراط ہیں حالانکہ دوماہہ راہ سے زیادہ کا فاصلہ ہے، تو معلوم ہُوا کہ جنوبًا شمالًا کبھی ایک مہینے سے بھی کم کا فاصلہ اختلاف رؤیت لاتا ہے اور کبھی دو۲ مہینے سے زیادہ کا بھی فاصلہ اختلاف نہیں لاتا۔ اب یہ تقریر اس طرف لے جائے گی کہ شہروں کا باہم بُعد معتبر نہ ہو حالانکہ اختلاف مطالع ماننے والوں کی عبارات اس میں نص ہیں، نہ تفاوتِ عرض معتبر ہو نہ تفاوتِ طول شرقی بلکہ صرف تفاوت طول غربی معتبر ہو، یعنی جس کا طول غربی اس شہر سے یک ماہہ راہ یعنی ۸ درجے ۱۸ دقیقے ہو وہاں کی رؤیت

عہ: **اقول:** اور تدقیق ادق سے ۳۶۴۰۹ قدم اس لیے کہ زمین کا نصف قطر استوائی ۳۹۶۳،۲۹۶ میل ہے اور نیم قطر قطبی ۳۹۴۹،۷۹ پس نیم قطر معدل ۳۹۵۶،۵۴۳ پھر کمال تدقیق ادق سے قطر: محیط::۱: ۳،۱۴۱۵۹۲۶۵ لوغار شمس ۰،۴۹۷۱۴۹۹ ولوغارثم معدل ۳،۵۹۷۳۱۵۹ مجموعہ ۴،۰۹۴۴۶۵۸ پھر نسبت انصاف مثل نسبت اضعاف ہے تو ۱۸۰ کے لوگارثم ۲،۲۵۵۲۷۲۵ کو اس تفریق کیا بلکہ ۱،۸۳۹۱۹۳۳ ۷،۴۴۷۲۷۵ جمع کیا حاصل ۱،۸۳۹۱۹۳۳ اعدوش ۶۹،۰۵۴۷ یہ ایک درجہ محیطیہ کے میل ہُوئے اور گز ۱۲۱۵۳۶ تو قدم ۳۶۴۶۰۹ بالرفع یوں بھی وہی مطلب ثابت ہے کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) اب حاصل قسمت ۸،۳۴۱۲۱۵۸ ہوگا یعنی ۸ درجے ۲۰ دقیقے ۲۸ ثانئے ۲۳ ثالثے ۱۲ امنہ غفر اللہ تعالٰی لہ (م)

معتبر ہو، مگر بنے گی یہ بھی نہیں کہ تفاوتِ عرض بھی قطعًا اختلافِ رؤیت لاتا ہے جس کے بعض وجوہ کی طرف ابھی اشارہ ہو چکا تو اُس کا نظر سے اسقاط ناممکن، تفاوت عرض سے یہاں تک تو ہوگا کہ ایک شہر میں ہلال مرئی ہو اور دوسرے شہر میں چاند اس وقت زیرِ زمین جاچکا ہو رؤیت وعدمِ رؤیت ہلال تو بالائے طاق رہی، غرض یُوں بھی ٹھیک نہیں آتی، اور حقیقتِ امر یہ ہے کہ تحدید کرنے والوں نے محض سرسری طور پر ایک حد کہہ دی تنقیح پر آیئے تو قیامت تک وُہ خود اس کی حد بست نہ کر سکیں گے۔

ثالثًا اس سب سے قطع نظر کیجئے تو اب ہمارا وُہ سوال متوجہ ہے کہ اس اعتبار اختلاف سے کیامراد، آیا دو ۲ شہروں کا ایسا فصل کہ چاند جب اک میں مرئی ہو تو دوسرے میں رؤیت ہمیشہ ناممکن ہو، یہ وہ اختلافِ مطالع ہے جسے معتبر مانتے ہیں یا صرف ایسا فصل کہ ایک میں رؤیت ہونے کے ساتھ دوسرے میں رؤیت نہ ہونا ممکن ہو یہ معتبر ہے، بالجملہ بنظر فاصلہ بلدین دوسرے شہر میں عدمِ امکان چاہئے یا امکان عدم، اوّل تو یقینا باطل ہے دنیا میں کوئی فاصلہ ایسا نہیں کہ ایک جگہ ۲۹ کی رؤیت کو صرف نظر بفصل مسافت بے لحاظ خصوص حال ہلال حال دوسری جگہ محال کرتا ہو، اختلاف معتبر ماننے والوں نے بڑی حد یک ماہہ راہ بتائی، اور انہیں بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ہزارہا بار یہاں بھی ۲۹ کا چاند ہُوا اور یہاں سے مہینوں راہ کے فاصلے پر بھی ہُوا بلکہ جب یہاں ۲۹ کا ہو تو اس عرض میں غرب کو جتنا بڑھیے بدرجہ اولیٰ ۲۹ ہی کا ہوگا تو بالضرورۃ ثانی ہی مقصود اور اب بالیقین راہِ تحدید مسدود، مہینے بھر کی راہ تو بہت ہے، ۲۴ فرسخ کا فاصل جس پر تاج تبریزی نے ادعا کیا کہ اس سے کم ہیں اختلاف ممکن نہیں، اور علّامہ شامی نے براہِ تحسینِ ظن فرمایا کہ اُن کا یہ دعوٰی قواعد فلکیہ پر ہی مبنی ہوگا۔

اقول: ہر گز قواعد فلکیہ اس عدمِ امکان کے ساتھ مساعد نہیں بلکہ صراحۃً اس کا رد کرتے ہیں، ایک درجہ زمین یقینا ۲۴ فرسنگ سے کم ہے کہ یہ ۶۹ میل ہے اور وہ بہتّر، مگر ایک درجے بلکہ اس سے کم فصل غربی پر بھی اختلافِ رؤیت ممکن، دربارہ ہلال کہ کب صالح رؤیت ہوتا ہے اگرچہ اختلاف اقوال بکثرت ہے، اس میں دس قول تو اس وقت میرے پیش نظر ہیں جن کی وجہ وہی **ولوکان من عند غیراللہ** (اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا۔ت) ہے مگر متاخرین اہلِ ہیئت نے بعد تطاول تجارب جس پر استقرار رائے کیا، وہ یہ ہے کہ نیرین میں بُعد، سوا دس ۱۰ درجے سے زائد ہو اور بُعد معدل ۱۰ سے کم نہ ہو۔ زیج سلطانی میں ہے:

اگر بُعد معدل میان دہ درجہ ودوازدہ درجہ باشد وبُعد سوا، از دہ بیش تر باشد ہلال بتواں دید باریک[1]۔	بُعدِ معدل اگر دس ۱۰ اور بارہ درجہ کے درمیان ہو اور بُعد، سوا دس ۱۰ درجہ سے زائد ہو تو چاند ایک بار دیکھا جاسکتا ہے (ت

[1] زیج سلطانی

علامہ عبدالعلی برجندی شرح میں فرماتے ہیں:

تاہر دو شرط وجود نگیر وہلال مرئی نہ شود و متعارف دریں زمان این ست[1]۔	جب تک یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں چاند نظر نہیں آسکتا اور اس زمانہ میں یہی متعارف ہے(ت)

اب فرض کیجئے کہ یہاں وقتِ غروب بعد سواء ط حہ لط یعنی دس درجے سے ایک دقیقہ کم تھا تو ہلال قابل رؤیت نہ تھا اور ایک درجہ حرکت وسطی ۴ دقیقہ میں ہے اور اس مدّت میں سبق قمر تقریبًا دو دقیقے بلکہ کبھی اس سے بھی زائد ہے تو جب قمر اس شہر سے ایک درجہ بلکہ کم فاصلے کے مقام رؤیت پر آیا بُعد دس درجے سے زائد ہوگیا اور رؤیت ہوگئی، اسی طرح ارتفاعِ قمر وغیرہ اختلاف کے ذرائع سے بھی تقریر مدعا ممکن، تو ثابت ہوا کہ ۲۴ بلکہ ۲۳ فرسخ سے کم بھی اختلاف ممکن ہے، اب کوئی راہ نہ رہی سوا اس کے کہ حد اصلًا نہ باندھئے بلکہ یا تو ہمیشہ ہر جگہ ہر ماہ کے لیے خصوص حال ہلال، حال ومحال استہلال پر نظر کیجئے یا مطلقًا کہہ دیجئے کہ ایک شہر کی رؤیت دوسرے کے لیے اصلًا معتبر نہیں اگرچہ ۲۴ فرسخ سے بھی کم فاصلہ ہو، ثانی تو بالاجماع مردود ہے اختلاف معتبر ماننے والے بھی ایسے عموم واطلاق کے ہر گز قائل نہیں، اور اوّل کی طرف راہ نہیں، مگر انہیں حسابات دقیقہ طویلہ مرئی وعرض مرئی وانکسار اُفقی اختلاف منظر افقی وتعدیل الغروب وبُعد معدل وغیرہا کے ذرائع سے جن کے بعد بھی بہت اوقات سوا ظن وتخمین کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ یہ وہی محاسبات ہیں جن کو شریعتِ مطہرہ در بارہ ہلال یک لخت ساقط و باطل فرماچکی، تو **بحمد اللہ تعالٰی** نہ ہلال روشن بلکہ آفتاب پردہ برافگن کی طرح آشکار اہُوا کہ اختلاف مطالع معتبر ماننا ہی خلافِ تحقیق تھا اور یہ کہ وہ مؤید بحدیث نہیں بلکہ وہی حدیث مجمع علیہ کے ارشاد واجب الانقیاد سے دُور و سحیق تھا اور یہ کہ نہ صرف رمضان وشوال بلکہ کسی مہینے میں شرع مطہر اُس کی طرف اصلًا دعوت نہیں فرماتی اور یہ کہ ہمارے ائمہ کا مذہب مہذب اس اعلٰی درجہ تدقیق انیق پر ہوتا ہے کہ مدعیانِ تحقیق تک اس کی ہوا بھی نہیں آتی **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق** (تحقیق یُوں ہی ہونی چاہئے اور توفیق کا مالک اللہ ہے۔ت) کیا انہیں معلوم نہ تھا اختلاف مطالع ہوتا ہے، ضرور معلوم تھا، مگر ساتھ ہی یہ بھی جانتے تھے کہ اسکا فتح باب اسی حساب ناقص النصاب کی طرف کھینچ کرلے جائے گا، جسے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رَد فرما چکے ہیں، لاجرم صاف فرمادیا کہ اختلاف مطالع اصلًا معتبر نہیں **ان اللہ امدہ لرؤیتہ**[2] احق تعالٰی نے مدار رؤیت پر رکھا ہے، اگر رؤیت ثبوت شرعی سے ثابت ہے اگرچہ کتنا ہی فاصلہ ہو، اور نہیں تو نہیں اگرچہ کتنا ہی قریب ہو، اور یہیں سے ظاہر

---

[1] شرح زیج سلطانی لعبد العلی البرجندی

[2] صحیح مسلم کتاب الصیام قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۹

ہوا کہ دربارہ صلوات اختلافِ مطالع پر اس کا قیاس محض مع الفارق ہے حساب طلوع و غروب و صبح و شفق و مثل اول وثانی واضحاک جلیلہ ومنضبطات کلیہ ہیں،بخلاف حساباتِ رؤیت ہلال کہ قدمائے اہل ہیئت نے اپنے بوتے کا روگ نہ پاکر سرے سے اس کی طرف التفات ہی نہ کیا اور متاخرین نے ہزار اضطراب واختلاف کے بعد آخر علّامہ برجندی کی طرح لکھ دیا کہ، بالجملہ ضبط آں بر سبیل تحقیق متعسر ست بلکہ متعذر (رؤیت ہلال کا تحقیقی ضابطہ انتہائی مشکل اور متعذر ہے۔ت) اور یہیں سے ظاہر ہُوا کہ یک ماہہ راہ پر اختلافِ مطالع کو بحسبِ قواعد مبرہنہ علمِ ہیئت ماننا جیسا کہ مولوی عبدالحہ صاحب لکھنوی سے اپنے فتاوٰی جلد اول طبع اول ص ۳۰۹ پر واقع ہوا، محض قلّتِ تدبّر سے ناشئ تھا، نیز ہماری تقریر سے ظاہر ہُوا کہ اختلافِ مطالع کے یہ معنی قرار دینا کہ ایک شہر میں رؤیت ہو سکتی ہے دُوسرے میں نہیں جیسا کہ اُنہیں سے اُسی صفحہ پر واقع ہوا، محض باطل ہے یہاں ہر گز امکان وامتناع کا اختلاف نہیں بلکہ وقوع وامکان عدم کا، **کما اوضحنا سابقا** (جیسا کہ سابقہ گفتگو میں ہم نے اسے واضح کر دیا ہے۔ت) خود مولوی صاحب مذکور نے اسی فتوے کے آخر میں صفحہ ۳۱۰ پر حق کی طرف رجوع کرکے اختلافِ مطالع کے معنی یُوں لکھے: "یہ ممکن ہے کہ ایک جگہ ہلال دیکھا جائے اور دوسری جگہ نہیں۔" یہ عبارت پھر بھی متحمل ہے، جلد دوم ص ۱۴۷ پر صاف تر لکھا: "اگر دو شہروں میں اس قدر بُعد مسافت ہے کہ اختلاف مطالع ہوتا ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ ایک جگہ طلوع ہلال ہو اور دوسری جگہ اس روز نہ ہو۔" اور ایک امام زیلعی کے "**اشبہ**" لکھ دینے پر مولوی صاحب مذکور کا فرمانا کہ "یہی مذہب محدثین حنفیّہ کا ہے" محض دعوٰی ہے، زیلعی صاحبِ مذہب نہیں نہ محدثینِ حنفیّہ ان میں منحصر، ابو حنیفہ وابو یوسف و محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم کے برابر کون سے محدثین ہوں گے جن کا مذہب عدم اعتبار اختلاف مطالع ہے، اور محدثی اگر محدثین ومتاخرین ہی سے خالص ہے تو بالغ مرتبہ اجتہاد امام ابن الہمام کیا کم محدث ہیں، جو فرما چکے کہ، ظاہر الروایۃ ہی پر عمل احوط ہے۔ رہی حدیث کریب کہ انہوں نے ملک شام میں رمضان مبارک کا چاند شبِ جمعہ کو دیکھا پھر مدینہ طیبہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے آکر بیان کیا انہوں نے فرمایا ہم نے شب شنبہ میں دیکھا تو ہم اپنے ہی حساب سے ۳۰ پُورے کریں گے، کریب نے کہا کیا آپ امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی رؤیت وحکم پر اکتفا نہ کرینگے فرمایا: **لا، ھکذا امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم**[1] (نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں یہی حکم دیا۔ت) جس سے امام زیلعی نے استناد کیا اور اس کی بنا پر مولوی صاحب مذکور نے اسے موافقِ حدیث بتایا۔ **اقول:** حدیث مذکور **واقعۃ عین لاعموم لھا** (یہ ایک خاص

---

[1] جامع ترمذی ابواب الصیام امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۸۷

واقعہ ہے اس کا حکم عمومی نہیں۔ت) بحال صفائے مطلع بکثرت ائمہ ایک کی گواہی نہیں مانتے ممکن کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہمانے اسی بنا پر نہ مانی ہو، اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حکم تو بے نصاب شہادت ثابت ہو ہی نہ سکتا تھا، تنویر میں ہے:

شھدوا انہ شھد عند قاضی مصر کذا الخ[1]	گواہوں نے کہا کہ انہوں نے قاضیِ شہر کے پاس اس طرح گواہی دی ہے الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ شھدوا' من اطلاق الجمع علٰی مافوق الواحد وفی بعض النسخ شھدا بضمیر التثنیۃ وھو اولٰی[2]۔	قولہ "شھدوا" یہاں جمع کا اطلاق ایک سے زائد پر ہے، بعض نسخوں میں ضمیر تثنیہ کے ساتھ شھدا ہے اور یہی اولٰی ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

یلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئك بطریق موجب کما مرّ[3]۔	اہل مشرق پر اہل مغرب کی رؤیت روزہ رکھنا لازم تب آئے گا جب ان کی رؤیت بطریق موجب شرعی ثابت ہوگی جیسا کہ گزرا ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

کان یتحمل اثنان الشھادۃ او یشھدا علی حکم القاضی او یستفیض الخبر[4]۔	دو آدمی شہادت پر شہادت دیں یا حکم تام پر شہادت دیں یا خبر مشہور ہو۔(ت)

لہٰذا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے لا فرمایا: بنگاہِ اولیں یہ جواب فقیر کے خیال میں آیا تھا، پھر دیکھا امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور جواب دیا اور اس کے بعض کی طرف بھی اشارہ کیا، فرماتے ہیں:

قد یقال ان الاشارۃ فی قولہ	یُوں کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس کے ارشاد

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹
[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۲
[3] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹
[4] ردالمحتار مطلب فی اختلاف المطالع مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۵

ھکذا الی نحوماجری بینه وبین ام الفضل و حینئذ لادلیل فیه لان مثل ماوقع من کلامه لو وقع لنا لم نحکم به لانه لم یشهد علی شهادة غیره ولا علی حکم الحاکم .فان قیل اخباره عن صوم معاویة یتضمنه لانه الامام یجاب بانه لم یأت بلفظ الشهادة ولو سلم فهو واحد لا یثبت بشهادته وجوب القضاء علی القاضی واللہ سبحانه و تعالیٰ اعلم والاخذ بظاهر الروایة احوط اھ[1] اقول: لکن فی الحدیث قال انت رایته قلت نعم[2] و الاخبار فی رمضان کاف فماذکر الفقیر اولی۔	ھٰکذا میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جو ان کے اور حضرت ام فضل کے درمیان جاری ہوئی تو اب یہ دلیل نہیں کیونکہ ان کے کلام کی طرح ہمارے سامنے معاملہ آجائے تو ہم اس پر فیصلہ نہیں کریں گے کیونکہ ایسا بیان کرنے والے نے نہ تو کسی کی شہادت پر گواہی دی ہے اور نہ کسی حاکم کے فیصلہ پر، اگر کوئی سوال اٹھائے کہ حضرت معاویہ کے روزہ کی اطلاع اس گواہی کو متضمن ہے کیونکہ وہ امیر تھے، اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ یہاں لفظ شہادت کا ذکر نہیں، اور اگر اس بات کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو وہ تنہا ہیں، توان کی شہادت سے قاضی پر قضا کا فیصلہ لازم نہ ہوگا اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر بہتر جانتا ہے اور ظاہر الروایۃ پر عمل احوط ہے اھ **اقول:** حدیث میں ہے تونے اسے دیکھا ہے، میں نے کہا ہاں، اور رمضان کے لیے یہ اطلاع ہی کافی ہے، تو بندہ حقیر نے جو ذکر کیا وہ اولٰی ہے (ت)

معہذا مولوی صاحب مذکور کو حدیث سے استناد اس وقت پہنچتا کہ دمشق ومدینہ طیبہ میں یک ماہہ راہ کا فصل ثابت کیا جاتا ورنہ حدیث خود ان کے بھی مخالف ہوگی کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) یہاں ایک امر یہ بھی قابلِ تنبیہ ہے کہ مولوی صاحب مذکور نے اپنے فتاوٰی میں تین جگہ عبارتِ تاتارخانیہ:

اهل بلدة اذا رأوا الهلال هل یلزم ذٰلك فی حق کل بلدة اخری اختلف المشائخ فیه. فبعضهم قالوا لا یلزم ذٰلك فانما المعتبر فی حق اهل بلدة رؤیتهم وفی الخانیة لا عبرة لاختلاف المطالع فی ظاهر الروایة وفی القدوری	جب ایک شہر والوں نے چاند دیکھا تو کیا ہر شہر والوں پر روزہ لازم ہوگا؟ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے اس سے روزہ لازم نہیں، ہر شہر والوں کے حق میں ان کی اپنی رؤیت ہی معتبر ہے۔ خانیہ میں ہے ظاہر الروایت کے مطابق اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں، اور قدوری

[1] فتح القدیر کتاب الصوم نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۴۳
[2] فتح القدیر کتاب الصوم نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۴۳

اذاکان بین البلدتین تفاوت لایختلف المطالع یلزمه وذکر شمس الائمة الحلوانی انه الصحیح من مذهب اصحابنا[1]۔	میں ہے جب دونوں شہروں کے درمیان اتنا تفاوت ہو جس سے مطالع میں اختلاف نہ ہو تو لازم ہوگا، شمس الائمہ حلوانی نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے مذہب میں صحیح یہی ہے۔(ت)

نقل کی اور ظاہرًا خیال کیا کہ تصحیح امام شمس الائمہ اعتبار اختلاف کی طرف ناظر ہے حالانکہ وہ **مذهب اصحابنا** فرمارہے ہیں اور ظاہر ہے کہ **مذهب اصحابنا** نہیں مگر ظاہر الروایۃ **کما قدمنا نقوله فیما سبق** (جیسا کہ ہم نے پہلے تذکرہ کردیا ہے۔ت) اور ظاہر الروایۃ نہیں مگر عدم اعتبار اختلاف جیسا کہ خود مولوی صاحب کو اعتراف، ج۲ص ۱۶۲پر لکھا:

نزد اکثر مشائخ حنفیه موافق ظاهر الروایة اختلاف مطالع را مطلقا اعتبار نیست[2]۔	ظاہر الروایۃ کے موافق اکثر مشائخ حنفیّہ کے نزدیک اختلافِ مطالع کا مطلقًا اعتبار نہیں(ت)

ج۲ص ۷۴اپر کہا: جب کسی شہر میں ثابت ہوجائے کہ فلاں شہر میں چاند ہوا تو ان پر موافق اس کے حکم دیا جائے گا گو دونوں شہروں میں بُعدِ مسافت ہو اور یہی ظاہر الروایۃ ہے[3]۔

لاجرم پھر غنیه ذوی الاحکام میں فرمایا: قال الامام الحلوانی الصحیح من مذهب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض فی بلدة اخری وتحقق یلزمهم حکم تلك البلدة[4]۔	امام حلوانی نے فرمایا ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب یہی ہے کہ جب خبر دوسرے شہر میں مشہور و متحقق ہوجائے تو پھر دوسرے شہر والوں پر پہلے اہلِ شہر کا حکم لازم ہوگا۔(ت)

مسلک متقسط شرح منسک متوسط میں فرمایا:

ان ثبت فی مصر لزم سائر الناس فی ظاهر الروایة و علیه اکثر المشائخ	جب شہر میں ثبوت ہوجائے تو ظاہر الروایۃ کے مطابق باقی لوگوں پر لازم ہوگا، اکثر مشائخ کی یہی

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الصوم مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۲۶۵، ۲۷۵، ۲۷۳، فتاوٰی تاتارخانیہ کتاب الصوم ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۵
[2] مجموعہ فتاوٰی محمد عبدالحی کتاب الصوم مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۲۷۴
[3] مجموعہ فتاوٰی محمد عبدالحی کتاب الصوم مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۲۶۶
[4] غنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ درر الحکام کتاب الصوم احمد کامل الکائنہ فی دار السعادت بیروت ۱/۲۰۱

وبہ کان یفتی ابو اللیث وشمس الائمۃ الحلوانی وھو مختار صاحب التجرید والکافی وغیرھم من المشائخ [1]۔	رائے ہے، فقیہ ابو للیث اور شمس الائمہ حلوانی نے بھی اسی پر فتوٰی دیا ہے، صاحبِ تجرید وکافی اور دیگر مشائخ کے ہاں یہی مختار ہے۔ (ت)

خلاصہ وعالمگیریہ وغیرہما معتمدات میں فرمایا:

علیہ فتوی الفقیہ ابی اللیث وبہ کان یفتی شمس الائمۃ الحلوانی قال لورأی اھل مغرب ھلال رمضان یجب الصوم علی اھل المشرق [2]۔	فقیہ ابو اللیث کا اسی پر فتوٰی ہے، شمس الائمہ اسی پر فتوی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اہلِ مغرب رمضان کا چاند دیکھ لیں تو اہلِ مشرق پر رمضان کا روزہ لازم ہو جائے گا (ت)

دیکھو کیسی صریح تصریحات ہیں کہ امام شمس الائمہ کا فتوٰی اسی پر ہے کہ اختلافِ مطالع اصلاً معتبر نہیں، بالجملہ بعد اس جاننے کے کہ اختلاف مطالع کا نا معتبر ہونا ہی ظاہر الروایۃ ہے اور اسی پر فتوی ہے اور وہی معتمد جمہور و قولِ کثیر ہے، اس سے عدول کی کوئی راہ نہیں مگر الحمدللہ مولوی لکھنو صاحب نے اپنے فتاوٰی کی جلد سوم میں حق کی طرف صاف رجوع کی، صفحہ ۷۶ پر کہتے ہیں:

سوال: رؤیت یکجا مفید حکم بجائے دیگرے شود یا آنکہ اختلاف مطالع معتبر ست۔ **جواب:** اختلافِ مطالع معتبر نیست و حکم یکجا مفید حکم بجائے دیگرے شود اگر خبر رؤیت مشتہر شود وانتشار پذیرد ودر مختار مے آرد واختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاھر المذھب وعلیہ الکثر المشائخ وعلیہ الفتوٰی بحر عن الخلاصۃ انتھی درجامع رموز مے آرد الصحیح من مذھب اصحابنا انہ یلزم	**سوال:** آیا ایک جگہ رؤیت کا حکم دوسری جگہ پر لاگو ہوتا ہے یا اختلافِ مطالع معتبر ہے؟ **جواب:** اختلافِ مطالع ک اعتبار نہیں ہے اور ایک جگہ کا حکم دوسری جگہ کے لیے معتبر و مفید ہوتا ہے جبکہ خبر مشہور ہو کر اطراف میں پھیل جائے، ظاہر مذہب میں اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں، اکثر مشائخ کا یہی قول ہے اور فتوٰی بھی اسی پر ہے کذافی البحر عن الخلاصہ انتھی، اور جامع الرموز میں یہ مذکور ہے ہمارے ائمہ کا صحیح مذہب یہی ہے

[1] مسلک متقسط شرح منسک متوسط فصل فی اشتباہ یوم عرفہ الخ دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۴۳

[2] فتاوی ہندیہ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۹۹-۱۹۸

اذااستفاض الخبر فی البلدۃ الاخری [1]۔ملخصًا۔	کہ جب خبر دوسرے شہر میں مشہور ہوجائے تو روزہ لازم ہوجاتا ہے۔(ت)

یہ وہی صحیح من مذھب اصحابنا ہے کہ پہلے قول خلاف کی طرف منسوب سمجھا گیا تھا اور ایک اور سوال کے جواب میں بھی مطلقًا مقام بعید کی شہادت مقبول مانی، ص ۴۷ و ۷۳:

سوال: گواہان بروز بست و نہم از رمضان گواہی دادند کہ ماہلال رمضان یک روز قبل دیدہ ایم کہ بداں حساب امروز سیم رمضان ست پس شہادت ایشاں مقبول خواہد شد یانہ؟ **جواب:** اگر گواہاں ہمانجا بودند وازاول رمضان ساکت ماندہ بست و نہم رمضان گواہی دادند گواہی ایشاں مقبول نخواہد شد و اگر از سفر از مقام بعید می آیند شہادت مقبول خواہد شد کذافی الخلاصۃ [2]۔	**سوال:** گواہوں نے ۲۹ رمضان کو یہ گواہی دی کہ ہم نے رمضان کا چاند ایک روز پہلے دیکھا تھا اس حساب سے آج ۳۰ رمضان بنتا ہے تو ان گواہوں کی گواہی مقبول یا نہ؟ **جواب:** اگر گواہ اسی مقام کے رہنے والے ہوں اور رمضان کے پہلے دن خاموش رہے اور اب ۲۹ رمضان کی گواہی دے رہے ہیں تو ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی اور اگر کہیں دور کے مقام سے سفر کرکے آئے ہوں تو ان کی شہادت قبول کی جائیگی کذا فی الخلاصہ۔(ت)

یہ تیسری جلد مولوی صاحب نے آپ ہی سوالات قائم کرکے لکھی ہے اور اس میں بہت جگہ پہلی جلدوں کے اغلاط کی اصلاح کردی ہے اُن کے فتاوٰی دیکھنے والے کو اس کا لحاظ ضرور ہے، مدت سے خیال تھا کہ مسئلہ اختلاف مطالع میں ایک بیان شافی لکھا جائے کہ ابرِ اختلاف اُٹھ کر مطلع صاف نظر آئے، الحمد للہ کہ آج کا وقت آیا وللہ الحمد فی الاولٰی والاخری وصلی اللہ تعالٰی علی بدر تجلی من البطحاء وعلٰی اٰلہ وصحبہ نجوم الھدی۔

سیز دھم نیم صاع گیہوں سے روزے کا فدیہ اور فطر کا صدقہ ہے ایک سو پینتیس تولہ ہے انگریزی سے اسّی [۸۰] روپے بھر ہے اور روپیہ سوا گیارہ ماشے کا ہے آدھ پاؤ کم دوسیر نہ ہوا بلکہ تین چھٹانک اور بیسواں حصہ چھٹانک کا کم دوسیر، جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی جلد [3] "صدقہ فطر کے بیان" میں

[1] مجموعہ فتاوٰی محمد عبدالحٰی لکھنوی باب رؤیۃ ہلال مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳-۷۰-۷۱
[2] مجموعہ فتاوٰی محمد عبدالحٰی لکھنوی باب رؤیۃ ہلال مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳-۷۱
[3] فتاوٰی رضویہ (جدید) جلد ہذا صفحہ ۲۳۹

مشرحًا بیان کیا ہے اور یہ فتوٰی تحفہ حنفیّہ عظیم آباد میں چھپ بھی گیا ہے اور بریلی کے سیر سے کہ پورے سَو روپے بھر کا ہے ایک سیر سات چھٹانک دو ماشے ساڑھے چھ رتی اور رامپور کے سیر سے کہ چھیانوے کا ہے پورا ڈیڑھ سیر، فاحفظ ولا تتزل

چہار دہم جس نے بعذر شرعی روزہ نہ رکھا اسے دقت نہ ہو تو حرمت ماہ مبارک کے لحاظ سے حتی الوسع چھپا کر کھانا پینا چاہئے مگر کسی روزہ دار کے سامنے کچھ نہ کھانے کا مطلقًا وجوب محتاج دلیل ہے۔

پانزدہم کاغذ یا کنکر یا خاک وغیرہا اشیا کو کہ نہ دوا ہیں نہ غذا، نہ مرغوبِ طبع، اگر تل بھر نہیں پیٹ بھر کھالے گا صرف قضا ہوگی کفارہ نہ آئے گا۔ یونہی روزہ توڑنا عمدًا حقنہ وغیرہا اشیائے مذکورہ مابعد کو بھی شامل، مگر اس میں کفارہ نہیں۔ نیز کفارہ صرف ادا روزہ رمضان کے توڑنے میں ہے، جبکہ یہ نہ صاحبِ عذر تھا نہ اُس دن میں کوئی آسمانی عذر مثل حیض یا مرض پیدا ہو جائے، نہ ہی توڑنا کسی کے جبر واکراہ سے ہو اور روزے کی نیت رات سے کی ہو، درمختار میں ہے:

ثم انما یکفر ان نوی لیلا ولم یکن مکرھا ولم یطرأمسقط کمرض وحیضٍ[1]۔	پھر کفارہ تب ہوگا جب تک رات کو نیت کی ہو اور مجبور بھی نہ ہو اور کفارہ چھوڑنے کا کوئی عارضہ مثل مرض وحیض وغیرہ کے لاحق نہ ہوا ہو (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله مسقط ای سماوی لاصنع له فیه ولا فی سببه، رحمتی[2]۔	قولہ مسقط یعنی وہ عارضہ سماوی جس میں بندے کا کوئی دخل نہ ہو اور نہ اس کے سبب میں دخل ہو، رحمتی۔ (ت)

تو یہ اشتہاری مطلق احکام سب غلط ہیں۔

شانزدہم کفارے میں شرعًا ترتیب ہے سب میں پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے، اس کی طاقت نہ ہو تو دو ۲ مہینے کے لگاتار روزے، یہ بھی نہ ہوسکے تو اخیر درجہ ساٹھ مسکین کما نص اللّٰہ تعالٰی علیه فی اٰیة الظھار (جیسا کہ اللہ تعالٰی نے آیتِ ظہار میں تصریح فرمادی ہے۔ت) غلام آزاد کرنا تو شاید اشتہار میں اس لیے مذکور نہ ہُوا کہ یہاں غلام کہاں، مگر روزوں اور ساٹھ مسکینوں میں ترتیب نہ رکھنا صحیح نہیں،

---

[1] درمختار باب مایفسد الصوم ومالایفسد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵۱

[2] ردالمحتار مطلب فی الکفارۃ مصطفی البابی مصر ۲/۱۲۰

یہ اگر جہل نہ ہو تو سخت تر ہے کہ تجہیل و تضلیل ہے۔

ہفدہم جلق سے روزہ نہیں ٹوٹتا جب تک اس سے انزال نہ ہو۔ در مختار میں ہے: **استمنی به ولم ینزل**[1] (مشت زنی کی، انزال نہ ہُوا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔) تو یہ اطلاق بھی غلط ہے۔

ہیجدہم قصداً قے کرنے سے بھی روزہ نہیں جاتا مگر جبکہ روزہ یاد ہونے کی حالت میں منہ بھر کر ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

لافطر فی الکل علی الاصح الافی الاعادۃ والاستقاء بشرط الملأ مع التذکیر شرح الملتقی[2]۔	اصح قول کے مطابق ان تمام میں افطار نہ ہوگا البتہ اس صورت میں جب قے کو لوٹائے یا خود قے کرے بشرطیکہ منہ بھر کر ہو روزہ ہونا یاد ہو، شرح الملتقی (ت)

نوزدہم مفطرات غیر مکفرات مثل حقنہ وغیرہا کا مطلقاً دوبارہ کرنا موجب کفارہ نہیں جب تک بقصد معصیت نہ ہو۔ در مختار میں ہے:

کل ما انتفی فیه الکفارۃ محله ما اذا لم یقع ذلك منه مرّۃ بعد اخری لاجل قصد المعصیۃ فان فعله وجبت زجرا له[3]۔	جس صورت میں کفارہ لازم نہ ہو اس کا محل یہ ہے کہ جب اس شخص سے وہ فعل بتکرار گناہ کے قصد سے صادر نہ ہو، پس اگر اس فعل کو مکرر کرے گا تو زجراً کفارہ واجب ہوگا۔ (ت)

اور اس عبارت سے اگرچہ علامہ طحطاوی نے یہ استظہار کیا کہ دو ہی بار کرنے میں کفارہ واجب کردیں گے اور علامہ شامی نے اسے نقل کرکے مقرر رکھا مگر اس معنی پر جزم انہیں بھی نہیں، اتنا ہی فرمایا ہے:

ظاھرہ انه بالمرۃ الثانیۃ تجب علیه الکفارۃ ولو حصل فاصل بایام[4]۔	ظاہر یہ ہے کہ اگر دوسری دفعہ کیا تو کفارہ لازم اگرچہ درمیان میں متعدد ایام کا فاصلہ ہو (ت)

اور فقیر کے نزدیک یہ ہنوز محتاج مراجعت ہے، اگر یہ مراد ہوتی تو **مرۃ اخری** (دوبارہ کرنا۔ت) کہنا کافی تھا **مرۃ بعد اخری** (بار بار کرنا۔ت) ظاہراً بار بار تکرار کی طرف ناظر ہے **فلیراجع و**

---

[1] در مختار باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ، مجتبائی دہلی ۱/۱۵۰

[2] ردالمحتار مطلب فی الکفارۃ مصطفی البابی مصر ۲/۱۲۰

[3] در مختار باب مایفسد الصوم الخ مجتبائی دہلی ۱/۱۵۱

[4] ردالمحتار باب مایفسد الصوم الخ مصطفی البابی مصر ۲/۱۱۵

لیحرر (غور طلب ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

بستم حاملہ کو بھی مثل مرضعہ روزہ نہ رکھنے کی اجازت اسی صورت میں ہے کہ اپنے یا بچّے کے ضرر کا اندیشہ غلبہ ظن کے ساتھ ہو نہ کہ مطلقًا جیسا کہ اشتہار نے زعم کیا۔

بست ویکم جب رکعاتِ تراویح میں اختلاف پڑے کہ بیس ۲۰ پڑھیں یا اٹھارہ ۱۸، تو اس میں نہایت کثرت سے مختلف صورتیں ہیں، اُن کی تمام تر تفصیل اور اُن کے اصول کی تاصیل اور اُن کے احکام تحقیق و تحصیل فقیر نے تعلیقاتِ ردالمحتار میں ذکر کی یہاں اجمالًا اتنا گزارش کہ نہ مطلقًا اختلاف امام و قوم کی حالت میں مقتدیوں کو دو ۲ رکعت پڑھنے کا حکم، نہ مطلقًا تنہا پڑھنے کا حکم، نہ یہ حکم مطلقًا امام کو کسی عدد پر یقین نہ ہونے کے ساتھ خاص، مثلًا مقتدیوں کا یقین ہے کہ بیس ہو گئیں اور امام کو شک تھا یا اٹھارہ کا یقین ہی ہے تو مقتدی اصلًا دو ۲ رکعت نہ پڑھیں گے، نہ جماعت سے نہ تنہا، کہ جب اُنہیں تراویح کامل ہوجانے کا یقین ہے تو اب اُنہیں امام کے شک یا یقین سے زیادہ کا کیونکر حکم ہو سکتا ہے، اپنے جزم پر غیر کا جزم بھی حاکم نہیں ہو سکتا نہ کہ شک، ردالمحتار میں ہے:

لو تیقن الامام بالنقص لزمهم الاعادة الا من تیقن منهم بالتمام[1]۔	اگر امام کو کم کا یقین ہو تو ان پر اعادہ لازم ہے مگر ان میں سے جسے تکمیل کا یقین ہو (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لان یقینه لایبطل بیقین غیرہ[2]۔	کیونکہ اس کا یقین کسی دوسرے کے یقین سے باطل نہیں ہو سکتا۔ (ت)

اور اگر مقتدیوں کو ۱۸ کا یقین ہے اور امام کو بیس ۲۰ کا شک ہو تو خود امام بھی دو اور پڑھے گا اور یقین مقتدیاں کی اقتداء کرے گا اور جماعت سے پڑھی جائیں گی۔ درمختار میں ہے:

لو اختلف الامام والقوم فلو الامام علی یقین لم یعد والا اعاد بقولهم[3]۔	اگر امام اور مقتدیوں کے درمیان اختلاف ہو گیا اگر امام کو یقین ہو تو اعادہ نہ کرے اور اگر یقین نہ ہو تو مقتدیوں کا قول معتبر ہونے کی وجہ سے اعادہ ہوگا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۰۷

[2] فتح القدیر باب سجود السہو نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۵۷

[3] درمختار باب سجود السہو مجتبائی دہلی ۱/۱۰۳

فتح القدیر میں ہے:

ان اعاد الامام الصلٰوۃ واعادوا معہ مقتدین بہ صح اقتدائھم[1]۔	اگر امام نے اعادہ نماز کیا اور لوگوں نے اس کی اقتدا میں اعادہ کیا تو ان کی اقتدا درست ہوگی (ت)

بست ودوم حافظ کہ ایک بار ختم کرچکا اب دوسری تاریخوں میں دوسری جگہ سنانا چاہتا ہے جہاں ابھی لوگوں نے قرآن عظیم نہیں سُنا ہے تومذہب صحیح ومعتمد پر اس کے عدمِ جواز کی اصلاً کوئی وجہ نہیں نہ اس قرآن سُننے کا ثواب نہ ہونے کے کوئی معنی، ظاہر ہے کہ ان راتوں میں وہ بھی تراویح ہی پڑھے گا نہ کہ نفل محض، توضرور تراویح کا امام ہوسکتا ہے اور جب امامِ تراویح ہوسکے گا تو دوبارہ قرآن عظیم پڑھنے سے کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے، اور جب اس سے ممنوع نہیں تو بلاشبہ جو کچھ قرآن عظیم اُس میں پڑھے گا وُہ تراویح صحیحہ مسنونہ ہی میں ہوگا، پھر ثواب نہ ملنا چہ معنٰی، اور اس کی یہ تعلیل کہ "وہ اب نفل سناتا ہے اور مقتدی واجب سُننا چاہتے ہیں" اس سے بھی زیادہ فاسد وعلیل۔ تراویح میں پہلا ختم بھی واجب نہیں صرف سنّت ہی ہے اور دوبارہ ختم کرنا اگرچہ حافظ پر سنّت مؤکدہ نہ تھا مگر یہ قبل ایقاع ہے بعد وقوع سنّت درکنار جتنا پڑھے گا فرض ادا ہوگا کہ نماز میں فرض ابتدائی اگرچہ ایک ہی آیت ہے مگر سارا قرآن عظیم اگر ایک رکعت میں پڑھے سب فرض ہی واقع ہوتا ہے لانہ فرد

فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ (کیونکہ یہ بھی (ارشاد باری تعالٰی) "جو قرآن میں سے آسان ہے پڑھو" کافرد ہے۔ت) ولہٰذا اگر سُورت بھول کر رکوع میں چلا جائے پھر رکوع میں یاد آئے توحکم ہے کہ رکوع کو چھوڑے اور کھڑا ہوکر سُورت پڑھے اور پھر رکوع کرے حالانکہ ضم سورت صرف واجب تھا اور واجب کے لیے رفض فرض جائز نہیں جیسے قعدہ اولٰی بُھول کر جو سیدھا کھڑا ہوجائے اب اُسے عود حلال نہیں کہ قعدہ واجب تھا اور قیام فرض ہے مگر سورت جو پڑھے گا یہ بھی فرض واقع ہوگی توفرض کے لیے رفض فرض ہوا، ولہٰذا اگر کھڑا ہوکر سُورت پڑھے اور اس خیال سے کہ رکوع تو پہلے کرچکاہُوں دوبارہ رکوع نہ کرے نماز باطل ہوجائیگی کہ فرض کے لیے جو فرض چھوڑا گیا وُہ جاتا رہا تھا اس پر فرض تھا کہ رکوع دوبارہ کرتا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی المبتغیٰ لوسھا عن السورۃ فرکع یرفض الرکوع و یعود الی القیام ویقرأ اھ فی البحرانہ اذا عاد و قرأ السورۃ	المبتغٰی میں ہے اگر سُورت پڑھنا بھول گیا رکوع کرلیا تو رکوع چھوڑ کر قیام کی طرف لوٹ آئے اور قرأت کرے اھ بحر میں ہے جب لوٹ کر سُورت پڑھی تو سورت بطور

[1] فتح القدیر باب سجود السھو نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۴۵۷

صارت فرضا فقد عاد من فرض الٰی فرض لان کل فرض طولہ یقع فرضا[1] اھ ملتقطا	فرض ادا ہوگی تو یہ ایک فرض سے دوسرے فرض کی طرف لوٹا ہُوا کیونکہ ہر فرض کی طوالت بھی فرض میں شامل ہوئی ہے اھ ملتقطا (ت)

ایک بار ختم کرکے دُوسری راتوں میں دوسرا ختم نئے لوگوں کو سنانا تو نہایت صاف امر ہے اگر بالفرض کوئی شخص آج اپنی تراویح پڑھ کر آج ہی رات اور لوگوں کی امامت تراویح میں کرے اور قرآن عظیم سنائے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس قرآن سُننے کا ثواب نہ ہوگا۔ روایت مختارہ امام قاضی خاں پر تو ظاہر ہے کہ وہ متنفل محض کے پیچھے تراویح کی اقتداء بلا کراہت جائز مانتے ہیں، صرف امام کے حق میں کراہت کہتے ہیں اگر نیتِ امامت کرے ورنہ اس پر بھی کراہت نہیں، خانیہ میں فرمایا:

لوصلی العشاء والتراویح والوتر فی منزلہ ثم ام قوما اٰخرین فی التراویح ونوی الامامۃ کرہ ولایکرہ للقوم، ولو لم ینوالامامۃ اولاو شرع فی الصلٰوۃ و اقتدی بہ الناس فی التراویح لم یکرہ لواحد منھما[2]۔	اگر کسی نے نماز عشاء، تراویح اور وتر گھر ادا کئے پھر تراویح میں لوگوں کی امامت کی نیّت سے تراویح کی امامت کی تو یہ مکروہ ہے لیکن قوم کے لیے یہ مکروہ نہیں ہے اور اگر اوّلًا اس نے امامت کی نیت نہ کی نماز میں شروع ہُوا تھا کہ لوگوں نے تراویح میں اقتدا کرلی تو اب کسی کے حق میں کراہت نہیں۔ (ت)

اور روایت مختارہ امام شمس الائمہ سرخسی پر اگرچہ یہ ناجائز ہے اور ان لوگوں کی تراویح نہ ہوں گی،

لان التراویح سنۃ مستقلۃ شرعت بوجہ مخصوص فلا تتأدی الابہ۔	کیونکہ نماز تراویح مستقل سنّت ہے جو وجہ مخصوص پر مشروع ہے تو یہ اسی وجہ مخصوص کے ساتھ ہی وُہ ادا ہوگی (ت)

اور یہی اصح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، عالمگیریہ میں محیط سے ہے:

الامام یصلی التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال لایجوز۔[3]	ایک امام جو دو مساجد میں مکمل طور پر نمازِ تراویح پڑھائے تو یہ جائز نہیں ہے (ت)

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو دار احیاء التراث العربی ۱/۵۰۰

[2] فتاوٰی قاضیخان فصل فی نیۃ التراویح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۱۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ فصل فی التراویح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۶

اسی میں جامع المضمرات شرح قدوری سے ہے: **الفتوی علی ذٰلک**[1] (فتوٰی اسی قول پر ہے۔) جوہرہ نیرہ میں ہے:

لو صلی امام التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال قال ابو بکر الاسکاف لایجوز وقال ابو نصر یجوز لاھل المسجدین واختار ابو اللیث قول الاسکاف وھو الصحیح[2]۔	اگر کوئی امام دو مساجد میں مکمل طور پر نماز تراویح پڑھائے تو شیخ ابوبکر اسکاف نے فرمایا یہ جائز نہیں، اور شیخ ابونصر نے کہا دونوں مساجد والوں کے لئے جائز ہے، شیخ ابواللیث نے اسکاف کے قول کو اختیار کیا اور یہی صحیح ہے (ت)

نیز ہندیہ میں محیط سے ہے:

لو صلی التراویح مقتدیا بمن یصلی مکتوبۃ او وترا ونافلۃ الاصح انہ لایصح الاقتداء بہ لانہ مکروہ مخالف لعمل السلف[3]۔	اگر کسی نے نماز تراویح ایسے شخص کی اقتدا میں ادا کی جو فرض یا وتر یا نفل پڑھارہا تھا تو یہ اقتداء درست نہیں کیونکہ یہ مکروہ اور عملِ اسلاف کے مخالف ہے (ت)

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ نماز ہی نہ ہوگی، تراویح نہ ہونا اور بات ہے اور نماز نہ ہونا اور بات،

الاتری انہ انما علل بالکراھۃ ومخالفۃ الماثور وھما لاینفیان الاقتداء ولا یفسدان الصّلوٰۃ۔	آپ نے دیکھا نہیں کہ علت کراہت اور مخالفت ماثور کو قرار دیا گیا ہے اور یہ دونوں اقتداء کے منافی نہیں اور نہ ہی نماز کو فاسد کرتی ہے (ت)

تو وہ نماز اگرچہ تراویح نہیں یقینا نماز صحیح و نفل محض ہے اور نفل محض میں بھی استماعِ قرآن فرض ہے اور اس ادائے فرض پر ثواب نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تو قرآن سننے کا ثواب یہاں بھی ہے ہاں روایت مفتی بہا پر اس صورت خاصہ میں یعنی جبکہ امام اپنی تراویح پڑھ کر اُسی رات اوروں کی امامت کرے یہ کہہ سکتے ہیں کہ تراویح میں ختمِ قرآن کا انہیں ثواب نہ ملے گا کہ یہ تراویح نہیں، اور صورتِ اولٰی میں تو اس کی طرف بھی اصلا راہ نہیں کہ وہ نماز بلاشبہ تراویح اور وہ ختم ختم فی التراویح ہے، بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بھی مولوی صاحب نے مولوی عبدالحہ صاحب

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ فصل فی التراویح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۶

[2] الجوہرۃ النیرہ باب قیام شہر رمضان مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۱۱۸

[3] فتاوٰی ہندیۃ فصل فی التراویح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۷

لکھنوی کا اتباع کیا ہے۔ مولوی صاحب لکھنوی خزانۃ الروایات سے ناقل ہیں:

قال السغناقی امام ختم فی التراویح مرة و ختم ثانیا بغیر ھذاالقوم لایخرج ھذاالقوم الثانی عن السنیة لان الامام خرج السنیة فصارله نفلا فیدرکون ثواب صلٰوۃ النفل ولایدرکون ثواب صلٰوۃ التراویح[1]۔	شیخ سغناقی کہتے ہیں امام نے ایک مرتبہ تراویح میں قرآن ختم کیا تو دوسری قوم سنت کو ادا کرنے والی قرار نہیں پائے گی کیونکہ امام سنت ادا کرچکا تھا اب اس کے لئے وُہ نفل ہے، لوگ نماز نفل کا ثواب تو پائیں گے مگر تراویح کا ثواب نہیں پائیں گے (ت)

ظاہر ہے کہ اس کا مبنی وہ قول ضعیف ہے کہ جب ختم قرآن ہو جائے تو تراویح سنت نہیں رہتیں،

کمایفصح عنه قوله یدرکون ثواب صلٰوۃ النفل وقوله ولایدرکون ثواب صلٰوۃ التراویح۔	جیسا کہ ان کا یہ قول واضح کر رہا ہے کہ وہ نماز نفل کا ثواب پائیں گے اور یہ قول بھی کہ وہ تراویح کا ثواب نہیں پائیں گے۔ (ت)

اور یہ قول ضعیف و ناماخوذ ہے اصح و معتمد و معمول بہ یہی ہے کہ ختم اگرچہ ہو جائے تراویح سارے ماہِ مبارک میں سنّتِ مؤکدہ ہیں، اسی پر جوہرہ میں جزم کیا اور اسی کو سراج وہاج میں اصح کہا۔ عالمگیریہ میں ہے:

لوحصل الختم لیلة التاسع عشر اوالحادی و العشرین لایترك التراویح فی بقیة الشھر لانھا سنة کذا فی الجوھرة النیرة الاصح انه یکرہ له الترك کذا فی السراج الوھاج[2]۔	اگر قرآن انیسویں یا اکیسویں کو ختم ہوگیا تو باقی ماہ میں تراویح کو ترک نہ کیا جائے کیونکہ یہ سنت ہیں، جیسا کہ الجوہرۃ النیرۃ میں ہے۔ اصح یہ ہے کہ تراویح کا ترک مکروہ ہے، جیسا کہ السراج الوہاج میں ہے۔

تو اب اس سے عدول کا اختیار نہ رہا۔ فتاوٰی خیریہ جلد اول میں فرمایا:

انت علی علم بانه بعد التنصیص علی اصحیته لایعدل عنه الی غیرہ[3]۔	آپ باخبر ہیں کہ جب اس حکم کے اصح ہونے پر تصریح مل جائے تو دوسرے قول کی طرف عدول نہیں کیا جائیگا (ت)

اسی کی جلد ثانی میں فرمایا: حیث ثبت الاصح لایعدل عنه[4] (جب اصح کا ثبوت ہو تو پھر اس سے

[1] مجموعہ فتاوٰی بحوالہ خزانۃ الروایات کتاب الصلٰوۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۱۳۴
[2] فتاوٰی ہندیۃ فصل فی التراویح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۸
[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/۳۹
[4] فتاوٰی خیریہ کتاب الصلح کتاب الطلاق ۲/۱۰۴

عدول نہ کیا جائے۔ت) خود مولوی لکھنوی صاحب نے لکھا:

مفتی بہ و مختار متحققین آنست کہ تراویح سنّت علیحدہ است و ختمِ سنّت علیحدہ ہیچ ازیں ہر دو تابع دیگر نیست پس بعد ختم سنیت تراویح باقی خواہد ماند چنانکہ بود[1]۔	مفتی بہ اور مختار محققین کے ہاں یہ ہے کہ تراویح الگ سنّت اور ختمِ قرآن الگ سنّت ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے تابع نہیں لہٰذا قرآن کے بعد سنیتِ تراویح اسی طرح قائم رہے گی جیسے کہ پہلے تھی۔(ت)

باوصف اس جاننے کے پھر مفتٰی بہ سے عدول ہر گز روا نہ تھا اور اس بچنے کے لئے مولوی لکھنوی صاحب کی یہ توجیہ کہ:

قول مفتی بہ پر۔اگرچہ تراویح از ذمہ مقتدیاں ساقط خواہد شد چہ درسنت تراویح امام و مقتدی ہر دو برابر اند لیکن در سقوط ختم اشکالیست چہ فقہا در باب اقتداء ضعف نماز امام را اگرچہ بہ یک رکن باشد مانع اقتداء می نویسند چنانچہ در درمختار وغیرہ مذکورست اما اقتداء المسافر بالمقیم فیصح فی الوقت و یتم لا بعدہ فیما یتغیر لانہ اقتداء المفترض بالمتنفل فی حق القعدۃ لو اقتداء فی الاولیین اوالقراءۃ لو اقتداء فی الاُخریین[2]۔ انتھی دریں صورت باوجودیکہ امام و مقتدی ہر دو تحریمہ فرض بستہ، سبب ضعف یک جز از اجزاء نماز امام حکم بفساد اقتداء دادہ شد پس بناءً علیہ در صورت سوال ہم حکم بعدم سقوط ختم از مقتدیان دادہ خواہد شد و ہمیں امر از عبارت	قول مفتی بہ پر اگرچہ تراویح مقتدیوں کے ذمّہ سے ساقط ہو جائیں گی کیونکہ سنت تراویح میں امام اور مقتدی دونوں برابر ہیں لیکن ختم کے سقوط میں اختلاف ہے کیونکہ فقہا اقتداء کے باب میں نماز امام کے ضعف کو اگرچہ وُہ ایک رکن میں ہو مانع اقتداء قرار دیتے ہیں جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے، مسافر کی اقتداء مقیم کے ساتھ وقتی نماز میں صحیح ہے اور وہ ادا بھی چار رکعت کرے لیکن بعد میں تبدیلی آجاتی ہے لہٰذا اقتدا درست نہیں ہوگی کیونکہ اب اگر پہلی دو رکعات میں اقتدا کرے گا تو قعدہ کے اعتبار سے فرض ادا کرنے والے کی متنفل کی اقتدا لازم آئے گی اور اگر آخری دو رکعات میں اقتداء کرے تو قرات کے اعتبار سے یہی خرابی لازم آئیگی انتھٰی، حالانکہ اس صورت میں امام اور مقتدی دونوں نے فرض کی تکبیر تحریمہ کہی لیکن نمازِ امام کے ایک جُزکے ضعف کی وجہ سے فسادِ اقتداء کا حکم جاری ہوگیا۔اس

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب الصّلٰوۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۴

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب الصّلٰوۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۵

سغناقی مفہوم شود ہر گاہ درباب سقوط ختم وعدم سقوط آں اختلافے واقع شد پس امام را لازم کہ ختم ثانی رامع تراویح برخود نذر کردہ گیرد وگوید للّٰہ ان اختم القراٰن فی صلوٰۃ التراویح تاختم او واجب شود واقتدائے مقتدیان درست شود چنانچہ درخزانۃ الروایۃ تفصیل آں مذکور ست **واللّٰہ اعلم حررہ محمد عبدالحی عفا عنہ**[1]۔	پر بناء کرتے ہوئے سوال مذکور کے جواب میں یہی حکم ہوگا کہ مقتدیوں کے ذمّہ سے ختم قرآن ساقط نہیں ہوگا، اور عبارت سغناقی سے یہی بات مفہوم ہورہی ہے لہٰذا جہاں بھی سقوط وعدم سقوط ختم میں اختلاف ہوجائے وہاں امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ تراویح میں دوسرے ختم کی نذر مانتے ہوئے کہے کہ مجھ پر اللہ کی رضا کی خاطر نماز تراویح میں ختم قرآن لازم تاکہ اس پر ختم قرآن واجب ہوجائے اور مقتدیوں کی اقتداء بھی درست ہوجائے، جیسا کہ خزانۃ الروایۃ میں اس کی تفصیل ہے **واللہ اعلم المحرر محمد عبدالحی عفا عنہ** (ت)

انصافاً شطرنج میں اضافہ بغلہ سے بہتر **اوّلاً** سُنن ونوافل میں اضعفیت مانع صحتِ بناء نہیں ہوسکتی ورنہ جس طرح عاری کے پیچھے لابس کی نماز نہیں ہوسکتی یونہی کلاہ پوش کے پیچھے عمامہ بند کی نماز نہ ہوسکے کہ وُہ سنیت میں مقتدیوں سے اضعف ہے۔

ثانیاً یہ مان کر کہ مقتدیوں کے ذمّہ سے تراویح ساقط ہوجائیگی پھر یہ فرمانا کہ امام پر نذر ماننا لازم کہ اقتدائے مقتدیان درست ہو صریح تناقض ہے۔

ثالثاً عبارت سغناقی کا ہرگز یہ مفاد نہیں کہ باوصف صحت تراویح صرف اس بناپر کہ امام ایک بار ختم کرچکا ہے مقتدیوں کے ذمّہ سے ختم ساقط نہ ہوگا بلکہ اس کا مبنٰی صراحۃً وہی تھا کہ تراویح ختم کے لیے تھیں جب ختم ہوچکا تراویح بھی ختم ہوگئیں تو امام نفل محض پڑھ رہا ہے اور متنفل کے پیچھے تراویح ادا نہیں ہوتیں، ولہٰذا تصریح کی کہ ثوابِ نفل پائیں گے ثوابِ تراویح نہ پائیں گے، یہ مفاد اُس مفاد کے صریح مضاد ہے نہ کہ باہم اتحاد۔

رابعاً شروع سے معلوم ہے کہ جماعت نفل بہ تداعی مشروع نہیں اور تراویح باجماعت وارد ہوئیں تو وجہ متوارث ماثور پر مقتصر ہوں گی اور وُہ یونہی ہے کہ امام مقتدی سب نیتِ تراویح کرتے یہاں اضعف واقوی کو دخل نہیں، ولہٰذا اوپر تصحیح گزری کہ تراویح جس طرح متنفل کے پیچھے ساقط نہ ہونگی یُونہی مفترض کے پیچھے بھی ادا نہ ہوں گی حالانکہ مفترض یقیناً اعظم قوت پر ہے توجب تک دلیل صریح سے ثبوت نہ دیا جائے

---

[1] مجموعہ فتاوی درینکہ بعد یک ختم قرآن آیا سنت تراویح الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۵۲-۲۵۱

کہ امام کا ایک بار ختم کیے ہوئے ہونا بھی ماثور و متوارث کے خلاف ہے اس پر اس کا قیاس محض بے معنی ہے بالجملہ متنفل کے پیچھے تراویح نہ ہونا تو ضرور منقول بلکہ اس پر فتوائے فحول، اور ایک بار ختم قرآن پڑھ لینے کے باعث حافظ کا امامت دیگراں سے معزول ہونا کہیں منقول نہیں اور آپ کی اپنی رائے سے بے نقل صحیح حجت و مقبول نہیں۔

خامسًا بلکہ امر بالعکس ہے خود اسی خزانۃ الروایات میں کنزالفتاوٰی سے منقول:

رجل ام قوما فی التراویح وختم فیھا ثم ام قوم اخرین لہ ثواب الفضیلۃ ولھم ثواب الختم[1]۔	کسی نے تراویح میں امامت کرتے ہوئے قرآن ختم کیا پھر دوسرے لوگوں کی امامت کی تواب امام کے لیے ثوابِ فضیلت اور لوگوں کے لیے ختم کا ثواب ہوگا(ت)

یہ صریح جزئیہ ہے اور آپ کے خیال کا صاف رَد اور قاضی گجراتی کا ارشاد کہ ھذا الکتاب غیر مشہور بین العلماء فلا وثوق بہ (یہ کتاب علماء کے درمیان مشہور نہیں لہذا اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ت) مسلم نہیں، صاحبِ کنزالفتاوٰی امام احمد بن محمد بن ابی بکر حنفی مصنف مجمع الفتاوٰی و خزانۃ الفتاوٰی ہیں کشف الظنون میں انہیں بلفظ شیخ و امام وصف کیا:

حیث قال کنزالفتاوی للشیخ الامام احمد بن محمد صاحب مجمع الفتاوی الحنفی[2]۔	ان کے الفاظ یہ ہیں کنزالفتاوٰی، شیخ امام احمد بن محمد حنفی صاحب مجمع الفتاوٰی کی کتاب ہے(ت)

سادسًا ہم عنقریب واضح کرتے ہیں کہ نذر سے بھی عقدہ کشائی نہ ہوگی امثال فاضل لکھنوی سے **قال ابو حنیفۃ والحق کذا** (امام ابوحنیفہ نے اسی طرح فرمایا ہے مگر حق یہ ہے۔ت) فرمانے والے ہیں، مصنف خزانۃ الروایۃ ایک متاخر ہندی قاضی جگن گجراتی کی ایسی تقلید سخت عجیب وبعید

ولکن اللہ یفعل ما یرید والحمد للہ علی اراءۃ السبیل السدید واللہ سبحٰنہ وتعالٰی۔	اللہ اپنے ارادے کے مطابق کرتا ہے اور صحیح رہنمائی فرمانے پر اللہ تعالٰی ہی کی حمد و ثنا ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے جس کی ذات نہایت ہی مقدس و بالا ہے(ت)

بست وسوم اگر وہ مسئلہ و تعلیل قبول کرلیے جائیں تو حافظ مذکور اگر نذر بھی مان لے کہ میں تراویح

---

[1] خزانۃ الروایات

[2] کشف الظنون باب الکاف منشورات مکتبۃ المثنی بغداد ۲/۱۵۱۸

مع جماعت وختم قرآن ادا کروں گا تواب بھی کار برآری مسلم نہیں کہ مقتدیوں پر وجوب اصلی تھا اور نذر کا وجوب عارضی ہے اور وہ وجوب اصلی سے، اضعف ہے، تو اضعف پر اقوی کی بناء صحیح نہیں۔ فتح اللہ المعین پھر طحطاوی پھر ردالمحتار میں ہے:

بناء القوی علی الضعیف انما یمنع اذا کانت القوۃ ذاتیۃ فلو عرضت بالنذر کما ھنا فلا ومن ھنا قال فی شرح المنیۃ النذر کالنفل[1]۔	قوی کی بناء ضعیف پر تب منع ہے جب قوت ذاتی ہو، اگر نذر کی وجہ سے عارضی ہو جیسا کہ یہاں ہے تو پھر مانع نہیں۔ اسی مقام پر شرح منیہ میں ہے کہ نذر نفل کی طرح ہوتی ہے(ت)

اور ضعیف بھی مانئے تو سبب وجوب مختلف ہیں جب بھی بناء صحیح نہ ہوئی جیسے ناذر ناذر کی اقتداء نہیں کرسکتا بلکہ ناذر مفترض کی اقتداء نہیں کرسکتا حالانکہ فرض اقوی ہے تو سبب وہی کہ سبب جُدا ہے۔ درمختار میں ہے:

لایصح اقتداء ناذر بمفترض ولا بناذر لان کلّا منھما کمفترض فرضا اُخر الااذا نذر احدھما عین منذور الاخر للاتحاد[2] اھ۔	نذر ماننے والے کے لیے فرض ادا کرنے والے اور نذر ادا کرنے والے کی اقتداء صحیح نہیں کیونکہ یہ دونوں الگ الگ فرائض ادا کررہے ہیں البتہ اس صورت میں جائز ہوگی جب دونوں کی نذر ایک ہو کیونکہ اس صورت میں اتحاد حاصل ہوگا اھ(ت)

مولوی صاحب نے یہاں بھی فاضل لکھنوی کا اتباع کیا اور فاضل لکھنوی نے حسب حوالہ خود قاضی جگن ہندی کا، **والحق احق ان یتبع** (جبکہ حق ہی اتباع کے لائق تر ہے۔ت)

بست وچہارم تحقیق یہ ہے کہ جس نے فرض جماعت سے پڑھے اور تراویح تنہا وہ تو جماعتِ وتر میں شریک ہوسکتا ہے، اور جس نے فرض تنہا پڑھے ہوں اگرچہ تراویح جماعت سے پڑھی ہوں وہ وتر کی جماعت میں داخل نہیں ہوسکتا **وقد حققناہ فی فتاوٰنا بما یکفی ویشفی** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس پر تسلی بخش گفتگو کی ہے۔ت)

---

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۷۶، طحطاوی علی الدرالمحتار باب الوتر والنوافل دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۹۷

[2] درمختار باب الامامۃ مجتبائی دہلی ۱/۸۴

در مختار میں ہے:

لولم یصل التراویح بالامام یصلی الوتر معہ[1]۔	اگر کسی نے تراویح امام کے ساتھ ادا نہیں کی تو وتر امام کے ساتھ ادا کرسکتا ہے(ت)

جامع الرموز میں ہے:

لکنہ اذالم یصل الفرض معہ لایتبعہ فی الوتر[2]۔	اگر فرض امام کے ساتھ ادا نہ کئے ہوں تو پھر وتر میں امام کی اتباع نہ کرے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

امالوصلاھا جماعۃ مع غیرہ ثم صلی الوتر معہ لاکراھۃ[3]۔	اگر فرض کسی اور کی اقتداء میں ادا کیے پھر وتر دوسرے امام کے ساتھ پڑھے تواب کراہت نہ ہوگی(ت)

مولوی عبدالحہ صاحب لکھنوی نے بھی فقہائے کرام سے اس کی ممانعت ہی نقل کی اگرچہ صرف اس بناپر کہ اس کی وجہ اپنی سمجھ میں نہ آئی، اپنی خاص رائے مخالف بتائی، اپنے فتاوٰی میں لکھتے ہیں:

درقنیہ از عین الائمہ ودر تاتارخانیہ از علی بن احمد رحمہ اللہ تعالٰی مرقوم کہ ہر کہ فرض باجماعت ادا نہ کردہ باشد وتر ہم بجماعت ادانہ سازد وہمچنیں در غنیہ وغیرہا مذکورست لیکن کدامی وجہ قوی معتدبہ عدمِ جوازِ معلوم نمی شود حق جواز معلوم مے شود انتہی[4]۔	قنیہ میں عین الائمہ سے اور تاتارخانیہ میں علی بن احمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ جو شخص فرض جماعت کے ساتھ ادا نہ کرے وُہ وتر بھی جماعت سے نہ پڑھے۔ اور اسی طرح غنیہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ لیکن اس کے عدمِ جواز پر قوی ومعتدبہ وجہ معلوم نہیں ہوسکی جواز حق معلوم ہوتا ہے انتہی(ت)

امام عین الائمہ کرابیسی وامام علی بن احمد وقنیہ وغنیہ و جامع الرموز و ردالمحتار کے نصوص صریحہ کے مقابل صرف آپ کی "معلوم نمی شود" (معلوم نہیں ہوسکی۔ت) پر عمل کی کوئی وجہ نہیں، کما لا یخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ت)

---

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۹

[2] جامع الرموز فصل فی الوتر والنوافل مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۱۶

[3] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مبحث صلوٰۃ التراویح داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۷۶

[4] مجموعہ فتاوٰی کتاب الصلوٰۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۶-۱۳۵

بست وپنجم بارہ برس سے کم عمر تخصیص نہیں بلکہ صحیح ومختار یہ ہے کہ نابالغ کے پیچھے بالغوں کی کوئی نماز جائز نہیں اگرچہ ایک دن کم پندرہ برس کا ہو، امامتِ بالغین کے لیے ببلوغ شرط ہے خواہ یہ ظہور آثار مثل احتلام وانزال خواہ بتامی پانزدہ سال۔ در مختار میں ہے:

لایصح اقتداء رجل بصبی مطلقا ولا فی نفل علی الاصح[1]۔	بالغ مرد کی اقتداء بچّہ کے پیچھے مطلقًا اگرچہ نفل نماز میں ہو اصح مذہب پر درست نہیں ہے (ت)

بست وششم آیتِ سجدہ کہ نماز میں تلاوت کی جائے سجدہ فورًا واجب ہے، اگر تین آیت کی تاخیر کی گنہ گار ہوگا، پھر اگر عمدًا سجدہ نہ کیا نہ معًا رکوع کیا کہ سجدہ تلاوت رکوع سے ادا ہوجاتا تو اس کی اصلاح سجدہ سہو سے نہیں ہوسکتی کہ وُہ سجدہ سہو ہے کہ نہ سجدہ عمد، اور اگر سجدہ تلاوت کرنا بھُول گیا اور حُرمتِ نماز سے باہر نکل گیا تو اب بھی سجدہ سہو نہیں ہوسکتا کہ حرمت سے خروج جیسا کہ مانع سجدہ تلاوت ہے یوں ہی مانع سجدہ سہو، ہاں اگر حرمت نماز میں باقی ہے کلام نہ کیا اُٹھ کر چلانہ گیا اور یاد آیا تو سجدہ تلاوت نماز میں کیا مگر سہوًا بتاخیر مثلًا دوسری رکعت میں یاد آیا کہ سجدہ تلاوت چاہیئے تھا اور اب ادا کیا جب بھی سجدہ سہو کا حکم ہے اگرچہ سجدہ تلاوت نماز میں ادا ہوگیا، در مختار میں ہے:

ھی علی التراخی ان لم تکن صلویة فعلی الفور لصیر ورتھا جزأ منھا ویأثم بتاخیرھا ویقضیھا مادامه فی حرمة الصّلٰوة ولو بعد السلام، فتح[2]۔	سجدہ تلاوت لازم ہوتا ہے تراخی کے طور بشرطیکہ سجدہ مذکورہ نماز میں لازم نہ ہوا کیونکہ اگر نماز میں لازم ہوا تو فی الفور نماز کے اندر کرنا ہی ضروری ہے کیونکہ اب وہ نماز کی جُز بن گیا ہے لہٰذا اس کی تاخیر سے گنہ گار ہوگا اور اس کی قضا بجالاسکتا ہے جب تک وُہ حرمتِ نماز کے اندر ہے اگرچہ سلام کے بعد ہو، فتح۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله ولو بعد السلام ای ناسیا مادام فی المسجد[3]۔	قولہ سلام کے بعد الخ یعنی بُھول جانے والا شخص جب تک مسجد میں ہے سجدہ ادا کرسکتا ہے (ت)

---

[1] در مختار کتاب الصلوٰۃ مجتبائی دہلی ۱/۸۴

[2] در مختار باب سجود التلاوۃ مجتبائی دہلی ۱/۱۰۵

[3] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۱۸

اسی میں ہے:

لو اخر التلاوية عن موضعها فان عليه سجود السهو كما فى الخلاصة جازما، بانه لااعتماد على مايخالفه وصححه فى الولو الجية[1]۔	اگر نماز میں سجدہ تلاوت مؤخر کر دیا تو اس کی وجہ سے سجدہ سہو آئے گا جیسا کہ خلاصہ میں بطور جزم بیان ہے یعنی اس کے مخالف قول پر اعتماد نہیں کیا جائیگا، ولوالجیہ نے بھی اس قول کی تصحیح کی ہے۔(ت)

ایضًا درمختار میں ہے:

سجود السهو يجب بترك واجب سهو افلا سجود فى العمود قيل الافى اربع[2]۔	بھول کر ترک واجب میں سجدہ سہو ہوتا ہے لہذا قصداً ترک میں سجدہ سہو نہیں ہوگا، بعض کی رائے میں صرف چار مقامات پر عمداً ترک واجب میں سجدہ سہولازم ہو جاتا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اشار الى ضعفه تبعالنور الايضاح لمخالفته للمشهور وقد ردہ العلامة قاسم بانه لايعلم له اصل فى الرواية ولاوجه فى الدراية[3]۔	نورالایضاح کی اتباع کرتے ہُوئے انہوں نے اس کے ضعیف ہونے پر اشارہ کیا ہے کیونکہ یہ قول مشہور کے خلاف ہے، اور علّامہ قاسم نے اس کی یُوں تردید کی ہے کہ اس قول کی روایت میں کوئی اصل معلوم نہیں اور نہ ہی اس پر کوئی عقلی دلیل موجود ہے(ت)

بست وہفتم دربارہ ہلال تار کی گواہی شرعًا محض باطل ونامعتبر وحققناہ فی فتاوٰنا بمالامزید علیہ (ہم نے اس کی اپنے فتاوٰی میں خوب تفصیل بیان کی ہے جس پر اضافہ دشوار۔ت) نامعتبر شرعی کا درجہ اعتبار کو پہنچا کیونکر، یہاں بھی مولوی صاحب نے مولوی عبدالحہ صاحب لکھنوی کا اتباع کیا ہے مولوی صاحب لکھنوی نے باآنکہ جابجا خود بے اعتبارِ تار کی تصریح کی، جلد اول ص ۵۲۳ اس باب (یعنی رؤیت ہلال) میں صرف خبر، تار یا تحریر خطی کافی نہیں جب تک کہ بطور کتاب القاضی الی القاضی (قاضی کا دوسرے قاضی کی طرف لکھنا۔ت) کی تحریر نہ پہنچے، قاعدہ الخط یشبہ الخط (تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہوتی ہے۔ت) کا مشہور ہے[4]۔ ایضًا صفحہ ۵۴۰ بحسبِ ضوابط فقیہ مجرد اخبارات تار وغیرہ درباب

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹۷

[2] درمختار باب سجود السہو مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۲

[3] ردالمحتار باب سجود السہو داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹۷

[4] مجموعہ فتاوٰی کتاب الصوم مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۲۷۲

حکم صوم وافطار معتبر نہیں[1]۔ صفحہ ۱۰۶ پر یہ لکھا:

واقعی در باب رؤیتِ ہلال شہرتِ اخبار معتبر ست اگر از شہرے خبرے رسیدہ کہ بہ شب گزشتہ درآنجا رؤیت شدہ یا بوساطت تار برقی دریافت ایں امر شدہ تا وقتیکہ شہرت آں نہ شود از تحریرات کثیرہ واخبار عدیدہ معلوم نہ شود اعتبار آں نباید ساخت[2]۔	رؤیتِ ہلال کے بارے میں خبروں کی شہرت معتبر ہے، اگر کسی شہر سے یہ خبر آئے کہ گزشتہ رات اس جگہ چاند دیکھا گیا ہے یا تار کے ذریعے یہ خبر معلوم ہو تو جب تک کثیر تحریروں اور متعدد خبروں کے ذریعے یہ خبر شہرت حاصل نہ کرے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ (ت)

اس کی شہرت ہو جانے سے یہ تو مراد نہیں ہو سکتی کہ جب اس شہر میں خبر مشہور ہو گئی کہ فلاں جگہ سے تار آیا ہے تو اب وہی تار جس کی خبر شرعًا ناکافی اور بحسبِ ضوابط فقیہ نامعتبر تھی معتبر ہو جائیگا اسے تو کوئی عاقل گمان نہ کرے گا ورنہ کسی فاسق، فاجر، شراب خور، زناکار کی خبر شہر میں اُڑ جائے کہ وُہ اپنا چاند دیکھنا بیان کرتا ہے تو چاہئے کہ معتبر ہو جائے، حالانکہ تار اُس سے بھی زیادہ بے اعتبار، کہ فاسق اہلِ شہادت ہے ولہٰذا اگر حاکمِ شرع اس کی شہادت قبول کرلے حکم صحیح ہو جائے گا اگرچہ حاکم آثم ہو **نص علیه فی الفتح والبحر ودروغیرہ من الاسفار الغر** (فتح، بحر، در وغیرہ دیگر مشہور کتب میں اس پر تصریح ہے۔ ت) اور تار اصلًا اہلیت شہادت نہیں رکھتا، ہاں شاید یہ مراد ہو کہ جب اُس شہر سے متعدد تار آئیں تو اعتبار کیا جائے گا اور یہ اُس استفاضہ و شہرت میں داخل ہوگا جسے فقہائے کرام نے در بارہ رؤیت ہلال معتبر رکھا ہے مگر خیال نہ کیا کہ یہ تعدد ہوگا تو مروی عنہ میں نہ راوی میں کہ یہاں بھی تار بابو اُن سب تاروں کا ناقل ہوگا حالانکہ اُن میں اکثر کفار ہوتے ہیں تو یہ استفاضہ مخترعہ اُس سے بھی بدتر ہوگا کہ ایک فاسق فاجر سر باز پکارتا پھرے کہ فلاں شہر میں لاکھ آدمیوں نے چاند دیکھا ہے کیا اسے استفاضہ کہیں گے حاشا وکلّا، اور جہاں تار گھر متعدد بھی ہوں اور فرض کریں کہ ہر آفس میں اُس شہر سے خبر آئی تو کیا چند کافر یا فاسق یا مجہول آکر کہہ دیں کہ فلاں جگہ کے فلاں فلاں سُکّان نے ہم سے اپنا چاند دیکھنا بیان کیا تو یہ حکایت محضہ تاحدِ استفاضہ پہنچے گی، **استغفر اللہ** تار والا تو بے چارہ اتنی بات کا بھی گواہ نہیں اُس نے تو تار میں ایک حرکت پائی اور اس سے کچھ حروف مصطلحہ سمجھے جو نہایت جلدی میں کمال بے جزمی کے ساتھ ایک کاغذ پر لے کر چپراسی کے حوالے کئے، حرکت دینے والے بھی خود رؤیت ہلال

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب الصوم مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۲۷۳

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب الصوم مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۲۶۴

والے نہ تھے وُہ وہاں کے بنگالی بابُو یا ہندو یا نصارٰی وغیرہم تھے، اُن کے پاس چاند دیکھنے والے خود نہ آئے، ایک پرچے پر لکھ کر یا خود انگریزی نہ جانی تو کسی ہندو وغیرہ کفار سے انگریزی کرا کر کسی نوکر چاکر یا راہ چلتے کے ہاتھ تار آفس میں بھیج دی وہ وہاں کا بابو یہاں بھیج دے گا اس کی بلا کو بھی غرض نہیں کہ جس کے نام سے تار جاتا ہے خود وُہ بھیجتا بھی ہے یا کسی نے محض جُھوٹ اس کی طرف سے تار دلوایا ہے ایسے نفیس سلسلے کی خبر اگر شرع معتبر کرے تو قیامت ہے، یہ تو تار کے مملات ہیں، زبانوں کی کہی ہُوئی خود ہمارے آگے مسلمانوں کی ادا کی ہُوئی ہزار افواہ بازار ہر گز استفاضہ شرعیہ نہیں جب تک پایہ ثبوت و تحقیق کو نہ پہنچیں پھر متعدد تاروں سے سوا اس کے کہ گورنمنٹ کے خزانے میں چند روپے داخل ہوگئے، اور کیا نتیجہ! یہاں جو استفاضہ شرع نے معتبر فرمایا اس کے معنی معلوم کیجئے، ردالمحتار میں ہے:

قال الرحمتی معنی الاستفاضۃ ان تاتی من تلك البلدۃ جماعات متعددون کل منھم یخبر عن اھل تلك البلدۃ انھم صاموا من رؤیۃ لامجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعہ کماقد تشیع اخبار یتحدث بھا سائر اھل البلدۃ ولا یعلم من اشاعھا فمثل ھذا لاینبغی ان یسمع فضلا من ان یثبت بہ حکم اھ قلت وھو کلام حسن ویشیر الیہ قول الذخیرۃ اذا استفاض وتحقق فان التحقق لایوجد بمجرد الشیوع[1]۔	شیخ رحمتی کہتے ہیں کہ استفاضہ کا معنی یہ ہے کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور ہر کوئی یہ اطلاع دے کہ انہوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے محض ایسی افواہ سے نہیں کہ جس کے پھیلانے والا معلوم نہ ہو جیسا کہ بہت سے باتیں شہروں میں پھیل جاتی ہیں اور ان کے پھیلانے والا معلوم نہیں ہوتا، تو ایسی بات سُننا مناسب نہیں چہ جائیکہ اس سے کوئی حکمِ شرعی ثابت کیا جائے اھ قلت یہ کلام بہت ہی خوب ہے، ذخیرہ کے ان الفاظ میں بھی یہی بات ہے کہ جب مشہور و متحقق ہو جائے تب لازم ہوگا کیونکہ ثبوت و تحقق محض افواہ سے نہیں ہوگا۔ (ت)

دیکھئے استفاضہ اس کا نام ہے کہ اُس شہر سے متعدد جماعات آئیں اور سب یک زبان خبر دیں کہ وہاں رؤیت ہُوئی اور روزہ چاند دیکھ کر رکھا، بے تحقیق خبریں جن کی سند معلوم نہیں اگرچہ تمام اہلِ شہر کی زبان پر ہوں، کان رکھنے کے قابل نہیں ہوتیں، نہ کہ اُن سے کسی حکمِ شرعی کا اثبات، انصاف کیجئے تو تار کی یہی حالت ہے شہر والے ہر گز یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ یہ اشاعت کن لوگوں کے ہاتھوں سے ہُوئی، تار کے فارم کس نے لکھے،

---
[1] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۲

تار بابُو کو فارم دینے کون گیا، وہاں کا تار بابو کون تھا، یہاں کون ہے چپراسی کہ دے گیا کون تھا تو وہی رہا کہ **لایعلم من اشاعھا** (اسے مشہور کرنے والے کا علم نہیں۔ت) اور استفاض لغوی کے ساتھ تحقق متحقق نہ ہُوا کہ استفاضہ شرعی ہوتا، اور یہیں سے ظاہر کہ انتظام زمانہ حال جس پر مولوی لکھنوی صاحب نے اعتماد و اتکال کیا یہاں کچھ بھی بکار آمد نہیں، انتظام اس کا ہے کہ تار جو دیا جائے اپنی تین مقررہ میعادوں پر بھیج دیا جائے گا اس میں فرق نہ آئے گا مکتوب الیہ ملا تو اسے پہنچا دیا جائے گا، آفس کی غلطی سے نہ پہنچا تو محصول اتنی مدّت تک واپس دیا جائے گا، یہ انتظام اصلاً نہیں کہ تار دینے جو آئے اس کی شناخت لی جائے کہ آیا وہی ہے یا دوسرا شخص غلط سلط اُس کے نام سے دیتا ہے، نہ اس کا انتظام ہے کہ فارم لکھنے والے نے کلام قائل کا صحیح ترجمہ کیا ہے یا اُس نے کچھ کہا اور یہ تار کے تنگ لفظوں میں اُسے ادانہ کرسکا، یا محصول کے بچاؤ کو مطلب ناقص رہ گیا، نہ اسکا انتظام ہے کہ تار دینے، لینے، پہنچانے والے عادل، ثقہ، متقی ہونا درکنار، مسلمان ہی ہوں، پھر انتظام مذکور نے کیاکام دیا، باقی تفصیل فتاوائے فقیر میں ملاحظہ ہو اور ان تمام خرابیوں سے قطع نظر کیجئے تو قبول استفاضہ جس امر پر مبنی تھا یہاں عامہ بلاد میں سرے سے وہ مبنٰی ہی مفقود ہے، مبنٰی یہ تھا کہ استفاضہ سے اُس شہر میں روزہ ہونا بالیقین ثابت ہوگا اور شہر عادۃً حاکمِ شرع سے خالی نہیں ہوتا اور روزہ وعید حکمِ حاکمِ اسلام ہی سے ہوا کرتے ہیں تو اس استفاضہ سے معلوم ہوگا اُس شہر میں حاکمِ شرع نے حکم دیا اور اس کا حکم حجتِ شرعیہ ہے لہٰذا مقبول ہوگا جیسے دو گواہ عادل گواہی دیں کہ ہمارے سامنے فلاں حاکمِ شرع کے یہاں شہادتیں گزریں اور اس نے حکم دیا۔ ردالمحتار میں ہے:

الاستفاضة لما كانت بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بها ان اهل تلك البلدة صاموا يوم كذالزم العمل بها لان البلدة لا تخلو عن حاكم شرعي عادة فلا بد من ان يكون صومهم مبنيا على حكم حاكمهم الشرعي فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور[1]۔	جب استفاضہ خبرِ متواتر کی طرح ہے اور اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ اس شہر کے لوگوں نے فلاں دن روزہ رکھا ہے تو اس پر عمل ہوگا کیونکہ عادۃً شہر حاکمِ شرعی سے خالی نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں لامحالہ ان کا روزہ ان کے حاکم شرعی کے فیصلے پر مبنی ہوگا تو اب استفاضہ بمعنی حکم مذکور کا نقل کرنا ہوگا۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۴

یہاں عامہ بلاد میں نہ حاکم شرعی نہ لوگ پابندِ احکامِ شرعیہ، پھر استفاضہ ہُوا بھی تو کیا وحسبنا اللہ ولاحول ولا قوۃ الّا باللہ۔

بست وہشتم مسئلہ اختلافِ مطالع کی تحقیق اعلیٰ وجہ انیق پر بحمد اللہ تعالیٰ بیان ہوچکی جس سے روشن کہ وہ اصلاً کبھی کسی ہلال میں معتبر ہونے کے قابل نہیں۔ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک ارشاد:

انا امة امية لا نكتب ولا نحسب، الشهر هكذا وهكذا وهكذا[1] الحديث۔	ہم اُمّی امت ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب جانتے ہیں ہم ماہ کو یُوں یُوں شمار کرتے ہیں الحدیث (ت)

مطلقًا اس کے ابطال واہمال کو کافی ووافی، کہ اس کی بناہر مہینے میں انہیں حسابات غیر مضبوط پر ہے جن کو شرع مطہر یکسر ساقط النظر فرماچکی، مگر در بارہ ہلال اضحیٰ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو براہِ بشریت ایک اشتباہ واقع ہُوا اور انہیں گمان گزرا یہاں اس کا اعتبار چاہئے وُہ خود بھی اسے مسئلہ مذہب نہیں بتاتے صرف اپنی ایک رائے کہتے اور تصریح فرماتے ہیں کہ یہ حکم میں نے کسی کتاب میں نہ دیکھا اور اس کی بناء دو[2] بلکہ ایک ہی امر پر کرتے ہیں اگر وُہ اپنے اس خیال کا منشا ظاہر نہ فرماتے تو شبہ رہتا کہ شاید یہاں کوئی دقیقہ ہو مگر الحمد للہ کہ ان کے بیان نے امر واضح کردیا اُن دونوں امر میں علامہ شامی کی رائے سامی سے لغزش ہوئی ہے تو ان کے اتباع کی طرف ہر گز سبیل نہیں۔

امر اوّل یہ فرمایا کہ اختلاف مطالع صوم میں تو اس لیے نا معتبر ہُوا تھا کہ حدیث نے اُسے مطلق رؤیت سے متعلق فرمایا تھا جب کہیں چاند دیکھا گیا رؤیت ہو گئی بخلاف اضحیہ کہ اس کا ویسا تعلق وارد نہیں۔

امر دوم یہ کہ کلام علما سے کتاب الحج میں مفہوم ہوتا ہے در بارہ حج اختلاف مطالع معتبر ہے تو اگر بعد وقوف گواہ گزریں کہ آج دسویں تھی قبول نہ کی جائے گی۔ ردالمحتار میں فرمایا:

لایعتبر اختلافها بل یجب العمل بالاسبق رؤیة وهو المعتمد عندنا و عند المالکیة والحنابلة لتعلق الخطاب عاما بمطلق الرؤیة فی حدیث صوموا لرؤیته[2]۔	اختلافِ مطالع کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ پہلے چاند کی رؤیت پر عمل واجب ہوگا اور یہی ہمارے (احناف)، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں معتمد ہے کیونکہ حدیث پاک "صوموا الرؤیته"۔ (چاند دیکھنے پر روزہ رکھو) میں خطاب مطلق رؤیت کو شامل ہے۔ (ت)

---

[1] سُنن ابی داؤد کتاب الصّیام آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۱۷

[2] ردالمحتار مطلب فی اختلاف المطالع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۶

تنبیہ: کتب الحج میں کلامِ علماء سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حج میں اختلافِ مطالع کا اعتبار ہے کیونکہ اگر واضح ہو جائے کہ کسی دوسرے شہر میں ایک دن پہلے چاند دیکھا گیا تھا تو اب حجاج پر کوئی شَے بھی لازم نہ ہوگی، اور کیا قربانی کے بارے میں غیر حجاج کے حق میں بھی یہی کہا جائے گا؟ اس بارے میں حکم میری نظر سے نہیں گزرا، ظاہر یہی ہے (کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار ہوگا) کیونکہ صوم میں اختلافِ مطالع کا اعتبار اس لیے نہیں کہ حدیث مبارک میں روزہ کا تعلق مطلق رؤیت سے ہے بخلافِ قربانی کے کہ اس میں ظاہر یہی ہے کہ یہ اوقات نماز کی طرح ہے ہر قوم پر اپنے اوقات کے مطابق عمل لازم ہوگا۔ (ت)	تنبیه: یفهم من کلامهم فی کتاب الحج ان اختلاف المطالع فیه معتبر فلا یلزمهم شیئ لوظهر انه رؤی فی بلدة اخری قبلهم بیوم وهل یقال کذٰلك فی حق الاضحیة لغیر الحجاج لم اره والظاهر نعم لان اختلاف المطالع انما لم یعتبر فی الصوم لتعلقه بمطلق الرؤیة وهذا بخلاف الاضحیة فالظاهر انها کاوقات الصلٰوة یلزم کل قوم العمل بما عندهم[1]۔

اقول: دونوں صحیح نہیں، الحمد للہ دربارہ اضحیہ بھی ویسی ہی حدیث وارد ہے جیسی صوم وافطار میں تھی شرع نے اُسے بھی مطلق رؤیت سے ویسا ہی متعلق فرمایا ہے جیسا اُن دونوں کو سنن ابی داؤد شریف میں امیرِ مکّہ حارث بن حاطب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وصیّت فرمائی کہ رؤیت پر قربانی کریں پھر اگر ہمیں رؤیت نہ ہو اور دو ۲ گواہ عادل گواہی دیں تو ان کی گواہی سے قربانی کرلیں۔	قال عهد الینا رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ان ننسك للرؤیة فان لم نره وشهد شاهدا عدل نسکنا بشهادتهما[2]۔

امام دارقطنی نے فرمایا: **هذا اسناد متصل صحیح**[3] (اس کی سند متصل اور صحیح ہے۔ت)۔ اور حج میں ردِ شہادت نہ بر بنائے اعتبار اختلاف ہے ورنہ مہینہ بھر سے فاصلہ کی رؤیت گواہ بیان کریں تو مقبول ہو، حالانکہ علماء مطلقاً رد فرماتے ہیں بلکہ اس کی وجہ دفع حرج ہے جیسا کہ لباب وشرح لباب میں تصریح ہے یعنی ہزارہا کوس کے فاصلوں سے تمام اقطار واطرافِ زمین سے لاکھوں بندہ خدا حج کے لیے

---

[1] ردالمحتار مطلب فی اختلاف المطالع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۹۶

[2] سنن ابی ابوداؤد کتاب الصیام آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۱۹

[3] دارقطنی باب الشہادت علی رؤیت الہلال حدیث نمبر ۱ نشر السنۃ ملتان ۲/۱۶۷

حاضر ہوئے اب کہ وقت گزر گیا گواہ گواہی دینے آئے کہ تم نے دسویں کو وقوفِ عرفہ کیا تمہارا حج نہ ہوا، کتنا بڑا حرج عظیم ہے، لاکھوں بندوں کے کروڑوں روپے کا خرچ اور جانوں کی مشقتیں سب برباد گئیں، اب یا تو سال بھر اور یہ تمام لشکر ہائے عظیم الشان مکہ معظّمہ میں پڑے رہیں کہ نہ انہیں روٹی نصیب ہو نہ اہل مکہ کے لیے دانہ بچے یا حکم دیا جائے کہ سب اپنے وطنوں کو واپس جاکر ویسے ہی کروڑوں کے خرچ اور جانوں کی مشقت سے پھر سال آئندہ حاضر ہوں ان دونوں آفتوں سے اُن دونوں گواہوں کی تغلیط آسان تر ہے۔

وقد قال اللہ تعالٰی وَمَاجَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ[1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد مبارک ہے: اللہ نے تم پر دین میں تنگی نہیں فرمائی۔(ت)

ولہذا وہی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر وقت ہنوز باقی اور تدارک ممکن ہے گواہی مقبول ہوگی پھر اعتبار اختلافِ مطالع کدھر رہا۔ درمختار میں ہے:

شهدوابعد الوقوف، بوقوفهم بعد وقته لا تقبل شهادتهم والوقوف صحيح استحسانا حتى الشهود للحرج الشديد وقبله اى قبل وقته قبلت ان امكن التدارك ليلامع اكثرهم والالا[2]۔	اگر وقوفِ عرفات کے بعد گواہوں نے گواہی دی کہ حاجیوں کا وقوف وقت کے بعد ہوا ہے تو گواہی مقبول نہ ہوگی اور استحساناً حاجیوں کا وقوف صحیح ہوگا ورنہ حرج شدید لازم آئے گا، اور اگر گواہوں نے گواہی وقوف سے پہلے دی تو گواہی مقبول ہوگی بشرطیکہ رات کو اکثر لوگوں کے ساتھ تدارک ہوسکے ورنہ نہیں (ت)

خود اسی ردالمحتار میں ہے:

لو شهد وابعد الوقوف قبل وقته قبلت شهادتهم بخلاف الشهادة بانهم وقفوا بعد يومه فان التدارك غير ممكن اصلا فلذا لم تقبل[3] (ملخصاً)	اگر وقوف کے بعد گواہوں نے یہ گواہی دی کہ وقوف وقت سے پہلے ہُوا ہے تو گواہی مقبول ہوگی بخلاف اس صورت کے جب یہ گواہی ہو کہ وقوف یوم عرفہ کے بعد ہوا کیونکہ اس صورت میں تدارک ممکن نہیں اس لیے گواہی مقبول نہ ہوگی (ت)

---

[1] القرآن ۲۲/ ۷۸

[2] درمختار باب الہدی مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۳

[3] ردالمحتار باب الہدی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۵۱-۵۲

ان تصریحات کے بعد اُس سے اعتبار اختلاف مطالع کی طرف خیال جانا محض شانِ بشریت ہے۔

كذٰلك يريكم الله اٰيته فى الافاق وفى انفسكم لعلكم تذكرون۔	اسی طرح اللہ تعالٰی تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے آفاق میں اور خود تمہارے اندر تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ (ت)

بست و نہم چالیس [۴۰] روپے کو نصاب قرار دینے میں بھی شاید مولوی صاحب نے مولوی عبدالحٰہ صاحب لکھنوی کا اتباع کیا ہے ، مگر وہ صحیح نہیں، صحیح چھپن [۵۶] روپے ہے جیسا کہ جواہر اخلاطی سے ثابت ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اُسے مفصل ذکر کیا۔

سیم تاریخ ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۹ کو شب قدر بالاختلاف اور ۲۷ رمضان کو شب قدر بالاتفاق فرمانے میں شاید اتفاق سے مراد قولِ جمہور ہو اگرچہ بالاختلاف سے اس کا مقابلہ سخت موہم خلاف ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اُن تاریخوں میں شب قدر ماننے والوں کے نزدیک ایک رمضان میں دو دو شب قدر ہوں، ایک ان کے قول خاص کے مطابق اور دوسری ۲۷ کو قولِ متفق علیہ کے موافق۔ یونہی اس اشتہار میں اغلاط بکثرت ہیں مگر بعد ایام مبارک، اگر انصاف و ہدایت مطلوب ہو تیس [۳۰] رد کیا کم ہیں، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

درء القبح عن درک وقت الصبح ۱۳۲۶ھ

(صبح صادق کو سمجھنے میں کوتاہی کا ازالہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلما

مسئلہ ۲۶۳: از بازار لال کرتی کیمپ میرٹھ مرسلہ شیخ محمد احسان الحق حنفی قادری ۱۴رمضان ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیانِ شرع متین اس باب میں کہ شریعت میں صبح صادق کا کوئی کلیہ قاعدہ ہے جس کے ذریعہ سے معلوم ہوجایا کرے کہ صبح صادق فلاں وقت ہوتی ہے، اور آنکھوں سے دیکھنے کی کچھ ضرورت نہ رہے یا کوئی حساب اور کلیہ قاعدہ نہیں ہے بلکہ آنکھوں سے دیکھنے ہی پر منحصر ہے، اگر قاعدہ کلیہ نہیں ہے تو مفتاح الصلوٰۃ میں جو بحوالہ خزانۃ الروایات لکھا ہے کہ رات کا ساتواں حصّہ فجر ہوتا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شریعتِ مطہرہ محمدیہ علٰی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ نے نماز روزہ حج وزکوۃ وعدّت وفات وطلاق ومدّتِ حمل وایلا وتاجیل عنین ومنتہائے حیض ونفاس وغیر ذٰلک امور کے لئے یہ اوقات مقرر فرمائے

یعنی طلوعِ صبح وشمس وغروب شمس ونصف النہار ومثلین وروز وماہ وسال ان سب کے ادراک کامدار رؤیت ومشاہدہ پر ہے ان میں کوئی ایسا نہیں جو بغیر مشاہدہ مجرد کسی حساب یا قانون عقلی سے مدرک ہو جاتا، ہاں رؤیت ومشاہدہ ان سب کے ادراک کاسبب کافی ہے اور یہی اس شریعت عامہ تامہ شاملہ کاملہ کے لائق شان تھا کہ تمام جہان کے لیے اتری ہے اور ان میں اکثر وہ ہیں کہ دقائق محاسبات ہیئت وزیج کی تکلیف انہیں نہیں دی جاسکتی، انا امة امیة لا نکتب ولا نحسب[1] (ہم اُمّی اُمت ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں۔ت) فرماکر اپنے تمام غلاموں کے لیے ایک آسان اور واضح راستہ کھول دیا اور ان تمام اوقات کے لیے حکیم رحیم عزجلالہ نے دو کھلی نشانیاں مقرر فرمادیں چاند اور سورج جن کے اختلافِ احوال پر نظر کرکے خواص وعوام سب اوقات مطلوبہ شرعیہ کاادراک کرسکیں،

کما قال تعالٰی وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَالنَّهَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَاۤ اٰیَةَ الَّیْلِ وَجَعَلْنَاۤ اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَؕ وَكُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا ﴿۱۲﴾[2]۔ وقال تعالٰی یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّؕ[3]۔ قال تعالٰی كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِۚ[4]، وقال صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیته وافطر والرؤیته[5]۔	جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایااور ہم نے رات اوردن کو دو نشانیاں بنایا تورات کی نشانی مٹی ہوئی رکھی اور دن کی نشانیاں دکھانے والی کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرواور برسوں کی گنتی اور حساب جانو اور ہم نے ہر چیز خوب جُدا جُدا ظاہر فرمادی۔ اوراللہ تعالٰی کاارشاد ہے: تم سے چاند کوپُوچھتے ہیں تم فرمادو وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں اور حج کے لیے۔اور اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد: کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے ظاہر ہوجائے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے پو پھٹ کر، پھر رات آنے تک روزے پورے کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد اقدس ہے: تم چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو۔(ت)

پھر ان میں بعض تو وہ ہیں جن کامدار صرف رؤیت پر ہی رہا وہ ہلال کہ ان اللہ امدہ

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصیام آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۱۷

[2] القرآن ۱۷/ ۱۲

[3] القرآن ۲/ ۱۹۰

[4] القرآن ۲/ ۱۸۷

[5] صحیح بخاری کتب الصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۶

لرؤیتہ[1] (بیشک اللہ تعالٰی نے چاند کامدار رؤیت پر رکھا ہے۔ت) اس کے ظہور وخفاء کے وہ اسباب کثیرہ نامنضبط ہیں جن کے لیے آج تک کوئی قاعدہ تک کوئی قاعدہ منضبطہ نہ ہوسکا۔ ولہٰذا بطلیموس نے مجسطی میں باآنکہ متحیرہ خمسہ وکواکب ثوابت کے ظہور وخفاکے لیے باب وضع کیے مگر رؤیت ہلال سے اصلاً بحث نہ کی، وہ جانتا تھاکہ یہ قابو کی چیز نہیں، اس کامیں کوئی ضابطہ کلیہ نہیں دے سکتا، بعد کے لوگوں نے اپنے تجارب کی بناء پر اگرچہ لحاظ درجہ ارتفاع یا بعد سوا یا بعد معدل وقوس تعدیل الغروب وغیرذلک کچھ باتیں بیان کیں مگر وہ خود ان میں بشدت مختلف ہیں اور باوصف اختلاف کوئی اپنے قرارداد پر جازم بھی نہیں جیسا کہ واقفِ پر ظاہر ہے اسی لیے اہلِ ہیئت جدیدہ باآنکہ محض فضول باتوں میں نہایت تدقیق وتعمق کرتے ہیں اور سالانہ المنک میں ہرروز کے لیے قمرکے ایک ایک گھنٹہ کا میل ومطالع قمراور ہر مہینہ میں آفتاب کے ساتھ اس کے جملہ انظار اجتماع واستقبال وتربیع ایمن وایسرکے وقت دیتے ہیں اور ہرہر تاریخ پر متحیرات وثوابت کے ساتھ اس کے قرانات بیان کرتے ہیں مگر رؤیت ہلال کاوقت نہیں دیتے وہ بھی سمجھے ہوئے ہیں کہ یہ ہمارے بوتے کانہیں ولہٰذا ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ اس بارہ میں قولِ اہلِ توقیت پر نظر نہ ہوگی، درمختار میں وہانیہ سے ہے: **وقول اولی التوقیت لیس بموجب**[2] (اہل توقیت کا قول سببِ وجوب نہیں نہیں سکتا۔ت) اور باقی وُہ ہیں کہ اگرچہ اُن کا اصل مدارِ رؤیت نہ ہوسکتا تھامگر رؤیت ہی کے تکرر سے تجربہ نے اُن کے بارے میں ضوابط کلیہ دیئے جن کاادراک بے رؤیت نہ ہوسکتا تھامگر بعد ادراک وُہ قاعدہ مقرر ہوکر وقت کو قوانین علم ہیأت وزیج کے ضابطہ میں لے آنا میسر ہُوا جس کے سبب ہم پیش ازوقت حکم لگاسکتے ہیں کہ فلاں وقت مطلوب شرعی فلاں گھنٹے منٹ سیکنڈ پر واقع ہوگا۔ واقف فن کاوہ حکم لگایا ہُوا کبھی خطانہ کرے گا کہ آخر مدار کارشمس وقمر کی چال پر ہے اور اُن کی چال عزیز علیم نے ایک حساب مضبوط پر منضبط فرمائی ہے۔

قال تعالٰی اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ[3] **وقال تعالٰی ذٰلِكَ تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ ؁**[4]۔	ارشاد باری تعالٰی ہے: سورج اور چاند حساب سے ہیں۔ اور ارشاد ربانی ہے: یہ حکم ہے زبردست علم والے کا۔(ت)

---

[1] سنن الدارقطنی کتاب الصیام حدیث ۲۶ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۱۶۲

[2] درمختار کتاب الصوم مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۸

[3] القرآن ۵۵/ ۵

[4] القرآن ۳۶/ ۳۸

حساب تو قطعی تھا ہی، جتنی بات کی طرف اسے راہ نہ تھی وہ مکرر رؤیت نے براہِ تجربہ بتادی اور اب تجربہ وحساب دو قطعیوں سے مل کر حکمِ قطعی ہمارے ہاتھ آگیا مثلاً طلوع وغروب اگر نجومی مراد ہوتے یعنی مرکز شمس کا افق حقیقی پر طرفین شرق وغرب میں انطباق کہ ان کے جاننے کے لیے رؤیت کی کچھ حاجت نہ تھی، شہر کا عرض اور جزر شمس کا میل ہونا ہی اُن کا وقت بتانے کے لیے کافی ووافی ہوتا جس کے ذریعہ سے ہم ہر عرض کے لیے جداول تعدیل النہار تیار کرلیتے ہیں مگر شرع مطہر میں اس طلوع وغروب کا کچھ اعتبار نہیں، طلوع وغروب عرفی درکار ہے یعنی جانبِ شرق آفتاب کی کرن چمکنا یا جانبِ غرب کل قرص آفتاب نظر سے غائب ہوجانا اس میں بھی اگر صرف نصف قطر آفتاب کا قدم درمیان ہوتا تو دقّت نہ تھی، مرکز عالم سے آفتاب کا ہر جزو مرکز شمسی پر بعد دریافت کرکے ہر روز کے نصف قطر کی مقدار دریافت کرسکتے تھے جس کی جدول المنک میں دی ہُوئی ہوتی ہے مگر بالائے زمین ۴۵ میل سے ۵۲ میل تک علی الاختلاف بخارات ہواء غلیظ کا محیط ہونا اور شعاع بصر کا پہلے اس ملاء غلیظ پھر اُس کے بعد ملاء صافی میں گزر کرافق میں پہنچنا حکیم عزوجل کے حکم سے اشعہ بصریہ کے لیے موجب انکسار ہوا جس کے سبب آفتاب یا کوئی کوکب قبل اس کے کہ جانب شرق افق حقیقی پر آئے نظر آنے لگتا ہے اور جانب غرب باآنکہ افق حقیقی پر اس کا کوئی کنارہ باقی نہیں رہتا، دیر تک ہمیں نظر آتا رہتا ہے، یہ انکسار ہی وُہ چیز ہے جس نے صدہا موقتین کو پیچ وتاب میں رکھا اور طلوع وغروب کا حساب ٹھیک نہ ہونے دیا اور یہی وُہ بھاری پیچ ہے جس سے آجکل عام جنتریوں والوں کے طلوع وغروب غلط ہوتے ہیں اس انکسار کی مقدارِ مدت دریافت کرنے کو عقل کے پاس کوئی قاعدہ نہ تھا جس سے وُہ محتاج رؤیت نہ رہتی، ہاں سالہاسال کے مکرر مشاہدہ نے ثابت کیا کہ اس کی مقدار اوسطا ۳۳ دقیقہ فلکیہ ہے، اب ضابطہ ہمارے ہاتھ آگیا کہ ان ۳۳ دقیقوں سے اختلاف منظر کے ۹ ثانیہ منہا کرکے باقی پر اس کا نصف قطر شمس زائد کریں، یہ مقدار انحطاط شمس ہوگی یعنی طلوع یا غروب کے وقت آفتاب اُفق حقیقی کے اتنے دقیقے نیچے ہوگا، جب قدر انحطاط معلوم ہولی تو دائرہ ارتفاع کے اجزاء سے وقت وطالع معلوم کرنے کے قاعدوں نے جو علم ہیأت وزیج میں دئے ہوئے ہیں راہ پائی اور ہمیں حکم لگانا آسان ہوگیا کہ فلاں شہر میں فلاں دن اتنے گھنٹے منٹ سکنڈ پر آفتاب طلوع کرے گا اور اتنے پر غروب معمول سے زیادہ ہوا میں رطوبت یا کثافت اگرچہ انکسار میں کچھ کمی بیشی لاتی ہے جس کا ادراک تھرمامیٹر اور بیرومیٹر سے ممکن، اور وُہ قبل از وقوع نہیں ہوسکتا، مگر یہ تفاوت معتد بہ نہیں جس سے عام احکام مطلوبہ شرعیہ میں کوئی فرق پڑے یُونہی مثلین وسایہ کا ادراک بھی حساب سے بہت آسان تھا کہ عرض بلد و میل شمس سے اس کا غایۃ الارتفاع پھر جدول سے اتنے ارتفاع کا ظل اصلی معلوم کرکے

اُس پر ایک یا دو مثل بڑھا کر اتنے ظل کے لیے ارتفاع اور اس ارتفاع کے لیے وقت معلوم کرلیتے مگر یہاں بھی اُسی انکسار کا قدم درمیان ہے کہ کوکب جب تک ٹھیک سمت الراس پر نہ ہو انکسار کے پنجے سے نہیں چھوٹ سکتا مگر رؤیت نے انکسار افقی کلی بتایا اور تناسب سے انکسارات جزئیہ مدرک ہُوئے جن کی جدول فقیر نے اپنے تحریراتِ ہندسہ میں دی ہے اس کے ملاحظہ سے پھر انہیں قوانین نے راہ پائی، اور ہر روز کے لیے وقت عصر پیش از وقوع ہمیں بتانا آسان ہوا، طلوع وغروب شفق کو تو انکسار سے بھی علاقہ نہ تھا کہ اُس وقت آفتاب پیشِ نگاہ ہوتا ہی نہیں کہ بصر کی شعاعوں کا انکسار لیا جائے وہاں سرے سے عقل کو اس ادراک کی راہ نہ تھی کہ آفتاب افق سے کتنا نیچا ہوگا کہ صبح طلوع کرے گی یا کتنا نیچا جائے کہ شفق ڈوب جائے گی تو پھر رؤیت ہی کی احتیاج پڑی اور صدہا سال کے تکرر مشاہدہ نے ثابت کیا کہ آفتاب ان دونوں وقت تقریبًا اٹھارہ درجے نیچے ہوتا ہے، یہ وُہ علم ہے جو اکثر ہیئات دانوں پر مخفی رہا، رجمًا بالغیب باتیں اڑا گئے، صبح کاذب کے وقت انحطاط شمس میں مختلف ہوئے، کسی نے سترہ درجہ کہا کسی نے اٹھارہ، کسی نے انیس ۱۹ بتائے، اور مشہور اٹھارہ ہے، اور اسی پر شرح چغمنی نے مشی کی، اور صبح صادق کے لیے بعض نے پندرہ درجے بتائے ہیں۔ اسے علامہ برجندی نے حاشیہ چغمنی میں بلفظ قد قیل نقل کیا اور مقرر رکھا، اور اسی نے علامہ خلیل کاملی کو دھوکا دیا کہ دونوں صبحوں میں صرف تین درجہ کا فاصلہ بتایا جسے ردالمحتار میں نقل کیا اور معتمد رکھا، حالانکہ یہ سب ہوسات بے معنی ہیں، شرع مطہر نے اس باب میں کچھ ارشاد فرمایا ہی نہیں، اس نے تو صبح کی صورتیں تعلیم فرمائی ہیں کہ صبح کاذب شرقًا غربًا مستطیل ہوتی ہے اور صبح صادق جنوبًا شمالًا مستطیر، اور ہم اُوپر کہہ آئے کہ مقدار انحطاط جاننے کی طرف کسی برہان عقلی کو راہ نہیں صرف مدار رؤیت پر ہے، اور رؤیت شاہد عدل ہے کہ صبح کاذب کے وقت ۱۷ یا ۱۸ یا ۱۹ درجے اور صادق کے وقت ۱۵ درجے انحطاط ہونا اور صادق وکاذب میں صرف تین درجے کا تفاوت ہونا سب محض باطل ہے بلکہ ۱۸ درجہ انحطاط پر صبح صادق ہو جاتی ہے اور اس سے بہت درجے پہلے صبح کاذب، فقیر نے بچشم خود مشاہدہ کیا کہ محاسبات علم ہیئت سے آفتاب ہنوز ۳۳ درجے اُفق سے نیچا تھا اور صبح کاذب خوب روشن تھی، صبح صادق کے سالہا سال سے فقیر کا ذاتی تجربہ ہے کہ اس کی ابتداء کے وقت ہمیشہ ہر موسم میں آفتاب ۱۸ ہی درجہ زیر اُفق پایا ہے، اور صبح کاذب کے لیے جس سے کوئی حکم شرعی متعلق نہ تھا اب تک اہتمام کا موقع نہ ملا، ہاں اتنا اپنے مشاہدہ سے یقینا معلوم ہُوا کہ اس میں اور صبح صادق میں ۱۵ درجے سے بھی زائد فاصلہ ہے نہ کہ ۳ درجہ، لاجرم برہان شرح مواہب الرحمٰن پھر شرنبلالیہ علی الدرر پھر ابوالسعود علی الکنز وغیرہا میں ہے:

البیاض لایذھب الاقریبا من ثلث اللیل[1]۔	سفیدی، تہائی رات کے قریب ختم ہو جاتی ہے۔(ت)

یہ وہی سپیدی مستطیل ہے جسے وُہ اپنے ملک میں ہمیشہ تہائی رات کے قریب تک رہتی فرماتے ہیں کما دل علیه الحصر (جیسا کہ حصر کا لفظ اس پر دال ہے۔ت) اور ظاہر ہے کہ اُن بلاد میں رات ۱۴ گھنٹے اور اس سے بھی کچھ زائد تک پہنچتی ہے جس کی تہائی تقریبًا پونے گھنٹے اور بحکم مقابلہ قطعًا معلوم ہے کہ ادھر جتنے حصہ شب تک یہ سپیدی رہے گی اُدھر اُتنا ہی حصہ شب کا باقی رہے گا ______ تو اس بیان پر لیالی شتا میں صبح کاذب کی مقدار وہاں پونے پانچ گھنٹے ہُوئی، اور معلوم ہے کہ وہاں صبح صادق کی مقدار پونے دو گھنٹے سے زائد نہیں، تو صبح صادق وکاذب میں تین گھنٹے تک کا فاصلہ ثابت ہُوا نہ کہ صرف تین ہی درجے۔ مگر امام زیلعی نے تبیین الحقائق میں فرمایا:

روی عن الخلیل انه قال رأیت البیاض بمکة شرفها الله تعالٰی لیلة فما ذھب الا بعد نصف اللیل[2]۔	شیخ خلیل سے منقول ہے کہ میں نے مکّہ (اللہ تعالٰی اسے اور بزرگی عطا فرمائے) میں ایک رات سفیدی دیکھی تو وُہ نصف رات کے بعد ختم ہُوئی۔(ت)

ظاہر ہے کہ مکہ معظّمہ میں وہ سپیدی کہ آدھی رات تک رہی، اگر ہو سکتی ہے تو یہی سرطان کی بیاض دراز، ورنہ مکہ معظّمہ میں اس کی صبح وشفق مستطیر ڈیڑھ گھنٹا بھی نہیں، تو خلیل بن احمد عروضی کی رؤیت وروایت اگر صحیح ہے اُس دن دونوں صبح میں تقریبًا پانچ گھنٹے کا فاصلہ ہوگا یہ بہت بعید ضرور ہے مگر اس قدر میں شک نہیں کہ تین درجے کا قول فاسد و مہجور ہے، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ برہان کے اس بیان یا خلیل کی اس رؤیت کو دربارہ وقت مغرب مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ذریعہ تضعیف جاننا،

کما وقع عن الطرابلسی فی البرھان فعدل عن اتباع المحقق ابن الھمام مع شدة تاسیسه به۔	جیسا کہ برہان میں طرابلسی سے ہے، انہوں نے باتباع محقق ابن الہمام یہاں سے عدول کر لیا حالانکہ وہ ان کی شدید اتباع کرتے ہیں(ت)

محض خطا ہے، امام کے نزدیک وقتِ مغرب شفق ابیض مستطیر تک ہے جو فجر صادق کی نظیر ہے، وُہ کبھی ان بلاد میں تہائی کیا چوتھائی رات تک بھی نہیں رہتی، اور یہ جو اس قدر دیرپا ہے بیاضِ دراز نظیر صبح کاذب ہے

[1] تبنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ درر الحکام کتاب الصلٰوۃ احمد کامل دار سعادت بیروت ۱/۵۱
[2] تبیین الحقائق کتاب الصلٰوۃ مطبع کبرٰی امیریہ مصر ۱/۸۱

کہ اُسی کی طرح احکامِ شرعیہ سے **یکسر ساقط والی بعض ھذا اونحومنہ اومأالتبیین** (اس کے بعض یااس کے مثل کی طرف تبیین میں اشارہ ہے۔ت)

ثمّ اقول: (پھر میں کہتا ہوں۔ت) صبح صادق کے لیے ۱۵ درجے انحطاط ہونے کا بطلان اور ۱۸ درجے انحطاط کی صحت، اس واقعہ مشہورہ سے بھی ثابت ہے جو فتح القدیر و بحرالرائق و درمختار میں وعامہ کتب معتبرہ میں مذکور کہ بلغار سے ہمارے مشائخ کرام کے حضور استفتاء آیا تھا کہ گرمیوں کی چھوٹی راتوں میں ان کو وقت عشاء نہیں ملتاآدھی رات تک شفق ابیض رہتی ہے اور وُہ ابھی نہ ڈوبی کہ مشرق سے صبح صادق طلوع کر آئی، امام برہان الدین کبیر نے حکم دیا کہ عشاء کی قضاء پڑھیں اور امام بقالی وامام شمس الائمہ حلوانی وغیرہما نے فرمایا اُن پر سے عشاء ساقط ہے [1]۔ بالجملہ اُن راتوں میں وہاں وقت عشا نہ پانا متفق علیہ ہے، اب اگر انحطاطِ صبح صادق ۱۵ درجے ہوتا تو سال کی سب سے چھوٹی رات یعنی شب تحویل سرطان میں بھی اُن کو وقت عشا ملتاایک رات بھی فوت نہ ہوتا نہ کہ راتوں، اس پر دلیل سُنئے، بلغار کا عرض شمالی ساڑھے انچاس درجے ہے **کما فی الزیج السمر قندی ثم الزیج الالوغ بیکی** (جیسا کہ سمر قندی اور الوغ بیگی زیج میں ہے۔ت) اور میل کلی یعنی راس السرطان کا میل اُس زمانے میں ۲۳-۱/۲ درجے سے کچھ زائد تھا کہ اس کی مقدار زمانہ رصد سمر قند میں جسے تقریبًا پانسو برس عــہ۱ ہُوئے **لح ل ء** تھی یعنی ۲۳-۱/۲ درجے سے ۱۷ ثانیہ زیادہ توزمانہ امام شمس الائمہ حلوانی میں جسے پونے نوسو برس عــہ۲ گزرے اور بھی زائد ہوگا اور طوسی کا رصد مراغہ لیجئے تو وُہ اپنے ہی زمانہ میں **الح لہ** کا رہا ہے یعنی ۲۳ درجے ۳۵ دقیقے، خیر اس کی نہ سُنیے اُس پر تجربہ ہوا ہے کہ اعمال میں کچا ہے، تو بلحاظِ تناسب کہ اب **الح الر** یعنی ۲۳ درجے ۲۷ دقیقے معہ کسر خفیف ہے اُس وقت کا میل **الح لح بالرفع** رکھئے یعنی ۲۳ درجے ۳۳ دقیقے تو وہاں راس السرطان کی غایت انحطاط یعنی وقت بلوغ دائرہ نصف اللیل ۱۶ درجے ۵۷ دقیقے تھی یا تقریبًا ۱۷ درجے کہئے اور انحطاط صبح ۱۵ درجے ہے تو قطعًا یہی انحطاط شفق ابیض ہے کہ جانبین سے تعادل وتناظر ہے، اس تقدیر پر بعد غروبِ شمس جب تک افق سے آفتاب کا انحطاط بڑھتے بڑھتے ۱۵ درجے تک پہنچا امام اعظم کے مذہب میں وقت مغرب تھا پھر اس کے بعد جبکہ انحطاط اس سے ترقی کرکے آدھی رات کو ۱۷ درجے تک پہنچا پھر

عــہ۱: مبدء زیج سنہ ضمار کھا ہے یعنی آٹھ سواکتالیس ہجری۔)

عــہ ۲: وفات امام حدود ۴۵۰ ہجری میں ہے یعنی ۴۴۸ یا ۴۵۲ یا ۴۵۶ میں ۱۲ منہ۔)

---

[1] درمختار کتاب الصّلٰوۃ مجتبائی دہلی ۱/ ۶۰

آدھی رات ڈھلے اُس سے کم ہوتا پھر ۱۵درجے رہا اُس وقت صبح ہوئی، اس بیچ میں کہ تقریبًا چار درجے انحطاط بدلا، یقینا اجماعًا وقتِ عشا تھا، تو فوتِ عشا کیا معنے، اور اگر مقدار وقت جاننا چاہو تو عرض شمالی ۹۴ ۳۰- میل شمالی ۲۲ ۲۳ ۳۳ = ۵۲ ۵۷ + بعد سمتی مفروض ۱۰۵ = ۱۳۰ نصفہ ۵۶ ۸۲ ۳۰ جیبہ ۹۵۸۹۳۶۵ ۹جیب اول و۱۰۵- نصف مذکور ۹۳ ۳۱ ۳۰ جیبہ ۳۰۴۰۷۳۸۰ء جیب دوم ۱۸۷۴۵۵۶ ۰ قاطع عرض پس ۴۰ ۴۳ ۱۰ات شروع وقت عشا ۷۶۷۷۳۰۰ قاطع میل ۲۰ ۱۶ ۱۳ شروع وقت صبح ۹۸۷۸۹۹۶ ۹ یعنی رات کے ۱۰بج کر ۴۳ منٹ ۴۰ سیکنڈ پر مغرب ختم ہوگیا اور ایک بج کر ۱۶ منٹ ۲۰ سیکنڈ پر صبح شروع ہُوئی تو ۲/۱-۲ گھنٹے سے زیادہ وقت عشا رہا اور جب اس رات میں جس کا غایۃ الانحطاط یعنی نہایت قلّت میں ہے اتنا طویل وقت ملا تو گرمی کی اور راتوں میں کہ انحطاط اس سے بھی زائد ہے اور بھی زیادہ وقت ہاتھ آئے گا اور یہ متفق علیہ مسئلہ یقینا غلط ہوجائے گا، ہاں جب صبح و شفق کا انحطاط ۱۸درجے لیجئے تو ۹۴ ۳۰ + ۸۱ = ۸۶ ۳۰ یا تمام العرض ۴۰ ۳۰ غایت مفروضہ ۸۱ = ۲۲ ۳۰ یعنی جس چیز کا میل شمالی ساڑھے بائیس درجے یا اس زائد ہوگا اُس میں ٹھیک آدھی رات کو انحطاط ۱۸درجے یا اس سے بھی کم ہوگا جو ظہور بیاض کے لیے کافی ہے تو تمام رات میں ایک آن کو بھی اُفق مظلم ہوکر وقتِ عشاء نہ آئے گا اور اب یہ فقط راس السرطان ہی پر نہیں بلکہ ۱۴درجے جوزا سے ۱۶درجے سرطان تک یہی حال رہے گا جس کی مقدار ایک مہینہ تین دن بلکہ زائد ہوئی[1] **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق** (تحقیق اسی طرح مناسب تھی، توفیق کا اللہ ہی مالک ہے۔ت) اس تمام بیان سے تین باتیں واضح ہوئیں جن سے جواب سوال روشن ومبین:

(۱) اصلا مدار رؤیت ہے شارع علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے اسباب میں کوئی ضابطہ وحساب ارشاد نہ فرمایا، نہ عقل صرف مقدار انحطاط صبح بتاسکتی تھی۔

(۲) ہاں رؤیت نے وُہ تجارب صحیحہ دئے جن سے قاعدہ کلیہ ہاتھ آیا اور بے دیکھے وقت بتانا ممکن ومیسر ہوا۔

(۳) ازانجا کہ یہاں جو قاعدہ ہوگا رؤیت ہی سے مستفاد ہوگا کہ شرع وعقل دونوں ساکت ہیں تو لاجرم

---

[1] یعنی دائرہ نصف النہار جانب سمت القدم ۱۲ منہ

جو قاعدہ رؤیت یا اس کے دئے ہوئے قوانین کی مخالفت کرے، خود باطل ہونا لازم، کہ فرع جب تکذیب اصل کرے تو فرع باقرارِ خود کاذب ہے کہ اس کا صدق اس پر مبتنی تھا، جب مبنی باطل یہ خود باطل، یہ قاعدہ کہ صبح رات کا ساتواں حصّہ ہوتی ہے انہیں قواعد باطلہ فاسدہ سے ہے کہ رؤیت و قوانین عطیہ رؤیت، بالاتفاق اس کے بطلان پر شاہد عدل ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۴: از پیلی بھیت قاضی محلّہ مرسلہ قاضی ممتاز حسین صاحب ممتاز ۲۰ رمضان ۱۳۱۷ھ

طعامِ سحری کا جب وقت نہیں رہتا ہے تو درِ مسجد پر نقارہ بجایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اور بعض کہتے ہیں ناجائز ہے، اس میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

سحری کا نقارہ اجازت یا ممانعت جس اصطلاح معروف پر مقرر کیا جائے اجازت ہے کہ کہیں ممانعت نہیں، درمنتقی شرح الملتقی میں ہے:

ینبغی ان یکون بوق الحمام یجوز کقرب النوبة[1]۔	حمام کا تُوتا جائز ہونا چاہئے جیسا کہ نقّارہ جائز ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ینبغی ان یکون طبل السحر فی رمضان لا یقاظ النائمین للسحور کبوق الحمام تأمل[2]۔ و اللہ تعالٰی اعلم۔	رمضان میں سحری کے وقت سونے والوں کو جگانے کے لیے طبل اسی طرح ہے جیسے حمام کے لیے توتا بجایا جاتا ہے، غور کیجئے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۵: از کوہ الموڑہ رانی دھارہ مسئولہ حکیم مولوی خلیل اللہ خاں صاحب سلمہ ۷ ماہ مبارک ۱۳۳۳ھ

سحر و افطار کے نقشے عطا ہوں صاحبزادہ نواب دولھا صاحب مانگتے ہیں، ایک دو منٹ کا تفاوت دیکھ لیا جائے گا۔

الجواب:

نقشے بھیجتا ہوں، الموڑے اور بریلی میں اس ماہ مبارک میں سحری کا اوسط تفاوت منفی پانچ (-۵) ہے یعنی اتنے منٹ وقتِ بریلی سے پہلے ختم ہے اور افطار کا اوسط مثبت ایک (+۱-۱/۴) یعنی وقت بریلی سے

---

[1] درمنتقی علی حاشیۃ مجمع الانہر فصل فی المتفرقات من کتاب الکراھیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ مصطفی البابی مصر ۵/ ۲۴۷

سوا منٹ بعد۔ لیکن یہ حساب ہموار زمین کا ہے پہاڑ پر فرق پڑے گا، اور وہ فرق بتفاوتِ بلندی متفاوت ہوگا، اگر دو۲ ہزار فٹ بلندی ہے تو غروب تقریبًا چار منٹ بعد ہوگا، اور طلوع اُسی قدر پہلے، لہٰذا جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ وُہ جگہ کس قدر بلند ہے جواب نہیں دے سکتا۔ اگر کسی دن کے طلوع یا غروب کا وقت صحیح گھڑی سے دیکھ کر لکھو تو میں اس سے حساب کرلُوں کہ وُہ جگہ کتنی بلند ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۶: از سہادر ضلع ایٹہ مرسلہ سید فردوس علی صاحب ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ

بعد آداب وتمنّائے قدمبوسی گزارش ہے کہ ۵ رمضان شریف یوم شنبہ مطابق ۱۰ ستمبر کو افطار روزہ ایک مسجد میں ریلوے ٹائم سے پونے سات بجے روزہ افطار کیا جاتا تھا مطلع فرمائیے کہ اُس روز ریلوے ٹائم سے کس قدر فرق ہے، زیادہ حدِادب فقط

الجواب:

سہادر میں جس کا عرض شمالی الرص مح ۲۷ درجے ۴۸ دقیقے اور طول شرقی عح نح ۷۸ درجے ۵۳ دقیقے ہے پنجم ماہ مبارک روز شنبہ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۱۰ء کو غروب آفتاب صحیح وقت سے چھ بج کر سوا چھبیس منٹ پر ہوا تو وُہ گھڑی جس کے ساڑھے چھ پر افطار کیا گیا اگر صحیح تھی روزہ بے تکلف ہوگیا کہ غروب کو پونے چار منٹ گزر چکے تھے اس سے پہلے جو پونے سات پر افطار کرتے تھے خلافِ سنت تھا افطار میں اتنی تاخیر مکروہ ہے ریلوے وقت سہادر کے اپنے وقت سے چودہ منٹ اٹھائیس سیکنڈ تیز ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۷: از الٰہ آباد صدر بازار محمد حشمت اللہ صاحب ۱۹ رمضان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص امام مسجد ہے او سب لوگ روزہ اُس کی اذان سے افطار کرتے ہیں اور وُہ دیر سے افطار کا حکم دیتا ہے یہاں تک کہ کئی مرتبہ آزمایا گیا ہے کہ تار انکل آیا اس کو تار ادکھا بھی دیا گیا تو اس پر بھی اس نے کہا کہ ابھی دو منٹ کی دیر ہے تو اس حالت میں کچھ روزہ میں نقص تو واقع نہیں ہوتا ہے؟ اگر کوئی واقع ہوتا ہے تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب:

جب آفتاب تمام وکمال ڈوبنے پر یقین ہوجائے فورًا روزہ کی افطار سنّت ہے، حدیث میں فرمایا:

لاتزال امتی بخیر ماعجلوا الفطر واخروا السحور[1]۔	ہمیشہ میری اُمّت خیر سے رہے گی جب تک افطار میں جلدی اور سحری میں دیر کریں۔

[1] مسند احمد بن حنبل روایات ابوذر دارالفکر بیروت ۱۴۷/۵

مگر اتنی جلدی جائز نہیں کہ غروب مشکوک ہو اور افطار کرے یا سحری میں اتنی دیر لگائے کہ صبح کا شک پڑ جائے اور تارے کی سند نہیں بعض تارے دن سے چمک آتے ہیں ہاں، سیّاروں کے سوا جو کواکب ہیں وہ اکثر ہمارے بلد میں غروبِ آفتاب کے بعد چمکتے ہیں اگر ان ستاروں میں سے کوئی ستارہ چمک آتا ہے اور پھر وہ افطار نہیں کر دیتا اور دو [۲] منٹ کی دیر بتاتا ہے تو یہ رافضیوں کا طریقہ ہے، اور بہت محرومی و بے برکتی ہے، اُسے توبہ کرنی چاہئے **واللہ تعالٰی اعلم** اس صورت میں مسلمان اس پر نہ رہیں جب غروب پر یقین ہو جائے افطار کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۸: از کوہ الموڑہ رانی دھارہ مسئولہ حکیم مولوی خلیل اللہ صاحب سلمہ ۷ ماہ مبارک ۱۳۳۳ھ

بعد از اہدائے سلام سنت الاسلام ولوازم آداب تسلیمات فدویانہ، معروض خدمت فیض درجت آنکہ والا نامہ گرامی بشرف صدور لایا، مفخر و ممتاز فرمایا، کل اس کوٹھی کی بلندی دریافت کی گئی بلندی دریافت کرنے کا ایک آلہ ہوتا ہے جو سطح سمندر سے جس قدر بلند ہو وہ بتاتا ہے، ایک چھوٹا سا آلہ ہے جو کہ چھوٹی سی ڈبیہ کی طرح ہوتا ہے مثل گھڑی کے گول، اس میں سُوئی ہوتی ہے جو کہ بلندی کے نمبروں پر گشت کرتی ہے، غرض وہ کل دیکھا گیا اس کے ذریعہ سے ذیل کی بلندی دریافت ہوئی، پانچہزار پانچ سو پچاس فٹ سطح آب سے بلندی ہے اس لیے صاحبزادہ نواب دولھا صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ اب لکھ بھیجو کہ اس حساب سے کیا وقت نکلتا ہے، لیکن یہ بلندی اُس وقت ٹھیک وقت بتا سکتی ہے جبکہ یہ جگہ ہموار ہو یہاں شرقاً و غرباً پہاڑ ہے جس باعث سے طلوع مؤخر اور غروب مقدم ہوتا ہے اور یہ ٹیکری پہاڑ جو کہ غربی جانب ہے ہم سے تین سو یا چار سو فٹ بلند ہے اور شرقی جانب کا پہاڑ غالباً چھ سو فٹ ہوگا اور شمالی جانب پندرہ روزہ کے راستہ پر برف کا پہاڑ نظر آتا ہے جس پر شعاع آفتاب کی بہت پہلے پڑتی ہے اور مطلع صاف ہو تو اس کی چمک یہاں پر بخوبی نظر آتی ہے اور قریب کے پہاڑوں پر کہیں شعاع نہیں ہوتی اور لوگ نماز پڑھتے ہوتے ہیں اور شرق و غرب جو پہاڑ ہے اس پر بھی الموڑہ ہی کی آبادی ہے، سب طرف مکانات بنے ہُوئے ہیں اور اس کوٹھی سے اور خاص شہر یعنی بازار سے چنداں تفاوت نہیں، اب اگر ایک ہزار فٹ پر دو [۲] منٹ بڑھا جائیں تو گیارہ منٹ اور سوا منٹ طول یا عرض بلد کا کل سوا بارہ منٹ جمع کرنا پڑیں گے، جس حساب سے آج کا افطار ۲۳ء منٹ پر ہونا چاہئے (۰۱۱ + ۱۲ = ۰۲۳) لیکن میرے خیال میں ۲۰ منٹ سے پیشتر ہی مشرق سے سیاہی نمودار ہو جاتی ہے لیکن مغربی بادلوں میں خوب سرخی اور چاروں طرف کسی قدر بادلوں پر سرخی پائی جاتی ہے، چونکہ صاحبزادہ صاحب موصوف کو تحقیق مطلوب ہے اس لیے خاکسار نے یہاں کی مجموعی کیفیت گزارش کر دی، امید کہ جواب باصواب سے ممتاز فرمایا جائے، رام پور سے جو نقشے آئے ہیں اُن میں اس نقشے کے حساب

سے تین چار منٹ کا، بَل ہے یعنی غروب چار منٹ مؤخر ہے۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، شرقی غربی پہاڑوں کے سبب تاخرِ طلوع وتقدمِ غروب معتبر نہیں، وہ دیوار ہائے مکان کی مثل ہیں، نہ وہ شعاعیں کہ کوہ برف پر پڑ کر روشنی دیتی ہیں کچھ قابلِ لحاظ نہیں جبکہ وُہ پہاڑ اس سے بلند تر ہیو وہ شب کی چاندنی کے مثل ہیں کہ چاند پر شعاعِ شمس ہی پڑ کر روشنی پیدا ہوتی ہے۔ نہ یہاں اربعہ متناسبہ ہے کہ دوہزار فٹ پر چار منٹ تھے توہزار پر دو اور ساڑھے پانچ ہزار پر گیارہ ہوں بلکہ یہاں تزاید علی سبیل التناقص ہے، ہر بلندی پر جو تفاوت ہے اس سے دو چند پر دو چند سے کم ہوگا مثلاً سَو فٹ بلندی پر افق ۱۰ء دقیقے نیچے گرتا ہے اور ہزار فٹ پر صرف ۰۳۳ء دقیقے، نہ کہ ۱۰ء کا دس گنا، اور چار ہزار فٹ پر ایک درجہ سات دقیقے، نہ کہ ۰۳۳ء کہ دو[۲] درجے چودہ[۱۴] دقیقے، یعنی اس سے دو چند ہوتا کہ ۱۰ء دقیقے کا چالیس گنا کہ پُورے سات ۷ درجے ہوتا **وقس علٰی ھذا** (اور اس پر قیاس کرو۔ ت) ۵۵۵۰ فٹ بلندی پر میں نے حساب کیا افق ایک درجہ ۱۹ دقیقے ۱۰ء ثانیے گرا، جس کے سبب شروع ماہِ مبارک میں کہ تقویم سرطانی کہ ۲۰ درجے پر تھی، طلوع وغروب المؤثرہ میں ہموار زمین کے اعتبار سے ۶ منٹ ۷ ۴ سیکنڈ تفاوت تھا یعنی طلوع شمس اس قدر پہلے اور غروب اس قدر بعد اور آخر ماہ مبارک میں کہ تقویم اسد کے ۱۸ پر ہوگی تفاوت ۶ منٹ ۲۵ سیکنڈ ہوگا، یہ ۲۲ سیکنڈ کا فرق تفاوت میل شمسی کے باعث ہے، غرض اواخر رمضان حال میں ساڑھے چھ منٹ، تو یہ فرق سمجھئے اور سوا منٹ بلحاظ عرض طول مجموع پونے آٹھ منٹ وقت افطار بریلی پر بڑھیں گے جس میں احتیاطی منٹ بھی شامل ہیں۔ ۱۳ ماہ مبارک مطابق ۲۷ جولائی کی نسبت جو تم نے ۱۲ منٹ بڑھائے ۰۷ بڑھاؤ (۱۲ء + ۰۷ = ۱۹) وہی بات آگئی جو تم نے لکھی کہ "میرے خیال میں ۲۰ منٹ سے پہلے ہی مشرق سے سیاہی نمودار ہوجاتی ہے"۔ ایک رامپور کیا ہندوستان بھر کے نقشوں کی بایں معنی قدر کرنا بے جا نہیں جانتا کہ وُہ بیچارے اپنے گمان میں تو اچھا سمجھ کر کرتے ہیں، اگرچہ یہ فتوی ہے اور بے علم فتوی سخت حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۹ تا ۲۷۰: از اروہ نگلہ ڈاک خانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ محمد صادق علی خاں صاحب رمضان ۱۳۳۰ھ

(۱) روزہ افطار کرنا کس چیز سے مسنون ہے؟

(۲) رمضان مبارک میں روزہ افطار کے بعد مغرب نماز پڑھ کر بہت سے آدمی جمع ہو کر حقّہ پیتے ہیں جس سے بیہوش ہوتے ہیں کچھ خبر نہیں رہتی، ہاتھ پیروں میں رعشہ ہوجاتا ہے، آیا یہ حالت شرعًا سکر میں ہے یا نہیں؟ ایسا حقّہ پینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) خرمائے تر، اور نہ ہو تو خشک، اور نہ ہو تو پانی۔ سنن ابی داؤد وجامع ترمذی میں بسندِ حسن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یفطر قبل ان یصلی علی رطبات فان لم تکن رطبات فتمیرات وان لم تکن تمیرات فحساحسرات من ماء[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز ادا کرنے سے پہلے تر کھجور سے روزہ افطار فرماتے، اگر تر کھجوریں نہ ہوتیں تو خشک کھجوریں استعمال فرماتے، اگر کھجوریں نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ پیتے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) ایسا حقّہ پینا کبھی ہو، حرام ہے، اور یہ حالتِ سُکر نہیں بلکہ تفتیر ہے، اور سُکر و تفتیر دونوں حرام۔ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن کل مسکر ومفتر[2]۔	رسول اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم ہر نشہ آور مفتر سے منع فرماتے تھے (ت)

اور تفصیل مسئلہ ہمارے رسالہ **حقۃ المرجان لمھم حکم الدخان** میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۱: از بنارس محلّہ کندی گر ٹولہ متصل شفاخانہ مرسلہ حکیم عبدالغفور صاحب ۱۲رمضان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دعاءِ افطار اللھم صمت وعلٰی رزقک افطرت قبل از افطار پڑھنی چاہیئے یا بعد افطار؟ مظاہر حق نواب قطب الدین حسن واشعۃ اللمعات شیخ عبدالحق میں ترجمہ افطرت کا بصیغہ ماضی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دُعا آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد افطار کے پڑھتے تھے، چنانچہ ابن ملک نے بھی اس کو لکھا ہے، قول ابن ملک کو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دعا مذکور بعد افطار کے پڑھتے تھے نواب قطب الدین حسن دہلوی نے مظاہر حق شرح مشکوۃ میں نقل کیا ہے، لیکن بعض کتابوں میں لکھتے ہیں کہ دعا مذکورہ بالا قبل افطار پڑھنی چاہیئے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

فی الواقع اس کا محل بعد افطار ہے،

ابوداؤد عن معاذ بن زھرۃ	ابوداؤد میں حضرت معاذ بن زہرہ رضی اللہ عنہ سے

[1] جامع ترمذی باب ماجاء مایستحب علیہ الافطار امین کمپنی دہلی ۱/۸۸، سنن ابی داؤد باب مایفطر علیہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۲۱

[2] سنن ابی داؤد کتاب الاشربہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۶۳

انه بلغه ان النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کان اذا افطر اللھم لك صمت وعلی رزقک[1] فحمل افطر علی معنی ارادة الافطار وصرف عن الحقیقة من دون حاجة الیه وذالایجوز وھکذا فی افطرت۔	کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افطار کے وقت یہ دُعا پڑھتے: "اے اللہ! میں نے تیری رضا کی خاطر روزہ رکھا، تیرے رزق پر افطار کیا" تو یہاں افطر سے مراد ارادہ افطار لینا اور حقیقی معنی سے بے ضرورت اعراض کرنا ہے حالانکہ یہ جائز نہیں اور اسی طرح کا معاملہ "افطرت" میں ہے(ت)

مولانا علی قاری علیہ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

(کان اذاافطر قال)ای دعا وقال ابن الملك ای قرأبعد الافطار[2] الخ۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	(جب افطار کرتے تو کہتے) یعنی دُعا کرتے ابن الملک نے کہا کہ افطار کے بعد یہ دُعا پڑھتے تھے الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

---

[1] سنن ابی داؤد باب القول عندالافطار آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۲۲
[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الصوم مسائل متفرقہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۲۵۸

العروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار ۱۳۱۲ھ

(افطار کی دُعا کے وقت کے بیان میں عطر آلود دُولھا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلّما

مسئلہ ۲۷۲: از بنارس محلّہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی محمد عبدالمجید صاحب چشتی فریدی پانی پتی ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ

ہمارے علماء رحمھم الغفار و ابقاھم الی یوم القرار، اس میں کیا فرماتے ہیں کہ دعائے افطارِ روزہ **اللھم لك صمت وعلی رزقك افطرت** کو بعض علماء فرماتے ہیں کہ قبل افطار کہے، چنانچہ رسالہ **تنبیہ الانام فی آداب الصیام** میں ہے: اور قبل افطار کے یہ پڑھنا **اللھم لك صمت** الخ سنّت ہے[1] **انتھی**۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ وقتِ افطار کہے۔ چنانچہ رسالہ **مفتاح الجنۃ** مؤلفہ مولانا کرامت علی جونپوری مرحوم میں ہے: اور افطار کے وقت سنّت ہے کہ کہے **اللھم لك صمت الخ**[2] **انتھی**۔ اور کتاب

[1] تنبیہ الانام فی آداب الصیام

[2] رسالہ مفتاح الجنۃ، مولوی کرامت علی

جواہر الاحکام تصنیف مولوی عبداللہ معروف بہ مستان شاہ میسوری میں نقلاً عن الکفایہ ہے۔ مثلاً سنّت وہی ہے کہ وقتِ افطار یہ دُعا کہے **اللھم لك صمت** الخ انتہٰی[1]۔ اور رسالہ **خیر الکلام فی مسائل الصیام** مؤلفہ جناب مولوی محمد عبدالحلیم مرحوم لکھنوی میں ہے:

وقت افطار سنت آنست کہ بہ گوید **اللھم لك صمت**[2] الخ انتھی۔	افطار کے وقت سنّت یہ ہے کہ دُعا مانگے: اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا الخ (ت)

اور نور الہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ مؤلفہ مولوی وحید الزمان میں ہے: جس وقت افطار کرے کہے **اللھم لك صمت وعلٰی رزقك افطرت** یعنی اے اللہ! تیرے ہی واسطے میں نے روزہ رکھا تھا اور تیرے رزق پر افطار کرتا ہوں۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے کہ ایسا ہی کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[3] انتہی۔ اور رسائل ارکان اربعہ مؤلّفہ مولانا ومقتدانا جناب مولوی عبدالعلی کے رسالہ صوم میں ہے:

وینبغی ان یقول عند الافطار اللھم لك صمت وعلٰی رزقك افطرت عن معاذبن زھرۃ قال بلغنی ان رسول اللہ کان اذا افطر قال اللھم لك صمت وعلٰی رزقك افطرت، رواہ ابوداؤد انتھی[4]۔	افطار کے وقت یہ کہنا چاہئے اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا، کیونکہ حضرت معاذ بن زہرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو کہتے اے اللہ! میں نے تیری خاطر روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا، اسے ابوداؤد نے روایت کیا انتھی (ت)

اور رسالہ تعلیم الصیام میں ہے: معاذ بن زہرہ نے کہا حضرت (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) افطار کے وقت یُوں کہتے تھے:

اللھم لك صمت وعلٰی رزقك افطرت، رواہ ابوداؤد مرسلا[5] انتھی۔	اے اللہ! میں نے تیری خاطر روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا۔ اسے ابوداؤد نے مرسلاً روایت کیا۔ (ت)

اور شیخ عبدالحق قدس سرہ کی مدارج النبوۃ میں ہے:

---

[1] جواہر الحکام، مولوی عبداللہ

[2] رسالہ خیر الکلام فی مسائل الصیام، مولوی عبدالحلیم

[3] نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ، کتاب الصوم باب مکروہات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۷

[4] رسائل ارکان ربعہ بیان انہ یستحب الافطار بالتمر مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۲۱۵

[5] رسالہ تعلیم الصیام

ودر وقتِ افطار فرمودے اللھم بك صمت [1] الخ انتھی۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افطار کے وقت فرماتے اے اللہ! میں نے تیرے لیے رکھا الخ انتہی (ت)

اور اُنہیں کی اشعۃ اللمعات میں حدیث معاذ بن زہرہ کے ترجمہ میں ہے:

بود آنحضرت چوں افطار می کردمی گفت اللھم لك صمت خداوند برائے رضائے تو روزہ داشتہ ام وعلٰی رزقك افطرت وبر روزی تو کہ رسانیدی می کشادم روزہ را [2] انتھی۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب افطار کرتے، فرماتے اللھم لك صمت اے اللہ! میں نے تیری رضا کیلئے روزہ رکھا وعلٰی رزقك افطرت اور تیرے عطا کردہ رزق پر روزہ افطار کیا انتھی (ت)

اور بعض کہتے کہ اس دعا کو بعد افطار کہے۔ چنانچہ مظاہر حق ترجمہ اردو مشکوٰۃ مؤلفہ جناب مولوی قطب الدین مرحوم دہلوی میں ہے: ابن ملک نے کہا ہے کہ حضرت (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ان کلمات (یعنی اللھم لك صمت الخ) کو بعد افطار کہتے تھے [3] انتھی۔ توان قولوں میں صحیح قول کون سا ہے؟ اور نیز اس میں کہ وقت افطار سے مراد قبل از افطار ہے اور پہلے قول اور اس قول کا مآل واحد ہے یا بعد افطار اور پچھلے قول اور اس قول کا مآل واحد ہے اور نیز اس میں کہ لفظ افطرت کا ترجمہ "افطار کرتا ہوں میں" جیساکہ مؤلف نور الہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ نے کیا ہے صحیح ہے یا "افطار کیا میں نے" جیساکہ شیخ قدس سرہ نے اشعۃ اللمعات میں کیا ہے صحیح ہے؟ اور نیز اس میں کہ بر تقدیر صحت ترجمہ ثانی کے اس دُعا کا بعد افطار ہونا ثابت ہوگا یا نہیں؟ اور نیز اس میں کہ زید تو کہتا ہے کہ حدیث کے لفظ اذا افطرت قال اللھم لك صمت الخ (جب افطار کرتے تو فرماتے اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا الخ۔ت) میں اذا حرفِ شرط ہے، افطر جملہ فعلیہ شرط ہے، قال اپنے فاعل ضمیر مستتر اور اللھم لك الخ مقولہ کے ساتھ جزا ہے۔ اور عمرو کہتا ہے اذا حرفِ شرط، افطر شرط، اور فقد قال جزا۔ بس یہ کلام تو تمام ہوچکا اب اللھم لك صمت برأسه اور نیز ایک دوسرا کلام ہے قال سے اس کو کچھ تعلق نہیں تو دونوں میں صحیح قول کس کا ہے۔؟ اور نیز اس میں زید تو کہتا ہے کہ اللھم لك صمت الخ دُعا ہے اور عمرو کہتا ہے نہیں، کیونکہ دُعا تو وُہ کلام ہوتا ہے جو کہ متضمن مضمون طلب ہو، اور یہ ایسا نہیں تو دُعا بھی نہیں، تو دونوں میں صحیح

[1] مدارج النبوۃ باب دہم در انواع عبادات نوع چہارم در صوم نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۴۲۹
[2] اشعۃ اللمعات کتاب الصوم فصل ثالث نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۸۴
[3] مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصوم افطار کی دعا دار الاشاعت کراچی ۲/ ۳۱۴

قول کس کا ہے؟ اور نیز اس میں کہ لفظ عند ظرف ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ظرف زمان بمعنی وقت ہے یا ظرف مکان بمعنی نزدیک اور پاس کے؟ اور نیز اس میں کہ مولانا بحرالعلوم مرحوم کے قول **وینبغی ان یقول عند الافطار** کا ترجمہ "اور لائق ہے کہ کہے وقت افطار کے" کرنا چاہئے یا "اور لائق ہے یہ کہ کہے نزدیک افطار کے" کرنا چاہئے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق مقتضائے دلیل یہ ہے کہ دُعا روزہ افطار کرکے پڑھے اوّلاً حدیث مذکور ابی داؤد کہ ابن السنی نے کتاب عمل الیوم واللیلہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں یُوں روایت کی:

عن معاذبن زھرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا افطر قال الحمد للہ الذی اعاننی فصمت ورزقنی فافطرت[1]	حضرت معاذ بن زہرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو یہ پڑھتے: سب حمد اللہ کی جس نے میری مدد فرمائی کہ میں نے روزہ رکھا اور مجھے رزق عطا فرمایا کہ میں نے افطار کیا۔(ت)

اور نیز ابن السنی نے کتاب مذکور اور طبرانی نے معجم کبیر اور دار قطنی نے سنن میں موصولاً یوں تخریج کی:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا افطر قال اللّٰھم لك صمنا وعلٰی رزقك افطرنا فتقبل منا انّك انت السمیع العلیم[2]۔	حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو یہ دُعا پڑھتے: اے اللہ! ہم نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا، ہماری طرف سے قبول فرما تو سننے اور جاننے والا ہے(ت)

ونیز حدیث ابی داؤد ونسائی ودار قطنی وحاکم وغیرہم:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما	حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے

[1] شعب الایمان باب فی الصیام حدیث ۳۹۰۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۴۰۶، کتاب عمل الیوم واللیلۃ باب مایقول اذاافطر حدیث ۴۷۹ معارف نعمانیہ حیدرآباد دکن ص ۱۲۸

[2] کتاب عمل الیوم واللیلۃ باب مایقول اذاافطر حدیث ۴۸۰ معارف نعمانیہ حیدرآباد دکن ص ۱۲۸، سنن الدار قطنی باب القبلۃ للصائم حدیث ۲۱ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۱۸۵

قال کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذاافطر قال ذھب الظمأ و ابتلت العروق ویثبت الاجران شاء اللہ تعالٰی[1]۔	کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افطار کرتے توفرماتے : پیاس چلی گئی، رگیں تر ہو گئیں، اور اگر اللہ تعالٰی نے چاہاتواجر ثابت ہو گیا(ت)

ان سب کا مفاد صریح یہی ہے **افطر** شرط اور **قال کذا** اس کی جزا، مجرد قول کہ مقولے سے معرا کرلیا جائے صلاحیتِ وقوع ہی نہیں رکھتا، ترتّب کہ لازم جزائیت ہے کہاں سے آئیگا، **اللّٰھم** کو کلامِ مستانف قرار دینا ایسی بات ہے کہ شرع مائۃ عامل خواں بھی قبول نہ کرے گا، اور جزا شرط سے مقدم نہیں ہوتی **بل یعقبہ ویترتب علیہ کما لایخفی علٰی کل من لہ ادنی مسکۃ** (بلکہ جزا شرط سے مؤخر اور اس پر مترتب ہوتی ہے جیسا کہ ہراس شخص پر واضح ہے جو اس فن کے ساتھ تھوڑا سا بھی تعلق رکھتا ہے۔ت) اور مقارنت حقیقیہ یہاں معقول نہیں کہ عین وقتِ افطار **بالاکل والشرب** یعنی جس وقت کوئی مطعوم حلق سے اتارا جائے عادۃً خاص اُس حالت میں قرأت نامتیسر، لاجرم تعقیب مراد، **وھو المقصود** ہاں افطار بالجماع میں اقتران حقیقی مقصود مگر وُہ یہاں قطعًا مراد نہیں **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) یہیں سے واضح ہُوا کہ قولِ ثانی وثالث کا مآل ایک ہی ہے اور نکتہ تعبیر اشعار بعدیت متصلہ ہے کہ لفظ بعد بعدیتِ منفصلہ کو بھی شامل، اور وُہ خلافِ مقصود ہے۔ لہٰذا بلفظ "وقت۔" تعبیر کہ نافی انفصال ہو، ہنگامِ استحالہ مقارنہ اگرچہ معاقبہ تقدم وتاخّر دونوں کو متناول، مگر حالت مجازات مانع تقدم ہے، ولہٰذا جہاں خارج سے تقدم معلوم، شرط میں تاویل ارادہ وغیرہ معمول،

کمافی قولہ عزّوجلّ اِذَاقُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِفَاغْسِلُوْاوُجُوْھَکُمْ[2] وفی حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا دخل الخلاء قال اللھم انی اعوذبك من الخبث و الخبائث[3]، رواہ الائمۃ احمد والستۃ عن انس	جیسا کہ اللہ عزوجل کے مبارک ارشاد میں ہے جب تم نماز کا ارادہ کرو تو چہرے کو دھولو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث میں ہے، جب کوئی بیت الخلاء میں داخل ہونے کاارادہ کرے تو کہے اے اللہ! میں ناپاک وخبیث سے تیری پناہ میں آتاہوں۔ اسے امام احمد اور ائمہ ستّہ نے حضرت انس

[1] سُنن ابی داوٗد باب القول عندالافطار آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۲۱، سنن الدار قطنی باب القبلۃللصائم نشرالسنۃ ملتان ۲/۱۸۵

[2] القرآن ۵/۶

[3] جامع ترمذی باب مایقول اذادخل الخلاء امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۳

بن مالك رضی الله تعالٰی عنه، اماھٰھنا فحمل" افطر" علی الارادة، عدول عن الحقیقة من دون حاجة تحمل علیه ولا صارف یدعوا الیه، فلایفعل ولا یقبل۔	بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے لیکن مذکورہ صورت میں لفظ افطر کو ارادہ افطار پر محمول کرنا بے ضرورت حقیقت سے اعراض ہے اور یہاں کوئی مجاز پر قرینہ بھی نہیں، لہٰذا ایسا نہ کیا جائے اور نہ اسے قبول کیا جائے۔(ت)

ثانیًا ان ادعیہ میں **افطرت**(میں نے افطار کیا)اور **افطرنا**(ہم نے افطار کیا)،**ذھب الظمأ**(پیاس چلی گئی)**ابتلت العروق**(رگیں تر ہوگئیں)سب صیغے ماضی ہیں اور افطار باللفظ متصوّر نہیں کہ مثل عقود انشاء مقصود لاجرم اخبار متعین، تو **تقدیم علی الافطار** میں یہ سب بھی ارتکاب تجوز کے محتاج ہوں گے کہ خلافِ اصل ہے **والنصوص یجب حملها علی ظواهر ها مالم تمس حاجة واین حاجة**(جب تک کوئی مجبوری نہ ہو نصوص کو ظاہر پر ہی محمول کرنا چاہئے اور یہاں کوئی ضرورت و مجبوری نہیں۔ت) یہاں سے بھی ظاہر ہوا کہ ترجمہ حضرت شیخ محقق نوراللہ مرقدہ الشریف ہی صحیح ہے اور "افطار کرتا ہوں" بلاوجہ حقیقت سے عدول۔ طرفہ یہ کہ اب بھی حاجت تجوز باقی۔

لما قدمنا من امتناع المقارنة فلا بد من تاویل الحال بالاستقبال والافطار بالارادة۔	کیونکہ ہم نے پہلے بیان کردیا کہ یہاں مقارنت واتصال ممتنع ہے لہٰذا حال کو بمعنی استقبال اور افطار بمعنی ارادہ افطار کیا جائے گا۔(ت)

ثالثًا مرسل ابن السنی و بیہقی میں لفظ الحمدللہ اور مؤید تا خیر کہ حمد بعد اکل معہود ہے جس طرح قبلِ اکل تسمیہ۔

رابعًا یہ تو ظاہر ہے اور شاید مدعیِ تقدیم کو بھی مسلّم ہو کہ یہ دُعائیں دن میں پڑھ لینے کی نہیں کہ ہنوز وقتِ افطار بھی نہ آیا، اب اگر عمرو بعد غروب شمس یہ دُعائیں پڑھ کر افطار کرے اور زید بعد غروب فورًا افطار کرکے پڑھے تو دیکھنا چاہئے کہ اس میں کس کا فعل اللہ عزوجل کو زیادہ محبوب ہے، حدیث شاہد عادل ہے کہ فعل زید زیادہ پسند حضرت جلاوعلا ہے کہ رب العزت تبارک وتعالٰی فرماتا ہے:

ان احبّ عبادی الیّ اعجلهم فطرا[1]، رواه الامام احمد و	مجھے اپنے بندوں میں وُہ زیادہ پیارا ہے جو اُن میں سب سے زیادہ جلد افطار کرتا ہے(اسے

[1] جامع ترمذی باب ماجاء فی تعجیل الافطار امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۸۸

الترمذی وحسنه وابنا خزیمة وحبّان فی صحیحه عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن ربه تعالٰی وتقدس۔	امام احمد اور ترمذی نے حسن کہا۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا اُنھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اور آپ نے اللہ تبارک وتعالٰی سے ذکر کیا، یعنی یہ حدیث قدسی ہے۔ت)

شک نہیں کہ صورتِ مذکورہ میں زید کا افطار جلد تر ہو تو یہی طریقہ زیادہ پسند ومرضی ربّ اکبر ہُوا جلّ جلالہ، وعمّ نوالہ، یہ دوسرا مؤید ہے اس کا کہ وقت الافطار وبعد الافطار کا مآل واحد ہے کہ جب افطار غروب شمس کے بعد جلد ہو تو احب وافضل، اور مقارنت افطار ودُعا، نامتیسر اور پیش از غروب، وقت افطار معدوم، تو وہ صورت بعدیت متصلہ ہی مقصود ومفہوم۔

خامسًا فعل اقدس حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بتانے والے بھی اسی کا انکار کرتے ہیں، عادتِ کریمہ تھی کہ قریب کسی کو حکم فرماتے کہ بلندی پر جا کر آفتاب کو دیکھتا رہے، وہ نظر کرتا ہوتا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی خبر کے منتظر ہوتے، اُدھر اُس نے عرض کی کہ سُورج ڈوبا اِدھر حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خُرما وغیرہ تناول فرمایا،

الحاکم وصححه عن سھل بن سعد و الطبرانی فی الکبیر عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنھما وھذا حدیث سھل قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا کان صائما امر رجلا اوفی علی نشز فاذاقال غابت الشمس افطر[1] ولفظ حدیث ابی الدرداء امر رجلا یقوم علٰی نشز من الارض فاذا قال قد وجبت الشمس افطر[2].	حاکم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کرکے صحیح کہا اور طبرانی نے الکبیر میں حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ حدیث سہل کے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب روزہ دار ہوتے تو کسی شخص کو بلند جگہ پر جا کر چاند دیکھنے کا حکم فرماتے، جب وُہ کہتا سورج ڈوب گیا ہے، تو پھر افطار فرماتے، حدیث ابو الدرداء کے الفاظ یہ ہیں کسی شخص کو حکم دیتے زمین کے اونچے مقام پر کھڑے ہو کر سُورج دیکھو جب وہ کہتا سورج ڈوب

[1] المستدرک للحاکم کتاب الصوم دار الفکر بیروت ۱/ ۴۳۴

[2] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی کبیر دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۱۵۵

وفی کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ للامام العارف سیّدی عبد الوھاب الشعرانی قدس سرہ الربانی کانت عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا تقول رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو صائم یترصد غروب الشمس بتمرۃ فلما توارت القاھا فی فیہ[1]۔	گیا ہے تو آپ افطار فرماتے۔ کشف الغمہ عن جمیع الامہ للامام عارف سیّدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا بیان یوں منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو روزے کی حالت میں دیکھا آپ کھجور پکڑے سورج کے غروب ہونے کا انتظار فرما رہے ہیں، جیسے ہی وُہ ڈوبا آپ نے کھجور مُنہ میں ڈال لی۔ (ت)

یہ تینوں حدیثیں بھی اُس تقدیم افطار کا پتا دیتی ہیں کہ اخبار وافطار میں اصلاً فصل نہ تھا کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) لاجرم تصریح فرمائی کہ یہ دُعا افطار کے بعد واقع ہوئی، مولانا قاری رحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں زیر حدیث مذکور ابی داؤد فرماتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذا افطر قال ای دعا وقال ابن الملك ای قرأ بعد الافطار[2] الخ۔	رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو کہتے یعنی دُعا فرماتے، ابن الملک نے کہا کہ آپ افطار کے بعد یہ کلمات پڑھتے الخ (ت)

اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اللّٰھم لك صمت الخ دُعا ہے، دُعا کے معنی پکارنا، اور اللھم سے بہتر کون سا پکارنا ہوگا، بلکہ اسی مرقاۃ میں تصریح فرمائی کہ کل ذکر دعا وکل دعاذکر[3] (ہر ذکر دعا ہے اور ہر دُعا ذکر ہے۔ت) صحیح بخاری شریف میں باب وضع کیا: باب الدعاء بعد الصلاۃ (نماز کے بعد دُعا کے بارے میں باب) اور اسی میں حدیث لائے:

تسبحون فی دبر کل صلٰوۃ عشرا وتحمدون عشرا وتکبرون عشرا[4]۔	تم ہر نماز کے بعد دس دفعہ سبحان اللہ اور دس دفعہ الحمد للہ اور دس دفعہ اللہ اکبر کہو۔ (ت)

یونہی باب الدعا اذا ھبط وادیا (یہ باب اس بارے میں ہے کہ جب کسی وادی میں اُترے تو دُعا کرے۔ ت) میں حدیثِ جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف اشارہ کیا:

---

[1] کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ کتاب الصوم دارالفکر بیروت ۱/۲۵۵

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الصوم مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۲۵۸

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الدعوات المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۵/۱۳۵

[4] صحیح بخاری الدعاء بعد الصلٰوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۳۷

قال کنا اذا صعدنا کبرنا واذا نزلنا سبحنا[1]۔	جب ہم اُوپر چڑھتے تو اللہ اکبر اور جب نیچے اُترتے تو سبحان اللہ کہتے (ت)

یُوں ہی باب الدعا اذا ارادہ سفرا او رجع (یہ باب اس بارے میں ہے کہ جب سفر کا ارادہ کرے یا سفر سے لَوٹے تو دُعا کرے۔ت) میں حدیث یکبر علٰی کل شرف[2] الخ (آپ ہر بلندی پر تکبیر کہتے۔ت) لائے بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے احادیث کثیرہ میں ذکر کو دُعا فرمایا، صحیحین میں ہے:

عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کنّا مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی سفر فکنا اذا علونا کبرنا فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایھا الناس اربعو اعلٰی انفسکم فانکم لاتدعون اصم ولا غائبا ولکن تدعون سمیعا بصیرا[3]۔	حضرت ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے، ہم حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے جب ہم بلند جگہ پر چڑھتے تو تکبیر کہتے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آپ پر نرمی کرو کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے تم تو سننے اور دیکھنے والے کو پکار رہے ہو۔(ت)

جامع ترمذی میں ہے:

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیر الدعاء دعاء یوم عرفۃ وخیر ماقلت انا والنبیون من قبلی لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریك لہ، لہ الملك ولہ الحمد وھو علٰی کل شیئ قدیر قال الترمذی حدیث حسن غریب[4] قال مناوی خیر ماقلت ای مادعوت[5]۔	حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر دُعا یومِ عرفہ کی دُعا ہے، اور سب سے بہتر یہ دُعا ہے جو مَیں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے مانگی: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، ملک وحمد اسی کے لیے ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے، ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے، مناوی "خیر ما قلت" کا ترجمہ "جو میں نے دعا کی" کیا ہے۔(ت)

---

[1] صحیح بخاری باب التسبیح اذاھبط وادیًا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۲۰
[2] صحیح بخاری باب الدعا اذا اراد سفرًا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۴۴
[3] صحیح بخاری باب الدعاء اذا علا عقبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۴۴
[4] جامع الترمذی باب فی فضل لاحول ولا قوۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۹۸
[5] التیسیر شرح جامع صغیر تحت حدیث خیر الدعاء مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۵۲۵

ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل الذکر لاالٰہ الااللہ وافضل الدعاء الحمدللہ[1]۔ حسنه الترمذی وصححه الحاکم۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہتر ذکر لاالٰہ الّا اللہ اور افضل دعا الحمد للہ ہے۔ ترمذی نے اسے حسن کہا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ (ت)

معہذا کنایہ تصریح سے ابلغ ہے اللھم لک صمت (اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا۔ ت) کہنے والا اخلاص عبادت لوجہ اللہ عرض کرتا ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾[2]۔	اللہ تعالٰی کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (ت)

اور فرماتا ہے: الصوم لی وانا اجزی به[3] (روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا ہوں۔ ت) پھر علٰی رزقك افطرت (تیرے رزق پر میں نے افطار کیا۔ ت) کہہ کر شکرِ نعمت بجالاتا ہے۔ اور رب جل وعلا فرماتا ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ[4] (اگر تم شکر کرو تو میں تمہارے لیے اضافہ کروں گا۔ ت) اگر دو شخص بادشاہ کے درِ دولت پر حاضر ہوں، ایک عرض کرے اے بادشاہ! مجھے یہ دے دے۔ دوسرا عرض کرے اے بادشاہ! میں تیرا فرمان سرآنکھوں سے بجالاتا ہُوں اور تیرا ہی دیا کھاتا ہوں انصاف کیجئے۔ حُسنِ طلب کس کا حصّہ ہے۔

أأذکر حاجتی ام قد کفانی — حیاؤك ان شیمتك الحیاء
اذا اثنی علیك المرء یوما — کفاہ من تو ضك الثناء
کریما لا یغیرہ صباح — عن الخلق الکریم ولا مساء

(کیا میں اپنی حاجت ذکر کروں یا آپ کا حیاء ہی میرے لیے کافی ہے، جو آپ کا زیور ہے۔

[1] جامع ترمذی باب ان دعوۃ المسلم مستجابۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۷۴
[2] القرآن ۹/ ۱۲۰
[3] مشکوٰۃ کتاب الصوم الفصل الاول مجتبائی دہلی ص ۱۷۳
[4] القرآن ۱۴/ ۷

جب کسی دن کسی نے آپ کی تعریف کی تو آپ کی ثنا کا روشن ہونا ہی اس کیلئے کافی تھا، ایسا کریم کہ صبح وشام مخلوق کو نوازتے ہُوئے کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا)

بالجملہ قابل قبول و مؤید بالمعقول والمنقول وہی قول ثانی وثالث ہے اور وقت الافطار و عندالافطار وبعد الافطار وہنگامِ افطار و نزدیک افطار وپس افطار، سب کا حاصل ایک ہی ہے، نزدیک ترجمہ عند ہے، اور عند خواہ ظرف مکان ہو **کما افادہ فی الاتقان الشریف**[1] (جیسا کہ اتقان شریف میں ہے۔ت) خواہ ظرف زمان ومکان دونوں **کما نص علیہ فی القاموس**[2] (جیسا کہ اس پر قاموس میں تصریح ہے۔ت) امتیاز بحسب مدخول علیہ ہوگا **کما بینہ فی تاج العروس**[3] (جیسا کہ اس کی تفصیل تاج العروس میں ہے۔ت) مگر شک نہیں کہ زمان، زمانی پر داخل ہو کر افادہ قربِ زمانی ہی کرے گا، کوئی عاقل نہ کہے گا کہ عندالصبح کا حاصل قرب مکان صبح ہے، اصل یہ کہ وضع عند قرب مطلق کے لیے ہے، حِسی ہو یا معنوی، **کما صرح بہ فی مسلم الثبوت**[4] **وشرح الکافیۃ لرضی وغیرھا من المعتبرات** (جیسا کہ مسلم الثبوت، شرح کافیہ للرضی اور دیگر معتبر کتب میں اس پر تصریح کی ہے۔ت) مکانیات سے قربِ مکانی ہوگا، زمانیات سے قربِ زمانی، متعالی عن المکان والزمان سے قربِ مکانت، **کما فی قولہ تعالٰی** عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾[5] (جیسا کہ اللہ تعالٰی کے ارشاد گرامی میں ہے: (عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور۔ت) تو نظر باصل معنٰی کہ عند لغت میں بمعنی جانب وناحیہ تھا **کما فی القاموس**[6] (جیسا کہ قاموس میں ہے۔ت) اور اتحاد جہت مستلزم قرب، اور وہ ہنگام حقیقت قرب مکانی کہ جہت حقیقیہ مختص بمکانیات ہے، اُسے ظرف مکان کہیں صحیح اور نظر بحال کہ یہ قربِ حسی ومعنوی سب کو شامل ہو کر زمانیات کو بھی متناول ہوگیا ظرف زمان ومکان دونوں کہیں بھی صحیح،

ھذا ماظھر لی ولہ استعمالات اُخر	یہ تمام وُہ تھا جو مجھ پر آشکار ہوا اس کے دیگر استعمالات

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الاربعون فی معرفۃ معانی الادوات مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۵

[2] القاموس المحیط تحت فصل العین باب الدال مصطفی البابی مصر ۱/۳۳۰

[3] تاج العروس تحت فصل العین باب الدال احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵-۴۳۴

[4] مسلم الثبوت مسائل ادوات التعلیق مطبع انصاری دہلی ص ۶۸

[5] القرآن ۵۴/۵۵

[6] القاموس المحیط تحت فصل العین باب الدال احیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۳۰

منسلخ فیھا عن معنی الظرفیۃ کالحکم والاعتقاد کقولک ھذا عند ابی حنیفۃ والفضل والاحسان کقولہ تعالٰی فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ[1] وغیرہ ذٰلک کما ذکرہ الحریری فی درۃ الغواص لیس ھذا مقام تفصیلھا۔	بھی ہیں جو معنی ظرفیت کے علاوہ ہیں، مثلًا حکم اور اعتقاد جیسا کہا جائے یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے یا بمعنی فضل واحسان کے "مثلًا-" اللہ تعالٰی کا مبارک فرمان ہے پس اگر آپ دس مکمل کریں تو تمہارا احسان ہے، ان کے علاوہ دیگر معانی بھی ہیں جنہیں حریری نے درۃ الغواص میں ذکر کیا ہے لیکن یہ مقامِ تفصیل نہیں(ت)

معانی از قبیل ثانیا ور افطار منجملہ معانی تو اس مراد وہی قرب زمانی، ہر ذی عقل جانتا ہے کہ عند الافطار کے معنی حین الافطار ہیں نہ کہ فی مکان الافطار، ای مکان کان فیہ المفطر حین افطر والا فالافطار لیس مما یحل فی المکان (افطار کے وقت جہاں افطار کرنے والا ہو، ورنہ افطار خود مکان میں حلول نہیں کرتا۔ت) کیا آج اگر کسی شخص نے ایک جگہ روزہ افطار کیا اور چھ مہینے بعد آکر اس جگہ پر دُعاءِ مذکور پڑھ لے یا چار پہر تک وہیں بیٹھا رہا صبح کو دُعا پڑھے تو یقول عند الافطار (افطار کے وقت کہے۔ت) کا حکم ادا ہوگیا کہ آخر مکان تو وہی ہے، لاجرم ماننا پڑے گا کہ یہاں عند سے اتحاد زمان ہی مفاد اور اتحاد سے وہی تعقیب متصل مراد، یہ سب واضحاتِ جلیلہ ہیں جن کی اضاحت گویا وقت کی اضاعت، مگر کیا کیجئے کہ بعد وہم واہم وورود سوال حاجتِ ازاحت۔

ان تقریرات سے بحمد اللہ تعالٰی تمام سوالوں کا جواب ہوگیا اور روشن طور پر منجلی ہُوا کہ مقتضائے سنّت یہی ہے کہ بعد غروب جو خُرمے یا پانی وغیرہ از قبل نماز افطار معجّل کرتے ہیں اُس میں اور علم بغروب شمس میں اصلًا فصل نہ چاہئے یہ دُعائیں اس کے بعد ہوں، ہاں کبھی افطار مقابلِ سحور اس کھانے کو کہتے ہیں جو صائم شام کو کھاتا ہے۔

ابن خزیمۃ فی صحیحہ ومن طریقہ البیہقی وابو الشیخ بن حبان فی الثواب عن سلمان الفارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ یرفعہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی فضائل شھر رمضان، قال من فطر فیہ صائما کان مغفرۃ لذنوبہ وعتق رقبتہ	ابن خزیمہ نے صحیح میں، اور اسی طریق سے بیہقی نے اور ابوالشیخ بن حبان نے الثواب میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فضائلِ رمضان کے بارے مرفوعًا بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیان فرمایا جس نے کسی کا روزہ افطار کروایا اس کے گناہ معاف اور اس کی گردن جہنم سے آزاد

[1] القرآن ۲۸/۲۷

من النار، وکان له مثل اجره من غیران ینقص من اجره شئی، قالوا یا رسول الله لیس کلنا یجد مایفطر الصائم[1] الحدیث وفی روایة ابی الشیخ فقلت یا رسول الله افرأیت ان لم یکن ذلك عنده؟ قال فقبضه من طعام، قلت افرأیت ان لم یکن عنده، لقمة خبز قال فمذقة من لبن قال افرأیت ان لم یکن عنده قال فشربة من ماء[2] وفی حدیث ابی داؤد وغیره بسند صحیح عن انس رضی الله تعالٰی ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم جاء الی سعد بن عبادة فجاء بخبز و زیت فاکل ثم قال النبی صلی الله علیه وسلم افطر عندکم الصائمون واکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملئکة[3] وفی لفظ افطرنا مرة مع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقربوا الیه زیتا فاکل واکلنا حتی فرغ قال اکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملئکة وافطر عندکم الصائمون۔

ہوجائے گی، اور اس کے لیے روزہ دار کے برابر اجر ہوگا اور روزہ دار کے اجر میں بھی کمی نہ ہوگی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو روزہ دار کو سیر ہو کر کھانا کھلانے کی طاقت نہیں رکھتے الحدیث۔ اور ابوالشیخ کی روایت میں ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اس کے بارے میں کیا حکم ہے جس کے پاس اتنا نہ ہو؟ فرمایا تو ایک مُٹھی طعام سہی۔ میں نے عرض کیا اگر اس کے پاس روٹی کا ٹکڑا نہ ہو؟ فرمایا دُودھ کا گھونٹ۔ عرض کیا اگر یہ بھی نہ ہو؟ فرمایا پانی کا گھونٹ پیش کردے۔ اور ابوداؤد وغیرہ میں سند صحیح کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سعد بن عبادہ کے پاس آئے، انہوں نے روٹی اور زیتون پیش کیا، آپ نے تناول کیا اور فرمایا تمہارے پاس روزہ داروں نے افطار کیا، تمہارا کھانا ابرار نے کھایا اور تم پر ملائکہ نے رحمت کی دعا کی۔ دوسری روایت کے الفاظ ہیں: ایک دفعہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ افطاری کی۔ آپ کی خدمت اقدس میں زیتون پیش کیا گیا آپ نے اور ہم سب نے تناول کیا جب فارغ ہوئے فرمایا: تمہارے کھانے کو نیک لوگوں نے کھایا تمہارے لیے ملائکہ نے دعا کی اور تمہارے

---

[1] صحیح ابن خزیمہ باب فضائل شہر رمضان المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۹۲

[2] کنزالعمال بحوالہ حب حدیث ۲۳۶۵۸ موسستہ الرسالۃ بیروت ۸/ ۴۶۰، الترغیب والترھیب بحوالہ ابن حبان فی کتاب الثواب الترغیب فی اطعام الطعام مصطفٰی البابی مصر ۲/ ۱۴۴

[3] سنن ابی داؤد کتاب الاطعمۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۸۲

پاس روزہ داروں نے افطار کیا۔(ت) اسی طعام شام سے پہلے ایک دُعا وارد ہوئی ہے اُس میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں:

الدار قطنی فی الافراد عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا قرب الی احدکم طعامہ وھو صائم فلیقل، بسم اللہ و الحمد للہ اللھم لك صمت وعلی رزقك افطرت وعلیك توکلت سبحٰنك وبحمدك تقبل منّی انك انت السمیع العلیم[1]۔	امام دارقطنی نے افراد میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تمہارے پاس کھانا لایا جائے اور تم حالتِ روزہ میں ہو تو یہ کلمات کہو اللہ کے نام کے ساتھ شروع، تمام حمد اللہ کے لیے ہے، اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا اور تجھ پر توکّل کیا، تیری ذات مقدس ہے اور حمد تیری ہے، مجھ سے قبول فرمالے، بیشك تُو سُننے اور جاننے والا ہے"۔(ت)

حدیث طبرانی:

عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا افطر قال بسم اللہ اللھم لك صمت وعلٰی رزقك افطرت[2]۔	حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو کہتے: "اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا۔" (ت)

میں کہ ظاہر تسمیہ مشعر تقدیم ہے، اگر افطار سے یہی طعامِ شام بمعنی مذکور مراد، جب تو امر واضح ہے، ورنہ وہ بسببِ شدّت ضعف قابلِ احتجاج نہیں، اس کی سند میں داؤد بن الزبر قان متروک ہے۔

قال فی التقریب التہذیب متروك کذبہ الازدی اھ قلت[3]	التقریب التہذیب میں ہے کہ یہ متروک ہے اور ازدی نے اسے کاذب کہا ہے اھ میں کہتا ہوں

---

[1] کنز العمال بحوالہ قط فی الافراد حدیث ۲۳۸۷۳ مکتبۃ التراث الاسلامی حلب ۸/۵۰۹

[2] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی اوسط باب مایقول اذا افطر دار الکتاب بیروت ۸/۱۵۶

[3] تقریب التہذیب تحت حرف الدال دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۲۷۹

وکذا الجوزجانی کما فی المیزان۔	جوزجانی نے بھی کہا ہے، جیسا کہ میزان میں ہے۔(ت)

یہ اس مسئلہ میں آخر کلام ہے، امید کرتا ہُوں کہ یہ تحقیق وتفصیل اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گی، وللہ الحمد وبہ التوفیق ایاہ نسأل ھدایۃ الطریق، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

صَومِ نفل

مسئلہ ۲۷۳: از بنارس محلّہ مانپور متصل کول چونزہ اونچی سیڑھی مرسلہ عبدالستار ۱۵شوال ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ مین کہ ۲۷ تاریخ ماہ رجب کی، روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیہقی شعب الایمان اور دیلمی نے مسند الفردوس میں سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا روایت کی:

فی رجب یوم ولیلۃ من صام ذٰلك الیوم وقام تلك اللیلۃ کان کمن صام من الدھر مائۃ سنۃ وقام مائۃ سنۃ وھو لثلث بقین من رجب وفیہ بعث اللہ تعالٰی محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم۔[1]	رجب میں ایک دن اور رات ہے جو اس دن کا روزہ رکھے اور وُہ رات نوافل میں گزارے سَو برس کے روزوں اور سَو برس کے شب بیداری کے برابر ہو، اور وہ ۲۷ رجب ہے اسی تاریخ اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

قال البیھقی منکر[2] (امام بیہقی نے اس روایت کو منکر کہا ہے۔ت) نیز اسی میں بطریق ابان

---

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۳۸۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲/۳، شعب الایمان حدیث ۳۸۱۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳۷۴/۳

[2] کنز العمال بحوالہ ھب حدیث ۳۵۱۶۹ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۳۱۲/۱۲

بن عیاش حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا مروی:

فی رجب لیلة یکتب للعامل فیھا حسنات مائة سنة، وذٰلك لثلٰث بقین من رجب فمن صلی فیه اثنتی عشرة رکعة یقرأ فی کل رکعة فاتحة الکتاب وسورة من القرأن، ویتشھد فی کل رکعة ویسلم فی اٰخرھن، ثم یقول، سبحٰن اللہ والحمدللہ ولاالٰه الااللہ واللہ اکبر مائة مرة ویستغفر اللہ مائة مرة ویصلی عن النّبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم مائة مرة ویدعو لنفسه ماشاء من امر دنیاہ واٰخرته ویصبح صائما فان اللہ یستجیب دعاء کله الاان یدعو فی معصیة [1]۔ قال البیھقی ھو اضعف من الذی قبله [2]. قال ابن حجر فیه متھمان۔ [3]	رجب میں ایک رات ہے کہ اس میں عمل نیک کرنے والے کو سَو برس کی نیکیوں کا ثواب ہے اور وہ رجب کی ستائیسویں شب ہے جو اس میں بارہ رکعت پڑھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور ایک سورت، اور ہر دو رکعت پر التحیات اور آخر میں بعد سلام سبحن اللہ والحمد للہ ولاالٰہ الااللہ واللہ اکبر سو بار، استغفار سَو بار، درود سو بار، اور اپنی دنیا وآخرت سے جس چیز کی چاہے دعا مانگے اور صبح کو رزہ رکھے تو اللہ تعالٰی اس کی سب دعائیں قبول فرمائے سوائے اس دُعا کے جو گناہ کے لیے ہو۔ (بیہقی فرماتے ہیں یہ روایت سابقہ روایت سے زیادہ ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں اس کے دو۲ راوی متہم بالکذب ہیں۔ت)

فوائد ہناد میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

بعث نبیا فی السابع والعشرین رجب فمن صام ذٰلك الیوم ودعا عند افطارہ کان له کفارة عشر سنتین [4]۔ اسنادہ منکر۔	۲۷ رجب کو مجھے نبوت عطا ہُوئی جو اس دن کا روزہ رکھے اور افطار کے وقت دُعا کرے دس برس کے گناہوں کا کفارہ ہو (اس کی اسناد منکر ہے۔ت)

---

[1] شعب الایمان حدیث ۳۸۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۳۷۴

[2] کنز العمال بحوالہ شعب الایمان حدیث ۳۵۱۷۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۲/ ۳۱۲

[3] ماثبت بالسنۃ مع اردو ترجمہ بحوالہ ابن حجر ذکر ماہ رجب ادارہ نعیمیہ رضویہ لال کھوہ موچی گیٹ لاہور ص ۲۵۲

[4] تنزیہ الشریعۃ بحوالہ فوائد ہناد کتاب الصوم حدیث ۴۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۶۱

جزء ابی معاذ مروزی میں بطریق شہر ابن حوشب ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موقوفًا مروی:

من صام یوم سبع وعشرین من رجب کتب اللہ له صیام ستین شهرا وھوالیوم الذی ھبط فیه جبریل علی محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بالرسالة[1]۔	جو رجب کی ستائیسویں کا روزہ رکھے تو اللہ تعالٰی اس کے لیے ساٹھ مہینوں کے روزوں کا ثواب لکھے، اور وُہ وُہ دن ہے جس میں جبریل علیہ الصلٰوۃ والسلام محمد صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے پیغمبری لے کر نازل ہُوئے۔

تنزیہ الشریعۃ سے ماثبت بالسّنۃ میں ہے:

وھذا أمثل ماورد فی ھذا المعنی[2]۔	یہ اُن سب حدیثوں سے بہتر ہے جو اس باب میں آئیں۔

بالجملہ اس کے لیے اصل ہے اور فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف باجماعِ ائمہ مقبول ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۴: ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روزہ رکھنا ماہِ مبارک رجب مرجب کی ۲۷ تاریخ کو سوا رمضان کے بہ نسبت اور روزوں کے فضیلت رکھتا ہے یا نہیں؟ اور اگر رکھتا ہے تو کیا وجہ ہے اور ماسوا اس روزے کے درمیان سال بھر کے اور کون کون روزہ ایسا ہے جس کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد واسطے روزہ رکھنے کے فرمایا ہے، اور اگر کوئی شخص روزہ ۲۷ رجب المرجب کو رکھے تو کس قدر مستحقِ ثواب کا رہوگا؟ اور نیز دُوسرے روزوں میں؟ اور اگر کوئی منع کرے اور روں کو، اور منکر ہو خود، تو وُہ کون ہے گنہ گار ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صوم وغیرہ اعمالِ صالحہ کے لیے بعد رمضان مبارک سب دنوں سے افضل عشر ذاالحجہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن ایام العمل الصالح فیھن احب الی اللہ تعالٰی من ھذہ الایام العشر قالوا یارسول اللہ	دس ۱۰ دنوں سے زیادہ کسی دن کا عمل صالح اللہ عزوجل کو محبوب نہیں، صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ

[1] تنزیہ الشریعۃ بحوالہ جزء ابی معاذ کتاب الصوم حدیث ۴۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۶۱/۳

[2] تنزیہ الشریعۃ بحوالہ جزء ابی معاذ کتاب الصوم حدیث ۴۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۶۱/۳، ماثبت بالسنۃ مع اردو ترجمہ ذکر ماہِ رجب ادارہ نعیمیہ رضویہ لال کھوہ موچی گیٹ لاہور ص ۲۳۴

ولاالجھاد فی سبیل اللہ قال ولا الجھاد فی سبیل اللہ الارجلا خرج بنفسه وماله ثم لم یرجع من ذٰلك بشئی[1]۔ رواہ البخاری والترمذی وابوداؤد وابن ماجة والطبرانی فی الکبیر بسند جید والبیھقی کلھم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما والطبرانی فیه بسند صحیح عن ابن مسعود والبزار فی مسندہ بسند حسن وابو یعلی بسند صحیح وابن حبان فی صحیحه عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔	اور نہ راہ خدا میں جہاد؟ فرمایا: اور نہ راہِ خدا میں جہاد مگر وُہ کہ اپنی جان ومال لے کر نکلے پھر ان میں سے کچھ واپس نہ لائے (اسے بخاری، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں سند جیّد کے ساتھ اور بیہقی تمام حضرات نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے، اور اس میں طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ اور بزار نے اپنی مسند میں سند حسن کے ساتھ اور ابویعلٰی نے سند صحیح کے ساتھ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے۔(ت)

ابو ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما من ایام احب الی اللہ ان یتعبد له فیھا من عشر ذی الحجه یعدل صیام کل یوم منھا بصیام سنة وقیام کل لیلة منھا بقیام لیلة القدر[2]۔ رواہ الترمذی وابن ماجة والبیھقی۔	اللہ عزوجل کو عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ کسی دن کی عبادت پسندیدہ نہیں، اُن کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں اور ہر شب کا قیام شب قدر کے برابر ہے۔(اسے ترمذی، ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ت)

خصوصًا روزِ عرفہ کہ افضل ایّام سال ہے، اس کا روزہ صحیح حدیث سے ہزاروں روزوں کے برابر ہے اور دو۲ سال کامل کے گناہوں کی معافی، ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ۔

الائمة الستة الاالبخاری عن ابی قتادة رضی اللہ عنه	بخاری کے علاوہ ائمہ ستّہ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی العمل فی ایام العشر امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۹۴/۱، السنن الصغیر للبیہقی باب العمل الصالح فی العشر الخ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳۷۸/۱

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی العمل فی ایام العشر امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۹۴/۱، سُنن ابن ماجہ باب صیام العشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۵

قال سئل رسول صلی اللہ تعالٰی علیه وسلّم عن صوم یوم عرفة قال یکفر السنة الماضیة والباقیة[1] ولابی یعلی بسند صحیح عن سهل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من صام یوم عرفة غفرله ذنب سنتین متتابعین[2] وللطبرانی بسند حسن والبیهقی واللفظ له عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنها قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یقول صیام یوم عرفة کصیام الف یوم۔[3]	سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یوم عرفہ کے بارے دریافت کیا گیا تو فرمایا یہ سال گزشتہ اور آئندہ کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔اور ابو یعلٰی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عرفہ کے دن روزہ رکھا اس کے مسلسل دوسالوں کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔اور طبرانی میں سند حسن کے ساتھ اور بیہقی نے اور بیہقی کے الفاظ ہیں امّ المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ عرفہ کے روزہ کا ثواب ہزار دن کے روزوں کے برابر ہے۔(ت)

پھر سب دنوں سے افضل روزہ عاشورہ یعنی دہم محرم کا روزہ ہے اس میں ایک سال گزشتہ کے گناہوں کی مغفرت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صام یوم عرفة غفر له سنة امامه وسنة خلفه ومن صام عاشوراء غفرله سنة[4]۔ رواہ الطبرانی بسند حسن فی معجمه الاوسط عن ابی سعید ن الخدری رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جس نے عرفہ کا روزہ رکھا اس کے پہلے اور آئندہ کے سال کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور جس نے عاشوراء کا روزہ رکھا اس کے ایک سال کے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔اسے طبرانی نے معجم الاوسط میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے(ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصیام قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۶۸، سنن ابن ماجہ باب صیام العشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۵

[2] مسند ابو یعلٰی حدیث ۷۵۱۰ مؤسسہ علوم القرآن بیروت ۶/۵۰۵

[3] شعب الایمان حدیث ۳۷۶۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/۳۵۷

[4] الترغیب والترھیب بحوالہ معجم اوسط الترغیب فی صوم یوم عرفہ الخ مصطفی البابی مصر ۲/۱۱۲

محرم کے ہر دن کا روزہ ایک مہینہ کے روزوں کے برابر ہے۔

الطبرانی فی الکبیر الصغیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما بسند لاباس بہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من صام یوما من المحرم فلہ بکل یوم ثلثون حسنۃ[1]۔	طبرانی نے معجم الکبیر اور صغیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں کوئی حرج نہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے محرم کا ایک روزہ رکھا اس کے لیے ہر دن میں تیس ۳۰ نیکیاں ہیں (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

افضل الصوم بعد رمضان، شعبان لتعظیم رمضان[2]۔ رواہ الترمذی واستغربہ والبیھقی فی الشعب وفیہ صدقۃ بن موسٰی۔	رمضان کے بعد سب سے افضل شعبان کے روزے ہیں تعظیم رمضان کے لیے۔ (اسے ترمذی نے روایت کرکے غریب کہا اور بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کیا، اور اس میں ایک راوی صدقہ بن موسٰی ہے۔ت)

تو ۲۷ رجب کے روزے بعد رمضان سب روزوں سے افضل کہنا صحیح نہیں، ہاں بعض احادیث اُس کی فضیلت میں مروی ہُوئیں کہ فقیر نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیں، اُن سب میں بہتر حدیث موقوف ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

من صام یوم سبع عشرین من رجب کتب اللہ تعالٰی لہ صیام ستین شھرا[3]۔	جو ۲۷ رجب کا روزہ رکھے اللہ تعالٰی اُس کے لیے پانچ برس کے روزوں کا ثواب لکھے۔

ایسی جگہ حدیث موقوف مرفوع ہے کہ تعیین مقدار اجر کی طرف رائے کو اصلًا راہ نہیں، اور حدیثِ ضعیف[4] فضائل اعمال میں باجماع ائمہ مقبول ہے کما فصلناہ بما لا مزید علیہ فی رسالتنا الھاد الکاف فی حکم الضعاف (اس کی پوری تفصیل جس پر اضافہ دشوار ہے ہم نے اپنے رسالہ الھاد الکاف فی حکم الضعاف

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۰۸۲ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۱/ ۷۲

[2] جامع الترمذی ابواب الزکوۃ باب ماجاء فی فضل الصدقۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۸۴، شعب الایمان حدیث ۳۸۱۹ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۳۷۷

[3] تنزیہ الشریعۃ بحوالہ جزء ابی معاذ کتاب الصوم حدیث ۴۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۶۱

[4] اس کے مطالعہ کے لیے رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" ملاحظہ ہو جو فتاوٰی رضویہ (جدید) جلد ۵ کے ص ۴۲۹ پر ہے۔

میں کی ہے۔ت) احادیث صحاح وحسن وصوالح میں اور بھی بہت روزوں کے فضائل آئے ہیں جیسے شش عید وایامِ بیض کہ دونوں میں ہر ایک سال بھر کے روزوں کا ثواب لاتا ہے کہ **مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا**[1] (جس نے کوئی نیکی کی اسے اس کا دس گنا اجر ملے گا۔ت) وروزہ دوشنبہ وروزہ پنجشنبہ وروزہ چہار شنبہ وپنجشنبہ کہ دوزخ سے آزاد ہیں[2] اور روزہ چہار شنبہ وپنجشنبہ وجمعہ کہ جنت میں گوہر ویاقوت وزبرجد کا گھر بناتے ہیں[3] بلکہ روزہ جمعہ یعنی جب اس کے ساتھ پنجشنبہ یا شنبہ بھی شامل ہو مروی ہوا کہ دس ہزار برس کے روزوں کے برابر ہے[4] **رواہ البیہقی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ مرفوعًا** (اسے بیہقی نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا نقل کیا ہے۔ت) روزہ سے منع کرنا خیر سے منع کرنا اور **مناع للخیر** (خیر سے روکنے والا) کے وبال میں داخل ہونا ہے جب تک ذاتًا یا عارضًا ممانعتِ شرعیہ نہ ثابت ہو، ۲۷ کے علاوہ روزہ ہائے رجب میں احادیث کثیرہ وارد ہیں جن میں بعض خود اور بعض بتعدد مرتبہ صالح رکھتی ہیں، شیخ محقق مولانا عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہ القوی نے ماثبت بالسنۃ میں اُن کی تفصیل فرمائی۔

ومایروی عن الفاروق الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فلان رجب کانت تعظمہ الجاھلیۃ ایضاً وقد کان العھد قریبا والاحکام لم تتبین عند کثیر من الاعراب فتخشی الزیادۃ ولکل وجھۃ ھو مولیھا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور جو فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے پس اس لئے کہ اہلِ جاہلیت بھی رجب کی تعظیم کرتے تھے زمانہ جاہلیت اسلام سے قبل قریب تھا اور بہت سے عربوں پر احکام اچھی طرح واضح نہ ہوسکے تھے تو اس لئے رجب کے روزوں کے متعلق بیان میں از خود اضافہ کرنے کا خدشہ موجود ہے جبکہ ہر ایک کیلئے اپنے عمل کی راہ ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۲۷۵: از موضع سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب ۱۳۳۱ھ

اکثر عورتیں مشکل کشا علی کا روزہ رکھتی ہیں کیسا ہے؟

الجواب:

روزہ خاص اللہ عزّوجل کے لیے ہے، اگر اللہ کا روزہ رکھیں اور اس کا ثواب مولا علی کی نذر کریں

---

[1] القرآن ۱۶۰/۶

[2] کنزالعمال حدیث ۲۴۱۹۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۵۶۴/۸، الترغیب والترھیب الترغیب فی صوم الاربعاء الخ مصطفی البابی مصر ۱۲۶/۲

[3] شعب الایمان حدیث ۳۸۷۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳۹۷/۳

[4] الترغیب والترھیب الترغیب فی صوم الاربعاء مصطفی البابی مصر ۱۲۶/۲

توحرج نہیں مگراس میں یہ کرتی ہیں کہ روزہ آدھی رات تک رکھتی ہیں، شام افطار نہیں کرتیں، آدھی رات کے بعد گھر کے کواڑ کھول کر کچھ دُعامانگتی ہیں اُس وقت روزہ افطار کرتی ہیں، یہ شیطانی رسم ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۶: از بلگرام شریف محلّہ میدان پورہ مرسلہ حضرت صاحبزادہ سیّد ابراہیم میاں صاحب قادری دامت برکاتہم ۲۳رمضان ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اعتکاف آخر عشرہ رمضان شریف کا پورے دس روز میں ادا ہوتا ہے یا تین چار روز آخر میں بھی جائز ہے؟ ایک شخص کا بیان ہے کہ مقصود مشروعیت اعتکاف کے واسطے شرف ادراک لیلۃ القدر کی ہے یہ کامل دہ میں حاصل ہوگا، دوسرے شخص کا بیان ہے تین چار روز میں بھی جائز ہے ایسا دیکھا گیا ہے۔

الجواب:

اعتکاف عشرہ اخیرہ کی سنتِ مؤکدہ علٰی وجہ الکفایہ ہے، جس پر حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مواظبت ومداومت فرمائی پورے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف ہے، ایک روز بھی کم ہو تو سنّت ادا نہ ہوگی، ہاں اعتکافِ نفل کے لیے کوئی حد مقرر نہیں، ایک ساعت کا بھی ہوسکتا ہے، اگرچہ بے روزہ ہو۔ ولہٰذا چاہئے کہ جب نماز کو مسجد میں آئے نیتِ اعتکاف کرلے کہ یہ دوسری عبادت مفت حاصل ہوجائے گی، درمختار میں ہے:

سنة مؤكدة فى العشر الاخير من رمضان اى سنة كفاية كما فى البرهان وغيره[1]۔	رمضان کے آخری عشرہ میں سنتِ مؤکدہ ہے یعنی سنّتِ کفایہ ہے، جیساکہ برہان وغیرہ میں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

واقله نفلا ساعة من ليل اونهار عند محمد، وهو ظاهر الرواية عن الامام لبناء النفل على المسامحة وبه يفتى والساعة فى عرف الفقهاء جزء من الزمان لا جزء من اربعة وعشرين كما يقوله المنجمون	امام محمد کے نزدیک کم سے کم نفلی اعتکاف دن و رات میں ایک گھڑی کا بھی ہوسکتا ہے اورامام اعظم سے بھی ظاہر الروایت میں ہے کیونکہ نفل کی بناء آسانی پر ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، عرف فقہا میں ساعت کا مفہوم زمانے کا ایک جزہے نہ کہ چوبیس گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ جو کہ اہل توقیت

[1] درمختار باب الاعتکاف مجتبائی دہلی ۱/۱۵۶

کما فی غرر الاذکار وغیرہ[1]۔	کا مؤقف ہے، جیسا کہ غرر الاذکار وغیرہ میں ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

الاعتکاف ینقسم الٰی واجب وھو المنذور تنجیزا او تعلیقا والٰی سنۃ مؤکدۃ وھو اعتکاف العشر الاواخر من رمضان والٰی مستحب وھو ماسواھما[2]۔	اعتکاف واجب، سنتِ مؤکدہ اور مستحب پر منقسم ہے، واجب جس کی نذر مانی گئی ہو خواہ فی الفور یا معلق ہو، اور سنّتِ مؤکدہ وہ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے، اور مستحب جو ان مذکورہ دونوں صورتوں کے علاوہ ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

المسنون ھو اعتکاف العشر بتمامہ[3]، واللہ تعالٰی اعلم۔	سنّت اعتکاف وُہ رمضان کا پورا عشرہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---
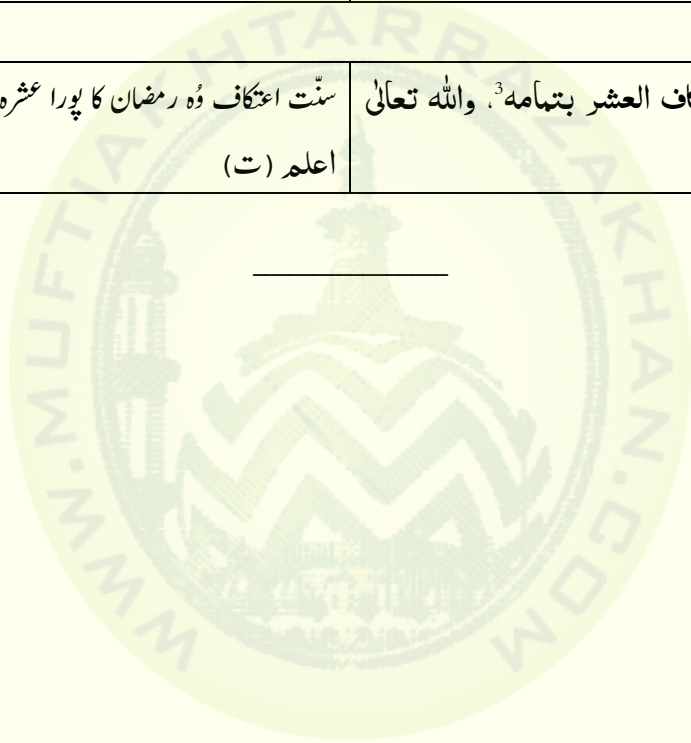
[1] درمختار باب الاعتکاف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵۶-۱۵۷
[2] فتح القدیر باب الاعتکاف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۰۵
[3] ردالمحتار باب الاعتکاف مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۴۳

کتابُ الحج

مسئلہ ۲۷۷: مسئولہ واحد یار خاں صاحب از بریلی ۴ذی قعدہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت کا حج کو جانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

حج کی فرضیت میں عورت مرد کا ایک حکم ہے، جو راہ کی طاقت رکھتا ہو اُس پر فرض ہے مرد ہو یا عورت، جو ادانہ کرے گا عذابِ جہنّم کا مستحق ہوگا۔ عورت میں اتنی بات زیادہ ہے کہ اُسے بغیر شوہر یا محرم کے ساتھ لیے، سفر کو جانا حرام، اس میں کچھ حج کی خصوصیت نہیں، کہیں ایک دن کے راستہ پر بے شوہر یا محرم جائے گی تو گنہگار ہوگی، ہاں جب فرض ادا ہوجائے تو بار بار عورت کو مناسب نہیں کہ وُہ جس قدر پردے کے اندر رہے اُس قدر بہتر ہے۔ حدیث میں اس قدر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امہات المومنین کو حج کراکر فرمایا **ھذہ ثم حصر البیوت** یہ ایک حج ہوگیا اس کے بعد گھر کی چٹائیاں۔ پھر یہ بھی اولویت کا ارشاد ہے نہ کہ عورت کو دُوسرا حج ناجائز ہے، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے اس کے بعد پھر حج کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۸تا۲۸۰: از ایٹہ ۸رمضان مبارک مرسلہ اسحاق نائب مدرس تحصیلی اسکول

جناب مولانا صاحب! عرضِ حال ذیل کو ملاحظہ فرماکر جواب ضرور ضرور لکھ دیجئے گا:

(۱) زید خرچ زادِ راہ آمد ورفت کا اپنی ذات خاص سے رکھتا ہے اگر والدین اجازتِ حج مکہ معظّمہ کی نہ دیں تو حج نامبردہ کا ہوسکتا ہے یا کیا؟

(۲) والدین پر قرضہ قلیل اور حقیقتِ زمینداری اس سے کہیں زیادہ قیمت کی ہے۔

(۳) زید مذکور کی اہلیہ نیز عیال اطفال سے کوئی نہیں ہے۔

الجواب:

جبکہ زید اپنے ذاتی روپے سے استطاعت رکھتا ہے تو حج اس پر فرض ہے، اور حج فرض میں والدین کی اجازت درکار نہیں بلکہ والدین کو ممانعت کا اختیار نہیں، زید پر لازم ہے کہ حج کو چلا جائے اگرچہ والدین مانع ہوں، والدین پر قرض ہونا اس شخص پر فرضیّت میں خلل انداز نہیں۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۲۸۱: از شہر کہنہ مسئولہ سیّد محمد نور اللہ صاحب اشرفی جیلانی محرر دار الافتائے اہلسنت بریلی ۸ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کو بوجہ ہونے امکان حج کے جب کبھی حج کی ترغیب دی تو کہتا ہے کہ ہم نے حاجیوں کی اکثر مدد کی ہے پس ہم پر حج کرنا فرض نہیں ہے، اور کسی عالم کا قول نہیں مانتا، پس کیا اس سے حج شرعًا ساقط ہے؟

الجواب:

یہ کلمہ کفر ہے، حاجیوں کی مدد کرنے سے حج ساقط نہیں ہوسکتا، اس شخص پر توبہ وتجدید اسلام فرض ہے، تجدید نکاح وتجدید اسلام کرے۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۲: از بدایوں مولوی محلّہ مکان عطا احمد صاحب از طرف اہلیہ شاہ ابو الحسین صاحب مرحوم ومغفور ۷ رمضان ۱۳۲۹ھ

حضرت جناب مولانا صاحب! بعد سلام سنت واضح ہو مجھ کو سخت ضرورت وانتشار برائے دریافت ایک امر واقع ہوگیا وُہ یہ ہے کہ میں اس سال جو حجِ بیت اللہ کو جاتی ہوں تو بارادہ حجِ بدل اپنے پیر ومرشد جناب نانا صاحب حضرت شاہ آلِ رسول رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جاتی ہوں مارہرہ آکر ایک امر جدید دریافت ہوا کہ جس سے آج اور اب تک بے خبر محض تھی، وُہ امر یہ ہے کہ جناب مرحومہ مغفورہ والدہ صاحبہ جو بیت اللہ تشریف لے گئی تھیں وہاں جاکر ان کو مرض الموت پیدا ہوا اور بتاریخ آٹھویں ذی الحجہ مقامِ منٰی پہنچ کر انتقال ہوگیا اور حج نہیں ہوا، تو مجھ پر اب حجِ والدہ مغفورہ لازمی ہوگیا، چونکہ میں اپنے ہمراہ بوجہ محرمیت برادر زادہ کو لیے جاتی ہوں جس کی عمر ۱۹ سال کی ہے اور اوّل مرتبہ یہ برادر زادہ بیت اللہ جاتا ہے تو دریافت طلب آپ سے یہ امر ہے کہ میں اس بچّہ سے حجِ والدہ مغفورہ کرادوں اور خود حج بعوض پیر وشد

کروں اور میں سابق میں اپنے شوہر اور اپنے والد مغفور کا حج کرکے آئی ہُوں اور میرا ذاتی حج عرصہ اٹھارہ سال ہُوا کہ ہو چکا تھا، اگر برادر زادہ سے حجِ والدہ مرحومہ نہ ہوسکتا ہو تو میں خود قیام کرکے ایک سال تک دونوں حجِ مرشد ووالدہ کروں، ان امور کا جواب جلد مرحمت ہو۔

الجواب:

بعد ادائے تسلیم خادمانہ ملتمس اگر حضرت کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہا پر اُسی سال حج فرض ہوا تھا اس سے پہلے کسی برس میں مال وغیرہ اتنا نہ تھا کہ حج فرض ہوتا توجب تو ان کا حج بفضلہٖ تعالٰی ادا ہوگیا، بلکہ ایسا ادا ہُوا کہ ان شاء اللہ قیامت تک ہر سال حج ادا کرتی رہیں گی، اور اگر اس سال سے پہلے فرض ہو چکا تھا تو البتّہ حجِ فرض اُن پر باقی رہا، حضرت ان کی طرف سے ادا فرمائیں یا ادا کرادیں تو اجرِ عظیم ہے، اب دیکھا جائے کہ یہ صاحبزادے جب سے بالغ ہوئے کسی سال زمانہ حج میں مال وغیرہ اتنا سامان ان کے پاس تھا کہ ان پر حج فرض ہوگیا یا اب تک ان پر فرض نہ ہوا اور اگر ان پر اصلاً فرض نہ ہوا تو حضرت ان کو والدہ ماجدہ کی طرف سے حج کرادیں اور خود پُر نور پیر و مرشد برحق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے کریں، اور اگر خود ان پر حج فرض ہولیا ہو تو یہ دوسرے کی طرف سے حج کرنے سے گنہگار ہوں گے مگر حج جس کی طرف سے کریں گے ادا ہو جائے گا ان پر گناہ رہے گا اور ایسی صورت میں اُن سے حجِ غیر کرانا بھی مکروہ ہے کہ ایک گناہ کا حکم دینا ہے، زیادہ حدِ ادب!

مسئلہ ۲۸۳: از نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حجِ بدل کی کیا کیا شرائط ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حجِ بدل یعنی نیابۃً دوسرے کی طرف سے حجِ فرض ادا کرنا کہ اُس پر سے اسقاطِ فرض کرے ان شرائط سے مشروط ہے:

(۱) جس کی طرف سے حج کیا جائے قبل احجاج اس پر حج فرض ہو، اگر فقیر نے حج کرادیا پھر غنی ہوا خود حج کرنا فرض ہوگا۔

(۲) محجوج عنہ حجِ بدل یعنی نائب کے وقوفِ عرفہ کرنے سے پہلے خود ادا سے عاجز ہو، اگر بحالِ قدرت حج کرایا پھر عاجز ہوگیا از سرِ نو احجاج لازم ہوگا۔

(۳) عجز اگر ممکن الزوال تھا مثل حبس و مرض، تو شرط ہے کہ تادمِ مرگ دائم رہے، اگر بعد حج خود قادر ہوا خود ادا فرض ہوگی بخلاف اس عجز کے کہ قابلِ زوال نہیں، جیسے نابینائی اگر بطور خرقِ عادت

بعد احجاج زائل بھی ہو جائے اعادہ ضرور نہیں۔

(۴) حج بدل کرنے والا تنہا ایک محجوج عنہ کی طرف سے حج واحد کی نیت کرے مثلاً **احرمت عن فلان یا اللھم لبیك عن فلان**[1] اگر اس کی طرف سے نیت نہ کی یا دو حج کی نیت کی ایک اس کی طرف سے ایک اپنی طرف سے یا دو شخصوں کی طرف سے نیت کی ایک اس کی جانب ایک منیب آخر کی جانب سے، تو کافی نہ ہوگا۔

(۵) یہ حج بامر محجوج عنہ ہو بلا اجازت دوسرے کی طرف سے حج کافی نہ ہوگا مگر جبکہ وارث اپنے مورث کی طرف سے حج کرے یا کرائے **لقیامه مقامه خلافة**۔

(۶) مصارفِ آمد و رفت وسائر نفقہ حج کل یا اکثر مال محجوج عنہ سے ہوں۔

(۷) حج اگر بحیات محجوج عنہ ہو تو جسے اس نے امر کیا وہی حج کرے، وُہ دوسرے سے کرادے گا تو ادا نہ ہوگا اور اگر بعد وفات محجوج عنہ ہے تو مامور دوسرے کو بھی اپنی جگہ قائم کرسکتا ہے اگرچہ میت نے اس کا نام لے کر وصیت کی ہو کہ فلاں میری طرف سے حج کرے، ہاں اگر صراحۃً اس نے نہی کردی تھی کہ وہی کرے، نہ دوسرا، تواب دوسرا کافی نہیں۔

(۸) حج بدل کرنے والا اکثر راستہ سواری پر طے کرے اگر باوصف گنجائش نفقہ پیادہ حج کرے گا نفقہ واپس دے دے گا اور حج اس کی طرف سے نہ ہوگا۔

(۹) محجوج عنہ جب اہل آفاق سے ہو تو لازم ہے کہ اس کی طرف سے حج آفاقی کیا جائے اگر اس نے حج کو بھیجا اس نے عمرہ کا احرام باندھا بعد عمرہ مکہ معظّمہ سے احرام حج باندھا اس کی طرف سے حج نہ ہوگا کہ یہ حج مکی ہوا نہ آفاقی، ہاں اگر قریب حج میقات کی طرف نکل کر احرامِ حج میقات سے باندھے تو جائز ہے کہ حج آفاقی ہوا نہ مکّی۔

(۱۰) مخالفت نہ کرے م-ثلاً تنہا حج کے لیے امر کیا تھا اس نے قران یا تمتع کیا نفقہ واپس دے گا اور حج اس کی طرف سے نہ ہوگا۔

(۱۱) حج بدل کرنے والا حج صحیح اس دفعہ میں ادا کرے، ناعاقل بچّہ یا مجنون کا حج کافی نہیں، ہاں مراہق کا کافی ہے، یونہی اگر وُہ حج فاسد کر دیا کافی نہ ہوگا اگرچہ قضا بھی کرے۔ بیس ۲۰ شرطیں منسک متقسط میں ہیں انہیں گیارہ میں آ گئیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] المنسک المتقسط مع ارشاد الساری باب الحج عن الغیر دار الکتاب العربی بیروت ص ۲۹۲

مسئلہ ۲۸۴: ازمارہرہ مطہرہ درگاہ مقدس حضرت سید حامد حسن میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم ۱۶شوال۱۳۳۱ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بیوہ پچپن برس کی عمر ہے دوبارہ پہلے اپنی طرف سے لوگوں کو بھیج کرحج بدل کراچکی ہے اُس سے بعض صاحبوں نے کہاکہ وہ حج نہ ہوئے خودحج کو جاؤ اُس نے محرم نہ ہونے کی وجہ سے نکاح کیامگر ضعیفہ مریضہ ہے اس صورت میں اس کے وہ حج بدل اداہوگئے یااب خوداس پرحج لازم ہے یاکیاحکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زندگی میں جو کوئی حجِ بدل اپنی طرف سے بوجہ عجز ومجبوری کرائے اس حج کی صحت کے لیے شرط ہے کہ وُہ مجبوری آخر عمر تک مستمر رہے، اگرحج کے بعد مجبوری جاتی رہی اور بذاتِ خودحج کرنے پر قدرت پائی تواس سے پہلے جتنے حجِ بدل اپنی طرف سے کرائے ہوں سب ساقط ہوگئے حج نفل کا ثواب رہ گیافرض ادانہ ہوا، اب اس پر فرض ہے کہ خودحج کرے پھر اگرغفلت کی اور وقت گزرگیااور اب دوبارہ مجبوری لاحق ہوئی تواز سرِنوحج بدل کراناضرور ہے، ہاں اگرکسی کی معذوری ایسی ہوجو عادۃً اصلاً زوال پذیر نہیں اور اس نے حجِ بدل کرلیااور اس کے بعد بمحض قدرت الٰہی مثلاً کسی ولی کی کرامت سے وہ عذر ناقابل الزوال زائل ہوگیامثلاًاندھے نے حجِ بدل کرایاتھاپھررب العزۃ نے اسے آنکھیں دے دیں تواس کاوہ حج بدل ساقط نہ ہوااوہی کافی ہے، خوداگرحج کرے سعادت ہے ورنہ فرض اداہوگیا، ایسازوال عذرکہ کرامت خرق عادت ہو معتبر نہیں، مسئلہ شرعیہ تو یہ ہے اور صورتِ سوال سے ظاہرکہ عورت نے پہلے جودوحجِ بدل کرائے یاتووُہ حقیقۃً ایسی مجبوری نہ تھی کہ خودنہ جاسکتی یامرض وضعف وغیرہاکی وجہ سے مجبوری تھی اور بعد کو وہ مجبوری زائل ہوگئی کہ اس نے خودحج کاقصد کیاجس پر دلیل روشن، اسی نیت سے اس کانکاح کرناہے ورنہ پچپن سالہ عورت کو نکاح کی کیاحاجت تھی، بہر حال ان دونوں صورتوں میں کوئی شکل ہو وُہ دونوں حجِ بدل یاتوسرے سے ناکافی تھے یااب ساقط ہوگئے، صرف ثواب نفل رہا، فرض گردن پر باقی ہے خوداداکرے، اور مجبور وناامید ہوتوپھرحج بدل کرائے۔ **وباللہ التوفیق واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۵تا۲۸۸: ازپیر بہوڑ بانکی پور از محمد عصمت اللہ صاحب ۲۹محرم ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک خوشحال شخص اپنی متوفی بیوی کی طرف سے (جو دولت مند تھیں اور شوقِ حج کامصمم ارادہ رکھتی تھیں) حج بدل کراناچاہتے ہیں لہٰذاان کوامورِ ذیل میں حکمِ شرع شریف ناطق فرمایا جائے:

(۱) مستطیع شخص جو اپنا فرض ادا کرچکا کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) غیر مستطیع جس پر حج فرض نہیں ہے حج بدل کے واسطے مقرر ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) بہر کیف حج بدل کرنے والے کو خاص مکہ معظّمہ میں وہاں کا زمانہ حج کا خرچ دے کر مقرر کرلینا کافی ہے یا نہیں؟

(۴) حج بدل کرنے والا شخص مبدل منہ کے مقام قیام کے قریب باش لیا جائے اور آمد و رفت کا تمام خرچ اس کو دیا جائے تو یہ افضل ہوگا یا صرف بمبئی یا خاص مکہ معظّمہ میں حج تک مقرر کرلیا جائے؟ **وبینو ابحو الۃ الکتاب توجروا عند اللہ الوھاب** (کتاب کے حوالے سے بیان کیجئے اللہ وہاب سے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

(۱) کرسکتا ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اس میں اختلاف ہے اور بہتر احتراز **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) اس قسم کے حج بدل جو کرائے جاتے ہیں اُن سے فرض تو اُتر سکتا نہیں، حج عبادت بدنی اور مالی دونوں سے مرکب ہے، جس پر حج فرض تھا اور معاذاللہ بے کئے مرگیا ظاہر ہے کہ بدنی حصہ سے تو عاجز ہوگیا رب عزوجل کی رحمت کہ صرف مالی حصّہ سے اس کی طرف سے حج بدل قبول فرماتا ہے جبکہ وہ وصیت کرجائے اور رحمت پر رحمت یہ کہ وارث کا حج کرانا بھی قبول فرمایا جاتا ہے اگرچہ میّت نے وصیت نہ کی، حج بدل والے کو اسی شہر سے جانا چاہئے جو شہر میت کا تھا تاکہ مالی صرف پورا ہو، مکہ معظّمہ سے حج کرادینا اس میں داخل نہیں، رہا ثواب اس کی امید بھی بخیر ہے، حج کرانے والے صاحب اس پر اجرت لیتے ہیں اور جب اجرت لی ثواب کہاں، اور جب انہیں کو ثواب نہ ملا میت کو کیا پہنچائیں گے، خصوصًا بعض متہور یہ ظلم کرتے ہیں کہ چار چار شخصوں سے حج بدل کے روپے لے لیتے ہیں، اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ہدایت فرمائے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) اس کا جواب اوپر آچکا اور خرچ آمد و رفت دونوں دیا جائے **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸۹: از میرٹھ ڈاک خانہ بہادر گڑھ مسئولہ محمد صادق صاحب ۲۲ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

علماءِ عظام و کرام! اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہوتا ہے کہ کوئی شخص حج بدل کو گیا اور حج کرنے والے نے چالیس روپے اس کے بال بچوں کے خرچ کے واسطے چار ماہ کے لیے دیے اور پچاس روپے اس کو خرچ کے واسطے مکہ معظّمہ تک دیے اور کہا کہ باقی خرچ مکہ معظّمہ جاکر دے دوں گا، اور ٹکٹ جہاز کا حج

کرنے والے کی طرف سے اس نے لے لیا خداوند تعالیٰ کے حکم سے جہاز چھ سو میل جاکر بوجہ آگ لگنے کے واپس آگیا، اب حج کرانے والے نے کہا کہ ٹکٹ جہاز کا مجھے واپس کردو، تو اس نے فوراً واپس کردیا اور اس حج بدل کرنے والے نے یہ کہا کہ آپ ٹکٹ واپس کیوں لیتے ہیں، اب میں دوسرے جہاز میں چلا جاؤنگا چاہے آپ جائیں یا نہ جائیں باقی اور خرچ مجھے دے دیجئے، حج کرانے والے نے کہا کہ میں خود تو جاتا ہی نہیں ہوں اب میں باپ کی طرف سے نہیں کراتا ہوں، تو حج بدل کرانے والے نے فوراً ٹکٹ واپس کردیا اور ڈیڑھ ماہ حج بدل کرنے والے نے اس پچاس روپے میں سے کھایا اور کرایہ ریل کا ممبئ سے مراد آباد تک انہیں پچاس روپے سے خرچ ہوا ایک طرف، اب حج بدل کرنے والے یہ فرماتے ہیں کہ حساب کرکے جو روپیہ تمہارے پاس بچا ہے وُہ ہم کو دے دو، حج بدل کرنیوالے نے یہ کہا کہ میرے پاس سب خرچ ہوگیا، اب حج بدل کرنے والے کے ذمہ روپیہ دینا آتا ہے یا نہیں، اور حج بدل کرنے والے کا حرج دو ماہ کا ہوا اور حج بدل کرنے والے کی آمدنی ماہوار بتیس روپے کی تھی۔

الجواب:

اگر وہ روپے شخص مذکور نے اُسی کام میں اٹھائے تو اُن کا تاوان اس پر نہیں اور اگر اس سے جدا کسی اپنے ذاتی کام میں اٹھائے تو تاوان لازم ہے اور اس بات میں کہ اسی کام میں وہ روپے صرف ہوئے شخص مذکور کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے اور حرجہ پانے کا اسے استحقاق نہیں اگرچہ اس کی ماہوار آمدنی ہزار روپے ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۰ تا ۲۹۱: از پٹنہ عظیم آباد مرسلہ محمد عمر صاحب ۱۳رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ

(۱) ایک شخص عازمِ بیت اللہ شریف ہے اور اس کے ایک عارضہ یہ ہے کہ بعد اجابت قطراتِ سرخ زائد از ایک گھنٹہ برابر آیا کرتے ہیں کہ بغیر لنگوٹ نہیں رہ سکتا ہے، بعد ایک گھنٹے کے جب قطرات موقوف ہوں تب استنجا کرکے کپڑا پہنتا ہے، تو ایسا شخص جو بغیر لنگوٹ نہیں رہ سکتا احرام کیونکر باندھے کیونکہ لنگ احرام تو روز ناپاک ہوا کرے گا اور بسبب پیری اور بیماریوں کے غسل سے بھی مجبور ہے تو صرف تیمّم بعوض غسل کرلے یا کیا؟

(۲) سرما میں سوا چادر احرام کے کوئی کمبل وغیرہ اوپر سے اوڑھ سکتا ہے یا کیا؟ اور نہیں تو صدمہ سرما سے محفوظ رہنے کی کیا صورت ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

احرام میں لنگوٹ باندھنا مطلقًا جائز ہے سلانہ ہو کہ ممانعت لبس مخیط بروجہ معتاد سے ہے یا سر اور منہ کے چھپانے سے اور نادو ختہ لنگوٹ میں دونوں باتیں نہیں۔

فی الدر المختار بعد الاحرام یتقی ستر الوجه والراس بخلاف بقیة البدن ولبس قمیص وسراویل ای کل معمول علی قدر بدن اوبعضه وقباء ولولم یدخل یدیه فی کمیه جاز الا ان یزرره اویخلله ویجوز ان یرتدی بقمیص وجبّة ویلتحف به فی نوم وغیره اتفاقا[1]۔	درمختار میں ہے محرم چہرہ اور سر کو ڈھانپنے سے پرہیز کرے بخلاف بقیہ بدن کے، اور قمیص اور شلوار پہننے سے بچے، یعنی ہر اس لباس کو پہننے سے پرہیز کرے جو انسان کے تمام قد یا بعض بدن کے موافق بنایا جاتا ہے، اور قبا پہننے سے پرہیز کرے یا اگر محرم قبا کی دونوں آستینوں میں اپنے ہاتھ نہ ڈالے تو جائز ہے مگر یہ کہ اسے گھنڈی یا کانٹے سے اٹکادے تو جائز نہیں، اور باتفاق یہ جائز ہے کہ محرم قمیص وجبّہ کو بطور چادر استعمال میں لائے یا سونے وغیرہ کی حالت میں جبہ کو بطور لحاف لپیٹے (ت)

اور ایسی ضرورت شدیدہ کی حالت میں تو اگر لنگوٹ ناجائز بھی ہوتا اجازت دی جاتی **لان الضرورات تبیح المحظورات** (ضرورتیں ممنوعات کو بھی مباح کردیتی ہیں۔ت) ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا نے سفر حج میں اپنے حاملان محمل کریم کو ایک ضرورت خاصہ کے سبب تہ بند کے نیچے تنبان یعنی جانگیا پہننے کا حکم دیا **کما فی صحیح البخاری**[2] (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ت) کمل یا بانات یا اونی چادر وغیرہ بے سلے کپڑے اگرچہ دو چار ہوں اوڑھنے کی اجازت ہے بلکہ سوتے وقت اُوپر روئی کا انگر کھا چُغہ لبادہ چہرہ چھوڑ کر بدن پر ڈال لینا یا نیچے بچھالینا بھی ممنوع نہیں بلکہ بیداری میں بھی انہیں کندھوں پر ڈال سکتا ہے جبکہ آستین میں ہاتھ نہ ڈالے، نہ بند باندھے، نہ کسی اور ذریعہ سے بندش کرے **کماقدمناہ عن الدر وذٰلك لانه لیس من اللبس المعتاد** (جیسا کہ ہم درکے حوالے سے بیان کر آئے کیونکہ یہ عادۃً پہننے کی طرح نہیں ہیں۔ت) بااین ہمہ ضعیف کمزور کو دو تدبیریں اور ملحوظ رہیں تو انسب **اوّلًا** تمتع کرے کہ تنہا حج کرنے سے افضل بھی ہے اور احرام کی مدت بھی کم ہوگی یعنی محاذات یلملم سے کہ سمندر میں عدن سے آگے آئیگی، صرف عمرے کا احرام

---

[1] درمختار کتاب الحج فصل فی الاحرام مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۶۴

[2] صحیح بخاری باب مایلبس المحرم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

باندھے، مکہ معظّمہ پہنچتے ہی طواف وسعی سے عمرہ بجالا کر احرام کھولدے، اب بلا تکلف ہشتم ذی الحجہ تک بلااحرام مکہ معظّمہ میں قیام کر سکتا ہے جو چاہے پہنے، اوڑھے، سر سے عمامہ باندھے، جو چاہے کرے۔ یہ احرام صرف پانچ روز رکھنا ہوگا۔ بعدہ آٹھویں کو پھر احرام حج کا باندھے منٰی کو جائے، عرفات ومزدلفہ سے پلٹ کر دسویں تاریخ جب پھر منٰی میں آئیگا اور جمرۃ العقبہ کی رمی کرکے قربانی جو اس پر بوجہ تمتع واجب تھی بجالائیگا، اس کے بعد سر منڈائے یا بال کتروائے، احرام کھل گیا سوا عورتوں کے (کہ بعد طوافِ زیارت حلال ہوں گی) جو کچھ احرام نے حرام کیا تھا سب حلال ہوگیا، تو یہ احرام پورے تین دن بھی نہ رہا۔

ثانیًا یہاں بمبئی سے دالان کی شکل کی ایک چیز کھپچیوں کی بنوالے جس کی تین دیواریں ہوں ہر ایک آدھ گز یا قدرے زائد کی اور اوپر چھت پٹی ہو اور دروازہ زمین بالکل خالی ہو، تینوں دیوار اور چھت کو رُوئی وغیرہ جس سے چاہیں منڈھ لیں، سوتے وقت سرہانے اس مکان کو رکھ کر سر اس کے دروازہ سے داخل کریں کہ چہرہ اس کے سائے میں رہے، باقی بدن پر کپڑا اڈال لیں، اب اس مکان کی وجہ سے سر ہوائے سرد سے محفوظ ہوگیا اور رو، وسر کا چھپانا بھی لازم نہ آیا،

فی الدر المختار من فصل الاحرام، لا یتقی (ای المحرم) الاستحمام والا ستظلال ببیت ومحمل لم یصب راسه اووجهه فلواصاب احدهما کره[1] اه وفیه ایضا قالوا لودخل تحت ستر الکعبة فاصاب راسه اووجهه کره والافلابأس به[2]۔	درمختار کی فصل احرام میں ہے (محرم) کا حمام میں جانا یا ایسے گھر یا کجاوہ کے سایہ میں جانا منع نہیں جو اس کے سر اور چہرہ کو نہ ڈھانپے، اگر ان میں سے کسی کو ڈھانپتا ہے تو مکروہ ہے اور اس میں یہ بھی ہے فقہا نے کہا ہے کہ اگر محرم غلافِ کعبہ کے نیچے داخل ہوگیا اور اس کے سر یا چہرہ کو غلاف لگا تو کراہت ہے اور اگر نہیں تو کوئی حرج نہیں۔ (ت)

جنابت سے طہارت کے لیے تو آپ ہی تیمّم کرے گا، جبکہ نہانے پر قادر نہ ہو، اور احرام کے وقت جو غسل مسنون ہے اس پر قدرت نہ ہو تو اس کے عوض تیمّم مشروع نہیں کہ وہ غسل نظافت کے لیے ہے نہ طہارت کے لیے، کہ طہارت تو حاصل ہے اور تیمّم سے طہارت ہوتی نہ نظافت بلکہ بدن پر غبار لگنا خلاف نظافت ہے، تو ایسا شخص اس غسل کے عوض کچھ نہ کرے صرف وضو کافی ہے۔

---

[1] درمختار کتاب الحج فصل فی الاحرام مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۶۴

[2] درمختار کتاب الحج فصل فی الاحرام مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۶۴

فی الدر المختار من شاء الاحرام توضأ وغسله احب، وهو للنظافة لا للطهارة فالتيمم له عند العجز من الماء ليس بمشروع لانه تلوث اھ[1] ای فی بعض الصور حیث یصیب الغبار والا فمن تیمم علی مرمر مغسول جاز ولم یکن تلوثا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے جس نے احرام کا ارادہ کیا وہ وضو کرے، غسل اس کے لیے افضل ہے اور یہ بات نظافت کے پیش نظر ہے طہارت کے لیے نہیں، اگر محرم کے پاس پانی نہیں تو وضو کی جگہ تیمّم نہ کرے کیونکہ یہ تو مٹی میں ملوث ہونا ہے اھ یعنی یہ تلوث ان صورتوں میں لازم آتا ہے جہاں غبار ہو، اگر دھوئے ہوئے سنگِ مرمر پر تیمّم کیا تو جائز ہوگا کیونکہ اب تلوث کا خطرہ نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۲: از بمبئی محلّہ قصاباں متصل کرافٹ مارکیٹ مکان گورے بابو صاحب مسئولہ حضرت سید حامد حسین میاں صاحب دام ظلہم ۴ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

معظمی مکرمی مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، حجاج قطعی معلم وبدویان کے قبضہ میں ہوتے ہیں اکثر، ۷ ذی الحجہ کو روانہ ہوکر منٰی میں قیام کرتے ہیں اور شبِ نہم منی شریف سے روانہ ہوکر صبح پہنچتے ہیں اور مزدلفہ سے بھی پچھلی شب میں روانہ ہوجاتے ہیں، آپ حضرات بدویان کی سخت مزاجی سے خوب واقف ہیں وہ کسی کا کہا نہیں سنتے، کیا کیا جائے بجز اس کے کہ آپ دعا فرمادیں کہ بدویان انہیں اوقات میں روزانہ ہوں جن کی بابت حکم ہے، فقیر کوشش بلیغ کرے گا بشرطیکہ دیگر حجاج نے میرے کلام کی تائید کی، اگر فقیر تنہا ہوتا تو کچھ قافلہ کی ہمراہی کی پروانہ کرتا اور پورے طور پر حسب تحریر رسالہ، اوقات معینہ کی پابندی کرتا اور اب بھی ان شاء اللہ حتی المقدور پابندی کرے گا، اللہ تعالٰی میری امداد فرمائے، آمین ثم آمین!

دوم یہ کہ عورت معذور اور غیر معذور کی جانب سے وکالۃً ہر سہ یوم رمی جائز ہے یا نہیں، کیونکہ علاوہ مجمع بارہویں تاریخ قبل دوپہر قافلہ روانہ ہوتا ہے میں تنہا رہ جاؤں گا، بعد زوال رمی کرکے قافلہ سے آملوں گا، والسلام

الجواب:

بشرف ملاحظہ عالیہ بابرکت والا درجت حضرت مولانا سیّد حامد حسین میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد ادائے آداب معروض، مطوفون کو اگر اہل قافلہ مل کر

[1] درمختار کتاب الحج فصل فی الاحرام مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۶۳

یا ایک ہی شخص جوان کے نزدیک ذی وجاہت ہو مجبور کریں تو ان کو ماننا پڑتا ہے، فقیر کو اس کا تجربہ ہے اور اگر نہ مانیں اور مجبوری ہو تو نویں رات منٰی میں صبح تک ٹھہرنا اور آفتاب چمکنے پر عرفات کو چلنا سنت ہے مجبورانہ اس کے ترک سے حج میں کوئی نقص نہ آئے گا مزدلفہ کی حدود کے اندر دسویں تاریخ کے طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک کسی طرح موجود ہونا اگرچہ ایک لحظہ ہو ادائے واجب کے لیے کافی ہے تو اگر حدود مزدلفہ سے نکل جانے سے پہلے صبح صادق ہو گئی تو واجب ادا ہو گیا اگرچہ سنت ترک ہو گئی، ہاں اگر اتنی رات سے چل دیا کہ صبح صادق نہ ہونے پائی اور مزدلفہ کی حدود سے نکل گیا تو بے شک واجب ترک ہوا، قربانی دینی آئے گی مگر بدوی ایسا نہیں کرتے اور عورتوں اور نہایت کمزور مردوں اور بیماروں کو بخوف ہجوم خود شرع بھی رات سے چل دینے کی اجازت فرماتی ہے، انہیں کوئی جرمانہ دینا نہ ہوگا، بارہویں تاریخ قبل زوال چل دینے کی ضرور اب وہاں عادت نکالی ہے، اور یہ ہمارے مذہب وظاہر الروایۃ میں گناہ ہے، فقیر نے تو جمالوں کو مجبور کیا اور بحمد اللہ ان کو رکنا پڑا کہ میں اور میرے ساتھ کے سب مرد و عورت بعد زوال رمی کرکے روانہ ہوئے جہاں وہ ہرگز نہ مانیں اور پیچھے رہ جانے میں اندیشہ صحیح ہو تو یہ صورت مجبوری کی ہے، ضعیف روایت پر عمل کرکے قبل زوال رمی کرکے جاسکتا ہے، عورت ہونا رمی میں نیابت کے لیے عذر نہیں، ہاں ایسا بیمار ہو کہ رمی کو نہ جاسکے تو اس سے اجازت لے کر دوسرا اس کی طرف سے رمی کرسکتا ہے یا جو غشی میں ہو تو اسکی بلااجازت اسکی طرف سے رمی ہو سکتی ہے، لباب وشرح لباب سنن حج میں ہے:

والخروج من مکۃ الی عرفۃ یوم الترویۃ والبیوتۃ بمنی لیلۃ عرفۃ الالحادث من الضروریات والدفع منہ الٰی عرفۃ بعد طلوع الشمس [1]۔	یوم ترویہ کو مکہ سے عرفات کی طرف حاجی نکلے اور عرفہ کی رات منٰی میں بسر کرے بشرطیکہ کوئی مانع اور مجبوری نہ ہو اور پھر منٰی سے طلوعِ آفتاب کے بعد عرفات جائے۔(ت)

اسی کی فصل الرواح الی منٰی میں ہے:

وان بات بغیر منی تلك اللیلۃ جاز واساء [2]۔	اگر منٰی کے علاوہ کسی اور جگہ حاجی نے یہ رات بسر کی تو جائز مگر خلافِ ادب ہے۔(ت)

[1] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری باب سنن الحج دارالکتب العربی بیروت ص ۵۱

[2] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری فصل فی الرواح الی منٰی دارالکتب العربی بیروت ص ۱۲۷

اسی کی فصل وقوف بالمزدلفہ میں ہے:

الوقوف بها واجب واول وقته طلوع الفجر الثانی من یوم النحر واٰخر طلوع الشمس منه فمن وقف بها قبل طلوع الفجر اوبعد طلوع الشمس لایعتد به، وقدرالواجب منه ساعة ورکنه کینونته بمزدلفة بفعل نفسه اوغیره، نواه اولم ینو علم بها اولم یعلم ولوترك الوقوف بها فدفع لیلا فعلیه دم الااذا کان لمرض اوضعف بیّنة من کبر اوصغر اویکون امرأةتخاف الزحام فلاشئی علیه۔[1]	مزدلفہ کا وقوف لازم ہے، ابتدااس کی یوم نحر کی طلوع فجر ثانی سے ہوتی ہے اور اس کا اخیر وقت اسی دن کا طلوع آفتاب ہے توجو طلوعِ فجر سے پہلے یا طلوع شمس کے بعد مزدلفہ میں ٹھہرا اسکے ٹھہرنے کااعتبار نہیں (یعنی وقوف معتبر نہیں ہوگا) مقدار واجب ایک ساعت ہے اور اس کا رکن یہ ہے کہ اس مدّت میں وہاں خود موجود ہونا اپنے عمل سے یا غیر کے عمل سے ہو، نیت ہو یا نہ ہو، اسے مزدلفہ کا علم ہو یا نہ ہو، اگرمزدلفہ کا وقوف ترک کرکے رات کو ہی حاجی واپس آگیا تو ایسی صورت میں دم لازم ہوگا، اگر کوئی مرض ہو یا کبر وصغر کی وجہ سے واضح ہو یا کوئی خاتون ہوجواز دحام سے ڈرتی ہو تو اب کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ (ت)

اسی کی فصل وقت الرمی فی الیومین میں ہے:

وقت رمی الجمار الثلث فی الیوم الثانی یجوز قبله فی المشهور ای عند الجمهور، وقیل یجوز وهو خلاف ظاهرالروایة، وفی المسألة روایة اخری مختصة بالیوم الثانی من ایام التشریق، لما فی المرغینانی لو اراد ان ینفرفی هذاالیوم له ان یرمی قبل الزوال وان رمی بعده فهو افضل وانما لایجوز قبل الزوال، من	ایامِ نحر میں دوسرے اور تیسرے دن تینوں جمرات کو رمی کا وقت زوال کے بعد ہوتا ہے مشہور روایت یعنی جمہور کے ہاں زوال سے پہلے رمی جائز نہیں بعض نے کہا جائز ہے لیکن یہ ظاہر الروایت کے خلاف ہے، اس مسئلہ میں ایک اور روایت بھی ہے جو ایام تشریق کے دوسرے دن کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ مرغینانی میں مذکور ہے: اور اگر حاجی نے اس دن لوٹنے کا ارادہ کرلیا ہے تو زوال سے پہلے رمی کرسکتا ہے، ہاں بعد از زوال کرے تو افضل ہوگی، اور زوال سے پہلے اس شخص کے لیے رمی

[1] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری فصل فی الوقوف بالمزدلفہ دارالکتاب العربی بیروت ص ۱۴۷

لایرید النفر کذا روی الحسن عن ابی حنیفة[1]۔	جائز نہیں جو لوٹنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ امام حسن نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے یوں ہی نقل کیا ہے۔ (ت)

اسی کی فصل شرائط رمی میں ہے:

الخامس ان یرمی بنفسه فلا تجوزالنیابة عند القدرة تجوز عند العذر، فلورمی عن مریض لا یستطیع الرمی بامره اومغمی علیه ولوبغیر امره او صبی غیر ممیزاومجنون جاز، والا فضل ان توضع الحصی فی اکفهم فیرمونها ای رفقاؤهم ففی الحاوی عن المنتقی عن محمد، اذاکان المریض بحیث یصلی جالسارمی عنه ولاشئی علیه اھ ولعل وجهه انه اذاکان یصلی قائما فله القدرة علی حضور المرمی راکبا اومحمولا فلایجوز النیابه عنه[2] اھ ملخصات والله تعالٰی اعلم۔	پانچویں شرط یہ ہے کہ خود رمی کرے قدرت کے باوجود نائب بنانا درست نہیں، ہاں عذر کے وقت جائز ہے، اگر کسی نے ایسے مریض کے کہنے پر رمی کی جو طاقت نہیں رکھتا، یا حاجی پر غشی طاری تھی اگرچہ اس نے رمی کا نہ کہا ہو، یا جس بچے کو شعور نہ ہو اس کی طرف سے یا دیوانے کی طرف سے رمی کردی تو جائز ہوگی۔ افضل یہ ہے کہ سنگریزے معذوروں کے ہاتھوں میں رکھ دئے جائیں تو ان کے رفیق رمی کریں۔ حاوی میں المنتقی سے امام محمد سے مروی ہے جب مریض اس حال میں ہو کہ صرف بیٹھ کر نماز ادا کرتا ہو تو اس کی طرف سے کسی نے رمی کردی تو اس پر کوئی شیئ لازم نہ ہوگی اھ شاید اسکی وجہ یہ ہے کہ جب وُہ نماز کھڑے ہو کر ادا کرسکتا ہو تو اب اس کے لیے رمی کے لیے جانے کی قدرت ہوگی خواہ سوار ہو کر جائے یا اسے اٹھا کر لے جایا جائے اب اس کی طرف سے نائب بنانا درست نہ ہوگا اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۳: از شہر بریلی مسئولہ حضرت ستنا بی بی صاحبہ مد ظلہا

حج میں ایک اونٹ آٹھ آدمیوں نے شریک ہو کر قربانی کی تو حج ہوا یا نہیں اور قربانی دوبارہ کرے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حج ہوگیا پھر احرام باندھتے وقت تنہا حج کی نیت باندھی تھی تو قربانی اصلاً ضرور نہ تھی نہ اب اس کے بدلے کسی چیز کی حاجت ہے، ہاں اگر احرام میں حج اور عمرہ دونوں کی نیت ایک ساتھ باندھی تھی یا احرام میں فقط

---

[1] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری فصل فی وقت الرمی فی الیومین دار الکتاب العربی بیروت ص۱۶۱تا۸۵
[2] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری فصل فی احکام الرمی وشرائط الخ دار الکتاب العربی بیروت ص۱۶۶

عمرہ کی نیت کرکے ادا کرکے پھر حج کا احرام مکّہ معظّمہ میں باندھا تھا تو البتہ قربانی واجب تھی اور ایک اونٹ میں سات ۷ سے زیادہ شریک نہ ہوسکتے تھے تو وہ قربانی نہ ہوئی، اس صورت میں البتہ دو ۲ قربانیاں لازم ہیں ایک اصل اور ایک جرمانہ کی، ان کی قیمت بھیج کر حرم شریف میں کرائی جائیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۴ تا ۲۹۵:

(۱) ایک حاجی نے دم شکریہ کے عوض اس کی قیمت خیرات کی، اب یہ دم شکریہ اس کی جانب سے ادا ہوا یا نہیں؟ دوسرے صاحب نے دم تقصیر کی قیمت خیرات کی، اس کی ذمہ سے دم ادا ہوا یا نہیں؟

(۲) اگر وہ صاحب جنھوں نے دم شکریہ اور دم تقصیر منٰی میں نہ ذبح کیا وہ یہاں آکر ایک گائے خرید کر مثل قربانی کے شریک ہوکر اور اس کو ذبح کرکے خیرات یہاں کردیں تو وہ فعل ہند میں درست ہوگا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

(۱) نہ، کہ یہاں خود ذبح مقصود ہے اور اللہ عزوجل کے لیے جان دینا، تو قیمت اس کے بدلے میں کافی نہیں، لباب میں ہے:

لاتجوز القیمۃ فی ھدی النذر کما لاتجوز فی غیرہ من الھدایا[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نذر کے ہدی کی قیمت ادا کرنا جائز نہیں جیسا کہ دیگر ہدیوں میں جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اگر ہندوستان میں ہزار گائیں یا اونٹ ذبح کردیں ادا نہ ہوگا کہ اس کے لیے حرم شرط ہے۔ درمختار میں ہے:

یتعین الحرم المنٰی اھ[2] ای لدم شکر وجبر قال الشامی لما تقدم انہ اسم لما یھدی من النعم الی الحرم الخ قلت وقد قال تعالٰی ھَدْیًۢا بٰلِغَ الْکَعْبَۃِ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم	حرم متعین ہے منٰی کچھ خاص نہیں اھ یعنی دم شکر اور اس دم کے لیے جو نقصان کے ازالہ کے لیے ہو، امام شامی نے کہا کہ پہلے گزرا کہ یہ ان ہدایا کا نام ہے جو جانور حرم کی طرف لے جائے جاتے ہیں الخ، میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کا فرمان مبارک یوں ہے وہ ہدی جو کعبہ کو پہنچنے والی ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] لباب المناسک مع ارشاد الساری فصل فی ایجاب الہدی دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۱۵
[2] درمختار کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۳
[3] ردالمحتار مصطفٰی البابی مصر ۲/۲۷۲

مسئلہ ۲۹۶: از پیلی بھیت مرسلہ حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سُورتی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ۱۳رمضان ۱۳۲۵ھ

جو شخص دُور دراز سفر کرکے حج نفل کرے اور زیارتِ سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والصلٰوۃ نہ کرے تو وہ مصداق اس حدیث کا ہو سکتا ہے کہ "جو شخص حج کرے اور میری زیارت نہ کرے تو اس نے مجھ پر ظلم کیا"۔ جو لوگ کہ ساکن مکہ معظّمہ کے ہیں اور نفل حج کے بعد روضہ اقدس کی زیارت نہ کریں تو اس حدیث کے مصداق ہیں یا نہیں؟

الجواب:

من حجّ (جس نے بھی حج کیا۔ت) یقینا عام ہے مّکی وآفاقی سب کو شامل اور تکرارِ سبب تکرارِ حکم کو مستلزم، اور **لم یزرنی** (میری زیارت نہ کی۔ت) کے صدق کو ترک کلی کی طرف مشیر ماننا خلاف اصل متبادر، نظرِ ایمانی میں بلاشبہ ہر بار زیارت لازم، اور اسی پر مسلمین کا عمل لاجرم، فاکہی مکی متوفی ۹۸۲ھ کتاب **حسن التوسّل فی زیارۃ افضل الرسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** میں فرماتے ہیں:

المأموربه اذاکان مرتبا علی سبب یتکرر طلبه من المکلف بتکرر السبب، فمن ذٰلك اجابة المؤذن فتطلب الاجابة، علی ماقاله جمع کلما وجد الاذان و یتکرر، ومنه فیما یظهر الزیارة للمستطیع کلماحج، بناء علی مقتضی هذا الخبر ونحوه فیتأکد علی نحو المکی اکثر من تاکده علی غیره ان لایفوت الزیارة بعد حجه لاسیما فی عام حجه فان قرب الدار یصیر القریب کالجار والجار التارك للمزار قد جار، سیما اذا کان یرتکب الدیون فی تحصیل شهوته، وعدم قطع عادته ولایرتکبها فیما هو اشرف عباداته اھ[1]	جب مامور بہ کسی ایسے سبب پر مترتب ہو جس میں تکرار ہے تو سبب کے تکرار پر مکلّف سے مامور بہ کے مطالبہ کا بھی تکرار ہوگا، مؤذن کی دعوتِ نماز کو قبول کرنا بھی اسی قبیل سے ہے، تو جب بھی اذان کا تکرار ہوگا اجابت کا مطالبہ ہوگا جیسا کہ ایک جماعت کا قول ہے اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ صاحبِ استطاعت جب بھی حج کرے اس اور دیگر فرمان نبوی کی بنا پر، دربار نبوی علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حاضری دے، غیر مکی لوگوں کی نسبت مکی لوگوں کو اس کی زیادہ تاکید ہے کہ حج کے بعد خصوصًا حج کی ادائیگی کے سال، زیارت کیلئے حاضری کو فوت نہ کرے کیونکہ قربِ دار، قریبی کو پڑوسی بنادیتا

[1] حسن التوسل فی زیارہ افضل الرسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

قلت وانما جعل التاکد علی المکی اکثر لان عذرہ اقل کما اشارہ الیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہے اور پڑوسی ہو کر زیارت کا تارک ہو تو گویا اس نے ظلم کیا، خصوصًا جب اپنے شوق اور عادت کو پُورا کرنے میں تو قرض تک کا ارتکاب کرتا ہو اور ان اعمال میں خرچ نہیں کرتا جو عبادات میں افضل ہیں اھ میں کہتا ہوں مکی لوگوں پر یہ تاکید اکثر ہوگی کیونکہ ان کا عذر اقل ہے جیسا کہ انہوں نے اس طرف اشارہ فرمایا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۷تا۲۹۸: حافظ محمد ایاز صاحب از نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ پٹھان پورہ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں بموجب حکم شرع شریف ارشاد فرمائیے اللہ تعالٰی اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

(۱) اگر ماہِ شعبان میں کوئی شخص مکہ معظّمہ پہنچ جائے اور رمضان شریف میں وہاں قیام کرے اور نہایت اطمینان سے طواف وسنگِ اسود شریف کا بوسہ وغیرہ ادا کرے تو جیسا ثواب ایامِ حج میں ہوتا ہے ویسا ہی ہوگا یا اس میں اور اس میں کچھ فرق ہوگا اور وہی ثواب ایک نماز کا ملے گا جیسا کہ ایک لاکھ کا اور صدقات وغیرہ میں بھی اسی کے مثل ہوگا یا نہیں، حالانکہ شخص مذکور ایامِ حج میں بھی ارکانِ حج ضرور ادا کرے گا۔

(۲) اگر ماہِ شعبان میں کوئی شخص مدینہ پہنچ جائے اور وہاں رمضان المبارک میں قیام کرے اور روضہ مطہرہ کی زیارت کرتا رہے اور ہمراہ قافلہ مدینہ منورہ کے مکہ معظّمہ پہنچ کر حج کے ارکان ادا کرے یا ماہِ شوال میں اول مدینہ منورہ جائے اور وہاں زیارتِ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اطمینان کے ساتھ فراغت پاکر مکہ معظّمہ جائے اور وہاں حج کے ارکان ادا کرکے اپنے مکان کو چلا آئے، تو ان صورتوں میں شخص مذکورہ کو ثواب اسی درجہ ملے گا جیسا کہ حجِ بیت اللہ شریف کے بعد مدینہ طیبہ جانے کا ہوتا ہے یا کچھ کم ہوگا؟ حاصلِ کلام یہ کہ اول مدینہ منورہ جانا اور وہاں سے قافلہ کے ساتھ بیت اللہ شریف آنا اور ارکانِ حج ادا کرکے مکان کو واپس آجانا درست ہے یا نہیں اور اس کا ثواب مثل بعد مدینہ شریف جانے کے ہے یا نہیں؟ عند اللہ جواب سے مشرف فرمائیے، اس کے اُوپر یہاں بہت جھگڑا ہورہا ہے، اللہ تعالٰی ثواب دارین عطا فرمائے۔

الجواب:

(۱) حرم محترم کے اعمال کا ثواب اُس زمین پاک کے اعتبار سے ہے، نہ زمانِ حج کی خصوصیت سے، ایک نیکی پر لاکھ کا ثواب جیسے زمانہ حج میں ہوگا ویسے ہی دیگر اوقات میں، اور طوافِ کعبہ معظّمہ جو حج میں کیا جائے گا اگر وُہ طواف فرض ہے جب تو ظاہر ہے کہ فرض کے ثواب کو دوسری چیز نہیں پہنچ سکتی اور

اگر وہ طوافِ عمرہ ہے تو رمضان مبارک میں اس کا طواف ذی الحجہ سے بہت زیادہ ہوگا **لاختلاف العلماء فی نفس جواز العمرۃ شھر الحج** (کیونکہ علماء کا حج کے مہینے میں جوازِ عمرہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ت) حدیث میں ہے حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عمرۃ فی رمضان تعدل حجۃ معی۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	رمضان مبارک میں ایک عمرہ میرے ساتھ حج کے برابر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

علمائے کرام نے دونوں صورتیں لکھی ہیں چاہے پہلے سرکارِ اعظم میں حاضر ہو اُس کے بعد حج کرے یہ ایسا ہوگا جیسے صبح کے فرضوں سے سنتیں مقدم ہیں اور حاضری بارگاہِ مقدس اس کے لیے قبول حج کا سامان فرمادے گی ان شاء اللہ الکریم ثم رسولہ الرؤف الرحیم علیہ وعلٰی آلہ اکرم الصّلوٰۃ والتسلیم، اور چاہے تو حج کے بعد حاضر ہو یہ ایسا ہوگا جیسے مغرب کے فرضوں کے بعد سنّتیں۔ حج اگر مبرور ہے اُسے گناہوں سے پاک کرکے اس قابل کردے گا کہ زیارت قبرِ انور کرے ع

پاک شو اول وپس دیدہ برآں پاک انداز

(پہلے پاک ہو جاؤ پھر مبارک اداوالوں کی زیارت کا شرف پاؤ۔ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ مکہ معظّمہ کو جاتے میں مدینہ طیبہ راستہ میں نہ پڑے اور اگر ایسا ہے جیسا شام سے آنے والوں کے لیے تو پہلے حاضری دربارِ انور ضروری ہے، خلافِ ادب ہے کہ بے حاضر ہوئے حج کو چلا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۹: پیش کردہ منشی محمد عتیق احمد صاحب ساکن پیلی بھیت بتاریخ ۱۲رجب ۱۳۲۱ھ

بحضرت اعلم العلماء افضل الفضلاء واکمل الکملاء، آفتابِ آسمان شریعت، ماہتاب درخشاں طریقت، نور بخش قلوبِ مومنین، روشن فرمائے دین و دنیا، حاکم محکمہ ایمان، ماتحت حبیب الرحمان سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حامیِ دینِ متین، اہل سنت، ماحیِ ضلالت وکفروبدعت، صاحب حجتِ قاہرہ، مجددمائتہ حاضرہ، آیۃ من آیات اللہ، فضیلت پناہ، حقیقت آگاہ، امام العلماء والفضلاء، حاج الحرمین الشریفین مولانا ومقتدانا، عالی جناب مولوی محمد احمد رضاخاں صاحب فاضل بریلوی دامت برکاتہم وافاضاتہم، اس بارے میں کیا ارشاد ہے کہ حجاز ریلوے جو حرمین شریفین **زادہما اللہ شرفاوتعظیما** کے سفر وزیارت وغیرہ کو مسلمانوں پر آسان کردے گی اور وہاں کے ساکنین خصوصًا حرمِ محترم مدینہ منورہ کے رہنے والوں کو ہر شئی بہ آسانی میسر آنے کا

[1] صحیح مسلم باب فضل العمرۃ فی رمضان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۰۹

ذریعہ ہوگی ان شاء اللہ تعالٰی قابلِ امداد واعانت اہلِ اسلام ہے یا نہیں، جبکہ حضور سلطان المعظم اُس کو خاص مسلمانوں کے روپے سے تعمیر واجرا کرانے میں بہت سعی و کوشش فرمارہے ہیں اور اس اعانت کو اجر چندہ دہندگان کو ملے گا یا نہیں؟ کیونکہ بعض کو گمان ہوتا ہے کہ ریل کا بننا ہی غلط بیانی ہے، بعض تردد کرتے ہیں کہ روپیہ وہاں تک پہنچتا ہی نہیں، حالانکہ یہ امر قابل اطمینان پایا گیا ہے، قسطنطنیہ سے رسیدات مہری ڈاکخانہ وغیرہ بسند کافی آئی ہیں، بعض مقاموں خاص کر پیلی بھیت میں مسلمانوں نے یہ معلوم کرکے کہ حضور والا نے چندہ دینے کو منع فرمایا ہے اس سبب سے سب مسلمان کہ مطیع حکم حضور کے رہتے ہیں جو دراصل صحیح حکم خدا اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہوتا ہے، چندہ دینے لینے سے باز رہے لیکن اس بارے میں ارشاد حضور کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حجاز ریلوے مسلمانوں کے نفع وآرام کی چیز ہے، نیت صالحہ سے اس میں شرکت ان شاء اللہ تعالٰی باعثِ اجر وبرکت ہے۔ بعض حاجیوں کو یہ خیال کہ ریل بننا ہی غلط ہے بلکہ بیچ کے لوگوں نے یہ شعبدہ اٹھار کھا ہے روپیہ جو جاتا ہے تغلب خائنان میں آتا ہے، اس میں پہلا فقرہ محض غلط وسوئے ظن ہے وہ بھی صریح یقین کے مقابل، اور پچھلا فقرہ اگرچہ بعض مواضع پر صحیح ہونا ممکن، اور تجربہ شاہد ہے کہ ضرور کہیں صحیح ہوگا، ایسے معاملات میں بہت کاذب وخائن کھڑے ہوجاتے ہیں، مگر نہ سب یکساں ہیں نہ بعد حصول ذرائع اطمینان، اجازت سوئے گمان ہے اور بالفرض ہو بھی، تو مسلمان جس نے لوجہ اللہ تعالٰی دیا اپنی نیت پر اجر پائے گا **فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللہِ**[1] (تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہوگیا۔ت) فقیر نے اس میں اعانت پر کبھی انکار نہ کیا، البتہ بعض جاہلان علم ادعا نے یہ کہہ دیا تھا کہ اس کی اعانت فرض ہے کہ بے امنی راہ کے باعث فرضیتِ حج میں خلل ہے، ریل کا بننا اس خلل کا ازالہ کرے گا، اور مقدمہ فرض فرض ہوتا ہے اس کا میں نے رد کیا تھا کہ یہ محض جہالت ہے، اوّل **بحمد اللہ تعالٰی** ہر گزراہ میں بے امنی نہیں، جسے حق سبحانہ نے وہ سفرِ کریم بخشا اور اس کے ساتھ ایمان کی آنکھ اور عقل سلیم عطا کی ہے اُس نے موازنہ کیا اور معلوم کرلیا ہے وہاں باآنکہ بارہ منزل کے اندر صرف دو ایک چوکیاں ہیں، بحمدہٖ تعالٰی وہ امن وامان رہتی ہے کہ یہاں قدم قدم پر چوکی پہرے کی حالت میں ہو، جس قافلہ میں یہ فقیر ۱۲۹۵ھ میں اپنے رب کے دربار سے اس کے حبیب کی سرکار میں حاضر ہوتا تھا جلّ جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، قافلہ بعد زوال ظہر وعصر پڑھ کر وہاں ہوتا اور وقتِ مغرب خفیف قیام کرتا کہ لوگ مغرب وعشاء کے فرض و وتر پڑھ لیتے، شافعیہ اپنے مذہب پر ایسا کرتے اور حنفیّہ بضرورت تقلید غیر پر عامل ہوتے کہ بحالتِ ضرورت اُن شرائط پر کہ فقہ میں مفصل ہیں

[1] القرآن ۴/۱۰۰

ایسا روا ہے، مگر یہ فقیر بحمد اللہ اپنے امام رحمہ اللہ تعالٰی کے مطابق مذہب، ہر نماز خاص اُس کے وقتِ مقرر ہی میں پڑھتا جن کی تعیین اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمادی ہے، مجھے عصر و عشاء کے لیے اُترنا پڑتا، قافلہ دُور نکل جاتا، میں جلدی کرکے مل جاتا، قضائے حاجت کے لیے بھی لوگ اس خیال سے کہ قافلہ بعید نہ ہوجائے نزدیک ہی بیٹھ جاتے ہیں، مجھے یہ پسند نہ آتا اور دور کسی پیڑ یا پہاڑ کی آڑ میں جاتا اس میں بھی لوگ، قافلہ دور نکل جاتا، دن کی تنہائیوں اور رات کی اندھیریوں میں بارہا بدوی ملے وہ مسلّح تھے اور میں نہتّا، مگر کبھی سوا السلام علیکم و علیکم السلام، مساکم اللہ بالخیر والسعادۃ صبحکم اللہ بالرضاء والنعیم (تم پر سلام ہو اور تم پر بھی سلام ہو، اللہ تعالٰی رات خیر اور صبح مبارک کرے، اللہ اپنی خوشنودی اور انعامات سے نوازے۔ت) کے اصلاً کسی نے کوئی تعرض نہ کیا وللہ الحمد، اتفاقاً کہیں کوئی واقعہ ہوجانا بدامنی نہیں کہلاتا، یہاں شہر سے اسٹیشن کو جاتے ہوئے شب میں متعدد واردات ہو چکیں اور رات کو آنولے سے بدایوں جانے میں تو کتنے ہی وقائع ہوئے، کوئی عاقل ایسے اتفاقیات پر شہر یا راہ میں بدامنی نہ مانے گا پھر وہاں اس حال پر کہ بارہ[۱۲] منزل تک بیچ میں صرف ایک قلعہ رابغ ملتا ہے جگہ جگہ چوکی پہروں کا نشان نہیں، اگر اتفاقی واردات ہوجائیں تو اُس کے باعث بدامنی ماننا، فرضیت حج میں خلل جاننا، ضعفِ ایمان نہیں، تو کیا ہے، لئیم الطبع لوگ جو قافلوں میں بدویوں سے دنائت وخست کا برتاؤ کرتے ہیں اور اس کے سبب وہ ان کی خدمت گزاری کہ ان پر شرعاً عرفاً کسی طرح لازم نہیں، پوری نہیں کرتے (حالانکہ مشاہدہ وہ تجربہ ہے کہ وُہ کریم الطبع بندے قلیل پر کثیر راضی ہوجاتے اور ادنٰی خدمت گار سے بڑھ کر کام دیتے ہیں، ہاں خسیس دنی الطبع کو ضرور مکروہ رکھتے ہیں) اس باعث سے اگر کوئی تکلیف ان سفہاء کو پہنچ جاتی ہے تو انہیں کی لوم وخست کا نتیجہ ہے اسے طرح طرح کی رنگ آمیزیوں کے ساتھ یہاں آکر بیان کرتے اور محض بے اصل نئی پرانی افواہ اپنے حواشی بڑھا کر مسلمانوں کو سناتے اور انہیں حاضریِ بارگاہِ خدا اور سول سے بددل کرتے ہیں یہ اُن کی ایمانی حالت کا خاکہ ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وحسبنا اللہ ونعم الوکیل اور اگر معاذ اللہ بدامنی اس حد کی فرض کی جائے، کہ مانع فرضیت حج ہو، تو اب یہ ریل اگر مورثِ امن وامان بھی لی جائے تو مقدمہ فرض نہ ہوگی کہ بسبب بے امنی حج فرض ہی نہیں، ہاں مقدمہ فرضیت ہوگی کہ یہ ہوجائے تو حج فرض ہو اور مقدمہ فرضیت، فرض درکنار مستحب بھی نہیں ہوتا، مثلاً اتنا مال جمع کرنا کہ حوائج اصلیہ سے بچ کر قدر نصاب رہے اور اس پر سال گزرے، مقدمہ فرضیت زکوۃ ہے کہ ایسا ہو تو زکوۃ فرض ہو مگر وہ اصلاً مستحب نہیں، غرض ہر عاقل جانتا ہے کہ اسباب ادائے واجب کا مہیّا کرنا واجب ہوتا ہے، نہ کہ اسباب وجوب کا۔ درمختار میں ہے:

لو وھب الاب لابنہ مالا یحج بہ	اگر والد نے بیٹے کو حج کے لیے مال ہبہ کیا تو اس پر

لم یجب قبوله لان شرائط الوجوب لایجب تحصیلها[1]۔	قبول کرنالازم نہیں کیونکہ شرائط کا حاصل کرنا لازم نہیں۔ (ت)

یہ ان جاہلان عالم نما کی جہالت کارد تھا ورنہ نفس ریل واعانتِ چندہ پر فقیر نے کبھی اعتراض نہ کیا، مسلمانوں کو اتنا ضرور ہے کہ اس امرِ خیر میں ہمت کریں تو ذرائع اطمینان حاصل کرلیں اور اپنے شہر کے معتمد متدین صلحا مثل جناب مولٰنا الاسد الاسد الاشد الارشد مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدّث سورتی یا مولانا مولوی حکیم محمد خلیل الرحمٰن صاحب یا مولانا قاضی حافظ خلیل الدین حسن صاحب یا مکرمنا منشی محمد عتیق احمد صاحب سلمہم کو متوسط کریں، وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] درمختار کتاب الحج مطبع متجبائی دہلی ۱/۱۶۰

صیقل الرّین عن احکام مجاورۃ الحرمین ۱۳۰۵ھ

(حرمین شریفین میں سکونت کے احکام سے متعلق شبہات کا ازالہ)

مسئلہ ۳۰۰: از گورکھپور محلّہ گھوسی پورہ مسئولہ مولانا مولوی حکیم عبداللہ صاحب ۲۲جمادی الاولٰی ۱۳۰۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی رجل مکلف لہ ابوان وبنتان صغیرتان لایفتقرون الیہ فی المعاش ولہ زاد و راحلۃ یریدان یہاجر وحدہ الی الحرمین الشریفین زادھما اللہ شرفاوتعظیما وذٰلک لانہ لا یجد مالا، یسع زادھم جمیعا ویظن انہ لو استجازھم فی الھجرۃ لایجیزوہ اصلا، فع ھل تجوز لہ الھجرۃ بحکم الشرع ام لا، بینوا بسند	اے علماء کرام (اللہ تم پر رحمت فرمائے) اس مکلّف کے بارے میں تمہاری کیارائے ہے جس کے ایسے والدین اور دو بیٹیاں ہیں جو معاشی اعتبار سے اس شخص کی محتاج نہیں، اس شخص کے لیے زادراہ اور سواری وغیرہ بھی ہو، اور وہ چاہتا ہے کہ وہ تنہا حرمین شریفن (اللہ تعالٰی ان کے شرف وعظمت میں اوراضافہ فرمائے) ہجرت کرجائے کیونکہ وہ تمام کے خرچہ کی طاقت نہیں رکھتااور یہ بھی گمان رکھتاہے کہ اگران

الکتاب والعبارۃ توجروا یوم الحساب بالبشارۃ۔	مذکورہ افراد سے ہجرت کی اجازت چاہئے گا تو وہ اجازت نہیں دیں گے ایسی صورت میں اس کے لیے شرعاً ہجرت جائز ہے یا نہیں؟ کتاب وسنت کی روشنی میں واضح فرمادیں، اللہ تعالٰی تمھیں یوم قیامت اجر عطافرمائے گا۔ (ت)

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب الحمد ﷲ وحدہ و الصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ المکرمین عندہ برالو الدین من اعظم الواجبات واھم القربات حتی قرن المولٰی سبحانہ وتعالٰی شکرھا بشکرہ، اذ امر عز من اٰمر،ان اشکر لی ولوالدیك ، وقد فضلہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی الجہاد فی سبیل اللہ (اخرج) احمد و الشیخان وابوداؤد والنسائی عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای العمل احب الی اللہ قال الصلوٰۃ علی وقتھا، قلت ثم ای، قال ابوالوالدین، قلت ثم ای، قال الجہاد فی سبیل اللہ[1] قلت، ولیس	اے اللہ حق وصواب کی توفیق عطافرمائیں، حمد ہے اللہ کے لیے جو ذات صفات میں لاشریک ہے، صلوٰۃ وسلام ہو اس ذات پر جس کے بعد کوئی نبی نہیں اور مکرم ومحترم آل واصحاب پر۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک اعظم واجبات او راہم عبادات میں سے ہے حتی کہ اللہ تعالٰی سبحانہ وتعالٰی نے ان کی شکر گزاری کو اپنے شکریہ کے ساتھ متصل فرماتے ہوئے یہ حکم دیا" میرے شکر گزار بنو او راپنے والدین کے "اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے والدین کے ساتھ نیکی کو اللہ تعالٰی کی راہ میں جہاد سے افضل قرار دیا ہے۔ امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کیا: اللہ تعالٰی کے ہاں کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: وقت پر نماز، میں نے عرض کیا: اس کے بعد کون سا عمل ہے؟ فرمایا: والدین کے ساتھ حسن سلوک۔ عرض کیا: اس کے بعد؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد،

[1] صحیح بخاری کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۸۲

میں کہتا ہوں نیکی ان کے ساتھ یہ نہیں کہ ان کے حکم کی صریح کی تو نافرمانی نہ کی جائے اور اس کے علاوہ میں ان کی مخالفت کی جائے، ہاں نیکی یہ ہے کہ کسی معاملہ میں بھی انھیں پریشان نہ کیا جائے اگرچہ وہ اولاد کو کسی معاملہ کا حکم نہ دیں، کیونکہ طاعت اور راضی کرنا دونوں واجب ہیں اور نافرمانی اور ناراض کرنا دونوں حرام ہیں اور یہ ناراض اور راضی کرنا ان کے صریح حکم کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، جیسا کہ مخفی نہیں۔اس پر دلیل یہ روایت ہی کافی ہے کہ امام ترمذی، ابن حبان، حاکم (انھوں نے اسے صحیح کہا ہے) اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور بزار نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: رب کی رضا والد کی رضا میں ہے اور رب کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے، مسند بزار میں دونوں مقامات پر والد کی جگہ والدین کا لفظ ہے، کچھ لوگوں نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس رہنے کی اجازت چاہی آپ نے انھیں والدین کی خدمت کا حکم دیا، ان احادیث میں یہ کہیں تصریح نہیں کہ والدین ان کی خدمت کے محتاج تھے، امام احمد، ابن ماجہ	البران لاتعصیھما اذا صرحا بشیئ وتخا لفھما فی ما سوی ذٰلك ولکن البران لاتاتی مایکرھانه وان لم یخاطباك فیه بشیئ فانه الطاعة والارضاء کلاھما واجبان والمعصیة والاسخاط جمیعا محرمان وھٰذان اعنی السخط والرضا لایختصان بما تقدما فیه بصریح البیان کما لایخفی۔وحسبك ما اخرج الترمذی وابن حبان والحاکم وصححه والطبرانی عن عبداللہ بن عمرو، والبزار عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم انه صلی اللہ تعالٰی عیه وسلم قال رضی الرب فی رضی الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد[1]، ولفظ البزار الوالدین فی الموضعین[2] وقد اشار النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من اراد الجهاد والهجرة الیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان یرجع فیخدم ابویه ولیس فی الحدیث انهما کانا مفتقرین الیه، اخرج احمد والستة الا ابن ماجة

[1] جامع الترمذی باب ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین امین کمپنی دہلی ۱۲/۲

[2] الترغیب والترھیب بحوالہ البزار کتاب البر والصلۃ مصطفی البابی مصر ۳۲۲/۳

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنھم، ومسلم وغیرہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاستاذنہ فی الجھاد فقال احی والداک، قال نعم، قال ففیھما فجاھد[1]۔	کے علاوہ ائمہ ستہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، اور مسلم اور دیگر محدثین نے حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر جہاد پر جانے کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ عرض کی: ہاں۔ فرمایا: جاؤ ان کی خدمت میں محنت کرو،
قلت ولا اقول ان مجرد عدم الذکر ذکر العدم، حتی ترجع تقول واقعۃ حال فلا شمول، فما یدریك لعلھا کانا مفتقرین الیہ، وانما اقول ان السائل لم یبین، والنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یستبن، فترك السؤال دلیل الارسال۔	**میں کہتا ہوں** میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ محض عدم ذکر ذکرِ عدم ہے، حتی کہ یہ اعتراض ہو کہ یہ تو ایک مخصوص واقعہ ہے جس کا حکم عام نہیں، کیا علم کہ وہ والدین محتاج خدمت ہوں، میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ سائل نے ان کی محتاجی بیان نہیں کی اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کی تفصیل پوچھی، سوال کا نہ کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ محتاج ہونا ضروری نہیں۔
واخرج مسلم فی روایۃ لہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما قال اقبل رجل الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فقال ابایعك علی الھجرۃ والجھاد ابتغی الاجر من اللہ تعالٰی، قال فھل من والدیك احد حی،	امام مسلم نے ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ایک شخص نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا، آقا! میں اللہ تعالٰی سے اجر وثواب کی خاطر ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے آپ کے دست اقدس پر بیعت چاہتا ہوں، آپ نے پوچھا: تیرے والدین میں سے کوئی ایک

[1] صحیح مسلم باب برالوالدین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۳

قال نعم بل کلاھما ،قال فتبتغی الاجر من الله تعالٰی ،قال نعم ، قال فارجع الی والدیك فاحسن صحبتھما [1]۔

زندہ ہے؟ عرض کیا: ہاں جبکہ دونوں زندہ ہیں، فرمایا: تواللہ تعالٰی سے ثواب واجر چاہتا ہے، عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: والدین کے پاس جاؤاور ان کی خوب خدمت کرو۔

واخرج ابوداؤد عنه رضی الله تعالٰی عنه بلفظ جاء رجل الٰی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقال جئت ابایعك علی الھجرۃ وترکت ابوی یبکیان، قال فارجع الیھما فاضحکھما کما ابکیتھما [2]۔

امام ابوداؤد نے اسی صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان الفاظ میں روایت ذکر کی ہے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوااور عرض کیا میں آپ کے پاس ہجرت پر بیعت کے لیے آیا ہوں اس حال میں کہ میں والدین کو روتے ہوئے چھوڑ آیا ہوں، فرمایا: ان کی خدمت میں واپس جاؤ اور اس طرح خوش کرو جیسے تم نے انھیں رُلایا ہے۔

واخرج ایضا عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه ان رجلا ھا جر من الیمن الٰی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ، فقال ھل لك احد بالیمن، فقال ابوای، قال اذنالک، قال لا، قال فارجع الیھما فاستاذنھما فان اذنا لك فجاھد والا فبرھما [3]۔

انھوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ ایک شخص یمن سے ہجرت کرکے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پوچھا: یمن میں تیرا کوئی عزیز ہے؟ عرض کیا: میرے والدین ہیں، فرمایا: انھوں نے تجھے اس بات کی اجازت دی ہے؟ عرض کیا: نہیں، فرمایا: ان کی خدمت میں جاکر اجازت طلب کرو اگر تجھے اجازت دے دیں تو جہاد پر جاؤ اور اگر اجازت نہ دیں تو والدین کی خدمت کرو۔

[1] صحیح مسلم باب برالوالدین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۳
[2] سُنن ابوداؤد کتاب الجہاد آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۴۲
[3] سُنن ابوداؤد کتاب الجہاد آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۴۳-۳۴۲

واخرج النسائی وابن ماجۃ وحاکم وقال صحیح علٰی شرط مسلم، والطبرانی باسناد جید، عن معاویۃ بن جاھمۃ ان جاھمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ جاء الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فقال یا رسول اللہ! اردت ان اغزو وقد جئتك استشیرک، فقال ھل لك من ام، قال نعم، قال فالزمھا فان الجنۃ عند رجلیھا[1]۔	نسائی، ابن ماجہ، حاکم (اور کہا یہ شرط مسلم کے مطابق صحیح ہے) اور طبرانی نے سند جید کے ساتھ حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا کہ حضرت جاہمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں جہاد کا ارادہ رکھتا ہوں آپ کی خدمت میں مشورہ کے لیے حاضر ہوا ہوں، فرمایا: تمھاری والدہ ہیں؟ عرض کیا: ہیں۔ فرمایا: پس ان کی خدمت کرو کیونکہ جنت ان کے قدموں میں ہے۔
ولفظ الطبرانی قال اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم استشیرہ فی الجھاد، فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الك والدان، قلت نعم، قال الزمھما فان الجنۃ تحت ارجلھما[2]۔	اور طبرانی میں روایت کے الفاظ یہ ہیں حضرت جاہمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر جہاد کے لیے مشورہ طلب کیا، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا تمھارے والدین زندہ ہیں؟ عرض کیا: زندہ ہیں۔ فرمایا، ان کی خدمت کو لازم جانو کیونکہ جنت ان کے قدموں میں ہے۔
واخرج ھذا اعنی الطبرانی عن طلحۃ بن معٰویۃ السلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فقلت یا رسول اللہ انی ارید الجھاد فی سبیل اللہ، قال امك حیۃ، قلت نعم، قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الزم	طبرانی نے حضرت طلحہ بن معاویہ السلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں اللہ کی راہ میں جہاد کا ارادہ رکھتا ہوں، فرمایا: تمھاری والدہ زندہ ہیں؟ عرض کیا: ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے قدموں میں

[1] سنن نسائی کتاب الجہاد مکتبہ سلفیہ لاہور ۲/ ۴۸
[2] المعجم الکبیر حدیث ۲۲۰۲ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲/ ۲۸۹

رجلیھا فثم الجنة[1]۔

فھذہ فتوی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الھجرۃ الی المدینة ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بین اظھر ھم، فکیف بجوار احد الحرمین بعد وفاۃ سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانظر کیف امر ھم ان یرجعوا ویلزموا ارجل ابائھم وامھاتھم، وانظر کیف امر من لم یستأذن، ان یرجع فلیستاذن، وانظر کیف ھدی من اتی وترکھما یبکیان، ان یضحکھما کما ابکاھما وانت ان استاذنت، فقد علمت انھما لایأذنان ان استاذنت فقد علمت انھما لا شد حزنا و جدا، بل ان فارقت وما اذنت، فایاك ثم ایاك ان تترکھما وھما یبکیان۔

رہو، وہیں جنت ہے۔

یہ مدینہ کی طرف ہجرت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اس وقت کا فتوٰی ہے جب آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صحابہ کے درمیان ظاہری حیات کے ساتھ تشریف فرماتھے اب سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وصال کے بعد حرمین میں سے کسی ایک میں جانے کا حال کیا ہوگا! ذرا غور کیجئے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لوگوں کو اپنے اباء اور امہات کی خدمت میں لوٹنے کا کس انداز میں حکم دیا ہے، یہ ملاحظہ بھی کیجئے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس شخص کو کیا حکم دیا جو والدین سے اجازت لیے بغیر آیا تھا کہ واپس جاؤ اور اجازت لو، اس پر یہ بھی توجہ کیجئے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس شخص کی کتنی پیاری رہنمائی فرمائی جو اپنے والدین کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا تھا کہ جاؤ ان کو اسی طرح ہنساؤ جس طرح انھیں رلایا ہے، جب آپ نے یہ سب کچھ پڑھ لیا تو اب صورت مذکورہ میں اگر والدین سے اجازت مانگے وہ اجازت نہیں دے رہے تو واضح بات ہے کہ وہ تمھاری جدائی پر سخت پریشان و غمگین ہوں گے جبھی تو وہ آپ کو اجازت نہیں دے رہے، تو اب روتے ہوئے چھوڑ کر جانا ہرگز جائز نہیں۔

وھذا خیر التابعین بشھادۃ سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ

آیئے ایک ایسی شخصیت کا عمل پڑھتے ہیں جن کے بارے میں امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عمر رضی اللہ

[1] المعجم الکبیر حدیث ۸۱۶۲ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۸/ ۲۷۲

وسلم المروية من طريق عمر رضی الله تعالٰی عنه، عند مسلم[1] فی صحیحة ومن حدیث علی کرم الله وجهه عند الحاکم[2] بسند صحیح اعنی ولی الله سیدنا اویس القرنی رضی الله تعالٰی عنه منعته خدمة امه والبربها ان یاتی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ویتشرف بذاك الشرف الاهم الاعظم، هو صحبة نبی الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، فما ظنك بهٰذا الذی یسمیه الناس هجرة وماهو بهجرة وانما الهجرة هجران الذنوب، نسأل توفیقه من رب القلوب۔

تعالٰی عنہ سے اور حاکم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تمام تابعین میں افضل شخصیت ہے یعنی ولی اللہ حضرت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ انھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آکر اعلٰی وافضل مقام حضور نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صحبت پانے سے مانع فقط والدہ کی خدمت اور حسن سلوک ہی تھا، اب ذرا سوچئے اس عمل کا کیا مقام ہے جسے لوگوں نے ہجرت کا نام دے رکھا ہے حالانکہ یہ ہرگز ہجرت نہیں، ہجرت تو حقیقۃً گناہوں کا چھوڑنا ہے، ہم رب قلوب سے اسکی توفیق کے طلبگار ہیں۔

اخرج البخاری وابوداؤد والنسائی عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما قال قال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده والمهاجر من هجر مانهی الله تعالٰی عنه[3]۔

بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ ہوا ور مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالٰی نے منع فرمایا ہے۔

وماحسن ماقال اخو العجم۔
گردر یمنی وبامنی پیش منی
ورپیش منی وبے منی در یمنی
وهو معنی ماقال اٰخر۔

اور اخوالعجم نے کیا خوب کہا ہے:
اگر تو یمن میں ہے اور میرے تصور میں ہے تو میرے سامنے ہے اور اگر تو میرے سامنے ہے لیکن میرے تصور میں نہیں تو تو یمن میں ہے، کسی اور شاعر نے بھی یہی بات یوں کہی ہے:

---

[1] صحیح مسلم باب من فضائل اویس قرنی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۱۱
[2] المستدرک للحاکم مناقب اویس قرنی دارالفکر بیروت ۳/ ۴۰۳
[3] صحیح بخاری باب من سلم المسلمون من لسانہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶

وکم من بعید الدار نال مرادہ وکم من قریب الدار مات کئیبا وکان سیّدی العارف باللہ ابو محمد المرجانی رحمہ اللہ تعالٰی یقول: کم من ھو معنا ولیس ھو معنا وکم من ھو بعید عنا، وھو معنا[1] اھ ومن اخفی وسائس الشیطان تلبس الشر بالخیر علی الانسان، فیذھب بہ علی السیئات من باب الحسنات، و لایعرف ذٰلک الا العلماء العاملون لذا ورد ذم المتعبد بغیر فقہ وضرب لہ مثل سوء فی حدیث عند ابی نعیم فی حلیۃ الاولیاء[2] عند واثلۃ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ وھذا شرما اخرج الترمذی وابن ماجۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد[3]۔ فھٰذا الذی یرید الھجرۃ	بہت سے دور رہنے والے مراد پالیتے ہیں اور بہت سے قریب رہنے والے محروم ونامراد مرتے ہیں۔ سیدی عارف باللہ ابو محمد المرجانی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: بہت سے لوگ ہمارے ساتھ رہتے ہوئے بھی ہمارے ساتھ نہیں اور بہت سے ہم سے دور ہیں مگر ہمارے ساتھ ہوتے ہیں اھ جس پر شیطان کے وساوس مخفی ہوں اس انسان پر شر وخیر میں التباس ہوجاتا ہے اور شیطان اسے حسنات سے سیئات کی طرف لے جاتا ہے اور اس بات سے باعمل علماء ہی آگاہ ہوسکتے ہیں۔ اسی وجہ سے بغیر دین فہمی کے عبادت کرنے والے کی مذمت آئی ہے اور ایسے عابد کی اس حدیث میں بُری مثال بیان ہوئی جو ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے، یہ اس سے سخت ہے جسے ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔ ہجرت کا ارادہ کرنے والا اگر یہ جان لے کہ

1

2 حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۳۱۸ خالد بن معدان دار الکتاب العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

3 جامع الترمذی باب ماجاء فی فضل الفقہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۳

لو علم مافی احزان الوالدین وادخال الغم علیھما لما ارادھا کما ورد عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال لوکان جریج الراھب فقیھا عالما لعلم ان اجابۃ دعاء امہ اولی من عبادۃ ربہ [1] اخرجہ الحسن بن سفین فی مسندہ والحکیم المولی الترمذی فی نوادرہ وابن قانع فی معجمہ، والبیھقی فی شعب الایمان عن شھر بن حوشب عن حوشب بن یزید عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

والدین کو پریشان کرنے میں کیا سزا ہے تو ہجرت کا ارادہ ترک کردے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے کہ جریج راہب فقیہ وعالم ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ اللہ تعالٰی کی عبادت سے والدہ کے بلاوے کا جواب اولٰی ہے، حسن بن سفین نے مسند میں، حکیم ترمذی نے نوادر میں، ابن قانع نے معجم میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں شہر بن حوشب سے، انھوں نے حوشب بن یزید سے، انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا ہے:

فھذا الحدیث وان بقیت الفقہ فقد نقل العلامۃ البحر فی البحرالرائق تفصیلًا برخصۃ ونھی فی مسئلۃ حج الولد بلا اذن الوالد ثم قال ھذا کلہ فی حج الفرض اما حج النفل فطاعۃ الوالدین اولی مطلقا کما صرح بہ فی الملتقط [2] اھ نقلہ العلامۃ ابن عابدین فی ردالمحتار۔

یہ تو احادیث تھیں، باقی رہے فقہاء تو علامۃ البحر نے بحرالرائق میں تفصیلًا رخصت کی تفصیل تحریر کی، اور جبکہ اجازت والد کے بغیر اولاد کو حج کرنے سے منع کیا پھر فرمایا یہ تمام بحث حج فرض میں ہے، رہا نفل حج، تو اس میں اطاعتِ والدین ہر حال میں اولٰی ہے جیسا کہ ملتقط میں ہے اھ اسے علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں نقل کیا ہے۔

قلت فاذا کان ھذا حکمھم فی الحج وانت ترید القفول، فکیف وانت عازم ان لاترجع، وقد وضع فی الھندیۃ، ضابطۃ حسنا فی امثال ھذہ المسائل

میں کہتا ہوں یہ انھوں نے حج کے بارے میں حکم دیا ہے جس میں تو واپس کوچ کا ارادہ رکھتا ہے یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے جبکہ تو واپس نہ ہونے کا عزم رکھتا ہے۔ فتاوٰی ہندیہ میں ایسے مسائل کے بارے میں بہت عمدہ ضابطہ بیان کیا ہے، وہ یہ ہے

[1] نوادر الاصول الاصل السابع عشر والمائۃ دار صادر بیروت ص ۱۵۲، شعب الایمان باب فی برالوالدین حدیث ۷۸۸۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۱۹۵
[2] بحرالرائق کتاب الحج ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۰۹

حیث قال الابن البالغ یعمل عملا لاضرر فیه دینًا ولادُنیا بوالدیه وهما یکرهانه فلا بد من الاستیذان فیه اذاکان له منه بد[1] اھ فقد حکم ان لا محید من الاستیذان وان لم یکن بهما ضرر اصلا فیما اراد، فهٰذا حکم المسئلة کما تری، و مالی التکلم فی هذا وذاك ولکن اقول ان المجاورة لاتحل من اصلها وان اذن الابوان، فکیف اذا کرها وحزنا بها هذا هو قول الامام وبقوله قال الخائفون المحتاطون من العلماء کما فی الشامی عن الاحیاء وبه جزم المجمع وغیرہ۔

کہ بالغ اولاد کوئی دینی یا دنیوی ایسا کام نہ کرے جو والدین کے لیے غیر مضر اور ناپسند ہو، اور اگر ضروری ہو تو والدین سے اجازت لینا ضروری ہوگا اھ یعنی اگرچہ نقصان دہ نہ بھی ہو تب بھی والدین کی اجازت کے بغیر چارہ نہیں، یہ تو مسئلہ کا حکم تھا لیکن مجھے اس میں کلام نہیں ہے اور جبکہ میں یہ کہتا ہوں کہ مجاورت اس صورت میں بھی جائز نہیں جبکہ والدین اجازت دیں تو اس وقت کیسے جائز ہوگی جب وہ اسے پسند نہ کریں اور اس پر پریشان ہوں، اور یہی امام صاحب کا قول ہے، محتاط اور خائف اہل علم نے آپ کے اسی قول کو اختیار کیا ہے جیسا کہ شامی میں احیاء سے ہے۔ مجمع وغیرہ میں اس پر جزم کا اظہار کیا ہے۔

قلت و هوا لا قوی دلیلا والاحسن تاویلا والاصلح تعویلا والاقوم قیلا ولیس لحنفی ان یجتاز من قوله ویختار قول غیرہ کصاحبیه مثلا الا لضعف بیّن فی دلیله او ضرورة تدعو الٰی مخالفة قیله، حتی صرح الفاضلان العلامتان مولٰنا زین بن نجیم المصری والشیخ خیر الدین الرملی، انه لا یعمل ولایفتی الابقوله رضی الله تعالٰی عنه ولا یعدل عن قول الٰی قولهما

میں کہتا ہوں یہ قول دلیل کے اعتبار سے قوی تاویل کے لحاظ سے احسن ہے، اعتماد کے لحاظ سے اصلح اور قیل و قال کے لحاظ سے معتدل ہے۔ اور کسی حنفی کے لیے یہ اجازت نہیں کہ وہ آپ کے قول کو ترک کرکے کسی دوسرے مثلًا صاحبین کے قول پر عمل کرے، ہاں اس صورت میں جائز ہوتا ہے جب آپ کے قول کی دلیل واضح طور پر کمزور ہو یا آپ کے قول کی مخالفت کی اشد ضرورت درپیش ہو، حتی کہ دو عظیم فاضل اہل علم مولانا ابن نجیم مصری اور شیخ خیر الدین رملی نے تصریح کی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر عمل اور فتوٰی دیا جائے گا، اس سے صاحبین یا کسی اور کے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب السادس والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۵

اوقول احدھما الاالضرورۃ وان صرح المشائخ بان الفتوٰی علی قولھما[1] کما فی صلٰوۃ البحر وشھادات الخیریۃ وھذا امیرالمومنین عمرالفاروق الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ، کان اذا فرغ من حجہ یدور فی الناس و یقول یا اھل الیمن یمنکم ویااھل العراق عراقکم ویا اھل الشام شامکم [2] فانہ اھیب لبیت ربکم فی اعینکم ، اوکمایقول رضی اللہ تعالٰی عنہ	قول کی طرف اعراض کی اجازت نہیں البتہ اس صورت میں جو مذکور ہے اگرچہ کچھ مشائخ نے تصریح کی ہے کہ فتوٰی صاحبین کے قول پر ہے جیسا کہ بحر کے باب الصلوٰۃ میں اور فتاوٰی خیریہ کے باب الشہادات میں ہے حالانکہ امیرالمومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھئے وہ جب حج سے فارغ ہوتے تو لوگوں میں دورہ کرتے اور فرماتے: اے اہل یمن! یمن چلے جاؤ، اے اہل عراق! عراق چلے جاؤ، اے اہل شام! اپنے وطن شام لوٹ جاؤ تاکہ تمھارے ذہنوں میں تمھارے رب کی گھر کی ہیبت خوب قائم رہے۔
قلت وکان ھذا والناس انما ھم صحابۃ اوتابعون و ھم ماھم من غایۃ الادب ونھایۃ الاجلال، فما بال اھل الزمان اھل کیت وذیت، واللہ المستعان لاصلاح الاحوال، وقد سئل امام دار الھجرۃ، عالم المدینۃ مالك بن انس رحمہ اللہ تعالٰی ایما احب الیك المجاورۃ اوالقفول فاجاب ان السنۃ الحج ثم القفول[3] کمانقلہ العلامۃ محمد العبدری فی مدخلہ۔	**میں کہتا ہوں** یہ اس دور کی بات ہے جب صحابہ یا تابعین تھے جو نہایت مؤدب اور نہایت ہی احترام واکرام کرنے والے تھے، ہمارے اس دور کا کیا حال ہوگا، اللہ تعالٰی ہی اصلاح و احوال کی توفیق دے، امام دارالہجرت، عالم مدینہ حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالٰی سے پوچھا گیا کہ آپ کو مجاورت محبوب ہے یا لوٹنا؟ فرمایا: سنت یہ ہے کہ حج کیا جائے پھر واپس ہو، جیساکہ علامہ محمد عبدری نے مدخل میں ذکر کیا ہے۔

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳، بحرالرائق کتاب الصلوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۶

[2] المدخل فصل فی ذکر بعض مایعتور الحاج فی حجہ دارالکتاب العربی بیروت ۴/ ۲۵۳

[3] المدخل فصل فی ذکر بعض مایعتور الحاج فی حجہ دارالکتاب العربی بیروت ۴/ ۲۵۳

قلت وانما اراد سنة الصحابة ما عدا المهاجرین اما المهاجرون فقد کانوا عن الاقامة محجورین، فلا یدل قفولهم علٰی استنانه کما لا یخفی، ثم ان العبدری نقل من بعض اکابر الاولیاء قدست اسرارہم،ان جاور بمکة اربعین سنة ولم یبل فی الحرم ولم یضطجع، قال فمثل هذا تستحب له المجاورة اویو مربها والموضع موضع ربح لا موضع خسارة، فیحرم نفسه الربح لقلة الادب الذی یصدر منه وقلة الاحترام "قال" وقد حکی لی السید الجلیل ابو عبدالله القاضی رحمة الله تعالٰی علیه انه احتاج الٰی قضاء حاجة الانسان وهو فی المدینة فخرج الٰی موضع من تلك المواضع وعزم ان یقضی حاجته فیه ،فسمع هاتفا ینهاہ عن ذٰلك فقال الحجاج یعملون هذا، فاجابه الهاتف، بان قال واین الحجاج واین الحجاج واین الحجاج ثلث مرات، فخرج من البلد حتی قضی حاجته ثم رجع[1] اھ "وقد اطال الکلام فیه الی ان قال"ثم لو فرض ان المجاور لا یباشر

قلّت یہاں امام مالک نے سنت سے مراد غیر مہاجرین صحابہ کی سنت لی ہے، رہے مہاجرین صحابہ، تو ان کے لیے مکہ میں اقامت ممنوع تھی، لہٰذا ان کا لوٹنا سنت پر دال نہیں جیسا کہ واضح ہے۔ پھر شیخ عبدری نے بعض اکابر اولیاء قدست اسرارہم کے بارے میں یہ بھی نقل کیا کہ وہ چالیس سال مکہ میں رہے مگر حرم کعبہ میں پیشاب نہ کرتے اور نہ ہی وہاں لیٹتے تھے، پھر فرمایا ایسے لوگوں کے لیے مجاورت مستحب ہے، یا انھیں کو اجازت دی جاسکتی ہے اور یہ مقام سراپا نفع ہے خسارہ نہیں تو قلّتِ ادب اور قلّت احترام کی بنا پر انسان خود کو نفع سے محروم نہ کرے، پھر فرمایا مجھے السید الجلیل ابو عبداللہ القاضی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے بارے میں بیان کیا گیا کہ انھیں شہر مدینہ میں رفع حاجت کی ضرورت پیش آئی تو وہ شہر میں ایک مقام کی طرف گئے اور وہاں قضاءِ حاجت کا ارادہ کیا تو غیب سے آواز آئی جو اس عمل سے انھیں منع کر رہی تھی تو انھوں نے کہا تمام حجاج ایسا کرتے ہیں، تو جواب میں تین دفعہ آواز آئی، کہاں کے حجاج، کہاں کے حجاج، کہاں کے حجاج۔ پھر وہ شہر سے باہر چلے گئے اور رفعِ حاجت کی اور پھر لوٹے اھ طویل گفتگو کے بعد لکھتے ہیں کہ بالفرض مجاورت کرنے والا کوئی ایسا عمل نہیں کرتا جو ذکر ہوا تو اس کے

[1] المدخل فصل فی ذکر بعض مایعتور الحاج فی حجہ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۲۵۳

شیئا مما تقدم ذکرہ حینئذ تکون المجاورۃ مستحبۃ فی حقہ، مالم یخل بعبادۃ اخری ھی اکبر منھا ،کبر الوالدین والقیام بما وجب علیہ، من صلۃ الرحم لمن یحب ذٰلك بالحضور معہ، دون ارسال السلام بالکتابۃ وغیرہ"قال"والمقصودان یقدم امتثال الشرع الشریف فیقدم ماقدمہ ویؤخرما اخرہ. فالمجاورۃ مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باتباع اوامرہ واجتناب نواھیہ فی ای موضع کان ھٰذہ ھی المجاورۃ [1]"قال"ومن کتاب القوت (ای السیدی ابی طالب المکی رحمہ اللہ تعالٰی) قال بعض السلف کم من رجل بارض خراسان اقرب الٰی ھذا البیت ممن یطوف بہ، وکان بعضھم یقول، لان تکون ببلدك وقلبك مشتاق متعلق بھٰذا البیت خیر لك من ان تکون فیہ وانت متبرم بمقامك وقلبك متعلق الی بلد غیرہ[2] اھملتقطا۔

حق میں مجاورت مستحب ہوگی بشرطیکہ اس سے کوئی بڑی عبادت درمیان میں حائل نہ ہو مثلاً بوڑھے والدین کے ساتھ حسن سلوک وخدمت اور ان لوگوں کی خدمت جو صلہ رحمی کی بناء پر لازم ہے اور وہ اس کے موجود ہونے کا تقاضا کرتا ہو نہ کہ محض تحریری سلام وغیرہ کا، پھر لکھا مقصود شرع شریف کے احکام کو مقدم کرنا ہے، لہٰذا جسے شریعت نے مقدم رکھا ہے اسے مقدم رکھا جائے اور جسے شریعت نے مؤخر رکھا ہے اسے مؤخر رکھا جائے، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مجاورت آپ کے اوامر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب کی صورت میں ہے خواہ انسان کسی جگہ مقیم ہو، اور اصلا مجاورت یہی ہے، اور فرمایا کتاب القوت (للامام ابوطالب مکی رحمہ اللہ تعالٰی) میں بعض اسلاف سے ہے بہت سے خراسان میں رہائش پذیر اس بیت اللہ کے ان لوگوں سے زیادہ قریب ہیں جو اس کا طواف کر رہے ہیں، بعض نے فرمایا بندہ اپنے شہر میں ہو اور اس کا دل اللہ تعالٰی کے گھر سے متعلق ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ بندہ بیت اللہ میں ہو اور دل کسی اور شہر کے ساتھ وابستہ ہو اھ اختصارًا۔

انی لو شئت لطولت الکلام بتوفیق العلام فی تحقیق المرام ولکن حسبی فی ھذا المقام کلام الامام بن الھمام

اگر میں چاہوں تو اس مقصد پر اللہ تعالٰی کی توفیق سے اور بھی طویل گفتگو کی جاسکتی ہے لیکن اس مقام پر مجھے امام ابن ہمام کی گفتگو ہی کافی ہے کیونکہ

[1] المدخل فصل فی ذکر بعض مایعتور الحاج فی حجہ الخ دار لکتاب العربی بیروت ۴/ ۲۵۵

[2] المدخل فصل فی ذکر بعض مایعتور الحاج فی حجہ الخ دار لکتاب العربی بیروت ۴/ ۲۵۶

اذ لا عطر بعد عروس قال قدسنا اللّٰہ تعالٰی بسرہ الکریم ونفعنا فی الدارین بفضلہ. الفخیم فی فتح القدیر شرح الہدایۃ اختلف العلماء فی کراھۃ المجاورۃ بمکۃ وعدمھا فذکر بعض الشافعیہ ان المختار استحبابھا الا ان یغلب علی ظنہ الوقوع فی المحذور وھذا قول ابی یوسف ومحمد رحمھما اللّٰہ تعالٰی وذھب ابو حنیفۃ ومالك رحمھما اللّٰہ تعالٰی الٰی کراھتھا[1]۔

قلت والمراد کراھۃ التحریم اذا ھو المحمل عندا لاطلاق وبدلیل قول المحقق فیما سیأتی "لایذکر حالھم قیدا فی جواز الجوار"[2] اھ

(قال) وکان ابو حنیفۃ یقول انھا لیست بدار ھجرۃ وقال مالك وقد سئل عن ذٰلک، ماکان الناس یرحلون الیھا الاعلی نیۃ الحج، والرجوع وھوا عجب و ھذا احوط لما فی خلافہ من تعریض النفس علی الخطر اذطبع الانسان التبرم والملل من توارد ما یخالف ھواہ فی المعیشۃ وزیادۃ الانبساط المخل

شادی کے بعد عطر کیا کرنا ہے انھوں نے (اللہ تعالٰی ہمیں دارین میں ان کے علوم وفیوض سے بہرہ ور فرمائے) نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرمایا: مکہ مکرمہ کی مجاورت مکروہ ہے یا نہیں، اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض شوافع نے کہا کہ مختار قول کے مطابق مستحب ہے لیکن جب غالب گمان ممنوعات کے ارتکاب کا ہو تو پھر مکروہ ہے، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کا بھی یہی قول ہے امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک مجاورت مکروہ ہے۔

میں کہتا ہوں یہاں کراہت سے مراد تحریمی ہے کیونکہ جب لفظ کراہت مطلقًا ہو تو اس سے یہی مراد ہوتی ہے۔ اھ محقق کا آئندہ قول بھی اسی پر دلیل ہے کہ قلیل لوگوں کے حال کو جوازِ مجاورت کے لیے بطور قید ذکر نہیں کیا جاتا اھ۔

آگے لکھا امام ابو حنیفہ نے فرمایا مکہ مقام دارالہجرت نہیں، امام مالک سے جب اسی بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا لوگوں کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ حج ادا کرکے واپس ہو جائیں، اور یہ قول نہایت محبوب ہے اور یہی احوط ہے کیونکہ اس کے خلاف کرنے میں اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا ہے کیونکہ انسانی طبیعت یہ ہے کہ بار بار خلاف خواہش کرنے سے اس کی زندگی میں ملال وپریشانی پیدا ہوتی ہے، اسی طرح

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۳
[2] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۴

بمایجب من الاحترام لمایکثر تکررہ علیه ومداومة نظرہ الیه وایضاً الانسان محل الخطاء کما قال علیه السلام کل بنی اٰدم خطاء [1]۔

قلت اخرجه احمد والترمذی وابن ماجة والحاکم عن انس عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم کل بنی اٰدم خطاء وخیر الخطائین التوابون [2] اھ۔

(قال) والمعاصی تضاعف، علی ماروی عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه، ان صح والا فلا شك، انها فی حرم الله افحش واغلظ فتنتهض سببا لغلظ الموجب و هوالعقاب (وساق الکلام الی ان قال) وکل من هذه الامور سبب لمقت الله تعالٰی واذاکان هذا سبحیة البشر فالسبیل النزوح عن ساحته، وقل من یطمئن الی نفسه فی دعوٰها البرائة من هذه الامور، الا وهو فی ذٰلك مغرور، لایری الی ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما من اصحاب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم المحببین الیه المدعوله کیف اتخذ

کثرت کے ساتھ ادب کے منافی ہے بے تکلفی اور بار بار دیکھنے سے ادب واحترام میں کمی واقع ہوجاتی ہے اور یہ بھی کہ انسان خطاء کا محل ہے، حضور علیہ الصلٰوۃ السلام کا مبارک ارشاد ہے: ہر آدمی محل خطاء ہے۔

میں کہتا ہوں اسے امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہر آدم محل خطاء ہے اور بہتر خطاکار وہ ہیں جو توبہ کرلینے والے ہوتے ہیں اھ

پھر لکھا گناہوں پر سزا بھی کئی گناہ ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے، اگر یہ روایت صحیح ہے تو فبہا ورنہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے حرم میں گناہ نہایت ہی بدبختی اور سخت قابل گرفت جُرم ہے جو عقاب وسزا کا مستحق بنادے گا (آگے چل کر لکھا) ان میں ہر امر اللہ تعالٰی کی ناراضگی کا سبب ہے، اور جب یہ بشری تقاضا ہے تو بچنے کی صورت فقط اس میدان سے نکل جانا ہے، اور کوئی بھی ان امور سے بچنے کا دعوٰی نہیں کرسکتا ماسوائے ان لوگوں کے جو دھوکا میں ہیں، کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے میں علم نہیں جو صحابی رسول ہیں، محبوب لوگوں میں سے ہیں، اور ان کے لیے حضور کی دعا ہے ہجرت کرکے وہ طائف چلے گئے۔

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۳
[2] مسند احمد بن حنبل مروی از انس رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۳/ ۱۹۸

الطائف دارًا، وقال لان اذنب خمسین ذنبا برُکُبَة، وهو موضع بقرب الطائف احب الیٰ من ان اذنب واحدا بمکة[1]۔

اور فرمایا: رُکُبہ (طائف کے قریب جگہ کا نام ہے) کے مقام پر پچاس گناہ کرنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں مکہ میں ایک گناہ کروں۔

قلت یشیر بالدعاء الی قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اللهم فقهه فی الدین[2]، وقوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اللهم علمه الکتاب[3]، اخرجهما الشیخان ،وانما الفقیه کما قاله الامام الحسن البصری رحمه الله تعالیٰ الزاهد فی الدنیا الراغب فی الاٰخرة البصیرة بعیوب نفسه ومثل هذا یتأهل للجوار لاشك والله قد کان ابن عباس من اعاظم اهله و لکن الاکابر انفسهم یستصغرون فانظر الی الفرق، من لا یسئم یخشی السأمة ومن لایسلم یدعی السلامة۔

میں کہتا ہوں دعا سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس دعا کی طرف اشارہ ہے: "اے اللہ! ابن عباس کو دین کی سمجھ عطا فرما۔" اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی ہے: "اے اللہ! ابن عباس کو کتاب کا علم عطا فرما۔" یہ دونوں دعائیں بخاری و مسلم میں ہیں، فقیہ کی تعریف امام حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے یوں کی ہے: دنیا سے اعراض کرنے والا، آخرت کا شوق رکھنے والا، اور اپنے عیوب سے آگاہ شخص فقیہ کہلاتا ہے۔ ایسے لوگ بلاشبہ مجاورت مکہ کے اہل ہیں اور اللہ کی قسم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان اہل لوگوں میں سے بھی بڑے ہیں لیکن اکابر ہمیشہ اپنے آپ کو چھوٹا اور عاجز سمجھتے ہیں، غور تو کیجئے کتنا فرق ہے ان میں کہ جو غلطی نہیں کرتا وہ عذاب سے ڈرتا ہے اور جو گناہ سے محفوظ نہیں وہ سلامتی کا دعویٰ کرتا ہے۔

(قال) وعن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه مامن بلدة یؤاخذ العبد فیها بالهدایة قبل العمل الامکة و

پھر لکھا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ کسی شہر میں عمل سے پہلے محض برائی کے ارادے پر گرفت نہیں مگر مکہ میں، پھر یہ آیت تلاوت کی:

---

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۳
[2] صحیح بخاری باب وضع الماء عند الخلاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۶
[3] صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللھم علمہ الکتاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷

تلاھذہ الاٰیۃ ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم، وقال سعید بن المسیب للذی جاء من اھل المدینۃ یطلب العلم ارجع الی المدینۃ۔ فانا نسمع ان ساکن مکۃ لایموت حتی یکون الحرم عندہ بمنزلۃ الحل لما یستحل من حرمھا، وعن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ خطیئۃ اصیبھا بمکۃ اعز علی من سبعین خطیئۃ بغیرھا، نعم افراد من عباد اللہ استخلصھم وخلصھم من مقتضیات الطباع، فاولٰئک ھم اھل الجوار الفائزون بفضیلۃ من تضاعف الحسنات والصلوات من غیر مایحبطھا من الخطیئات والسیئات[1] (ثم سرد احادیث فی ذٰلک) ثم قال لکن الفائز بھٰذا مع السلامۃ من احباطہ اقل القلیل، فلا یبنی الفقہ باعتبارھم ولا یذکر حالھم قیدا فی جواز الجوار، لان شان النفوس الدعوی الکاذبۃ والمبادرۃ الی دعوۃ الملکۃ والقدرۃ علی مایشترط فیماتتوجہ الیہ وتطلبہ، وانھالاکذب

اور جو اس میں کسی زیادتی کا ناحق ارادہ کرے تو ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے، اور حضرت بن مسیب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مدینہ طیبہ سے طلب علم کے لیے مکہ آنے والے سے فرمایا: مدینہ طیبہ کی طرف واپس چلے جاؤ ہم نے سن رکھا ہے کہ ساکن مکہ نہیں فوت ہوگا حتی کہ حرم اس کے ہاں بمنزل حل کے ہوجاتی ہے کیونکہ وہ اس کی حرمت کا پاس نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے: مکہ میں کیا جانے والا گناہ دوسرے مقام کے ستر گناہوں سے بدتر ہوتا ہے، ہاں اللہ تعالٰی کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی طبائع کے تقاضوں کو صاف وخاص کرلیا ہے وہی اس پڑوس ومجاورت کے اہل ہیں، وہ ہی حسنات اور عبادات کے فضیلت ودرجات پانے والے ہیں اور وہ سیئات اور گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں، (پھر اس سلسلہ میں احادیث ذکر کیں) پھر کہا: لیکن گناہوں میں گرنے سے محفوظ وسلامتی کے ساتھ کامیاب ہونے والے بہت ہی کم ہوتے ہیں اور قلیل لوگوں کے اعتبار سے فقہی حکم کی بنا نہیں ہوتی اور نہ ہی جواز مجاورت کے لیے ان کے حال کو بطور قید ذکر کیا جاتا ہے، کیونکہ انسانی فطرت یہ ہے کہ جھوٹے دعوٰی اور تجربہ کے اعلان میں پیش رفت کرتے ہوئے اور شرائط پر قدرت کا اظہار کرتے ہوئے مطلوب کی طرف بڑھتا ہے حالانکہ وہ

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۴۔ ۹۳

مایکون اذا حلفت فکیف اذا ادعت واللہ تعالٰی اعلم وعلٰی ھذا فیجب کون الجوار فی المدینۃ المشرفۃ کذلك فان تضاعف السیئات اوتعاظمھا وان فقد فیھا[1]۔

(قلت وذٰلك لان الرحمۃ فی المدینۃ اکثر واللطف اوفر والکرم اوسع والعفوا سرع کما ھو شاھد مجرب والحمد للہ رب العٰلمین ومع ذٰلک) فمخافۃ السامۃ وقلت الادب المفضی الی الاخلال بواجب التوقیر والاجلال، قائم وھو ایضا مانع،الا للافراد ذوی الملکات[2] اھ مختصرا موضحا

وھو کما ترٰی من الحسن بمکان فقد افادوا جاد، اثابہ الجواد تبارك وتعالٰی، وابان ان الامر، وان کان فی الواقع علی جواز الجوار بشرط التوثیق وھو التوفیق عندالتحقیق کما نص علیہ وصححہ فی شرح اللباب وجزم بہ فی الدرالمختار الا ان اھل التوثیق لما کانوا اقل قلیل واحکام الفقہ انما تبتنی علی الغالب الکثیر دون النادر الیسیر فالوجہ ھو اطلاق المنع کما

اپنی قسموں میں نہایت جھوٹا ہوتا ہے تو اپنے دعووں میں وہ کیا ہوگا، اور اللہ تعالٰی ہی بہتر جاننے والا ہے، اس بنا پر یہ ضروری ہے کہ مدینہ طیبہ میں مجاورت کا بھی یہی حکم ہو اگرچہ یہاں گناہوں پر سزا میں اضافہ یا ان کی شدت مفقود ہے۔

میں کہتا ہوں، کیونکہ مدینہ طیبہ میں رحمت اکثر لطف وافر، کرم سب سے وسیع اور عفو سب سے جلدی ہوتا ہے جیسا کہ شاہد مجرب ہے والحمد للہ رب العالمین، اس کے بوجود) اکتانے کا ڈر اور وہاں کے احترام وتوقیر میں قلّت ادب کا خوف تو موجود ہے اور یہ بھی تو مجاورت سے مانع ہے، ہاں وہ افراد جو فرشتہ صفت ہوں تو ان کا وہاں ٹھہرنا اور فوت ہونا سعادتِ کاملہ ہے اھ اختصارًا

آپ نے دیکھا اس جگہ محقق نے کتنی اچھی گفتگو کی یہ نہایت ہی عمدہ تفصیل ہے اللہ تعالٰی انھیں اجر عطافرمائے، انھوں نے یہ واضح فرمادیا کہ اگرچہ مجاورت کا معاملہ جائز ہے مگر بشرط توثیق جو بصورت توفیق الٰہی ہی حاصل ہوسکتی ہے جیسا کہ اس پر انھوں نے تصریح کی ہے شرح اللباب میں اس کو صحیح کہا، درمختار میں اسی پر جزم کا اظہار کیا مگر چونکہ اہل توثیق بہت ہی کم ہوتے ہیں اور احکام فقہ کی بناء نادر و قلیل پر نہیں ہوتی بلکہ غالب کثیر پر ہوتی ہے تو اب مطلقًا منع کہنا ہی بہتر ہے جیسا کہ

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۴
[2] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۴

هو مذهب الامام رضی الله تعالٰی عنه و لذا اخذ الفاضلون المحشون العلامة الحلبی ثم الطحطاوی ثم الشامی کلهم فی حواشی الدر، فی اشتراطه التوثیق حیث نقلوا کلام الفتح، ثم قالوا وهو وجیه، فکان ینبغی للشارح ان ینص علی الکراهة ویترك التقلید بالتوثیق [1] اھ زاد ابن عابدین ای اعتبار للغالب من حال الناس لاسیما اهل هٰذا الزمان والله المستعان [2] ھ۔ ولقد اعجبنی قول العلامة علی القاری، فی مسلك المتقسط شرح المنسك المتوسط، مع تصحیحه ما علمت حیث یقول لوکانت الائمة فی زماننا وتحقق لهم شاننا لصرحوا بالحرمة [3] الخ۔

قلت ونظیره ماقال فی الدر المختار فی مسئلة دخول المرأة الحمام ان فی زماننا لا شك فی الکراهة لتحقق کشف العورة [4] اھ وقد سبقه الی ذٰلك المحقق علی الاطلاق فی الفتح، ونحوها ماذکر العلائی ایضا فی الدر المنتقی شرح الملتقی

امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے، یہی وجہ ہے کہ در مختار پر حواشی لکھنے والے فاضل علماء حلبی، طحطاوی پھر شامی سب نے فتح القدیر کی عبارت نقل کرکے توثیق کی شرط لگائی اور پھر کہا یہی بہتر ہے لہٰذا شارح کو چاہئے تھا کہ وہ کراہت پر تصریح کرنا اور توثیق کی قید ترک کردیتا اھ ابن عابدین نے یہ اضافہ کیا کہ یہ اکثر لوگوں کے حال کے اعتبار خصوصًا اس دَور کے حوالے سے ضروری ہے اور اللہ تعالٰی ہی مدد فرمانے والا ہے اھ مجھے علامہ ملا علی قاری کا "مسلک متقسط شرح المنسک المتوسط" میں یہ قول بہت پسند آیا، جیسا مجھے معلوم ہے انھوں نے مذکور گفتگو کی تصحیح کرتے ہوئے کہا اگر یہ ائمہ ہمارے دَور میں ہوتے اور ہمارے احوال سے آگاہ ہوتے تو مجاورت کے حرام ہونے کی تصریح کرتے الخ

میں کہتا ہوں اس کی نظیر در مختار میں "عورت کا حمام میں جانا" کے تحت ہے کہ ہمارے دور میں یہ مکروہ ہے کیونکہ بے پردگی ہوتی ہے اھ اور اس سے پہلے فتح میں محقق علی الاطلاق نے بھی یہی لکھا ہے وہ بھی اسی کی مثل ہے جو حافظ علائی نے الدر المنتقی شرح الملتقی میں طالب علم کے وجوب نفقہ کے بارے

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار کتاب الحج باب الهدی دار المعرفہ بیروت ۱/ ۵۶۲

[2] ردالمحتار کتاب الحج مطلب فی المجاورۃ بالمدینۃ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۵۶

[3] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل اجمعوا علی افضل البلاد الخ دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۵۲

[4] در مختار باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۸

فی وجوب نفقة طالب العلم، ان هذا اذاکان به رشد، کما فی الخلاصة ولذا قال صاحب المنية والقنية انا افتی بعدم وجوبها فان قليلا منهم حسن السيرة مشتغلا بالعلم الدينی واکثر هم (کذا وکذا وذکر من مساويهم، ثم قال اعنی الحصکفی) واما من کان بخلافهم فنادر فی هذا الزمان فلايفرد بالحکم دفعا لحرج التمييز بين المصلح والمفسد[1] الخ۔ **قلت** ومن هذا القبيل حکمهم بتحريم السماع المجرد عن المزامير فانه يهيج مکا من القلوب واکثر الناس اساری الشهوات فالوجه المنع سدا لباب الفتنة وان کان نفع شی فی حق رجال تحلوا بالفضائل وتخلوا عن الرذائل وماتت شهواتهم بل قنت ذواتهم فبقی السماع محض الانتفاع وبه انقطع تطويل النزاع، فمن فعله من الاولياء فقد اصاب خيره ومن منعه من الفقهاء فقد ازال ضيره فلهم الاجر بما نصحوا	میں لکھا کہ یہ اس وقت ہے جب اس میں نیکی ہو اور بے رواہ روی نہ ہو، جیسا کہ خلاصہ میں ہے، اسی لیے صاحب منیہ وقنیہ نے کہا میں عدم وجوب کا فتوٰی دیتا ہوں کیونکہ ان میں بہت کم طلبہ اچھے کردار کے حامل اور علم دین کے حاصل کرنے والے ہیں اور ان میں سے اکثر (ایسے ایسے ہیں اور پھر اپنے دور کے طلبہ کا ذکر کیا۔ پھر حصکفی نے کہا) جو ان کے خلاف ہیں وہ اس دور میں بہت کم ہیں اور اب مصلح اور مفسد میں فرق مشکل ہو جانے کی وجہ سے ان کے لیے الگ حکم بیان نہیں کیا جاسکتا الخ **میں کہتا ہوں** اسی قبیل سے سماع کا حرام ہونا ہے خواہ وہ مزامیر کے ساتھ نہ ہو، کیونکہ وہ دل کے جذبات کو ابھارتا ہے، اور اب اکثر لوگ شہوات نفسانیہ کے قیدی بن چکے ہیں۔ لہٰذا فتنہ کے دروازے کو بند کرنے کے لیے سماع سے منع کرنا ہی درست ہے اگرچہ یہ ایسے کچھ لوگوں کے لیے نافع بھی ہے جو فضائل سے مزین، رذائل سے خالی ہو اور ان کی نفسانی خواہشات مر چکی ہوں بلکہ ان کی ذوات سراپا خشوع وخضوع ہو چکی ہو تو پھر سماع واقعۃً نافع ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں جو طویل نزاع ہے اس سے وہ بھی ختم ہو جاتا ہے اولیاء میں سے جس نے سماع سنا اس نے درست کیا اور اس کے لیے خبر بنا فقہاء میں سے جس نے

[1] الدر المنتقی علی حاشیۃ مجمع الانہر فصل فی نفقۃ الطفل دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۰۰

وللقوم الاذن لما صلحوا ولکل ثواب وبشری، الصواب، والحمدللہ رب الارباب۔	منع کیا تھا تو انھوں نے اس کے نقصانات کا ازالہ کیا ان کی اس خیر خواہی پر ان کے لیے اجر ہی اجر ہے اور لوگوں کے لیے اس میں اجازت ہے جو صلاحیت رکھتے ہوں اور ہر ایک کے لیے ثواب اور بشارت ہے، درستی اور حمد رب الارباب کے لیے ہے۔
وبالجملۃ فالحکم عدم جواز الجوار اصلا فی زماننا والعاقل لایسعہ الا الاحتیاط لنفسہ والاحتراز عن سلوک مسالک تفضی غالبا الی المھالک ومن صدق نفسہ فقد صدق کذو باوسیری ذٰلک"ولا حول ولاقوۃ الاّباللہ العلی العظیم"واذاکان الامر وصف ھنالک سقط منشأ السوال رأسا .اذ تبین ان لیس مایظنہ خیرا. خیرا واللہ المسئول ان یرزق الخیر وبقی الضیر وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد واٰلہ وصحبہ وبارك وسلم۔	بالجملہ ہمارے دور میں مجاورت کی قطعًا اجازت نہیں۔ عقلمند اپنے لیے فقط احتیاط ہی کی راہ اپناتا ہے اور ہر اس راستہ سے اجتناب کرتا ہے جس سے ہلاکت میں گرنے کا خدشہ ہو، جس نے اپنے نفس کو سچا سمجھا اس نے جھوٹے کی تصدیق کی اور خود اس کا مشاہدہ بھی کرے گا برائی سے بچنے اور نیکی بجالانے کی طاقت اللہ تعالٰی جو بلند و عظیم ہے کی توفیق کے بغیر نہیں، جب معاملہ یہ ہے جو یہاں بیان ہوا تو اب سرے سے سوال ہی ختم ہوگیا کیونکہ جس شے کو سائل نے خیر تصور کیا تھا وہ خیر ہی نہیں، اللہ تعالٰی سے دعا ہے وہ خیر کی توفیق دے اور نقصان سے بچائے اور وہی مقدس واعلم ہے اس کا علم کامل واکمل ہے، اس کے رسول اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود وسلام ہو اور آپ کے آل واصحاب پر بھی۔ (ت)

شرائط حج

مسئلہ ۳۰۱: از پٹنہ عظیم آباد بخشی محلّہ مسئولہ منشی علی حسین صاحب ۲۵ شعبان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید معمر قریب ہفتاد سال مریض رعشہ کہ تنہا سفر کے قابل نہیں کبھی اپنے زمانہ صحت و شباب میں اتنے مال کا مالک نہ ہوا کہ اس پر حج فرض ہوتا، اب کہ حالت یہ ہے اس نے اپنا مال وغیرہ بیچا اور پانچسو روپے اس کے پاس ہوگئے کہ یہی کُل سرمایہ اس کا ہے۔ بوجہ ضعف وامراض دوسرے شہر میں جہاں اس کے اعزہ ہیں سکونت کرنا اور وہاں مکان خریدنا چاہتا ہے، اس صورت میں اس پر خود حج کو جانا یا روپیہ دے کر حج بدل کرانا واجب ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زید پر حج اصلاً واجب نہیں۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب مصحح ظاہر الروایۃ میں تو ایسی تندرستی جو اس سفر مبارک کے قابل ہو شرط وجوب ہے کہ بغیر اس پر حج سرے سے واجب ہی نہ ہوتا، نہ خود جاتا نہ دوسرے کو بھیجتا، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے مذہب مصحح میں اگرچہ تندرستی مذکور شرط وجوب نہیں، شرط وجوب ادا ہے کہ وہ نہ ہو تو خود جانا لازم نہیں مگر اپنے عوض اپنے روپے سے اپنی حیات میں یا بعد موت حج کرانا واجب ہے مگر مال جملہ حاجات سے فاضل، جانے آنے کے قابل باتفاق فقہائے کرام شرط وجوب ہے کہ بے اس کے حج واجب ہی نہیں ہوتا، اور مکان حاجات اصلیہ سے ہے اس کی خریداری یا بنانے کے بعد اس زمانے میں کہ اب مصارف حج بہت قریب گزرے ہوئے زمانے سے تقریباً دو چند ہوگئے

اتنا بچتا کہ اس سے حج کے لیے جانے آنے رہنے کے بھی تمام مصارف ہوں اور زید کے لیے اس حالت میں کہ نہ اور مال نہ کسب پر قدرت، کچھ ذریعہ معاش بچ بھی رہے معقول نہیں لہٰذا بالاتفاق ورنہ علی التنزیل صاحب مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب صحیح مرجح پر تو بلاشبہہ زید پر حج کرانا بھی نہیں اور خود حج کو جانا تو بالاجماع اصلاً صورت وجوب نہیں رکھتا **لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا**[1] (اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔ت) تنویر الابصار ودرمختار وردالمحتار میں ہے:

الحج فرض علی مسلم حر مکلف صحیح البدن[2] (ای سالم عن الأفات المانعة عن القیام بما لا بد منه فی السفر فلا یجب علی مقعد ومفلوج وشیخ کبیر لا یثبت علی الراحلة بنفسه واعمی وان وجد قائدا لا بانفسهم ولا بالنیابة فی ظاهر المذهب عن الامام وهو روایة عنهما وظاهر الروایة عنهما وجوب الاحجاج علیهم، وظاهر التحفة اختیار قولهما وکذا الاسبیجابی وقواه فی الفتح، وحکی فی اللباب اختلاف التصحیح وفی شرح انه مشی علی الاول فی النهایة وقال فی البحر العمیق، انه المذهب الصحیح وان الثانی صححه قاضیخان فی شرح الجامع واختاره کثیر من المشائخ[3] اھ ش) بصیر ذی زاد وراحلة	حج ہر مسلم آزاد بالغ صحت مند پر لازم ہے (یعنی ہر اس آفت سے محفوظ ہو جس کے باوجود سفر نہیں کیا جاسکتا، پس لولے، فالج زدہ اور ایسے بڑے بوڑھے پر حج فرض نہیں جو سواری پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح نابینا پر بھی فرض نہیں اگرچہ کوئی اس کا معاون ہو، امام صاحب کے ظاہر مذہب کے مطابق نہ ان کی ذوات پر لازم اور نہ ان پر نائب بنانا لازم ہے، اور ایک روایت صاحبین سے یہی ہے۔ ظاہر الروایۃ صاحبین سے یہ ہے کہ ان پر حج بدل کروانا لازم ہے، تحفہ سے ظاہرًا یہی معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین کا قول مختار ہے، اسیجابی میں اسی طرح ہے فتح میں اس کو قوی کہا۔ اللباب میں تصحیح اقوال میں اختلاف منقول ہے، اسی کی شرح میں ہے کہ نہایہ میں پہلے قول کو لیا گیا ہے، بحرالعمیق میں ہے کہ یہی مذہب صحیح ہے، قاضیخان نے شرح الجامع میں دوسرے قول کو صحیح کہا ہے، اور اسے کثیر المشائخ نے اختیار کیا اھ ش) ایسے زادراہ اور سواری پر قادر ہو

---

[1] القرآن ۲/۲۸۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۶۰۔۱۵۹

[3] ردالمحتار کتاب الحج مصطفی البابی مصر ۲/۱۵۴

فضلا عما لابد منه ومنه المسکین ومرمته ولوکان عنده ما لواشتری به مسکنا و خادما لا یبقی بعده مایکفی للحج لایلزمه خلاصة. وحرر فی النھرانه یشترط بقاء راس مال لحرفته ان احتاجت لذٰلك و الا لا[1] (وراس المال یختلف باختلاف الناس بحر، والمراد مایمکنه الاکتساب به قدر کفایته وکفایة عیاله[2] اھ ملتقطات واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	جو اس کی ضرویات سے زائد ہو، ان میں اس کی رہائش اور اس کی مرمت بھی ہے، اگر اس کے پاس مال ہے کہ وہ رہائش اور خادم خریدتا ہے اور باقی اتنا مال نہیں بچتا جو حج کے لیے کافی ہو اس پر حج فرض نہیں ہوگا، خلاصہ۔ اور نھر میں ہے اگر وہ کسی کاروبار کا محتاج ہے تو اس کے لیے سرمایہ کا باقی رہنا بھی شرط ہے اور اگر محتاج نہیں تو پھر یہ شرط نہ ہوگی، مختلف لوگوں کے اعتبار سے سرمایہ مختلف ہوسکتا ہے، بحر۔ اور کاروبار سے مراد اتنا ہے جس سے اپنی اور اپنے عیال کے لیے بقدر کفایت روزی حاصل ہوسکے اھ اختصار۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰۲:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ادائے حج ہندہ پر مدت سے فرض تھا اب جانے کا قصد کیا تو محارم اس کے بجہت موانع نہیں جاسکتے، ایک محرم کو کہ ارتکاب مناہی سے بیباک ہے اور انصرام سفر کے کاموں کا اس سے متوقع نہیں۔ لے جانا ممکن ہے اور ایک عورت متقیہ اور ایک بھتیجا شوہر ہندہ کا کہ بچپن سے اس کے سامنے ہوتی دیندار وہوشیار ہے جاتے ہیں ان کے ساتھ نہ جائے گی تو پھر جانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، فرض رہ جائے گا، اس صورت میں ہندہ کو جانا چاہئے یا نہیں؟ اور جائے تو کس کے ساتھ جائے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

عورت کو بغیر محرم کے حج خواہ کسی اور کام کے واسطے سفر کرنا ناجائز ہے اور بھتیجا شوہر کا محرم نہیں، اور محرم فاسق بیکار ہے اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور معیت زنِ متقیہ کی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافی نہیں لیکن اگر بغیر محرم کے چلی گئی اور حج کر لیا تو فرض ساقط اور حج مع الکراہۃ ادا، اس فعل ناجائز کی معصیت جُدا، پس جب ہندہ پر بسبب اجتماع شرائط کے حج فرض ہوگیا تھا اور اب معیت محرم کی نہیں ملتی تو چارہ کار یہی ہے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۶۰
[2] ردالمحتار کتاب الحج مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۵۶

کہ نکاح کرے، اگر یہ خوف ہو کہ شاید اس نے نکاح کرلیا اور پھر نہ گیا تو یہ پھنس گئی اور حج بھی نہ ہوا، یا اندیشہ ہو کہ شوہر موافق مزاج نہ نکلے چاہئے تو تھا چند روز کے لیے اور پابند ہو گئی عمر بھر کی، یا سرے سے اسے پابند شوہر رہنا منظور ہی نہ ہو، صرف اس ضرورت کی رفع تک کہ نکاح چاہئے، تو **اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) اس کی تدبیر یہ ہے کہ اس شرط پر نکاح کرے کہ اگر تو اس سال میرے ساتھ حج کو نہ جائے تو مجھ پر ایک طلاق بائن ہو اور جب بعد حج میں واپس آؤں اور اپنے مکان میں قدم رکھوں تو فورًا مجھ پر طلاق بائن ہو، یوں اگر وہ نہ گیا تو طلاق ہو جائے گی اور اگر گیا تو واپسی پر عورت جس وقت اپنے مکان میں قدم رکھے گی نکاح سے نکل جائے گی، اور بہتر اور آسان تر یہ ہے کہ اس شرط پر نکاح کرے کہ مجھے ہر وقت اپنے نفس کا اختیار ہو کہ جب کبھی چاہوں اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے لُوں، یوں اس کے نہ جانے یا واپس آنے پر اور اس کے بعد بھی ہر وقت عورت کو اختیار رہے گا مرضی ہو اس کی زوجیت میں رہے نہ مرضی ہو اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر جُدا ہو جائے، درمختار میں ہے:

مع زوج او محرم بالغ عاقل غیر مجوسی ولا فاسق لامرأۃ ولو عجوزا وھل یلزمھا التزوج قولان ولو حجت بلا محرم جاز مع الکراھۃ[1]۔	عورت خواہ بوڑھی ہو اس کے لیے خاوند یا محرم بالغ کا ہونا ضروری ہے بشرطیکہ وہ محرم فاسق اور مجوسی نہ ہو کیا عورت پر حج کے لیے نکاح ضروری ہے، اس بارے میں دو قول ہیں، اگر عورت نے بغیر محرم حج کرلیا تو جائز مع الکراہت ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ قولان ھما مبنیان علی ان وجود الزوج اوالمحرم شرط وجوب ام شرط وجوب الاداء والذی اختارہ فی الفتح انہ مع الصحۃ وأمن الطریق شرط وجوب الاداء فیجب الایصاء ان منع المرض وخوف الطریق اولم یوجد زوج ولامحرم ویجب علیھا التزوج عند فقد المحرم وعلی الاول لایجب شیئ من ذٰلک	قولہ قولان، یہ دونوں اس بنا پر ہیں کہ خاوند یا محرم کا ہونا نفس وجوب کے لیے شرط ہے یا وجوب ادا کے لیے، فتح میں جو مختار ہے وہ یہ ہے کہ صحت اور راہ پر امن ہو تو وجوب ادا کے لیے شرط ہے، اگر مرض یا راستہ کا خوف مانع ہے تو حج کے بارے میں وصیت لازم ہوگی یا خاوند اور محرم نہیں تو محرم کی عدم موجودگی میں نکاح کرنا ضروری ہوگا، اور پہلے قول پر ان میں سے کوئی چیز بھی واجب نہیں

---

[1] درمختار کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۶۰-۱۶۱

كما فى البحرح وفى النهر وصحح الاول فى البدائع ورجح الثانى فى النهاية تبعا لقاضى خاں واختاره فى الفتح اھ

قلت لكن جزم فى اللباب بانه لايجب عليها التزوج مع انه مشى على جعل المحرم اوالزوج شرط اداء، ورجح هذا فى الجوهرة وابن امير حاج فى المناسك كما قاله المصنف فى منحه قال ووجهه انه لا يحصل غرضها بالتزوج لان الزوج له ان يمتنع من الخروج معها بعد ان يملكها ولا تقدر على الخلاص منه وربما لا يوافقها فتتضرر منه بخلاف المحرم فانه ان وفقها انفقت عليه وان امتنع امسكت نفقتها وتركت الحج اھ فافهم[1] اھ مافى ش **اقول:** نعم المخلص من هذه كلها ماذكرت من ان تتزوج بشرط ان تملك طلقة بائنة تطلق بها نفسها متى شاءت فان لم يخرج معها اولم يوافقها اولم ترده تخلص نفسها ولاحرج عليها والله تعالٰى اعلم۔

جیسا کہ بحر اور نہر میں ہے، بدائع نے اول کو صحیح بتایا اور نہایہ نے قاضی خاں کی اتباع میں دوسرے کو ترجیح دی ہے، اور فتح میں بھی اسی کو اختیار کیا ہے اھ

میں کہتا ہوں اللباب میں اس پر جزم ہے کہ اس عورت پر نکاح کرنا لازم نہیں باوجودیکہ انھوں نے بھی یہ کہا کہ محرم یا خاوند وجوب ادا کے لیے شرط ہے اسے جوہرہ میں اور ابن امیر حاج نے المناسک میں اسی کو ترجیح دی، جیسا کہ مصنف نے اپنی منح میں کہا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح سے اس عورت کی غرض کا پورا ہونا ضروری نہیں ممکن ہے خاوند نکاح کے بعد اجازت نہ دے اور وہ عورت اس سے خلاصی پر قادر بھی نہ ہو، بہت دفعہ خاوند بیوی میں موافقت نہیں رہتی لہٰذا نکاح سے نقصان ہوگا بخلاف محرم کے، اگر وہ عورت کی موافقت کرے گا تو اس پر خرچ کرے گی اور اگر وہ رک جاتا ہے تو وہ خرچ بھی روک کر حج چھوڑ دے گی اھ **فافهم** مافى ش

اقول: (میں کہتا ہوں۔ ت) ان تمام صورتوں میں بچت اس میں ہے جو ہم نے ذکر کیا، عورت اس شرط پر نکاح کرے کہ عورت طلاق بائنہ کی مالک ہوگی اور جب چاہے اپنے آپ کو دے سکے گی اب اگر خاوند اس کے ساتھ نہیں جاتا یا موافقت نہیں کرتا یا جواب نہیں دیتا تو اس سے خلاصی پائے اور اس پر کوئی تنگی نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الحج مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۵۸

مسئلہ ۳۰۳: از پیلی بھیت محلّہ بشیر خاں مرسلہ محمد عبداللطیف خاں صاحب رئیس ۸ شوال ۱۳۲۲ھ

جناب مولوی صاحب مخدوم بندہ سلامت، بعد سلام نیاز کے عرض یہ ہے میری بھاوج بیوہ فی الحال ارادہ حج بیت اللہ شریف کے جانے کا رکھتی ہیں بلکہ بھاوج صاحبہ کا قصد حال میں روانگی کا ہے مگر ہمراہ ان کے کوئی شخص محرم نہیں ہے، جو شخص کہ ان کے ہمراہ جاتا ہے وہ ان کے دور کے رشتہ کا بھائی ہے اور عرصہ سے بھاوج صاحبہ کے پاس ملازم ہے مگر شخص مذکور محتاط نہیں ہے یہاں کے علماء نامحرم شخص کے ہمراہ جانے سے منع فرماتے ہیں اور بھاوج صاحبہ کے حقیقی بھائی مکہ شریف سال گزشتہ میں گئے ہوئے ہیں واپس میں وہ ان کے ہمراہ آئیں گے، جناب بموجب شرع شریف یہ ارقام فرمائے کہ بھاوج صاحبہ کا ایسے شخص کے ہمراہ جانا جائز ہے یا ناجائز؟ جواب سے جلد مطلع فرمائے۔

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یحل لا مرأۃ تؤمن باللہ والیوم الاٰخر ان تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ الامع ذی رحم محرم یقوم علیھا[1]۔	حلال نہیں اس عورت کو کہ ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر کہ ایک منزل کا بھی سفر کرے مگر محرم کے ساتھ جو اس کی حفاظت کرے۔

یعنی بچہ یا مجنون یا مجوسی یا بے غیرت فاسق نہ ہو ایسا اگر محرم ہو تو اس کے ساتھ بھی سفر حرام ہے کہ اس سے حفاظت نہ ہوسکے گی یا ناحفاظتی کا اندیشہ ہوگا، حج کا جانا ثواب کے لیے ہے اور بے محرم جانے میں ثواب کے بدلے ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا، میں خاص اس موقع کے لیے نہیں کہتا بلکہ عام مسئلہ بتاتا ہوں کہ جو عورت حج کو جانا چاہے اور محرم نہ پائے اور شوہر نہ رکھتی ہو اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی کفو سے نکاح کرکے اسے ساتھ لے جائے پھر اگر نکاح کو باقی رکھنا نہ چاہے اور اندیشہ ہو کہ دوسرے کی پابند ہو جائیگی تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ (فلاں) کفو کے ساتھ نکاح کرنے کا اس شرط پر کہ جب میں سفر حج سے اپنے مکان پر واپس آؤں مکان میں قدم رکھتے ہی فوراً مجھ پر ایک طلاق بائن ہو، پھر وکیل کرے

---

[1] صحیح بخاری باب فی کم یقصر الصلٰوۃ وسمہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوماً ولیلۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۷۔۱۴۸، صحیح مسلم باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۳۳۔۴۳۴، سنن ابوداؤد کتاب المناسک باب المرأۃ تحج بغیر محرم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۴۱، الترغیب والترھیب ترھیب المرأۃ ان تسافر الخ مصطفی البابی مصر ۲/ ۷۴

یہ وکیل یونہی نکاح کرے یعنی ان سے کہے میں نے فلانہ بنت فلاں بن فلان اپنی موکلہ کو اتنے مہر کے عوض اس شرط پر تیرے نکاح میں دیا کہ جب وہ عورت بعد حج اپنے گھر واپس آئے مکان میں داخل ہو فوراً اس پر ایک طلاق بائن ہو، شوہر کہے میں نے اسے اس شرط پر قبول کیا، اب بعد واپسی گھر میں آتے ہی فوراً اس کے نکاح سے نکل جائے گی جسے وہ کسی طرح نہیں روک سکتا، اور جسے مکہ معظّمہ سے واپسی پر محرم ملنے کا یقین ہو یوں شرط کرے کہ مکہ معظّمہ پہنچتے ہی مجھ پر طلاق بائن ہو مکہ معظّمہ پہنچتے ہی طلاق بائن واقع ہو جائے گی، مگر اگر بیچ میں خلوت واقع ہو وے تو تا انقضائے ایام عدت وہاں (مکہ معظّمہ) قیام لازم ہوگا اور خلوت نہ ہو تو یہ دقت بھی نہ ہوگی اور ہر حال میں جو عورت ولی رکھتی ہو اس کے لیے یہ ضرور ہوگا کہ نکاح مذکور ایسے شخص سے کرے جو قوم یا مذہب یا پیشے یا چال چلن میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اس کے ولی کے لیے باعث ننگ وعار ہو، یا اگر ایسا شخص ہے تو ولی اس کے اس حال پر مطلع ہو کر پیش از نکاح صریح اجازت دے دے ورنہ نکاح نہ ہوگا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۴: عبدالجبار خاں صاحب از محلّہ جسولی بریلی ۸ شوال ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس بارے میں کہ ایک بیوہ عورت مالدار جس کو مقدور حج بیت اللہ شریف کے جانے کا ہو، جس کی عمر تخمیناً چالیس یا پینتالیس سال کی ہے اور اس کو بیوہ ہوئے عرصہ ۲۳ یا ۲۴ سال کا ہوا اور اس کے منہ میں دو ایک دانت داڑھ باقی ہیں اور سر کھچڑی ہے، وہ بیوہ سفر حج بیت اللہ شریف بوساطت یا بہمراہ اپنے رشتہ کے ماموں جن کے سامنے روز پیدائش سے اس وقت تک بے پردہ مثل اپنے والدہ کے آتی ہے اور نیز اس کی اور ہمشیرگان ووالدہ وغیرہ ان کے سامنے بے پردہ آتی ہوں، اور ماموں کی عمر تخمیناً ۷۰ یا ۸۰ برس کی ہے اور وہ ماموں مع اپنی بی بی اور بچہ اور نیز ایک غلام خاوند زاد ودیگر عورات ملازمہ کے حج بیت اللہ شریف جاتے ہیں، اگر وہ بیوہ مذکور اپنے ایسے ماموں رشتہ دار جن کی تعریف اوپر ہو چکی ہے جس کو حقیقی ماموں سے کم خیال نہیں کیا جاسکتا ہے ان کے ہمراہ اپنے خرچ سے سفر بیت اللہ شریف کو جائے اور حج وزیارت سے مشرف ہو کر اپنے وطن کو واپس آجائے تو اس کی صورت دیکھنا اور اس سے ملنا اس کے رشتہ داروں کو حرام ہے یا حلال؟ یا جائز ہے یا ناجائز؟ یا ثواب پائے گی یا عذاب؟ یا کچھ نہیں؟

الجواب:

لا تبدیل لحکم اللہ، اللہ کے حکم کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یحل لا مرأۃ تؤمن باللہ والیوم الاٰخران تسافر ثلثۃ ایام، وفی	حلال نہیں کسی عورت کو جو اللہ تعالٰی اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو کہ ایک منزل بھی سفر کو جائے

رواية يوما وليلة الاومعها زوجها اوذورحم محرم منها[1] او كما لفظه وهذا معناه۔	جب تک ساتھ میں شوہر یا وہ رشتہ دار نہ ہو جس سے ہمیشہ ہمیشہ کو نکاح حرام ہے۔

جانا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ اپنے کسی محرم کو ساتھ لے یا حج سے واپسی تک کے لیے نکاح کرلے اگرچہ ستر اسی برس کی عمر والے سے جو اس کے ساتھ جائے آئے کہ مقصود صرف یہ ہے کہ بے محرم یا شوہر کے جانا صادق نہ ہو، باقی مقاصد زوجیت ہونے نہ ہونے سے بحث نہیں، اور اگر اندیشہ ہو کہ وہ بعد واپسی کے طلاق نہ دے گا تو نکاح یوں کیا جائے کہ عورت کہے میں نے اپنے نفس کو تیرے نکاح میں دیا اس شرط پر کہ جب تو مجھے حج کو لے جائے اور واپس آئے تو واپس اپنے مکان پر پہنچتے ہی مجھ پر طلاق بائن ہو یا اگر تو اس سال اس قافلہ کے ساتھ حج کو میرے ہمراہ نہ جائے تو مجھ پر طلاق بائن ہو مرد کہے میں نے یہ قبول کیا اس شرط پر کہ جب میں تجھے حج کو لے جاؤں (الی آخرہ) یوں اگر وہ ساتھ نہ جائے تو طلاق ہوجائے گی، اور ساتھ جائے تو واپس پہنچتے ہی طلاق ہوجائے گی بغیر اس کے جو قدم رکھے گی گناہ لکھا جائے گا، ان گناہان کثیرہ کے باعث اگر رشتہ دار اس سے نہ ملیں تو بے جا نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۵: مسئولہ حافظ محمد عبداللطیف صاحب علی گڑھی ۲۷ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت ضعیفہ ستر سال یا نوجوان عفیفہ نے تن تنہا یا غیر محرم کے ساتھ بقصد حج حرمین کا سفر کیا جب بہت کچھ مسافت طے کرچکی تو اس کو راستہ سے اسی حالت میں واپس کرالیا جائے اور اگر وہ خانہ کعبہ اور عرفات میں پہنچ گئی اور ارکان حج بتمامہ مع سنن وواجبات وفرائض ادا کئے تو اس کا حج ادا ہوگا یا نہیں؟ اور سفر کی تنہائی مانع ومفسد حج ہوگی یا نہیں؟ اور اس راستہ سے لوٹانا مناسب ہوگا یا نہیں؟ **بينوا بالكتاب والسنة وتوجروا ببيان احكام القراٰن والشريعة** (کتاب وسنہ سے اس کی تفصیل بیان کیجئے، احکام قرآن وشریعت کے بیان پر اللہ تعالٰی تمھیں اجر عطا فرمائیگا۔ ت)

الجواب:

عورت اگرچہ عفیفہ یا ضعیفہ ہو اسے بے شوہر یا محرم سفر کو جانا حرام ہے، یہ عفیفہ ہے تو جن سے اس پر

[1] صحیح بخاری باب فی کم یقصر الصلوٰۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۸-۱۴۷، صحیح مسلم باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۳۴-۴۳۳، سنن ابوداؤد باب المرأۃ تحج بغیر محرم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۴۲، الترغیب والترھیب ترھیب المرأۃ ان تسافر وحدھا بغیر محرم مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۷

اندیشہ ہے وہ تو عفیف نہیں، اور یہ ضعیفہ ہے تو سفر خصوصًا حج میں اور زیادہ محتاج محرم ہے کہ جہاز یا اونٹ پر چڑھانے اتارنے کے لیے ضعیفہ کو دوسرے شخص کی زیادہ حاجت ہے۔ ہاں اگر چلی جائے گی گنہ گار ہوگی، ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا، مگر حج ہوجائے گا کہ معیت محرم شرط صحت حج نہیں، رہی واپسی اگر اس کا شوہر یا محرم اس کے ساتھ حج کو جاسکتا ہے تو یہی مناسب ہے۔ اس صورت میں واپسی کرنا مناسب نہیں، اگر زوج یا محرم کوئی نہیں یا ہے مگر حج کو نہیں جاسکتا تو اگر ابھی مدت سفر تک نہیں گئی ہے واپسی لازم ہے، اور اگر مدت سفر تک قطع کرچکی تو شوہر یا محرم ہو تو واپس لائیں کہ اس میں ازالہ گناہ ہے اور ازالہ گناہ فرض ہے۔

قال اللہ تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا[1]۔ وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ[2]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو آگ سے بچالو۔ (ت) اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی کا فرمان مبارک ہے: تم میں سے جو برائی دیکھے اسے طاقت سے روکے۔ (ت)

اور اگر شوہر و محرم نہیں رکھتی تو اگر اتنی دور پہنچ گئی کہ مکہ معظّمہ تک مدت سفر نہیں مثلاً جدہ پہنچ گئی تو اب چلی جائے اور واپس نہ ہو کہ واپسی میں سفر بلا محرم ہے اور وہ حرام ہے۔

وکانت کمن ابانھا زوجھا اومات عنھا ولو فی مصر ولیس بینھا وبین مصرھا مدۃ سفر رجعت ولو بین مصرھا مدۃ وبین مقصدھا اقل مضت۔	مثلاً اس عورت کو خاوند نے طلاق بائن دے دی یا وہ فوت ہوگیا اگر وہ شہر تھا اور اس عورت اور اس کے وطن کے درمیان مدت سفر نہیں تو وہ عورت لوٹ آئے اور اگر اس کے وطن کے لیے مدت سفر ہو اور مقصد کے لیے مدت سفر کم ہو تو سفر جاری رکھے۔ (ت)

پھر بعد حج مکہ معظّمہ میں اقامت کرے بلا محرم گھر کو واپس آنا بلکہ مدینہ طیبہ کی حاضری ناممکن ہے، یہ وہ عورت ہے جس نے خود اپنے آپ کو بلا میں ڈالا، اس کے لیے چارہ کار نہیں مگر یہ کہ اس کا کوئی محرم جاکر اسے لائے، یوں کہ اس سال وہ جانا چاہتا تھا اس سال گیا یا یوں کہ اس سال تک اس کا کوئی محرم نابالغ تھا اب بالغ ہوا اور لاسکتا ہے، اور یہ بھی نہ ہو تو چارہ کار نکاح ہے نکاح کرے پھر شوہر کے ساتھ چاہے واپس آئے یا وہیں مقیم رہے، اور اگر

---

[1] القرآن ۶۶/۶

[2] صحیح مسلم باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۱

دونوں طرف مدت سفر ہے تو بلا سخت تر ہے اور جانا یا آنا کوئی بھی بے گناہ نہیں ہوسکتا، مگر بہ حصول محرم یا تحصیل شوہر، شوہر کے قبضے میں اگر ہمیشہ رہنا نہ چاہے تو اس کا یہ علاج ہے کہ اس شرط پر نکاح کرے کہ میرا کام میرے ہاتھ میں رہے گا جب چاہوں اپنے آپ کو طلاق بائن دے لوں، اور اگر یہ بھی ناممکن ہو تو سب طرف سے دروازے بند ہیں پوری مضطرہ ہیے، اگر ثقہ معتمدہ عورتیں واپسی کے لیے ملیں تو مذہب امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر عمل کرکے ساتھ واپس آئے، اور جانے کے لیے ملیں تو انکے ساتھ جائے انھیں کے ساتھ واپس آئے کہ تقلید غیر عندالضرورۃ بلاشبہہ جائز ہے **کما فی الدرالمختار وغیرہ** (جیساکہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ ت) اس لیے ارشاد ہوا کہ **اختلاف اصحابی لکم رحمۃ**[1] (میرے صحابہ کا اختلاف تمھارے لیے رحمت ہے۔ ت) **ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند ربی فلیحرر ولیراجع** (یہ مجھ پر واضح ہوا اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۶ و ۳۰۷: مرسلہ حافظ محمد آیاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ پٹھان پور ۲۴ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں موافق حکم شرع شریف بموجب قرآن وحدیث عقائد اہل سنت ارشاد فرمائے اللہ تعالٰی اجر عظیم عطا فرمائے:

(۱) جس کے پاس روپیہ تنخواہ ورشوت وغیرہ کا شامل ہو اور اس کے خرچ خانگی وغیرہ سے فاضل ہو تو اس شخص پر حج بیت اللہ شریف فرض ہے یا نہیں؟ اگر فرض ہے تو اس روپے سے حج ادا ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں ادا ہوگا تو اس کے واسطے کیا صورت ہونی چاہئے کہ جس سے حج بھی ادا ہوجائے اور ثواب کا بھی مستحق ہو؟

(۲) جس شخص کے پاس روپیہ واسطے خرچ حج بیت اللہ شریف موجود ہے لیکن وہ شخص بوجہ پوری تندرستی نہ ہونے کے خود جانے سے معذور ہے تو اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ کس صورت سے حج ادا ہوسکتا ہے کہ جس سے یہ شخص سبکدوش ہو؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) اگر اس کے پاس مال حلال کبھی اتنا نہ ہوا جس سے حج کرسکے اگرچہ رشوت کے ہزار ہا روپے ہوئے تو اس پر حج فرض ہی نہ ہوا کہ مالِ رشوت مثل مغصوب ہے وہ اس کا مالک ہی نہیں، اور اگر مال حلال

[1] تہذیب تاریخ دمشق ترجمہ سلیمان بن کثیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۲۸۵، کنزالعمال حدیث ۱۰۰۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۹۹

اس قدر اس کے پاس ہے یا کسی موسم میں ہوا تھا تو اس پر حج فرض ہے مگر رشوت وغیرہ حرام مال کا اس میں صرف کرنا حرام ہے اور وہ حج قابل قبول نہ ہوگا اگرچہ فرض ساقط ہو جائے گا، حدیث میں ارشاد ہوا جو مالِ حرام لے کر حج کو جاتا ہے جب وہ لبیک کہتا ہے فرشتہ جواب دیتا ہے:

لا لبیك ولا سعدیك حتی تردما فی یدیك وحجك مردود علیك [1]۔	نہ تیری حاضری قبول نہ تیری خدمت قبول، اور تیرا حج تیرے منہ پر مردود، جب تک تو یہ حرام مال جو تیرے ہاتھ میں ہے واپس نہ دے۔

اس کے لیے چارہ کار یہ ہے کہ قرض لے کر فرض ادا کرے۔

(۲) عذر اگر ایسا ہو کہ مانع سفر ہے مثلاً آنکھیں یا پاؤں نہیں اور اس عذر کے زوال کی کوئی امید نہیں تو اپنی طرف سے حج بدل کرادے، اور اگر عذر مانع سفر نہیں تو خود جائے، اور اگر مانع سفر ہے مثلاً زوال کی امید ہے جیسے تپ شدید یا درد وغیرہ تو حج بدل نہیں کراسکتا بلکہ زوال کا انتظار کرے، جب شفاء ہو جائے خود جائے، اور اگر قبل شفا وقت آجائے تو حج بدل کی وصیت کر جائے، اگر اپنی طرف سے کوئی تقصیر نہ کی تھی یعنی جب سے حج فرض ہوا تھا نہ مانع سفر لاحق تھا اور قبل زوال وقت آگیا اس پر مواخذہ نہ ہوگا، اور اگر ایک سال بھی ایسا گزر گیا تھا کہ جاسکتا تھا اور نہ گیا تو گنہ گار ہوا، استغفار واجب ہے۔ اور حج بدل کرانا فرض ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۸: مسئولہ حافظ محمد ایاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور ۲۰ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں حضور نے پہلے استفتاء میں بابت حج بیت اللہ شریف یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جس کے پاس مال رشوت وغیرہ کا شامل ہے اس کو چاہئے قرض لے کر حج ادا کرے انتھی، اب آئندہ یہ ارشاد فرمائے کہ وہ قرضہ کہاں سے ادا کرے؟ معترض کہتا ہے کہ اول تو جب رشوت وغیرہ کا روپیہ اس کی ملک نہیں ہے تو اس کے پاس اور کچھ نہیں اور قرض لے کر حج ادا کرنے کی ممانعت ہے، اور بالفرض اگر قرض لے کر حج کے واسطے رکھا اور اپنے روپے سے جو رشوت وغیرہ کا اس کے پاس ہے اس سے قرض ادا کردیا تو وہ کیا ہوا اسی اپنے روپے کی وجہ سے تو اس نے قرض لیا تھا لہٰذا یہ روپیہ بھی بعینہٖ اپنے ہی روپے کی مثل ہوا تو اس واسطے دلیل و ثبوت کافی ارشاد ہو کہ تسکین ہو جائے یہ شخص حج کے واسطے جانے کا بہت ہی مشتاق ہے۔

[1] ارشاد الساری الی مناسک لملا علی قاری باب المتفرقات دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۲۳

الجواب:

روپیہ کہ قرض لیا گیا کہ ایک مال حلال ہے کہ عقد صحیح شرع سے حاصل کیا تو اس میں خبث کی کوئی وجہ نہیں، عالمگیری وغیرہ کتب معتمدہ میں تصریح ہے کہ جس کا مال حرام ہے وہ اگر زید کی دعوت کرے یا اسے کچھ دے اور کہے **ورثته اواستقرضته**[1] یہ مال مجھے ترکہ میں ملا ہے یا میں نے قرض لیا ہے، تو اس کا لینا اور دعوت کھانا حلال ہے اور جب حج اس کے فرض ہو چکا تھا اور اب اس کے پاس مالِ حلال نہ رہا صرف مال حرام ہے اور مال حرام سے حج مردود ہے، تو چارہ کار سوا اس کے کیا ہے کہ کسی ذریعہ سے حلال مال حاصل کرکے حج کو جائے اور قرض ادا کرے، قرض بھی ذریعہ حلال ہے، یہ قرض تو ادا ہوگیا، ہاں ادائے قرض میں اس پر دقّت ہے کہ مال حرام کو اپنے کسی مصرف میں صرف کرنا اسے جائز نہیں، مگر یہ مسئلہ جداگانہ ہے حج سے اسے تعلق نہیں، اپنی نجات چاہے تو مال حرام اس کے مالک کو یا وارثوں کو پہنچائے اور نہ ملیں تو تصدق کرے اور وجہ حلال سے مال پیدا کرکے قرض ادا کرے اگر ادا ہوگیا فبہا ورنہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ حج یا جہاد یا نکاح کے لیے قرض لے وہ قرض اللہ عزوجل کے ذمہ کرم پر ہے،[2] اور اگر پیروی نفس کی اور مال حلال کی طرف توجہ نہ کی اسی حرام سے قرض ادا کیا اور اپنے مصارف میں صرف کرتا رہا تو یہ ایک گناہ ہے اور حج ادا نہ کرتا تو دو گناہ تھے ایک گناہ سے بچ گیا یہ کیا کم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۹: مولوی ابو المحاسن محمد سجاد بہاری صاحب مدرس اوّل و مہتمم مدرسہ انوار العلوم شہر گیا ۱۲ شوال ۱۳۳۴ھ

مولانا صاحب اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف! باعث تحریر عریضہ ہذا یہ ہے کہ اس سال نظر بحالات موجودہ حج کے متعلق عام مسلمین کو کیا حکم دیا جائے، جناب عالی کی رائے صائب ہوگی کیا خبر احوال شریف مکہ و موجودہ جنگ کے واقعات مسقط وجوب ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر بالفرض اس قسم کا احتمال مسقط وجوب ہو بھی تو ایسے موقع پر فتوٰی کیا دینا چاہئے، امید کہ جواب بالصواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

الجواب:

افواہ کا اعتبار اگر واقعی ثابت ہو کہ راستہ میں امن نہیں تو وجوب نہ ہوگا کہ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا[3] (جو اس تک چل سکے۔ ت) صادق نہ آیا مگر یہ اس کے لیے ہے جس پر اسی سال وجوب حج ہوتا اور جن

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی الہدایہ والضیافات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲
[2] مجمع الزوائد باب فیمن نوی دینہ واہتم بہ دار الکتاب بیروت ۴/ ۱۳۳
[3] القرآن ۳/ ۹۷

پر پہلے سے واجب ہو لیا ہے اور اپنی کاہلی سے اب تک ادا نہ کیا ان پر سے وجوب ساقط نہیں ہو سکتا، غایت یہ کہ جس سال امن نہ ہونا ثابت ہو، وجوب ادا نہ ہوگا جب باذنہ تعالٰی امن ہو جائے واجب الادا ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۰: از قادری گنج ضلع بیرم بھوم ملک بنگالہ مرسلہ سید ظہور الحسین صاحب قادری رزاقی کرمانی ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

حضور سرور کائنات (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کا مزار اقدس بلکہ مدینہ طیبہ عرش و کرسی وکعبہ شریف سے افضل ہے یا نہیں؟

الجواب:

تُربت اطہر یعنی وہ زمین کہ جسم انور سے متصل ہے کعبہ معظّمہ بلکہ عرش سے بھی افضل ہے[1] **صرح بہ عقیل الحنبلی وتلقاہ العلماء بالقبول** (اس پر ابو عقیل حنبلی نے تصریح کی اور تمام علماء نے اسے قبول کیا۔ت)

باقی مزار شریف کا بالائی حصہ اس میں داخل نہیں کعبہ معظّمہ مدینہ طیبہ سے افضل ہے، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ مدینہ طیبہ سوائے موضع تربتِ اطہر اور مکہ معظّمہ سوائے کعبہ مکرمہ ان دونوں میں کون افضل ہے، اکثر جانب ثانی ہیں اور اپنا مسلک اول اور یہی مذہب فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے، طبرانی کی حدیث میں تصریح ہے کہ **المدینۃ افضل من مکۃ**[2] (مدینہ (علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) مکہ سے افضل ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۶

[2] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۴۴۵۰ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۴/ ۲۸۸

باب الجنایات فی الحج

(جنایاتِ حج کا بیان)

مسئلہ ۳۱۱: ازاوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ ملا یعقوب علی خاں ۴رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص احرام میں ذرا دیر سر پر بُھولے سے کپڑا ڈال لے تو حکم ہے کہ من گیہوں دے اور جو مکہ میں نہ دے یہاں دے کیا حکم ہے؟ حج میں تو خلل نہیں کہ یہ مستحب ہے اور اگر کسی عذر کے سبب سر چھپانا پڑے تو کیا حکم ہے؟

الجواب:

جو مرد اپنا سارا یا چوتھائی سر بحالت احرام چُھپائے جسے عادۃً سر چھپانا کہیں، جیسے ٹوپی پہننا، عمامہ سر باندھنا، سر سے چادر اوڑھنا، دُھوپ کے باعث سر پر کپڑا ڈالنا، درد کے سبب سر کسنا، زخم کی وجہ سے پٹی باندھنا (نہ گٹھڑی یا صندوق یا خوان وغیرہ کا سر پر اٹھانا کہ یہ سر چھپانے میں داخل نہیں) اس پر مطلقاً جُرمانہ واجب ہے اگرچہ بھولے سے، اگرچہ سوتے میں، اگرچہ بیہوشی میں اگرچہ عذر سے، مگر صحت حج میں خلل نہیں، ہاں ایک طرح کا قصور ہے جس کی تلافی کو جُرمانہ مقرر ہوا، جیسے نماز میں سہواً ترک واجب سے سجدہ، عذر و بے عذر میں اتنا فرق ہے اگر بے عذر ایک دن کامل یا ایک رات کامل یا اس سے زائد سر چھپا رہا تو خاص حرم میں ایک قربانی ہی کرنی ہوگی جب چاہے کرے، دُوسرا طریقہ کفارہ کا نہیں اور عذر مثلاً بخار یا سردی یا زخم یا درد کے سبب اتنی مدت چھپایا تو اختیار ہوگا حرم میں قربانی کرے یا جہاں چاہے جب چاہے یا تین ۳ صاع گیہوں یا مثلاً چھ ۶ صاع جَو، چھ ۶ مسکینوں کو دے یا تین ۳

روزے جس طرح چاہے رکھ لے، اور اگر کامل دن یا رات کی مدت سے کم چھپا رہا اگرچہ کتنی ہی تھوڑی دیر کو تو بے عذری کی صورت میں صدقہ فطر کی طرح خاص صدقہ ہی لازم ہوگا، یعنی نیم صاع گیہوں یا مثلاً ایک صاع جَو کہ جہاں چاہے دے اور بصورت عذر مختار ہوگا چاہے یہ صدقہ دے یا ایک روزہ جہاں چاہے رکھ لے۔ ایک صاع دوسو ستر تولے کا ہوتا ہے اور سکہ انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے کا، تو جہاں سَو روپے بھر کا سیر ہے جیسے ہمارے شہر بریلی میں وہاں کی تول سے صاع پانچ ماشے پانچ رتی اوپر آدھ پاؤ پونے تین سیر کا ہوا، اور نصف صاع دو ماشے ساڑھے چھ رتی اوپر تین چھٹانک سوا سیر کا یعنی کچھ کم ڈیڑھ سیر، اس نصف صاع کے آدھے کو عربی میں مُد اور منُ کہتے ہیں۔ تو ذرا دیر کپڑا سر پر ڈالنے میں من بھر گیہوں کا حکم نہیں بلکہ متعمد روایت میں دو من کا ہے۔

فی الدرالمختار، الواجب دم علی محرم بالغ ولوناسیا اوجاھلا اومکرھا فیجب علی نائم غطی راسہ اوستر راسہ (ای کلہ او ربعہ) بمعتاد، اما بحمل اجانۃ او عِدل فلا شیئ علیہ، یوما کاملا اولیلۃ کاملۃ وفی الاقل (شمل (الاقل الساعہ الواحدۃ او مادونھا) تصدق بنصف صاع من بر، کالفطرۃ (افادان التقیید بنصف الصاع من البر اتفاقی فیجوز اخراج الصاع من التمر اوالشعیر من القھستانی) وبعذر (ومن الاعذار الحمی والبرد والجرح والقرح والصداع والشقیقۃ والقمل) و (اما الخطاء والنسیان والاغماء والاکراہ و النوم وعدم القدرۃ علی الکفارۃ فلیست باعذار) خیر ان شاء ذبح فی الحرم او تصدق بثلاثۃ اصوع طعام علی ستۃ مساکین این شاء اوصام ثلثۃ ایام ولو متفرقۃ	درمختار اور ردالمحتار میں ہے ہر محرم بالغ پر دم واجب ہوتا ہے خواہ اس نے وہ عمل نسیاناً یا جہالۃً یا مجبوراً کیا ہو یا حالتِ نیند میں محرم نے اگر بطور عادت پورا دن یا پوری رات سر ڈھانپ لیا (تمام سر یا چوتھائی سر) تو دم لازم ہوگا، اگر کسی نے ٹب یا گٹھڑی اٹھائی تو کوئی شے لازم نہیں، اور اگر دن سے کم وقت سر ڈھانپا (لفظ اقل ایک ساعت اور اس سے کم کو بھی شامل ہے) تو گندم کا ایک صاع صدقہ کیا جائیگا جیسے فطرانہ (یہ عبارت بتارہی ہے کہ نصف صاع گندم کا تذکرہ اتفاقی ہے احترازی نہیں، تو ایک صاع کھجور یا جو دے سکتے ہیں، قہستانی) اگرچہ عذر کی وجہ سے ہو (اعذار میں سے بخار، سردی، زخم، پھوڑا، شیققہ وسر کا درد اور جُوں کا ہونا ہے لیکن عمل خطا، نسیاناً، اغماء، مجبوری نیند یا کفارہ پر عدمِ قدرت، یہ عذر نہیں بن سکتے) اسے اختیار ہے چاہے حرم میں دم ذبح کرے یا جہاں چاہے چھ مساکین کو تین صاع طعام دے دے یا تین روزے متفرق طور پر رکھ لے (یہ اس صورت میں ہے

(هذا فيما يجب فيه الدم اما ما يجب فيه الصدقة ان شاء تصدق بما وجب عليه من نصف صاع او اقل على مسكين او صام يوما كما فى اللباب)[1] اھ ملتقطين وفى الشامية ايضا وكذا الصوم لايتقيد بالحرم فيصومه اين شاء[2] اھ وفيها ايضا الكفارات كلها واجبة على التراخى فيكون مؤديا فى اى وقت[3] اھ واللّٰه تعالٰى اعلم۔	جہاں دم لازم ہوتا ہے اور جس صورت میں صدقہ لازم ہوگا تو اگر چاہے تو نصف صاع یا اس سے کم کسی مسکین کو دے دے یا ایک دن کا روزہ رکھ لے، اللباب) اھ دونوں عبارتیں مختصر ہیں، اور فتاوی شامی میں بھی اسی طرح ہے کہ اور اسی طرح روزہ حرم کے ساتھ مخصوص نہیں جہاں چاہے رکھ سکتا ہے اھ، اور اس میں یہ بھی ہے کہ تمام کفارات واجبہ کی ادائیگی فی الفور لازم نہیں لہٰذا وہ جس وقت بھی ادا کرے ادا ہو جائے گا اھ واللّٰه تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۱۲: از حافظ عبدالمجید قصبہ تحصیل سوار خاص علاقہ ریاست رامپور بروز سہ شنبہ ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

محرم کو احرام میں جوڑ لگانا عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سِلی ہوئی چیز سے بچنا چاہئے اور حالتِ ضرورت مستثنٰی ہے۔ واللّٰه تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱۳: از بمبئی محلّہ قصاباں متصل کرافٹ مارکیٹ مکان گورے بابو صاحب مسئولہ حضرت سید حامد حسین میاں صاحب قبلہ دام ظلہم ۴ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

معظمی مکرمی مد ظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللّٰه وبرکاتہ چند امور دریافت طلب ہیں بہ گوارائے تکلیف بواپسی ڈاک مطلع فرمائیے بعید از شفقت بزرگانہ نہ ہوگا،

اول[1]: یہ کہ مستورات منہ پر پنکھا کھجور کا لگالیتی ہیں یقینا وہ پنکھا کنپٹی اور ناک اور منہ سے لگتا ہے اور چہرہ پوشیدہ بھی رہتا ہے احرام کی حالت میں کیا کرنا چاہئے، نماز پڑھتے وقت جبکہ پردہ کی جگہ نہ ہو پنکھا اونچا اٹھا ہو مشکل سے رکے گا، علاوہ ازیں چہرہ نامحرمان کی نظر سے مخفی رکھنا دشوار ہے اس کے متعلق صاف

---

[1] در مختار باب الجنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۷۳ تا ۱۷۵، ردالمحتار باب الجنایات مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۱۷ تا ۲۲۸
[2] ردالمحتار باب الجنایات مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۲۸
[3] ردالمحتار باب الجنایات مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۱۷

الفاظ میں تحریر فرمایئے جو سمجھ میں آسکے۔

دوم۲: یہ کہ فقیر تمباکو پان کو ساتھ کھانے کا عادی ہے اگرچہ لعاب ایک قطرہ بھی حلق سے نیچے نہیں اترتا، تمباکو نہ کھانے کے سبب سخت تکلیف ہوگی، اس تمباکو میں قدرے قلیل مشک وزعفران کا ہونا بھی بیان کیا جاتا ہے آپ کے ملاحظہ کے واسطے قدرے تمباکو مرسل ہے۔

الجواب:

بشرف ملاحظہ عالیہ حضرات بابرکت والا درجت حضرت مولانا سید شاہ حامد حسین میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بعد ادائے آداب معروض پنکھا سرپر مضبوط باندھیں کہ اٹھارہے اور بڑا ہو کہ اٹھارہنے کی عادت میں چہرہ اجانب سے چھپارہے پھر بھی اگر احیانًا چہرہ پر ڈھلک آئے یا کنپٹی یا ناک یا منہ سے لگے اگر منہ کی ٹکلی کے چہارم تک نہ پہنچے تو کفارہ کچھ نہیں، نہ قربانی نہ صدقہ کہ نہ چہارم منہ چھپایا نہ چار پہر تک اسے دوام رہا، اس صورت میں کراہت ومعصیت ہوتی مگر جبکہ وہ بلا قصد ہے اور اسے قائم رکھا گیا تو مواخذہ نہیں، ہاں اگر چہارم منہ کی ٹکلی چھپ جائے گی تو ضرور صدقہ دینا آئے گا، احکام جو شرع مطہر نے ارشاد فرمائے صدقِ دل سے ان کا اہتمام ہو تو وہی جس کے احکام ہیں مدد فرماتا اور آسان کردیتا ہے، تمباکو کہ قوام میں خوشبو ڈال کر پکائی گئی جب تو اس کا کھانا مطلقًا جائز ہے اگرچہ خوشبو دیتی ہو، ہاں خوشبو ہی کے قصد سے اسے اختیار کرنا کراہت سے خالی نہیں اور نظر جانب خوشبو نہ ہو بلکہ حسب عادت دیگر منافع تمباکو کی طرف تو کچھ حرج نہیں اور اگر بے پکائے خوشبو مشک وغیرہ اس میں شامل ہو اور خوشبو دے رہا ہو جب بھی کفارہ کچھ نہیں البتہ کراہت ضرور ہے، یہ کراہت پیک نگلنے پر موقوف نہیں کہ خوشبو کا آنچل میں باندھنا بھی ناجائز ہے، ہاں اگر مشک اتنی کم پڑی کہ خوشبو نہ دے یا مدت گزرنے سے اتر گئی کہ اب خوشبو جاتی رہی تو کراہت بھی نہیں، لباب وشرح لباب میں ہے:

الطیب اذا اخلطه بطعام قد طبخ فلا شی علیه اتفاقا سواء یوجد ریحه اولا لانه بالخلط والطبخ یصیر مستهلکا فلا یعتبر وجوده اصلا وان خلطه بما یوکل بلا طبخ کالزعفران بالملح فالعبرة بالغلبة، فان کان الغالب الملح ای اجزأه لا طعمه ولونه	اگر خوشبو کسی ایسے کھانے میں ملائی جسے پکایا گیا تو اب محرم پر کوئی شی لازم نہ ہوگی خواہ مہک باقی ہو یا نہ ہو کیونکہ وہ اختلاط اور پکنے سے ہلاک و ختم ہوگئی اب اس کے وجود کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اور اگر وہ کھانے والی چیز میں ملی لیکن اس میں پکی نہیں جیسے زعفران نمک میں مل جائے تو غلبہ کا اعتبار ہوگا، اگر نمک کے اجزاء (ذائقہ اور رنگ نہیں) زائد ہیں تو اب کوئی شی لازم

فلاشی علیه من الجزاء غیرانه اذا کان رائحته موجودة کره اکله مغلوبا غیر مطبوخ وان کان الغالب الطیب ففیه الدم فانه حینئذ کالزعفران الخالص فیجب الجزاء وان لم تظهر رائحته [1] اھ ملخصا محررا۔	نہ ہوگی ماسوائے اس کے کہ اگر مہک باقی تھی تو اس کا کھانا مکروہ ہوگا کیونکہ وہ مغلوب ہے مگر پکی ہوئی نہیں، اور اگر غالب خوشبو ہے تو اس میں دم آئیگا کیونکہ وہ خالص زعفران کی طرح ہوگا تو اب سزا لازم ہوگی خواہ مہک نہ ہوگی اھ ملخصا محررا۔ (ت)

اسی کے محرماتِ احرام میں ہے:

التطیب واکل الطیب وشدہ بطرف ثوبه ای ربط طیب یفوح ریحه [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	خوشبو لگانا، خوشبو کھانا، کپڑے کے کنارے میں ایسی خوشبو باندھنا جس کی مہک پھیل رہی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۱۵: مسئولہ شفقت علی از محلّہ ذخیرہ بریلی شہر ۳ ربیع الآخر ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت جس کے پاس اس کے باپ بھائی خاوند کا دیا ہوا اتنا سرمایہ موجود ہے کہ جس سے وہ بخوبی حج کر سکتی ہے مسماۃ مذکورہ کا ارادہ اب کے سال حج کرنے کا مصمم ہے مگر باوجود ہر منت وسماجت کے اس کا خاوند اس کو اجازت نہیں دیتا، اس کے حقیقی بھائی بھی اب کی مرتبہ حج کا ارادہ رکھتے ہیں، یہ موقع بھی مسماۃ مذکور نے نہایت مناسب سمجھا ہے اس صورت میں یہ عورت بلا اجازت اپنے خاوند کے اپنے بھائیوں کے ہمراہ جا کر حج ادا کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ عورت پر حج فرض ہے اجازت شوہر کی ہر گز حاجت نہیں،

فالاصح ان افتراض الحج فوری وقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لا طاعة لاحد فی معصیة اللہ [3]۔	یہی درست کہ فریضہ حج فوراً ادا کیا جائے، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔ (ت)

[1] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری فصل فی اکل الطیب وشربہ دار الکتاب العربی بیروت ص ۲۱۱ تا ۲۱۳
[2] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری فی محرمات الاحرام دار الکتاب العربی بیروت ص ۸۱
[3] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث حکم بن عمرو الغفاری دار الفکر بیروت ۵/ ۶۷

عورت کے لیے ایک بڑی شرط شوہر یا محرم کا ساتھ رہنا ہے، اس وقت تو اس کا بھائی جارہا ہے کیا معلوم کہ آگے کوئی محرم ساتھ کو نہ ملے تو حج سے محروم رہے، نہایت جلدی کرے اور فوراً بھائی کے ساتھ چلی جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زیارت حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کیا حکم ہے اور باوجود قدرت اس کا تارک یا مانع و منکر فضل شرعًا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زیارت سراپا طہارت حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالقطع والیقین باجماع مسلمین افضل قربات واعظم حسنات سے ہے جس کی فضیلت وخوبی کا انکار نہ کرے گا مگر گمراہ بددین یا کوئی سخت جاہل، سفیہ غافل، سخرہ شیاطین **والعیاذ باللہ رب العالمین**۔ اس قدر پر تو اجماع قطعی قائم، اور کیوں نہ ہو، خود قرآن عظیم اس کی طرف بلاتا اور مسلمانوں کو رغبت دلاتا ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۶۴﴾ [1]۔	یعنی اگر ایسا ہو کہ وہ جب اپنی جانوں پر ظلم یعنی گناہ وجرم کریں تیری بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہو پھر خدا سے مغفرت مانگیں اور مغفرت چاہے ان کے لیے رسول، تو بیشک اللہ عزوجل کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں،

امام سبکی شفاء السقام اور شیخ محقق جذب القلوب میں فرماتے ہیں:

"علماء نے اس آیت سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حال حیات وحال وفات دونوں حالتوں کو شمول سمجھا اور ہر مذہب کے ائمہ مصنفین مناسک نے وقت حاضری مزار پُرانوار اس آیت کی تلاوت کو آدابِ زیارت سے گنا۔" [2]

علامہ سمہودی شافعی وفاء الوفاء میں فرماتے ہیں:

"حنفیّہ زیارت شریف کو قریب بہ واجب کہتے ہیں، اور اسی طرح مالکیہ وحنبلیہ نے تصریح کی۔" [3]

---

[1] القرآن ۶۴/۴

[2] جذب القلوب باب پانزدہم دربیان حکم زیارۃ قبرالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نولکشور لکھنؤ ص ۲۱۱

[3] وفاء الوفاء الفصل الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۳۶۶/۴

ہماری کتب مذہب میں مناسک فارسی وطرابلسی وکرمانی واختیار شرح مختار وفتاوٰی ظہیریہ وفتح القدیر وخزانۃ المفتین ومنسک متوسط ومسلک متقسط ومنح الغفار ومراقی الفلاح وحاشیہ طحطاویہ علی المراقی ومجمع الانہر وسنن الہدٰی وعالمگیری وغیرہ میں اس کے قریب واجب ہونے کی تصریح کی بلکہ خود صاحب مذہب سیدنا امام اعظم سے اس پر نص منقول، جذب القلوب میں ہے:

زیارت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نزد ابی حنیفہ از افضل مندوبات واوکد مستحبات است قریب بہ درجہ واجبات۔[1]	زیارت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک افضل مندوبات واعلٰی مستحبات سے ہے درجہ واجبات کے قریب۔ (ت)

اور بعض ائمہ مالکیہ وشافعیہ تو صاف صاف واجب کہتے ہیں اور یہی مذہب ظاہریہ سے منقول۔ امام ابن الحاج مکی مالکی مدخل اور امام سبکی شافعی تہذیب الطالب امام عبدالحق بن محمد سے نقل فرماتے ہیں:

"امام ابوعمران فاسی مالکی نے فرمایا قبر شریف حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت واجب ہے[2]۔"

امام قاضی عیاض مالکی شفا شریف میں امام ابوعمرو سے ناقل:

"قبر اقدس حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سفر کرکے جانا واجب ہے۔"[3]

اسی طرف امام قسطلانی شارح صحیح بخاری شافعی وامام ابن حجر مکی شافعی وعلامہ علی قاری حنفی وغیرہم علماء کا میلان ہے بلکہ بعض کلمات امام سبکی بھی اسی طرف ناظر، شفا شریف میں فرمایا:

"زیارت قبر میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور نبی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم واجب۔"[4]

اسی طرح مواہب لدنیہ شریف میں ہے، اور شک نہیں کہ ظاہر دلیل اسی کو مقتضی۔ ابن عدی وغیرہ کی حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی[5]۔	جو حج کرے اور میری زیارت کو حاضر نہ ہو بیشک اس نے مجھ پر جفا کی۔

---

[1] جذب القلوب باب پانزدہم دربیان حکم زیارۃ قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نولکشور لکھنؤ ص ۲۱۰

[2] وفاء الوفاء بحوالہ عبدالحق الفصل الثانی فی بقیہ ادلۃ الزیارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۶۴

[3] کتاب الشفا قاضی عیاض فصل فی حکم زیارۃ قبر مطبوعہ شرکت صحافیۃ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۷۵

[4] شفاء السقام الباب الخامس فی تقریر کون الزیارۃ قربۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۸۳

[5] کامل ابن عدی ترجمہ النعمان شبلی الباہلی دارالفکر بیروت ۷/ ۲۴۸۰

علامہ علی قاری شرح لباب میں اس کی سند کو حسن اور وہی شرح شفاء ودرہ مضیہ اور امام ابن حجر جوہر منظّم میں محتج بہ فرماتے ہیں، انہی دونوں کتابوں میں فرمایا:

"نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جفا حرام ہے توزیارت نہ کرنا متضمنِ جفا ہے حرام ہوا [1]۔"

مدارج النبوۃ میں ہے:

"صاحب مواہب گفتہ ایں ظاہر است در حرمتِ ترک زیارت زیراکہ دریں جفا واذائے اوست وجفاء واذائے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حرام ست باجماع پس واجب باشد ازالہ جفاوآں بزیارت خواہد پس زیارت واجب باشد۔" [2]	صاحب مواہب نے فرمایا کہ زیارت نہ کرنے کی حرمت پر یہ ظاہر ہے کیونکہ اس میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جفا ہے اور آپ کو ایذا ہے جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جفا اور ایذاء بالاجماع حرام ہے، تواس جفا کے ازالہ کے لیے زیارت واجب ہے۔ (ت)

امام قسطلانی اس عبارت کے بعد فرماتے ہیں: "بالجملہ جو باوجود قدرت کے ترک زیارت کرے اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جفا کی اور حضور کا ہم پر یہ حق نہ تھا،" [3]

اسی طرح ترک زیارت کے موجب جفا ہونے میں متعدد حدیثیں آئیں کہ حضرت والد علام قدس سرہ نے جواہر البیان شریف میں ذکر فرمائیں اور شک نہیں کہ افراد میں اگرچہ کلام ہو مجموع حسن تک مترقی، اور حسن اگرچہ لغیرہٖ ہو محل احتجاج میں کافی، اور اسی کے مناسب قصہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے کہ امام ابن عساکر وغیرہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور امام سبکی نے شفاء اور علامہ سمہودی نے وفا اور امام ابن حجر نے جوہر میں اس کی سند کو جید کہا کہ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے شام میں سکونت اختیار فرمائی خواب میں حضور پر نور سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت سے شرفیاب ہوئے کہ ارشاد فرماتے ہیں:

ماھذہ الجفوۃ یا بلال اما آن لك ان تزورنی یا بلال!	اے بلال! یہ کیا جفا ہے، اے بلال! کیا ابھی تجھے وہ وقت یاد نہ آیا کہ میری زیارت کو حاضر ہو۔

بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ غمگین وترساں وہراساں بیدار ہوئے اور فورًا قصدِ مزار پرانوار جانب مدینہ شد الرحال

---

[1] الجوہر المنظم ابن حجر مکی فصل اول مطبعہ خیریہ مصر ص ۸

[2] مدارج النبوۃ وصل در ذکر غم والم مفارقت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۴۴۴

[3] المواہب اللدنیہ مقصد عاشر فصل ثانی الترغیب فی زیارتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المکتبہ الاسلامی بیروت ۴/ ۵۷۱

فرمایا، جب شرف حضور پایا قبر انور کے حضور رونا اور منہ اس خاک پر ملنا شروع کیا، دونوں صاحبزادے حضرات حسین و حسن رضی اللہ تعالٰی علٰی جدہما وعلیہما وبارک وسلم تشریف لائے، بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ انھیں گلے لگا کر پیار کرنے لگے، شہزادوں نے فرمایا ہم تمھاری اذان کے مشتاق ہیں یہ سقفِ مسجد انور پر جہاں زمانہ اقدس میں اذان دیتے تھے گئے، جس وقت **اللہ اکبر اللہ اکبر** کہا تمام مدینہ میں لرزہ پڑگیا، جب **اشھد ان لا الٰہ الا اللہ** کہا مدینہ کا لرزہ دوبالا ہوا، جب اس لفظ پر پہنچے کہ **اشھد ان محمدرسول اللہ** کنواری نوجوان لڑکیاں پردوں سے نکل آئیں اور لوگوں میں غل پڑگیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مزار پر انوار سے باہر تشریف لے آئے، انتقالِ حضور محبوب ذی الجلال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی دن مدینہ منورہ کے مردوزن میں وہ رونا نہ پڑا تھا جو اس دن ہوا[1]۔

در نمازم خم ابروئے تو بریاد آمد حالتے رفت کہ محراب بفریاد آمد

(جب آپ کی کمانِ ابرو، مجھے نماز میں یاد آئی، تو بیخودی کی حالت میں مسجد آہ وبکا میں مصروف ہوگئی)

اور نیز وہ حدیث بھی مؤید وجوب ہوسکتی ہے جسے امام ابن عساکر اور امام ابن النجار نے کتاب الدرۃ الثمینہ میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ماامن احد من امتی لہ سعۃ ثم لم یزرنی فلیس لہ عذر[2]۔	میرا جو امتی باوصف مقدرت میری زیارت نہ کرے اس کے لیے کوئی عذر نہیں۔

حتی کہ بعض ائمہ شافعیہ زیارت شریفہ کو مثل حج فرض بتاتے ہیں، علامہ عبدالغنی بن احمد بن شاہ عبدالقدوس چشتی گنگوہی قدس سرہ شاگرد امام علامہ ابن حجر مکی رحمہم اللہ تعالٰی سنن الہدیٰ میں فرماتے ہیں: "میں نے اپنے استاذ ابن حجر (**ایّد اللہ الاسلام ببقائہ**) کو فرماتے سنا کہ زیارت شریفہ ہمارے بعض اصحاب شافعیہ کے نزدیک مثل حج واجب ہے اور ان کے نزدیک واجب فرض میں کچھ فرق نہیں۔"[3]

بالجملہ قول وجوب **من حیث الدلیل اظھر** اور نظر ایمانی میں اَحب وازہر ہے اور قریب وجوب کہ علمائے مذاہب اربعہ بلکہ خود امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منصوص اس کے قریب اور حکماً مقارب، اور قول سنت

---

[1] شفاء السقام الباب الثالث مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۵۳

[2] المواہب اللدنیہ مقصد عاشر فصل ثانی الترغیب فی زیارۃ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۵۷۱

[3] سنن الہدیٰ عبدالغنی بن احمد

اس کے منافی نہیں فقہاء واجب کو بھی "کہ سنت یعنی جو حدیث سے ثابت ہو" سنت بولتے ہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے نماز عید کو کہ حنفیّہ کے نزدیک واجب، ہے سنت کہا بلکہ اطلاق اعم میں مستحب ومندوب بھی واجبات کو شامل، اور فرض وواجب جبکہ حکم عمل واثم تارک میں مشارک، اور شافعیہ کے یہاں فرق اصطلاح نہیں توان کے نزدیک واجب پر اطلاع فرض اور حج سے تمثیل بعید نہیں، اس تقریر پر سب افعال متفق ہو جائیں گے اور بہ تصریح علماء مثل علامہ شامی وغیرہ ابدائے وفاق ابقائے خلاف، سے اولٰی اور بیشک وجوب وقرب وجوب کہ جمہور ائمہ مذاہب جس کی تصریح کرتے ہیں، تارک کے اثم پر یک زبان، بہرحال جزم کیا جاتا ہے کہ باجود قدرت تارک زیارت قطعًا محروم وملوم وبد بخت ومشوم وآثم وگنہگار وظالم وجفا کار ہے، **والعیاذ باللہ ممالا یرضاہ**، لاجرم سلفًا وخلفًا علماء دین وائمہ معتمدین تارک زیارت پر طعن شدید وتشنیع مدید کرتے آئے کہ ترک مستحب ہر گز نہیں ہوسکتی، علامہ رحمت اللہ علیہ رحمۃ اللہ تلمیذ امام ابن ہمام نے لباب میں فرمایا: "ترک زیارت بڑی غفلت اور سخت بے ادبی ہے۔"[1]

اور امام ابن حجر مکی قدس سرہ المکی نے توجوہر منظّم میں تارک زیارت پر قیامت کبرٰی قائم فرمائی، فرماتے ہیں رحمہ اللہ تعالٰی: "خبردار ہو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تجھے ترک زیارت سے حد درجہ ڈرایا اور اس کی آفتوں سے وہ کچھ بیان فرمایا کہ اگر تو اسے غور سے سمجھے تو اپنے اوپر ہلاکت وبدانجامی کا خوف کرے، حضور نے صاف فرمادیا کہ ترک زیارت جفا ہے۔ اور یونہی صحیح حدیث میں آیا کہ "میرا ذکر سن کر مجھ پر درود نہ پڑھنا جفا ہے۔" اس سے ثابت ہوا کہ باوجود قدرت ترک زیارت اور ذکر اقدس سن کر ترک درود، دونوں یکساں ہیں کہ دونوں جفا ہیں، تو تارک زیارت پر ان سب عذابوں اور شناعتوں کا خوف ہے جو تارک درود کے لیے حدیثوں میں آئیں کہ وہ شقی، نامراد ذلیل وخوار، مستحق نار، خدا ورسول سے دور ہے، اس پر ان سب عذابوں اور نیز مردود بارگاہ ہونے کی دعا جبریل امین وحضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمائی، وہ راہ جنت بھول گیا، حد بھر کا بخیل، ملعون، بے دین ہے، اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دیدار جمال جہاں آرا سے محروم رہے گا، **والعیاذ باللہ تبارك وتعالٰی** ان باتوں کو یاد کرکے اسے خبر دے جس نے باوصفِ قدرت براہ سستی وکسل، زیارت شریف نہ کی، شاید

---

[1] لباب المناسک مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۴

یہ سن کر ان برائیوں سے توبہ کرے اور اللہ تعالٰی کی طرف رجوع لائے، اپنے اس نبی پر جفانہ کرے جو اس کا اور تمام جہاں کا اللہ عزوجل کی طرف سے وسیلہ ہیں، اور ہم نے بہت تارکانِ زیارت بحال قدرت کو دیکھا کہ اللہ تعالٰی نے ان کے چہروں پر صریح محسوس تاریکی ظاہر کر دی اور نیکیوں میں انھیں ایسا سست کر دیا کہ عبادت چھوڑ کر دنیا میں پڑ گئے اور مرتے دم تک اس حال پر رہے[1]۔" (ملخصا) **والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالٰی۔**

اس کے بعد امام نے وہ سخت ہولناک واقعے لکھے جنھیں سن کر مسلمان کا دل کانپ اٹھے، اللہ تعالٰی اپنی امان میں رکھے صدقہ اپنے پیارے حبیب قریب مجیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا، آمین! مسلمان غور کرے جب تارک زیارت کا یہ حال، اس کے مانع یا منکر فضیلت کا کیا حال ہوگا! آفتاب سے زیادہ روشن کہ ایسا شخص گمراہ، بددین، خارق اجماع مسلمین، مستحق وعید شدید، **نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۱۱۵﴾**[2] (ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی، ت) ہے۔

امام ابن حجر افضل القرٰی میں فرماتے ہیں: "جو اس کی خوبی میں نزاع کرے گا اس کا نزاع کرنا دنیا و آخرت میں اس کی تباہی وروسیاہی کا باعث ہوگا[3]۔" امام سبکی شفاء السقام شریف میں فرماتے ہیں: "نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت واطراف عالم سے اس کی طرف سفر اعظم قربات الٰہی سے ہے جیسا کہ مدتوں سے شرق وغرب کے مسلمانوں میں معروف ہے، آج کل بعض مردود (یعنی ابن تیمیہ اور اس کے ہواخواہ) شیطان کے سکھائے سے اس میں شک ڈالنے لگے مگر ہیہات یہ مسلمان کے دل میں کہاں جگہ پاتی، یہ تو ایک مردود کی فتنہ پردازی ہے جس کا وبال اسی پر پڑے گا۔[4] امام احمد قسطلانی مواہب شریفہ میں فرماتے ہیں: "قبر مبارک کی زیارت بہت بڑی قربت اور بہت بڑی امید کی اطاعت اور نہایت بلند درجوں کی طرف راہ ہے جو اس کے خلاف اعتقاد کرے اس نے رسن اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا اور خدا اور رسول وجماعت مشاہیر ائمہ کا خلاف کیا۔"[5]

---

[1] جوہر منظّم ابن حجر مکی عربی فصل ثالث فی التحذیر من ترک زیارت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبعہ خیریہ مصر ص ۲۸ تا ۳۰

[2] القرآن ۴/۱۱۵

[3] افضل القرٰی

[4] شفاء السقام الباب السادس فی کون السفر الیہا قربۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۰۲

[5] المواہب اللدنیہ مقصد عاشر فصل ثانی الترغیب فی زیارۃ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المکتب الاسلامی بیروت ۴/۵۷۰

یہاں تک کہ بعض علماء صراحۃً زیارت شریفہ کے قربت ہونے کو ضروریاتِ دین سے اور اس کے منکر کو کافر بتاتے ہیں، درہ مضیہ مولٰنا علی قاری میں ہے: "بعض فضلاء نے مبالغہ کیا کہ فرماتے ہیں زیارت شریفہ کا قربت ہونا دین سے ضرورۃ معلوم ہے اور اس کے منکر پر کفر کا حکم۔"[1] علامہ شہاب الدین خفاجی مصری نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں فرماتے ہیں: "قبر اکرم سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت اور اس کی طرف سفر کو ابن تیمیہ اور اس کے اتباع مثل ابن قیم نے منع کیا اور یہ اس کا وہ کلام شنیع ہے جس کے سبب علماء نے اس کی تکفیر کی اور امام سبکی نے اس میں مستقل کتاب لکھی[2]۔"

اقول: قول تکفیر کی نفیس تقریر وعمدہ توجیہ مع جواب وجیہ فقیر غفر اللہ تعالٰی نے بتوفیق اللہ تعالٰی اصل فتوٰی میں ذکر کی، یہاں اس قدر کافی، مولٰی تعالٰی صدقہ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ان کی سچی محبت اور سچا ادب بخشے اور انہی کی محبت وتعظیم وادب وتکریم پر دنیا سے اٹھائے اور اپنے کرم عمیم وفضل عظیم سے دنیا وآخرت میں ان کی زیارت سے مشرف وبہرہ مند فرمائے آمین آمین یا ارحم الراحمین وصلی اللہ تعالٰی علی سید المرسلین محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

محمدی حنفی قادری

کتبہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ عند بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم

---

[1] درہ مضیہ
[2] نسیم الریاض فصل فی حکم زیارۃ قبرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام دار الفکر بیروت ۳/ ۵۱۴

انوارالبشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ ۱۳۲۹ھ
(حج وزیارت کے مسائل میں خوشی کی بہاریں)

الحمد للہ رب العالمین والصلٰوۃ والسلام علی رسولہ محمد واٰلہ واصحابہ اجمعین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

امّا بعد، یہ چند حروف ہدایت حجاج کے لیے ہیں، ان میں اکثر کتاب مستطاب جواہر البیان شریف تصنیف لطیف اقدس حضرت خاتم المحققین سیدنا ومولٰنا مولوی محمد نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی قدس سرہ الشریف سے التقاط[عہ] کئے ہیں، ۳ شوال ۱۳۲۹ھ کو والا جناب حضرت سید محمد احسن صاحب بریلوی نے فقیر احمد رضا خاں قادری غفرلہ سے فرمایا کہ ۱۰ شوال کو میرا ارادہ حج ہے بہت لوگ جاتے ہیں حج کا طریقہ اور آداب

عــہ: اور صدہا مسائل اپنے رسائل اور منسک متوسط وغیرہ سے اضافہ کیے ۱۲ منہ (م)

لکھ کر چھاپ دے، حضرت سید صاحب کے حکم سے بکمال استعجالی یہ چند سطور تحریر ہوئیں، امید کہ بہ برکت سادات کرام، اللہ تعالٰی قبول فرمائے اور مسلمان بھائیوں کو نفع پہنچائے، آمین!

فصل اوّل آداب سفر و مقدماتِ حج میں

(۱) جس کا قرض آتا ہو یا امانت پاس ہو ادا کرے، جن کے مال ناحق لیے ہوں واپس دے یا معاف کرائے، پتا نہ چلے تو مال فقیروں کو دے دے۔

(۲) نماز، روزہ، زکوۃ جتنی عبادات ذمہ پر ہوں ادا کرے اور تائب ہو۔

(۳) جس کی بے اجازت سفر مکروہ ہے جیسے ماں، باپ، شوہر، اسے رضامند کرے جس کا اس پر قرض آتا ہے، اس وقت نہ دے سکے تو اس سے بھی اجازت لے، پھر بھی حج کسی کی اجازت نہ دینے سے رک نہیں سکتا، اجازت میں کوشش کرے نہ ملے جب بھی چلا جائے،

(۴) اس سفر سے مقصود صرف اللہ و رسول ہوں۔

(۵) عورت کے ساتھ جب تک شوہر یا محرم بالغ قابل اطمینان نہ ہو جس سے نکاح ہمیشہ کو حرام ہے سفر حرام ہے، اگر کرے گی حج ہو جائے گا مگر ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا۔

(۶) توشہ مال حلال سے ہو ورنہ قبول حج کی امید نہیں اگرچہ فرض اتر جائے گا۔

(۷) حاجت سے زیادہ توشہ لے کر رفیقوں کی مدد اور فقیروں پر صدقہ کرتا چلے، یہ حج مبرور کی نشانی ہے۔

(۸) عام کتب فقہ بقدر کفایت ساتھ لے ورنہ کسی عالم کے ساتھ چلا جائے، یہ بھی نہ ملے تو کم از کم یہ رسالہ ہمراہ ہو۔

(۹) آئینہ، سُرمہ، کنگھا، مسواک ساتھ رکھے کہ سنت ہے،

(۱۰) اکیلا سفر نہ کرے منع ہے، رفیق دیندار ہو کہ بددین کی ہمراہی سے اکیلا بہتر ہے۔

(۱۱) حدیث میں ہے: جب تین آدمی سفر کو جائیں اپنے میں ایک کو سردار بنالیں [1]۔ اس میں کاموں کا انتظام رہتا ہے، سردار اسے بنائیں جو خوش خلق، عاقل دیندار ہو، سردار کو چاہئے رفیقوں کے آرام کو اپنی آسائش پر مقدم رکھے۔

چلتے وقت اپنے دوستوں عزیزوں سے ملے اور اپنے قصور معاف کرائے، اور ان پر لازم ہے کہ دل سے معاف کردیں، حدیث میں ہے کہ جس کے پاس اس کا مسلمان بھائی معذرت لائے واجب ہے

[1] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الجہاد باب آداب السفر مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۳۹

کہ قبول کرلے ورنہ حوضِ کوثر پر آنا نہ ملے گا۔[1]

(۱۳) وقتِ رخصت سب سے دعا لے کہ برکت پائے گا۔

(۱۴) ان سب کے دین، جان، اولاد، مال، تندرستی، عافیت خدا کو سونپے،

(۱۵) لباس سفر پہن کر گھر میں چار رکعت نفل، الحمد و قل سے پڑھ کر باہر نکلے، وہ رکعتیں واپس آنے تک اس کے اہل و مال کی نگہبانی کریں گی،

(۱۶) جدھر سفر کو جائے جمعرات یا ہفتہ یا پیر کا دن ہو، اور صبح کا وقت مبارک ہے، اور اہل جمعہ کو روز جمعہ قبل جمعہ سفر اچھا نہیں۔

(۱۷) دروازے سے باہر نکلتے ہی کہے:

بِسمِ عـــہ۱ اللّٰہِ وَاٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَتَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ وَلَاحَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ نَزِلَّ اَوْنَضِلَّ وَنُضَلَّ اَوْنَظْلِمَ اَوْنُظْلَمَ اَوْنَجْھَلَ اَوْیَجْھِلَ عَلَیْنَا اَحَد۔[2]

(۱۸) سب سے رخصت کے بعد اپنی مسجد سے رخصت ہو، وقتِ کراہت نہ ہو تو اس میں دو رکعت نفل پڑھے۔

(۱۹) چلتے وقت کہے: واپسی تک مال اور اہل و عیال محفوظ رہیں گے،

اَللّٰھُمَّ عـــہ۲ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ وَّعْثَاۤءِ السَّفَرِ وَکَاٰبَۃِ الْمُنْقَلَبِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ وَالْوَلَدِ[3]۔

عـــہ۱: ترجمہ: اللہ کے نام سے اور اللہ کی مدد سے، اور میں نے اللہ پر بھروسہ کیا، اور نہ گناہوں سے پھرنا نہ طاعت کی طاقت مگر اللہ تعالٰی کی توفیق سے، الٰہی! ہم تیری پناہ چاہتے ہیں اس سے کہ خود لغزش کریں یا دوسرا ہمیں لغزش دے یا خود بہکیں یا دوسرا بہکائے یا ظلم کریں یا ہم پر ظلم ہو یا جہل کریں یا ہم پر کوئی جہل کرے۔ (ت)

عـــہ۲: الٰہی! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں سفر کی مشقت اور واپسی کی بدحالی اور مال یا اولاد میں کوئی بری حالت نظر آنے سے ۱۲ (م)

---

[1] الترغیب والترہیب الترھیب ان یعتذر الی المرء اخوہ الخ مصطفی البابی مصر ۴۹۱/۳

[2] کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری فصل فی الوداع دار الکتاب العربی بیروت ص ۲

[3] کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری فصل فی الوداع دار الکتاب العربی بیروت ص ۳

(۲۰) اسی وقت تَبَّتْ کے سوا قُلْ یٰاسے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تک پانچ سورتیں سب مع بسم اللہ پڑھے، پھر آخر میں ایک بار بسم اللہ شریف پڑھ لے، راستے بھر آرام رہے گا۔

(۲۱) نیز اس وقت اِنَّ عــہ۱ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ[1] ایک بار پھر پڑھ لے بالخیر واپس آئے گا۔

(۲۲) ریل وغیرہ جس پر سوار ہو بِسْمِ اللہِ کہے پھر اَللہُ اَکْبَرُ اور سُبْحَانَ اللہِ تین تین بار، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ ایک بار، پھر کہے: عــہ۲ سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۝ وَ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝[2] اس کے شر سے بچے۔

(۲۳) ہر بلندی پر چڑھے اَللہُ اَکْبَر اور ڈھال میں اُترتے سُبْحَانَ اللہ۔[3]

(۲۴) جس منزل پر اترے عــہ۳ اَعُوْذُ بِكَلِمٰتِ اللهِ التَّامَّات كُلِّهَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ[4] کہے ہر نقصان سے بچے گا۔

(۲۵) جب وہ بستی نظر پڑے جس میں ٹھہرنا چاہتا ہے کہے:

عــہ۴ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ خَیْرَ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ وَخَیْرَ اَهْلِهَا وَخَیْرَ مَا فِیْهَا وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ وَشَرِّ اَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِیْهَا[5]۔ ہر بلا سے محفوظ رہے گا۔

ترجمہ: عــہ۱: بیشک وہ جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ضرور تجھے پھرنے کی جگہ واپس لائے گا۔ (م)

عــہ۲: پاکی ہے اسے جس نے اسے ہمارے بس میں کر دیا اور ہم میں اس کی طاقت نہ تھی بیشک ہم ضرور اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ (م)

عــہ۳: میں اللہ تعالٰی کی کامل باتوں کی پناہ مانگتا ہوں اس سب مخلوق کی شر سے۔ (م)

عــہ۴: الٰہی ہم تجھ سے مانگتے ہیں اس بستی کی بھلائی اور اس بستی والوں کی بھلائی اور اس بستی میں جو کچھ ہے اس کی بھلائی اور تیری پناہ مانگتے ہیں اس بستی کی برائی سے اور اس میں جو کچھ ہے اس کی بُرائی سے۔ (م)

---

[1] القرآن ۸۵/۲۸

[2] القرآن ۱۳/۴۳

[3] کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری فصل فی الرکوب دار الکتاب العربی بیروت ص ۳

[4] کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری فصل فی الرکوب دار الکتاب العربی بیروت ص ۳

[5] الاذکار امام نووی باب مایقول اذا رای قریۃ الخ فصل فی الرکوب ص ۲۰۱

(۲۶) جس شہر میں جائے وہاں کے سُنی عالموں اور باشرع فقیروں کے پاس ادب سے حاضر ہو، مزارات کی زیارت کرے، فضول سیر تماشے میں وقت نہ کھودے۔

(۲۷) جس عالم کی خدمت میں جائے وہ مکان میں ہو توآواز نہ دے باہر آنے کا انتظار کرے اس کے حضور بے ضرورت کلام نہ کرے، بے اجازت لیے مسئلہ نہ پوچھے، اس کی کوئی بات اپنی نظر میں خلاف شرع ہو تو اعتراض نہ کرے اور دل میں نیک گمان رکھے، مگر یہ سُنی عالم کے لیے، بدمذہب کے سامنے سے بھاگے۔

(۲۸) ذکرِ خدا سے دل بہلائے کہ فرشتہ ساتھ رہے گا، نہ کہ شعر ولغویات سے کہ شیطان ساتھ ہوگا، رات کو زیادہ چلے کہ سفر جلد طے ہوتا ہے۔

(۲۹) منزل میں راستے سے بچ کر اترے کہ وہاں سانپ وغیرہ موذیوں کا گزرنا ہوتا ہے۔

(۳۰) راستے پر پیشاب وغیرہ باعث لعنت ہے۔

(۳۱) منزل میں متفرق ہو کر نہ اتریں ایک جگہ اُتریں۔

(۳۲) ہر سفر خصوصاً سفرِ حج میں اپنے اور اپنے عزیزوں دوستوں کے لیے دعا سے غافل نہ رہے کہ مسافر کی دعا قبول ہے

(۳۳) جب دریا میں سوار ہو کہے:

عـــہ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۴۱﴾ وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَ الْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾[1] ڈوبنے سے محفوظ رہے گا۔ جب کسی مشکل میں مدد کی حاجت ہو تین بار کہے: یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ[2] اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، غیب سے مدد ہو گی، یہ حکم حدیث ہے۔

عـــہ: **ترجمہ:** اللہ کے نام سے ہے اس کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا، بیشک میرا رب ضرور بخشنے والا مہربان ہے، کافروں نے خدا ہی کی قدر جیسے چاہئے تھی نہ پہچانی، حالانکہ ساری زمین قیامت کے دن بہت حقیر سی کی طرح اس کے قبضہ میں ہے اور سب آسمان اس کی قدرت سے لپٹ جائیں گے، وہ پاک وبلند ہے ان کی شرکت سے ۱۲منہ (م)

---

[1] کتاب عمل الیوم واللیلۃ باب مایقول اذا ارکب فی السفینۃ مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ص ۱۳۴

[2] مجمع الزوائد باب مایقول اذاانفلتت دابتہ الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۱۳۲، کنزالعمال بحوالہ طب عن عتبہ بن غزوان حدیث ۱۷۴۹۸ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۷۰۹

(۳۴) عـــہ۱ یَاصَمَدُ ۱۳۴ بار روزانہ پڑھے بھوک وپیاس سے بچے گا۔

(۳۵) اگر دشمنی یا رہزن کا ڈر ہو لایلٰف پڑھے، ہر بلا سے امان رہے۔

(۳۶) سوتے وقت آیۃ الکرسی ایک بار ہمیشہ پڑھے کہ چور اور شیطان سے امان رہے،

(۳۷) اگر کوئی چیز گم ہوجائے تو کہے: عـــہ۲ یَاجَامِعَ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّارَیْبَ فِیْهِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَایُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ○ اِجْمَعْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ ضَالَّتِیْ[1]۔

ان شاء اللہ تعالٰی مل جائے گی۔

(۳۸) کرایہ کے اونٹ وغیرہ جو کچھ بار کرنا ہو اس کے مالک کو دکھائے اور اس سے زیادہ بغیر اس کی اجازت کے نہ رکھے۔

(۳۹) جانور کے ساتھ نرمی کرے، طاقت سے زیادہ کام نہ لے، بے سبب نہ مارے، نہ کبھی پونچھ پر مارے، حتی المقدور اس پر نہ سوئے کہ سونے کا بوجھ زیادہ ہوتا ہے، کسی سے بات وغیرہ کرنے کو کچھ دیر ٹھہرنا ہو تو اتر لے اگر ممکن ہو۔

(۴۰) صبح وشام اتر کر کچھ دیر پیادہ چل لینے میں دینی دنیوی بہت فائدے ہیں۔

(۴۱) بدوؤں اور سب عربوں سے بہت نرمی کے ساتھ پیش آئے، اگر وہ سختی کریں ادب سے تحمل کرے، اس پر شفاعت نصیب ہونے کا وعدہ فرمایا ہے، خصوصًا اہل حرمین خصوصًا اہل مدینہ، اہل عرب کے افعال پر اعتراض نہ کرے، نہ دل میں کدورت لائے، اس میں دونوں جہان کی سعادت ہے،

(۴۲) جمال یعنی اونٹ والوں کو یہاں کے کرایہ والے نہ سمجھے بلکہ اپنا مخدوم جانے اور کھانے پینے میں ان سے بخل نہ کرے کہ وہ ایسوں سے ناراض ہوتے ہیں اور تھوڑی بات میں بہت خوش ہوجاتے ہیں اور امید سے زیادہ کام آتے ہیں۔

(۴۳) سفر مدینہ طیبہ میں قافلہ نہ ٹھہرنے کے باعث بمجبوری ظہر وعصر ملا کر پڑھنی ہوتی ہے اس کے لیے لازم ہے

عـــہ:۱ **ترجمہ:** اے بے نیاز۔ (م)

عـــہ:۲ **ترجمہ:** اے یقینی دن کے لیے سب لوگوں کے جمع فرمانے والے بیشک اللہ تعالٰی وعدہ خلافی نہیں کرتا مجھے میری گمی چیز ملادے ۱۲منہ (م)

---

[1] درمنثور تحت آیۃ انک جامع الناس مکتبۃ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران ۹/۲

کہ ظہر کے فرضوں سے فارغ ہونے سے پہلے ارادہ کرلے کہ اسی وقت عصر پڑھوں گا، اور فرض ظہر کے بعد فوراً عصر کی نماز پڑھے یہاں تک کہ بیچ میں ظہر کی سنّتیں بھی نہ ہوں، اسی طرح مغرب کے ساتھ عشاء انہی شرطوں سے مغرب کے وقت نکلنے سے پہلے ارادہ کرلے کہ ان کو عصر وعشاء کے ساتھ پڑھوں گا۔

(۴۴) واپسی میں بھی وہی طریقہ ملحوظ رکھے جو یہاں تک بیان ہوا۔

(۴۵) مکان پر اپنے آنے کی تاریخ وقت کی اطلاع پہلے سے دے دے، بے اطلاع ہر گز نہ جائے خصوصًا رات میں۔

(۴۶) سب سے پہلے اپنی مسجد سے دو رکعت نفل کے ساتھ ملے۔

(۴۷) دو رکعت گھر میں آکر پڑھے پھر سب سے بکشادہ پیشانی ملے۔

(۴۸) دوستوں کے لیے کچھ نہ کچھ تحفہ ضرور لائے اور حاجی کا تحفہ تبرکات حرمین شریفین سے زیادہ کیا ہے اور دوسرا تحفہ دعا کہ مکان میں پہنچنے سے پہلے استقبال کرنے والوں اور سب مسلمانوں کے لیے کرے کہ قبول ہے۔

فصل دوم احرام اور اس کے احکام اور داخلی حرم محترم و مکہ مکرمہ و مسجد الحرام

(۱) ہندیوں کے لیے میقات (جہاں سے احرام باندھنے کا حکم ہے) کوہ یلملم کی محاذات ہے یہ جگہ کامران سے نکل کر سمندروں میں آتی ہے، جب جدہ دو تین میل رہ جاتا ہے جہاز والے اطلاع دیتے ہیں پہلے سے احرام کا سامان تیار کر رکھیں۔

(۲) جب وہ جگہ قریب آئے خوب مل کر نہائیں اور نہ نہاسکیں تو صرف وضو کرلیں۔

(۳) چاہیں مرد سر منڈالیں کہ احرام میں بالوں کی حفاظت سے نجات ملے گی ورنہ کنگھی کرکے خوشبودار تیل ڈالیں۔

(۴) ناخن کتریں، خط بنوائیں، موئے بغل وزیر ناف دور کریں۔

(۵) خوشبو لگائیں کہ سنت ہے۔

(۶) مرد سلے کپڑے اتاریں، ایک چادر نئی یا دُھلی اوڑھیں اور ایک ایسا ہی تہبند باندھیں، یہ کپڑے سفید بہتر ہیں۔

(۷) جب وہ جگہ آئے دو رکعت بہ نیتِ احرام پڑھیں، پہلی میں فاتحہ کے بعد قُلْ یَاۤاَیُّہَاالْکَافِرُوْن، دوسری میں قُلْ ھُوَ اللہ۔

(۸) اب حج تین طرح کا ہوتا ہے۔

ایک یہ کہ نرا حج کرے اسے افراد[۱] کہتے ہیں، اس میں بعد سلام یوں کہے:

عـــہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ نَوَیْتَ الْحَجَّ مُخْلِصًا لِلّٰہِ تَعَالٰی [1]۔

دوسرا یہ کہ یہاں سے نرے عمرے کی نیت کرے، مکہ معظّمہ میں حج کا احرام باندھے اسے تمتع کہتے ہیں اس میں بعد سلام یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْ ھَا لِیْ وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ نُوَیْتُ الْعُمْرَۃَ مُخْلِصًا لِلّٰہِ تَعَالٰی [2]۔

تیسرا یہ کہ حج وعمرہ کی یہیں سے نیت کرے اور یہ سب سے افضل ہے اسے قران کہتے ہیں، اس میں بعد سلام یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْ ھُمَا لِیْ وَتَقَبَّلْھُمَا مِنِّیْ نُوَیْتُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ تَعَالٰی [3]۔

اور تینوں صورتوں میں اس نیت کے بعد لبیک بآوازِ بلند کہے، لبیک یہ ہے:

لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ ط لَبَّیْكَ لاَ شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ ط اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَكَ وَالْمُلْكَ ط لاَ شَرِیْكَ لَكَ ط [4]

(۹) یہ احرام تھا اس کے ہوتے ہی یہ کام حرام ہوگئے۔

عورت سے [۱]صحبت، [۲]بوسہ، [۳]مساس، [۴]گلے لگانا، اس کی [۵]اندام نہانی پر نگاہ، جبکہ یہ چاروں باتیں بشہوت ہوں، [۶]عورتوں کے سامنے اس کا نام لینا، [۷]فحش گناہ، ہمیشہ حرام تھے اب اور سخت حرام ہوگئے، کسی سے [۸]دینوی لڑائی جھگڑا، [۹]جنگل کا شکار، اس کی طرف شکار کرنے کو [۱۰]اشارہ کرنا یا [۱۱]کسی طرح بتانا، بندوق

عـــہ: **ترجمہ:** الٰہی! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے میرے لیے آسان کردے اور مجھ سے قبول فرما، میں نے خاص اللہ تعالٰی کے لیے حج کی نیت کی۔ (م)

---

[1] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل یصلی رکعتین بعد اللبس دار الکتاب العربی بیروت ص ۶۹
[2] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل یصلی رکعتین بعد اللبس دار الکتاب العربی بیروت ص ۷۰
[3] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل یصلی رکعتین بعد اللبس دار الکتاب العربی بیروت ص ۷۰
[4] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل یصلی رکعتین بعد اللبس دار الکتاب العربی بیروت ص ۶۹

یا [۱۲] بارود یا اس کے ذبح کے لیے [۱۳] چھری دینا، [۱۴] اس کے انڈے توڑنا، [۱۵] پر اکھاڑنا، [۱۶] پاؤں یا بازو توڑنا، اس کا [۱۷] دودھ دوہنا، اس کا گوشت یا [۱۸] انڈے پکانا، [۱۹] بھوننا، [۲۰] بیچنا، [۲۱] خریدنا، [۲۲] کھانا، [۲۳] ناخن کترنا، [۲۴] سر سے پاؤں تک کہیں سے کوئی بال جدا کرنا، [۲۵] منہ یا [۲۶] سر کسی کپڑے وغیرہ سے چھپانا، [۲۷] بستر یا کپڑے عــہ کی بقچی یا گٹھڑی سر پر رکھنا، [۲۸] عمامہ باندھنا، [۲۹] برقع و دستانے پہننا، [۳۰] موزے یا جرابیں وغیرہ جو پنڈلی اور [۳۱] اقدام کے جوڑ کو چھپائے پہننا، [۳۲] سِلا کپڑا پہننا، [۳۳] خوشبو بالوں یا [۳۴] بدن یا کپڑوں میں لگانا، [۳۵] ملاگیری یا کسم کیسر غرض کسی خوشبو کے رنگے [۳۶] کپڑے پہننا جبکہ ابھی خوشبو دے رہے ہوں، [۳۷] خالص خوشبو مشک، عنبر، زعفران، جاوتری، لونگ، الائچی، دار چینی، زنجبیل وغیرہ کھانا، [۳۸] ایسی خوشبو کا آنچل میں باندھنا [۳۹] جس میں فی الحال مہک ہو، [۴۰] جیسے مشک، عنبر، زعفران، سر یا ڈاڑھی خطمی یا کسی [۴۱] خوشبودار ایسی چیز سے دھونا [۴۲] جس سے جوئیں مر جائیں، [۴۳] وسمہ یا [۴۴] مہندی کا خضاب لگانا، گوند وغیرہ سے [۴۵] بال جمانا، زیتون یا تل کا [۴۶] تیل اگرچہ بے خوشبو ہو [۴۷] بدن یا بالوں میں لگانا، کسی کا [۴۸] سر مونڈنا اگرچہ اس کا احرام نہ ہو، [۴۹] جوں مارنا پھینکنا، کسی کو اس کے مارنے کا اشارہ کرنا، کپڑا اس کے مارنے [۵۰] کو دھونا یا [۵۱] دھوپ میں ڈالنا، بالوں [۵۲] میں پارہ وغیرہ اس کے [۵۳] مرنے کو لگانا، غرض جوں کے ہلاک پر کسی پر کسی طرح باعث ہونا،

(۱۰) احرام میں یہ باتیں مکروہ ہیں:

بدن کا میل چھڑانا، بال یا بدن کھلی یا صابون وغیرہ بے خوشبو کی چیز سے دھونا، کنگھی کرنا، اس طرح کھجانا کہ بال ٹوٹے یا جوں گرے، انگرکھا، کُرتا یا چُغہ پہننے کی طرح کندھوں پر ڈالنا، خوشبوں کی دھونی دیا ہوا کپڑا کہ ابھی خوشبو دے رہا ہوں پہننا، اوڑھنا، قصداً خوشبو سونگھنا اگرچہ خوشبودار پھل یا پتہ ہو جیسے لیموں، نارنگی، پودینہ، عطردانہ، سر یا منہ پر پٹی باندھنا، غلاف کعبہ مکہ معظّمہ کے اندر اس طرح داخل ہونا کہ غلاف شریف سر یا منہ سے لگے، ناک وغیرہ منہ کا کوئی حصہ کپڑے سے چھپائے، یا کوئی ایسی چیز کھانا پینا جس میں خوشبو پڑی ہو اور نہ ہو پکائی گئی ہو نہ زائل ہو گئی ہو، بے سلا کپڑا رفو کیا یا پیوند لگا ہوا پہننا، تکیہ پر منہ رکھ کر

عــہ: لو حمل المحرم علی راسه شیأ یلبسه الناس یکون لابسا، وان کان لا یلبسه الناس کالا جانة ونحوه فلا[1] اھ ش عن النھر والخانیة منه (م)

اگر محرم نے کئی ایسی شیئ اٹھائی جسے لوگ پہنتے ہیں تو اب لباس پہننے والا سمجھا جائیگا، اور اگر لوگ اسے نہیں پہنتے مثلاً ٹب وغیرہ تو اب لابس نہ ہوگا، اھ ش نہر اور خانیہ کے حوالے سے ہے۔ ۱۲ منہ (ت)

[1] ردالمحتار فصل فی الاحرام مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۷۶

اوندھا لیٹنا، مہکتی خوشبو ہاتھ سے چھونا جبکہ ہاتھ میں نہ لگ جائے ورنہ حرام ہے، بازو یا گلے پر تعویز باندھا اگرچہ بے سلے کپڑے میں لپیٹ کر، بلاعذر بدن عہ پر پٹی باندھنا، سنگھار کرنا، چادر اوڑھ کر اس کے آنچلوں میں گرہ دے لینا، تہبند باندھ کمر بند سے کسنا،

(۱۱) یہ باتیں احرام میں جائز ہیں:

انگرکھا، کُرتا، چغہ لپیٹ کر اوپر سے اس طرح ڈال لینا کہ سر اور منہ نہ چھپے، ان چیزوں یا پاجامہ کا تہبند باندھنا، ہمیانی یا پٹی باندھنا، بے میل چڑائے حمام کرنا، کسی چیز کے سائے میں بیٹھنا، چھتری لگانا، انگوٹھی پہننا، بے خوشبو کا سرمہ لگانا، فصد بغیر بال مونڈے، پچھنے لینا، آنکھ میں جو بال نکلے اسے جدا کرنا، سر یا بدن اس طرح کھجانا کہ بال نہ ٹوٹے، جوں نہ گرے، احرام سے پہلے جو خوشبو لگائی اس کا لگا رہنا، پالتو جانور اونٹ، گائے، بکری، مرغی کا ذبح کرنا، پکانا، کھانا، اس کا دودھ دوہنا، انڈے توڑنا، بھوننا، کھانا، کھانے کے لیے مچھلی کا شکار کرنا، کسی دریائی جانور کا مارنا دوا یا غذا کے لیے نہ ہو، نری تفریح منظور ہو جس طرح لوگوں میں رائج ہے تو شکار دریا ہو یا جنگل خود ہی حرام ہے، اور احرام میں سخت تر حرام، منہ اور سر کا سوا کسی اور جگہ زخم پر پٹی باندھنا، سر یا گال کے نیچے تکیہ رکھنا، سر یا ناک پر اپنا یا دوسرے کا ہاتھ رکھنا، کان کپڑے سے چھپانا، ٹھوڑی سے نیچے داڑھی پر کپڑا آنا، سر پر سینی اور بوری اٹھانا، جس کھانے کے پکنے میں مشک وغیرہ پڑے ہوں اگرچہ خوشبو دیں یا بے پکائے جس میں خوشبو ڈالی اور وہ بو نہیں دیتی اس کا کھانا پینا، گھی یا چربی یا کڑوا تیل یا ناریل یا بادام یا کدو یا کاہو کا تیل کہ بسا یا نہ ہو بدن یا بالوں میں لگانا، خوشبو کے رنگے کپڑے پہننا جبکہ ان کی خوشبو جاتی رہی ہو

عــــہ: یکرہ تعصیب راسہ ولو عصبہ یوما او لیلا فعلیہ صدقۃ ولا شیئ علیہ لو عصب غیرہ من بدنہ لعلۃ او لغیر علۃ لکنہ یکرہ بلا علۃ[1] اھ فتح القدیر منہ (م)

اگر کسی نے سر پر یا ایڑی پر پٹی باندھی اگرچہ ایک دن یا رات ہو تو اس پر صدقہ ہوگا، اور اگر سر کے علاوہ جسم کے کسی اور حصہ پر پٹی باندھی خواہ کسی تکلیف کی وجہ سے تھی یا بلاوجہ، تو کوئی شیئ لازم نہ ہوگی، ہاں بلاوجہ باندھنا مکروہ ہوگا، اھ فتح القدیر ۱۲منہ (ت)

---

[1] فتح القدیر باب الاحرام مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۴۹

مگر کسم کیسر کا رنگ مرد کو ویسے ہی حرام ہے، دین کے لیے لڑنا جھگڑنا بلکہ حسب حاجت فرض وواجب ہے، جوتا پہننا جو پاؤں کے جوڑ کو نہ چھپائے، بے سلے کپڑے میں لپیٹ کر تعویز گلے میں ڈالنا، آئینہ دیکھنا، ایسی خوشبو کا چھونا جس میں فی الحال مہک نہیں جیسے اگر لوبان، صندل یا اس کا آنچل میں باندھنا، نکاح کرنا،

(۱۲) ان مسائل میں مرد وعورت برابر ہیں مگر عورت کو چند باتیں جائز ہیں: سر چھپانا، بلکہ نامحرم کے سامنے اور نماز میں فرض ہے تو سر پر بستر بقچہ اٹھانا، بدرجہ اولیٰ، گوند وغیرہ سے بال جمانا، سر وغیرہ پر پٹی خواہ بازو یا گلے پر تعویز باندھنا اگرچہ سی کر، غلافِ کعبہ کے اندر یوں داخل ہونا کہ سر پر رہے منہ پر نہ آئے، دستانے موزے سلے کپڑے پہننا، عورت اتنی آواز سے لبیک نہ کہے کہ نامحرم سنے، ہاں اتنی آواز ہر پڑھنے میں ہمیشہ سب کو ضرور ہے کہ اپنے کان تک آواز آئے،

تنبیہ: احرام میں منہ چھپانا عورت کو بھی حرام ہے، نامحرم کے آگے کوئی پنکھا وغیرہ منہ سے بچا ہوا سامنے رکھے۔

(۱۳) جو باتیں احرام میں ناجائز ہیں وہ اگر کسی عذر سے یا بھول کر ہوں تو گناہ نہیں، مگر ان پر جو جرمانہ مقرر ہے ہر طرح دینا آئے گا اگرچہ بے قصد ہوں سہواً یا جبراً یا سوتے میں۔

(۱۴) وقت احرام سے رمی جمرہ تک (جس کا ذکر آئے گا) اکثر اوقات لبیک کی بے شمار کثرت رکھے خصوصاً چڑھائی پر چڑھتے اترتے، دو قافلوں کے ملتے، صبح وشام، پچھلی رات، پانچویں نمازوں کے بعد مرد بآواز کہیں مگر اتنی بلند کہ اپنے آپ یا دوسرے کو تکلیف نہ ہو،

(۱۵) جب حرم کے متصل پہنچے سر جھکائے، آنکھیں شرم گناہ سے نیچی کیے خشوع وخضوع سے داخل ہو، اور ہوسکے تو پیادہ ننگے پاؤں اور لبیک ودعا کی کثرت رکھے، اور بہتر یہ کہ دن کو داخل ہو نہا کر،

(۱۶) مکہ مکرمہ کے گرداگرد کئی کوس کا جنگل ہے، ہر طرف اس کی حدیں بنی ہوئی ہیں ان حدوں کے اندر تر گھاس اکھاڑنا، خودرو پیڑ کا کاٹنا، وہاں عــہ کے وحشی جانوروں کو تکلیف دینا حرام ہے۔ یہاں تک کہ اگر سخت دھوپ ہو اور ایک ہی پیڑ ہے اس کے سایہ میں ہرن بیٹھا ہے تو جائز نہیں کہ اپنے بیٹھنے کے لیے اسے اٹھائے، اور اگر کوئی وحشی جانور بیرونِ حرم کا اس کے ہاتھ میں تھا اسے لیے ہوئے حرم میں داخل ہوگیا، اب وہ جانور حرم کا ہوگیا، فرض ہے کہ فوراً اسے آزاد کرے، مکہ معظّمہ میں جنگلی کبوتر بکثرت ہیں ہر مکان میں

عــہ: چیل، کوا، چوہا، چھپکلی، سانپ، بچھو، کھٹمل، مچھر، پسو وغیرہ خبیث اور موذی جانوروں کا قتل حرم میں بھی جائز ہے اور احرام میں بھی (م)

رہتے ہیں خبر دار ہر گز انھیں نہ اڑائے نہ ڈرائے نہ کوئی ایذا پہنچائے، بعض ادھر اُدھر کے لوگ جو مکے میں بسے کبوتروں کاادب نہیں کرتے، ان کی ریس نہ کرے، مگر برا انھیں بھی نہ کہے، جب وہاں کے جانوروں کاادب ہے تو مسلمانوں انسان کا کیا کہنا،

(۱۷) جب رب العالمین جل جلالہ، کا شہر نظر پڑے ٹھہر کر دعا مانگے اور درود شریف کی کثرت کرے اور افضل یہ ہے کہ نہا دھو کر داخل ہو اور مدفونین جنت المعلٰی کے لیے فاتحہ پڑھے،

(۱۸) جب مدعٰی میں پہنچے جہاں کعبہ معظّمہ نظر آئے اللہ اکبر یہ عظیم قبول واجابت کا وقت ہے صدق دل سے اپنے اور تمام عزیزوں دوستوں مسلمانوں کے لیے مغفرت وعافیت مانگے، اور فقیر دعائے جامع عرض کرتا ہے درود شریف کی کثرت کرے اور اسے کم از کم تین بار پڑھیں،

عــہ۱ اَللّٰھُمَّ ھٰذَا بَیْتُكَ وَاَنَاعَبْدُكَ اَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَلِعَبْدِكَ اَحْمَدَ رَضَا اِبْنِ نقی عَلِی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْھُمَا وَارْحَمْھُمَا وَانْصُرْہُ نَصْرًا عَزِیْزًا

پھر درود شریف پڑھیں۔

(۱۹) یونہی ذکر خدا اور رسول اور اپنے تمام مسلمانوں کے لیے دعائے فلاح دارین کرتا ہوا باب السلام تک پہنچے اور اس آستانہ پاک کو بوسہ دے کر داہنا پاؤں پہلے رکھ کر داخل ہو اور کہے:

عــہ۲ بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔

عــہ۱: **ترجمہ**: الٰہی! یہ تیرا گھر ہے اور میں تیرا بندہ، الٰہی! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں، گناہوں کی معافی اور دین و دنیا وآخرت میں ہر بلا سے محفوظی اپنے لیے اور اپنے ماں باپ اور سب مردوں عورتوں اور تیرے حقیر بندے احمد رضا خاں علی کے لیے، الٰہی! اس کی زبردست امداد فرما، آمین!

عــہ۲: اللہ کے نام سے اور سب خوبیاں خدا کو اور رسول اللہ پر سلام، الٰہی درود بھیج ہمارے آقا محمد اور ان کی آل اور ان کی بیبیوں پر، الٰہی! میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ (م)

(۲۰) یہ دعا خوب یاد رکھے جب کبھی مسجد الحرام شریف خواہ مسجد میں داخل ہو اسی طرح جائے اور یہ دعا پڑھے، اور جب کسی مسجد سے باہر آئے پہلے بایاں پاؤں باہر رکھے اور یہی دعا پڑھے مگر اخیر میں رَحْمَتِكَ کی جگہ فَضْلِكَ کہے اور یہ لفظ اور بڑھائے: وَسَهِّلْ عــه اَبْوَابَ رِزْقِكَ۔ اس کی برکات دین ودنیا میں بے شمار ہیں۔ والحمد للہ۔

فصل سوم طواف وسعی صفا ومروہ کا بیان

اب کہ مسجد الحرام میں داخل ہوا اگر جماعت قائم یا نماز فرض خواہ وتر یا سنتِ موکدہ کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو، تو سب کاموں سے پہلے متوجہ طواف ہو، کعبہ شمع ہے اور تو پروانہ، دیکھتا نہیں کہ پروانہ شمع کے گرد کیسے قربان ہوتا ہے تو بھی اس شمع پر قربان ہونے کے لیے مستعد ہو جا، پہلے اس مقام کریم کا نقشہ دیکھے کہ جو بات کہی جائے خوب ذہن میں آجائے۔
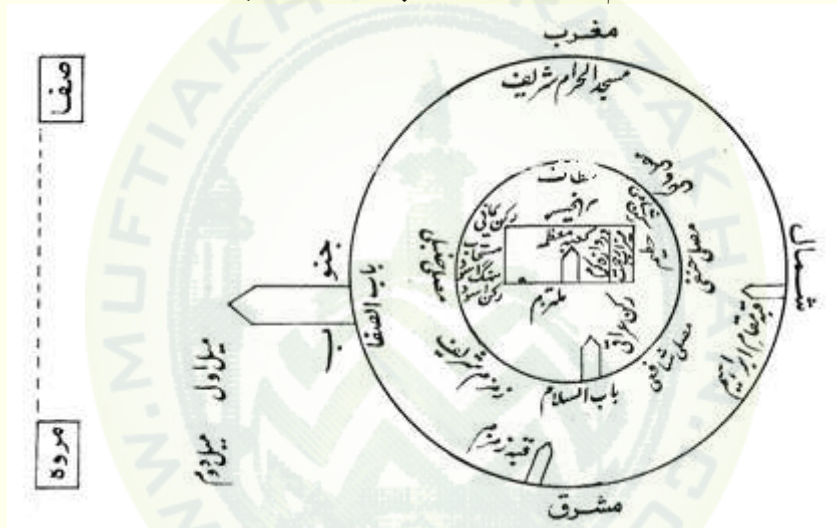
مسجد الحرام ایک گول وسیع احاطہ ہے، جس کے کنارے کنارے بہ کثرت دالان اور آنے جانے کے دروازے ہیں اور بیچ میں مطاف ایک گول دائرہ ہے جس میں سنگ مرمر بچھا ہے اس کے بیچ میں کعبہ معظّمہ ہے بنی صلی اللہ

عــه: اپنے رزق کے دروازوں میں آسانی فرما۔ (ت)

تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد الحرام اسی قدر تھی، اس کی حد پر باب السلام شرقی قدیم دروازہ واقع ہے، رکن مکان کا گوشہ جہاں اس کی دو دیواریں ملتی ہیں جسے زاویہ کہتے ہیں، اس طرح ا______ح ب اح، ح ب دونوں دیواریں مقام ح پر ملی ہیں۔ یہ رکن زاویہ ہے، کعبہ معظّمہ کے چار رکن ہیں، رکنِ اسود جنوب مشرق کے گوشہ میں، اسی میں زمین سے اونچا سنگ اسود شریف نصب ہے، رکن عراق مشرق وشمال کے گوشہ میں، دروازہ کعبہ انہی دونوں رکنوں کے بیچ کی شرقی دیوار میں زمین سے بہت بلند ہے۔ ملتزم اسی شرقی دیوار کا وہ ٹکڑا جو رکن اسود سے دروازہ کعبہ معظّمہ تک ہے، رکن شامی شمال مغرب کے گوشہ میں، میزاب رحمت، سونے کا پرنالہ رکن شامی وعراقی کے بیچ کی شمالی دیوار پر چھت میں نصب ہے، حطیم بھی اسی شمالی دیوار کی طرف ہے، یہ زمین [عہ] کعبہ معظّمہ ہی کی تھی، زمانہ جاہلیت میں جب قریش نے کعبہ از سر نو بنایا، کمی خرچ کے باعث اتنی زمین کعبہ معظّمہ سے باہر چھوڑ دی، اس کے گرداگرد ایک قوسی انداز کی چھوٹی سی دیوار کھینچ دی اور دونوں طرف آمد ورفت کا دروازہ ہے۔ اور یہ مسلمانوں کی خوش نصیبی ہے اس میں داخل ہونا کعبہ معظّمہ ہی میں داخل ہونا ہے جو **بحمد اللہ تعالٰی** بے تکلیف نصیب ہوتا ہے، رکن یمانی غروب وجنوب کے گوشہ میں **مستجاب** رکن عراق ویمانی کے بیچ کی غربی دیوار کا وہ ٹکڑا جو ملتزم کے مقابل ہے، مستجاب رکن یمانی اور رکن اسود کے بیچ میں جو دیوار جنوبی ہے یہاں ستر ہزار فرشتے دعا پر آمین کہنے کے لیے مقرر ہیں، فقیر نے اس کا نام مستجاب رکھا، مقامِ ابراہیم دروازہ کعبہ کے سامنے ایک قبہ میں وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کعبہ بنایا تھا ان کے قدم پاک کا اس پر نشان ہو گیا جو اب تک موجود ہے اور جسے اللہ تعالٰی نے **آیات بینات** اللہ تعالٰی کی کھلی نشانیا فرمایا۔ زمزم شریف کا قبہ اس سے جنوب کو مسجد شریف میں واقع ہے، **باب الصفا** مسجد شریف کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس سے نکل کر سامنے کوہ صفا ہے صفا کعبہ معظّمہ سے جنوب کو ایک پہاڑی تھی کہ زمین میں چھپ گئی ہے، اب وہاں قبلہ رخ ایک دالان بنادیا ہے اور چڑھنے کی سیڑھیاں۔ مروہ دوسری پہاڑی صفا سے پورب کو تھی، یہاں بھی قبلہ رخ دالان بنادیا ہے اور سیڑھیاں۔ صفا سے مروہ تک جو فاصلہ ہے اب یہاں بازار ہے۔ صفا سے چلتے ہوئے دہنے ہاتھ کو دکانیں اور بائیں ہاتھ کو احاطہ مسجد الحرام ہے۔ **میلین اخضرین** اس فاصلہ کے وسط میں دیوار حرم شریف میں دو سبز میل نصب ہیں، جیسے میل کے شروع میں پتھر لگا ہوتا ہے، **مسعی** وہ فاصلہ کہ ان دونوں میلوں کے بیچ میں ہے، یہ سب صورتیں رسالہ میں بار بار لکھ کر خوب ذہن نشین کرلیجئے کہ وہاں پہنچ کر پوچھنے کی حاجت

عہ: جنوباً شمالاً چھ ہاتھ کعبہ کی زمین ہے اور بعض کہتے ہیں سات ہاتھ اور بعض کا خیال ہے کہ سارا حطیم ہے۔ (م)

نہ ہو، ناواقف آدمی اندھے کی طرح کام کرتا ہے اور جو سمجھ لیا وہ انکھیارا ہے۔اب اپنے رب عزوجل کا نام پاک لے کر طواف کیجئے۔

(۱) شروع طواف سے پہلے مرد اضطباع کرے یعنی چادر کی سیدھی جانب دہنی بغل کے نیچے سے نکالے کہ سیدھا شانہ کھلا رہے اور دونوں آنچل بائیں کندھے پر ڈال لے۔

(۲) اب روبہ کعبہ حجر اسود کی دہنی طرف رکن یمانی کی جانب سنگ اسود کے قریب یوں کھڑے ہو کہ تمام پتھر اپنے سیدھے ہاتھ کو رہے۔پھر طواف کی نیت کرو:

اللھم [عـــہ۱] **انی ارید طواف بیتك المحرم فیسرہ لی وتقبلہ منی۔**

(۳) اس نیت کے بعد کعبہ کو منہ کیے اپنی داہنی سمت چلو،جب سنگ اسود کے مقابل ہو (اور یہ بات ادنی حرکت میں حاصل ہو جائے گی) کانوں تک ہاتھ اس طرح اٹھاؤ کہ ہتھیلیاں حجر کی طرف رہیں اور کہو:

بسم [عـــہ۲] **اللہ والحمد للہ واللہ اکبر ط والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ۔** [1]

(۴) میسر ہوسکے تو حجر اسود مطہر پر دونوں ہتھیلیاں اور ان کے بیچ میں منہ رکھ کر یوں بوسہ دو کہ آواز پیدا ہوسکے۔تین بار ایسا ہی کرو،یہ نصیب ہو تو کمال سعادت ہے،یقینا تمھارے محبوب و مولی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے بوسہ دیا اور روئے اقدس اس پر رکھا ہے زہے خوش نصیبی کہ تمھارا منہ وہاں تک پہنچے،اور ہجوم کے سبب نہ ہوسکے تو نہ اوروں کو ایذا دو اور نہ آپ دبو کچلو،بلکہ اس کے عوض ہاتھ سے اور ہاتھ نہ پہنچے تو لکڑی سے سنگ اسود مبارک چھو کر اسے چوم لو،اور یہ بھی نہ بن پڑے تو ہاتھوں سے اس کی طرف اشارہ کرکے اسے بوسہ دے،محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے منہ رکھنے کی جگہ پر نگاہ پڑ رہی ہے یہی کیا کم ہے!

(۵) **اللھم** [عـــہ۳] **ایمانا بك واتباعا لسنۃ نبیك محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم** [2]

عـــہ ۱:اے اللہ! میں تیرے مبارک و معزز گھر کا طواف کرنے لگا ہوں اسے میرے لیے آسان فرما اور اسے میری طرف سے قبول فرما۔(ت)

عـــہ۲: اللہ کے نام سے،تمام حمد اللہ کے لیے،اللہ سب سے بڑا ہے اور صلوٰۃ وسلام ہو اللہ کے رسول پر (ت)

عـــہ۳:الہی تجھ پر ایمان لاکر اور تیرے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی پیروی کو یہ طواف کرتا ہوں ۱۲منہ (م)

---

[1] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل فی صفۃ الشروع فی الطواف دار الکتاب العربی بیروت ص ۸۹

[2] الاذکار امام نووی فصل فی اذکار الطواف دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۶۷

کہتے ہوئے در کعبہ تک بڑھو، جب حجر مبارک کے سامنے سے گزر جاؤ سیدھے ہولو خانہ کعبہ کو اپنے بائیں ہاتھ پر لے کر یوں چلو کہ کسی کو ایذا نہ دو۔

(۶) مرد رمل کرتا چلے یعنی جلد جلد چھوٹے قدم رکھتا شانے ہلاتا جیسے قوی و بہادر لوگ چلتے ہیں، نہ کودتا نہ دوڑتا، جہاں زیادہ ہجوم ہو جائے اور رمل میں اپنی یا غیر کی اُیذا ہو اتنی دیر رمل ترک کرو۔

(۷) طواف میں جس قدر خانہ کعبہ سے نزدیک ہو بہتر ہے، مگر نہ اتنے کہ پشتہ دیوار پر جسم یا کپڑا لگے اور نزدیکی میں کثرت ہجوم کے سبب رمل نہ ہو سکے تو دوری بہتر ہے۔

(۸) جب ملتزم، پھر رکن عراقی، پھر میزاب الرحمۃ، پھر رکن شامی کے سامنے آؤ تو یہ سب دعا کے مواقع ہیں ان کے لیے خاص خاص دعائیں کہ جو جواہر البیان شریف میں مذکور ہیں سب کا یاد کرنا دشوار ہے اس سے وہ اختیار کرو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سچے وعدے سے تمام دعاؤں سے بہتر وافضل ہیں یعنی یہاں اور تمام مواقع میں اپنے لیے دعا کے بدلے اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا یکفی همك و یغفر لك ذنبك[1]۔ ایسا کرے گا تو اللہ تعالٰی تمھارے سب کام بنادے گا اور تیرے گناہ معاف فرمادے گا۔

(۹) طواف میں دعا و درود کے لیے رکو نہیں بلکہ چلتے میں پڑھو۔

(۱۰) دعا و درود چلا چلا کر نہ پڑھو جس طرح مطوف پڑھاتے ہیں بلکہ آہستہ اس قدر کہ اپنے کان تک آواز آئے۔

(۱۱) جب رکن یمانی کے پاس آؤ تو اسے دونوں ہاتھ یا دہنے ہاتھ سے تبرکاً چھوؤ، نہ صرف بائیں ہاتھ سے، اور چاہو تو اسے بوسہ بھی دو، اور نہ ہو سکے تو لکڑی سے چھونا یا اشارہ کرکے ہاتھ چومنا نہیں۔

(۱۲) جب اس سے بڑھو تو یہ مستجاب جہاں ستر ہزار فرشتے دعا پر آمین کہیں گے وہی دعائے جامع پڑھئے یا اپنے اور سب احباب و مسلمین اور اس حقیر و ذلیل کی نیت سے صرف درود شریف کافی ہے۔

(۱۳) اب جو دوبارہ حجر تک آئے یہ ایک پھیرا ہوا، یونہی سات پھیرے کرو، مگر باقی پھیروں میں وہ نیت کرنا نہیں کہ نیت تو ابتداء میں ہو چکی، اور رمل صرف اگلے تین پھیروں میں ہے، اور باقی چار میں آہستہ بے جنبش شانہ معمولی چال سے چلو۔

[1] الترغیب والترھیب الترغیب فی اکثار الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۰۵

(۱۴) جب ساتوں پھیرے ہو جائیں آخر میں پھر حجر کو بوسہ دو یا وہی طریقے ہاتھ یا لکڑی کے برتو۔

(۱۵) بعد طواف مقام ابراہیم میں آکر آیہ کریمہ عـــہ۱ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی [1] پڑھ کر دو رکعت طواف کہ واجب ہیں قُلْ یٰۤا اور قُلْ هُوَ اللّٰه سے پڑھو، اگر وقت کراہت مثلاً طلوع صبح سے بلندی آفتاب تک یا دوپہر یا نماز عصر کے بعد غروب تک نہ ہو ورنہ وقت نکل جانے پر بعد کو پڑھو، یہ رکعتیں پڑھ کر دعا مانگو، یہاں حدیث میں ایک دعا ارشاد ہوئی جس کے فائدوں کی عظمت اس سے کہنا ہی چاہتی ہے:

اَللّٰهُمَّ عـــہ۲ اِنَّكَ تَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِیْ وَتَعْلَمُ حَاجَتِیْ فَاَعْطِنِیْ سُؤْلِیْ وَتَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِیْمَانًا یُّبَاشِرُ قَلْبِیْ وَیَقِیْنًا صَادِقًا حَتّٰی اَعْلَمَ اَنَّه، لَا یُصِیْبُنِیْ اِلَّا مَا كَتَبْتَ لِیْ وَارْضٰی مِنَ الْمَعِیْشَةِ بِمَا قَسَمْتَ لِیْ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ [2]

حدیث میں ہے اللہ تعالٰی عزوجل فرماتا ہے جو یہ دعا کرے گا اس کی خطا بخش دوں گا، غم دور کروں گا، محتاجی سے نکالوں گا، ہر تاجر سے بڑھ کر اس کی تجارت رکھوں گا، دنیا ناچار و مجبور اس کے پاس آئے گی گو وہ اسے نہ چاہے۔

(۱۶) پھر ملتزم پر جاؤ اور قریب حجر اس سے لپٹو اور اپنا سینہ اور پیٹ اور کبھی دہنا رخسارہ کبھی بایاں رخسارہ اس پر رکھو اور دونوں ہاتھ سر سے اونچے کرکے دیوار پر پھیلاؤ، یا داہنا ہاتھ دروازے اور بایاں سنگِ اسود کی طرف، اور یہاں کی دعا یہ ہے:

عـــہ۱: اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ ۱۲ منہ (م)

عـــہ۲: الٰہی! تو میرا چھپا اور ظاہر سب جانتا ہے، تو میرا عذر قبول فرما اور میری حاجت تجھے معلوم ہے، تو میری مراد دے اور جو میرے دل میں ہے تو جانتا ہے، تو میرے گناہ بخش دے، الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں وہ ایمان جو میرے دل میں پیوست ہو جائے، اور سچا یقین کہ میں جانوں کہ مجھے وہی ملے گا جو تو نے میرے لیے لکھ دیا ہے اور میں اس معاش پر راضی ہوں تو نے مجھے نصیب کی ہے اے سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ۱۲ منہ (م)

---

[1] القرآن ۲/ ۱۲۵

[2] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل فی صفۃ الشروع فی الطواف دار الکتاب العربی بیروت ص ۹۴

یَاوَاجِدُ عـــہ یَامَاجِدُ لَاتَزِلْ عَنِّیْ نِعْمَةً اَنْعَمْتَ بِهَا عَلَیَّ[1]۔

حدیث میں فرمایا: میں جب چاہتا ہوں جبریل کو دیکھتا ہوں کہ ملتزم سے لپٹے ہوئے یہ دعا کررہے ہیں۔

(۱۷) پھر زمزم پر آؤ اور ہوسکے تو خواہ ایک ڈول کھینچو ورنہ بھرنے والوں سے لے لو اور کعبہ کو منہ کرکے تین سانسوں میں پیٹ بھر کے جتنا پیا جائے پیو، ہر بار بسم اللہ سے شروع اور الحمد للہ پر ختم، باقی بدن پر ڈال لو اور پیتے وقت دعا کرو کہ قبول ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: زمزم جس مراد سے پیا جائے اسی کے لیے ہے، یہاں وہی دعائے جامع پڑھو اور حاضری مکہ معظّمہ تک پینا تو بار بار نصیب ہوگا، قیامت کی پیاس سے بچنے لے لیے پیو، کبھی عذاب قبر سے محفوظی کو، کبھی محبتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو، کبھی وسعتِ رزق، کبھی شفائے امراض، کبھی حصول علم وغیرہا خاص مرادوں کے لیے پیو۔

(۱۸) وہاں جب پیو خوب پیٹ بھر کر پیو، حدیث میں ہے: ہم میں اور منافقوں میں یہ فرق ہے کہ وہ زمزم کوکھ بھر کر نہیں پیتے۔[2]

(۱۹) چاہ زمزم کے اندر بھی نظر کرو کہ بحکمِ حدیث دافع نفاق ہے۔[3]

(۲۰) اب اگر کوئی عذر تکان وغیرہ کا نہ ہو تو ابھی ورنہ آرام لے کر صفا مروہ میں سعی کے لیے پھر حجراسود کے پاس آؤ اور اسی طرح تکبیر وغیرہ کہہ کر چومو، اور نہ ہوسکے تو اس کی طرف منہ کرکے فوراً باب صفا سے جانب صفا روانہ ہو، دروازے سے پہلے بایاں پاؤں نکالو اور دہنا پہلے جوتے میں ڈالو، اور یہ ادب ہر مسجد سے باہر آتے ہمیشہ ملحوظ رکھو۔

(۲۱) ذکر ودرود میں مشغول صفا کی سیڑھیوں پر اتنا چڑھو کہ کعبہ معظّمہ نظر آئے اور یہ بات جہاں پہلی ہی سیڑھی سے حاصل ہے پھر رخ کعبہ ہو کر دونوں ہاتھ دعا کی طرح پہلے شانوں تک اٹھاؤ اور دیر تک تسبیح وتہلیل ودرود ودعا کرو کہ محلِ اجابت ہے، یہاں بھی دعائے جامع پڑھو، پھر اتر کر ذکر و

عـــہ: اے قدرت والے اے عزت والے مجھ سے زائل نہ کر جو نعمت تو نے مجھے بخشی ہے ۱۲ منہ (م)

---

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل فی صفۃ الشروع فی الطواف دارالکتاب العربی بیروت ص ۹۴

[2] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل فی صفۃ الشروع فی الطواف دارالکتاب العربی بیروت ص ۹۵

[3] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل یستحب الاکثار من شرب ماء زمزم دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۲۹

درود میں مشغول مروہ کو چلو۔

(۲۲) جب پہلا میل آئے مرد دوڑنا شروع کریں (مگر نہ حد سے زائد نہ کسی کو ایذا دیتے) یہاں تک کہ دوسرے میل سے نکل جائیں، اس درمیان میں سب دعا بہ کوشش تمام کرو۔ یہاں کی دعا یہ ہے:

رَبِّ [عہ۱] اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَمُ [1]۔

(۲۳) دوسرے میل سے نکل کر پھر آہستہ ہولو یہاں تک کہ مروہ پہنچو، یہاں پہلی سیڑھی چڑھنے بلکہ اس کے قریب کھڑے ہونے سے مروہ پر صعود مل جاتا ہے، یہاں اگرچہ عمارتیں بن جانے سے کعبہ نظر نہیں آتا مگر روبہ کعبہ ہو کر جیسا صفا پر کیا تھا کرو، یہ ایک پھیرا ہوا۔

(۲۴) پھر صفا کو جاؤ پھر آؤ، یہاں تک کہ ساتواں پھیرا مروہ پر ختم ہو، ہر پھیرے میں اسی طرح کریں، اس کا نام سعی ہے۔ واضح ہو کہ عمرہ صرف انہی افعال طواف وسعی کا نام ہے، قِران وتمتع والے کے لیے بھی یہی عمرہ ہوگیا اور افراد والے کے لیے یہ طواف قدوم ہوا یعنی حاضری دربار کا مجرا۔

(۲۵) قران یعنی جس نے قِران کیا ہے اس کے بعد طواف قدوم کی نیت سے ایک طواف وسعی اور بجالائے۔

(۲۶) قارن اور مفرد جن نے افراد کیا تھا لبیک کہتے ہوئے احرام کے ساتھ مکہ میں ٹھہریں، ان کی لبیك دسویں تاریخ رمی جمرہ کے وقت ختم ہوگی، جبھی احرام سے نکلیں گے جس کا ذکر ان شاء اللہ تعالٰی آتا ہے، مگر متمتع جس نے تمتع کیا تھا وہ اور معتمر یعنی نرا عمرہ کرنے والا شروع طواف کعبہ معظّمہ سے سنگ اسود شریف کا پہلا بوسہ لیتے ہی لبیک چھوڑ دیں اور طواف وسعی مذکور کے بعد حلق کریں یعنی مرد سارا سر منڈا دیں یا تقصیر یعنی مرد وعورت بال کتروائیں اور احرام [عہ۲] سے باہر آئیں، پھر متمتع چاہے تو آٹھویں ذی الحجہ تک بے احرام رہے، مگر افضل یہ ہے کہ جلد حج کا احرام باندھ لے، اگر یہ خیال نہ ہو کہ دن زیادہ ہیں یہ

عہ۱: اے میرے رب بخش دے اور رحم فرما نا تو ہی سب سے زیادہ عزت والا سب سے بڑھ کر کرم والا ۱۲ (م)

عہ۲: کبھی احرام کے ساتھ ہی منیٰ میں قربانی کے لیے جانور ہمراہ لیتے ہیں اسے سوق ہدی کہتے ہیں، اگر کسی متمتع نے ایسا احرام باندھا تو اب عمرہ کے بعد احرام کھولنا جائز ہوگا بلکہ قارن کی طرح احرام میں رہے اور لبیک کہہ کر یہاں تک کہ دسویں کو رمی کے ساتھ لبیک چھوڑے، پھر قربانی کے بعد حلق یا تقصیر کرکے احرام سے باہر آئے ۱۲ منہ (م)

---

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب السعی بین الصفا والمروۃ دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۱۷

قیدیں نہ نبھیں گی۔

تنبیہ: طواف قدوم میں اضطباع ورمل اور اس کے بعد صفا ومروہ میں سعی ضرور نہیں، مگر اب نہ کرے گا تو طواف الزیارت میں کہ حج کا طواف فرض ہے جس کا ذکر ان شاء اللہ آتا ہے، یہ سب کام کرنے ہوں گے، اور اس وقت ہجوم بہت ہوتا ہے عجب نہیں کہ طواف میں رمل اور مسعی میں دوڑنا نہ ہوسکے اور اس وقت ہو چکا تو طواف میں ان کی حاجت نہ ہوگی، لہٰذا ہم نے ان کو مطلقًا داخل ترکیب کردیا۔

(۲۷) مفرد وقارن تو حج کے رمل وسعی سے طواف قدوم میں فارغ ہولیے مگر متمتع نے جو طواف وسعی کیے وہ عمرہ کے تھے، حج کے رمل وسعی اس سے ادا نہ ہوئے اور اس پر طواف قدوم ہے نہیں کہ قارن کی طرح اس میں یہ امور کرکے فراغت پالے، لہٰذا اگر وہ بھی پہلے سے فارغ ہولینا چاہے تو جب حج کا احرام باندھے گا اس کے بعد ایک نفل طواف میں رمل وسعی کرے اب اسے طواف الزیارت میں ان کی حاجت نہ ہوگی،

(۲۸) اب یہ سب حجاج، قارن، متمتع، مفرد، کوئی ہو، کہ منٰی جانے کے لیے مکہ معظّمہ میں آٹھویں تاریخ کا انتظار کررہے ہیں، ایام اقامت میں جس قدر ہوسکے نرا طواف بے اضطباع ورمل وسعی کرتے رہیں، باہر والوں کے لیے یہ سب سے بہتر عبادت ہے اور ہر سات پھیروں پر مقام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں دو رکعت پڑھیں۔

(۲۹) اب خواہ منٰی سے واپسی پر جب کبھی رات میں جتنی بار کعبہ معظّمہ پر نظر پڑے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَکْبَرُ تین تین بار کہیں اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجیں، دعا کریں کہ یہ وقت قبول ہے،

(۳۰) طواف اگرچہ نفل ہو اس میں یہ باتیں حرام ہیں:

بے وضو طواف کرنا، کوئی عضو جو ستر میں داخل ہے اس کا چہارم کھُلا ہونا مثلًا ران یا آزاد عورت کا کان، بے مجبوری سواری پر یا کسی کی گود میں یا کندھوں پر طواف کرنا، بلا عذر بیٹھ کر سرکنا یا گھٹنوں چلنا، کعبہ کو داہنے ہاتھ پر لے کر الٹا طواف کرنا، طواف میں حطیم کے اندر ہو کر گزرنا، سات پھیروں سے کم کرنا۔

(۳۱) یہ باتیں طواف میں مکروہ ہیں:

[۱] فضول بات کرنا، [۲] بیچنا، [۳] خریدنا، [۴] حمد ونعت ومنقبت کے سوا کوئی شعر پڑھنا [۵] ذکر یا دعا یا تلاوت یا کوئی کلام بلند آواز سے کرنا۔ [۶] ناپاک کپڑے میں طواف کرنا، [۷] رمل یا اضطباع یا بوسہ سنگِ اسود جہاں جہاں ان کا حکم ہے ترک کرنا، [۸] طواف کے پھیروں میں زیادہ فاصلہ دینا یعنی کچھ پھیرے کرلیے پھر دیر تک ٹھہر گئے یا اور [۹] کسی کام میں لگ گئے، باقی پھیرے بعد کو کیے مگر وضو جاتا رہا تو کر آئے یا [۱۰] جماعت قائم ہوئی اور اس نے نماز ابھی نہ پڑھی ہو تو شریک ہوجائے بلکہ جنازہ کی جماعت میں بھی طواف چھوڑ کر مل سکتا ہے، باقی جہاں سے چھوڑا تھا

آکر پورا کرے، [۱۱]یونہی پیشاب پاخانہ کی ضرورت ہو تو چلا جائے وضو کرکے باقی پورا کرے، [۱۲]ایک طواف کے بعد جب تک اس کی رکعتیں نہ پڑھ لیں دوسرا طواف شروع کردینا مگر کراہت نماز کا وقت ہو جیسے صبح صادق سے طلوع آفتاب یا نماز عصر پڑھنے کے بعد سے غروب آفتاب تک کہ اس میں متعدد طواف بے فصل نماز جائز ہیں، وقت کراہت نکل جائے تو ہر طواف کے لیے دو رکعت ادا کرے، [۱۳]خطبہ امام کے وقت طواف کرنا، ہاں اگر خود پہلی جماعت میں پڑھ چکا تو باقی جماعتوں کے وقت طواف کرنے میں حرج نہیں اور نمازیوں کے سامنے سے گزر سکتا ہے کہ [۱۴]طواف بھی مثل نماز ہی ہے، طواف میں کچھ کھانا، [۱۵]پیشاب یا پاخانہ یا ریح کے تقاضے میں طواف کرنا،

(۳۲) یہ باتیں طواف وسعی دونوں میں مباح ہیں:

[۱]سلام کرنا، [۲]جواب دینا، [۳]پانی پینا، [۴]حمد ونعت ومنقبت کے اشعار آہستہ پڑھنا، اور [۵]سعی میں کھانا کھا سکتا ہے۔ [۶]حاجت کے لیے کلام کرنا، [۷]فتوٰی پوچھنا، فتوٰی دینا۔

(۳۳) طواف کی طرح سعی بھی بلاضرورت سوار ہو کر یا بیٹھ کر ناجائز وگناہ ہے۔

(۳۴) سعی میں دو باتیں مکروہ ہیں:

[۱]بے حاجت اس کے پھیروں میں زیادہ فصل دینا مگر جماعت قائم ہو تو چلا جائے، یونہی شرکتِ جنازہ یا قضائے حاجت یا تجدید وضو کو اگرچہ سعی میں ضرور نہیں، [۲]خرید و [۳]فروخت، [۴]فضول کلام، [۵]صفا یا مروہ پر نہ چڑھنا، [۶]مرد کا مسعی میں بلا عذر نہ دوڑنا، [۷]طواف کے بعد بہت تاخیر کرکے سعی کرنا، [۸]ستر عورت نہ ہونا، [۹]پریشان نظری یعنی ادھر اُدھر فضول دیکھنا سعی میں بھی مکروہ ہے اور طواف میں اور زیادہ مکروہ۔

مسئلہ: بے وضو بھی سعی میں کوئی حرج نہیں، ہاں باوضو مستحب ہے،

(۳۵) طواف وسعی کے سب مسائل مذکورہ میں عورتیں بھی شامل ہیں مگر [۱]اضطباع، [۲]رمل، [۳]سعی میں دوڑنا ان کے لیے نہیں، [۴]مزاحمت کے ساتھ بوسہ سنگ اسود یا [۵]مس رکنِ یمانی یا [۶]قرب کعبہ یا [۷]زمزم کے اندر نظر یا [۸]خود پانی بھرنے کی کوشش نہ کریں، یہ باتیں یوں مل سکیں کہ نامحرم سے بدن نہ چھوئے تو خیر ورنہ الگ تھلگ رہنا اس کے لیے سب سے بہتر ہے۔

فصل چہارم منٰی کی روانگی اور عرفہ کا وقوف

(۱) ساتویں تاریخ مسجد حرام میں بعد نماز ظہر امام خطبہ پڑھے گا اسے سنو۔

(۲) یوم الترویہ کہ آٹھ تاریخ کا نام ہے جس نے احرام نہ باندھا ہو یا باندھ لے اور ایک نفل طواف میں رمل وسعی جیسا کہ اوپر گزرا۔

(۳) جب آفتاب نکل آئے منٰی کو چلو اور ہوسکے تو پیادہ کہ جب تک مکہ معظّمہ پلٹ کر آؤ گے ہر قدم پر سات سو نیکیاں لکھی جائیں گی، سو ہزار کا لاکھ، سو لاکھ کا کروڑ، سو کروڑ کا ارب، سو ارب کا کھرب، یہ نیکیاں تخمیناً ۷۸ کھرب ۴۰ ارب ہوتی ہیں، اور اللہ کا فضل اس نبی کے صدقہ میں اس امت پر بے شمار ہے جل وعلا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ، والحمد للہ رب العالمین۔

(۴) راستے بھر لبیك و دعا اور درود و ثنا کی کثرت کرو۔

(۵) جب منٰی نظر آئے کہو: اَللّٰھُمَّ عــہ ھٰذِہٖ مِنًی فَامْنُنْ عَلَیَّ بِمَا مَنَنْتَ بِہٖ عَلٰی اَوْلِیَائِكَ[1]۔

(۶) یہاں رات کو ٹھہرو، آج ظہر سے نویں کی صبح تک پانچ نمازیں مسجد خیف میں پڑھو، آج کل بعض مطوفوں نے یہ نکالی ہے کہ آٹھویں کو منٰی نہیں ٹھہرتے سیدھے عرفات پہنچتے ہیں، ان کی نہ مانے اور اس سنتِ عظیمہ کو ہرگز نہ چھوڑے، قافلہ کے اصرار سے ان کو بھی مجبور ہونا پڑے گا،

(۷) شب عرفہ منٰی میں ذکر و عبادت سے جاگ کر صبح کرو، سونے کے بہت دن پڑے ہیں، اور نہ ہو تو کم از کم عشاء و صبح تو جماعت اولٰی سے پڑھو کہ شب بیداری کا ثواب ملے گا، اور باوضو سوؤ کہ روح عرش تک بلند ہوگی۔

(۸) صبح تک مستحب وقت نماز پڑھ کر لبیک و ذکر و درود میں مشغول رہو یہاں تک کہ آفتاب کوہ ثبیر پر کہ مسجد خیف شریف کے سامنے ہے چمکے، اب عرفات کو چلو، دل کو خیال غیر سے پاک کرنے میں کوشش کرو کہ آج وہ دن ہے کہ کچھ کا حج قبول کریں گے اور کچھ ان کے صدقے بخش دیں گے، محروم ہو جو آج محروم رہا، وسوسے آئیں تو ان سے لڑائی نہ باندھو کہ یوں بھی دشمن کا مطلب حاصل ہے وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اور خیال میں لگ جاؤ، لڑائی باندھی جائے جب بھی تو اور خیال پڑے، بلکہ ان کی طرف دھیان ہی نہ کرو، یہ سمجھ لو کہ کوئی اور وجود ہے جو ایسے خیالات لارہا ہے مجھے اپنے رب سے کام ہے یوں ان شاء اللہ وہ مردود و ناکام واپس جائے گا۔

(۹) راستے بھر ذکر و درود میں بسر کرو، بے ضرورت کچھ بات نہ کرو، لبیک کی بار بار کثرت کرتے چلو،

(۱۰) جب نگاہ جبل رحمت پر پڑے ان امور میں اور زیادہ کوشش کرو کہ ان شاء اللہ تعالٰی وقت قبول ہے۔

عــہ: الٰہی! یہ منٰی ہے تو مجھ پر وہ احسان کر جو تو نے اپنے دوستوں پر کئے ۱۲منہ (م)

---

[1] کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری فصل فاذا کان الیوم الثانی الخ دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۷

(۱۱) عرفات میں اس کوہ مبارک کے پاس یا جہاں جگہ ملے شارع عام سے بچ کر اترو۔

(۱۲) آج کے ہجوم میں کہ لاکھوں آدمی، ہزاروں ڈیرے خیمے ہوتے ہیں، اپنے ڈیرے سے جا کر واپسی میں اس کاملنا دشوار ہوتا ہے اس لیے پہچان کا نشان قائم کر کہ دور سے نظر آئے۔

(۱۳) مستورات ساتھ ہوں تو ان کے برقعہ پر کوئی خاص کپڑا علامت چمکتے رنگ کا لگادو کہ دور سے دیکھ کر تمیز کرسکو اور دل میں تشویش نہ رہے۔

(۱۴) دوپہر تک زیادہ وقت اللہ کے حضور زاری اور باخلاص نیت حسب استطاعت تصدق وخیرات وذکر و لبیك ودرود ودعا واستغفار وکلمہ توحید میں مشغول رہو، حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: سب سے بہتر وہ چیز جو آج کے دن میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے کہی یہ ہے:

لَآ ^عـــہ^ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْكَ لَہٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ط وَھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ ط بِیَدِہِ الْخَیْرُ ط وَھُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[1]۔

(۱۵) دوپہر سے پہلے کھانے پینے وغیرہ ضروریات سے فارغ ہولو کہ دل کسی طرف لگا نہ رہے، آج کے دن جیسے حاجی کو روزہ مناسب نہیں کہ دعا میں ضعف ہوگا، یونہی پیٹ بھر کر کھانا سخت ضرر اور غفلت وکسل کا باعث ہے، تین روٹی کی بھوک والا ایک ہی کھائے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تو ہمیشہ کے لیے یہی حکم دیا ہے، اور خود دنیا سے تشریف لے گئے اور جو کی روٹی کبھی پیٹ بھر کر نہ کھائی حالانکہ اللہ کے حکم سے تمام جہان اختیار میں تھا اور ہے، اور اگر انوار وبرکات لینا چاہو تو صرف آج بلکہ حرمین شریفین میں جب تک حاضر ہو تہائی پیٹ سے زیادہ ہرگز نہ کھاؤ، مانوگے تو اس کا فائدہ، نہ مانوگے تو اس کا نقصان آنکھوں سے دیکھ لوگے، ہفتہ بھر اس پر عمل کرکے تو دیکھو، اگلی حالت سے فرق نہ پاؤ جبھی کہنا جی بچے تو کھانے پینے کے بہت دن ہیں، یہاں تو نور وذوق کے لیے جگہ خالی رکھو۔

بھر اتن دوبارہ کیا بھرے گا

عـــہ: اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، وہ ایک اکیلا، اس کا کوئی ساجھی نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے سب خوبیاں، وہی جلائے وہ مارے، اور وہ زندہ ہے کہ کبھی نہ مرے گا، سب بھلائیاں اسی کے قبضہ میں ہیں اور وہ سب کچھ کرسکتا ہے ۱۲ (م)

---

[1] کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری فصل فی التوجہ الی العرفات دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۷

(۱۶) جب دوپہر قریب آئے نہاؤ کہ سنتِ مؤکدہ ہے اور نہ ہوسکے تو صرف وضو۔

(۱۷) دوپہر ڈھلتے ہی بلکہ اس سے پہلے کہ امام کے بقریب جگہ ملے مسجد نمرہ جاؤ سنتیں پڑھ کر خطبہ سن کر امام کے ساتھ ظہر پڑھو، بیچ میں سلام وقیام تو کیا معنی سنتیں بھی نہ پڑھو، اور بعد عصر بھی نفل نہیں، یہ ظہر وعصر ملا کر پڑھنا جبھی جائز ہے کہ نماز یا تو سلطان خود پڑھائے یا وہ جو حج میں اس کا نائب ہو کر آتا ہے، جس نے ظہر اکیلے یا اپنی خاص جماعت سے پڑھی اسے وقت سے پہلے عصر پڑھنا حلال نہ ہوگا، اور جس حکمت کے لیے شرع نے یہاں ظہر کے ساتھ عصر ملانے کا حکم فرمایا ہے یعنی غروب آفتاب تک دعا کے لیے وقت خالی ملتا ہے وہ جاتی رہے گی،

(۱۸) خیال کرو جب شرع کو یہ وقت دعا کے لیے فارغ کرنے کا اس قدر اہتمام ہے تو اس وقت اور کام میں مشغولی کس قدر بیہودہ ہے، بعض احمقوں کو دیکھا ہے کہ امام تو نماز میں ہے یا نماز پڑھ کر موقف [عہ۱] کو گیا اور وہ کھانے پینے حقے چائے اڑانے میں مصروف ہیں خبردار ایسا نہ کرو، امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہی فورًا موقف کو روانہ ہو جاؤ، اور ممکن ہو تو اونٹ پر کہ سنت بھی ہے اور ہجوم میں دبنے کچلنے سے محافظت بھی۔

(۱۹) بعض مطوف اس مجمع میں جانے سے منع کرتے ہیں اور طرح طرح سے ڈراتے ہیں ان کی نہ سنو کہ وہ خاص نزول رحمت عام کی جگہ ہے، ہاں عورات اور کمزور مرد یہیں کھڑے ہوئے دعا میں شامل ہوں کہ بطن عرنہ [عہ۲] کے سوا یہ سارا میدان موقف ہے اور یہ لوگ بھی تصور یہی کریں کہ ہم اس مجمع میں حاضر ہیں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ نہ سمجھیں، اس مجمع میں یقینا بکثرت اولیاء بلکہ الیاس وخضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی اللہ موجود ہیں، یہ تصور کریں کہ انوار وبرکات جو اس مجمع میں ان پر اتر رہے ہیں ان کا صدقہ ہم بھکاریوں کو بھی پہنچتا ہے، یوں الگ ہو کر بھی شامل رہیں گے، اور جس سے ہوسکے تو وہاں کی حاضری چھوڑنے کی چیز نہیں۔

(۲۰) افضل یہ ہے کہ امام سے نزدیک جبل رحمت کے قریب جہاں سیاہ پتھر کا فرش ہے روبقبلہ پس پشت امام کھڑا ہو جبکہ ان فضائل کے حصول میں دقت یا کسی کی اذیت نہ ہو ورنہ جہاں اور جس طرح ہوسکے وقوف [عہ۳] کرو۔ امام کی دہنی جانب اور بائیں روبرو سے افضل ہے، یہ وقوف ہی حج کی جان اور اس کا بڑا رکن ہے۔

عہ۱: وہ جگہ کہ نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک وہاں کھڑے ہو کر ذکر ودعا کا حکم ہے۔ (م)

عہ۲: بطن عرنہ عرفات میں حرم کے نالوں میں سے ایک نالہ ہے مسجد نمرہ کے مغرب یعنی مکہ معظّمہ کی طرف وہاں موقف محض ناجائز ہے۔ (م)

عہ۳: وہاں ذکر ودعا کے لیے کھڑا ہونا۔ (م)

(۲۱) بعض جاہل یہ حرکت کرتے ہیں کہ پہاڑ پر چڑھ جاتے ہیں اور وہاں کھڑے رومال ہلاتے رہتے ہیں اس سے بچو اور ان کی طرف بھی برا خیال نہ کرو، یہ وقت اوروں کے عیب دیکھنے کا نہیں اپنے عیبوں پر شرمساری اور گریہ وزاری کا ہے۔

(۲۲) اب وہ کہ یہاں ہیں اور کہ ڈیروں میں ہیں سب ہمہ تن صدق دل سے اپنے کریم مہربان رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور میدان قیامت میں حساب اعمال کے لیے اس کے حضور حاضری کا تصور کرو، نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ لرزتے، کانپتے، ڈرتے، امید کرتے، آنکھیں بند کیے، گردن جھکائے، دستِ دعا آسمان کی طرف سر سے اونچے پھیلاؤ، تکبیر، تہلیل، تسبیح، لبیک، حمد، ذکر، دعا، توبہ، استغفار میں ڈوب جاؤ، کوشش کرو کہ ایک قطرہ آنسوؤں کا ٹپکے کہ دلیل اجابت وسعادت ہے ورنہ رونے کا سامنہ بناؤ کہ اچھوں کی صورت بھی اچھی، اثنائے دعاوذکر میں لبیك کی بار بار تکرار کرو۔ آج کے دن کی دعائیں بہت منقول ہیں، اور دعائے جامع کہ اوپر گزری کافی ہے، چند بار اسے کہہ لو، اور سب سے بہتر یہ ہے کہ سارا وقت درود، ذکر، تلاوت قرآن میں گزارو کہ بوعدہ حدیث دعا والوں سے زیادہ پاؤگے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دامن پکڑو، غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے توسل کرو، اپنے گناہ اور اس کی قہاری یاد کرو بید کی طرح لرزو اور یقین جانو کہ اس کی مار سے اسی کے پاس پناہ ہے۔ اس سے بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتے، اس کے در کے سوا کہیں ٹھکانا نہیں، لہذا ان شفیعوں کا دامن لیے اس کے عذاب سے اسی کی پناہ مانگو اور اسی حالت میں رہو کہ کبھی اس کی رحمتِ عام کی امید سے مرجھایا دل نہال ہوا جاتا ہے اور یونہی تضرع وزاری میں رہو یہاں تک کہ آفتاب ڈوب جائے اور رات کا لطیف جز آجائے اس سے پہلے کوچ منع ہے، بعض جلد باز دن ہی سے چل دیتے ہیں ان کا ساتھ نہ دو۔ غروب تک ٹھہرنے کی ضرورت نہ ہوتی تو عصر ظہر سے ملا کر پڑھنے کا حکم کیوں ہوتا، اور کیا معلوم کہ رحمت الٰہی کس وقت توجہ فرمائے، اگر تمھارے چل دینے کے بعد اتری تو معاذاللہ کیسا خسارہ ہے، اور اگر غروب سے پہلے حدود عرفات سے نکل گئے جب تو پورا جرم ہے اور جرمانے میں قربانی دینی آئے گی، بعض مطوّف یوں ڈراتے ہیں کہ رات میں خطرہ ہے یہ دو ایک کے لیے ٹھیک ہے اور جب قافلہ کا قافلہ ٹھہرے گا تو ان شاء اللہ کچھ اندیشہ نہیں۔

(۲۳) ایک ادب واجب الحفظ اس روز کا یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے سچے وعدوں پر بھروسا کرکے یقین کرے کہ آج میں گناہوں سے ایسا پاک ہو گیا جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا، اب کوشش کروں کہ آئندہ گناہ نہ ہوں اور جو داغ اللہ تعالٰی نے بمحض رحمت میری پیشانی سے دھویا ہے پھر نہ لگے،

(۲۴) یہاں یہ باتیں مکروہ ہیں۔ غروب آفتاب سے پہلے وقوف چھوڑ کر روانگی جب کہ غروب تک

حدود عرفات سے باہر نہ ہو جائے ورنہ حرام ہے۔ نماز ظہر و عصر ملانے کے بعد موقف کو جانے میں دیر اس وقت سے غروب تک کھانے پینے یا توجہ بخدا کسی کام میں مشغول ہونا، کوئی دنیوی بات کرنا، غروب پر یقین ہوجانے کے بعد روانگی میں تاخیر کرنا، مغرب یا عشاء عرفات میں پڑھنا۔

تنبیہ: موقوف میں چھتری لگانے یا کسی طرح سایہ چاہنے سے حتی المقدور بچو، ہاں جو مجبور ہے معذور ہے،

تنبیہ ضروری، اشد ضروری

بدنگاہی ہمیشہ حرام ہے نہ کہ احرام میں نہ کہ موقف میں، یا مسجد الحرام میں نہ کہ کعبہ معظّمہ کے سامنے نہ کہ طواف، بیت الحرام میں، یہ تمھارے بہت امتحان کا موقعہ ہے۔ عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ یہاں منہ نہ چھپاؤ اور تمھیں حکم دیا گیا ہے کہ ان کی طرف نگاہ نہ کرو، یقین جانو کہ یہ بڑے عزت والے بادشاہ کی باندیاں ہیں اور اس وقت تم اور وہ سب خاص دربار میں حاضر ہو کر بلاتشبیہ شیر کا بچہ اس کی بغل میں ہو اس وقت کون اس کی طرف نگاہ اٹھا سکتا ہے، تو اللہ تعالٰی واحد قہار کی کنیزیں کہ اس کے خاص دربار میں حاضر ہیں ان پر بدنگاہی کس قدر سخت ہوگی وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ط (اور اللہ تعالٰی ہی کی شان سب سے بلند ہے) ہاں ہاں ہوشیار، ایمان بچائے ہوئے، قلب و نگاہ سنبھالے ہوئے، حرم وہ جگہ ہے جہاں گناہ کے ارادے پر پکڑا جاتا ہے اور ایک گناہ لاکھ گناہ کے برابر ٹھہرتا ہے، الٰہی! خیر کی توفیق دے۔ آمین!

فصل پنجم منٰی و مزدلفہ و باقی افعال حج

(۱) جب غروب آفتاب کا یقین ہوجائے فوراً مزدلفہ کو چلو، اور امام کا ساتھ افضل ہے مگر وہ دیر کرے تو اس کا انتظار نہ کرو۔

(۲) راستے بھر ذکر، درود و دعا لبیک وزاری و بکا میں مصروف رہو۔

(۳) راستہ میں جہاں گنجائش پاؤ اور اپنی یا دوسرے کی ایذا کا احتمال نہ ہو تو اتنی دیر اتنی دور تیز چلو، پیادہ ہو خواہ سوار۔

(۴) جب مزدلفہ نظر آئے بشرط قدرت پیادہ ہولینا بہتر ہے اور نہا کر داخل ہونا افضل ہے۔

(۵) وہاں پہنچ کر حتی الامکان جبل قزح کے پاس راستے سے بچ کر اترو ورنہ جہاں جگہ ملے۔

(۶) غالبًا وہاں پہنچتے پہنچتے شفق ڈوب جائے گی، مغرب کا وقت نکل جائے گا، اونٹ کھولنے،

اسباب اتارنے سے پہلے امام کے ساتھ مغرب وعشاء پڑھو، اور اگر وقت باقی رہے جب بھی ابھی مغرب ہر گز نہ پڑھو نہ راہ میں کہ اس دن یہاں نماز مغرب وقت مغرب میں پڑھنا گناہ ہے اگر پڑھ لوگے عشاء کے وقت پھر پڑھنی ہوگی، غرض یہاں پہنچ کر مغرب وعشاء میں بہ نیت ادا نہ کہ بہ نیت قضاء حتی الامکان امام کے ساتھ پڑھو، اس کا سلام ہوتے ہی معاً عشاء کی جماعت ہوگی، عشاء کے فرض پڑھو، اس کے بعد مغرب وعشا کی سنتیں اور وتر پڑھو، اگر امام کے ساتھ نماز مل سکے تو اپنی جماعت کرلو اور نہ ہوسکے تو تنہا پڑھو۔

(۷) باقی رات ذکر لبیک ودرود ودعا میں گزار و کہ یہ بہت افضل جگہ ہے اور بہت افضل رات ہے زندگی ہو تو اور سونے کو بہت سی راتیں ملیں گی اور یہاں یہ رات خدا جانے دوبارہ کیسے ملے اور نہ ہوسکے تو خیر باطہارت سو رہو کہ فضول باتوں سے سونا بہتر ہے اور اتنے پہلے اٹھ کر صبح چمکنے سے پہلے ضروریات وطہارت سے فارغ ہولو، آج نماز صبح بہت اندھیرے سے پڑھی جائے گی، کوشش کرو کہ جماعت امام بلکہ پہلی تکبیر فوت نہ ہو کہ عشاء وصبح جماعت سے پڑھنے والا پوری شب بیداری کا ثواب پاتا ہے۔

(۸) اب دربارہ اعظم کی دوسری حاضری کا وقت آیا۔ ہاں ہاں کرم کے دروازے کھولے گئے ہیں کل عرفات میں حقوق اللہ معاف، یہاں حقوق العباد معاف فرمانے کا وعدہ ہے۔ مشعر الحرام میں یعنی خاص پہاڑی پر اور جگہ نہ ملے تو اس کے دامن میں، اور نہ ہوسکے تو وادیِ محسر کے سوا جہاں گنجائش پاؤ وقوف کرو اور تمام باتیں کہ وقوف عرفات میں مذکور ہوئیں ملحوظ رکھو۔

(۹) جب طلوع آفتاب میں دو رکعت پڑھنے کا وقت رہ جائے امام کے ساتھ منٰی کو چلو اور یہاں سے ساتھ چھوٹی چھوٹی کنکریاں دانہ خرما کے برابر پاک جگہ سے اٹھا کر تین بار دھولو کسی پتھر کو توڑ کر کنکریاں نہ بناؤ۔

(۱۰) راستے بھر بدستور ذکر ودعا ودرود وبکثرت لبیک میں مشغول رہو۔

(۱۱) جب وادی محسر [عہ۱] پہنچو پانچ سو پینتالیس ہاتھ بہت جلدی تیزی کے ساتھ چل کر نکل جاؤ مگر نہ وہ تیزی جس سے کسی کو ایذا ہو اور اس عرصہ میں یہ دعا کرتے جاؤ: اَللّٰھُمَّ [عہ۲] لَاتَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَاتُھْلِكْنَا بِعَذَابِكَ

عہ۱: یہ منی مزدلفہ کے بیچ میں ایک نالہ دونوں کی حدود سے خارج مزدلفہ سے منی کو جاتے بائیں ہاتھ کو جو پہاڑ پڑتا ہے اس کی چوٹی سے شروع ہو کر ۵۴۵ ہاتھ تک ہے یہاں اصحاب الفیل آکر ٹھہرے تھے اور ان پر عذاب ابابیل اترا تھا اس سے جلد گزرنا اور عذاب الٰہی سے پناہ مانگنا چاہئے ۱۲ منہ (م)

عہ۲: الٰہی! اپنے غضب سے ہمیں قتل نہ کر اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کر اور اس سے پہلے ہمیں عافیت دے۔ ۱۲ منہ (م)

وَعَافِنَاقَبْلَ ذٰلِکَ[1]۔

(۱۲) جب منٰی نظر آئے وہی دعا[2] پڑھو جو مکہ سے آتے منٰی کو دیکھ کر پڑھی تھی۔

(۱۳) جب منٰی پہنچو سب کاموں سے پہلے جمرۃ العقبہ عـــہ ۱ کو جاؤ جو ادھر سے پچھلا جمرہ ہے اور مکہ معظّمہ سے پہلے نالے کے وسط میں، سواری پر جمرے سے پانچ ہاتھ ہٹے ہوئے یوں کھڑے ہو کہ منٰی داہنے ہاتھ پر اور کعبہ بائیں کو اور جمرہ کی طرف منہ ہو، سات کنکریاں جدا جدا سیدھا ہاتھ اٹھا کر کہ سپیدی بغل ظاہر ہو ہر ایک پر **بسم اللہ اللہ اکبر** کہہ کر مارو۔ بہتر یہ ہے کہ کنکریاں جمرہ تک پہنچیں ورنہ تین ہاتھ کے فاصلے پر گریں۔ اس سے زیادہ فاصلے پر گری تو وہ کنکری شمار میں نہ آئے گی۔ پہلی کنکری سے **لبیك** موقوف کرو۔

(۱۴) جب سات پوری ہو جائیں وہاں نہ ٹھہرو، فوراً ذکر کرو، دعا کرتے پلٹ آؤ۔

(۱۵) اب قربانی میں مشغول ہو، یہ وہ قربانی نہیں جو عید میں ہوتی ہے کہ وہ تو مسافر پر اصلاً نہیں اور مقیم مالدار پر واجب ہے اگر چہ حج میں ہو بلکہ یہ حج کا شکرانہ ہے۔ قارن و متمتع پر واجب اگرچہ فقیر ہو۔ اور مفرد کے لیے مستحب اگرچہ غنی ہو، جانور کی عمر و اعضاء میں وہی شرطیں ہیں جو عید کی قربانی میں۔

(۱۶) ذبح کرنا آتا ہو تو آپ ذبح کرو کہ سنت ہے ورنہ وقت ذبح حاضر رہو۔

(۱۷) روبقبلہ لٹا کر خود بھی روبقبلہ رہو اور تکبیر کہتے ہوئے نہایت تیز چھری سے بہت جلد اتنی پھیرو کہ چاروں رگیں کٹ جائیں، زیادہ ہاتھ نہ بڑھاؤ کہ بے سبب کی تکلیف ہے۔

عـــہ ۱: منٰی اور مکہ کے بیچ میں تین ستون بنے ہوئے ہیں ان کو جمرہ کہتے ہیں، پہلا جو منٰی سے قریب ہے جمرہ اولٰی کہلاتا ہے اور بیچ کا جمرہ وسطٰی اور اخیر کا مکہ معظّمہ سے قریب ہے جمرۃ العقبٰی ۱۲ منہ (م)

عـــہ ۲: **مسئلہ:** محتاج محض جس کی ملک میں نہ قربانی کے لائق کوئی جانور ہو نہ اتنا نقد یا اسباب کہ اسے بیچ کر لے سکے وہ اگر قران یا تمتع کی نیت کرے گا تو اس پر قربانی کے بدلے دس روزے واجب ہوں گے تین تو حج کے مہینوں میں یعنی یکم شوال سے نویں ذی الحجہ تک احرام باندھنے کے بعد اس بیچ میں جب چاہے رکھ لے ایک ساتھ خواہ جدا جدا۔ اور بہتر ہے ۷، ۸ اور ۹ کو ہوں اور باقی سات تیرھویں کے بعد جب چاہے رکھے، اور بہتر یہ ہے کہ گھر پہنچ کر ہوں۔ (م)

---

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل فی آداب التوجہ الی منٰی دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۴۸

[2] کتاب ادعیہ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری فصل فاذا کان یوم الثانی الخ دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۷

(۱۸) بہتر یہ ہے کہ وقت ذبح قربانی والے جانور کے دونوں ہاتھ اور ایک پاؤں باندھ لو، ذبح کرکے کھول دو۔

(۱۹) اونٹ ہو تو اسے کھڑا کرکے سینہ میں گلے کے انتہا پر تکبیر کہہ کر نیزہ مارو کہ سنت یونہی ہے اور اس کا ذبح کرنا مکروہ۔ مگر حلال ذبح سے بھی ہوجائے گا اور گلے پر ایک جگہ سے ذبح کرے۔ جاہلوں میں جو مشہور ہے کہ اونٹ تین جگہ سے ذبح ہوتا ہے غلط وخلافِ سنت اور مفت کی اذیت ومکروہ ہے۔

(۲۰) کسی ذبیحہ کو جب تک سرد نہ ہو کھال نہ کھینچو، اعضاء نہ کاٹو کہ ایذا ہے۔

(۲۱) یہ قربانی کرکے اپنے اور تمام مسلمانوں کے حج وقربانی قبول ہوجانے کی دعا کرو۔

(۲۲) بعد قربانی روبقبلہ بیٹھ کر مرد حلق کریں یعنی سارا سر منڈائیں کہ افضل ہے یا بال کتروائیں کہ رخصت ہے۔ اور عورتوں کو حلق حرام ہے ایک پور برابر بال کتروادیں۔

(۲۳) حلق ہو یا تقصیر دہنی طرف سے ابتداء کرو اور اس وقت اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ط وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ط بعد فراغت بھی کہو، سب مسلمانوں کی بخشش مانگو۔[1]

(۲۴) بال دفن کرو اور ہمیشہ بدن سے جو چیز بال، ناخن، کھال جدا ہو دفن کرو۔

(۲۵) یہاں حلق یا تقصیر سے پہلے ناخن نہ کتراؤ، خط نہ بنواؤ۔

(۲۶) اب عورت سے صحبت کرنے، شہوت سے ہاتھ لگانے، گلے لگانے، بوسہ لینے، دیکھنے کے سوا جو کچھ احرام نے حرام کیا تھا سب حلال ہوگیا۔

(۲۷) افضل یہ ہے کہ آج دسویں ہی تاریخ فرض طواف کے لیے جسے طواف الزیارۃ کہتے ہیں مکہ معظّمہ جاؤ بدستور مذکورہ پیادہ باطہارت وستر عورت طواف کرو مگر اس طواف میں اضطباع نہیں۔

(۲۸) قارن ومفرد طواف قدوم میں اور متمتع بعد احرام حج کسی طواف نفل میں حج کے رمل وسعی دونوں خواہ صرف سعی کرچکے ہوں تو اس طواف میں رمل وسعی کچھ نہ کریں اور اگر اس میں رمل وسعی کچھ نہ کیا ہو یا صرف رمل کیا ہو یا جس طواف میں کئے تھے وہ عمرہ کا تھا جیسے قارن ومتمتع کا پہلا طواف یا وہ طواف بے طہارت کیا تھا تو ان چاروں صورتوں میں رمل وسعی دونوں اس طواف فرض میں کریں۔

(۲۹) کمزور اور عورتیں اگر بھیڑ کے سبب دسویں کو نہ جائیں تو اس کے بعد گیارھویں کو افضل ہے اور اس دن یہ بڑا نفع ہے کہ مطاف خالی ملتا ہے، گنتی کے بیس بیس آدمی ہوتے ہیں۔ عورتوں کو بھی باطمینانِ تمام

---

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل فی الحلق والتقصیر دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۵۲

ہر پھیرے میں سنگ اسود کا بوسہ ملتا ہے۔

(۳۰) جو گیارھویں کو نہ جائے بارھویں کو کرلے۔ اس کے بعد بلا عذر تاخیر گناہ ہے۔ جرمانہ میں ایک قربانی ہوگی، ہاں مثلاً عورت کو حیض یا نفاس آگیا تو وہ ان کے ختم کے بعد کرے۔

(۳۱) بہر حال بعد طواف دو رکعت ضرور پڑھیں۔ اس طواف سے عورتیں بھی حلال ہو جائیں گی، حج پورا ہوگیا کہ اس کا دوسرا رکن یہ طواف تھا۔

(۳۲) دسویں، گیارھویں، بارھویں راتیں منٰی ہی میں بسر کرنا سنت ہے، نہ مزدلفہ میں نہ مکہ میں نہ راہ میں۔ تو جو دس یا گیارہ کو طواف کے لیے گیا واپس آکر رات منٰی ہی میں گزارے۔

(۳۳) گیارھویں تاریخ بعد نماز ظہر امام کا خطبہ سن کر پھر رمی کو چلو، ان ایام میں رمی جمرۃ اولٰی سے شروع کرو جو مسجد خیف سے قریب مزدلفہ کی طرف ہے اس کی رمی کو راہ مکہ کی طرف سے آکر چڑھو کہ یہ جگہ بہ نسبت جمرۃ العقبہ کے بہ بلند ہے، یہاں رو بہ کعبہ سات کنکریاں بطور مذکور مار کر جمرہ سے کچھ آگے بڑھ جاؤ اور دعا میں ہاتھ یوں اٹھاؤ کہ ہتھیلیاں قبلہ کو رہیں، حضور قلب سے حمد و درود و دعا و استغفار میں کم سے کم بیس آیتیں پڑھنے کی قدر مشغول ہو ورنہ پون پارہ یا سورہ بقر پڑھنے کی مقدار تک۔

(۳۴) پھر جمرہ وسطٰی پر جاکر ایسا ہی کرو۔

(۳۵) پھر جمرہ عقبٰی پر مگر یہاں رمی کرکے نہ ٹھہرو، معاً پلٹ آؤ۔ پلٹنے میں دعا کرو۔

(۳۶) بعینہٖ اسی طرح بارھویں تاریخ تینوں جمرے بعد زوال رمی کرو۔ بعض لوگ آج دوپہر سے پہلے رمی کرکے مکہ معظّمہ کو چل دیتے ہیں، یہ ہمارے اصل مذہب کے خلاف اور ایک ضعیف روایت ہے۔

(۳۷) بارھویں کی رمی کرکے غروب آفتاب سے پہلے اختیار ہے کہ مکہ معظّمہ روانہ ہو جاؤ۔ مگر بعد غروب چلا جانا معیوب ہے۔ اب ایک دن اور ٹھہرنا اور تیرھویں کو بدستور دوپہر ڈھلے رمی کرکے مکہ جانا ہوگا اور یہی افضل ہے مگر عام لوگ بارھویں کو چلے جاتے ہیں تو ایک رات دن یہاں قیام میں قلیل جماعت کو دقت ہے۔

(۳۸) حلق رمی سے پہلے جائز نہیں۔

(۳۹) گیارھویں بارھویں کی رمی دوپہر سے پہلے اصلاً صحیح نہیں۔

(۴۰) رمی میں یہ امور مکروہ ہیں:

[۱] دسویں کی رمی دوپہر بعد کرنا، [۲] تیرھویں کی رمی دوپہر سے پہلے کرنا، [۳] رمی میں بڑا پتھر مارنا، [۴] توڑ کر بڑے پتھر کی کنکریاں مارنا، [۵] جمرہ کے نیچے جو کنکریاں پڑی ہیں اٹھا کر مارنا کہ یہ مردود کنکریاں ہیں جو قبول ہوتی ہیں۔ قیامت کے دن نیکیوں کے پلے میں رکھنے کو اٹھائی جاتی ہیں ورنہ جمروں کے گرد پہاڑ جمع ہو جاتے، [۶] ناپاک کنکریاں مارنا، سات

سے زیادہ مارنا۔ رمی کے لیے جو جہت مذکور ہوئی اس کا خلاف کرنا، جمرہ سے پانچ ہاتھ سے کم فاصلہ پر کھڑا ہونا، زیادہ کا مضائقہ نہیں، جمروں میں خلافِ ترتیب کرنا، مارنے کے بدلے کنکری جمرے کے پاس ڈال دینا۔

(۴۱) اخیر دن یعنی بارھویں خواہ تیرھویں کو جب منٰی سے رخصت ہو کر مکہ معظّمہ چلو تو وادی محصب عــہ۱ میں کہ جنۃ المعلٰی کے قریب ہے سواری سے اتر لو بے اترے کچھ دیر ٹھہر کر مشغول دعا ہو، اور افضل یہ ہے کہ عشاء تک نمازیں پڑھو ایک نیند لے کر داخل مکہ معظّمہ ہو۔

(۴۲) اب تیرھویں کے بعد جب تک مکہ میں ٹھہرو اپنے پیر استاد، ماں باپ خصوصا حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے اصحاب وعترت اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم کی طرف سے جتنے ہو سکیں عمرے کرتے رہو، تنعیم کو جو مکہ معظّمہ سے شمال یعنی مدینہ طیبہ کی طرف تین میل کے فاصلے پر ہے جاؤ وہاں سے عمرہ کا احرام جس طرح اوپر بیان ہوا باندھ کر آؤ اور طواف وسعی حسبِ دستور کرکے حلق یا تقصیر کرلو عمرہ ہو گیا، جو حلق کر چکا اور مثلاً اسی دن دوسرا عمرہ کیا وہ سر پر استرا پھروا لے کافی ہے۔ یوں ہی وہ جس کے سر پر قدرتی بال نہ ہوں۔

(۴۳) مکہ معظّمہ میں کم از کم ایک بار ختم قرآن مجید سے محروم نہ رہے۔

(۴۴) جنۃ المعلٰی حاضر ہو کر ام المومنین خدیجۃ الکبرٰی و دیگر مدفونین کی زیارت کرے۔

(۴۵) مکانِ ولادت اقدس حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بھی زیارت سے مشرف ہو۔

(۴۶) حضرت عبدالمطلب کی زیارت کریں اور ابو طالب کی قبر پر نہ جاؤ، یونہی جدہ میں جو لوگوں نے حضرت حوا رضی اللہ عنہا کا مزار کئی سوہاتھ کا بنا رکھا ہے وہاں بھی نہ جاؤ کہ بے اصل ہے۔

(۴۷) علماء کی خدمت سے شرف لو خصوصًا اکابر جیسے آج کل حضرت مولانا عبدالحق صاحب مہاجر الٰہ آبادی کہ حمیدیہ محل کے قریب تشریف فرما اور مسلمانانِ ہند کے لیے رحمتِ مجسم ہیں اور حضرت شیخ العلماء مولانہ محمد سعید بابصیل اور حضرت شیخ الائمہ مولانا احمد ابوالخیر مرداد قریب صفا اور حضرت عماد السنۃ مولانا شیخ صالح کمال قریب باب الاسلام اور حضرت مولانا سعید اسمٰعیل آفندی حافظ کتب الحرم حرم شریف کے کتب خانے میں وغیر ہم حفظہم عــہ۲ اللہ تعالٰی۔

عــہ۱: جنت المعلٰی کہ مکہ کا قبرستان ہے اس کے پاس ایک پہاڑ ہے اور وہ دوسرے پہاڑ کے سامنے مکہ کو جاتے ہوئے داہنے ہاتھ پر نالے کے پیٹ سے جدا ہے۔ ان دونوں پہاڑوں کے بیچ کا نالہ وادی محصب ہے، جنت المعلٰی محصب میں داخل نہیں۔ (م)

عــہ۲: یہ سب حضرات رخصت ہو چکے ہیں۔ (م)

(۴۸) کعبہ معظّمہ کی داخلی کمال سعادت ہے اگر جائز طور پر نصیب ہو، حرم عام میں داخلی ہوتی ہے مگر سخت کش مکش کمزور مرد کا کام ہی نہیں، نہ عورتوں کو ایسے ہجوم میں جرأت کی اجازت، زبردست مرد اگر آپ ایذا سے بچ بھی گیا تو اوروں کو دھکے دے کر ایذا دے گا۔ اور یہ جائز نہیں۔ نہ یوں حاضری میں کچھ ذوق ملے اور خاص داخلی بے لین دین اور اس پر لینا بھی حرام اور دینا بھی۔ حرام کے ذریعہ ایک مستحب ملا بھی تو وہ بھی حرام ہوگیا، ان مفاسد سے نجات نہ ملے تو حطیم شریف کی حاضری غنیمت جانے اوپر گزرا کہ وہ بھی کعبہ ہی کی زمین ہے اور اگر شاید بن پڑے یوں کہ خدام کعبہ سے ٹھہر جائے کہ داخلی کے عوض میں کچھ نہ دیں گے۔ اس کے بعد یا قبل چاہے ہزاروں روپے دے دو تو کمال آداب ظاہر و باطن کی رعایت سے آنکھیں نیچے کئے، گردن جھکائے گناہوں پر شرماتے۔ جلال رب البیت سے لرزتے کانپتے **بسم اللہ** کہہ کر پہلے سیدھا پاؤں بڑھا کر داخل ہو اور سامنے کی دیوار تک اتنا بڑھو کہ تین ہاتھ کا فاصلہ رہے۔ وہاں دو رکعت نفل غیر وقت مکروہ میں پڑھو کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مصلی ہے۔ پھر دیوار پر رخسار اور منہ رکھ کر حمد ودرود اور دعا میں کوشش کرو۔ یوں ہی نگاہیں نیچے کئے چار گوشوں پر جاؤ اور دعا کرو اور ستونوں سے چمٹو اور پھر اس دولت کا ملنا اور حج وزیارت کا قبول مانگو اور یونہی آنکھیں نیچے کئے واپس آؤ اوپر ادھر ادھر ہرگز نہ دیکھو۔ اور بڑے فضل کی امید کرو کہ وہ فرماتا ہے جو اس گھر میں داخل ہوا وہ امان میں۔ **والحمد للہ**

(۴۹) بچی ہوئی بتی وغیرہ جو یہاں یا مدینہ طیبہ میں خدام دیتے ہیں ہرگز نہ لو بلکہ اپنے پاس سے بتی وہاں روشن کرکے باقی اٹھالو۔

(۵۰) جب عزمِ رخصت ہو طوافِ وداع بے رمل وسعی واضطباع بجالاؤ کہ باہر والوں پر واجب ہے۔ ہاں وقت رخصت عورت حیض ونفاس میں ہو تو اس پر نہیں۔ پھر دو رکعت مقامِ ابراہیم میں پڑھو۔

(۵۱) پھر زمزم پر آکر اسی طرح پانی پیو۔ بدن پر ڈالو۔

(۵۲) پھر دروازہ کعبہ پر کھڑے ہو کر آستانہ پاک کو بوسہ دو اور قبول وبار بار حاضری کی دعا مانگو اور وہی دعائے جامع پڑھو۔

(۵۳) پھر ملتزم پر آکر غلافِ کعبہ تھام کر اُسی طرح چمٹو ذکر و درود اور دعا کی کثرت کرو۔

(۵۴) پھر حجر اسود کو بوسہ دو اور جو آنسو رکھتے ہو گراؤ۔

(۵۵) پھر الٹے پاؤں رخ بہ کعبہ یا سیدھے چلنے میں بار بار پھر کر کعبہ کو حسرت سے دیکھئے۔ اس کی جدائی پر روتے یا رونے کا منہ بناتے مسجد کریم کے دروازے سے بایاں پاؤں پہلے بڑھا کر نکلو اور دعائے مذکور پڑھو اور اس کے لیے بہتر **باب الحزورہ** ہے۔

(۵۶) حیض ونفاس والی دروازے پر کھڑے ہوکر کعبہ کو بہ نگاہ حسرت دیکھے اور دعا کرتی پلٹے۔

(۵۷) پھر بقدر قدرت فقرائے مکہ معظّمہ پر تصدق کرکے متوجہ سرکار اعظم مدینہ طیبہ ہو، وباللہ التوفیق۔

فصل ششم جُرم اوران کے کفارے

ان کی تفصیل موجب تطویل اور رسالہ مختصر اور وقت قلیل، اور جو طریقے بتادئے ہیں ان پر عمل کرنا ان شاء اللہ تعالٰی جرمانے سے بچنے کا کفیل۔ لہٰذا یہاں صرف اجمالاً معدود مسائل کا بیان ہوتا ہے۔

تنبیہ: اس فصل میں جہاں دم کہیں گے اس سے مراد ایک بھیڑ یا بکری ہوگی، اور بدنہ اونٹ یا گائے۔ یہ سب جانور انھیں شرائط کے ہوں جو قربانی میں ہوں، اور صدقہ سے مراد انگریزی روپے سے ایک سو پچھتّر (۱۷۵) روپے آٹھ آنے بھر کہ سو روپے کے سیر سے پونے دو سیر ہوئے اٹھنی بھر اوپر گندم یا اس کے دونے جو یا کھجور یا ان کی قیمت۔

مسئلہ: جہاں دم کا حکم ہے وہ جرم اگر بیماری یا سخت گرمی یا شدید سردی یا زخم یا پھوڑے یا جُوؤں کے ایذا کے باعث ہوگا تو اسے جرم غیر اختیاری کہتے ہیں اس میں اختیار ہوگا کہ دم کے بدلے چھ مسکینوں کو ایک ایک صدقہ دے دے یا تین روزے رکھ لے۔ اور اگر اس میں صدقہ کا حکم ہے اور بہ مجبوری کیا تھا اختیار ہوگا کہ صدقے کے بدلے ایک روزہ رکھ لے۔ اب احکام سنئے:

(۱) سِلا کپڑا یا خوشبو کا رنگا چار پہر [عہ۱] کامل یا لگاتار زیادہ دنوں پہنا تو دم واجب ہے، اور چار پہر سے کم اگرچہ [عہ۲] ایک لحظہ تو صدقہ۔

(۲) اگر دن کو پہنا اور رات کو گرمی کے باعث اتار ڈالا، یا رات کو سردی کے سبب پہنا دن کو اتار دیا اور باز آنے کی نیت سے اتارا دوسرے دن پھر پہنا تو دوسرا جرمانہ ہوگا، اسی طرح جتنی بار کرے۔

(۳) بیماری کے سبب پہنا تو جب تک وہ بیماری رہے گی ایک جرم ہے اور اگر وہ بیماری یقیناً جاتی رہی دوسری بیماری شروع ہوگئی اور اس میں بھی پہننے کی ضرورت ہے جب بھی یہ دوسرا جرم ہوگا مگر غیر اختیاری۔

عہ۱: چار پہر سے مراد ایک دن یا رات کی مقدار ہے۔ مثلاً طلوع سے غروب یا غروب سے طلوع یا دوپہر سے آدھی رات یا آدھی رات سے دوپہر تک ۱۲ منہ (م)

عہ۲: یعنی لحہ بھر پہنا اور پھر اتار ڈالنا جب بھی صدقہ ہے ۱۲منہ (م)

(۴) بیماری وغیرہ سے اگر سر سے عـــہ۱ پاؤں تک سب کپڑے پہننے کی ضرورت ہوئی تو ایک ہی جرم غیر اختیاری ہے اور اگر مثلاً ضرورت صرف عمامہ کی تھی اور اس نے کرتا بھی پہنا تو دو جرم ہیں ۱عمامہ کا غیر اختیاری اور ۲کرتا کا اختیاری۔

(۵) مرد سارا سر یا چہارم یا مرد خواہ عورت منہ کی ٹکلی ساری یا چہارم چار پہر یا زیادہ لگاتار چھپائیں تو دم ہے اور چہارم سے کم چار پہر تک یا زیادہ لگاتار چھپائیں تو دم ہے اور چہارم سے کم چار پہر تک یا چار سے کم اگرچہ سارا سر یا منہ تو صدقہ ہے اور چہارم سے کم کو چار پہر سے کم تک چھپائیں تو گناہ ہے کفارہ نہیں۔

(٦) خوشبو اگر بہت سی لگائی جسے دیکھ کر بہت لوگ بتائیں اگرچہ عضو کے تھوڑے ٹکڑے پر یا کوئی بڑا عضو جیسے سر یا منہ یا ران یا پنڈلی پورا سان دیا اگرچہ تھوڑی ہی خوشبو سے، جب تو اس پر دم ہے، اور اگر تھوڑی سی خوشبو تھوڑے حصے میں لگائی تو صدقہ ہے۔

مسئلہ: سنگِ اسود شریف پر خوشبو ملی جاتی ہے وہ اگر بوسہ لینے میں بحالت احرام منہ کو بہت سی لگ گئی تو دم دینا ہوگا اور تھوڑی سے صدقہ۔

(۷) سر پر تیل مہندی کا خضاب کیا کہ بال نہ چھپائے تو ایک دم ہے اور اگر گاڑھی تھوپی اور چار پہر گزرے تو مرد پر دو دم عـــہ۲ ہیں اور چار پہر سے کم تو ایک صدقہ عـــہ۳ اور ایک دم، اور عورت عـــہ۴ پر بہر حال ایک دم۔

(۸) ایک جلسہ میں کتنے ہی بدن پر خوشبو لگائے ایک جرم اور مختلف جلسوں میں ہر بار نیا جرم۔

(۹) تھوڑی سی خوشبو بدن کے متفرق حصوں عـــہ۵ پر لگائی اگر جمع کرنے سے ایک بڑے عضو کامل کی مقدار ہو جائے تو دم ہے ورنہ صدقہ۔ (۱۰) خوشبودار سرمہ تین بار یا زیادہ بار لگایا تو دم ہے ورنہ صدقہ۔

عـــہ۱ **مسئلہ:** یونہی پوری ہتھیلی یا تلوے پر مہندی لگائے تو دم ہے، عورت ہو یا مرد، اور چاروں میں ایک ہی جلسہ میں لگائی تو ایک ہی دم، ورنہ ہر جلسہ پر ایک دم، اور ہاتھ یا پاؤں کے کسی حصہ پر لگائی تو صدقہ ۱۲ منہ (م)

عـــہ۲: ایک سارے عضو پر خوشبو کا دوسرا چار پہر سر چھپانے کا ۱۲ منہ (م)

عـــہ۳: خوشبو پر دم اور چار پہر سے کم سر چھپانے پر صدقہ ۱۲ منہ (م)

عـــہ۴: صرف خوشبو کا دم ہے اس لیے کہ سر چھپانا تو اسے روا ہے ۱۲ منہ (م)

عـــہ۵: قیدت به لان الطیب الکثیر لایتقید بکمال العضو فتنبه ۱۲ منه (م)

یہ قید اس لیے لگائی ہے کہ کثیر خوشبو کی صورت میں کمالِ عضو کے ساتھ مقید نہیں کیا جاتا پس متوجہ رہو ۱۲ منہ (ت)

(۱۱) اگر خالص خوشبو کی چیز اتنی کھائی کہ اکثر منہ [عہ۱] میں لگ گئی تو دم ہے ورنہ صدقہ۔

(۱۲) کھانے میں خوشبو اگر پکنے میں پڑی یا فنا ہو گئی جب تو کچھ نہیں ورنہ اگر خوشبو کے اجزاء زیادہ ہوں تو وہ خالص خوشبو کے حکم میں ہے، اور اگر کھانے کا حصہ زیادہ ہے تو عام کتابوں میں مطلق حکم دیا کہ اس میں کفارہ کچھ نہیں، ہاں خوشبو آئی تو کراہت ہے۔

(۱۳) پینے کی چیز میں خوشبو ملائی اگر خوشبو کا حصہ غالب ہے یا تین بار یا زیادہ پیا تو دم ہے ورنہ صدقہ۔

مسئلہ: خمیرہ تمباکو نہ پینا بہتر مگر منع یا کفارہ نہیں [عہ۲]۔

(۱۴) اگر چہارم سر یا داڑھی کے بال زیادہ کسی طرح دور کئے تو دم ہے اور کم میں صدقہ۔

(۱۵) اگر چندلا ہے یا داڑھی بہت ہلکی چھدری تو یہ دیکھیں کہ اتنے بال اس جگہ کی چہارم مقدار تک پہنچتے ہیں یا نہیں؟

(۱۶) یونہی چند جگہ سے دور کئے تو ملا کر چہارم کی مقدار دیکھیں گے۔

(۱۷) اگر سارے بدن کے بال ایک جلسہ میں دور کئے تو ایک ہی جرم ہے اور مختلف جلسے تو ہر بار نیا جرم۔

(۱۸) مونچھیں اگرچہ پوری ہوں صرف صدقہ ہے۔

(۱۹) گردن یا ایک بغل پوری ہو تو دم ہے اور کم میں اگرچہ نصف یا زائد ہو صدقہ۔ یونہی موئے زیر ناف چہارم کو سب کے برابر ٹھہرانا صرف سر اور داڑھی میں ہے۔

(۲۰) دونوں بغلیں پوری منڈائے جب بھی ایک ہی دم ہے۔

(۲۱) سر اور داڑھی اور زیر ناف اور بغل کے سوا باقی اعضاء کے مونڈنے میں صرف صدقہ ہے۔

عہ۱: **اقول:** لم یقل فیہ الدم کما قال کثیرون لانہ لم یلتزق باکثر فمہ، لایلزم الدم بالخالص فکیف بالمخلوط ووقع ھٰھنا فی شرح اللباب فی النقل عن الحلبی تحریف او سقط فاجتنبہ کما بیناہ علی ھامشہ ۱۲ منہ (م)

میں کہتا ہوں یہ نہیں کہا اس میں دم ہے جیسا کہ کثیر حضرات نے کہا کیونکہ حجر اسود سے کثیر چہرہ کا حصہ مس نہیں کرتا تو جب خالص خوشبو کی وجہ سے دم لازم نہیں تو مخلوط کے ساتھ کیسے ہوگا یہاں شرح لباب میں حلبی سے نقل کرتے ہوئے تحریف ہو گئی ہے یا الفاظ ساقط ہو گئے ہیں جیسا کہ ہم نے وہاں حاشیہ میں بیان کر دیا ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۲: کما حققناہ فیما علی ردالمحتار ۱۲ منہ (م)

جیسا کہ ہم نے تفصیل حاشیہ ردالمحتار میں دی ہے۔ (ت)

(۲۲) مونڈنا، کترنا، موچنہ سے لینا، نورہ لگانا سب کا ایک حکم ہے۔

(۲۳) عورت اگر سارے یا چہارم سر کے بال ایک پورہ برابر کترے تو دم ہے اور کم میں صدقہ۔

(۲۴) وضو عـــہ۱ کرنے یا کھجانے یا کنگھی کرنے میں جو بال گرے اس پر بھی پورا صدقہ ہے۔ اور بعض نے کہا دو تین بال تک ہر بال کے لیے ایک مٹھی اناج یا ایک روٹی کا ٹکڑا یا ایک چھوہارا۔

(۲۵) بال آپ گر جائے بے اس کا ہاتھ لگائے یا بیماری سے تمام بال گر پڑیں تو کچھ نہیں۔

(۲۶) ایک ہاتھ ایک پاؤں کے پانچوں ناخن کترے یا بیسوں ایک ساتھ تو ایک دم ہے۔ اور اگر کسی ہاتھ پاؤں کے پورے پورے پانچ نہ کترے تو ہر ناخن پر ایک صدقہ، یہاں تک کہ چاروں ہاتھ پاؤں کے چار چار کترے تو سولہ صدقے دے مگر یہ کہ صدقوں کی قیمت ایک دم کے برابر ہو جائے تو کچھ کم کرلے۔

(۲۷) اگر ایک جلسہ میں ایک ہاتھ یا پاؤں کے کترے، دوسرے میں دوسرے کے، تو دو دم دے، یونہی چار جلسوں میں چاروں کے تو چار دم۔

(۲۸) کوئی ناخن ٹوٹ گیا کہ اب اگنے کے قابل نہ رہا اس کا بقیہ اس نے کاٹ لیا تو کچھ نہیں۔

(۲۹) شہوت کے ساتھ بوس وکنار ومساس میں دم عـــہ۲ ہے اگرچہ انزال نہ ہو اور بلا شہوت میں کچھ نہیں۔

(۳۰) اندام نہانی پر نگاہ کرنے سے کچھ نہیں اگرچہ انزال ہو جائے۔ مکروہ ضرور ہے۔

(۳۱) جلق سے انزال ہو جائے تو دم ہے ورنہ مکروہ ہے۔

(۳۲) طواف فرض کلی یا اکثر جنابت میں یا حیض ونفاس میں کیا تو بدنہ ہے، اور بے وضو تو دم ہے اور پہلی صورت میں طہارت کے ساتھ اس کا اعادہ واجب، دوسری میں مستحب۔

(۳۳) نصف سے کم پھیرے بے طہارت کے کئے تو ہر پھیرے کے لیے ایک صدقہ۔

(۳۴) طواف فرض کل یا اکثر بلا عذر اپنے پاؤں چل کر نہ کیا بلکہ سواری یا گود میں یا بیٹھے بیٹھے۔

(۳۵) یا بے ستر عورت کیا مثلاً عورت کی چہارم کلائی یا چہارم سر کے بال کھلے تھے۔

(۳۶) یا کعبہ کو دہنے ہاتھ پر لے کے الٹا کیا۔

(۳۷) یا اس میں حطیم کے اندر ہو کر گزرا۔

(۳۸) یا بارھویں کے بعد کیا تو ان پانچوں صورتوں میں دم دے۔

عـــہ۱: یہاں بھی جلسہ کا اعتبار چاہیے ایک جلسہ میں ایک بال یا کل ٹوٹیں تو ایک صدقہ اور متعدد جلسوں میں تو متعدد ۱۲ منہ (م)

عـــہ۲: **مسئلہ:** مرد کے ان افعال سے عورت کو لذت آئے تو بھی دم ہے ۱۲ منہ (م)

(۳۹) اس کے چار سے کم پھیرے بالکل نہ کئے تو دم دے دے اور بارھویں کے بعد کئے تو ہر پھیرے پر صدقہ ہے۔

(۴۰) طواف فرض کے سوا اور کوئی طواف ناپاکی میں کیا تو دم ہے، اور بے وضو تو صدقہ۔

(۴۱) فرض وغیرہ کوئی طواف ہو جیسے ناقص طور پر کیا کہ کفارہ لازم ہوا، جب کامل اعادہ کرلیا کفارہ اتر گیا مگر بارھویں کے بعد ہونے سے جو نقصان طواف فرض کے سوا کسی پھیرے میں آیا اس کا اعادہ ناممکن بارھویں تو گزر گئی۔

(۴۲) نجس کپڑوں سے طواف مکروہ ہے کفارہ نہیں۔

(۴۳) سعی کے چار پھیرے یا زیادہ بلاعذر اصلًا نہ کئے، یا سواری پر کئے تو دم ہے اور حج گیا اور چار سے کم میں ہر پھیرے پر صدقہ دے۔

(۴۴) طواف سے پہلے سعی کرلی پھر کرے، نہ کرے گا تو دم لازم۔

(۴۵) دسویں کی صبح بلاعذر مزدلفہ میں وقوف نہ کیا تو دم دے۔ ہاں کمزور یا عورت بخوفِ زحمت ترک کرے تو جرمانہ نہیں۔

(۴۶) حلق حرم میں نہ کیا حدودِ حرم سے باہر کیا یا بارھویں کے بعد کیا تو دم ہے۔

(۴۷) رمی سے پہلے حلق کرلیا دم دے۔

(۴۸) قارن یا متمتع رمی سے پہلے قربانی یا قربانی سے پہلے حلق کریں تو دم دیں۔

(۴۹) اگر رمی کسی دن اصلًا نہ کی۔

(۵۰) یا کسی ایک دن کی بالکل یا اکثر ترک کردی مثلًا دسویں کو تین کنکریوں تک ماریں یا گیارھویں کو دس کنکریوں تک۔

(۵۱) یا کسی ایک دن کی بالکل یا اکثر اس کے بعد دوسرے دن کی، تو ان صورتوں میں دم دے، اور اگر کسی دن کی رمی اس کے بعد آنے والی رات کرلی تو کفارہ نہیں۔

(۵۲) اگر کسی دن کے نصف سے کم رمی مثلًا دسویں کی تین کنکریاں اور دن کی دس بالکل چھوڑدیں یا دوسرے دن کیں، تو ہر کنکری پر ایک صدقہ دے۔ ان صدقوں کی قیمت دم کے برابر ہو جائے تو کچھ کم کرلے۔

(۵۳) احرام والے نے کسی دوسرے کے بال مونڈے یا ناخن کترے اگر وہ بھی احرام میں ہے تو یہ صدقہ دے اور وہ صدقہ یا دم اسی تفصیل پر کہ اوپر گزری۔ اور اگر وہ احرام میں نہیں تو کچھ خیرات کردے اگرچہ ایک مٹھی، اور وہ کچھ نہیں۔

(۵۴) اور اگر اس کو سِلے کپڑے پہنائے یا خوشبو اس طرح لگائی کہ اپنے نہ لگی تو اس پر کفارہ نہیں، ہاں گناہ ہوگا، اگر وہ بھی احرام میں تھا۔ اور وہ حسب تفصیل مذکور دم یا صدقہ دے گا۔

(۵۵) وقوف عرفہ سے پہلے جماع کیا تو حج نہ ہوا اسے حج ہی کی طرح پورا کرکے دم دے اور پھر فوراً ہی سال آئندہ اس کی قضا کرلے۔ عورت بھی احرام حج میں تھی تو اس پر لازم ہے اور مناسب ہے کہ حج کے احرام سے ختم تک دونوں اس طرح جدا رہیں کہ ایک دوسرے کو نہ دیکھے، اگر خوف ہو کہ پھر اس بلا میں پڑ جائیں گے اور وقوف کے بعد صحبت کرنے سے حج تو نہ جائے گا مگر اگر حلق وطواف سے پہلے کیا تو بُدنہ دے اور دونوں کے بیچ میں کیا تو دم، اور بہتر عـــہ اب بھی بدنہ ہے اور دونوں کے بعد کچھ نہیں

(۵۶) عمرہ میں طواف کے چار پھیروں سے پہلے جماع کیا تو عمرہ جاتا رہا دم دے اور عمرہ پھر کرے اور چار کے بعد دم دے عمرہ صحیح ہے۔

(۵۷) اپنی جوں اپنے بدن یا کپڑوں میں ماری یا پھینک دی تو ایک میں روٹی کا ٹکڑا دے۔ اور دو ہوں تو مٹھی بھر اناج اور زیادہ میں صدقہ دے۔

(۵۸) جوئیں مارنے کو سر یا کپڑا دھویا یا دھوپ میں ڈالا جب بھی یہی کفارے جو خود قتل میں تھے۔

(۵۹) یونہی دوسرے نے اس کے کہنے یا اشارہ کرنے سے اس کی جوں کو مارا جب بھی اس پر کفارہ ہے اگرچہ وہ دوسرا احرام میں نہ ہو۔

(۶۰) زمین وغیرہ پر گری ہوئی جوں یا دوسرے کے بدن یا کپڑوں کی مارنے میں اس پر کچھ نہیں اگرچہ وہ دوسرا بھی احرام میں ہو۔

مسئلہ: جہاں ایک دم یا صدقہ ہے قارن پر دو ہیں۔

مسئلہ: کفارہ کی قربانی یا قارن ومتمتع کے شکرانہ کی غیر حرم میں نہیں ہوسکتی مگر شکرانہ کی قربانی سے آپ کھائے، غنی کو کھلائے، اور کفارہ کی صرف محتاجوں کا حق ہے۔

نصیحت: کفارے اس لیے ہیں کہ بھول چوک سے یا سونے میں یا مجبوری سے جرم ہوں تو کفارہ سے پاک ہوجائیں، نہ اس لیے کہ جان بوجھ کر بلاعذر جرم کرو اور کہو کفارہ دے دیں گے، دینا تو جب بھی آئیگا، مگر قصداً حکمِ الٰہی کی مخالفت سخت ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی** حق سبحانہ توفیق طاعت عطا فرماکر مدینہ کی زیارت کرائے۔ **آمین!**

عـــہ: ذکرتہ خروجا عن خلاف قوی ۱۲ منہ (م)

میں نے اس کو اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ قوی اختلاف سے خروج ہوجائے۔ (ت)

فصل ہفتم حاضری سرکار اعظم مدینہ طیبہ حضور حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

(۱) زیارت اقدس قریب بواجب ہے بہت لوگ دوست بن کر طرح طرح ڈراتے ہیں، راہ میں خطرہ ہے وہاں بیماری ہے، خبر دار! کسی کی نہ سنو، اور ہرگز محرومی کا داغ لے کر نہ پلٹو، جان ایک دن جانی ضرور ہے اس سے کیا بہتر ہے کہ ان کی راہ میں جائے۔ اور تجربہ ہے کہ جو ان کا دامن تھام لیتا ہے اسے اپنے سایہ میں بآرام لے جاتے ہیں کیل کا کھٹکا نہیں ہوتا۔ والحمد للہ۔

(۲) حاضری میں خاص زیارت اقدس کی نیت کرو یہاں تک کہ امام ابن الہمام فرماتے ہیں اس بار مسجد شریف کی بھی نیت نہ کرے۔

(۳) راستہ بھر درود وذکر شریف میں ڈوب جاؤ۔

(۴) جب حرم مدینہ نظر آئے بہتر یہ ہے کہ پیادہ ہولو، روتے، سر جھکاتے، آنکھیں نیچی کئے، اور ہو سکے تو ننگے پاؤں چلو بلکہ

جائے سراست اینکہ تو پامی نہی   پائے نہ بینی کہ کجامی نہی

حرم کی زمین اور قدم رکھ کے چلنا   ارے سر کا موقعہ ہے او جانے والے

(۵) جب قبہ انور پر نگاہ پڑے درود وسلام کی کثرت کرو۔

(۶) جب شہر اقدس تک پہنچو جلال وجمال محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تصور میں غرق ہو جاؤ۔

(۷) حاضری مسجد سے پہلے تمام ضروریات جن کا لگاؤ دل بٹنے کا باعث ہو نہایت جلد فارغ ہو، ان کے سوا کسی بیکار بات میں مشغول نہ ہو۔ معًا وضو اور مسواک کرو اور غسل بہتر، سفید و پاکیزہ کپڑے پہنو اور نئے بہتر، سرمہ اور خوشبو لگاؤ اور مشک افضل ہے۔

(۸) اب فورًا آستانہ اقدس کی طرف نہایت خشوع وخضوع سے متوجہ ہو، رونا نہ آئے تو رونے کا منہ بناؤ، اور دل کو بزور رونے پر لاؤ اور اپنی سنگدلی سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف متوجہ کرو۔

(۹) جب در مسجد پر حاضر ہو صلوٰۃ وسلام عرض کرکے تھوڑا ٹھہرو جیسے سرکار سے حاضری کی اجازت مانگتے ہو، **بسم اللہ** کہہ کر سیدھا پاؤں پہلے رکھ کہ ہمہ تن ادب ہو کر داخل ہو۔

(۱۰) اس وقت جو ادب و تعظیم فرض ہے ہر مسلمان کا دل جانتا ہے کہ آنکھوں کان، زبان، ہاتھ، پاؤں، دل سب خیال غیر سے پاک کرو۔ مسجد اقدس کے نقش و نگار نہ دیکھو۔

(۱۱) اگر کوئی ایسا سامنے آجائے جس سے سلام کلام ضرور ہو تو جہاں تک بنے کترا جاؤ، ورنہ ضرورت سے زیادہ نہ بڑھو، پھر بھی دل سرکار ہی کی طرف ہو۔

(۱۲) ہر گز ہر گز مسجد اقدس میں کوئی حرف چلا کر نہ نکلے۔

(۱۳) یقین جانو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سچی حقیقی دنیاوی جسمانی حیات سے ویسے ہی زندہ ہیں جیسے وفات شریف سے پہلے تھے۔ ان کی اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی موت صرف وعدہ خدا کی تصدیق کو ایک آن کے لیے تھی۔ ان کا انتقال صرف نظر عوام سے چھپ جانا ہے۔

امام محمد ابن الحاج مکی مدخل اور امام احمد قسطلانی مواہب اللدنیہ میں اور ائمہ دین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین فرماتے ہیں:

لَافَرْقَ بَیْنَ مَوْتِہٖ وَحَیَاتِہٖ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مُشَاھِدَتِہٖ لِاُمَّتِہٖ وَمَعْرِفَتِہٖ بِاَحْوَالِھِمْ وَنِیَّاتِھِمْ وَ عَزَائِمِھِمْ وَخَوَاطِرِھِمْ وَذَالِكَ عِنْدَہٗ جَلِیٌّ لَاخِفَاءَ بِہٖ[1]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حیات وفات میں اس بات میں کچھ فرق نہیں کہ وہ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی حالتوں اور ان کی نیتوں، ان کے ارادوں، ان کے دلوں کے خیالوں کو پہچانتے ہیں، اور یہ سب حضور پر ایسا روشن ہے جس مس اصلاً کوئی پوشیدگی نہیں۔

امام رحمہ اللہ تلمیذ امام محقق ابن الہمام منسک متوسط اور علی قاری مکی اس کی شرح مسلک متقسط میں فرماتے ہیں:

اَنَّہٗ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَالِمٌ بِحُضُوْرِكَ وَقِیَامِكَ وَسَلَامِكَ ای بَلْ بِجَمِیْعِ اَفْعَالِكَ وَاَحْوَالِكَ وَ ارْتِحَالِكَ وَمَقَامِكَ[2]۔	بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تیری حاضری اور تیرے کھڑے ہونے اور تیرے سلام بلکہ تیرے تمام افعال واحوال و کوچ و مقام سے آگاہ ہیں۔

(۱۴) اب اگر جماعت قائم ہو شریک ہو جاؤ کہ اس میں تحیۃ المسجد بھی ادا ہو جائیگی ورنہ اگر غلبہ شوق

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی زیارۃ القبور دارالکتاب العربی بیروت ۱/۲۵۲، شرح مواہب زرقانی المقصد العاشر مطبعہ عامرہ مصر ۸/۳۴۸

[2] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۳۸

مہلت دے اور اس وقت کراہت نہ ہو تو دو رکعت تحیۃ المسجد و شکرانہ حاضری در بارہ اقدس صرف قُل یَا اور قُل سے بہت ہلکی مگر رعایت سنت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ جہاں اب وسط کریم میں محراب بنی ہے اور وہاں نہ ملے تو جہاں تک ہوسکے اس کے نزدیک ادا کرو، پھر سجدہ شکر میں دعا کرو کہ الٰہی! اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب اور ان کا اور اپنا قبول نصیب کر۔ آمین!

(۱۵) اب کمال ادب میں ڈوبے ہوئے گردن جھکائے آنکھیں نیچی کیے، لرزتے، کانپتے، گناہوں کی ندامت سے پسینہ پسینہ ہوتے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عفو و کرم کی امید رکھتے حضور والا کی پائیں یعنی مشرق کی طرف سے مواجہہ عالیہ میں حاضر ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مزار انور میں روبقبلہ جلوہ فرما ہیں اس سمت سے حاضر ہو کہ حضور کی نگاہ بیکس پناہ تمھاری طرف ہوگی اور یہ بات تمھارے لیے دونوں جہان میں کافی ہے۔ والحمد للہ۔

(۱۶) اب کمال ادب و ہیبت و خوف و امید کے ساتھ زیر قندیل اس چاندی کی کیل کے جو حجرہ مطہرہ کی جنوبی دیوار میں چہرہ انور کے مقابل لگی ہے کم از کم چار ہاتھ کے فاصلہ سے قبلہ کو پیٹھ اور مزار انور کو منہ کرکے نماز کی طرح ہاتھ باندھے کھڑے ہو، لباب وشرح لباب واختیار شرح مختار، فتاوائے عالمگیری وغیرہا معتمد کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی کہ یقف کمافی الصلٰوۃ،[1] حضور کے سامنے ایسا کھڑا ہو جیسا نماز میں کھڑا ہوتا ہے، یہ عبارت عالمگیری واختیار کی ہے، اور لباب میں فرمایا: وَاضِعًا یَمِیْنَہٗ عَلٰی شِمَالِہٖ[2] دست بستہ دہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر کھڑا ہو،

(۱۷) خبر دار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلاف ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلہ سے زیادہ قریب نہ جاؤ یہ ان کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلایا اور اپنے مواجہہ اقدس میں جگہ بخشی، ان کی نگاہ کریم اگرچہ تمھاری طرف تھی اب خصوصیت اور اس درجہ قرب کے ساتھ ہے والحمد للہ۔

(۱۸) الحمد للہ اب کہ دل کی طرح تمھارا منہ بھی اس پاک جالی کی طرف ہے جو اللہ عزوجل کے محبوب عظیم الشان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آرام گاہ ہے نہایت ادب و وقار کے ساتھ بآواز حزیں و صورت دردآگیں، و دل شرمناک و جگر چاک چاک، معتدل آواز سے نہ بلند و سخت (کہ ان کے حضور آواز

---

[1] فتاوٰی ہندیہ خاتمہ فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶۵

[2] شرح لباب مع ارشاد الساری باب فی زیارت سید المرسلین دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۳۷

ببلند کرنے سے عمل اکارت ہوجاتے ہیں) نہ نہایت نرم وپست (کہ سنت کے خلاف ہے اگرچہ وہ تمھارے دلوں کے خطروں تک سے اگاہ ہیں جیسا کہ ابھی تصریحات ائمہ سے گزرا) مجرا و تسلیم بجالاؤ اور عرض کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُہ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللهِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاخَیْرَ خَلْقِ اللهِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاشَفِیْعَ الْمُذْنِبِیْنَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ وَاُمَّتِكَ اَجْمَعِیْنَ۔ [1]

(اے پیارے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت وبرکات ہوں، اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو۔ اے مخلوق خدا میں سب سے بہتر آپ پر سلام ہو۔ اے گنہ گاروں کی شفاعت فرمانے والے آپ پر سلام ہو۔ آپ پر۔ اور آپ کے آل واصحاب پر اور تمام امت پر سلام ہو۔ ت)

(۹) جہاں تک ممکن ہو اور زبان یاری دے اور ملال وکسل نہ ہو صلوٰۃ وسلام کی کثرت کرو۔ حضور سے اپنے لیے اور اپنے ماں باپ۔ پیر، استاد، اولاد، عزیزوں، دوستوں اور سب مسلمانوں کے لیے شفاعت مانگو، بار بار عرض کرو۔ اَسْئَلُكَ الشَّفَاعَةَ یَا رَسُوْلَ اللهِ [2] (اے اللہ کے رسول! آپ سے شفاعت کا سوالی ہوں۔ ت)

(۲۰) پھر اگر کسی نے عرض سلام کی وصیت کی بجالاؤ۔ شرعا اس کا حکم ہے۔ اور یہ فقیر ذلیل ان مسلمانوں کو جو اس رسالہ کو دیکھیں وصیت کرتا ہے کہ جب انھیں حاضری نصیب ہو بارگاہ نصیب ہو فقیر کی زندگی میں یا بعد کم از کم تین بار مواجہہ اقدس میں ضرور یہ الفاظ عرض کرکے اس نالائق ننگ خلائق پر احسان فرمائیں، اللہ ان کو دونوں جہاں میں جزا بخشے۔ آمین:

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللهِ وَعَلٰی اٰلِكَ وَذُرِّیَّتِكَ فِیْ کُلِّ آنٍ وَلَحْظَةٍ عَدَدَ کُلِّ ذَرَّةٍ اَلْفَ اَلْفَ مَرَّةٍ مِنْ عُبَیْدِكَ اَحْمَدُ رَضَا ابْنِ نَقِیْ عَلِیْ یَسْئَالُكَ الشَّفَاعَةَ فَاشْفَعْ لَہ وَلِلْمُسْلِمِیْنَ۔

(اے اللہ کے رسول آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو، آپ کی آل وذریت پر بھی ہر ذرہ کے برابر، لاکھوں مرتبہ آپ کے غلام احمد رضا بن نقی علی پر، اور وہ آپ سے شفاعت کا خواستگار ہے اس کی اور تمام مسلمانوں کی شفاعت فرمائیے۔ ت)

---

[1] شرح لباب مع ارشاد الساری باب فی زیارت سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۸

[2] شرح لباب مع ارشاد الساری باب فی زیارت سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۹

(۲۱) پھر اپنے دہنے ہاتھ یعنی مشرق کی طرف ہاتھ بھر ہٹ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے چہرہ نورانی کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاخَلِیْفَةَ رَسُوْلِ اللهِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاصَاحِبَ رَسُوْلِ اللهِ فِیْ الْغَارِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُه [1]۔

(اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! آپ پر سلام۔ اے رسول اللہ کے یار غار! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت وبرکات کا نزول ہو۔ (ت)

(۲۲) پھر اتنا ہی اور ہٹ کر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے روبرو کھڑے ہو کر عرض کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَااَمِیْرَالْمُؤْمِنِیْنِ ط اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَامُتَمِّمَ الْاَرْبَعِیْنِ ط اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاعِزَّ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُه [2]۔

(اے امیر المومنین آپ پر سلام۔ اے چالیس مسلمان پورے فرمانے والے! آپ پر سلام۔ اے اسلام اور مسلمانوں کی عزت! آپ پر سلام اور رحمت وبرکاتِ الٰہی کا نزول ہو۔ ت)

(۲۳) پھر بالشت بھر مغرب کی طرف پلٹو اور صدیق وفاروق کے درمیان کھڑے ہو کر عرض کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمَا یَاخَلِیْفَتَیْ رَسُوْلِ اللهِ ط اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمَا یَاوَزِیْرَیْ رَسُوْلِ اللهِ ط اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمَا یَاضَجِیْعَیْ رَسُوْلِ اللهِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُه، ط اَسْئَلُکُمَا الشَّفَاعَةَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلَیْکُمَا وَبَارَكَ وَسَلَّمَ [3]۔

(اے رسول اللہ کے دونوں خلیفو! تم پر سلام ہو، اے رسول اللہ کے دونوں وزیرو! تم پر سلام ہو۔ اے رسول اللہ کے پہلو میں لیٹنے والو! تم پر سلام اور اللہ کی رحمتوں وبرکات کا نزول ہو، آپ دونوں سے درخواست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیکما وبارک وسلم کی خدمت اقدس میں میرے لیے شفاعت کا وسیلہ اور سہارا بنو۔ ت)

(۲۴) یہ سب حاضریاں محل اجابت ہیں دعا میں کوشش کرو، دعائے جامع کرو۔ درود پر قناعت بہتر ہے۔

---

[1] شرح لباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۹

[2] شرح لباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۹

[3] شرح لباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۴۰

(۲۵) پھر منبر اطہر کے قریب دعامانگو۔

(۲۶) پھر روضہ جنت میں (یعنی جو جگہ منبر و حجرہ منورہ کے درمیان ہے اور اسے حدیث میں جنت کی کیاری فرمایا [1]) آکر دو رکعت نفل غیر وقت مکروہ میں پڑھ کر دعا کرو۔

(۲۷) یونہی مسجد شریف کے ہر ستون کے پاس نماز پڑھو اور دعامانگو کہ محل برکات ہیں خصوصًا بعض میں خاص خصوصیت۔

(۲۸) جب تک مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہر ایک سانس بیکار نہ جائے وہ ضروریات کے سوا اکثر وقت مسجد شریف میں باطہارت حاضر ہو، نماز و تلاوت و درود میں وقت گزارو دنیا کی بات کسی مسجد میں نہیں چاہئے نہ کہ یہاں۔

(۲۹) ہمیشہ ہر مسجد میں جائے اعتکاف کی نیت کرلو۔ یہاں تمھاری یاد دہانی ہی کو دروازے سے بڑھتے ہی یہ کتبہ ملے گا۔ نَوَیْتُ سُنَّةَ الْاِعْتِکَاف ط (میں سنت اعتکاف کی نیت کرتا ہوں۔ت)

(۳۰) مدینہ طیبہ میں روزہ نصیب ہو خصوصًا گرمی میں تو کیا کہنا کہ اس پر وعدہ شفاعت ہے۔

(۳۱) یہاں ہر نیکی ایک کی پچاس ہزار لکھی جاتی ہے لہٰذا عبادت میں زیادہ کوشش کرو، کھانے پینے کی کمی ضرور کرو۔

(۳۲) قرآن مجید کا کم سے کم ایک ختم یہاں اور حطیم کعبہ معظّمہ میں کرلو۔

(۳۳) روضہ انور پر نظر بھی عبادت ہے جیسے کعبہ معظّمہ یا قرآن مجید کا دیکھنا تو ادب کے ساتھ اس کی کثرت کرو اور درود و سلام عرض کرو۔

(۳۴) پنجگانہ یا کم از کم صبح و شام مواجہہ شریف میں عرض سلام کے لیے حاضر رہو۔

(۳۵) شہر میں یا شہر سے باہر جہاں کہیں گنبد مبارک پر نظر پڑے فورًا دست بستہ ادھر منہ کرکے صلوٰۃ و سلام عرض کرو بغیر اس کے ہرگز نہ گزرو کہ خلاف ادب ہے۔

(۳۶) ترک جماعت بلا عذر ہر جگہ گناہ ہے اور کئی بار ہو تو سخت حرام و گناہ کبیرہ، اور یہاں تو گناہ کے علاوہ کیسی سخت محرومی ہے والعیاذ باللہ تعالٰی، صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جسے میری مسجد میں چالیس نمازیں فوت نہ ہوں اس کے لیے دوزخ و نفاق سے آزادیاں لکھی جائیں [2]۔

---

[1] شرح لباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۴۱

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از انس بن مالک دار الفکر بیروت ۳/ ۱۵۵

(۳۷) قبر کریم کو ہر گز پیٹھ نہ کرو اور حتی الامکان نماز میں بھی ایسی جگہ کھڑے ہو کہ پیٹھ کرنی نہ پڑے۔

(۳۸) روضہ انور کا طواف کرو۔ نہ سجدہ، نہ اتنا جھکنا کہ رکوع کے برابر ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ان کی اطاعت میں ہے۔

(۳۹) بقیع واُحد وقبا کی زیارت سنت ہے۔ مسجد قبا کی دو رکعت کا ثواب ایک عمرے کے برابر ہے اور چاہو تو یہیں حاضر رہو، سیدی ابن ابی جمرہ قدس سرہ، جب حضور ہوتے آٹھوں پہر برابر حضوری میں کھڑے رہتے۔ ایک دن بقیع وغیرہ کی زیارت کا خیال آیا پھر فرمایا یہ ہے اللہ کا دروازہ بھیک مانگنے والوں کے لیے کھلا ہے اسے چھوڑ کر کہاں جاؤں ع

سرایں جا سجدہ این جا بندگی ایں جا قرار ایں جا

(۴۰) وقت رخصت مواجہہ انور میں حاضر ہو اور حضور سے بار بار اس نعت کی عطا کا سوال کرو، اور تمام آداب کہ کعبہ معظّمہ سے رخصت میں گزرے ملحوظ رکھو اور سچے دل سے دعا کرو کہ الٰہی! ایمان وسنت پر مدینہ طیبہ میں مرنا اور بقیع پاک میں دفن ہونا نصیب ہو۔ اللّٰھم ارزقنا اٰمین اٰمین یا ارحم الراحمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد واٰلہٖ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین والحمدللہ رب العالمین۔

اَلنَّیِّرَۃُ الْوَضِیَّۃ شرح الْجَوْھَرَۃِ الْمَضِیَّۃ [۱۲۹۵ھ]

مع حاشیۃ

اَلطُّرَّۃُ الرَّضِیَّۃ عَلَی النَّیِّرَۃِ الْوَضِیَّۃ

__ متن __

از عالم اجل مولانا سید حسین بن صالح جمل اللیل فاطمی حسینی امام وخطیب شافعیہ مکہ مکرمہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۱ھ)

___ شرح وحاشیۃ ___

از اعلیحضرت امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضاخاں قادری بریلوی قدس سرہ العزیز

حج، عمرہ اور زیارت سراپا طہارت کے آداب ومسائل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ الذی حمدہ من بحار القدس جوھرۃ مضیۃ والصلٰوۃ والسلام علٰی من الصلٰوۃ علیہ فی سماء النور نیرۃ وضیۃ وعلٰی اٰلہٖ صحبہ الذی السلام علیھم علٰی تلك

الّا اللّٰه وحدہ، لاشریك له واشهد ان محمدًا عبدہ، ورسوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وعلٰی اٰله وصحبه الٰی یوم القیٰمة اٰمین! امّابعد

فقیر عبدالمصطفٰی احمد رضا غفرلہ واصلح عملہ نے زمانہ تالیف "النیرۃ الوضیۃ شرح الجوھرۃ المضیۃ" میں اس پر بعض منیہات، تقییداتِ لطیفہ پر مشتمل، بغرض اظہارِ مرام یا اتمامِ کلام یا ازہاقِ اوہام لکھے تھے۔ اب دیگر حواشی مفیدہ توضیح مسائل یا تخریجِ احادیث یا زیادتِ فوائد کو متضمن اور اضافہ کیے، مقصود اس تعلیق مختصر مسمّٰی بہاالطرۃ الرضیۃ علی النیرۃ الوضیۃ سے صرف برادران دینی کے لیے کم از کم پانسو ورق کی کتاب درکار۔ اسأل اللّٰه ان ینفع بهما وبسائر تصانیفی المسلمین ویجعلها جمیعا حجة لی لاعلیّ یوم الدین وصلی اللّٰه تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد واٰله وصحبه اجمعین۔

شرح میں کہ کمال اختصار منظور تھا خطبۂ متن کا ترجمہ بھی نہ لکھا مگر اس میں متن ناقص رہتا ہے، لہذا یہاں تحریر ہوتا ہے۔

قال المصنف رحمه اللّٰه تعالٰی بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم۔

م: حمدالمن انزل فرض الحج ودلّنا علی سوی النهج

ت: سب خوبیاں اسے جس نے حج کا فرض اتارا اور ہمیں سب راہوں میں سیدھی راہ بتائی۔

م: ثم صلٰوۃ اللّٰه والسلام علٰی نبیٍّ دینه الاسلامت:

پھر خدا کے درود وسلام اس نبی پر جن کا دین اسلام ہے۔

م: محمد واٰله الکرام وصحبه الافاضل الاعلام

ت: یعنی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کی کرم والی آل اور بڑی فضیلت وشہرت والے یاروں پر۔

م: وبعدذا یقول ذاالفقیر بجمال اللیل هو الشهیر

ت: اس کے بعد کہتا ہے یہ فقیر کہ جمال اللیل کے لقب سے مشہور ہے۔

م: حسین نجل صالح اخی الهدی للشافعیة امام مقتدٰیت:

حسین پسر صالح کہ صاحبِ رہنمائی تھے شافعیہ کے امام پیشوا۔

م: هذی اتت ارجوزۃ للناسك تنفع فی معرفة المناسکت:

یہ ایک رجز ہے حاجی کے لیے کہ نفع دے گی مسائل حج پہچاننے میں۔

ش: ناسك کے اصل معنی عابد وں قربانی کندہ، یہاں حاجی مراد ہے کہ حج عمدہ عبادات سے ہے اور وجوبًا یا استحبابًا قربانی پر مشتمل، اور رجز ایک قسم نظم یا نثر مسجّع کی ہے علی اختلاف العروضیین فیه۔

م: سمّیتها الجوهرۃ المضیّة تضحٰی بها نفس الفتی وضیّة

ت: میں نے اس کا جوہرہ مضیہ نام رکھا، مردانِ راہِ علم کی جان اس سے روشنی پائے گی۔

م: مؤمّلا من ربی القبولا به انال الفوز والمامولات:

اپنے رب سے قبول کی تمنا کرتا ہوا میں اسی سے پاؤں گا فلح ومراد۔

م: من عندہ التوفیق للصواب ونحواہ المرجع فی المأبت:

اسی کے پاس ہے راستی کے سامان درست فرمانا اور اسی کی طرف ہے انتہا میں پلٹ جانا۔

م: مقدمۃ فی وجوب الخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد اللہ الذی فرض الحجۃ، واوضح المحجۃ [عہ۱]، والصّلوٰۃ والسلام علٰی نبیّہ الذی اقام الحجۃ، فقوّم اقوامًا معوّجۃ [عہ۲]، وعلٰی اٰلہٖ وصحبہ الذین اظہر وازقاق [عہ۳] الدین وفجّۃ [عہ۴] حتی وقعت بالسمٰوٰت من لجّۃ [عہ۵] مدائحھم رَجّۃ [عہ۶] واشھد ان لاالٰہ الااللہ واشھد ان محمدًا عبدہ، ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماتدلاطم الامواج فی لجّۃ [عہ۷]۔

بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ جب توفیق وعنایت الٰہی واعانت حضرت رسالت پناہی علیہ الصلوٰۃ والسلام الغیر المتناہی نے دستگیری فرمائی اور ۱۲۹۵ھ میں فقیر سراپا تقصیر عبدالمصطفٰی احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی غفرلہ ماجنٰی کو بہ ہمراہی رکاب، سعادت انتساب، حضرت افضل المحققین، امثل المقدقّقین، حامی السنۃ السنیّۃ، ماحی الفتن الدنیّہ، خدمت والدم، قبلہ اعظم حضرت مولانا مولوی محمد نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی مدظلہم العالٰی مدی تعاقب الایام واللیالی، خلف حضرت قدوۃ العارفین، زبدۃ الفاضلین، حجۃ اللہ فی الارضین، معجزہ من معجزات سیّد المرسلین علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم حضرت مولانا محمد رضا علی خاں صاحب قادری قدس سّرہ العلی، نعمت حاضری بلدہ معظّمہ مکہ مکرمہ زادہا اللہ تعالٰی شرفاً وتکریمًا ہاتھ آئی، حُسنِ اتفاق سے ایک روز جناب مولانا سیّدی حسین بن صالح جمل اللیل علوی فاطمی قادری مکی امام وخطیب شافعیہ سے مقامِ ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم کے

عہ۱: راہِ راست ۱۲) عہ۲: من الاعوجاج کج وناراست ۱۲)

عہ۳: بالضم کوچہ وراہِ تنگ) عہ۴: بفتح راہ کشادہ وفراخ والمراد بھما ظواھر الدین ودقائقہ ۱۲)

عہ۵: شور وغوغا وآواز ۱۲) عہ۶: لرزہ ۱۲)

عہ۷: میان دریا وقعر، دریا ودریائے ژرف والمراد احد الطرفین ۱۲ منہ غفرلہ)

قریب کہ فقیر رکعاتِ طواف اور وُہ جناب امامتِ نمازِ مغرب سے فارغ ہوئے تھے ملازمت حاصل ہوئی۔ سبحان اللہ! عجب بزرگ خوش اوقات وبابرکات ہیں، اکثر عرب وجادہ وداغستان وغیرہا بلاد نزدیک و دور کے ہزاروں آدمی ان کے بلکہ ان کے مریدوں کے مرید اور شرفِ بیعت و سلسلۂ تلمذ سے مستفیض ہیں، اوّل نماز میں حد عـــہ۱ سے زیادہ تلطف فرمایا، فقیر کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لیے دولت خانہ تک کہ نزدیک باب صفا واقع ہے لے گئے اور تاقیام مکہ معظّمہ حاضری کا تقاضا فرمایا، فقیر حسب وعدہ حاضر ہوا، مسائل حج میں ایک اُرجوزہ اپنا مسمّٰی بالجوہرۃ المضیۃ فقیر کو سنایا، پھر فرمایا کہ اکثر اہل اس سے مستفیض نہیں ہوسکتے، ایک تو زبان عربی' دوسرے مذہب شافعی اور ہندی اکثر حنفی ہیں، مَیں چاہتا ہوں تُو اس کی بزبانِ اردو تشریح اور اس میں مذاہب حنفیہّ کی توضیح کردے۔ فقیر نے باعث اجر جزیل اور ثواب جمیل سمجھ قبول کیا اگرچہ وہاں فرصت نہ تھی' نہ کتابیں پاس۔ روزِ اوّل دو۲ بیت کے متعلق صرف تفصیل مسائل میں تین ورق طویل سے زائد لکھے گئے۔ جب بطور انموذج حاضر کیے جناب مولانا نے فرمایا: میرا مقصود تطویل اور اس قدر تفصیل نہیں کہ عوام اس سے کم منتفع و متمتع ہوتے ہیں صرف ہمارے کلام کا ترجمہ عـــہ۲ وخلاصہ مطلب اور جہاں حنفیہّ کا اختلاف ہو ان کا بیان مذہب ہوجائے۔ فقیر نے امتثالِ امر لازم اور یہی امر فرصتِ حاصلہ کے ملائم دیکھ کر بتاریخ ہفتم ذی الحجہ روز جاں افروز دوشنبہ یہ مختصر جملے لکھ دئے اور **النیرۃ الوضیۃ فی شرح الجوھرۃ المضیۃ** سے ملقب کئے اگرچہ بعض عـــہ۳ ضروریات پر بھی مشتمل نہیں مگر حسب، استدعائے مصنّف ہے اور بیان مذہبِ حنفیہّ میں اختیار راجح اور ترک عـــہ۴ مرجوح کے ساتھ متصف۔ "م" سے مراد متن ہے اور "ت" ترجمہ "ش" شرح

عـــہ۱: حالانکہ اس وقت کوئی تعارف نہ تھا وہ تو فقیر کو کیا جانتے، فقیر نے بھی اس سے پہلے انہیں نہ دیکھا تھا پھر جو کچھ کلمات انہوں نے فرمائے فقیر دنیا وآخرت میں ان کی برکات کی امید رکھتا ہے ۱۲منہ غفرلہ)

عـــہ۲: حسب الارشادِ مصنّف بیان شافعیہ میں صرف ترجمہ وشرح متن پر قناعت کی تنقیح وترجیح سے غرض نہ رکھی اگرچہ مکہ معظّمہ میں اس کا عمدہ سامان مہیّا تھا، کتب شافعیہ بکثرت ملتیں مگر اس میں ایک تو دیر ہوتی دوسرے مقصود اصلی اس شرح سے ہندیوں کا نفع تھا اُن کے اہلِ سنّت عموماً حنفی، پھر مذہب شافعیہ کی تنقیح ہونی نہ ہونی ایک سی ۱۲منہ۔)

عـــہ۳: سفر حرمین طیبین سے معاودت کے بعد حضرت والد علام قدس سرہ، نے جواہر البیان شریف تصنیف فرمائی، فقیر نے اس کے بعض کلمات کا خلاصہ اس شرح کے آخر میں لکھ کر تکملہ کردیا جس کے باعث **بحمد اللہ** اب یہ مختصر تحریر ضروریات پر مشتمل ہوگئی البتّہ ایک جرمانہ کا بیان کہ دفتر چاہتا ہے اور محرم احتیاط رکھے تو اس کی حاجت بھی نہیں پڑتی متروک رہا جسے کسی امر کی ضرورت ہو علماء سے دریافت کرسکتا ہے ۱۲منہ

عـــہ۴: مگر نادراً دو قول بھی بیان میں آئے جہاں دونوں جانب قوت قویہ تھی پھر جسے اس وقت اقوٰی سمجھا بیان میں مقدم رکھا ۱۲منہ
۔)

"م" سے مراد متن ہے اور "ت" "ترجمہ" "ش" "شرح" "ف" "فائدہ [عــہ۱]"۔ **واللہ نسأل التوفیق، منہ الوصول الٰی سواء الطریق** (اور اللہ تعالٰی سے ہی ہم توفیق کا سوال کرتے ہیں اور اسی کے کرم سے صراطِ مستقیم تک رسائی ہے۔ت)

م: مقدّمۃ فی وُجوب حجّۃِ الاسلام

ت: حج [عــہ۲] اسلام کے واجب ہونے میں۔

ش: یعنی حج کب واجب ہوتا ہے اور اس کے وجوب کے لئے کیا کیا شرطیں درکار ہیں۔

م: **شروطھا التکلیف والاسلام والعقل والحریۃ والتمام**

ت: شرطیں اس کے مکلّف مسلمان عاقل ہونا اور پُوری آزادی۔

ش: یعنی شرائط وجوب حج کہ جب وُہ جمع ہوں حج فرض ہو جائے اور ان میں سے ایک بھی فوت ہو تو نہیں، پانچ ہیں:

اوّل: بلوغ: کہ بچّہ پر فرض نہیں، کرے [عــہ۳] گا تو نفل ہوگا اور ثواب اسی کے لئے ہے۔ باپ [عــہ۴] وغیرہ مربّی تعلیم وترتیب کا اجر پائیں گے۔ پھر بعد بلوغ شرطیں جمع ہوں گی اس پر حج فرض ہو جائے گا، بچپن کا حج کفایت نہ کریگا۔

دوم: اسلام: کہ کافر پر ایمان لانے کے سوا کوئی عبادت فرض نہیں، نہ اُس کے ادا کیے ادا ہو سکیں، جب مسلمان ہوگا تو سب احکام اس کی طرف متوجہ ہونگے۔

سوم: عقل، کہ مجنون و معتوہ پر فرض نہیں۔ معتوہ وہ جس کے ہوش وحواس درست نہ ہوں، بہکی بہکی باتیں کرے، رائے میں فساد ہو، پھر اس [عــہ۵] کے ساتھ مارے، گالیاں دے تو مجنون ہے۔

عــہ۱: "ف" وہاں آئی جہاں کوئی تازہ بات لکھی یا قولِ متن پر کچھ کلام کیا یا مذہبِ حنفیّہ کا خلاف بتایا ۱۲منہ)

عــہ۲: حج اسلام حجِ فرض کو کہتے ہیں یعنی پہلا حج کہ مکلّف ادا کرے ۱۲منہ)

عــہ۳: قیدِ عقل خود مفادِ عبارت ہے ظاہر ہے کہ اُس کا حج کرنا جبھی کہیں گے کہ اتنی سمجھ رکھتا ہو اور بے سمجھ بچّہ کی عبادت کچھ معتبر نہیں، نہ وُہ فرض ہو نہ نفل **واللہ تعالٰی اعلم** ۱۲منہ)

عــہ۴: یعنی یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ بچّوں کی عبادت کا ثواب ماں باپ پاتے ہیں اُنہیں نہیں ہوتا، غلط ہے، بلکہ عبادت کا ثواب اِنہیں اور تعلیم کا اُنہیں ۱۲منہ۔)

عــہ۵: **ھذا احسن ماقیل فی الفرق بینھما شامی عن البحر** ۱۲منہ(م)

دونوں میں فرق کی بابت اقوال میں سے یہ احسن ہے، یہ شامی نے بحر سے نقل کیا ہے(ت)

چہارم[۴] پوری آزادی: کہ مکاتب ومدبر وام ولد عہ۱ پر فرض نہیں، جب تک کامل آزاد نہ ہوں، ہاں کرلیں تو نفل ہوگا۔ پھر بعد آزادی کامل اجتماع شرائط ہوا تو حج فرض ادا کرنا پڑے گا۔

ف: مولٰی نے اپنے غلام سے کہا میں نے تجھے مال پر مکاتب کیا یا اتنا مال مقرر کیا کہ مال لادے تو آزاد ہو۔ اور غلام نے قبول کرلیا۔ اسے عقد کتابت کہتے ہیں اور اس غلام کو مکاتب۔ اور جو کہا تو میرے بعد آزاد ہے تو یہ مدبر ہوا، اور جو کنیز اپنے مولٰی کے نطفے عہ۲ سے بچہ عہ۳ جنے وہ ام ولد ہے، ان سب کی غلامی میں ایک طرح کافرق آجاتا ہے پر حج فرض ہونے کو پوری حریت درکار ہے۔

ف: مکلّف عاقل بالغ کو کہتے ہیں تو بعد ذکر تکلیف، ذکر عقل کی حاجت نہ تھی، پر جناب مصنف نے فرمایا میری مراد تکلیف سے صرف بلوغ ہے۔

ف: کافروں پر ایمان کے سوا اور عبادتیں فرض ہونے میں علماء کو اختلاف ہے۔ شافعیہ کے نزدیک فرض ہیں اور یہی مذہب علمائے عراقیین عہ۴ کا ہے اور یہی معتمد عہ۵ وراجح تر ہے، فقیر کہتا ہے اس تقدیر پر اسلام کو

عہ۱: یونہی معتق البعض ۲ امنہ)

عہ۲: اشارۃ الی انہ لایشترط تحبلھا بجماع المولی حتی لو استدخلت منیہ فی فرجھا فحبلت وولدت صارت ام ولد[1] کمافی الدر ۱۲منہ (م)

ام ولد بننے کے لیے مالک کے جماع سے حاملہ بننا شرط نہیں بلکہ کسی طرح مالک کی منی کو اپنی شرمگاہ میں ڈالنے سے حاملہ ہوجائے تو بھی ام ولد بن جائیگی جیساکہ دُر میں ہے ۲ امنہ)

عہ۳: عند اللہ اسی قدر سے ام ولد ہوجاتی ہے کمافی الدر ہاں قضاءً پہلی بار مولٰی کا اقرار بھی شرط ہے یعنی وہ کہے کہ یہ بچہ میرا ہے۔ جس کنیز کے لیے ایک دفعہ یہ اقرار کرلیا دوسرے بچے میں قضاءً بھی یہ اقرار شرط نہ رہا البتہ نفی سے منتفی ہوجائے گا اگر زمانہ دراز تک ساقط نہ رہا ہو کہ فراش متوسط ہے قوی نہیں ۱۲منہ)

عہ۴: مشائخ سمرقند اصلاً فرض نہیں مانتے، ائمہ بخارا فرماتے ہیں ان پر فرائض کا اعتقاد فرض ہے ادا فرض نہیں۔ منار میں اسی کو صحیح کہا، ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ سمرقندیوں کے نزدیک کافروں پر صرف ترک ایمان کے سبب عذاب ہوگا۔ بخاریوں کے نزدیک فرائض کے نہ ماننے پر بھی عراقیوں کے نزدیک ان کے بجانہ لانے پر بھی ۱۲ منہ غفرلہ۔)

عہ۵: علامہ ابن نجیم ومحقق علائی نے فرمایا:

---

[1] درمختار باب الاستیلاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۸۷

شرط وجوب [عہ۱] ٹھہرانے میں تامل ہے بلکہ شرط صحت [عہ۲] ادا ہے۔ مگر یہ کہا جائے کہ وجوب سے مراد وہ وجوب ہے جس کے باعث دنیا میں مواخذہ ہوسکے کہ کفار پر ترک فرائض میں احتساب نہیں، **نترکھم ومایدینون فافھم** (ان کے دین کے معاملہ میں ان سے تعرض نہ کرینگے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

م: **ثم استطاعة السبیل شرطھا فلیك بالحفظ لھدی ضبطھا**

ت: پھر راہ پر قدرت شرط حج ہے۔ پس چاہیئے کہ انھیں حفظ کرکے خوب خیال میں رکھا جائے۔

ش: یعنی شرط پنجم استطاعت ہے کہ علاوہ مصارف ضروری کے اس قدر مال کا مالک ہو جو مکہ تک اپنی خواہ کرایہ کی سواری میں، کھانے پہننے کا متوسط، صرف کرتا جائے اور حج کرکے اسی طرح لوٹ آئے اور ضروری مصارف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) **وھو المعتمد لان ظاھر النصوص یشھد لھم وخلافہ تاویل۔**[1] (م)

یہی معتمد علیہ ہے کیوں کہ نصوص کا ظاہر اسی پر گواہ ہے اور اس کا خلاف تاویل ہے۔ (ت)

قرآن مجید میں صاف ارشاد ہوا:

مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ﴿۴۳﴾ وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآىٕضِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰۤى اَتٰىنَا الْیَقِیْنُ ﴿۴۷﴾[2] ۱۲ منہ (م)

تمھیں کس چیز نے جہنم میں پہنچایا، انھوں نے کہا ہم نمازی نہ تھے اور مسکینوں کو کھانا نہ کھلاتے اور ساز شیں کرنیوالوں کے ساتھ شریک ہو کر ہم بھی حصہ لیتے اور ہم یوم جزا کا انکار کرتے یہاں تک کہ موت آگئی ۱۲منہ (ت)

عہ ۱: کہ اس مذہب صحیح پر وجوب در کنار وجوب ادا ہے لہٰذا شرائط مرسوم یعنی صحت ادا کی طرف عدول کیا ۱۲منہ

عہ ۲: **اقول: بل لك ان تقول لما لم یکن الکافر من من اھل النیّة والنیة شرط الصحة کان الاسلام مندرجا فیھا لاشرطا بحیالہ واللہ تعالٰی اعلم** ۱۲منہ (م)

میں کہتاہوں، آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کافر جب نیت کرنے کا اہل نہیں جبکہ نیت صحت حج کے لیے شرط ہے تو یوں اسلام کا شرط ہونا پایا گیا، علیحدہ شرط نہ سہی، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ (ت)

[1] کشف الاستار حاشیہ در مختار حاشیہ نمبر ۴ کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۶۰

[2] القرآن ۷۴/ ۴۲تا ۴۷

جیسے رہنے کا مکان، پہننے کے کپڑے، گھر کا اثاثہ، اہل وعیال کا نفقہ، قرضخواہوں کا قرض، پیشہ ور کو آلات حرفہ۔ سوداگر کو اتنی پونجی جس سے اپنی اور اپنے بال بچوں کی کفایت کے لائق کما سکے، طالب علم کے لیے ضروری [عہ۱] دینی کتابیں، اور جنھیں سواری ہتھیار کی حاجت ہو ان کے لیے یہ بھی۔

ف: یہ استطاعت حج کے مہینوں میں درکار ہے یعنی شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ، اور جو دُور کے ساکن ہیں کہ پہلے سے چلتے ہیں تو جب اس شہر کے لوگ جائیں ورنہ اس سے پہلے اگر استطاعت تھی اور یہ وقت نہ آنے پایا کہ جاتی رہی تو حج فرض [عہ۲] نہ ہوگا،

ف: ہمارے امام کے نزدیک تندرستی شرط ہے یعنی بدن میں وہ آفت نہ ہو جو سفر سے معذور کردے جیسے اپاہج، مفلوج، اتنا بوڑھا کہ سواری پر نہ ٹھہر سکے، مگر صاحبین فرماتے ہیں ان پر حج بدل کرانا فرض ہے۔

م: صفة الاحرام

ش: یعنی احرام کی کیفیت اور اس کے سنت وفرض کا بیان

م: تجود عن المخیط واجب لِمُحْرِمٍ من غیر عذر لازب

ت: سلے کپڑے اتارنے واجب ہیں احرام والے پر، اگر کوئی عذر لاحق نہ ہو [عہ۳]۔

ف: اگر کسی عذر کے سبب سلا کپڑا پہن لے گا تو گنہگار نہ ہوگا ہمارے نزدیک ۱۲منہ ورنہ کفارہ تو ہر حال دینا لازم آئے گا۔

ت: یونہی احرام دو کپڑوں میں ہے بے سلے پاک ستھرے۔

ش: یعنی جب احرام چاہے سلے کپڑے، عمامہ، ٹوپی، موزے اتارے، چادر، تہبند بے سِلی اوڑھے باندھے۔

عہ۱: منطق فلسفہ کی کتابیں اس میں داخل نہیں ۱۲منہ)

عہ۲: یعنی جس سال استطاعت ہوئی اسی سال وقت آنے سے پہلے جاتی رہی ورنہ اگر ایک سال وقت تک باقی تھی تو حج فرض ہو چکا اب ساقط نہ ہوگا اگرچہ دوسرے برس وقت سے پہلے استطاعت زائل ہو جائے ۱۲)

عہ۳: اللازب اللازم ولایشترط لزوم العذر بل وجودہ حین ارتکاب المحظور فلذا فسرہ باللاحق ۱۲منہ (م)

لازب، لازم کو کہتے ہیں، جبکہ عذر کا لزوم نہیں بلکہ ممنوع کے ارتکاب کے وقت اس کا وجہ شرط ہے، اسی لیے اس کی تفسیر میں لاحق کہا ہے ۱۲منہ (م)

ف: نئے سفید ہوں تو بہتر ورنہ دھُلے اُجلے اور ان میں رفو یا پیوند بھی اچھا نہیں، پر جائز ہے۔ اور ہمیانی یا تلوار کے پر تلے کا ڈر نہیں۔

م: ينوی اداء النسك بالجنان وفضله فی القول باللسان

ت: نیت کرے حج یا عمرہ کی دل سے اور زیادہ خوبی زبان سے کہنے میں ہے۔

ش: یعنی جامع احرام پہن کر اب جو کچھ ادا کیا چاہتا ہے (حج خواہ عمرہ یا دونوں) اس کی نیت دل سے کرے اور زبان سے بھی الفاظ نیت کہنا بہتر ہے، مثلاً الٰہی میں حج کی نیت کرتا ہوں اسے میرے لئے آسان کر اور قبول فرما۔

م: ملبيا جهرا من الميقات وذا كر الله فی الحالات

ت: لبّیك کہتا ہوا بآواز میقات سے اور خدا کی یاد کرتا ہوا مختلف حالوں میں۔

ش: میقات ان مقاموں کو کہتے ہیں جو شرع مطہر نے احرام کے لیے مقرر کیے ہیں کہ باہر [عہ۱] سے مکہ معظّمہ کا قصد کرنے والے کو بے احرام ان مقاموں سے آگے بڑھنا حرام ہے، ہندیوں کو وہ جگہ سمندر میں آتی ہے جب کوہ یلملم کی یدھ میں پہنچتے ہیں۔

ف: رکن احرام کے صرف دو ہیں، دل سے نیت اور اس کے ساتھ زبان سے وہ ذکر جس میں اللہ تعالٰی کی تعظیم ہو، خواہ لبیك یا کچھ اور مثل سبحان الله یا الحمدلله یا الله اکبر یا اللهم اغفرلی [عہ۲] وغیرہ ذلک، جب یہ دونوں [عہ۳] باتیں پائی گئیں احرام باندھ گیا اور جو کچھ محرم پر حرام تھا

عہ۱: باہر سے مکہ مکرمہ کا قصد اس لیے کہا کہ اگر آفاقی یعنی باہر والا میقات کے اندر کسی مکان مثل جدّہ یا خلیص کا قصد کرکے میقات میں داخل ہو جائے تو اب آفاقی نہ رہا میقاتی ہو گیا اسے وہاں سے مکہ معظّمہ میں بے احرام جانا جائز ہے ۱۲ منہ)

عہ۲: اشارة الی انه لا یشترط کون الذکر خالصا کما فی تحریمة الصلوٰة بل یکفی مطلقا ولو مشوبا بالدعاء هو الصحیح[1] کما فی المسلك المتقسط ۱۲ منه (م)۔

اس میں اشارہ ہے کہ خالص ذکر شرط نہیں ہے جیسا کہ نماز کے تحریمہ میں ہوتا ہے بلکہ دعائیہ کلمات بھی ملے ہوں تو صحیح ہے جیسا کہ مسلک متقسط میں ہے ۱۲ منہ)

عہ۳: احرام کبھی تقلید وسوقِ بدنہ سے ہوتا ہے مگر اس کے بیان میں طول تھا اور ہندیوں میں اس کا رواج نہیں لہٰذا اسی پر اکتفاء کیا گیا ۱۲ منہ)

---

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب الاحرام دار الکتاب العربی بیروت ص ۷۰

حرام ہوگیا۔ پَر لبیك کہنا سنت عـــہ اور مُحرِم کے لیے ہر ذکر سے بہتر ہے جہاں تک ہوسکے اس کی کثرت کرے۔ اس کے

عـــہ: وقع فی اللباب ان التلبیۃ مرۃ فرض [1] وفی النھر والدر انھا مرۃ شرط قال القاری [2] وھو عند الشروع لا غیر [3] لکن التحقیق ان الفرض والشرط انما ھو مطلق الذکر لاخصوص التلبیۃ کما حققہ فی البحر قال وقول من قال انھا شرط مرادہ ذکر یقصد بہ التعظیم لاخصوصھا [4] وتمامہ فی ردالمحتار اقول وقد نص فی اللباب قبیل ما مران کل ذکر یقصد بہ تعظیم اللہ سبحانہ یقوم مقامہ التلبیۃ [5] اھ وفیہ فی صدر باب الاحرام شرائط صحتہ الاسلام والنیۃ و الذکر اوتقلید البدنۃ [6] اھ ثم عد من سننہ تعیین التلبیۃ قال القاری ھناك التلبیۃ اوما یقوم مقامھا من فرائض الاحرام عند اصحابنا [7] اھ وفی الدر یصح الحج بمطلق النیۃ ولو بقلبہ

لباب میں مذکور ہے کہ تلبیہ ایک مرتبہ فرض ہے، اور نہر اور در میں ہے کہ ایک بار شرط ہے۔ ملا علی قاری نے کہا کہ یہ صرف شروع میں ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ فرض اور شرط تلبیہ نہیں بلکہ مطلقاً ذکر ہے جیسا کہ بحر میں اس کی تحقیق ہے انھوں نے کہا کہ جس نے کہا تلبیہ شرط ہے اس کی مراد یہ ہے کہ تعظیم پر مشتمل ذکر نہ کہ خاص تلبیہ، مکمل بحث ردالمحتار میں ہے **اقول**: لباب میں تصریح ہے کہ جو ذکر تعظیم پر مشتمل ہو وہ تلبیہ کے قائم مقام ہوتا ہے اھ اسی میں باب الاحرام کے شروع میں ہے کہ احرام کے صحیح ہونے کی شرط اسلام، نیت، ذکر اور بُدنہ کے گلے میں قلادہ باندھنا ہے اھ پھر اس کی سنتوں میں تلبیہ کو ذکر کیا، ملا علی قاری نے کہا کہ یہاں تلبیہ یا اس کے قائم مقام احرام کے فرائض ہیں ہمارے اصحاب کے ہاں اھ در میں ہے کہ حج، مطلق خواہ صرف دل سے (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] لباب المناسک مع ارشاد الساری فصل وشرط التلبیۃ الخ دارالکتاب العربی بیروت ص ۷۰
[2] درمختار فصل فی الاحرام مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۶۳
[3] مسلک متقسط مع ارشادی الساری فصل وشرط التلبیۃ الخ دارالکتاب العربی بیروت ص ۷۰
[4] بحرالرائق باب الاحرام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۲۲
[5] لباب المناسک مع ارشاد الساری فصل وشرط التلبیۃ الخ دارالکتاب العربی بیروت ص ۷۰
[6] لباب المناسک مع ارشاد الساری فصل وشرط التلبیہ الخ دارالکتاب العربی بیروت ص ۶۲
[7] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب الاحرام دارالکتاب العربی بیروت ص ۶۲

الفاظ مسنونہ یہ ہیں:

لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ ط لَبَّیْكَ لاَ شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ ط اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ عـــہ لاَشَرِیْكَ لَكَ	میں تیرے دربار میں حاضر ہوگیا الٰہی! میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوگیا، میں حاضر ہوگیا ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوگیا ہوں، بلا شبہ تعریف اور نعمت اور ملک تیرے ہی لیے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔(ت)

صبح وشام کے وقت اور ہر نماز کے بعد اور بلندی پر چڑھتے۔ پستی میں اترتے، دوسرے قافلہ سے ملتے، ستاروں کے ڈوبتے، نکلتے کھڑے ہوتے، بیٹھتے،، چلتے، ٹھہرتے غرض ہر حالت کے بدلنے زیادہ کثرت کرے۔

ف: احرام کا مسنون ومستحب طریقہ یہ ہے کہ غسل کرے، بدن سے مَیل اتارے، ناخن ترشوائے، خط بنوائے، موئے بغل و زیر ناف دُور کرے، سر مُنڈانے کی عادت ہو تو منڈائے ورنہ کنگھی کرے، تیل ڈالے، بدن میں خوشبو لگائے، پھر جامہ احرام پہن کر دو رکعت نماز بہ نیت سنت احرام پڑھے۔ پھر وہیں قبلہ رو بیٹھا دل وزبان سے نیت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لکن بشرط ومقارنتها بذکر یقصد به التعظیم [1] اھ فانکشف الغطاء والحمد للّٰه رب العٰلمین ۱۲منه(م)

ہو، صحیح ہوجاتا ہے بشرطیکہ نیت کے ساتھ کوئی ایسا ذکر ہو جس سے تعظیم مقصود ہو اھ تو اس سے پردہ چھٹ گیا والحمد للّٰه رب العٰلمین ۱۲منہ (ت)

عـــہ :قوله الملك استحسن الوقف علیه لئلا یتوهم ان مابعد خبره [2] شرح اللباب ونقل بعضهم انه مستحب عند الائمة الاربعة [3] اھ ردالمحتار. اقول ولم یجب لان المعنی الوہم ایضا صحیح فی نفسه وان لم مرادا ۱۲ منه (م)

لفظ "الملک" پر وقف بہتر ہے تاکہ مابعد کے خبر ہونے کا احتمال پیدا نہ ہو، شرح لباب، اور بعض نے نقل کیا ہے کہ یہاں وقف، ائمہ اربعہ کے ہاں مستحب ہے اھ ردالمحتار، اقول یہ وقف واجب نہیں کیونکہ بعد کے ساتھ ملانے سے جس معنیٰ کا وہم ہوسکتا ہے وہ بھی درست ہے اگرچہ وہ معنیٰ یہاں مراد نہیں ۱۲منہ (ت)

---

[1] درمختار فصل فی الاحرام مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۶۳

[2] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل ثم یصلی رکعتین دار الکتاب العربی بیروت ص ۶۹

[3] ردالمحتار فصل فی الاحرام مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۷۳

کرے بآواز تین [3] بار لبیک کہے، آسانی و قبول کی دعا مانگے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجے۔

م: مُحرمات الاحرام

ت: وہ باتیں جن کا احرام میں کرنا حرام ہے

م: لبس مخیط الثیاب حرما من غیر علة علٰی من احرما

ت: سِلا کپڑا پہننا حرام ہے بے کسی بیماری کے احرام والے پر۔

ف: واضح ہو کہ جو باتیں احرام میں حرام ہیں وہ اگر کسی عذر سے کیں یا بھول کر ہوئیں تو گناہ نہیں پر ان کا جو جرمانہ مقرر ہے وہ ہر طرح دینا ہوگا اگرچہ بے قصد واقع ہوں یا سہو سے یا مجبوری کو یا کسی کے جبر سے یا سوتے میں یا کسی طرح اور، سِلا کپڑا احرام جب ہے کہ بطور معتاد استعمال میں آئے ورنہ جُبّہ یا کرتے کا تہ بند باندھا انگرکھا یا پاجامہ بدن پر ڈال کر سو یا تو حرام نہیں اگرچہ چاہئے نہ تھا۔

م: ویحرم الطیب کمثل الاٰس ودھن شعر لحیة وراس

ت: اور حرام ہے خوشبو جیسے آس عــہ۲ اور تیل لگانا داڑھی یا سر کے بالوں میں۔

ف: بدن یا کپڑوں عــہ۳ میں خوشبو لگانا حرام ہے اور سونگھنا مکروہ، اور خوشبو کا تیل اور روغن زیتون

عــہ۱: مگر نہ حد سے زائد جس میں اذیت ہو، اور عنقریب آتا ہے کہ عورت آہستہ کہے۔

ووقع فی المنسك المتوسط انه یستحب ان یرفع بها صوته الا ان یکون فی مصر [1] اھ ولم ارہ لغیرہ ثم وجهه القاری بخوف الریاء والسمعة اقول وفیه نظر ظاهر ولذا قال القاری ان الاظهر ان یکون یتضرر فصحت علٰی بعض من حرر [2] ۱۲منه (م)

منسک متوسط میں ہے کہ آواز بلند کرنا مستحب ہے۔ مگر شہر میں مستحب نہیں اھ، کسی اور جگہ یہ نہیں دیکھا، پھر علامہ قاری نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا شہر میں بلند کرنے میں ریاکاری کا خوف ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں غور کی ضرورت ہے۔ اسی لیے ملا علی قاری نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ اس میں دوسروں کو ضرر ہے۔ تحریر کرنیوالے کو اشتباہ ہوگیا ہے، ۱۲منہ (ت)

عــہ۲: بفارسی درخت مورد نامند بروزن دوست ۱۲

فارسی میں دوست کے وزن پر، مورد ایک درخت کا نام ہے ۱۲ (ت)

عــہ۳: احرام سے پہلے جو خوشبو لگائی وہ لگی رہی تو مضائقہ نہیں بعد احرام کے لگانا حرام ہے ۱۲منہ)

---

[1] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل و شرط التلبیۃ دار الکتاب العربی بیروت ص۷۱ و ۷۲

[2] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل و شرط التلبیۃ دار الکتاب العربی بیروت ص ۷۲

اور تل کا تیل عــہ۱ اگرچہ خالص ہوں بالوں میں یا بدن میں لگانا جائز نہیں، اور گھی یا چربی جائز ہے۔

م: **حلق شعر ثم قلم ظفر　　عقد النکاح ثم صید البر**

ت: اور بال مُونڈنا، ناخن کترنا، عقد نکاح، جنگلی شکار۔

ش: یعنی سر سے پاؤں تک کسی جگہ کے بال مونڈ کر، کتر کر، نورہ سے، موچینہ سے، آپ یا دوسرے کے ہاتھ سے دور کرنا اصلا جائز نہیں، مگر جو بال آنکھ میں نکلے، اور نکاح کرنا حنفیّہ کے نزدیک اور دریا کا شکار عــہ۲ بالاتفاق جائز ہے۔

ف: اس کے سوا منہ عــہ۳ یا سر کو ڈھانکنا اگرچہ سوتے میں، یا کسی سے ناحق لڑنا، یا جماع کرنا، یا شہوت سے بوسہ لینا عہ ۴، یا مساس کرنا، یا عورتوں کے آگے جماع کا تذکرہ لانا، کسی کا سر مونڈنا اگرچہ اس کا احرام نہ ہو، جنگلی شکار عہ ۵ کے ہلاک میں کسی طرح شریک ہونا مثلا شکاری کو بتانا، اشارہ کرنا، بندوق یا بارود دینا، ذبح کے لیے چُھری دینا، اس کے انڈے توڑنا، پَر اُکھاڑنا، پاؤں یا بازو توڑنا، اس کا دودھ دوہنا، اس کا گوشت یا

عــہ۱: ان دو تیلوں میں اگرچہ خوشبو نہیں ناجائز ہیں، ان کے سوا اور بے خوشبو کے تیل جیسے روغن بادام وغیرہ، درمختار سے ان کا جواز نکلتا ہے اور شرح لباب میں مطلقًا ناجائز کہا، **واللہ تعالٰی اعلم** ۱۲منہ)

عــہ۲: یعنی جبکہ خاص کھانے یا دوا کی غرض سے ہو، یا مذہب راجح پر بطور پیشہ وحرفت بھی، ورنہ تفریحًا شکار جیسا کہ آجکل عوام میں رائج، دریا کا ہو یا جنگل کا، احرام میں ہو یا غیر احرام میں، ہر طرح حرام ہے **کما فی الدر المختار وغیرہ** (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ت ۱۲منہ)

عــہ۳: یعنی کل منہ یا بعض، یہاں تک کہ تکیہ پر منہ رکھ کر اوندھے لیٹنا جائز نہیں، ہاں چت یا کروٹ سے رواہے اگرچہ اس میں رخسارے یا سر کے ایک ٹکڑے کا ڈھانکنا ہوا کہ شرع میں خاص اس کی اجازت ہے اور اس میں مرد وزن کا ایک حکم ہے یہاں تک کہ اسے منہ چھپانے کے لیے روا نہیں کہ پنکھا وغیرہ منہ پر رکھ لے بلکہ سر پر منہ سے الگ یوں رکھے کہ آڑ ہو جائے۔ ہاں سر کا ڈھانکنا عورت کو احرام میں بھی ضرور ہے ۱۲ **منہ غفرلہ**)

عــہ ۴: یعنی اپنی عورت یا کنیز شرعی کے ساتھ بھی یہ باتیں بشہوت ناروا ہیں پھر غیر کے ساتھ دوہرا گناہ، ایک تو فعل آپ ہی ناجائز دوسرے احرام کا محظور ۱۲منہ)

عــہ۵: پالتو جانور جیسے اونٹ، گائے، بکری، مرغی کے ذبح کرنے، کھانے پکانے میں حرج نہیں ۱۲ **منہ غفرلہ**)

یا انڈے پکانا، بیچنا، خریدنا، کھانا، جُوں کے ہلاک پر کسی طور باعث ہونا مثلاً مارنا، پھینکنا، کسی کو اس کے مارنے کا اشارہ کرنا، کپڑا اس کے مر جانے کے لیے دھونا یا دھوپ میں ڈالنا،

وسمہ [عہ۱] یا مہندی کا خضاب لگانا، بال خطمی سے دھونا، گوند وغیرہ سے جمانا سب ناجائز ہے۔ اسی طرح تمام چھوٹے بڑے گناہ کو ہمیشہ بُرے ہیں اور احرام میں بہت زیادہ بُرے۔

م: وحکم مرأۃ کذا الکنّما احرامھا فی وجھھا فلزم

ان لا تغطیہ وفی لباسھا المخیط تبقی وغطاء راسھا

ت: اور اسی طرح عورت کا حکم ہے لیکن اس کا احرام صرف چہرے میں ہے تو لازم ہوا کہ منہ چھپائے اور سِلے کپڑوں میں رہے۔ سر ڈھکے۔

ش: یعنی اوپر جو باتیں گزریں ان میں عورت مثل مرد کے ہے مگر اسے سِلے کپڑے پہننا، سر ڈھکنا روا ہے صرف چہرے پر کپڑا نہ [عہ۲] آنے دے۔

ف: پردہ نشین عورت کوئی پنکھا وغیرہ منہ سے بچا ہوا سامنے رکھے اور عورتیں لبیک بآواز [عہ۳] نہ کہیں،

عــہ۱: مہندی دو وجہ سے حرام ہوئی: ایک تو خوشبو ہے، دوسرے اس کے لگانے سے بال چھپ جاتے ہیں تو سر یا منہ کا ڈھانکنا ہوا، اور وسمہ اگرچہ خوشبو نہیں بال چھپائے گا، پھر سیاہ خضاب ہمیشہ ناجائز ہے مگر جہاد میں، تو محرم کو بدرجہ اولٰی ناجائز ہوا۔ حدیث میں ہے: دوسری حدیث میں ہے:
"وہ جنت یک بو نہ سونگھیں گے [1]۔" ہاں اگر کوئی رقیق تیل بے خوشبو جس سے بال کالے نہ ہوں لگایا جائے تو وہ اس اختلاف قاری وعلائی پر ہوگا جو اوپر گزرا، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ)

عــہ۲: کپڑے سے مراد ہر چھپانے والی چیز ہے، پنکھے کا مسئلہ اس پر دلیل ہے ۱۲منہ)

عــہ۳: بآواز کے یہ معنٰی نہیں کہ چلا کر نہ ہو بلکہ یہ مراد ہے کہ آپ ہی سنے کسی اجنبی مرد کے کان تک نہ جائے کہ

---

[1] کنز العمال محظورات الخضاب حدیث ۱۷۳۳۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶ /۶۷۱

م: والحج بالجماع بتّا یفسد قضاؤہ فی قابل یؤکد
مالم یکن ذا جاھلًا اوناسیاً فما علیہ ان یکون فادیاً

ت: اور حج جماع سے بے شبہ فاسد ہوجاتا ہے قضا اس کی سال [عہ1] آئندہ میں ضروری ہوتی ہے، جب تک یہ شخص ناواقف یا بھولا ہوا نہ ہو کہ اس پر فدیہ دینا لازم نہیں۔

م: ولا فدا البیع التی فدا کرھت وطأ ولا فساد فیما قد قضت

ش: خلاصہ یہ کہ اگر حج میں قبل تحلل اول [عہ2] کہ دسویں تاریخ منٰی میں ہوتا ہے یا عمرہ میں قبل اس سے فراغ کلی کے باختیار خود قصداً جماع کیا اور اس کی حرمت سے اگاہ بھی تھا تو وہ حج یا عمرہ فاسد ہوجائے گا اور اس پر فرض ہے کہ اسے پورا کرکے پھر اعادہ کرے اور جرمانہ میں بُدنہ یعنی ایک اونٹ دے، اور جو بعد اس کے کیا یا حرمت نہ جانتا تھا یا بھولے سے کر بیٹھا یا کسی کا جبر تھا تو مذہب اصح پر نہ حج وعمرہ فاسد ہو نہ فدیہ آئے۔

ف: یہ سب تفصیل مذہب شافعیہ کی تھی اور حنفیّہ کے نزدیک اگر حج میں وقوف عرفہ سے پہلے جماع کیا تو حج فاسد، اور اسے بدستور پورا کرکے ذبح شاۃ (بکری) واعادہ لازم، اور وقوف کے بعد کئے سے حج اصلاً فاسد نہیں ہوتا، پھر اگر حلق وطواف فرض سے بھی فارغ ہوکر کیا تو کچھ جرمانہ بھی نہیں، اور ان دونون سے پہلے کیا تو بدنہ لازم آئیگا یعنی اونٹ یا گائے، اور دونوں کے بیچ میں واقع ہوا یعنی طوافِ زیارت کے بعد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس میں فتنہ ہے اور اپنا سننا ہر گز ذکر وقرأت وکلام میں ضرور ہے اس کے بغیر فقط زبان ہلانے کا کچھ اعتبار نہیں یہاں تک کہ نماز میں قرأت ایسی پڑھی کہ اپنے کان تک نہ آئے وہ قرأت نہ ٹھہرے گی اور اصح مذہب پر نماز نہ ہوگی، بہت لوگ اس مسئلہ سے ناواقف ہیں ۲ امنہ)

عہ1: یعنی اس میں یہ نہیں کہ اب فاسد تو ہوگیا ہے جب چاہیں گے قضاء کرلیں گے، بلکہ فورًا سال آئندہ ہی قضاء کرلیں ۱۲منہ غفرلہ)

عہ2: دسویں کو جو رمی جمار کرتے ہیں سب کچھ حلال ہوجاتا ہے مگر عورتیں، یہ پہلا تحلل ہوا، پھر جب طوافِ زیارت کیا عورتیں بھی حلال ہوگئیں، یہ تحلل آخر وتحلل تام ہوا، یہ مذہب امام شافعی کا ہے۔ ہمارے نزدیک پہلا تحلل حلق سے ہوتا ہے جب تک حلق نہ کیا کوئی چیز حلال نہیں اگرچہ رمی کرچکے ۱۲منہ

حلق سے پہلے یا بالعکس تو بکری دینی آئے گی مگر بہت علماء صورتِ عکس عہ امیں بدنہ کہتے ہیں، اور عمرہ میں چار طواف سے پہلے فساد ہے اور اتمام وزبح شاۃ واعادہ ضرور، اور چار کے بعد صرف ذبح ہے فساد نہیں، اور ان احکام میں برابر ہے قصداً یا بھولے سے، باختیار خود یا جبر سے، دانستہ یا نادانستہ، **واللہ تعالٰی اعلم**

م: ارکان الحج

ش: یعنی حج وعُمرہ کے رکن

ف: رکن شے کا وہ ہے جس سے اس کے نفس ذات کا قوام ہو جیسے نماز کے لیے رکوع، سجود، قیام، قعود اور شرط خارج موقوف علیہ کو کہتے ہیں یعنی حقیقت شی میں داخل نہ ہو پر اس کے بغیر شی موجود نہ ہو

عــه: یعنی جبکہ جماع حتی کے بعد طواف سے پہلے ہو

ففی الھدایۃ والکافی والمجمع واللباب والتنویر والدر وغیرھا ان فیہ شاۃ[1] قال فی ردالمحتار ھو ما علیہ المتون ومشی فی المبسوط والبدائع والاسبیجابی علی وجوب البدنۃ وفی الفتح انہ الاوجہ لاطلاق ظاھر الروایۃ وناقشہ فی البحر والنھر [2] اھ وکذا حکاہ فی اللباب وعلی الاول مشی القدوری وشراحہ وبالجملۃ فالموضع نزاع والاول ارفق وھذا احوط واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ (م)

تو ہدایہ، کافی، مجمع، لباب، تنویر اور در وغیرہ میں ہے کہ اس میں بکری لازم ہے۔ ردالمحتار میں کہا کہ اس پر متون وارد ہیں۔ اور مبسوط، بدائع، الاسبیجابی اس پر بدنہ کے وجوب کے قائل ہیں، اور فتح میں ہے کہ یہی ظاہر الروایت کے اطلاق سے موافق ہے۔ اور بحر اور نہر میں اس پر مناقشہ بیان کیا ہے اھ اور یوں ہی لباب میں حکایت کیا گیا ہے، اور پہلے قول پر قدوری اور اس کے شارحین نے رجحان ظاہر کیا ہے، غرضیکہ یہ مقامِ نزاع ہے، پہلا قول آسان ہے اور دوسرا احتیاط پر مبنی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)**

---

[1] در مختار باب الجنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۷۵

[2] ردالمحتار باب الجنایات مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۳۰

جیسے نماز کے لیے وضو، نیت، استقبال، تکبیر اور کسی عمل کے فرائض وہ ہیں جن کے ترک عـــہ۱ سے عمل باطل ہو جائے اور واجبات کے ترک سے باطل نہیں ہوتا، اس میں خلل آتا اور ناقص ہو جاتا ہے جیسے نماز میں الحمد، سورت، التحیّات وغیرہا۔

م: للحج ارکان تعد ستة لابد ان تحفظهن البتة

ت: حج عـــہ۲ کے چھ رکن ہیں ضرور ہے کہ تو انھیں یاد کرے جزمًا

عـــہ: یہ تعریف رکن وشرط دونوں کو شامل، تو فرض ان سے عام ہے، وفی المسلك المتقسط الفرائض اعم من الارکان والشرائط وغیرهما کا لاخلاص فی العبادة [1] اقول یظهر لی ان هذا فی الفرض فی نفسه ومنه الاخلاص فانه فرض بحیاله ولیس من فرائض الصلوة مثلا والا لبطلت بالریاء اما الفرض فی غیره فلا بد ان یتوقف وجوده علیه بمعنی انه لایصح الا به فان دخل فرکن وان کان خارجا موقوفا علیه وهذا هو معنی الشرط نعم قد یوخذ فی الشرط تقدمه وجودًا والمعیة بقاء کشروط الصلٰوة [2] واسطة کترتیب مالا یتکرر فی رکعة فافهم ۱۲ منه غفرله۔ (م)	مسلک متقسط میں ہے کہ فرائض، ارکان وشرائط وغیرہ سے عام ہیں جیسا کہ عبادت میں اخلاص اقول میرے ہاں ظاہر یہ ہے کہ یہ معاملہ نفس فرض کا ہے جس میں سے اخلاص بھی ہے کہ یہ مکمل فرض ہے حالانکہ یہ نماز کے فرائض میں سے نہیں ہے ورنہ نماز ریاکاری سے فاسد ہو جائے۔ لیکن غیر میں کوئی فرض ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس فرض پر اس غیر کا وجود موقوف ہو یعنی اس کے بغیر اس غیر کی صحت نہ ہو سکے، تو اب یہ فرض اس غیر میں داخل ہو تو رکن کہلائے گا اور اگر خارج ہو کر موقوف علیہ بنے تو شرط ہوگا، ہاں شرط میں کبھی وجود کے اعتبار سے مقدم ہونا اور بقاء کے اعتبار سے موقوف کے ساتھ رہنا بھی ملحوظ ہوتا ہے جیسا کہ نماز کی ان شرائط کی ترتیب جو ایک رکعت میں مکرر نہیں آتیں۔

عـــہ۲: یہ چھ کہ مصنف نے ذکر فرمائے ان میں ہمارے نزدیک تو اکثر رکن نہیں اور بعض بطور شافعیہ بھی محلِ کلام، فقیر نے ایضاح امام نووی میں کہ شافعیہ کے عمدہ مذہب واحد الشیخین میں مطالعہ کیا کہ انھوں نے ارکان حج صرف پانچ گنے ترتیب کو واجبات میں شمار کیا ولعل هذه روایة اخری فی مذهبهم (ہو سکتا ہے کہ ان کے مذہب کی یہ دوسری روایت ہو۔ ت واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ)

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب فرائض الحج دار الکتاب العربی بیروت ص ۴۵
[2] یہ عبارت نہیں پڑھی گئی ۱۲

م: للحج ارکان تعد ستة　　لابد ان تحفظهن البتة

ت: حج کے چھ رکن ہیں ضرور ہے کہ تو انھیں یاد کرے جزمًا

م: فنیة الحج اول الصفة　　ثم الوقوف معهم بعرفة

ت: پس نیت حج کی ساری ترکیب میں پہلے ہے پھر حاجیوں کے ساتھ عرفہ کے دن وقوف کرنا۔

ش: اس وقوف کے لیے جس طرح دن مقرر ہے یعنی عرفہ [عـــہ۱] کہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ ہے یونہی مکان بھی معین ہے یعنی عرفات کہ مکہ معظّمہ سے پورب کو نو کوس ہے۔ تو مصنف کا فرمانا کہ حاجیوں کے ساتھ وقوف کرنا وہ اس سے تعیین مکان کی طرف اشارہ فرماتے ہیں جہاں حجاج ٹھہرتے ہیں وہاں ٹھہرنا ورنہ وقوف میں اوروں [عـــہ۲] کے ساتھ ہونا ضرور نہیں۔

م: ثم طواف ثم سعی بالصفا　　والحلق والترتیب فیما وصفا

ت: پھر طواف زیارت پھر صفا مروہ میں دوڑنا اور سر منڈانا اور ان افعال میں ترتیب۔

ش: یعنی پہلے نیت پھر وقوف پھر طواف پھر سعی، لیکن طواف و حلق میں ترتیب ضرور نہیں، اور حلق سے مراد عام ہے سر منڈانا یا بال کترانا، ہاں منڈانا افضل ہے۔

ف: ہمارے نزدیک رکن حج کے صرف [عـــہ۳] دو ہیں، سب میں بڑا رکن وقوفِ عرفہ، اس کے بعد طوافِ زیارت باقی نیت شرط ہے اور فرائض میں ترتیب فرض اور سعی و حلق واجب۔

م: هٰذه کذا للعمرة الارکان　　سوی الوقوف هٰکذا البیان

ت: یونہی یہ چیزیں عمرہ کی رکن ہیں سوا وقوف کے اسی طرح بیان چاہیے۔

ف: ہمارے ہاں رکن عمرہ صرف طوف ہے اور نیت شرط اور سعی و حلق واجب۔

ف: یہ نیت کہ حج و عمرہ میں شرط مانی گئی اس کے دو معنی ہیں ایک تو شروع میں حج یا عمرہ کا عزم

عـــہ۱: آگے شرح میں آتا ہے کہ وقوف کا وقت عرفہ کے دوپہر ڈھلے سے دسویں کی طلوع فجر تک ہے مگر یہ رات نویں تاریخ ہی کی رات گنی جاتی ہے، علماء نے فرمایا راتیں ہمیشہ آنے والے دن کے تابع ہوتی ہیں، مثلاً جمعہ کی رات وہ ہے جس کی صبح کو جمعہ ہو، پر ایامِ حج کی راتیں گزرے دنوں کی تابع ہیں مثلاً شب عرفہ وہ رات ہے جو نویں تاریخ کے بعد آئے گی اور شبِ نحر دسویں کے بعد ۱۲ منہ

عـــہ۲: دفع دخل مقدر ۱۲ منہ)

عـــہ۳: ان کے سوا احرام میں بھی باآنکہ شرط ہے کئی مشابہتیں رکن کی ہیں کما بینه فی ردالمحتار اقول ولی فی اکثر هن کلام بینته علٰی هامشه ۱۲ منه جیسا کہ ردالمحتار میں بیان کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ ان میں سے اکثر میں میری کلام ہے جو میں نے اس حاشیہ میں بیان کی ہے۔ ت)

یہ بعینہٖ احرام ہے یعنی دل سے قصد اور اس کے ساتھ زبان سے ذکر خدا، دوسرے طوافِ رکن میں نیت طواف کہ وہ فرض ہے اور بے نیت [عـــہ۱] ادا نہیں ہوتا تو اس کی نیت بھی شرط ٹھہری۔

حج کے فرض

ف: یہ فصل جنابِ مصنف نے نہ لکھی، ہمارے نزدیک رکن کے سوا اور بھی فرض ہیں اور واجبات الگ، لہٰذا اپنے طور پر بیان کرتے ہیں، حج میں دس فرض ہیں: [۱]احرام، [۲]وقوف، [۳]طواف کے چار [عـــہ۲] پھیرے، [۴]ان میں طواف کی نیت، [۵]وقوف کا عرفات میں ہونا، [۶]اپنے وقت میں ہونا کہ زوال [عـــہ۳] عرفہ سے فجر نحر تک ہے۔ [۷]طواف کا مسجد الحرام میں ہونا، [۸]اپنے وقت میں ہونا کہ فجر نحر سے آکر عمر تک ہے۔ [۹]فرضوں میں ترتیب کہ پہلے احرام [عـــہ۴] ہو پھر وقوف پھر طواف، [۱۰]وقوف سے پہلے جماع [عـــہ۵] سے بچنا، ان دس [۱۰] میں سے ایک بھی رہ جائے تو حج نہ ہو والعیاذ باللہ۔

واجبات الحج

حج کے واجب

م: الرمی للجمادو الاحرام　　کذا بمزدلفۃ المنام

ت: جمروں پر سنگریزے مارنا اور احرام، ایسا ہی مزدلفہ میں سونا۔

عـــہ۱: یہ اس لیے کہ دیا کہ وقوف عرفہ بھی فرض بلکہ رکن اعظم ہے پر وہ بے نیت بھی ادا ہو جاتا ہے تو اس کی نیت شرط نہیں ہو سکتی ۱۲ منہ۔ عـــہ۲: ہر طواف میں سات پھیرے ہوتے ہیں یونہی اس طوافِ فرض میں بھی، مگر ان سے فرض فقط چار ہیں، انہی کے اعتبار سے اسے طواف فرض کہا جاتا ہے۔ باقی تین واجب ہیں نہ کیے تو دم دے گا، حج ہو گیا۔ اور چار سے کم کیے تو حج ہی نہ ہوا ۱۲ منہ

عـــہ۳: نویں تاریخ دوپہر ڈھلے سے دسویں پو پھٹے تک اس بیچ میں وقوف کا وقت ہے۔ اگر زوال عرفہ سے پہلے وقوف کرکے حدود عرفات سے باہر ہو گیا اور وقت میں اعادہ نہ کیا یا پہلے نہ کیا تھا صبح نحر چمکنے کے بعد کیا تو حج نہ ہوگا ۱۲ منہ

عـــہ۴: اس فرض کو تین فرض کہہ سکتے ہیں احرام کا وقوف سے پہلے ہونا ایک، طواف پر تقدم دو، وقوف کا طواف سے پیشتر ہونا تین ۱۲ منہ۔ عـــہ۵: جماع سے بچنا ہمیشہ حج میں واجب ہے جب تک مطلقاً طوافِ فرض سے فارغ نہ ہو جائے پر وقوف تک احتراز فرض ہے کہ اس سے پہلے جماع موجب فساد ہوتا ہے پھر فساد نہیں کما مر ۱۲ منہ

ف: ہمارے نزدیک احرام فرض ہے کما سَبَقَ (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ت) ہاں [1]اس کا میقات [عــہ۱] سے ہونا واجب ہے۔

ش: منیٰ ایک بستی ہے مکہ معظّمہ سے عرفات کی طرف تین کوس، وہاں تین جگہ ستون بنے ہیں انھیں جمار د جمرات کہتے ہیں اور ہر ایک جمرہ۔ دسویں تاریخ سے ان پر کنکریاں مارتے ہیں اورت منیٰ سے تین کوس مزدلفہ ہے نویں شام کو عرفات سے پلٹ کر یہاں رات گزارتے ہیں دسویں کو منیٰ آتے ہیں۔ شافعیہ کے نزدیک رات کا بڑا حصہ یہاں بسر کرنا واجب ہے، اسی لیے [عــہ۲] جنابِ مصنف سونا فرمایا ورنہ حقیقۃً سونے کا حکم کچھ نہیں۔

ف: ہمارے نزدیک واجب صرف اس قدر ہے کہ [2]مغرب وعشاء یہیں پڑھے [3]صبح کو کچھ دیر وقوف کرے، باقی رات کو رہنا واجب نہیں سنت ہے۔

م: ثم المبیت بمنیٰ للرمی ثم الطواف للوداع ینوی

ت: پھر رات کو [4]منی جمار کے لیے رہنا پھر [5]طواف رخصت کی نیت کرے

ف: منی میں دسویں، گیارھویں، بارھویں دن رمی جمار واجب ہے، شب باشی ہمارے نزدیک سنت ہے اور طواف وداع کہ رخصت کے لیے کرتے ہیں آفاقی یعنی باہر والے پر واجب ہے مکی تو دس دن کا ساکن ہے نہ کہ رخصت ہونے والا۔

ف: یہاں تک ہمارے مذہب کے پانچ واجب گزرے اور ان کے سوا اور بہت ہیں مثلاً صفا

عــہ۱: لوگ تین قسم ہیں، [1]اہل حرم جو مکہ معظّمہ یا اس کے گرد ان مقاموں میں رہتے ہیں جہاں تک شکار وغیرہ حرام ہے۔ [2]اہل حل جو حرم سے باہر مواقیت کے اندر ہیں، [3]اہل آفاق جو مواقیت سے بھی باہر ہیں آفاقیوں کے لے ے حج و عمرہ دونوں کی میقات انھیں مواقیت کے جیسے ہندیوں کے لے ے محاذات یلیملم، اہل حل کی میقات حل ہے یعنی جب حج یا عمرہ کو جائیں حرم میں پہنچنے سے پہلے احرام باندھ لیں اور اہل حرم کے لے ے میقات حج حرم سے یعنی مسجد الحرام شریف خواہ اپنے گھر ہی سے، غرض حرم کی کسی جگہ سے احرام کریں اور عمرہ کے لے ے حل یعنی حرم سے باہر جا کر عمرہ کا احرام باندھیں۔)

ف: مکی کے لیے احرام وعمرہ میں افضل تنعیم ہے کہ مدینہ طیبہ کی طرف تین کوس پر ہے، یونہی جب حجاج حج سے فارغ ہو کر مکہ میں چند روز ٹھہریں وہیں سے عمرہ لائیں کہ نزدیک بھی ہے اور افضل بھی۔ واللہ تعالٰی علم ۱۲منہ۔ عــہ۲: دفع دخل مقدر۔

مروہ میں سعی اور اس کا ایک طواف کامل عہ۱ کے بعد صفا سے شروع اور سات پھیرے اور ہر بار پوری مسافت قطع اور بشرط قدرت پیادہ ہونا، دن میں عہ۲ وقوفِ عرفہ کرنے والے کو غروبِ شمس کے بعد تک انتظار کرنا، اس کا امام عہ۳ کے ساتھ عرفات سے کوچ کرنا یعنی امام کے چلنے سے پہلے حدود عرفہ سے باہر نہ ہونا بشرطیکہ امام وقت عہ۴ پر کوچ کرے اور ہمراہی میں حرج نہ ہو، جمرۃ العقبیٰ کی رمی کہ دہم کو ہے حلق سے پہلے ہونا، ہر دن کی رمی اسی دن ہو جانا، حلق یا تقصیر اور ان کا ایام نحر میں خاص زمین میں ہونا، طواف فرض کا بارھویں عہ۵ تک ہو جانا حجر اسود سے شروع ہونا، ساتھ پھیرے حطیم سے باہر باوضو ستر عورت کے ساتھ، بشرط قدرت پیادہ، اپنی دہنی طرف سے آغاز ہونا یعنی کعبہ معظّمہ بائیں ہاتھ کو رکھنا، قارن عہ۶ و متمتع کا شکر کی قربانی حلق سے پہلے رمی کے بعد ایام نحر میں کرنا وغیر ذالک۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

عہ۱: طواف کامل یہ ہے کہ شرائط صحت کو جامع اور جنابت و حیض سے پاک ہو عام ازیں کہ فرض ہو جیسے طواف زیارت یا واجب جیسے طواف الوداع کما سیأتی (جیسا کہ آگے آئیگا۔ ت) یا سنت جیسے طواف القدوم یا نفل جیسے متمتع حج کی سعی طواف زیارت سے پہلے کرنی چاہئے تو ایک طواف نفل کرکے ادا کرے۔ اس کے سوا کامل کے یہ معنٰی نہیں کہ ساتویں پھیروں کے بعد ہو بلکہ چار کے بعد ہونا کافی ہے۔ سعی صحیح اور واجب ادا ہو جائیگا، اگرچہ سنت یونہی ہے کہ ساتویں پھیروں کے بعد کرے، ہاں اگر چہ پھیروں سے پیشتر کی تو سعی ادا نہ ہو گی اور طواف کے بعد سے بعدیت متصلہ مراد نہیں اگرچہ مستحب فورًا ہوتا ہے مگر پہلے طواف ہو لیا تو پھر جب کبھی سعی کریگا صحیح ہو گی ۱۲ منہ)

عہ۲: یہ قید اس لیے لگادی کہ جو نویں تاریخ وقت نہ کرسکا ہو اور دسویں شب کو کرے اس پر کچھ واجب نہیں ایک لمحہ کے لیے زمین عرفات میں گزر جانا کافی ہے کہ فرض اسی قدر ہے ۱۲ منہ)

عہ۳: اس کا اس لیے کہا جو رات کو وقوف کرے اس پر امام کے ساتھ کوچ بھی واجب نہیں کہ امام تو اس کے آنے سے پہلے جاچکا ۱۲ منہ)

عہ۴: یعنی اگر امام نے ترک واجب کرکے غروب سے پہلے کوچ کردیا تو ساتھ نہ دیں یونہی اگر غروب کے بعد اس نے دیر کی یہ روانہ ہو جائیں ۱۲ منہ)

عہ۵: یعنی اس کے چار پھیرے جو فرض ہیں بارھویں تک ہو گئے تو واجب ادا ہو لیا اگرچہ باقی تین پھر کبھی ہوں، ہاں سنت یونہی ہے کہ پورا طواف انہی دنوں میں ہو لے بلکہ ساتوں پھیرے ایک ساتھ ہو ۱۲ منہ)

عہ۶: مفرد کو یہ قربانی مستحب ہے ۱۲ **منہ غفرلہ**)

م: **بعض سُنن الحج**

ت: حج کی بعض سنتیں

م: **قد سنّ للمرء الطواف ان قدم   والحجر الاسود فیہ یستلم**

ت: باہر سے آنے والے کو ایک طواف سنت ہے، طواف میں سنگ اسود کا بوسہ لے

ش: یہ پہلا طواف ہے جو مفرد حاضر[عہ۱] ہوتے ہی کرتا ہے اور قارن عمرہ کے بعد، اسے طواف قدوم کہتے ہیں گویا حاضری دربار اعظم کا مجرا۔

ف: یہ طواف متمتع[عہ۲] کے لیے نہیں نہ اہل مکہ کو کہ وہ ہر وقت حاضر بارگاہ میں اور سنگ اسود کا بوسہ نہ اسی طواف بلکہ ہر طواف میں سنت ہے، طواف اسی سے شروع اور اسی پر ختم ہوتا ہے۔

م: **والاضطباع ثم رمل قداتیٰ   ورکعتان للطواف یافتیٰ:**

سنتوں کے شمار میں اضطباع پھر رمل آیا اور وہ رکعتیں طواف کی اے جوان!

ش: اضطباع یہ کہ چادر دہنے بغل کے نیچے سے نکال کر یہ آنچل بائیں شانے پر ڈالے لے جس میں دہنا کندھا کُھلا رہے۔ اور رمل یہ کہ طواف میں جلد جلد چھوٹے قدم رکھتا شانوں کو جنبش دیتا چلے۔

ف: یہ دونوں سنتیں خاص مردوں کے لیے ہیں وہ بھی صرف اس طواف میں جس کے بعد صفا مروہ میں سعی ہوتی ہے یعنی طواف عمرہ اور حج میں طواف قدوم کہ اکثر بخیال[عہ۳] زحمت و کمی فرصت اسی کے بعد سعی کرلیتے ہیں، ہاں جس سے رہ گئی وہ طواف زیارت[عہ۴] کے بعد کرے گا تو اس طواف میں رمل کرے مگر

عہ۱: مفرد، قارن، متمتع کے معنی عنقریب تکملہ میں آتے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۲منہ)

عہ۲: اس لیے کہ وہ آتے وقت عمرہ لایا اور عمرہ میں طواف قدوم نہیں۔ جب عمرہ کرلیا مکی ہوگیا اور مکی کو یہ طواف نہیں ۱۲منہ)

عہ۳: آگے آتا ہے کہ مفرد کو طواف زیارت کے بعد کی افضل ہے پر اس دن بہت ہجوم ہوتا ہے اور کئی کام اس لیے طواف قدوم پر کرلیتے ہیں اور قارن کے لیے افضل ہی یہ ہے ۱۲منہ)

عہ۴: جس نے طواف زیارت کے بعد بھی سعی نہ کی وہ طواف الوداع کے بعد کرلے کہ سعی کا کوئی وقت معین نہیں ہے اور اب اس طواف میں رمل بھی بجالائے۔

لان الرمل بعد طواف یعقبہ سعی افادہ	کیونکہ رمل ایسے طواف کے بعد ہوتا ہے جس کے بعد

(باقی برصفحہ آئندہ)

اضطباع ساقط ہوگیا۔

ف: اضطباع طواف میں ہوتا ہے اور رمل صرف اگلے تین پھیروں عــہ میں، باقی چار میں اپنی چال، اور ہجوم کے سبب رمل میں اپنی یا اور کی ایذا ہو تو ترک رہے۔ جب غول نکل جائے پھر رمل کرتا چلے۔

ف: ہر طواف کے بعد دو رکعتیں ہمارے نزدیک سنت نہیں بلکہ واجب ہیں۔

م: ورکعتا الاحرام ثم الغسل له وفی جهر الملبّی فضل

ت: اور احرام کی دو رکعتیں پھر اس کے لیے نہانا اور لبیك کے بآواز کہنے میں فضیلت ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

العلامة الخیر الرملی قال ولم اره صریحا و ان علم فی اطلاقهم[1] اھ ردالمحتار

اقول: لا کلام فی جوازہ قد صرحوا ان لاتوقیت و انما الکلام فی انه یؤمر بایقاع السعی بعد طواف الصدور ولوندبا ولعل الوجه فیه ان یقع سعیه متصلا بالطواف کما هو المستحب لکن یعارضه مستحب اٰخر وهو ان لایکون بین طوافه للصدر ونفره من مکة حائل کما نصوا علیه وقد اوجب ذالك الامام الشافعی ویوافقه روایة عن ابی یوسف والحسن بن زیاد رحمهم الله تعالٰی فتاکد الاستحباب خروجا عن الخلاف فافهم والله سبحانه وتعالٰی اعلم ۱۲ منه

سعی ہو اس کا افادہ علامہ خیر الدین رملی نے کیا اور فرمایا اور میں نے صراحۃً یہ دیکھا کہ نہیں اگرچہ فقہاء کے اطلاقات سے معلوم ہو سکتا ہے اھ ردالمحتار **اقول:** اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے جبکہ وہ تصریح کرچکے ہیں کہ اس میں وقت مقرر نہیں۔ اس میں ضرور کلام ہے کہ کیا طواف وداع کے بعد سعی کا استحباباً بھی حکم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وجہ یہ ہو کہ طواف کے بعد متصل سعی ہو جائے تو مستحب ہے لیکن یہاں ایک دوسرا مستحب اڑے آرہا ہے وہ یہ کہ طواف وداع اور کوچ کرنے میں کوئی چیز درمیان میں حائل نہ ہو جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے جبکہ امام شافعی اس کو واجب قرار دیتے ہیں اور اس کی موافقت ابو یوسف اور حسن بن زیاد کی روایت بھی کرتی ہے تو فوراً بعد میں روانہ ہونے کا استحباب واضح ہوگیا، اس کو سمجھو، والله سبحانه وتعالٰی اعلم ۱۲منه (ت)

عــہ: یہاں تک کہ اگر اول پھیروں میں بھول گیا تو بھی ان چار میں اور اگر پہلے پھیرے میں یاد نہ رہا تو دو ہی میں کرے اور دو میں بھولا تو ایک ہی میں ۱۲منہ

[1] ردالمحتار مطلب فی طواف الزیارۃ مصطفٰی البابی مصر ۲ /۱۹۸

ش: یہ مسائل ہم اوپر لکھ چکے اور یہ بھی کہ عورت لبیك آہستہ کہے۔ غسل نماز احرام کلام مصنف میں ذکرًا مؤخر ہے وقوعًا مقدم۔

م: وفی منی المبیت لیل عرفۃ من سنۃ فافہم اخی بمعرفۃ

ت: اور منٰی میں نویں رات شب باشی سنت ہے پس اے برادر! اسے پہچان کر سمجھ لے۔

م: والجمع بین اللیل والنہار بعرفاتِ جاء فی الاٰثار

ت: اور عرفات میں شب وروز کا جمع کرنا حدیثوں میں آیا ہے۔

ش: یعنی نویں تاریخ جو وقت سے عرفات میں وقوف کرتے ہیں اسے دن میں ختم کریں بلکہ اتنا ٹھہریں کہ سورج وہیں ڈوبے اور ایک لطیف [عــہ۱] حصہ رات کا آجائے۔ اس کے بعد مزدلفہ چلیں۔

ف: وقوف فرض تو اس قدر ہے کہ عرفہ کی دوپہر ڈھلے سے دسویں شب کی صبح صادق تک عرفات میں ہونا پایا جائے اگرچہ ایک [عــہ۲] لمحہ۔ پھر جو رات کو وقوف کرے اگرچہ مکروہ ہے اسے کچھ دیر لگانا ضرور نہیں اور جو دن کو بعد زوال وقوف کرے کہ سنت یہی ہے اس پر ہمارے نزدیک امور مزکورہ یعنی غروب شمس تک ٹھہرنا اور جزو قلیل شب کا لے لینا واجب ہیں مگر بعد غروب دیر نہ کرے کہ مکروہ ہے۔

م: سن الوقوف جانب الصخرات والمشعر [عــہ۳] الحرام حین یاتی

ت: سنت ہے ٹھہرنا پتھروں کی طرف اور مشعر حرام میں جب آئے۔

ش: عرفات میں سب سے اونچا میدان سیاہ چٹانوں کے پاس جس میں قبلہ رو کھڑے ہو تو جبل الرحمۃ دہنے ہاتھ

عــہ۱: اس سے یہ مراد کہ آفتاب کا غروب یقینی ہو جائے اس کے بعد ہی فورًا کوچ کردیں کہ پھر توقف مکروہ ہے اور ظاہر کہ بعد غروب ایک آن بھی گزر یہ تو رات کا ایک لطیف حصہ آگیا ۱۲ منہ)

عــہ۲: اگرچہ بلا قصد، اگرچہ سوتا ہوا، اگرچہ بیہوش، اگرچہ بالاکراہ، اگرچہ بحالت حدث حیض یا نفاس یا جنابت، اگرچہ جانتا بھی نہ ہو کہ یہ مقام عرفات ہے فرض ہر طرح ادا ہو جائے گا ۱۲منہ)

عــہ۳: **قلت**: فی ضبط اعرابہ شعر ایوافقہ زنۃ وقافیۃً۔

انصبہ مفعولا لفعل یاتی

او جُرَّہ عطفًا علی الصخرات

۱۲منہ غفرلہ۔

میں نے المشعر الحرام کے اعراب کو ضبط کرنے میں شعر کہا ہے جو وزن اور قافیہ میں اس شعر کے موافق ہے:
اسے "یأتی" فعل کے مفعول ہونے کی بنا پر نصب دے یا "الصخرات" پر عطف ہونے کی بنا پر جر دے۔ ۱۲منہ (ت)

کو رہتا ہے۔ اسے حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکانِ وقوف گمان کیا جاتا ہے بہت افضل ہے کہ کسی کی ایذا نہ ہو تو وہاں وقوف کرے۔

ف: یہ تو مستحب ہے اور مشعر الحرام کو مزدلفہ میں ایک خاص مقام کا نام ہے بالخصوص وہاں وقوف مسنون، ورنہ مزدلفہ کا وقوف ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک واجب ہے۔

م: اخذ الحصار یاصاح من مزدلفة من سنة وغسلها ان اردفه

ت: مزدلفہ سے کنکریاں لینا اے رفیق میرے! سنت ہے اور ان کا دھولینا اگر اس کے بعد کرے۔

ش: دسویں کی صبح کو مزدلفہ سے منیٰ جاتے ہیں تو آج وہاں ایک جمرہ پر کنکریاں ماریں گے اس کے لیے مستحب ہے کہ سات[عہ۱] سنگریزے یہاں سے اٹھالے۔ اور دھونا تو ہر طرح مستحب ہے کہیں[عہ۲] سے اٹھائے۔

عہ۱: اور وہ جو بعض لوگ باقی دنوں کی رمی جمرات ثلاثہ کو بھی سنگریزے یہیں سے لیتے ہیں مباح ہے نہ کہ کچھ مندوب نہ کچھ معیوب (۱۲منہ)

عہ۲: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنگریزے ہر جگہ سے لینے جائز ہیں، ہاں جمرات کے پاس سے نہ اٹھائے کہ وہ پھینکی ہوئی کنکریاں ہوتی ہیں اور حدیث میں ہے: "جس کی قبول ہوتی ہیں فرشتے اٹھالے جاتے ہیں ورنہ تمھیں پہاڑ نظر آتے"[1] اس سے معلوم ہوا کہ جو پڑی رہ جاتی ہے ہو معاذ اللہ مردود ہوتی ہیں تو انھیں اپنے حج میں کیوں استعمال کیجیو، غور کرو تو یہ بھی ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کھلا معجزہ ہے۔ اسلام میں حج ہوتے تیرہ سو برس کے قریب گزرے۔ ہر سال لاکھوں بندگان خدا ہوتے ہیں ایک روایت میں چھ لاکھ ایک روایت میں آٹھ لاکھ حضرت حسن بصری کے اثر میں پندرہ لاکھ ان سے کم ہوتے نہیں، تو فرشتے عدد پورا کرتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ ایسی جگہ عدد زائد ماخوذ ہوتا ہے کہ کم اس کا منافی نہیں۔ فقیر جس سال حاضر ہوا یعنی ۱۲۹۵ھ حاجیوں کی مردم شماری اٹھارہ لاکھ سنی گئی پھر ہر شخص ۴۹ یا ۷۰ کنکریاں مارتا ہے ۴۹ ہی رکھئے تو پندرہ لاکھ میں ضرب دینے سے سات کروڑ پینتیس لاکھ (۷۳۵۰۰۰۰۰) کنکریاں جمع ہوئیں، جمع کیجئے تو ہر سال پہاڑ بنتا ہے پھر جب دیکھئے تو جمرے خالی ہوتے ہیں منیٰ میں کچھ گنتی کنکریاں نظر آتی ہیں، یہ خدا کی شان ہے اور حقیقت اسلام کی صریح برہان و الحمد للہ تعالیٰ رب العٰلمین۔)

ف: یونہی مسجد کی کنکریاں نہ لے کہ بے ادبی اور اسی کی چیز کا اپنے تصرف میں لانا ہے اسی طرح ناپاک کنکری بھی نہ لینی چاہئے کہ ان پر خدا کا نام لیا جاتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ)

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۲۱۴۱، ۸۱/۵ والترغیب والترھیب، الترغیب فی رمی الجمار الخ ۲ /۲۰۸

م: وفی منیٰ لاتترکن الاضحیۃ کذا صلٰوۃ العید مع الحسن النیۃ

ت: اور منیٰ میں عید کی قربانی نہ چھوڑ، یونہی عید کی نماز نیک نیت ہے۔

ف: ہمارے نزدیک نماز عید وقربانی دونوں مقیم مالدار پر واجب ہیں اور شافعیہ سنت کہتے ہیں، لہٰذا مصنفِ علام نے اپنے مذہب کے موافق انھیں سنن میں گنا، مگر یہاں واجب التنبیہ یہ بات ہے کہ ہمارے علماء ذخیرہ ومحیط وغیرہما میں تصریح فرماتے ہیں کہ منیٰ میں نماز عید اصلاً نہیں کہ وہاں لوگوں کو امور حج سے فرصت نہیں ہوتی۔ علامہ ابراہیم حلبی نے فرمایا: ہاں بالاتفاق نماز عید نہ پڑھے۔ علامہ علی قاری نے فرمایا: اس پر تمام علمائے امت کا اجماع ہے کذا فی ردالمحتار[1] فافھم واللہ تعالٰی اعلم (جیسا کہ ردالمحتار میں ہے لہٰذا غور کیجئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ت)

وہی قربانی وہ مذہب راجح میں مقیم پر واجب ہے جیسے اہل مکہ و منیٰ اگرچہ احرام میں ہوں، اور مسافر سے تو اس کا مطالبہ ہی نہیں۔

م: وسنۃ فی فعلھا الثواب لیس علی تارکھا العقاب

ت: اور سنت کے کرنے میں ثواب ہے چھوڑنے میں عذاب نہیں۔

ف: مگر سنن موکدہ کے ترک میں سخت ملامت ہوگی، اور عیاذ باللہ شفاعت سے محرومی بھی وارد۔ بلکہ محققین فرماتے ہیں ان کے ترک میں تھوڑا سا گناہ [عـــہ۱] بھی ہے اگرچہ نہ ترک واجب کے برابر۔ انہی وجوہ سے سنت کو مستحب سے امتیاز ہے ورنہ جتنی بات متن میں گزری مستحب کو بھی شامل۔

م: وانما یؤاخذ المرء علی اھمال فرض قد اتٰی مفصلا

ت: یوں ہی ہے کہ آدمی پر مواخذہ فرض چھوڑنے میں ہے جو بتفصیل وارد ہوا۔

ش: یعنی جس کے ثبوت میں کوئی اجمال واشکال نہیں تو وصف [عـــہ۲] کاشفہ ہے کہ فرض سب ایسے ہوتے ہیں اور بقرینہ سباق ظاہر کہ مواخذہ سے مراد عذاب ہے ورنہ ملامت کہ ترک سنن پر ہوگی خود گرفت و موخذا ہے۔

عـــہ۱: من اراد تحقیق ذٰلك فعلیہ بالبحر الرائق وردالمحتار وغیرھما من الاسفار ۱۲ منہ (م) عـــہ۲: یمکن ان یراد بہ ما اتی ای سبق بیانہ مفصلا فعلی ھذا یکون اشارۃ الی فروض الحج المارۃ فی الواجبات علی مذھب المصنف لکن الذی یعطیہ سوق الکلام ان المقصود بیان حکم السنۃ والفرض مطلقا فلذا مطلقا فلذا فسرناہ بما فسرنا ۱۲ منہ (م)

جو اس کی تحقیق چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ بحرالرائق و ردالمحتار وغیرہ کتب کو دیکھے ۱۲ منہ (ت) ممکن ہے اس سے مراد وہ ہو جو مفصلا گزرا ہے اس بناء پر حج کے ان فرائض کی طرف اشارہ ہوگا جو مصنف کے مذہب کے مطابق واجبات میں گزرا لیکن سوق کلام جو مستفاد ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں مطلق سنت اور فرض سے کا حکم بیان کرنا مقصود ہے اسی لیے ہم نے مذکورہ تفسیر کی ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الحج مطلب فی حکم صلٰوۃ العید والجمعۃ فی منٰی مصطفٰی البابی مصر ۲ /۲۰۰

ف: شافعیہ واجب وفرض میں فرق نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک وہ دو چیزیں جدا جدا ہیں اور دونوں کے ترک پر استحقاق عذاب اگرچہ واجب میں کم فرض میں زیادہ۔ **والعیاذ باللہ۔**

م: **ذی جملۃ من السنن الشھیرۃ اجل من شمس لدی الظھیرۃ**

ت: یہ چند مشہور سنتیں ہیں، مہر نیمروز سے جلالت میں افزوں۔

ف: ان کے سواء آٹھویں تاریخ مکہ معظّمہ سے منیٰ، نویں کو بعد طلوع شمس منیٰ سے عرفات جانا، وہاں نہانا، مزدلفہ میں رات بسر کرنا، دسویں کو وہاں سے قبل طلوع شمس منی کو جانا۔ وہاں ایام رمی جمار میں راتوں کو رہنا، مکہ معظّمہ کو یہاں سے جاتے وادی محصب عــہ۱ میں اترنا وغیر ذلک کہ یہ سب سنن موکدہ ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

م: الفدیۃ

ت: جرمانہ کا بیان

م: **مایفسد الحج ففیہ بُدنۃ وفی سواہ ذبح شاۃ حُسَنۃ**

ت: حج فاسد ہو جاتا ہے جماع سے بشرائط مذکورہ، اور ہم نے حنفیّہ کا اختلاف بہ تفصیل بیان کر دیا، بدنہ ان کے یہاں صرف اونٹ کو کہتے ہیں ہمارے عــہ۲ یہاں گائے کو بھی شامل، عمدہ بکری یہ کہ ان عیبوں سے پاک ہو جو اُضحیہ میں ناجائز ہیں اور فقہ میں بہ تفصیل مذکور۔

ف: یہ دونوں قاعدے کہ جناب مصنف نے ذکر کیے ہمارے مذہب کے مطابق نہیں جماع قبل الوقوف سے ہمارے نزدیک حج فاسد اور بدنہ لازم نہیں اور **بعد الوقوف قبل الحلق والطواف** سے بدنہ لازم۔ حج

عــہ۱: یہ وادی مکہ معظّمہ کی آبادی سے ملی ہوئی ہے۔ مقبرہ مکہ مکرمہ یعنی جنت المعلی کے متصل دو کوچے ہیں ان کے مقابل منیٰ کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر بطن وادی سے اوپر کچھ پہاڑیاں ہیں ان کو بیچیوں اور پہاڑیوں کے درمیان جتنی وادی رہی وہ وادی محصب ہے جب منیٰ سے رمی جمار کرکے مکہ معظّمہ جائیں یہاں ٹھہر ناضرور اور بلاعذر اس کا ترک بُرا، افضل طریقہ اس کا تکملہ میں آئے گا اور زیادہ نہ ہوسکے تو اسی قدر کافی کہ سواری روک کر کچھ دیر دعاء کرلیں ۱۲منہ)

عــہ۲: تو جہاں بدنہ لازم آئے گا ان کے نزدیک خاص اونٹ واجب ہوگا ہمارے نزدیک گائے بھی کفایت کر جائے گی **کما نص علیہ فی الفتح** (جیسا کہ فتح القدیر میں اس پر وضاحت کی گئی ہے۔ ت) ۱۲منہ۔)

فاسد نہیں۔

م: فی کل شعرۃ من الطعام مُد ویفدی الغیر بالصیّام

ت: ہر بال میں اناج سے چہارم عــہ صاع ہے اور ماورا کا جرمانہ روزے۔

ف: بال وغیرہ کے جرمانہ میں ہمارے یہاں بہت تفصیل ہے جس کا بیان موجب تطویل ہے وقت حاجت علماء سے دریافت کرلیں۔

م: وما عدا ھٰذی التی قد ذکرت احکامھا فیما سواھا سطرت

ت: ان مذکورات کے سوا اور چیزوں کے احکام اس رسالہ کے ماورا میں مسطور ہیں۔

م: وانما ذی جملۃ لیسھلا لمن اتی لحفظہ مؤملا

ت: اور یہ تو چند باتیں تاکہ آسانی ہو اس کے لیے جو اسے یاد کرنے کی امید میں آئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

م: الزیادۃ

ت: زیارت سراپا طہارت سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بیان

م: واقصد اذا حججت للزیارۃ لقبر طٰہٰ فلك البشارۃ

ت: اور جب حج کرچکے تو زیارت قبر طٰہٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قصد کرکہ تیرے لیے خوشخبری ہے۔

ف: علماء مختلف ہیں کہ پہلے حج کرے یا زیارت، لباب میں ہے: حج نفل میں مختار ہے، اور فرض

عــہ: مُد شافعیہ وحنفیّہ دونوں کے نزدیک چہارم صاع ہے مگر صاع میں اختلاف ہے۔ ہم ۸ رطل کا کہتے ہیں تو مد ۲ رطل ہوا وہ ۵ ــ ۱/۳ رطل تو ا ــ ۱/۲ ہوا، اور صاع عند التحقیق دو سو ستر تولے کا ہے۔ تو ہمارے حساب پر بریلی کے سیر سے کہ سو روپیہ بھر کا ہے، ایک صاع آدھ پاؤ کم تین سیر سے ۵ ماشے ۵ رتی زیادہ، اور نیم صاع کہ وہ گندم سے ایک آدمی کے فطر کا صدقہ اور ایک روزہ کا فدیہ اور کفارہ میں ایک مسکین کا حصہ یعنی ایک سیر سات چھٹانک دو ماشے ساڑھے چھ رتی (یہاں عبارت میں کچھ اختصار کیا گیا ہے ۱۲ اشرف قادری) رامپور کے سیر سے کہ ۹۶ روپے بھر کا ہے (یعنی پورے نوے تولے کا (فتاوٰی رضویہ) حساب بہت سیدھا ہے پورے تین سیر کا صاع ہوا دہلی کے سیر سے کہ ۸۰ روپے بھر کا ہے (یعنی ۷۵ تولے ہے ۱۲ فتاوٰی رضویہ) صاع ۳ ــ ۳/۵ ہوا یعنی ساڑھے تین سیر سے دسواں حصہ سیر کا زائد اور نیم صاع یعنی دو سیر سے پانچواں حصہ سیر کا کم، یہ حساب یاد رکھنا چاہئے بحمد اللہ تعالٰی کمال تحقیق ہے۔ واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ

ہو تو پہلے حج، مگر مدینہ طیبہ راہ میں آئے تو تقدیم زیارت لازم[1] **انتھی** "یعنی بے زیارت گزر جانا گستاخی، اور فقیر کہ علامہ سکی کا یہ ارشاد بہت بھایا پہلے حج کرے تاکہ پاک کی زیارت پاک ہو کر ملے۔

پاک شو اول وپس دیدہ براں پاک انداز

(پہلے پاک ہو اور پھر اس پاک ہستی پر نظر ڈال)

ف: جناب مصنف کے کلام میں صاف اشارہ ہے کہ سفر مدینہ طیبہ خاص بقصد زیارت شریفہ ہو اور بیشک یہ امر شرعًا محمود اور زیارت اقدس اعظم مقصود اور حدیث میں لفظ عـــہ **لا تعمله (ف) الا زیارتی**[2] موجود یعنی

عـــہ۱: **فائدہ جلیلہ:** یہ حدیث صحیح ہے

رواہ الطبرانی الکبیر والدارقطنی فی الامالی وابوبکر المقری فی المعجم والحافظ السلفی وابن عساکر وابو نعیم و الحافظ ابو علی وسعید بن السکن البغدادی فی کتاب السنن الصحاح عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما

اس کو طبرانی نے کبیر اور دارقطنی نے امالی میں، ابوبکر مقری نے معجم میں، حافظ سلفی، ابن عساکر، ابونعیم، حافظ ابو علی اور سعید بن سکن بغدادی نے سنن اور صحاح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

امام ابن سکن اشارہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت پر ائمہ حدیث کا اجماع ہے۔ دوسری حدیث میں ہے:

زارنی متعمدا[3]۔ رواہ العقیلی والبیھقی وابن عساکر۔

بالقصد میری زیارت کرے، اس کو عقیلی، بیہقی اور ابن عساکر نے روایت کیا۔ ت)

تیسری حدیث میں ہے:

زارنی بالمدینۃ محتسبا[4]۔ اخرجہ ابن ابی الدنیا

ثواب کی نیت سے میری زیارت کے لیے مدینے میں

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۵۔ ۳۳۴

[2] معجم کبیر، مروی از عبداللہ ابن عمر حدیث ۱۳۱۴۹ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۲ /۲۹۱، کنز العمال حدیث ۳۴۹۲۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ /۲۵۶

[3] شعب الایمان، حدیث ۴۱۵۲ باب المناسک دار الکتاب العلمیۃ بیروت ۳ /۴۸۸

[4] شعب الایمان، حدیث ۴۱۵۷ باب المناسک، دار الکتاب العلمیۃ بیروت ۳ /۴۹۰

اسے کوئی کام نہ ہو میری زیارت کے سوا۔ امام ابن الہمام فرماتے ہیں میرے نزدیک افضل یہ ہے کہ سفر خاص بقصد حاضر ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والبیہقی وابن الجوزی عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (اس کی ابن ابی الدنیا، بیہقی اور ابن جوزی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کی۔ت)

چوتھی حدیث میں ہے:

قصدنی فی مسجدی[1]۔ اوردہ فی جذب القلوب۔ میرا قصد کرکے میری مسجد میں آئے (اسکو جذب القلوب میں ذکر کیا گیا ہے۔ت)

اقول: علاوہ بریں وہ تمام احادیث جن میں زیارت قبر شریف کی ترغیب وتاکید اور اس کے ترک پر وعید و تہدید ہمارے مدعا کی گواہ وشہید، طرفہ بات یہ ہے کہ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس امر کی طرف تاکید بلائیں اور اس کے ترک پر وعید فرمائیں اس کا قصد ناجائز قرار پائے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: انما الاعمال بالنیات[2]۔ (تمام اعمال کامدار نیتوں پر ہے۔ت) یہ عجب کار ثواب ہے جس کی نیت موجب عذاب ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

رہی حدیث "لا تشد الرحال" ائمہ دین نے تصریح فرمائی ہے کہ وہاں ان تینوں مسجدوں کے سوا اور مسجد کے لیے بالقصد سفر کرنے سے ممانعت ہے ورنہ زنہار الفاظ حدیث طلب علم واصلاح مسلمین وجہاد واعداء ونشر دین وتجارت حلال وملاقات صالحین وغیرہا مقاصد کے لیے سفر سے مانع نہیں۔ اور قاطع نزاع یہ ہے کہ بعینہٖ یہی حدیث بروایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی مسند میں بسند حسن یوں روایت کی:

لا ینبغی للمطی ان تشد رحالہ الی مسجد تبتغی فیہ الصلٰوۃ غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصٰی و مسجدی ھذا[3]۔ ناقہ کو سزاوار نہیں کہ اس کے کجاوے کسی مسجد کی طرف بغرض نماز کسے جائیں سوائے مسجد حرام ومسجد اقصٰی اور میری مسجد کے۔

تو خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد سے حضور کی مراد واضح ہوگئ والحمد للہ رب العٰلمین ۱۲ منہ

---

[1] جذب القلوب باب چہاردرہم در فضائل زیارۃ المرسلین مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۱۹۶

[2] صحیح بخاری باب کیف کان بدئ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از ابو سعید خدری دارالفکر بیروت ۳/ ۶۳

زیارت والا کرے یہاں تک کہ اس کے ساتھ مسجد شریف کا بھی ارادہ نہ ہو کہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم زیادہ ہے جب حاضر ہوگا حاضری مسجد خود ہو جائے گی یا اس کی نیت دوسرے سفر پر رکھے۔

م: ان زیارۃ النبی لازبۃ صلوا علیہ فالصلوٰۃ واجبۃ

ت: بے شک زیارت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی لازم ہے درود بھیجو ان پر کہ درود فرض ہے،

ش: علماء فرماتے ہیں زیارت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اعظم قربات وافضل طاعات سے ہے۔ بہت برآرندہ مقاصد وحاجات، قریب بدرجہ موکدہ واجبات، بلکہ بعض نے وجوب [عہ۱] کی تصریح فرمائی۔

فقیر کہتا ہے دلیل اسی کو مقتضی، وھو الذی نودّ ان نقول بہ (ہم یہی کہنا چاہتے ہیں۔ت) اسی طرح حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود عُمر میں ایک بار تو بالاجماع فرض قطعی ہے اور امام شافعی ہر نماز میں فرض اور ہر بار کہ ذکر شریف آئے علماء کو وجوب واستحباب میں اختلاف، وامام طحطاوی کا مذہب ہر مرتبہ وجوب ہے ذاکر و سامع پر، باقلانی وحلبی وصاحب بحر الرائق وتنویر الابصار وغیرہم اکابر علماء نے اسی کو صحیح وراجح ومختار ومعتمد فرمایا اور دلیل اسی کو مقتضیو ھو الذی ندب اللّٰہ بہ (یہی اللہ تعالٰی کو زیادہ پسند ہے۔ت) البتہ درصورت اتحاد مجلس دفعا للحرج تداخل مسلم [عہ۲]۔ واللہ اعلم

م: ویستحق الزائر الشفاعۃ فیما روتہ ثقۃ الجماعۃ

ت: اور زیارت کرنے والا مستحق شفاعت ہے اس حدیث کی رو سے جسے ثقہ جماعت نے روایت کیا۔

عہ۱: یعنی الوجوب المصطلح عند الحنفیۃ لاکما تقول القدماء الظاھریۃ ان الزیارۃ الکریمۃ واجبۃ ولایفرقون بین الواجب والفرض اما احداثھم الھنود فقد اٰمنوا بابن تیمیۃ وتفوھو بمالا تعسطہ الدیمۃ الدومیۃ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ ۱۲ منہ (م)

یعنی احناف کی اصطلاح کا وجوب قدماء ظاہری مذہب والوں کا وجوب مراد نہیں کہ زیارت کریمہ واجب بمعنٰی فرض ہو کیونکہ وہ فرض اور واجب میں فرق نہیں کرتے۔ لیکن ہندوستانی نئے ظاہری لوگ تو ابن تیمیہ پر ایمان رکھتے ہوئے وہ بکواس کرتے ہیں جن کو چاٹنے والی دیمک بھی نہ چاٹ سکے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ ۱۲ منہ (ت)

عہ۲: المعتمد عندنا الوجوب والتداخل افادہ فی المرقاۃ ۱۲ منہ (م)

ہمارے نزدیک قابل اعتماد وجوب اور تداخل ہے اس کا افادہ مرقات میں ہے ۱۲ منہ (ت)

ش: حدیث ۱: حدیث عــہ۱ صحیح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں، جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔[1]

حدیث عــہ۲ **۲:** جو میری زیارت کو آیا کہ اسے سوا زیارت کے کچھ کام نہ تھا مجھ پر حق ہو گیا کہ روز قیامت اس کا شفیع ہوں۔[2]

عــہ ۱: رواہ ابن خزیمۃ فی صحیحیہ وابن ابی الدنیا والطبرانی فی المحاملی والبزار والعقیلی و ابن عدی والدارقطنی والبیھقی وابوالشیخ وابن عساکر وابوطاھر السلفی وعبدالحق فی الاحکامین والذھبی وابن الجوزی کلھم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما وصححہ عبدالحق وحسنہ الذھبی اقول بعد الحسن فلا شك فی صحتہ لکثرۃ الطرق ففی لباب عن بکر بن عبداللہ رواہ ابو الحسن یحیٰی بن الحسن فی اخبار المدینۃ وعن الفاروق وعن ابن عباس وعن انس بن مالك وعن ابی ھریرۃ رحمھم اللہ تعالٰی عنھم کماسیأتی ۱۲ منہ	اسے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور ابن ابی الدنیا، طبرانی، محاملی، بزار، عقیلی، ابن عدی، ابوطاہر سلفی، اور عبدالحق نے احکامین میں اور ذہبی اور ابن جوزی سب نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور عبدالحق نے اسے صحیح کہا اور ذہبی نے اس کی تحسین کی اقول تحسین کے بعد اس کی صحت میں کثرت طرق کی بنا پر شک نہ رہا اس باب میں بکر بن عبداللہ سے روایت ہے اسے ابوالحسن یحیٰی بن الحسن نے اخبار مدینہ میں ذکر کیا اور عمر فاروق سے ابن عباس سے انس بن مالک اور ابوہریرہ رحم اللہ تعالٰی عنہم سے روایات مروی ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے ۲ امنہ (ت)

عــہ۲: یہ حدیث بھی صحیح ہے جس کی تخریج شروع فصل کے حواشی میں گزری۔

عجیب لطیفہ: امام اجل خاتمۃ الحفاظ والمحدثین امام زین الدین عراقی استاذ امام جبل الحفظ، اسناد المحدثین امام ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ تعالٰی زیارت مزار پُرانوار حضرت سید ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جاتے تھے بعض حنبلی حضرت کے ہمراہ رکاب تھے حنبلی نے باتباع ابن تیمیہ کہ مدعی حنبلیت تھا یوں کہا کہ میں نے مسجد خلیل اللہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] سنن الدار قطنی کتاب الحج باب المواقیت نشر السنۃ ملتان ۲ /۲۷۸

[2] معجم الکبیر مروی از عبداللہ بن عمر حدیث ۱۳۱۴۹ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۲ /۲۹۱، کنزالعمال حدیث ۳۴۹۲۸ مؤسسۃ رسالہ بیروت ۱۲ /۲۵۶

حدیث عـــہ۱ ۳: جو مدینہ میں بہ نیت ثواب میری زیارت کرنے آئے میں اس کا شفیع و گواہ ہوں۔[1]

حدیث عـــہ۲ ۴: جو میرے انتقال کے بعد میری زیارت کرے گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) علیہ الصلوٰۃ والسلام میں نماز پڑھنے کی نیت کی امام نے فرمایا میں نے زیارت قبر سیدنا خلیل اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیت کی، پھر حنبلی سے فرمایا تم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مخالفت کی کہ حضور نے مساجد ثلاثہ کے سواء چوتھی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے سفر سے ممانعت کی اور میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اتباع کیا کہ حضور نے فرمایا: قبور کی زیارت کرو۔ کیا اس کے ساتھ کہیں یہ بھی فرمادیا ہے کہ قبور انبیاء کی زیارت نہ کرو، حنبلی کو سوا حیرت کے کچھ بن نہ آیا[2]۔

نقله العلامة القسطلانی فی المواھب عن الشیخ ولی الدین عراقی عن ابیه الامام زین الدین العراقی رحمة الله تعالٰی علیهم اجمعین۔ (م)

اسے علامہ قسطلانی نے مواہب میں شیخ ولی الدین عراقی سے (انھوں نے اپنے والد امام زین الدین عراقی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے) نقل فرمایا۔ (ت)

دیکھئے خدا کی شان جس حدیث سے یہ لوگ زعم میں مزارات کی طرف سفر کی ممانعت نکالتے تھے خدا تعالٰی نے اسی حدیث سے ان پر الزام قائم فرمایا وللہ الحجۃ السامیۃ ۱۲ منہ

عـــہ۱: رواہ ابن ابی الدنیا والبیهقی وابو الفرج ابن الجوزی عن انس رضی الله تعالٰی عنه ۱۲ منه (م)

اسے ابن ابی الدنیا، بیہقی اور ابوالفرج ابن جوزی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲ منہ (ت)

عـــہ۲: رواہ العقیلی وابن عساکر عن ابن عباس والیعقوبی فی جزئه الحدیثی عن ابی ھریرۃ، و ابن النجار فی الدرۃ الثمینة عن انس بن مالك وصدر الحدیث مروی عن ابن عمر

عقیلی اور ابن عساکر نے ابن عباس سے، اور یعقوبی نے جزء الحدیثی میں ابوھریرہ سے اور ابن النجار نے الدرۃ الثمینہ میں انس بن مالک سے روایت کیا ہے اور صدر حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] شعب الایمان باب المناسک حدیث ۴۱۵۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۴۵۷

[2] المواھب اللدنیہ حکم نذر الزیارۃ المکتب الاسلامیہ بیروت ۴/ ۵۷۴۔۵۷۳

اور میں روز قیامت اپنے زائر کا گواہ یا شفیع ہوں گا۔[1]

حدیث عــہ۱ **۵:** جو میری قبر کی، یافرمایا میری زیارت کرے میں اس کا شافع وشاہد ہوں[2]۔ غرض یہ مضمون بہت حدیثوں میں وارد۔

حدیث عــہ۲ **۶:** ومکہ جاکر حج کرے پھر میرے قصد سے میری مسجد حاضر ہوااس کے لیے دو حج مبرور لکھے جائیں[3]۔ اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم: حج مبرور عــہ۳ کی جزا سواجنت کے کچھ نہیں[4]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

رضی اللہ تعالٰی عنہما، رواہ سعید بن منصور و المحاملی والطبرانی وابویعلٰی وابن عدی والدار قطنی والبیھقی وابن عساکر وابن الجوزی وابن النجار وعن حاطب رواہ الدارقطنی والمحاملی والبیھقی وابن عساکر وعن علی کرم اللہ وجھہ رواہ یحیٰ بن جعفر الحسینی فی اخبار المدینۃ، واوردہ ابو سعید فی شرف المصطفٰی ۱۲ منہ (م)

سے مروی ہے۔ اسے سعید بن منصور، محاملی، طبرانی، ابویعلٰی، ابن عدی، دارقطنی، بیہقی، ابن عساکر، ابن نجار نے روایت کیا، اور حاطب سے مروی ہے، اسے دارقطنی، محاملی، بیہقی اور ابن عساکر نے روایت کیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے اسے یحیٰی بن جعفر الحسینی نے اخبار المدینہ میں روایت کیا، اور ابو سعید نے اسے شرف المصطفٰی میں بیان کیا ۱۲ منہ (ت)

عــہ۱: رواہ ابوداؤد الطیاسی والبیھقی وابونعیم وابن عساکر عن امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ (م)

اسے ابوداؤد طیالسی، بیہقی، ابونعیم اور ابن عساکر نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

عــہ۲: مرفی صدر الفصل ۱۲ منہ (م)

فصل کے شروع میں گزرا ۱۲ منہ (ت)

عــہ۳: رواہ مالك واحمد والبخاری ومسلم وابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ

اسے امام مالک، احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، اصبہانی اور بیہقی (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] کتاب الضعفاء الکبیر ترجمہ ۱۵۱۳ فضالۃ بن سعید دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۴۵۷
[2] مسند ابوداؤد طیالسی حدیث من زار قبری دار المعرفۃ ص ۱۲ و ۱۳
[3] جذب القلوب باب چہارم در فضائل زیارۃ سید المرسلین نولکشور لکھنؤ ص ۱۹۶
[4] صحیح بخاری ابواب العمرۃ باب وجوب العمرۃ وفضلہا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۸

حدیث عـــہ۱ **۷**: جو بالقصد میری زیارت کو حاضر ہو روز قیامت میرے سایہ دامان میں ہو۔[1]

حدیث عـــہ۲ **۸**: جو حجۃ الاسلام بجالائے اور میری قبر کی زیارت سے مشرف ہو اور ایک جہاد کرے اور بیت المقدس میں نماز پڑھے اللہ تعالٰی اس سے فرائض کا حساب نہ لے۔[2]

حدیث عـــہ۳ **۹**: جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا اس نے مجھ پر جفا کی۔[3]

والاصبہانی والبیہقی عن ابی ھریرۃ واحمد عن عامر بن ربیعۃ وعن جابر بن عبداللہ والطبرانی فی المعجم الکبیر عن ابن عباس واحمد والترمذی والنسائی وابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحھما عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنھم، قال الترمذی حسن صحیح، قلت وقد روی من غیر وجہ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

اسے امام مالک، احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، اصبہانی اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ سے اور احمد نے عامر بن ربیعہ سے اور جابر بن عبداللہ سے، اور طبرانی نے معجم الکبیر میں ابن عباس سے، اور احمد، ترمذی، نسائی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا، میں کہتا ہوں یہ متعدد وجوہ سے مروی ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عـــہ۱: سبق ذکرہ فی صدر الفصل ۱۲ منہ (م)

فصل کے شروع میں پیچھے اس کا ذکر ہو چکا ۱۲ منہ (ت)

عـــہ۲: رواہ ابو الفتح الازدی بطریق سفیان الثوری عن منصور عن ابراھیم عن علقمۃ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ (م)

اسے ابوالفتح ازدی نے بطریق سفیان ثوری منصور سے ابراہیم سے علقمہ سے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲ منہ (ت)

---

[1] شعب الایمان حدیث ۴۱۵۷ باب المناسک دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۴۹۰

[2] تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ بحوالہ (فت) کتاب الحج فصل ثالث ۲/ ۱۷۵

[3] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ نعمان بن شبل دارالفکر بیروت ۷/ ۲۴۸۰

حدیث عــہ۱ **۱۰:** جو امتی میرا قدرت رکھتا ہو پھر میری زیارت نہ کرے اس کے لیے کوئی عذر نہیں[1]۔

حدیث عــہ۲ **۱۱:** عہ ۲ جو مجھ پر سلام عرض کرتا ہے میں اسے جواب دیتا ہوں[2]، السلام علیك ایھا النبی ورحمة الله وبرکاته۔

حدیث عــہ۳ **۱۲:** عہ ۳ جو مجھ پر میری قبر کے پاس سلام عرض کرے اللہ تعالٰی اس پر ایک فرشتہ مقرر فرمائے عــہ۴ کہ اس کا سلام مجھے پہنچائے اور اس کے دنیا و آخرت کے کاموں کی کفایت فرمائے اور روز قیامت میں اس کا شفیع یا گواہ ہوں[3]۔

حدیث عــہ۵ **۱۳:** اللہ تعالٰی نے دنیا میرے سامنے اٹھائی کہ وہ جو کچھ قیامت تک اس میں ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسا اپنی ہتھیلی کو۔[4]

عــہ۱: رواہ ابن النجار عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه ۱۲ منه (م)

اسے ابن نجار نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲ منہ (ت)

عــہ۲: رواہ الامام احمد وابوداؤد عن ابی ھریرۃ رضی الله تعالٰی عنه باسناد صحیح قاله المناوی ۱۲ منه (م)

اسے امام احمد اور ابوداؤد نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ یہ مناوی نے کہا ۱۲ منہ (ت)

عہ۳: ھذا حدیث ابی ھریرۃ رضی الله تعالٰی عنه اوردہ فی الجوھر النظم ذکرہ العلامة الزرقانی فی شرح المواھب ۱۲ منه (م)

یہ حدیث ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ہے اسے جوہر النظم میں درج کیا گیا ہے، علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں اس کا ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

عــہ۴: دربارشاہی کا ادب ہے کہ حاضرین کی عرض بھی عرض بیگی کے ذریعہ سے ہوتی ہے ورنہ حضور پر دلوں کے ارادے تک روشن ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

عــہ۵: رواہ الطبرانی عن ابن عمر الفاروق رضی الله تعالٰی عنه ۱۲ منه (م)

اسے طبرانی نے حضرت ابن عمر الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲ منہ (ت)

---

[1] تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ بحوالہ تاریخ ابن نجار کتاب الحج فصل ثانی دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۷۲

[2] سنن ابوداؤد کتاب المناسک باب زیارۃ القبور آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۷۹

[3] شعب الایمان باب فی المناسک حدیث ۴۱۵۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۴۸۹

[4] کنز العمال بحوالہ نعیم بن حماد فی الفتن حدیث ۳۱۸۱۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۳۷۸ و کنز العمال بحوالہ طب وحل عن ابن عمر حدیث ۳۱۹۷۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۲۰

حدیث عہ۱ **۱۴:** میرا علم میری وفات کے بعد ایسا ہی ہے جیسا میری زندگی میں۔"[1]

حدیث عہ۲ **۱۵:** میری حیات و ممات دونوں تمھارے لیے بہتر ہیں، تمھارے اعمال میرے حضور پیش کئے جاتے ہیں میں نیکیوں پر شکر کرتا ہوں اور برائیوں پر تمھارے لیے استغفار فرماتا ہوں[2]۔

حدیث عہ۳ **۱۶:** بیشک اللہ تعالٰی نے زمین پر پیغمبروں کا جسم کھانا حرام کیا ہے تو اللہ کا نبی زندہ ہے اور روزی

عــہ۱: اخرجه الاصبهانی وابن عدی فی الکامل عن انس رضی الله تعالٰی عنه ۱۲ منه (م)

اسے اصبہانی اور ابن عدی نے کامل میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲ منہ (ت)

عــہ۲: رواہ الحارث فی مسندہ وابن سعد فی طبقات والقاضی اسمٰعیل بسند صحیح عن بکر بن عبد الله المزنی التابعی الثقة مرسلا والبزار مثله باسناد صحیح عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنه ۱۲ منه غفرله (م)

حارث نے اپنی مسند میں اور ابن سعد نے اپنی طبقات میں اور قاضی اسمٰعیل نے بسند صحیح بکر بن عبداللہ المزنی التابعی الثقہ سے مرسلا اور ایسے ہی صحیح اسناد کے ساتھ بزار نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عــہ۳: صدر الحدیث ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء[3] اخرجه الائمة احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجة والحاکم والدارقطنی وابن خزیمة وابن حبان وابو نعیم وغیرهم عن اوس بن اوس رضی الله تعالٰی عنه وصححه ابنا خزیمة وحبان والدارقطنی وحسنه عبدالغنی والمنذری وقال ابن دحیه انه صحیح محفوظ بنقل العدل عن العدل اھ واخرجه الطبرانی

حدیث کا ابتدائی حصہ یہ ہے اللہ تعالٰی نے حرام فرمایا ہے زمین پر کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔

اس کو ائمہ کرام ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم، دارقطنی، ابن خزیمہ، ابن حبان، وابو نعیم وغیرہم نے اوس بن اوس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کیا ہے اور اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان اور دارقطنی نے صحیح کہا ہے اور عبدالغنی اور منذری نے اس کو حسن کہا ہے اور ابن دحیہ نے کہا کہ یہ صحیح محفوظ ہے اور اس کے تمام راوی عادل ہیں، اور طبرانی اور بیہقی نے ابوھریرہ سے اور ابن عدی (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] جذب القلوب باب چہاردہم درزیارت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نولکشور لکھنؤ ص ۱۹۹

[2] کنز العمال بحوالہ ابن سعد عن بکر بن عبداللہ المزنی حدیث ۳۱۹۰۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱ /۴۰۷

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹

دیا جاتا ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔

حدیث عـــہ۱ **۱۷:** میری اس مسجد میں نماز اور مسجدوں کی ہزار نماز سے افضل ہے سوائے مسجد الحرام کے[2]۔

حدیث عـــہ۲ **۱۸:** جو حرمین میں سے کسی حرم میں مرے روز قیامت بے خوف اٹھے۔[3]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والبیھقی عن ابی ھریرۃ وابن عدی عن انس ومع زیادۃ فبنی اللہ حی یرزق[4] رواہ ابن ماجۃ بسند صحیح عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین ۱۲ منہ (م)

اس کو ائمہ کرام ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم، دارقطنی، ابن خزیمہ، ابن حبان، وابونعیم وغیرہم نے اوس بن اوس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کیا ہے اور اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان اور دارقطنی نے صحیح کہا ہے اور عبدالغنی اور منذری نے اس کو حسن کہا ہے اور ابن دحیہ نے کہا کہ یہ صحیح محفوظ ہے اور اس کے تمام راوی عادل ہیں، اور طبرانی اور بیہقی نے ابوھریرہ سے اور ابن عدی نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اس اضافہ "تو اللہ کا نبی زندہ ہے روزی دیا جاتا ہے" کو ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

عـــہ۱: رواہ احمد والستۃ الا اباداؤد عن ابی ھریرۃ واحمد ومسلم والنسائی وابن ماجۃ عن ابن عمر ومسلم عن ام المومنین میمونۃ واحمد عن جبیر بن مطعم وعن سعد وعن الارقم بن ابی الارقم وکابن ماجۃ عن جابر بن عبداللہ وکابن حبان عن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین ۱۲ منہ (م)

عـــہ۲: مروی عن انس بن مالك عند البیھقی وعن بکر بن عبداللہ وعن حاطب وعن امیر المومنین عمر وعن غیرھم رضی اللہ تعالٰی عنھم تتمۃ للحدیث الاول والرابع والخامس والسابع وقد مر تخاریجھا ۱۲ منہ (م)

یہ بیہقی کے ہاں انس بن مالک اور بکر بن عبداللہ، حاطب اور امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی ہے یہ پہلی، چوتھی، پانچویں اور ساتویں حدیث کا تتمہ ہے۔ اس کی تخاریج گزر چکیں ۱۲ منہ (ت)

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹
[2] صحیح مسلم باب فضل الصلوٰۃ بمسجدی مکہ والمدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۶
[3] شعب الایمان باب فی المناسک حدیث ۴۱۵۸ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۴۹۰
[4] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹

حدیث عـــہ۱ **۱۹**: مدینہ مکہ سے افضل ہے[1]۔

حدیث عـــہ۲ **۲۰**: جس سے مدینہ میں مرنا ہو سکے تو اسی میں مرے کہ جو مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت فرماؤں گا[2]۔

اللھم ارزقنا علی الایمان والسنة بجاھه عندك باعظم المنة اٰمین اٰمین اٰمین وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد واٰله وصحبه اجمعین۔

م: ھنالکم یامعشر الحجاج اذ جئتم من ابعد الفجاجت:

اے گروہ حاجیاں! تمھیں مژدہ جب آئے تم دور دراز راہوں سے۔

ت: وقد حویتم عظیم المنة والحج مبرورًا جزاہ الجنة

ت: اور بیشک تم نے بڑا احسان جمع کیا اور اچھے حج کا بدلہ بہشت ہے۔

ش: یہ اخبار بہ طور رجا ہے، بنظرِ احادیث کثیرہ عـــہ۳ کہ اسی معنٰی میں وارد ہوئیں یا دعا مراد ہے اور تخصیص مغفرت

عـــہ۱: رواہ الطبرانی فی الکبیر والدارقطنی فی الافراد عن رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنه ۱۲منه (م)

اس کو طبرانی نے کبیر میں اور دارقطنی نے افراد میں رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، ۱۲منہ (ت)

عـــہ۲: رواہ احمد والترمذی وابن ماجة وابن حبان عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما وصححه الترمذی ۱۲ منه (م)

اس کو احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ۱۲ منہ (ت)

عـــہ۳: اس بارے میں احادیث کثیرہ وارد ہیں، فضائل حج و عمرہ میں حضرت والد قدس سرہ الماجد نے جواہر البیان شریف

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] المعجم الکبیر مروی از رافع بن خدیج المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۴/ ۲۸۸

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب باب ماجاء فی فضل المدینۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۲۳۱

کے یہ معنی نہیں کہ خاص تمھاری مغفرت ہو، بلکہ یہ کہ تمھاری خاص مغفرت [عہ۱] ہو۔

م: فالتزموا الحمدلہ والشکرا اذھذہ النعمۃ منہ الکبرٰی

ت: تو حمد وشکر الٰہی کا التزام کرلو کہ یہ نعمت اس کی بہت بڑی ہے۔

م: وعظموا النبی بالسلام علیہ فھو المسك للختام

ت: اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کرو ان پر سلام بھیج کر، کیونکہ یہ مشک ہے مہر خاتمہ کے لیے۔

م: واٰلہٖ خلاصۃ الانام مع صحبہ الافاضل الکرام

ت: اوران کی ال پر کہ خلاصہ مخلوقات ہیں مع صحابہ کے کہ بہت فضیلت وکرم والے ہیں۔

ف: اس قسم کے کلمات مقام مدح میں استعمال کرتے ہیں مثلا امام ابو حنیفہ سید الاولیاء حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما بلکہ علماء وسادات عصر کو لکھتے ہیں، افضل المحققین، اکمل المدققین، خلاصہ دودمانِ مصطفوی، نقادہ خاندان مرتضوی اور ان الفاظ سے عموم واستغراق حقیقی مراد نہیں لیتے۔ ورنہ بایں معنی امام ائمہ وسیدنا الاولیاء حضور اقدس سرور دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں وبس، اور اگرامت [عہ۲] میں لیجئے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ اسی طرح خلاصہ دودمانِ مصطفوی حضرت بتول زہرا ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں ستر سے زائد حدیثیں ذکر فرمائیں ان میں بہت احادیث اس معنی کی مفید ملیں گی، سب سے اعلٰی یہ ہے کہ صحیحین میں آیا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو حج کرے اور اس میں رفث وگناہ سے بچے ایسا پاک ہو کر پلٹے جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے نکلا تھا۔[1]
۱۲منہ۔

عہ۱: یعنی مغفرت عامہ سے جدا وممتاز ۱۲منہ

عہ۲: یہ اس لیے کہہ دیا کہ اولیاء کا اطلاق کبھی بمعنی اعم آتا ہے یعنی ہر محبوب خدا، تو انبیاء بلکہ ملائکہ کو بھی شامل، اس معنی پر قرآن عظیم میں فرمایا: اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ [1] (سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم۔ ت) بایں معنی سید الاولیاء حضور سید المحبوبین ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور کبھی ماورائے انبیاء ومرسلین مراد لیتے ہیں ہزاروں بار سنا ہوگا انبیاء واولیاء اور عطف مقتضی مغایرت ہے اس معنی پر سید الاولیاء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں کہ باجماع اہل سنت تمام امت سے افضل واکمل (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] الترغیب والترھیب کتاب الحج الترغیب فی الحج مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۶۳، صحیح بخاری کتاب المناسک قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۶

اور اوپر سے لیجئے تو حضرت مولا مشکل کشاء اور نقادہ خاندان مرتضوی حسن عــہ مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہیں اور اس لفظ کا تیسرا اطلاق اخص اور ہے جس میں صحابہ بلکہ تابعین کو بھی شامل نہیں رکھتے کہ وہ اسمائے خاصہ سے ممتاز ہیں، جیسے کہتے ہیں اس مسئلہ پر صحابہ وتابعین واولیائے امت وعلمائے ملت کا اجماع ہے اس وقت یہ لفظ اصطلاح مشائخ وصوفیہ کا ہم عناں ہوتا ہے، اس معنٰی پر بیشک حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سیدالاولیاء ہیں **لایخص منہ نفس الاان یقوم دلیل** (اس معنٰی کہ اولیاء میں آپ بلا تخصیص سب کے سردار ہیں بغیر دلیل کسی ولی کی تخصیص نہ ہوگی) تو فرمان واجب الاذعان "**قدمی ھذا علٰی رقبۃ کل ولی اللہ**" (میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔ت) میں تخصیص بلا مخصص کی اصلاً حاجت نہیں، **کما حققناہ فی المجیر المعظم** (جیسا کہ ہم نے **المجیر المعظم** میں اس کی تخصیص کی ہے ۱۲ **منہ غفرلہ**۔

عــہ۱: ہم نے اپنی کتاب "**مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین**" کے منہیات پر متعدد حدیثوں سے ثابت کیا کہ حضرت سبطِ اکبر حضرت سبطِ اصغر سے افضل ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہما، ازانجملہ حدیث طبرانی کہ حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

"حسن کے لیے میری ہیبت وسرداری ہے اور حسین کے لیے میری جرأت وبخشش۔"[1]

دوم: حدیث احمد وابوداؤد کہ فرمایا: "حسن میرا ہے اور حسین علی کا۔"[2]

سوم حدیث ابویعلٰی کہ فرمایا: "حسن تمام جوانانِ اہل جنت کے سردار ہیں۔"[3]

وھذا حدیث حسن، **نص صریح فیما قلنا** (یہ حدیث ہمارے دعوٰی پر صریح نص ہے۔ت) فقیر بدلیل احادیث یہی گمان کرتا تھا یہاں تک کہ تیسیر شرح جامع صغیر میں اس معنٰی کی تصریح پائی **والحمد للہ ۱۲ منہ غفرلہ**۔

---

[1] مجمع الزوائد باب فیما اشترک الحسن والحسین الخ دارالکتاب العربی بیروت ۹/ ۱۸۵

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از مقدام بن معدیکرب دارالفکر بیروت ۴/ ۱۳۲

[3] مجمع الزوائد باب ماجاء فی الحسن بن علی دارالکتاب العربی بیروت ۹/ ۱۷۸

پس واضح ہوگیا کہ طور متعارف پر حضرات آل اطہار کو خلاصہ مخلوقات کہنا بہت صحیح ہے اور اس سے ان کی فضیلت انبیاء ومرسلین بلکہ خلفائے ثلٰثہ رضوان تعالٰی علیہم اجمعین پر لازم نہیں آتی کہ جو امور عقائد حقہ میں مستقر ہوچکے وہ خود ایضاح مراد کو بس ہیں۔ والحمد ﷲ اولا واٰخرًا والصلوۃ والسلام کاثرًا وافرًا علی الحبیب الجلیل باطنا وظاھرا واٰلہٖ وصحبہ سادۃ الورٰی ماطلعت شمس وبدر سرٰی۔

تکملہ

حج وعمرہ کی ترکیب اور اول سے آخر تک ان کے افعال کی ترتیب اور آدابِ زیارت قبر حبیب علیہ صلوٰۃ القریب المجیب میں

یہ شرح کہ حسب فرمائش حضرت مصنف نہایت مختصر لکھی گئی اگرچہ بحمد اللہ کارآمد مسائل پر مشتمل اور اختیار راجح وترک مرجوع میں تام وکامل، جسے نہ جانے گا مگر وہ کہ کتب کثیرہ فقہیہ جمع کرکے نظرِ تدقیق وفکر عمیق سے کام لے سکے اور اس کے ساتھ وقت اختلاف ترجیح یا عدم تصریح بافتاء وتصحیح رسم افتاء وآداب مفتی کے مسالک بعیدہ ومعارک عدیدہ میں مہارت رکھے بایں ہمہ بحمد اللہ جابجا ارشادات لطیفہ وتنقیدات شریفہ ہیں جن پر اطلاع ذہن ثاقب کا کام، والحمد ﷲ ولی الانعام، قُلتہ شکرا لابطرا وفخرا والعیاذ باﷲ مما لا یرضاہ، مگر ازاں جاکہ اول تاآخر ترکیب اعمال وترتیب افعال بیان نہ ہوئی جس کی طرف حجاج کو عموماً اور عوام کو خصوصًا حاجت اور اس کے نہ جاننے سے اکثر اوقات کم علم مسلمانوں کو دقت ہوتی ہے۔ لہٰذا فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے چاہا کہ امورِ مذکورہ سے شرح کی تکمیل اور آخر میں قدرے آدابِ زیارت سراپا طہارت کی مختصر تفصیل کروں کہ عام مومنین کو ان شاء اللہ تعالٰی خود بصیرت ملے اور مطوفوں، مزیروں کی حاجت نہ رہے۔ سفر مبارک حرمین طیبین سے معاودت فرماکر حضرت تاج العلماء سراج الکملاء، سید الفقہاء، سند الفضلاء حضرت والد قدس سرہ الماجد نے کتاب مستطاب "جواہر البیان فی اسرار الارکان" میں اس جلیل کام کو نہایت تک پہنچایا اور طہارت وصلوٰۃ وصوم وزکوٰۃ کے اسرار دقیقہ ولطائف انیقہ ارشاد فرماکر حج وزیارت کا بیان بے مثیل وعدیل تحریر فرمایا۔

جزاہ اللہ تعالٰی خیر جزاء واعلٰی درجاتہ فی دار اللقاء اٰمین! اس جمیل کتاب جلیل مستطاب کی لطافت وخوبی ودلکشی ع

ذوق این مے نشناسی بخدا تانہ چشی

(بخدا چکھے بغیر اس شراب کا ذائقہ معلوم نہ ہوسکے گا)

اس مبارک کتاب کے نصف سے زائد میں یہی بیان جانفزا ہے۔ فقیر اس کی دو فصلوں سے چند حروف تلخیص عـــہ۱ کرتا ہے وباللہ التوفیق وھدایۃ الطریق۔

حج وعمرہ کی ترکیب

احرام کی ترکیب تو ہم اوپر لکھ چکے ہیں یہاں اتنا جانئے کہ حاجیوں عـــہ۲ کا احرام تین طرح کا ہوتا ہے، تنہا حج کی نیت عـــہ۳ سے افراد کہتے ہیں، اور ایسے حاجی کو مفرِد، یا یہ کہ میقات عـــہ۴ پر صرف عمرہ عـــہ۵ کا ارادہ کرے، مکہ معظّمہ پہنچ کر

عـــہ۱: غالبًا اسی کا خلاصہ ہے اگرچہ کہیں کہیں کچھ حرف زائد کیے گئے ۱۲منہ

عـــہ۲: چوتھا احرام تنہا عمرہ کا ہے جو تمتع وقِران سے جدا ہوا سے افراد بالعمرہ کہتے ہیں، وہ حاجی کا احرام نہیں ۱۲منہ

عـــہ۳: یعنی جس کے وقوف عرفہ کو ہوجانے تک احرام عمرہ نہ ہو ورنہ نیت حج نیت عمرہ مجتمع ہو کر قران کی شکل آجائیگی۔ کما فصلناہ علٰی ھامش ردالمحتار (جیسا کہ ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں اس کی وضاحت کی ہے۔ت) ۱۲منہ

عـــہ۴: قید بالمیقات لبیان الطریق للشروع للمتعۃ فان غیر الافاقی لا یجوز لہ التمتع والآفاقی لایجوزلہ التجاوز بغیر احرام والافان تمتع المکی اوتجاوز الآفاقی ثم تمتع کان متعۃ بلاشك وان اثما خلافا لما یوھمہ بعض العبارات والراویات من ارتاب فعلیہ بشرح اللباب ۱۲منہ (م)

میقات کی قید تمتع کے مشروع طریقہ کو بیان کرنے کے لیے ہے کیونکہ تمتع آفاقی یعنی میقات کے باہر والوں کے لیے جائز ہے غیر آفاقی کے لیے جائز نہیں، جبکہ آفاقی کو میقات سے آگے احرام کے بغیر گزرنا منع ہے ورنہ اگر مکی نے تمتع کرلیا اور آفاقی نے بغیر احرام میقات سے گزر کر تمتع کرلیا تو دونوں کے تمتع ہوجائیں گے۔ اگرچہ ان کو گناہ ہوگا، اس کے خلاف بعض عبارات وروایات سے وہم ہوتا ہے جس سے بعض حضرات کو وہم ہوا ہے ایسے حضرات کو چاہئے کہ وہ شرح لباب کی طرف رجوع کریں ۱۲منہ (ت)

عـــہ۵: میقات سے نہ کہا کہ میقات سے ابتدائے احرام ضرور نہیں میقات پر محرم ہونا درکار ہے خاص وہیں سے باندھے یا پہلے سے باندھا ہو تاکہ تجاوز بے احرام نہ ہو بل الافضل ھو التقدیم علی المیقات الکافی بشرطہ کما نصوا علیہ (بلکہ میقات مکانی پر مقدم ہونا افضل ہے کہ وہ شرط ہے جیسا کہ اس پر نص ہے ۱۲منہ (ت)

اشہر الحج[عہ۱] میں عمرہ[عہ۲] کرکے وہیں[عہ۳] حج کا احرام باندھے اسے تمتع کہتے ہیں اور اس حاجی کو متمتع، یا یہ کہ حج وعمرہ دونوں کی نیت جمع[عہ۴] کرے اسے قران[عہ۵] کہتے ہیں اور حاجی کو قارِن اور زیادہ ثواب اسی میں ہے۔

جب حرم مکہ کے متصل پہنچے بادب وخشوع پیادہ پا داخل ہو اور برہنہ پاؤں بہتر ہے، جب مکہ معظّمہ تک آئے نہا کر جانا مستحب ہے جب کعبہ معظّمہ پر نظر پڑے دعا مانگے کہ محل اجابت ہے، باب السلام پر جا کر آستانہ پاک کو بوسہ دے، دہنا پاؤں پہلے رکھ کر بسم اللہ کہہ کر داخل ہو بعدہ اگر جماعت قائم یا نماز فرض خواہ وتر یا سنت مؤکدہ کے فوت کا خوف نہ ہو تو سب کاموں سے پہلے متوجہ طواف ہو مرد اضطباع[عہ۶] کرکے اور

عہ۱: اشہر حج یکم شوال سے دہم ذی الحجہ تک ہیں ۱۲ منہ

عہ۲: تمتع کے لیے اکثر طواف عمرہ یعنی چار پھیروں کا ان مہینوں میں واقع ہونا ضرور ہے اگرچہ پورا عمرہ ان میں نہ ہو مثلاً تین پھیرے رمضان میں کرلیے چار شوال میں کیے ہوں، یوں بھی تمتع ہوسکتا ہے کہ اکثر کے لیے حکم کل کا ہے تو جن دنوں میں اکثر طواف واقع ہوگا انہی میں عمرہ ہونا ٹھہرے گا ۱۲ منہ

عہ۳: وہیں اس لیے کہہ دیا کہ عمرہ کے احرام سے نکل کر اپنے وطن کو واپس جائے اس کے بعد آکر حج کا احرام باندھے تو تمتع نہ ہوگا، عمرہ الگ رہا حج الگ رہا، اگرچہ اسی سال کرے، دوسرا فائدہ اس قید کا یہ ہے کہ حج کا احرام وہیں یعنی حرم سے باندھے کہ اس کا حکم مثل مکی کے ہے اور مکی کے لیے حج کا میقات حرم ہے اگر حل سے باندھے دم دے گا۔ ہاں غیر مکی کا تمتع یوں بھی صحیح ہے پر یہاں جائز ومسنون شکل کا بیان ہے ۲ امنہ

عہ۴: جمع کرنے کے ظاہر متبادر معنی یہ ہیں کہ ایک ہی وقت میں دونوں کی نیت کرے یہ شکل خاص سنت ہے، اور اگر پہلے عمرہ کا احرام باندھا اور ہنوز اس کے چار پھیرے نہ کئے تھے کہ حج کا احرام کرلیا جب بھی تو قران ہوگیا، یونہی اگر پہلے فقط حج کا احرام کیا تھا اور وقوفِ عرفہ سے پہلے عمرہ کا احرام کرلیا تو بھی قارن ہوا مگر خلافِ سنت کیا خصوصًا جبکہ احرام عمرہ بعض افعال حج میں شروع کے بعد ہو کہ زیادہ بُرا ہے ۲ امنہ قدس سرہ العزیز۔

عہ۵: تنبیہ: احرام کی بارہ صورتیں ہیں جن میں ایک تمتع ہے اور باقی گیارہ میں بعض ائمہ کے طور پر پانچ افراد ہیں اور چھ قران، اور بعض محققین کی تحقیق پر آٹھ افراد ہیں تین قران۔ اس کی نفیس وجلیل توضیح وتفصیل ہم نے ہوامش ردالمحتار پر کی کہ غالبًا دوسری جگہ نہ ملے گی، وہاں سے ان تین قسموں کی پوری پوری جامع مانع تعریف ظاہر ہوتی ہے یہاں صرف صاف صاف عام فہم بات لکھ دی ہے ۱۲ منہ۔

عہ۶: تنبیہ: طواف قدوم میں رمل واضطباع وسعی کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے، اگر کرے گا تو طوافِ زیارت میں جس کا بیان آگے آتا ہے ان امور کی حاجت نہ ہوگی ورنہ وہاں کرنے ہوں گے اور اس دن ہجوم بہت ہوتا ہے اور کام بھی زیادہ۔ لہذا ہم نے بنظر آسانی مطلقًا ان امور کو داخل ترتیب کردیا اور قارن کو تو خود افضل ہی یہ ہے کہ یہ باتیں اسی طواف میں بجالائے ۱۲ منہ

اور عورت بے اضطباع حجر اسود کی دہنی طرف رکن یمانی کی جانب سنگ مکرم کے قریب یوں کھڑا ہو کہ تمام پتھر اپنے اپنے دستِ راست کی طرف رہے پھر طواف کی نیت کرکے کعبہ کو منہ کئے اپنی دہنی سمت چلے، جب سنگ اسود کے مقابل ہو اور یہ بات ادنٰی حرکت سے حاصل ہو جائے گی، کانوں تک ہاتھ اس طرح اٹھا کر کہ ہتھیلیاں جانب حجر رہیں، **بسم اللہ والحمد للہ واللہ اکبر والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ** کہے اور پھر حجر مطہر پر دونوں کف دست اور ان کے بیچ میں منہ رکھ کر یوں بوسہ لے کہ آواز [عـــہ۱] نہ پیدا ہو۔ تین بار ایسا ہی کرے، اگر بے ایذا و کشمکش میسر آئے ورنہ ہاتھ یا لکڑی سے مس کرکے انھیں چوم لے، اور یہ بھی نہ ہوسکے تو ہاتھوں سے اس کی طرف اشارہ کرکے انھیں بوسہ دے لے، پھر در کعبہ کی طرف بڑھے، جب محاذات حجر سے گزر جائے سیدھا ہولے اور خانہ کعبہ کو اپنی طرف کرکے بے ایذا و مزاحمت مرد رمل کرتا (اور عورت بے رمل) چلے۔ طواف میں کعبہ سے جتنا پاس ہو بہتر۔ مگر اتنا نہ کہ پشتہ دیوار پر جسم یا کپڑا لگے اور نزدیکی میں ازدحام سے رمل نہ کرسکے تو دوری افضل ہے جب رکن یمانی پر آئے اسے دونوں ہاتھوں یا دہنے سے تبرکاً چھوئے، نہ صرف بائیں سے اور چاہے تو بوسہ بھی دے اور نہ ہوسکے تو کچھ نہیں [عـــہ۲]، یہاں تک کہ حجر اسود تک آجائے۔ یہ ایک پھیرا ہوا، یوں ہی سات پھیرے کرے، مگر رمل تین پھیروں کے بعد نہیں، ختم طواف میں بھی حجر اسود پر بوسہ دے، پھر مقام ابراہیم میں آکر جہاں تک مر مر بچھا ہے دو رکعت طواف پڑھے بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو ورنہ تاخیر کرے، اس کے بعد دعا مانگے۔ پھر ملتزم میں آئے کہ اس پارہ دیوار کا نام ہے جو درمیان حجر اسود و در کعبہ کے ہے، یہاں قریب حجر ملتزم سے لپٹے اور اپنا سینہ، پیٹ، دہنا رخسارہ کبھی بایاں کبھی تمام منہ اس پر رکھے۔ دونوں ہاتھ سر سے بلند کرکے دیوار پر پھیلائے یا دہنا دروازے اور بایاں حجر کی طرف اور دعا کرے۔ پھر زمزم پر آئے۔ ہوسکے تو خود ایک ڈول کھینچے ورنہ کسی سے لے کر آبِ مطہر روبکعبہ تین سانسوں میں ہر بار **بسم اللہ** سے شروع، **الحمد** پر ختم کرتا خوب پیٹ بھر کر پیے۔ باقی بدن پر ڈال لے۔ پیتے وقت دعا کرے کہ قبول ہے۔ کنویں کے اندر بھی نظر کرے کہ دافع نفاق ہے، اب اگر کوئی عذر مثل استراحت وغیرہ نہ ہو تو صفا مروہ میں سعی کے لیے پھر حجر اسود کو بطور مذکور چومے۔ اور نہ ہوسکے تو فقط اس کی طرف منہ کرکے فوراً باب صفا سے جانب صفا روانہ ہو، دروازے سے بایاں پاؤں پہلے نکالے اور داہنا پہلے جوتے میں ڈالے پھر صفا کی سیڑھی پر چڑھے کہ کعبہ نظر آئے، روبکعبہ ہو کر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلے شانوں تک اٹھائے جیسے دعا میں کرتے ہیں۔ دیر تک تکبیر،

عـــہ۱: یہ ادب ہر بوسہ تعظیم مثلاً اولیاء وعلماء کے دست و پا چومنے میں بھی ملحوظ رکھے ۱۲ منہ۔

عـــہ۲: یعنی بوسہ و مس نہ ملے تو یہاں یہ نہیں کہ لکڑی سے چھو کر اسے چومے یا ہاتھوں سے اشارہ کرکے بوسہ دے یہ باتیں صرف حجر اسود میں تھیں ۱۲ منہ

تہلیل، درود و دعا میں رہے کہ محل اجابت ہے پھر اتر کر ذکر و درود میں مشغول مروہ کو چلے۔ ان دونوں کے بیچ میں بائیں ہاتھ کو دیوار مسجد الحرام میں دو جگہ سبز علامتیں بنی ہیں جنھیں میلین اخضرین کہتے ہیں، مرد پہلے میل سے دوڑنا شروع کریں مگر نہ حد سے زائد کسی کو ایذا دیتے۔ یہاں تک کہ دوسرے میل سے نکل جائیں۔ اتنے راستے کو "مسعیٰ" کہتے ہیں، عورتیں نہ دوڑیں۔ اس مابین میں دعا بجہد کرے میل دوم سے پھر آہستہ ہولے یہاں تک کہ مروہ پر پہنچے یہاں گو کعبہ نظر نہیں آتا مگر استقبال کرکے جیسے صفا پر کیا تھا کرے۔ یہ ایک پھیرا ہوا۔ پھر صفا پر جائے اور مسعٰی میں دوڑے یہاں تک کہ ساتواں پھیرا مروہ پر ختم ہو۔ واضح ہو کہ عمرہ صرف انہی افعال طواف وسعی کا نام ہے۔ قارِن و متمتع کے لیے یہی عمرہ [عہ۱] ہوگیا۔

اور مفرد کے لیے طواف قدوم مگر قارن اسی طرح بہ نیت طواف قدوم ایک طواف وسعی اور کرے۔ اور وہ اور مفرد دونوں احرام میں رہیں۔ لبیک گویاں مقیم مکہ ہوں، بخلاف متمتع کہ تنہا عمرہ والے کی طرح شروع سے بوسہ حجر لیتے ہی لبیک چھوڑدے اور طواف وسعی مذکور کے بعد حلق یا تقصیر کرکے احرام [عہ۲] سے باہر آئے،

پھر چاہے تو ہشتم ذی الحجہ تک بے احرام رہے، مگر افضل یہ ہے کہ جلد احرام حج باندھ لے اگر یہ خیال نہ ہو کہ دن زیادہ ہیں احرام کی قیدیں مجھ سے نہ نبھیں گی۔

ایام اقامت میں یہ سب حجاج [عہ۳] جس قدر ہوسکے نرا طواف بے سعی و رمل واضطباع کرتے رہیں اور ہر سات پھیروں پر مقام ابراہیم میں دو رکعت پڑھیں۔

ساتویں تاریخ بعد نماز ظہر مسجد الحرام شریف میں امام کا خطبہ سنے۔ آٹھویں تاریخ جس نے [عہ۴] ابھی احرام نہ باندھا ہو باندھ لے۔ اور حج کے رمل [عہ۵] وسعی پیشتر کرنا چاہے

عہ۱: اگرچہ انھوں نے ان افعال میں نیت عمرہ نہ کی ہو ۱۲ منہ

عہ۲: مگر جس متمتع نے سوق ہدی کیا ہو اسے قارن کی طرح احرام سے باہر آنا روا نہیں ۱۲ منہ

عہ۳: یعنی یہ چند سطریں بیچ میں خاص متمتع کے بیان میں تھیں آگے پھر عام احکام ہیں جن میں قارن، متمتع مفرد سب شریک ۱۲ منہ

عہ۴: اور وہ وہی متمتع ہوگا جو عمرہ کرکے احرام سے باہر آیا یا مکی جس نے ابھی حج کا احرام نہ کیا ۱۲ منہ

عہ۵: مفرد قارِن نے طواف قدوم میں جو رمل وسعی کی وہ حج کی تھی اب انھیں طواف زیارت میں فراغت رہے گی پر متمتع کے لیے طواف قدوم نہیں اور وہ رمل وسعی کہ اس نے کی تھی عمرہ کی تھی اس سے حج کی رمل وسعی ادا نہ ہوئی تو اسے طواف زیارت میں کرنے ہوں گے لہٰذا اگر بخیال زحمت و قلّت فرصت یہ بھی پیشتر فارغ ہولینا چاہے تو ایک نفلی طواف کے ساتھ ادا کرے ۱۲ منہ

تو ایک طواف نفل کے ساتھ کرلے، جب آفتاب نکل آئے سب منٰی کو چلیں بشرط قوت پیادہ کہ جب تک مکہ پلٹ کر آئے گا ہر قدم پر سات کروڑ عــہ۱ نیکیاں لکھی جائیں گی۔ سو ہزار کا لاکھ، سو لاکھ کا کروڑ، سو کروڑ کا ارب، سو ارب کا کھرب، یہ نیکیاں تخمیناً عــہ۲ اٹھتر کھرب چالیس ارب آتی ہیں اور خدا کا فضل اس نبی کے صدقے میں اس امت پر بہت ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم راہ میں لبیک و دعا و درود وثنا کی کثرت کرے۔ منٰی دیکھ کر دعا مانگے۔ وہاں شب باش ہو کر آج کی ظہر سے نویں کی صبح تک پانچ نمازیں پڑھے۔ یہ رات ذکر وعبادت میں جاگتا یا باطہارت سوتا گزارے۔ جب صبح ہو نماز مستحب وقت پڑھ کر لبیک وذکر میں رہے یہاں تک کہ آفتاب "کوہ ثبیر" پر کہ مسجد الخیف شریف کے مقابل ہے چمکے۔ اب عرفات کو چلے قلب کو خیال غیر سے پاک کرنے میں جہد کامل کرے۔ راستہ کثرت لبیك وذکر ودرود وتوبہ واستغفار میں کاٹے۔ جب نگاہ جبل رحمت پر پڑے ان امور میں جہد تام کرے کہ ان شاء اللہ وقت قبول ہے۔ عرفات میں اس کوہ مبارک کے پاس یا جہاں جگہ ملے شارع عام سے بچ کر اترے۔ دوپہر تک تضرع وابتہال اور باخلاص نیت حسب استطاعت تصدق وخیرات وذکر و لبیك ودرود ودعا واستغفار وکلمہ توحید عــہ۳ میں مشغول رہے، پھر زوال آفتاب سے کچھ پہلے نہائے کہ سنت موکدہ ہے یا وضو کرے اور قبل از زوال کھانے پینے، وغیرہا ضروریات سے فارغ ہولے کہ قلب کو کسی جانب تعلق نہ رہے۔ آج کے دن جیسے کہ حاجی کو روزہ مناسب نہیں کہ دعا میں ضعف نہ ہو، یوں پیٹ بھر کھانا سخت زہرور، غفلت وکسل کا باعث، تین روٹی بھوک والا

عــہ۱: حدیث میں یوں ہے کہ پیادہ جانیوالے کو ہر قدم پر سات سو نیکیاں ملتی ہیں حرم کی نیکیوں سے [1] اور دوسری حدیث سے ثابت ہے کہ حرم کی ہر نیکی لاکھ نیکیوں کے برابر ہے [2] تو سات سو کو لاکھ میں ضرب دینے سے سات کروڑ ہوئے ۱۲ منہ۔

عــہ۲: عرفات مکہ معظّمہ سے نو کوس گنی جاتی ہے آتے جاتے اٹھارہ کوس ہوئے، اور فقیر نے تجربہ کیا کہ عرفی کوس ۱، ۵/۳ ہوتا ہے تو تخمیناً ۲۸ میل سمجھو، ہر میل کے چار ہزار قدم، ۲۸ کو ۴۰۰۰ میں ضرب دینے سے ایک لاکھ بارہ ہزار قدم ہوئے انھیں سات کروڑ میں ضرب دیجیئے تو وہی ۷۸ کھرب ۴۰ ارب نیکیاں ہوتی ہیں، اور اگر عرفات کو مکہ معظّمہ سے ۹ میل ہی رکھتے تو ۷۲ ہزار قدم ہوئے جن کی ۵۰ کھرب ۴۰ ارب نیکیاں یہ کیا تھوڑی ہیں، اور اللہ تعالٰی کا فضل بہت بڑا ہے ۱۲ غفرلہ

عــہ۳: یعنی لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ لہ الملك ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شیئ قدیر۔ حدیث میں فرمایا: بہتر وہ کلمہ جو آج عرفہ کے دن میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے فرمایا یہ ہے ۱۲ منہ

---

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۸۷)

[2] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۸۷

یک ہی کھائے، عــہ۱ جب زوال ہولے بلکہ اس سے پہلے کہ امام کے قریب جگہ ملے مسجد نمرہ جائے سنتیں پڑھ کر خطبہ سن کر امام کے ساتھ ظہر پڑھے اس کے بعد بے توقف عصر کی تکبیر ہو گی معًا جماعت میں عصر پڑھ لے بیچ میں سلام کلام تو کیا معنٰی۔ ظہر کی پچھلی سنتیں بھی نہ پڑھے اور بعد عصر بھی نفل نہیں۔ یہ ظہر وعصر کی جمع جبھی جائز ہے کہ نماز امام اعظم یعنی سلطان یا اس کے نائب ماذون کے پیچھے ہو ورنہ عصر وقت سے پہلے باطل ہوگی۔ بعد نماز فورًا فورا موقف کو جائے۔ افضل یہ ہے کہ اونٹ پر امام سے نزدیک جبل الرحمۃ کے قریب جہاں سیاہ پتھروں کا فرش ہے روبقبلہ پس پشت امام کھڑا ہو جبکہ ان فضائل کے حصول میں دقت یا کسی کی اذیت نہ ہو ورنہ جہاں عــہ۲ اور جس طرح ہوسکے وقوف کرے۔ امام کی دہنی جانب بائیں اور بائیں روبرو سے افضل ہے۔ اب غایت خشوع وخضوع کے ساتھ لرزتا، کانپتا، ڈرتا، امید کرتا، آنکھیں بند کئے، گردن جھکائے، دستِ دعا آسمان کی طرف اٹھائے، تکبیر، تہلیل، تسبیح، حمد، درود، دعا، توبہ، استغفار میں ڈوب جائے، کوشش کرے کہ ایک قطرہ آنسوؤں کا ٹپکے کہ دلیل اجابت وکمال سعادت ہے ورنہ رونے والوں کا سامنہ بنائے کہ **مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ** (جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہوگا۔ ت) اثنائے دعا وذکر میں لبیک کی بار بار تکرار کرے، آج کے دن دعائیں بہت مقبول ہیں، مگر سب میں بہت

عــہ۱: حدیث میں ہمیشہ تہائی پیٹ کھانے کو فرمایا ہے[1] ہم حریصوں سے مدام عمل نہیں ہوتا تو کاش ایام اقامت حرمین میں تو اس پر عامل رہیں ورنہ جان برادر ؎

انائے کہ پر شد دگر چوں پرد

(پیٹ جب پر ہوتا ہے تو دوسرے امور ہاتھ سے جاتے رہتے ہیں)

اے عزیز ا ہفتہ بھر اس پر عمل کر دیکھ۔ پھر اگر اگلی حالت سے کچھ فرق دیکھے مانا ورنہ اختیار ہے زندگی ہے تو کھانے پینے کے بہت دن ہیں۔ حرمین کی اقامت تو نشاط سے گزرے، جان برادر! اگر اتنا صبر بھی شاق ہے تو ۸ سے ۱۳ تک خاص اعمال حج کے دن ہیں اور آٹھ دس روز مدینہ طیبہ کے کہ حضوری مبارک کے ایام ہیں ذرا نفس کی باگ کڑی کرلے ورنہ یقین جان کہ ؎

بسیار خوار ست بسیار خوار

(بسیار خوری ___ کثیر ذلت ہے) ۱۲منہ

عــہ۲: یعنی بطن عُرنہ سے بچ کر وہاں وقوف محض ناجائز ہے وہ عرفات میں ایک نالہ ہے حرم محترم کے نالوں سے مسجد عرفات سے جسے مسجد نمرہ کہتے ہیں پچھال یعنی کعبہ معظّمہ کی طرف ۱۲ منہ

---

[1] الترغیب والترھیب بحوالہ ترمذی حدیث ۲ الترھیب من الامعان فی الشبع الخ مصطفی البابی مصر ۳ /۱۳۶

یہ ہے کہ دعا کے بدلے سارا وقت درود وذکر وتلاوت قرآن میں گزارے کہ دعا والوں عہ۱ سے زیادہ پائے گا۔

غرض اسی حالت تضرع وزاری پر رہے یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے اور ایک جز ولطیف عہ۲ رات کا آجائے، اس سے پہلے کوچ منع ہے اور ایک ادب واجب الحفظ اس روز یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے سچے وعدوں پر بھروسا کرکے یقین جانے کہ آج میں گناہوں سے ایسا پاک ہوگیا جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ اب کوشش کروں گا کہ آئندہ گناہ نہ ہو، اور جو داغ اللہ تعالٰی نے بہ محض رحمت میری پیشانی سے دھویا ہے پھر نہ لگے۔ بعد تیقن غروب فورًا سکینہ ووقار کے ساتھ ہمراہ امام عہ۳، لبیک وتکبیر وذکر ودرود میں مشغول مزدلفہ جائیں۔ راہ میں وسعت ملے اور کسی کی ایذا نہ ہو تو سیر میں شتابی کریں۔ نماز مغرب وعشاء عرفات خواہ راہ میں نہ پڑھیں، جب مزدلفہ نظر آئے بشرط قدرت پیادہ ہوجائے اور نہا سکے تو بہتر، یہاں جبل قزح کے قریب راہ سے بچ کر اتریں، اسباب اتارنے، اونٹ کھولنے سے پہلے وقت عشاء میں بعد اذان واقامت نماز مغرب بہ نیت ادا اور اس کے بعد بے تکبیر یا تکبیر کہہ کر بے فصل سنت ونفل معا عشاء پڑھ لیں، اس جمع میں جماعت شرط نہیں۔ صبح تک بقدر قدرت یاد خدا ودرود ودعا میں رہیں، جب صبح ہو نماز صبح اول وقت خوب تاریکی میں پڑھ کر مشعر الحرام میں آئیں، امام کے پیچھے روبقبلہ ذکر ولبیک ودرود ودعا میں جہد رکھیں۔ اللہ جل جلالہ سے بتضرع تمام حقوق العباد سے خلاصی مانگیں، یہاں سے سات کنکریاں اٹھا کر دھو کر رکھ لیں۔ جب خوب روشنی ہوجائے اور آفتاب قریب طلوع آئے ہمراہ امام لبیک وذکر میں مشغول منٰی کو چلیں، جب وادی محسر عہ۴ پہنچیں بقدر پانسو پینتالیس گز شرعی کے سیر میں

عہ۱: یہ امر حدیثوں سے ثابت ہے جسے ان کا دیکھنا ہو جواہر البیان شریف مطالعہ کرے، خلاصہ ان کا یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: "اگر تو اپنی سب دعاؤں کے عوض مجھ پر درود بھیجا کرے گا تو اللہ تعالٰی تیرے سب کام بنادے گا اور تیرے گناہ معاف فرمائے گا [1]۔" بیہقی کی حدیث میں ہے: "رب العزت جل جلالہ فرماتا ہے جو میرے ذکر کے سبب دعا کی فرصت نہ پائے اسے سب مانگنے والوں سے زیادہ دوں [2]۔" ترمذی کی حدیث میں ہے: "مولا تعالٰی فرماتا ہے جسے تلاوت قرآن، ذکر ودعا کی مہلت نہ دے اسے سب سائلوں سے افضل عطا کروں [3]" ۱۲ منہ عہ۲: اس کے معنی ہم اوپر لکھ چکے کہ غروب آفتاب کا یقینی ہوجانا مراد ہے پھر دیر نہ کرے ۱۲ منہ

عہ۳: اوپر گزرا کہ ہمراہی امام سنت ہے اور اگر وہ وقت مسنون پر کوچ کرے اور معیت میں اپنی یا غیر کی اذیت نہ ہو ۱۲ منہ۔ عہ۴: یہ منٰی ومزدلفہ کے بیچ میں ایک نالہ ہے دونوں کی حدود سے خارج مزدلفہ سے منٰی کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ کو جو پہاڑ پڑتا ہے اس کی چوٹی سے شروع ہوا ہے ۵۴۵ گز طول رکھتا ہے یہاں آکر اصحاب الفیل ٹھہرے اور ان پر عذاب ابابیل اترا تھا اس لیے اس سے جلد گزرنا اور عذاب الٰہی سے پناہ مانگنا چاہئے ۱۲ منہ

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب الصلٰوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصل ثانی مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۶

[2] شعب الایمان حدیث ۵۷۳ بیروت ۱/ ۴۱۳

[3] جامع الترمذی ابواب فضائل القرآن امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۱۶/۲)

بے ایذائے احدے تیزی کریں اور اس عرصہ میں غضب وعذاب الٰہی سے پناہ مانگیں، جب منٰی پہنچیں سب کاموں سے پہلے جمرۃ العقبہ کو کہ ادھر سے پچھلا جمرہ ہے اور مکہ معظّمہ سے پہلا، جائیں اور بطن وادی میں سواری پر جمرہ سے پانچ گز شرعی چھوڑ کر کھڑے ہوں کہ منٰی دہنے ہاتھ پر رہے اور کعبہ بائیں پر۔ پس رخ بجمرہ سات کنکریاں جدا جدا سیدھا ہاتھ خوب اٹھا کر کہ سپیدی بغل ظاہر ہو، ہر ایک پر "بسم اللہ اللہ اکبر" کہہ کر ماریں۔ بہتر یہ ہے کہ کنکریاں جمرہ تک پہنچیں ورنہ تین گز شرعی کے فاصلہ تک گریں، اس سے زیادہ میں وہ کنکری شمار میں نہ آئے گی، پہلی کنکری سے لبیك موقوف کریں، جب سات پوری ہو جائیں فوراً ذکر ودعا کرتے پلٹ آئیں، اب قربانی [عہ۱] میں کہ متمتع وقارن پر واجب اور مفرد کو مستحب ہے مشغول ہو، اگر ذبح کرنا آئے خود ذبح کریں ورنہ ذبح میں حاضر ہوں، دنوں ہاتھ اور ایک پاؤں اس کا باندھ کر روبقبلہ لٹائیں اور تکبیر کہہ کر نہایت تیز چھری بسرعت تمام پھیر دیں، بعدہ ہاتھ پاؤں کھول دیں، اونٹ ہو تو اسے کھڑا کرکے سینہ میں منتہائے گلو پر نیز ماریں کہ سنت یونہی ہے اور اس کا ذبح مکروہ، اگرچہ حلت میں کافی ہے۔ بعد فراغ اپنے اور تمام مسلمانوں کے لیے قبول حج وقربانی کی دعا کریں، جب تک سرد نہ ہو کھال نہ کھینچیں کہ ایذا ہے، بعدہ روبقبلہ بیٹھ کر مرد سارا سر منڈائیں کہ افضل ہے یا بال کتروائیں کہ رخصت ہے، ابتداء دہنی جانب سے کریں، وقت حلق اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد کہتے جائیں، بعد فراغ بھی کہیں، سب مسلمانوں کی مغفرت مانگیں، بال دفن کردیں، حلق سے پہلے ناخن نہ کتروائیں، خط نہ بنوائیں، عورتوں کو حلق روا نہیں ایک پور برابر بال کتروادیں، اب جماع ودواعی جماع کے سوا جو کچھ احرام نے حرام کیا تھا سب حلال ہوگیا۔ افضل یہ ہے کہ آج دسویں ہی تاریخ طواف فرض کے لیے جسے "طواف زیارۃ" کہتے ہیں، مکہ معظّمہ جائیں بدستور مذکور پیادہ پا باطہارت وستر عورت بے اضطباع [عہ۲] کریں، اسی طرح [عہ۳] جو مفرد متمتع مثل قارن رمل وسعی حج دونوں خواہ صرف سعی حج، سے کسی طواف [عہ۴] کامل باطہارت میں

عہ۱: یہ قربانی عید کی قربانی سے جدا ہے وہ مسافر پر اصلاً نہیں اور مقیم مالدار پر واجب ہے اگرچہ حاجی ہو ۱۲ منہ

عہ۲: ہم اوپر لکھ چکے کہ اس طواف میں اضطباع اصلاً نہیں اگرچہ پیشتر نہ کیا ہو ۱۲ منہ

عہ۳: توضیح مسئلہ یہ ہے کہ قارن کو طواف قدوم میں رمل وسعی کرلینی افضل ہے وھذہ معنی قولہ مثل قارن (اس کے قول "مثل قارن" کا یہی معنٰی ہے۔ت) اور مفرد کو بھی بخیال زحمت وقلّت فرصت اجازت اور متمتع کے لیے اگرچہ طواف قدوم نہیں کما بیناّ من قبل (جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کردیا ہے۔ت) مگر اسے (باقی برصفحہ آئندہ)

فارغ ہوچکا ہے وہ رمل و سعی کرے ورنہ اب دونوں بجالائے۔ بعد طواف دو رکعت مقام ابراہیم میں پڑھیں اس سے عورتیں بھی حلال ہوگئیں، بارھویں تک اس کی تاخیر روا۔ اس کے بعد بلاعذر مکروہ تحریمی موجب دم۔

اب دسویں تاریخ نماز ظہر مکہ معظّمہ میں پڑھ کر پھر منٰی عــــہ[۱] جائے، گیارھویں شب وہیں بسر کرے، نہ مکہ میں نہ راہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہم اوپر لکھ آئے کہ پہلے کرلینا چاہئے تو ایک نفل کے ساتھ کرلے اب یہ لوگ اگر پیشتر ان کاموں سے فارغ ہو لئے تھے فبہا، آج حاجت نہ پڑے گی مگر جس نے نہ کئے خواہ قارن ہو یا مفرد یا متمتع، اسے اب کرنے چاہئیں، پر رمل اسی طواف میں مشروع ہے جس کے بعد سعی ہو تو جس نے ہنوز دونوں نہ کئے ہوں ہو تو ظاہر ہے کہ اس طواف کے ساتھ دونوں کرے گا اور جس نے سعی نہ کی اور رمل کرلیا وہ بھی اب دونوں کرے۔ سعی تو یوں کہ باقی تھی اور رمل یوں کہ پہلا رمل جو طواف بے سعی میں واقع ہوا نامشروع تھا، اب بروجہ مشروع بجالائے اور جس نے سعی کرلی تھی رمل نہ کیا تھا وہ اب کچھ نہ کرے۔ سعی تو یوں کرچکا ہے اور رمل یوں کہ کرتا ہے تو بے سعی واقع ہوگا اور سعی دوبارہ نہیں ہوسکتی ۱۲ منہ

عــــہ۴: طواف کامل کے معنی فصل واجبات میں گزرے ۱۲ منہ

(حاشیہ صفحہ ھذا)

عــــہ۱: قدرت الٰہی کا ایک عجیب تماشا ہر کس وناکس نے منٰی میں ان آنکھوں سے دیکھا ہے جس سے بحمد اللہ حقانیت اسلام و معجزہ باہرہ حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام ظاہر ہو۔ منٰی چند پہاڑوں کے درمیان ایک چھوٹی سی جگہ کا نام ہے جس کا عرض تو بہت ہی قلیل ہے اور طول دو میل، سارا رقبہ ایک مربع میل سے بھی کم سمجھئے، یہاں چار پانچ روز تمام حجاج کا ہجوم رہتا ہے پھر یوں نہیں جیسے نماز کی صفیں یا مجلس کی گنجائش بلکہ جس طرح شہروں میں بستے ہیں ہزار ہا خیمے، ڈیرے، قناتیں، پردے، ہر ایک اپنی اپنی جدا منزل میں، پھر اصل آبادی کی عمارتیں علاوہ۔ اور ہم اوپر لکھ آئے کہ کسی سال پندرہ لاکھ سے کم نہیں ہوتے، فقیر جس سال حاضر تھا اٹھارہ لاکھ کی مردم شماری سننے میں آئی۔ پھر کبھی نہ دیکھئے گا کہ منٰی بھر گئی یا کسی وقت حاضرین سے تنگ ہوگئی۔ سب اہلے گہلے بہ فراغت پھیلتے، چلتے پھرتے، سوتے، بستے، کام کاج کرتے ہیں، یہ **بحمد اللہ** صریح تصدیق ہے اس حدیث کی کہ ارشاد ہوا: "منٰی حاجیوں کے لیے ایسی پھیلتی ہے کہ جیسے ماں کا پیٹ بچہ کے لیے کہ جتنا بچہ بڑھتا جاتا ہے ماں کا پیٹ جگہ دیتا ہے[1]۔" **اشھدان الا سلام حق والکفر باطل والحمدللہ رب العالمین ۱۲ منہ غفرلہ۔**

---

[1] کنزالعمال بحوالہ طس عن ابی الدرداء حدیث ۳۴۷۹۹ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۲ /۲۳۰، درمنثور واذکروا اللہ فی ایام معدودات کے تحت مذکور ہے منشورات آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۱ /۲۳۵

مکروہ ہے، روز یازدہم بعد نماز ظہر امام کا خطبہ سن کر متوجہ رمی ہو، ان ایام میں رمی جمرہ اولٰی سے شروع کرے جو مزدلفہ کی طرف مسجد خیف سے قریب ہے، راہ مکہ کی طرف سے آکر چڑھائی پر چڑھے کہ یہ جگہ نسبت جمرۃ العقبہ کے بلند ہے رو بہ کعبہ بطور مذکور سات کنکریاں مار کر جمرہ سے قدرے آگے بڑھے، مستقبل قبلہ ہاتھ دعامیں یوں اٹھا کر ہتھلیاں رو بہ قبلہ رہیں حضور قلب سے حمد و درود و دعا و استغفار میں بقدر قراءت یا سورہ بقرہ یا کم سے کم بمقدار بست آیت مشغول رہے۔

آگے جمرہ وسطی ہے وہاں بھی ایسا ہی کرے پھر جمرہ عقبہ ہے یہاں رمی کرکے نہ ٹھہرے معًا پلٹ آئے، پلٹتے میں دعا کرے، شب دوازدہم یہیں اپنی فرودگاہ پر گزارے۔ بارھویں تاریخ جمرات ثلاثہ کو بعد زوال اسی طریقے سے رمی کرے ـــــ اب تابہ غروب آفتاب مختار ہے کہ جانب مکہ روانہ ہو اور ایک دن اور ٹھہرے تو افضل ہے مگر بعد غروب چلا جانا معیوب۔ پس اگر تیرھویں کو بھی ٹھہرا تو اسی طرح رمی جمرات کرکے متوجہ مکہ معظّمہ ہو۔ جب وادی محصب میں کہ جنت المعلی کے قریب ہے، پہنچے، سواری اترلے یا بے اترے کچھ دیر ٹھہر کر مشغول دعا ہو، بہتر تو یہ ہے کہ عشاء تک نمازیں یہیں پڑھے، نیندلے کر داخل مکہ معظّمہ ہو۔ اب اپنے اور اپنے والدین و مشائخ و اولیائے نعمت خصوصًا حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے اصحاب و عترت علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتحیۃ کی طرف سے جتنے ہوسکیں عمرے کرتا رہے، جب عزم سفر ہو طواف وداع بے رمل وسعی واضطباع کرے، دورکعت مطلوبہ پڑھے۔ پھر زمزم [عـــہ] پر آئے، پانی بہ طریق مذکور پیئے، بدن پر ڈالے۔

عـــہ: قدرت ربانی کا صریح نمونہ اس مبارک کنویں میں ہے، چھوٹا سا کنواں ذرا سا دَور، اور لاکھوں کا ہجوم، آٹھ پہر میں ایک دم کو پانی تھمنے نہیں پاتا۔ ہزاروں پیتے ہیں، ہزاروں وضو کرتے ہیں، ہزاروں نہارہے ہیں، ہزاروں مشکیں شہر میں جاری ہیں ایک غول سر کا دوسرا آیا ہٹنے نہ پایا کہ تیسرا آیا، پھر کوئی بتادے کہ فلاں وقت کنویں کا پانی کچھ کم کرگیا۔ واللہ برکت والے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی برکت ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا، گہرے سے گہرا کنواں فرض کیجئے اور ایک دن میں پندرہ لاکھ، اٹھارہ لاکھ کا ہجوم اس پر آنے دیجئے، دم کے دم میں سن لیجئے گا کہ تلی میں خاک بھی نہ رہی، ایک بار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے زمانہ میں زمزم شریف میں ایک زنگی گر کر مرگیا، سب پانی کھینچنا تھا، تھک تھک گئے۔ شل ہوگئے بہزار مشکل قدرے گھٹا کہ دفعۃً حجر اسود کی طرف سے ایک موسلادھار پرنالہ اسی جوش سے گرا کہ آن کی آن میں پھر ویسا ہی کردیا۔ اللہ تعالٰی کی بے شمار درودیں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کی آل پر ۱۲ منہ غفرلہ۔

پھر روبروئے دراقدس کھڑا ہو۔ آستانہ پاک کو بوسہ دے۔ فلاح دارین، قبول حج، مغفرت ذنوب، توفیق حسنِ عود بار ہا کی دعا کرے، ملتزم پر آکر بہ نہج مذکور غلافِ کعبہ تھام کر چمٹے، تضرع، خشوع، دعا، بکاء، ذکر، درود کی جو تکثیر ہوسکے بجالائے۔ حجر مطہر کو بوسہ دے کر الٹے پاؤں رخ بہ کعبہ یا سیدھے چلنے میں بار بار پھر کر کعبہ کو بہ نگاہ حسرت دیکھتا اور فراق بیت پر روتا یا رونے کی صورت بناتا مسجد مقدس کے دروازہ مسمّٰی بہ "باب الخرورہ" سے نکلے پھر بقدر استطاعت فقرائے حرم پر تصدق کرکے متوجہ مدینہ طیبہ ہو۔

حاضری دربار دُربار مدینہ طیبہ

اس سفر سراپا ظفر میں نیت لحاظ غیر سے خالص اور درود وذکر شریف حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نہایت کثرت کرے جب حرم مدینہ میں داخل ہو، احسن یہ ہے کہ سواری سے اتر پڑے، روتا، سر جھکائے، آنکھیں نیچے کئے چلے۔ ہوسکے توبرہنہ پائی بہتر بلکہ ؎

جائے سراست اینکہ تو پائے می نہی پائے نہ بینی کہ کجامی نہی

(حرم کی زمین اور قدم رکھ کے چلنا ارے سر کا موقع ہے او جانیوالے)

جب نگاہ قبہ سعادت وبرج کرامت پر پڑے صلٰوۃ وسلام کی کثرت کرے، جب خاص شہر اقدس تک پہنچے قبل دخول اور نہ بن پڑے تو بعد دخول، پیش از حضور مسجد، وضو ومسواک کرے اور غسل احسن، جامہ سفید پاکیزہ پہنے۔ نیا بہتر، سرمہ وخوشبو لگائے، مشک افضل، جب دروازہ شہر میں داخل ہو تمام ہمت اپنی تکثیر صلٰوۃ وسلام میں مصروف کرے۔ مراقبہ جلال وجمال محبوب ذی الجلال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ڈوب جائے، اب ان ضروریات وحوائج سے جن کالگاؤ باعث تشویش خاطر ہو بسرعت تمام فراغ پاکر پہلا کام یہ کرے کہ آستانہ والا کی طرف بہ نہایت خشوع وخضوع متوجہ ہو۔ اگر رونا نہ آئے رونے کا منہ بنائے اور دل کو بہ زور رونے پر لائے۔ اپنی سختی دل سے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف التجا کرے۔ جب در مسجد پر حاضر ہو صلٰوۃ وسلام عرض کرکے قدرے توقف کرے گویا سرکار سے اذن حضوری طلب کرتا ہے، پھر دہنا پاؤں پہلے رکھتا سر سے پاؤں تک ادب بنتا داخل ہو، اس وقت جوادب وتعظیم واجب ہے مسلمان کا قلب خود واقف ہے دل وجوارح کو خیال غیر وحرکات عبث سے باز رکھے، مسجد اقدس کی آرائش وزینت ظاہری کی طرف نگاہ نہ کرے۔ اگر کوئی ایسا سامنے آئے جس سے سلام وکلام ضروری ہو حتی الوسع اعراض کرجائے۔ نہ بن پڑے تو قدر ضرورت سے تجاوز نہ کرے۔ پھر بھی دل اسی طرف متوجہ ہو

زنہار زنہار اس مسجد مقدس میں کوئی حرف چلا کر نہ کہے۔ یقین جان کہ وہ جناب عہ۱ امراز اعطر وانور میں بحیات ظاہری ،دنیاوی، حقیقی ویسے ہی زندہ ہیں جیسے پیش از وفات تھے[1]۔ موت ان کی ایک امر آنی تھی، اور انتقال ان کا صرف نظر عوام سے چھپ جانا۔

ائمہ دین فرماتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے ایک ایک قول عہ۲ وفعل بلکہ دل کے خطروں عہ۳ پر مطلع ہیں [2]۔اب اگر جماعت قائم ہو شریک ہو جائے کہ اس میں تحیۃ المسجد بھی ادا ہو جائے گی ورنہ اگر غلبہ شوق اجازت دے تو دو رکعت تحیۃ المسجد وشکرانہ حاضری صرف سورہ کافرون واخلاص سے بہت تخفیف کے ساتھ مگر بہ مراعاتِ سنن، مصلائے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جہاں اب وسط مسجد میں محراب بنی ہے اور وہاں میسر نہ آئے تو حتی الوسع اس کے نزدیک ادا کرے۔ بعدہ سجدہ شکر میں گرے اور دعا مانگے کہ الٰہی ! اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب نصیب فرما۔

اب وہ وقت آیا کہ منہ اس کا مثل دل کے اس شباک پاک کی طرف ہو گیا جو اللہ تعالیٰ کے محبوب عظیم الشان کی آرام گاہ رفیع المکان ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، گردن جھکائے، آنکھیں نیچی کئے، لرزتا، کانپتا، بید کی طرح تھر تھراتا، ندامت گناہ سے عرق شرم میں ڈوبا، قدم بڑھا۔ خضوع ووقار وخشوع وانکساری کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کر، سواسجدہ عبادت کے جو بات ادب واجلال میں اکمل ہو بجالا، حضور والا کے پائیں یعنی شرق

عہ۱: اس نفیس مقام پر کتاب مستطاب جواہر البیان شریف میں وہ نفحات جاں افروز ونفحاتِ دشمن سوز ہیں جن کی شرح میں فقیر نے کتاب "سلطنت المصطفی فی ملکوت کل الورٰی" تحریر کی، جسے ان حقائق کی تفصیل دیکھنی منظور ہو اس کی طرف رجوع کرے ان شاء اللہ تعالیٰ حق کا رنگ رچا ملے گا اور باطل کا سر لچا، ذٰلك من فضل الله علینا و علی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون ۱۲ منہ

عہ۲: علامہ علی قاری نے فرمایا حضور سے کچھ پوشیدہ نہیں وہ تیرے تمام افعال واحوال وکوچ ومقام سے آگاہ ہیں[3] ۱۲منہ

عہ۳: امام علامہ محدث شہاب الدین احمد قسطلانی شارح بخاری نے مواہب لدنیہ اور علامہ ابن الحاج مکی محمد عبدری نے مدخل میں اوران کے ماسوااور اکابر علماء نے اس معنی کی تصریح فرمائی ۱۲ منہ غفرلہ

---

[1] شرح مواہب زرقانی المقصد العاشر مطبعہ عامرہ مصر ۸/ ۳۴۸

[2] المدخل فصل فی زیارۃ القبور دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۵۲

[3] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین ص۳۳۸

کی سمت سے آ، کہ وہ جناب مزارِ پر انوار میں رو بقبلہ جلوہ فرما ہیں جب تو اس سمت سے حاضر ہو گا حضور کی نگاہ بیکس پناہ تیری طرف ہو گی اور یہ امر تیرے لیے دو جہاں میں بس ہے۔

پھر زیر قندیل میخ سیمیں کے محاذی جو دیوار حجرہ مقدسہ میں چہرہ انور کے مقابل مرکوز ہے پہنچ کر پشت بہ قبلہ دست بستہ مثل نماز کھڑا ہو عـــہ۱ کہ کتب معتمدہ [1] میں اس معنی کی تصریح ہے اور زنہار جالی شریف کے بوسہ و مس سے دور رہ کہ خلاف ادب ہے، اب نہایت ہیبت و وقار کے ساتھ مجرا و تسلیم بجالا بہ آواز حزیں وصورت درد آگیں و دل شرمناک و جگر صد چاک، معتدل آواز سے نہ نہایت نرم وپست نہ بہت بلند و سخت عرض کر: السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، السلام علیك یا رسول اللہ، السلام علیك یا خیر خلق اللہ، السلام علیك یا شفیع المذنبین، السلام علیك وعلٰی اٰلك واصحابك اجمعین [2]۔

جہاں تک ممکن ہو اور زبان یاری دے اور ملال و کسل نہ ہو۔ صلٰوۃ وسلام کی کثرت کر۔ حضور سے اپنے اور اپنے والدین و مشائخ واحباب تمام اہل اسلام کے لیے شفاعت مانگ۔ بار بار عرض کر: اسئلك الشفاعۃ یا رسول اللہ [3]۔ پھر کسی نے عرض سلام کی وصیت کی تو بجالا، عرض کر: السلام علیك یا رسول اللہ من عبدك عـــہ۲ وابن عبدك احمد رضا بن نقی علی

عـــہ۱: مثل اختیار شرح مختار و فتاوٰی عالمگیری ولباب وشرح لباب وغیرہا ۱۲ منہ

عـــہ۲: اطلاقِ عبد بمعنی غلام قطعاً جائز وشائع اور قرآن وحدیث میں واقع، فقیر غفراللہ تعالٰی نے اپنی کتاب "البارق الشارقۃ علی مارقۃ المشارقۃ" میں اس کی تحقیق مشبع لکھی اور اپنے رسالہ "مجیر معظم شرح قصیدہ اکسیر اعظم" (۱۳۰۲ھ) میں بھی قدرے توضیح، اور گیارہ احادیث پر قناعت کی۔ یہاں اسی قدر کافی کہ رب الارباب عزجلالہ قرآن عظیم میں فرماتا ہے:

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ	نکاح کردو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور

---

[1] فتاوٰی ہندیہ خاتمہ فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۶۵

[2] شرح لباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۸

[3] شرح لباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۹

یسئلك الشفاعة فاشفع له وللمسلمین۔

فقیر اپنے مسلمان بھائیوں سے عاجزانہ درخواست کرتا ہے جو صاحب اس رسالہ پر واقف ہوں اوراللہ عزجلالہ حاضری روضہ اقدس عطافرمائے ان الفاظ کو عرض کرکے ثواب جزیل پائیں اور نالائق ننگِ خلائق کو ممنون احسان بنائیں، اللہ تعالٰی تمھیں دونوں جہان میں جزائے خیر بخشے۔ آمین!

بعدہ ایک گز شرعی اپنے دہنے ہاتھ یعنی مشرق کی جانب ہٹ کر مقابل چہرہ انور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کھڑا ہو کر عرض کر: السلام علیك یا خلیفة رسول الله۔ السلام علیك یا وزیر رسول الله ۔ السلام علیك یا صاحب رسول الله فی الغار ورحمة الله وبرکاته،[1]۔

پھر اس قدر ہٹ کر روبروئے جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ قیام کرکے کہہ: السلام علیك یا امیر المومنین۔ السلام علیك یا متمم الاربعین۔ السلام علیك یا عز الاسلام والمسلمین ورحمة الله وبرکاته،[2]۔

پھر بقدر نصف گز شرعی کے پلٹ آ، اور صدیق وفاروق کے درمیان کھڑا ہو کر عرض کر: السلام علیک یا صاحبی رسول اللہ۔ السلام علیک یا خلیفتی رسول اللہ۔ السلام علیك یا وزیری رسول الله ورحمة الله وبرکاته،[3]۔

ان سب حاضریوں میں بہ جہد تام دعا کرے کہ محل قبول ہے۔ پھر منبر اطہر کے قریب آکر دعا کرے،

پھر روضہ منورہ میں یعنی جو جگہ منبر انور وروضہ مطہرہ کے ہے اور اسے حدیث میں جنت کی کیاری فرمایا آکر دو رکعت نفل پڑھے اور دعا کرے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عِبَادِكُمْ وَاِمَآىِٕكُمْ ؕ[4]	اپنے لائق غلاموں اور کنیزوں کا۔ (ت)

دیکھو اللہ تعالٰی نے ہمارے غلاموں کو ہمارا عبد فرمایا اگرچہ ہمیں اپنے غلام کو یا عبدی نہ کہنا چاہئے، کہ تواضع کے خلاف ہے حدیث میں اس کی ممانعت آئی نہ یہ کہ غلام بھی اپنے آپ کو آقا کا عبد نہ کہے ۱۲ منہ

[1] شرح للباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۳۹
[2] شرح للباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۳۹
[3] شرح للباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۴۰
[4] القرآن ۳۲/۲۴

پھر روضہ منورہ میں یعنی جو جگہ منبر انور وروضہ مطہرہ کے ہے اور اسے حدیث میں جنت کی کیاری فرمایا آکر دو رکعت نفل پڑھے اور دعا کرے۔ اسی طرح مسجد شریف کے ستونوں کے پاس نمازیں پڑھے۔ دعائیں مانگے کہ محل برکات ہیں۔ خصوصًا بعض عـــہ۱ میں خصوصیات خاصہ، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ: اس سواد جنت آباد کی اقامت غنیمت جانے، جُہد کرے کہ کوئی نفس بیکار نہ گزرے۔

مسجد انور سے ضروریات کے سوا باہر نہ جائے۔ باطہارت حاضر رہے مگر حاشا کہ دنیوی باتوں، عبث کاموں میں وقت ضائع نہ کرے۔

مسئلہ: ہمیشہ جلوس مسجد عـــہ۲ میں نیت اعتکاف رکھے، اور روزہ نصیب ہو خصوصًا ایّام گرما میں تو

عـــہ۱: حضرت والد قدس سرہ نے جواہر البیان شریف میں سات ستونوں کی تفصیل فرمائی قال رضی اللہ تعالٰی عنہ ان میں ایک ستون وہ ہے جو محراب مکرم کے دہنی طرف مصلائے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی علامت ہے، ستونِ حنانہ اس کے آگے تھا۔ دوسرا ستون ام المومنین عائشہ صدیقہ کا کہ امام اگر مصلائے شریف میں نماز پڑھے تو اس کے پیچھے کی صف میں جو ستون واقع ہوں ان میں سے منبر سے جانب مشرق تیسرا ستون ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چندروز اس کی طرف نماز پڑھی۔ اس کے پاس دعا مقبول ہوتی ہے، تیسرا اسطوانہ توبہ، اور وہ ستون عائشہ اور ستون ملاصق بہ دیوار حجرہ کے بیچ میں ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علیہ وسلم نے اس کی طرف نماز پڑھی اور وہاں اعتکاف فرمایا تھا۔ چوتھا اسطوانہ السریر کہ جالی شریف سے ملتصق ہے اسطوانہ توبہ سے مشرق کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کے پاس اعتکاف کیا۔ پانچواں ستون علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور وہ شمال کی طرف اسطوانہ توبہ کے پیچھے ہے جناب مرتضی کرم اللہ وجہہ یہاں بیٹھتے اور نماز پڑھتے۔ چھٹا اسطوانہ الوفود کہ وہ اسی جانب اسطوانہ علی کے پیچھے ہے اس میں اور اسطوانہ توبہ میں صرف ستون علی حائل ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور افاضل صحابہ یہاں رونق افروز ہوتے ___ ساتواں اسطوانہ التہجد کہ بیت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پیچھے ہے ۱۲ منہ

عـــہ۲: روایت مفتی بہا پر اعتکاف کے لیے کوئی مقدار معین نہیں ایک لمحہ کا بھی ہوسکتا ہے، نہ اس کے لیے روزہ شرط، تو آدمی کو ہر مسجد میں ہر وقت اس کا لحاظ کرنا چاہئے کہ جب داخل ہو اعتکاف کی نیت کرلے جب تک رہے گا اعتکاف کا بھی ثواب پائے گا، پھر یہ نیت اسے کچھ پابند نہ کرے گی۔ جب چاہے باہر آئے اسی وقت اعتکاف ختم ہوجائے گا **فان الخروج فی النفل المطلق منہٖ لامفسد کما نصوا علیہ** (کیونکہ نفلی طواف میں مسجد سے نکلنا اعتکاف کا اختتام ہے مفسد نہیں جیسا کہ اس پر تصریح کی گئی ہے۔ ت) لوگ اپنی ناواقفی یا بے خیالی سے اس ثواب عظیم کو مفت کھوتے ہیں، **وفقنا اللہ تعالٰی للحسنات بجاہ سید الکائنات علی افضل الصلٰوت والتحیات اٰمین** ۱۲منہ

کیا کہنا اس پر وعدہ عــہ۱ شفاعت ہے۔

مسئلہ: یہاں ہر عمل صالح پچاس ہزار تک مضاعف ہوتا ہے لہذا عبادات میں جہد لازم، شب بیداری رہے، کھانے پینے کی تقلیل رکھے، قرآن مجید کا کم سے کم ایک ختم تو یہاں اور حطیم عــہ۲ کعبہ معظّمہ میں کرلے۔

مسئلہ: نظر حجرہ منورہ وقبہ معطرہ کی طرف عبادت ہے جیسے کعبہ کی طرف، تو خشوع وادب کے ساتھ اس کی کثرت کرے۔

مسئلہ: پنجگانہ نماز کے بعد حضور میں حاضر ہو کر صلٰوۃ وسلام عرض کیا کرے۔

مسئلہ: جب محاذات گنبد اقدس میں گزارے اگرچہ بیرون مسجد اگرچہ بیرون مدینہ جہاں سے قبہ کریمہ نظر آئے بے ٹھہرے اور صلٰوۃ وسلام عرض کئے نہ گزرے کہ ترک ادب ہے۔

مسئلہ: ترک جماعت ہر جگہ بُرا ہے مگر یہاں سخت محرومی، والعیاذ باللہ، حدیث عــہ۳ میں ہے: جس سے چالیس

عــہ۱: حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: میرا جو امتی مدینہ کی شدت وسختی پر صبر کرے گا میں قیامت کے روز اس کا شفیع ہوں گا[1] (**رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ**) اور پر ظاہر کہ روزہ میں شدت ومحنت پر صبر ہوتا ہے خصوصًا بلاد گرم میں خصوصًا جبکہ موسم گرما ہو، خود حدیث میں آیا: **الصوم نصف الصبر**[2] روزہ آدھا صبر ہے۔

فائدہ جلیلہ: جن چیزوں پر وعدہ شفاعت فرمایا گیا جیسے یہ حدیث یا حدیث زیارت شریفہ یا حدیث موت فی المدینہ یا حدیث سوال وسیلہ وغیرہا وہ بحمد اللہ حسن خاتمہ کی بشارت جمیلہ ہیں کہ یہاں وعدہ شفاعت ہے اور وعدہ حضور وعدہ رب غفور، **اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۳۱﴾**[3] (بیشک اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ ت) اور کافر کی شفاعت محال، تو لاجرم بشارت فرماتے ہیں کہ سختی مدینہ پر صابر اور حضور پر نور کا زائر اور مدینہ طیبہ میں مرنے والا اور حضور کے لیے سوال وسیلہ کرنے والا ایمان پر خاتمہ پائے گا **والحمد للہ رب العالمین اللھم ارزقنا آمین ۱۲ منہ**

عــہ۲: کعبہ معظّمہ سے جو متصل جانب شمال جو ایک چھوٹی سی دیوار قوسی شکل پر ہے اس کے اندر کی زمین کو حطیم کہتے ہیں اس کا بڑا ٹکڑا بنائے ابراہیم علیہ الصلٰوۃ والسلام میں داخل کعبہ تھا قریش نے تنگی خرچ کے سبب بنائے جدید میں خارج کردیا ۱۲ منہ

عــہ۳: **رواہ الامام احمد فی مسندہ بسند صحیح عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ والحمد للہ رب العٰلمین۔** اسے امام احمد نے بسند صحیح اپنی مسند میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے **والحمد للہ رب العٰلمین** (ت)

---

[1] صحیح مسلم باب الترغیب فی سکنی المدینۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۴

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث رجل من بنی سلیم دار الفکر بیروت ۴/ ۲۶۰

[3] القرآن ۱۳/ ۳۱

نمازیں میری مسجد میں فوت نہ ہوں اس کے لیے دوزخ ونفاق وعذاب سے آزادیاں لکھی جائیں[1]۔

مسئلہ: دیوار حجرہ کو مس نہ کرے نہ اس سے چمٹے بلکہ کم سے کم تین گز شرعی کا فاصلہ رکھے کہ ادب یہی ہے

مسئلہ: قبر اطہر واعطر کو ہر گز پیٹھ نہ کرے نماز میں نہ غیر نماز میں۔

مسئلہ: روضہ انور کا طواف نہ کرے، نہ زمین چومے۔ نہ پیٹھ مثل رکوع جھکائے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ان کی اطاعت میں ہے۔

مسئلہ: حسب استحسان علماء زیارت بقیع واُحد وقبا ودیگر آثار شریفہ کا قصد ہو تو ان کی تفصیل کتاب علماء سے دریافت کرے ورنہ حجرہ مطہرہ کے حضور حاضر رہنے کے برابر کون سی دولت ہے اللہ تعالٰی دنیا وآخرت میں ان کا قرب عطا فرمائے، آمین۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تمت الطرۃ الرضیۃ علی النیرۃ الوضیۃ شرح الجوھرۃ المضیۃ والحمد للہ۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از انس بن مالک رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۳/ ۱۵۵